سلسلہ احادیث صحیحہ (اردو)

جلد چہارم

تصنیف

مجدد دین محدث کبیر محقق شہیر علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

ترجمہ تبویب، شرح

فضیلۃ الشیخ ابو القاسم محمد محفوظ احمد حفظہ اللہ

نظر ثانی

فضیلۃ الشیخ محمد عبد اللہ سلیم حفظہ اللہ || فضیلۃ الشیخ قمر الزمان المدینی

فضیلۃ الشیخ محمد نعیم رضوان حفظہ اللہ

انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

اسلامی اکادمی، الفضل مارکیٹ، 17-اردو بازار لاہور

فون: 042-37357587

نام کتاب: سلسلہ احادیث صحیحہ (اردو)

تصنیف

مجدد دین محدث کبیر محقق شہیر علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

ترجمہ تبویب، شرح

فضیلۃ الشیخ ابو القاسم محمد محفوظ احمد حفظہ اللہ

ناشر: ابو مومن منصور احمد حفظہ اللہ

اہتمام: محمد رمضان محمدی، محمد سلیم جلالی

اسلامی اکادمی، الفضل مارکیٹ، 17-اردو بازار لاہور فون: 042-37357587

Dar-us-Salam

486 ATLANTIC AVE, BROOKLYN, NY 11217
TEL(718) 625-5925 FAX:(718) 625-1511
E-Mail: darussalamny@hotmail.com
Web Site: www.darussalamny.com

فہرست ابواب
سلسلة الاحاديث الصحيحة

جلد اوّل

- اَلْأَيْمَانُ وَالتَّوْحِيْدُ وَالدِّيْنُ وَالْقَدْرُ..... ایمان،توحید،دین اور تقدیر کا بیان
- العِلْمُ وَالسُّنَّةُ وَالْحَدِيْثُ النَّبَوِيّ..... علم،سنت اور حدیثِ نبوی
- اَلطَّهَارَةُ وَالْوُضُوْءُ..... طہارت اور وضو کا بیان

جلد دوم

- اَلْأَذَانُ وَالصَّلَاةُ..... اذان اور نماز
- اَلصِّيَامُ وَالْقِيَامُ..... روزے اور قیام کا بیان
- اَلزَّكَاةُ وَالسَّخَاءُ وَالصَّدَقَةُ وَالْهِبَةُ..... زکوۃ،سخاوت،صدقہ،ہبہ
- اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ..... حج اور عمرہ
- اَلْبيوعُ وَالْكَسْبُ وَالزُّهْدُ..... خرید وفروخت،کمائی اور زُہد کا بیان
- اَلْحُدُوْدُ وَالْمُعَامَلَاتُ وَالْاَحْكَامُ..... حدود،معاملات،احکام
- اَلْخِلَافَةُ وَالْبَيْعَةُ وَالطَّاعَةُ وَالْإِمَارَةُ..... خلافت،بیعت،اطاعت اور امارت کا بیان

جلد سوم

- اَلْأَيْمَانُ وَالنُّذُوْرُ وَالْكَفَّارَاتُ..... قسموں،نذروں اور کفارات کا بیان
- اَلزَّوَاجُ، وَالْعَدْلُ بَيْنَ الزَّوْجَاتِ وَتَرْبِيَّةُ الْأَوْلَادِ وَالْعَدْلُ بَيْنَهُمْ وَتَحْسِيْنُ أَسْمَائِهِمْ
شادی،بیویوں کے مابین انصاف،اولاد کی تربیت،ان کے درمیان انصاف اور ان کے اچھے نام
- اَلطِّبُّ وَالْعِيَادَةُ..... علاج کرنا اور تیمارداری کرنا
- اَلْمَرَضُ وَالْجَنَائِزُ وَالْقُبُوْرُ..... بیماری،نماز جنازہ،قبرستان
- اَلْأَضَاحِي وَالذَّبَائِحُ وَالْأَطْعِمَةُ وَالْأَشْرِبَةُ وَالْعَقِيْقَةُ وَالرِّفْقُ بِالْحَيَوَانِ

جلد چہارم

جلد پنجم

جلد ششم

❁❁❁❁

فہرست

❀❀❀❀

اَلْأَخْلَاقُ وَالْبِرُّ وَالصِّلَةُ

اخلاق، نیکی کرنا، صلہ رحمی

الاخلاق : لغوی معنی: "الخُلُق" کی جمع ہے، عادت، طبیعت، مزاج، فطرت، طبعی خصلت

اصطلاحی تعریف:...... وہ قوت جس سے بسہولت اور بغیر سوچے اور فکر کیے افعال صادر ہوں۔

البِرّ : لغوی معنی: نیکی، حسن سلوک، اطاعت، احسان

اصطلاحی تعریف:...... خیر و بھلائی کے امور سرانجام دینے میں وسعت اختیار کرنا۔

الصلة : لغوی معنی: تعلق، رشتہ، رابطہ، عطیہ، انعام

اصطلاحی تعریف:...... نسبی اور سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرنا، ان کے ساتھ نرمی برتنا اور ان کے حالات کا خیال رکھنا۔

فقاہت فی الدین اور حسن اخلاق کن لوگوں کی صفات ہیں

(۲۳۴۷)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِيْ مُنَافِقٍ: حُسْنُ سَمْتٍ، وَلَا فِقْهٌ فِي الدِّيْنِ۔)) (الصحيحة:۲۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو خوبیاں منافق میں جمع نہیں ہو سکتیں: حسنِ اخلاق اور دین میں فقاہت۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ۲/ ۱۱۴

شرح:...... امام عبد الرحمٰن مبارکپوری اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ نے یہ فرما کر کہ ''دو خوبیاں منافق میں جمع نہیں ہو سکتیں'' مومنوں کو ترغیب دلائی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان دو صفات سے متصف کریں اور اس بات سے زجر و توبیخ کی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ منافق کی طرح ان میں ایک خصلت ہو اور دوسری صفت نہ ہو۔ اس حدیث میں منافق سے مراد یا تو حقیقی منافق ہے جس کے اعتقاد میں نفاق ہوتا ہے، یا پھر مجازی منافق ہے، جو عمل صالح کے ذریعے ریاکاری کرتا ہے، اسی کو عملی نفاق کہتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ "حُسْنُ سَمْتٍ" سے مراد اخلاق،

سیرت اور طریقہ ہے۔ طیبی نے کہا: نیکوکار کی صورت اور ہیئت کو اپنانا "حُسْـنُ سَمْتٍ" کہلاتا ہے۔ جبکہ میرک نے کہا: "سَمت" کا معنی طریقہ یعنی مقصد ہے، لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل خیر لوگوں کی ہیئت ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے کہا: طرقِ خیر کو تلاش کرنا، صالحین کی سیرت کا اختیار کرنا اور ظاہری و باطنی معائب و نقائص سے اجتناب کرنا "حُسْنَ سَمْتٍ" کہلاتا ہے اور یہی معنی بہترین معلوم ہوتا ہے۔

توربشتی نے "فِـقْـه فِي الدِّيْن" کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: دین میں فقاہت سے مراد وہ ملکہ ہے جو دل میں جگہ پکڑے، پھر زبان پر ظاہر ہو اور عملِ صالح کا فائدہ دیتے ہوئے بندے میں خشیت اور تقوی جیسی صفات پیدا کرے۔ رہا مسئلہ اس نام نہاد فقیہ کا جو فقہ کے ابواب کا مطالعہ اس مقصد کے پیشِ نظر کرتا ہے کہ اس کو عزت و شرف حاصل ہو اور روزی کے اسباب پیدا ہوں، تو وہ فقاہت فی الدین جیسے عظیم مرتبے سے کوسوں دور ہے، کیونکہ اس کی فقہ کا تعلق صرف زبان سے ہے، نہ کہ دل سے۔ جیسا کہ سیدنا علی كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ نے کہا: "وَلٰـكِنِّيْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ كُلَّ مُنَافِقٍ عَـلِيْـمِ اللِّسَانِ، " ...... مجھے تمہارے بارے میں زبان کے داؤ پیچ سے واقف اور چکنی چپڑی باتیں کرنے والے منافق سے ڈر لگتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ مراد نہیں کہ منافق ان دو عظیم صفات میں سے ایک سے متصف ہوتا ہے اور دوسری سے عاری، بلکہ مومنوں کو اس بات پر آمادہ کیا جا رہا ہے کہ وہ ان دونوں خصائل کو اپنائیں اور ان کو متاثر کرنے والے اعمالِ قبیحہ سے اجتناب کریں، کیونکہ وہ بندہ منافق ہوگا جو ان دو خصلتوں سے غیر متصف ہوگا۔" (تحفہ الاحوذی)

فقاہت فی الاسلام کی برتری

(٢٣٤٨)۔ عَـنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سُئِـلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَـنْ أَكْرَمُ النَّاسِ؟ قَالَ: ((أَتْقَاهُمْ لِلّٰهِ۔)) قَالُوْا: لَيْسَ عَنْ هٰذا نَسْأَلُكَ؟ قَالَ: ((فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوْسُفُ نَبِيُّ الـلّٰـهِ ابْنُ نَبِيِّ اللّٰهِ ابْنِ نَبِيِّ اللّٰهِ ابْنِ خَلِيْلِ اللّٰهِ۔)) قَالُوْا: لَيْسَ عَنْ هٰذا نَسْأَلُكُ؟ قَالَ: ((فَعَـنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُوْنِيْ؟ النَّاسُ مَعَادِنُ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الإِسْلَامِ، إِذَا فَقِهُوْا۔)) (الصحيحة:٣٩٩٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: لوگوں میں سب سے زیادہ معزز کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: "جو اللہ تعالی سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔" صحابہ نے کہا: ہم نے اس کے بارے میں تو سوال نہیں کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تو پھر لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والے اللہ کے نبی حضرت یوسف ہیں، جن کے باپ بھی نبی ہیں، دادا بھی نبی ہیں اور پڑدادا خلیل اللہ ہیں۔" صحابہ نے کہا: ہمارا سوال اس کے متعلق بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تو پھر تم عرب کی کانوں (یعنی مختلف لوگوں) کے متعلق سوال کر رہے ہو؟ لوگ تو کانیں ہیں، ان میں سے زمانۂ جاہلیت کے بہتر لوگ، اسلام میں بھی بہتر ہیں جبکہ انھیں دین کی سمجھ ہو۔"

تخریج: أخرجه البخاري:٣٣٨٣و ٤٦٩٠، ومسلم:٧/ ١٠٣، والبغوي في"شرح السنة": ١٣/ ١٢٥، وأحمد: ٢/ ٤٣١

شرح:...... جس طرح کانیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں، کوئی عمدہ اشیا پر مشتمل ہوتی ہے تو کوئی ردّی چیزوں پر، اسی طرح لوگ بھی اخلاق و اعمال کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں، یعنی کوئی اچھا ہوتا ہے تو کوئی برا۔ علاوہ ازیں شرف وفضل اور اخلاق وکردار کے اعتبار سے جولوگ زمانۂ جاہلیت میں ممتاز ہوں، اگر وہ دین میں فہم وفراست حاصل کرلیں تو مسلم معاشرے میں بھی ان کا سابقہ مقام ومرتبہ بحال رہے گا۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا آدمی وہ ہے جو خشیتِ الٰہی اور خوفِ خدا سے معمور ہو۔اس کے علاوہ حضرت یوسف علیہ السلام کی افضلیت کا پتہ چلتا ہے جن کے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام، دادا حضرت اسحاق علیہ السلام اور پڑدادا حضرت ابراہیم علیہ السلام سب اللہ تعالی کے پیغمبر تھے۔

صحابہ کے مابین رشتۂ اخوت

(٢٣٤٩)۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: آخي صلى الله عليه وسلم بَيْنَ الزُّبَيْرِ وَبَيْنَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ۔ (الصحيحة:٣١٦٦)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔

تخريج: اخرجه البخاري فى "الادب المفرد": ٥٦٨، والبيهقى فى "السنن": ٦/ ٢٦٢

شرح:...... واضح رہے کہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں مہاجر صحابہ ہیں اور اس حدیث مبارکہ میں مذکورہ بھائی چارے کا قیام مکہ مکرمہ میں عمل میں لایا گیا تھا، جیسا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہا: "قَالَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ: كَانَتِ الْمُؤَاخَاةُ مَرَّتَيْنِ: مَرَّةً بَيْنَ الْمُهَاجِرِيْنَ خَاصَّةً وَذٰلِكَ بِمَكَّةَ وَمَرَّةً بَيْنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ۔"...... حافظ ابن عبدالبر نے کہا: رشتۂ اخوت دو دفعہ قائم کیا گیا تھا: ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں مہاجرین کے مابین اور دوسری دفعہ (مدینہ منورہ میں) مہاجرین اور انصار کے درمیان۔

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے کا دست و بازو بننے کے لیے گراں قدر قربانیاں پیش کیں کہ اگر کوئی مسلمان بے گھر اور بے آسرا ہے تو گھر بار والا صحابی نہ صرف اس کو اپنے گھر کا فرد قرار دے کر اس کا سہارا بن جاتا تھا، بلکہ اس کو ہر قسم کی ذہنی اور جسمانی تسکین پہنچانے کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دیتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں اپنے پیروکاروں کے مابین دو دفعہ رشتۂ اخوت قائم کیا، یہ بھائی چارہ اسلام کے نام پر تھا، دوسری بار تو انصار نے اللہ تعالی کے نام پر مہاجرین کے لیے قربانیوں کی جو مثال پیش کی، کوئی بھی مذہب ایسے ایثار کی مثال پیش نہیں کرسکتا۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے خون کے پیاسوں کو ایک دوسرے کی عزت وحرمت

کا محافظ بنا دیا۔

راستوں میں بیٹھنے کے حقوق

(۲۳۵۰)۔ عَنْ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ فِي الصُّعُدَاتِ (وَفِيْ رِوَايَةٍ: الطُّرُقِ) فَإِنْ كُنْتُمْ لَابُدَّ فَاعِلِيْنَ، فَأَعْطُوا الطَّرِيْقَ حَقَّهُ۔)) قِيْلَ: وَمَا حَقُّهُ؟ قَالَ: ((غَضُّ الْبَصَرِ، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَإِرْشَادُ الضَّالِ۔)) (الصحيحة:۲۵۰۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''راستوں میں بیٹھنے سے بچو، اگر ایسا ضروری طور پر کرنا ہی پڑ جائے تو راستے کو اُس کا حق دیا کرو۔'' پوچھا گیا: اُس کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نگاہ جھکا کر رکھنا، سلام کا جواب دینا اور ناواقف کی رہنمائی کرنا۔''

تخريج: أخرجه الطحاوي في "مشكل الآثار": ۱/ ۵۸، والبزار في "مسنده": ۲/ ۴۲۵/ ۲۰۱۸۔ كشف الأستار

شرح:...... اس حدیثِ مبارکہ میں اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ انسانیت کو ہر قسم کی تکلیف سے بچانے کے لیے صرف اسلام نے ٹھوس اقدامات کیے ہیں کہ عام راستوں اور گزرگاہوں کو معاشرے کی اجتماعی ملکیت قرار دیا۔ اس لیے ان پر مجلسیں جما کر بیٹھنا صحیح نہیں، اس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہو سکتی ہے، بالخصوص پردہ دار عورتوں کو، جو لوگوں کے سامنے آنے یا ان کے سامنے سے گزرنے کو ناپسند کرتی ہیں۔ اگر کسی مجبوری کی بنا پر کسی گزرگاہ پر بیٹھنا ہی پڑ جائے تو ایسا انداز اختیار کیا جائے کہ گزرنے والوں کو کوئی تکلیف نہ ہو، مثلاً گزرنے والی عورتوں سے نظر بچا کر رکھنا، اچھی گفتگو کرنا، زیادہ بوجھ لادے ہوئے آدمی کی مدد کرنا، مظلوم اور مصیبت زدہ کے ساتھ تعاون کرنا، بھٹکے ہوئے کی رہنمائی کر دینا، سلام کا جواب دینا۔

اگر اسلام میں شاہراہوں اور گزرگاہوں کے حقوق یہ ہیں تو پھر ان پر تجاوزات قائم کر کے یا شادی بیاہ کے موقع پر ان کو بند کر کے یا لڑکوں کا سڑکوں پر کھیلیں شروع کر کے ہزاروں انسانوں کو تکلیف دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ لیکن بدقسمتی سے یہ چیز ہمارے ملک میں عام ہے۔ مزید کہا جا سکتا ہے کہ تنگ سڑکوں، موڑوں اور اترائی و چڑھائی پر (LTV) یعنی چھوٹی گاڑی والوں کو (HTV) یعنی بڑی ٹرانسپورٹ کا خیال رکھنا چاہیے، کیونکہ ٹریلر اور ٹرک وغیرہ کا سڑک سے اترنا مشکل ہوتا ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ احادیث چند ایک اہم آدابِ اسلامی پر مشتمل ہیں، جن کا تعلق راستوں اور گھروں کے صحنوں میں بیٹھنے سے ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان آداب کا احترام کریں، بالخصوص ان امور کا، جو فرض ہیں، مثلاً عورتوں سے نگاہوں کو پست کرنا کہ دوسری کئی احادیث میں بھی اس کا حکم دیا گیا

ہے اور اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾ (سورۂ نور: ۳۰) ...... ''مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں، یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالی سب سے خبردار ہے۔''

غور کریں کہ اللہ تعالی کا یہ حکم امت اسلامیہ کی پہلی نسل یعنی صحابہ کرام کو براہِ راست دیا گیا، حالانکہ وہ مطہّر اور منوّر تھے اور ان کے لیے کسی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ جسم کا کوئی اور حصہ دیکھنا ممکن ہی تھا، جیسا کہ مختلف احادیث سے پتہ چلتا ہے، مثال کے طور پر خثعمی عورت کی حدیث اور بنتِ ہبیرہ وغیرہ کی حدیث ہے، جو میری تصنیفات (جلباب المرأة) اور (آداب الزفاف) میں مذکور ہیں۔

میں کہتا ہوں: جس زمانے میں صرف عورت کے چہرے اور ہاتھوں پر نگاہ پڑنا ممکن تھی، اس وقت بھی نگاہیں پست رکھنے کا حکم تھا۔ کوئی شک وشبہ نہیں کہ عصرِ حاضر میں اس حکم میں مزید تاکید پیدا ہوگئی ہے، جس میں عورتوں نے لباس بھی زیبِ تن کر رکھا ہے اور ننگی بھی ہیں۔ ان ہی عورتوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''بعض عورتیں ایسی بھی ہوں گی کہ جو ملبوس ہونے کے باوجود برہنہ ہوں گی، وہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود ان کی طرف مائل ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کی کوہانوں کی طرح ہوں گے۔ ایسی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی ......''

(صحيحه: ١٣٢٦)

اس لیے بالعموم ہر مسلمان پر اور بالخصوص ہر مسلم نوجوان پر واجب ہے کہ وہ اپنی نظریں جھکا کر رکھا کرے، خاص طور پر (مختلف چوراہوں پر آویزاں) حیا سوز اور ہیجان انگیز تصاویر کو دیکھنے سے گریز کریں۔ ایسے دور میں نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ ان فتنوں سے بچنے کے لیے پہلی فرصت میں شادی کریں اور استطاعت نہ ہونے کی صورت میں روزے رکھنے کا اہتمام کریں، اس سے بری خواہشات ختم ہو جاتی ہیں۔ سو میں اللہ تعالی سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اپنی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کی توفیق دے اور اپنی نافرمانیوں سے محفوظ رکھے، بیشک وہ سننے والا اور جواب دینے والا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کو کنیت سے پکارنا

(٢٣٥١)۔ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ لِصُهَيْبٍ: أَيُّ رَجُلٍ أَنْتَ، لَوْلَا خِصَالٌ ثَلَاثٌ فِيكَ! قَالَ: وَمَا هُنَّ: قَالَ: اكْتَنَيْتَ وَلَيْسَ لَكَ وَلَدٌ، وَانْتَمَيْتَ إِلَى الْعَرَبِ وَأَنْتَ مِنَ الرُّوْمِ وَفِيْكَ سَرَفٌ فِي الطَّعَامِ۔ قَالَ: أَمَّا قَوْلُكَ:

حمزہ بن صہیب، اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے کہا: تو بڑا اچھا آدمی ہے، کاش تجھ میں تین (نامناسب) صفات نہ ہوتیں۔ صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ کون سی ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو نے کنیت رکھی ہوئی ہے، حالانکہ تیری اولاد نہیں ہے، تو عرب کی طرف منسوب ہوتا ہے، حالانکہ تو رومی ہے اور

اكْتَنَيْتَ وَلَمْ يُوْلَدْلَكَ: فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَنَّانِي أَبَايَحْيٰى وَأَمَّا قَوْلُكَ: اِنْتَمَيْتَ إِلَى الْعَرَبِ وَلَسْتَ مِنْهُمْ، وَأَنْتَ رَجُلٌ مِنَ الرُّوْمِ، فَإِنِّي رَجُلٌ مِّنَ النَّمْرِ بْنِ قَاسِطٍ فَسَبَتْنِي الرُّوْمُ مِنَ الْمَوْصِلِ بَعْدَ إِذْ أَنَا غُلَامٌ عَرَفْتُ نَسَبِي، وَأَمَّا قَوْلُكَ: فِيْكَ سَرَفٌ فِي الطَّعَامِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((خِيَارُكُمْ مَنْ أَطْعَمَ الطَّعَامَ۔)) (الصحيحة: ٤٤)

تو لوگوں کو کھلانے میں اسراف سے کام لیتا ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کا (یہ اعتراض کہ) کہ میں نے کنیت رکھی ہوئی ہے، حالانکہ میرا کوئی لڑکا نہیں ہے (تو اس کا جواب یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ نے خود میری کنیت ابو یحیٰی رکھی تھی۔ آپ کا (دوسرا اعتراض کہ) میں نے اپنے آپ کو عربوں کی طرف منسوب کر رکھا ہے، حالانکہ میں ان میں سے نہیں ہوں، بلکہ رومی ہوں (تو اس کا جواب یہ ہے کہ) میں قبیلہ نمر بن قاسط سے ہوں، رومیوں نے مجھے موصل سے قید کرلیا، میں اس وقت نوجوان تھا اور اپنا نسب پہچانتا تھا اور آپ (کا یہ اعتراض کہ) میں کھانا کھلانے میں اسراف کرتا ہوں تو میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ: ''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے، جو کھانا کھلائے۔''

تخريج: رواه لوين في "أحاديثه": ٢٥/ ٢، و ابن سعد في "الطبقات": ٣/ ٢٢٧، والحاكم: ٤/ ٢٧٨، وصححه ووافقه الذهبي، والطبراني في "الكبير": ٨/ ٤٤/ ٧٣١٠، وابن عساكر: ٨/ ١٩٤، والضياء المقدسي في "الأحاديث المختارة": ١٦/ ١، والحافظ ابن حجر في "الأحاديث العاليات": ٢٥ وقال: حديث حسن، رواه ابن ماجه، وابويعلى والطبراني

شرح:...... علامہ البانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس آدمی کے لیے کنیت رکھنا بھی مشروع ہے، جس کی اولاد نہ ہو، بلکہ صحیح بخاری وغیرہ میں تو یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک چھوٹی سی بچی کو ایک خوبصورت کپڑا پہنایا اور فرمایا: ((هٰذَا سَنَا يَا أُمَّ خَالِدٍ! هٰذَا سَنَا يَا أُمَّ خَالِدٍ)) (اے ام خالد! یہ اچھی ہے۔ اے ام خالد! یہ اچھی ہے۔)

لیکن تمام مسلمان بالخصوص عجمی لوگ اس عربی اور اسلامی سنت کو ترک کر چکے ہیں، اولاد ہونے کے باوجود کم ہی لوگ ہیں جو کنیت رکھتے ہیں، چہ جائیکہ وہ جن کے ہاں اولاد ہی نہ ہو۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ کنیت کی بجائے عجیب عجیب اعزازی القاب کا انتخاب کیا جاتا ہے، مثلاً مسٹر، جناب، بیگ، پاشا، سیّد، استاد، قبلہ وغیرہ۔ حالانکہ ان میں ایسے القاب بھی ہیں، جن سے اُس آدمی کا تزکیہ ہوتا ہے اور کئی احادیث کی روشنی میں ایسا نام یا لقب ممنوع ہے، (جیسے آپ ﷺ نے زکیّہ نام تبدیل کر کے زینب رکھا تھا)۔

مزید اس حدیث میں کھانا کھلانے کی فضیلت بیان ہوئی ہے، یہ حسین عادت اسلام کی آمد سے پہلے عربوں کے حق میں آئی تھی، اسلام نے اس عمل صالح میں مزید تاکید پیدا کر دی، مختلف احادیث شریفہ میں اس کی ترغیب دلائی گئی

ہے۔ اہل یورپ تو سرے سے اس خصلت سے غیر متعارف تھے اور نہ ان کو ذوق تھا، الا یہ کہ وہ لوگ جنہوں نے اسلام کے سامنے اظہارِ عجز اختیار کیا، جیسے البان کے باشندے۔

بڑا افسوس ہے کہ مسلم اقوام، یورپی اندازِ حیات اختیار کرنے کو ترجیح دے رہی ہیں، قطع نظر اس سے کہ وہ طرزِ زندگی اسلام کے موافق ہے یا مخالف۔ یہی وجہ ہے کہ وہ رواجی اور رسمی موقعوں کے علاوہ ضیافت و میزبانی کا سرے سے کوئی اہتمام نہیں کرتے۔ لیکن ہمارا مقصود کسی مخصوص موقع پر رواجی کھانا کھلانا نہیں، ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ جب ہمارا مسلمان دوست ہمارے پاس آتا ہے تو ہم پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس کے لیے اپنے گھر کے دروازے کھول دیں اور اس کی میزبانی کا حق ادا کریں۔ احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں مہمان کی تین دن تک ضیافت ہم پر حق ہے۔

عصرِ حاضر کی یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ بعض مسلمان عربی زبان پر نازاں ہیں، حالانکہ وہ احسن انداز میں اس زبان کا ملکہ ہی نہیں رکھتے۔ لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ اس زبان کے نام نہاد دعویداروں میں جود و کرم اور عزت و غیرت جیسے عربی اخلاقِ کریمہ کی کوئی رمق باقی نہیں رہی، جو دراصل دوسری امتوں کے لیے لوازم زندگی اور بنیادی اجزا تھے، کسی نے کیا خوب کہا:

وَإِنَّمَا الْأُمَمُ الْأَخْلَاقُ مَا بَقِيَتْ فَأَنْ هُمْ ذَهَبَتْ أَخْلَاقُهُمْ ذَهَبُوْا

یعنی: ''جب تک اخلاق باقی ہوں، امتیں بھی باقی رہتی ہیں جب اخلاق ماند پڑ جائیں تو امتیں بھی کالعدم ہو جاتی ہیں۔''

لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی اچھا انداز اختیار کیا اور فرمایا: ((إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ (وَفِي رِوَايَةٍ: صَالِحَ) الْأَخْلَاقِ.)) ...... ''مجھے تو صرف اس (مقصد) کے لیے مبعوث کیا گیا کہ اخلاقی اقدار کی تکمیل کر سکوں۔'' (صحیحہ: ٤٤)

شرم وحیا کے فقدان کا انجام

(٢٣٥٢)۔ عَنْ أَبِي مَسْعُوْدِ الْبَدَرِيِّ مَرْفُوْعاً: ((آخِرُ مَا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُوْلَى: إِذَا لَمْ تَسْتَحِي فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ۔)) (الصحيحة:٦٨٤)

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پہلی نبوت کے کلام سے لوگوں کو آخری بات یہ ملی ہے کہ جب تو حیا نہ کرے تو جو چاہے کرتا پھرے۔''

تخریج: اخرجه ابن عساكر فى "تاريخ دمشق" من حديث ابى مسعود البدرى۔ ورواه البخارى عن أبى مسعود بلفظ: ((ان مما ادرك الناس ......)) الى آخر ما هنا، وابوداود: ٤٧٩٧، وابن ماجه: ٤١٨٣، والطحاوى فى "المشكل" ١/ ٤٧٩، واحمد: ٤/ ١٢١

شرح: ...... شریعت مطہرہ میں جس ''حیاء'' کی تعریف کی گئی ہے، حافظ ابن حجر نے اس کی توضیح یوں کی ہے:

وَفِي الشَّرْعِ: خُلُقٌ يَبْعَثُ عَلَى اجْتِنَابِ الْقَبِيْحِ وَيَمْنَعُ مِنَ التَّقْصِيْرِ فِي حَقِّ ذِي الْحَقِّ۔ (فتح

الباری: ۱/ ۷۲) ..... شریعت میں (حیا سے مراد) وہ خصلت ہے جو قبیح چیز سے اجتناب کرنے اور کسی حقدار کے حق میں کمی کرنے سے باز رہنے پر آمادہ کرے۔

اس مفہوم میں حیا ایسی عظیم صفت ہے، جو منکرات و سیئات سے پرہیز کرنے اور تزکیہ نفس میں مؤمن کی سب سے بڑی معاون ہے اور اللہ تعالی اور اس کے بندوں کے حقوق کی پاسداری کرنے پر ابھارتی ہے اور ان ہر قسم کی کم و کاست کرنے سے روکتی ہے۔

مذکورہ حدیث میں "..... مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُوْلٰى" سے مراد یہ ہے کہ تمام انبیا و رسل کی شریعتوں میں شرعی حیا کی اہمیت بحال رہی۔

اس حدیثِ مبارکہ میں باحیا ہونے کی ترغیب دلائی گئی ہے، یعنی جب کوئی انسان حیائے شرعی کو ترک کر دیتا ہے تو وہ طبعی طور پر ایسے دہانے پر کھڑا ہو جاتا ہے، جہاں ہر قسم کی برائی کا ارتکاب کرنا اور ہر قسم کی نیکی کو ترک کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اس حدیث پر اسلام کا مدار ہے، کیونکہ یہ حیا ہی ہے کہ جس کی بنا پر مومن فرض اور مستحب کو ترک کرنے سے اور حرام اور مکروہ کا ارتکاب کرنے سے باز رہتا ہے۔

نیز یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ جو آدمی استطاعت کے باوجود کوئی نیکی کرنے یا کسی برائی سے باز آنے کے سلسلے میں لوگوں سے شرم محسوس کرتا ہے، اسے حیادار نہیں کہا جا سکتا، بلکہ وہ بزدل اور ضعیف الایمان ہے، جو شریعت کی روشنی میں بے حیا ہے۔

شرم و حیا کی فضیلت

(۲۳۵۳)۔ قَالَ ﷺ: ((إِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقاً، وَخُلُقُ الإِسْلَامِ الْحَيَاءُ۔)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسٍ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ۔ (الصحيحة: ۹٤۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر دین کا ایک مزاج ہوتا ہے اور اسلام کا مزاج حیا ہے۔'' یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔

تخريج: ۱۔أما حديث أنس؛ فأخرجه ابن ماجه: ٤١٨١، والخرائطي في "مكارم الأخلاق": صـ٤٩، و الطبراني في "الصغير": ص٥، والبغوي في "حديث علي بن الجعد": ١٢/ ١٦٩/ ١، وابن المظفر في "الفوائد المنتقاة": ٢/ ٢١٦/ ٢، وأبو الحسن بن لؤلؤ في "حديث حمزة الكاتب": ٢٠٦/ ١، وأبو الحسن الحربي في "جزء فيه نسخة عبدالعزيز بن المختار عن سهيل بن أبي صالح عن أبي هريرة: ١٦٤/ ٢، والخطيب في "التاريخ": ٧/ ٢٣٩، والقضاعي في "مسند الشهاب": ٨٦/ ١، وابن عساكر: ٨/ ٤٤٦/ ٢و١٦/ ٣٩٢/ ٢

٢۔وأما حديث ابن عباس؛ فأخرجه الخرائطي، والعقيلي في "الضعفاء": ١٨٧، و الطبراني في "المعجم

الكبير": ١٠/ ٣٨٩/ ١٠٧٨٠، وابن عدى في "الكامل": ١٩٨/ ١، وأبو نعيم في "الحلية": ٣/ ٢٢٠

شرح:...... یہ حدیث اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے کہ اہل اسلام کو انتہائی با حیا ہونا چاہیے، کیونکہ وہ جس دین کے پیروکار ہیں، اس کا مزاج ہی حیا ہے۔ شرم وحیا کا مفہوم سابق عنوان کے تحت گزر چکا ہے۔

(٢٣٥٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ((اَلْحَيَاءُ مِنَ الإِيْمَانِ وَالإِيْمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ، وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ۔)) (الصحيحة:٤٩٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حیاء، ایمان سے ہے اور ایمان جنت میں (لے جانے والا) ہے اور بد کلامی و بد زبانی، اکھڑ مزاجی (بد خلقی) سے ہے اور اکھڑ مزاجی آگ میں (لے جانے والی) ہے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ١/ ٣٦١، وابن حبان:١٩٢٩، والحاكم: ١/ ٥٢-٥٣، وعبدالله بن وهب في "الجامع" ٧٣، وأحمد: ٢/ ٥٠١، محمد بن مخلد العطار في "المنتقى من حديثه": ٢/ ١٩/ ٢، وابن عساكر في "تاريخ دمشق": ٤/ ٣٣٥/ ١

شرح:...... اس حدیث میں جہاں شرم وحیا کو سراہا گیا اور ایمان کا جزو قرار دیا گیا ہے، وہاں بدکلامی اور بداخلاقی کی شدید مذمت بھی کی گئی ہے۔

(٢٣٥٥)۔ عَنْ عُمَرَ۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ: ((اِسْتَحْيُوْا، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، لَاتَأْتُوْا النِّسَاءَ فِيْ أَدْبَارِهِنَّ۔)) (الصحيحة:٣٣٧٧)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم شرم کرو، بیشک اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا، عورتوں کو پشت سے استعمال مت کرو۔''

تخريج: أخرجه النسائي في "السنن الكبرى": ٥/ ٣٢٢/ ٩٠٠٩، والبزار في مسنده "البحر الزخار": ١/ ٤٧٤/ ٣٣٩، والخرائطي في "مساوىء الأخلاق": ٢٠٩- ٤٦٦/٢١٠، وأبو يعلي في "المسند الكبير": ٢/ ٣٤٤/ ٧٧٩- المقصد العلي

شرح:...... حیا ایسا ملکہ ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ہر قسم کی کم و کاست کرنے سے باز رکھتا ہے، اس مفہوم میں حیا کو اسلام کا مزاج اور ایمان کا حصہ قرار دیا گیا۔ آخری حدیث اس حقیقت کی غماز ہے کہ حیا کا ہی تقاضا ہے کہ عورت سے غیر فطری جماع نہ کیا جائے، کیونکہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی حدود کو پھلانگنے کے مترادف ہے، یاد رہے کہ بیوی کو پشت سے استعمال کرنا حرام ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَلْعُوْنٌ مَنْ أَتٰى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا۔)) ...... ''وہ شخص لعنتی ہے جو عورت سے اس کی پشت میں جماع کرتا ہے۔'' (ابوداود، ابن ماجہ) تاہم اس بات پر اتفاق ہے کہ آدمی اپنی بیوی کی پشت کی جانب سے یا کسی بھی طریقے سے صرف اس کی قبل (فرج) میں جماع کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے کیسے شرمایا جائے؟

(٢٣٥٦)۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ يَزِيْدَ الأَنْصَارِيِّ: أَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰه ﷺ أَوْصِنِي قَالَ: ((أُوْصِيْكَ أَنْ تَسْتَحْيِيَ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ كَمَا تَسْتَحِيْ رَجُلاً مِنْ صَالِحِيْ قَوْمِكَ۔)) (الصحيحة:٧٤١)

حضرت سعید بن زید انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو اللہ تعالیٰ سے اس طرح شرم و حیا کر جس طرح تو اپنی قوم کے نیکوکار شخص سے شرماتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمدفي"الزهد": صـ٤٦، وأبو عروبة الحراني في"الطبقات": ٢/ ١٠/ ١۔ المنتقى منه، والسلمي في"آداب الصحبة": ١٢/ ١، والبيهقي في "الشعب": ٢/ ٤٦٢/ ٢، و الخرائطي في"مكارم الأخلاق": صـ٥٠

شرح:...... چونکہ انسان طبعی طور پر ظاہر پرست ہے اور غیبی اور معنوی امور پر ایمان لانے کی بہ نسبت موجودہ اور حسّی چیزوں کو جلدی تسلیم کرتا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے اپنے امتیوں کو شرم و حیا کا پیکر بنانے کے لیے حسّی چیز کی مثال دی، جس کا ہر کوئی لحاظ کرتا ہے، لیکن آپ ﷺ کا مقصود اللہ تعالیٰ کا پاس و لحاظ کروانا ہے، جو انسان کے لیے معنوی چیز ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جیسے ہم اپنے بزرگوں کے سامنے کوئی ناشائستہ اور نامناسب حرکت کرنے سے گریز کرتے ہیں، بشرطیکہ کہ ہم ان کو باوقار سمجھ کر ان کے ادب و احترام کے تقاضے پورے کرنے والے ہوں، یہی معاملہ اللہ تعالیٰ سے کرنا چاہیے، جو ہماری حرکات و سکنات سے بخوبی آگاہ ہے۔

بے مقصد گفتگو اور بخل کا انجام

(٢٣٥٧)۔ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ فَقَدَ كَعْباً فَسَأَلَ عَنْهُ؟ فَقَالُوْا: مَرِيْضٌ، فَخَرَجَ يَمْشِيْ حَتّٰى أَتَاهُ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ، قَالَ: ((أَبْشِرْيَا كَعْبُ!)) فَقَالَتْ أُمُّهُ: هَنِيْئاً لَكَ الْجَنَّةُ يَاكَعْبُ! فَقَالَ: ((مَنْ هٰذِهِ الْمُتَأَلِّيَةُ عَلَى اللّٰهِ؟)) قَالَ: هِيَ أُمِّي يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ: ((مَا يُدْرِيْكِ يَا أُمَّ كَعْبٍ! لَعَلَّ كَعْباً قَالَ مَالَا يَعْنِيْهِ، أَوْ مَنَعَ مَالَا يُغْنِيْهِ۔))

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کعب کو گم پایا، تو ان کے بارے میں پوچھا (کہ وہ کہاں ہے)۔ صحابہ نے کہا: وہ بیمار ہے۔ آپ ﷺ پیدل نکل پڑے حتی کہ اُس کے پاس پہنچ گئے۔ جب آپ ﷺ اُس پر داخل ہوئے، تو فرمایا: ''اے کعب! خوش ہو جاؤ۔'' (یہ سن کر) اُس کی ماں نے کہا: اے کعب! تجھے جنت مبارک ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ پر قسم اٹھانے والی یہ عورت کون ہے؟'' کعب نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ میری ماں ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اے ام کعب! ممکن ہے کہ کعب نے کوئی

(الصحيحة: ٣١٠٣)

بے مقصد بات کہی ہو یا ایسی چیز (کو خرچ کرنے سے) رک گیا ہو جو اسے غنی نہ کرتی ہو۔“

تخريج: أخرجه ابن أبي الدنيا في "الصمت": ٧٤/ ١١٠، والخطيب في "التاريخ": ٤/ ٢٧٣، والطبراني في "المعجم الاوسط": ٢/ ١٤٩/ ٧٢٩٩

شرح: ...... ایک طرف نبی کریم ﷺ، سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کو کوئی خوشخبری سنانا چاہتے ہیں، لیکن دوسری طرف جب سیدہ ام کعب رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو جنت کی مبارکباد پیش کی تو آپ ﷺ نے بے مقصد بات اور معمولی چیز کے بخل کے خدشے کی وجہ سے کعب کو یہ بشارت سنانے سے روک دیا۔

معلوم ہوا کہ لایعنی گفتگو، بے مقصد بات اور معمولی چیزوں کے بارے میں بخل کرنے جیسے جرائم بندے کی ہلاکت کا سبب بن کر اس کو جنت سے محروم کر سکتے ہیں۔ نیز اس حدیث سے یہ سبق بھی حاصل ہوتا ہے کہ کوئی امتی کسی آدمی کے حق میں جنت یا جہنم کا حتمی طور پر فیصلہ نہیں دے سکتا، البتہ اعمالِ صالحہ کی بنیاد پر نیکوکار لوگوں کے لیے انجامِ خیر کا حسن ظن رکھنا چاہیے۔

جھگڑالو شخص اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتا ہے

(٢٣٥٨)۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا۔ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ))(الصحيحة: ٣٩٧٠)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ آدمی ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔“

تخريج: أخرجه البخاري: ٤٥٢٣، ٧١٨٨، ومسلم: ٨/ ٥٧، والترمذي: ٢٩٧٦، والنسائي: ٢/ ٣١١، وابن حبان: ٥٦٦٧، والبيهقي: ١٠/ ١٠٨، وفي "الأسماء والصفات": ٥٠١، وأحمد: ٦/ ٥٥ و ٦٣ و ٢٠٥

شرح: ...... مجادلہ اور مخاصمہ اس قدر قبیح صفت ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ایسے موصوف سے بغض رکھتے ہیں، جھگڑا جیسا بھی ہو، بالآخر جھگڑالو کو قابلِ مذمت بنا کے ہی چھوڑتا ہے۔

جھگڑالو آدمی اپنی تمام تر صلاحیتیں کھو بیٹھتا ہے، فسق و فجور بکتا ہے، دوسروں کی حرمتیں پامال کرتا ہے، ضد اور ہٹ دھرمی پر تل جاتا ہے، اس میں تکبر اور نخوت جیسے شیاطین ابھر آتے ہیں، الغرض وہ آپے سے باہر ہو کر ”لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی“ کا مصداق بن جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں حتی الوسع اپنے حق کی خاطر بھی جھگڑا کرنے سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے، جیسا کہ سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَأَنْ كَانَ مُحِقًّا۔“ (ابوداود)...... ”میں اس شخص کے لیے جنت کی اطراف میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیا۔“

جھگڑالو سے اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ نفرت فرماتے ہیں اور اگر غور کیا جائے تو لڑائی جھگڑے میں اتنی بڑی قباحتیں

ہیں کہ جن کی وجہ سے آدمی اللہ کا محبوب نہیں ٹھہر سکتا:

(۱) جھگڑالو شخص اپنی اصلیت واوقات پر نظر نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح پانی کی بوند سے اسے خوبصورت وجود عطا کرتے ہوئے عقلِ سلیم جیسی عظیم نعمت سے ہمکنار فرمایا، اس قدر عظیم احسان کے باوجود اگر کوئی شخص ہٹ دھرمی، تعصب اور باہم دست وگریبان ہونے سے باز نہ آئے اور کبرونخوت کا شکار رہے تو وہ کبھی بھی اللہ کا محبوب نہیں بن سکتا۔

(۲) لڑائی جھگڑا ایک ایسا گناہ ہے جس میں کئی گناہ شامل ہوجاتے ہیں، مثلاً ہاتھ اور زبان کا ناروا استعمال، بغض، حسد، تہمت اور گالم گلوچ وغیرہ۔غرض کہ آدمی لڑائی جھگڑا کرتے ہوئے، ایمان واسلام کی تمام اقدار کھو دیتا ہے، اور فسق و فجور تک پہنچ جاتا ہے۔جس دل میں ایمان کی رتی ہو وہ شخص ضدی، ہٹ دھرم اور جھگڑالو نہیں ہوتا۔نیز جس سے اللہ تعالیٰ بغض رکھے اُس پر کسی وقت بھی اپنا عذاب نازل فرمادیتے ہیں۔

چغل خوری کا مفہوم

(۲۳۵۹)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((أَتَدْرُوْنَ مَا الْعَضْهُ؟)) قَالُوْا: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ: ((نَقْلُ الْحَدِيْثِ مِنْ بَعْضِ النَّاسِ إِلٰى بَعْضٍ، لِيُفْسِدُوْا بَيْنَهُمْ۔)) (الصحيحة:٨٤٥)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ چغل خوری کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کے درمیان فساد ڈالنے کے لیے بعض کی باتیں بعض کو بیان کرنا۔''

تخريج:أخرجه البخاري في"الأدب المفرد": ٤٢٥، والطحاوي في"المشكل": ٣/ ١٣٩، والبيهقي في "السنن": ١٠/ ٢٤٦_٢٤٧

(۲۳٦۰)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: إِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ قَالَ: ((أَلَا أُنَبِّئُكُمْ مَا الْعَضْهُ؟ هِيَ النَّمِيْمَةُ الْقَالَةُ بَيْنَ النَّاسِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ: اَلنَّمِيْمَةُ الَّتِيْ تُفْسِدُ بَيْنَ النَّاسِ۔)) (الصحيحة:٨٤٦)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: بلاشبہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تم کو نہ بتلاؤں کہ 'عضہ'' کیا ہے؟ یہ لوگوں کے درمیان چغلی کرنا ہے۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''وہ چغلی جو لوگوں کے درمیان فساد برپا کردے۔''

تخريج:أخرجه مسلم :٨/ ٢٨، والدارمي:٢/ ٣٠٠، والطحاوي في"المشكل": ٣/ ١٣٨، والبيهقي :١٠/ ٢٤٦، وأحمد: ١/ ٤٣٧، وابن الدنيا في"الصمت": ١٤٢/ ٢٥٤ و٢٥٥/ ٥١٨

شرح:...... عصرِ حاضر میں ہر کوئی اپنے آپ کو بریٔ الذمہ اور معصوم قرار دے کر دوسرے پر شکوہ کناں نظر آتا ہے، شرعی تقاضا یہ ہے کہ جب بھی ہم کسی شخص کو موضوعِ گفتگو بنانے لگیں تو سوچ لینا چاہئے کہ آخر اس کلام کا مقصد کیا

ہے۔ کیا کسی بھائی پر جارحانہ کلام کرنے سے اسؐ کے بارے میں سامعین کے دلوں میں نفرت و کدورت تو پیدا نہیں ہوگی اور اس سے بڑا معاشرتی فساد اور بگاڑ کوئی نہیں ہے کہ ایک آدمی کے بارے میں سوئے ظن پیدا کر دیا جائے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

غیبت کا مفہوم

(٢٣٦١)۔ عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ حَنْطِبِ الْمَخْزُوْمِيِّ مُرْسَلاً: أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَاالْغِيْبَةُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَنْ تَذْكُرَ مِنَ الْمَرْءِ مَايَكْرَهُ أَنْ يَسْمَعَ۔)) قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَإِنْ كَانَ حَقًّا؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا قُلْتَ بَاطِلاً فَذٰلِكَ الْبُهْتَانُ۔))

(الصحيحة: ١٩٩٢)

حضرت مطلب بن عبدالملک بن حنطب سے مرسلاً روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: غیبت کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی آدمی کی ایسی بات بیان کرنا، جس کو وہ سننا نا پسند کرے۔'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگرچہ وہ بات حق (اور درست) ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو نے (کسی کے بارے میں) غیرحق بات کی تو وہ تو بہتان ہوگا (نہ کہ غیبت)۔''

تخريج: أخرجه مالك في"الموطأ": ٣/ ١٥٠۔ طبعة الحلبي، و روى ابن المبارك في "الزهد": ٧٠٤ نحوه

شرح: ...... اس میں غیبت اور بہتان دونوں کے معنی و مفہوم اور شناعت و قباحت کو بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہماری کامیابی اور کامرانی کے لیے ہمارے سامنے ایک معیار رکھ دیا ہے کہ ہم کسی پر تبصرہ کرنے لگیں تو پہلے غور کریں کہ آیا اُس آدمی کی موجودگی میں یہ گفتگو کی جا سکتی ہے، اگر نہیں کی جا سکتی ہے تو فوراً رک جانا چاہئے۔

(٢٣٦٢)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّهُمْ ذَكَرُوْا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَجُلاً فَقَالُوْا: لَايَأْكُلُ حَتّٰى يُطْعَمَ، وَلَا يَرْحَلُ حَتّٰى يُرْحَلَ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((اغْتَبْتُمُوْهُ۔)) فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّمَا حَدَّثْنَا بِمَا فِيْهِ۔ قَالَ: ((حَسْبُكَ إِذَا ذَكَرْتَ أَخَاكَ بِمَا فِيْهِ۔)) (الصحيحة:٢٦٦٧)

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے، وہ ان کے دادا سے اور وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی کا ذکر کرتے ہوئے کہا: وہ اس وقت تک نہیں کھاتا جب تک اسے کھلایا نہ جائے اور جب تک اُسے سوار نہ کیا جائے وہ سوار بھی نہیں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم نے اُس کی غیبت کی ہے۔'' صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے وہی (عیب) بیان کیا ہے جو اس میں موجود ہے۔ آپ نے فرمایا: ''(کسی کی غیبت کے لیے) تجھے یہی کافی ہے کہ تو اپنے بھائی کے اس (عیب) کا ذکر کرے جو اس میں ہے۔''

تخريج: اخرجه ابو الشيخ في "التوبيخ": ١٨٨، والاصبهاني في "الترغيب": ٥٨٠، والبيهقي في "الشعب": ٢/ ٣٠٤-٢، والبغوي في "التفسير": ٧/ ٣٤٦

شرح:...... غور فرمائیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک آدمی کی طبعی سستی اور کاہلی کا ذکر کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی غیبت قرار دیا، معلوم ہوا کہ ہمیں کسی کی عدم موجودگی میں اس کی کسی قسم کی عیب جوئی کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

غیبت کی مثالیں

(٢٣٦٣)- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَتِ الْعَرَبُ تَخْدِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فِي الأَسْفَارِ، وَكَانَ مَعَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَجُلٌ يَخْدِمُهُمَا، فَنَامَا، فَاسْتَيْقَظَا، وَلَمْ يُهَيِّءْ لَهُمَا طَعَامًا، فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: إِنَّ هٰذَا لَيُوَائِمُ نَوْمَ نَبِيِّكُمْ ﷺ (وَفِي رِوَايَةٍ: لَيُوَائِمُ نَوْمَ بَيْتِكُمْ) فَأَيْقَظَاهُ فَقَالَا: ائْتِ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْ لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يُقْرِئَانِكَ السَّلَامُ، وَهُمَا يَسْتَأْدِمَانِكَ، فَقَالَ: ((أَقْرِئْهُمَا السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُمَا أَنَّهُمَا قَدِ ائْتَدَمَا)) فَفَزِعَا، فَجَاءَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! بَعَثْنَا إِلَيْكَ نَسْتَأْدِمُكَ، فَقُلْتَ: قَدِ ائْتَدَمَا. فَبِأَيِّ شَيْءٍ ائْتَدَمْنَا؟ قَالَ: ((بِلَحْمِ أَخِيكُمَا، وَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرٰى لَحْمَهُ بَيْنَ أَنْيَابِكُمَا.)) قَالَا: فَاسْتَغْفِرْ لَنَا، قَالَ: ((هُوَ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمَا.)) (الصحيحة:٢٦٠٨)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرب کے لوگ سفر میں ایک دوسرے کی خدمت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک آدمی تھا جو ان دونوں کی خدمت کیا کرتا تھا۔ (ایک دن) وہ دونوں سو کر بیدار ہوئے تو خادم نے اُن کے لیے کھانا تیار نہیں کیا تھا۔ اُن میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: یہ خادم تمہارے نبی کی نیند کی موافقت کرتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے: تمہارے گھر کی نیند کی موافقت کرتا ہے۔ دونوں نے اُسے جگایا اور کہا: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا اور آپ کو کہہ کہ ابوبکر اور عمر آپ کو سلام کہتے ہیں اور وہ آپ سے سالن طلب کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری طرف سے اُن دونوں کو سلام کہنا اور ان کو بتلانا کہ تم دونوں نے سالن کھا لیا ہے۔ پس ابوبکر وعمر یہ سن کر گھبرا گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے (فلاں آدمی کو) آپ کی طرف سالن لینے کے لیے بھیجا تھا اور آپ نے فرمایا کہ تم دونوں سالن کھا چکے ہو، (بھلا) ہم نے کس چیز کا سالن کھا لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اپنے بھائی کے گوشت کا، قسم ہے مجھے اس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اُس کا گوشت تمہاری کچلیوں کے درمیان دیکھ رہا ہوں۔'' حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہمارے لیے بخشش طلب فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس خادم کو ہی تمہارے لیے بخشش طلب کرنا چاہیے۔''

تخریج: أخرجه الخرائطي في "مساوىء الأخلاق": ١٨٦، والضياء المقدسي في "المختارة": ٢/ ٣٣/ ٢

(٢٣٦٤)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّهُمْ ذَكَرُوْا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَجُلاً فَقَالُوْا: لَايَأْكُلُ حَتّٰى يُطْعَمَ، وَلَا يَرْحَلُ حَتّٰى يُرْحَلَ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((اغْتَبْتُمُوْهُ۔)) فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّمَا حَدَّثْنَا بِمَا فِيْهِ۔ قَالَ: ((حَسْبُكَ إِذَا ذَكَرْتَ أَخَاكَ بِمَا فِيْهِ۔)) (الصحيحة:٢٦٦٧)

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے، وہ ان کے دادا سے اور وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی کا ذکر کرتے ہوئے کہا: وہ اس وقت تک نہیں کھاتا جب تک اسے کھلایا نہ جائے اور جب تک اُسے سوار نہ کیا جائے وہ سوار بھی نہیں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم نے اُس کی غیبت کی ہے۔'' صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے وہی (عیب) بیان کیا ہے جو اس میں ہے۔ آپ نے فرمایا: ''(کسی کی غیبت کے لیے) تجھے یہی کافی ہے کہ تو اپنے بھائی کے اس (عیب) کا ذکر کرے جو اس میں ہے۔''

تخريج: اخرجه ابو الشيخ في "التوبيخ": ١٨٨، والاصبهاني في "الترغيب": ٥٨٠، والبيهقي في "الشعب": ٢/ ٣٠٤ـ ٢، والبغوي في "التفسير": ٧/ ٣٤٦

شرح:......اس حدیث میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم کے بارے میں، جبکہ وہ سویا ہوا تھا، یہ کہا کہ یہ تو سفر میں بھی گھر والی نیند ہی سوتا ہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ یہ پہلے بیدار ہوتا اور ہمارے لیے کھانا تیار کر کے رکھتا۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے اس تبصرے کو بھی غیبت شمار کیا۔ آپ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ ''مجھے تمھارے دانتوں میں تمھارے بھائی کا گوشت نظر آ رہا ہے۔'' یہ درج ذیل آیت کے مفہوم کی طرف اشارہ کیا: ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ (سورۂ حجرات: ١٢) ......''اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے، (بلکہ) تم کو تو اس سے گھن ہو گی۔''

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص کی غیبت کی گئی، وہی غیبت کرنے والوں کے لیے بخشش طلب کرے، تاکہ ان کا جرم بے اثر ہو جائے۔

عذاب سے نجات دلانے والے اور جنت میں داخل کرنے والے اعمال

(٢٣٦٥)۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَحَادَةَ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ زَمِيْلٍ لَهُ مِنْ بَنِي الْعَنْبَرِ، عَنْ أَبِيْهِ وَكَانَ يُكَنّٰى أَبَا الْمُنْتَفِقِ قَالَ: أَتَيْتُ

محمد بن جحادہ ایک آدمی سے، وہ بنو عنبر قبیلہ والے اپنے ساتھی سے، وہ اپنے باپ ابو منتفق سے روایت کرتا ہے، وہ کہتے ہیں: میں مکہ آیا اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق دریافت کیا۔

مَــكَّةَ فَسَأَلْتُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔ فَقَالُوْا: هُوَ بِعَرَفَةَ فَأَتَيْتُهُ، فَذَهَبْتُ أَدْنُوْ مِنْهُ فَمَنَعُوْنِيْ، فَقَالَ: ((أُتْرُكُوْهُ۔)) فَدَنَوْتُ مِنْهُ، حَتّٰى إِذَا اخْتَلَفَتْ عُنُقُ رَاحِلَتِهِ وَعُنُقُ رَاحِلَتِيْ فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! نَبِّئْنِيْ بِمَا يُبَاعِدُنِيْ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ، وَيُدْخِلُنِيَ الْجَنَّةَ۔ قَالَ: (((١) تَعْبُدُ (وَفِيْ رِوَايَةٍ: أُعْبُدِ) اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا (٢) وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوْبَةَ (٣) وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ (٤) وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ (٥) وَتَحُجُّ وَتَعْتَمِرُ (٦) وَانْظُرْ مَاتُحِبُّ مِنَ النَّاسِ أَنْ يَأْتُوْهُ إِلَيْكَ، فَافْعَلْهُ بِهِمْ، وَمَاكَرِهْتَ أَنْ يَأْتُوْهُ إِلَيْكَ، فَذَرْهُمْ مِنْهُ۔)) (الصحيحة:٣٥٠٨)

لوگوں نے کہا وہ عرفہ میں ہیں، میں آپ ﷺ کے پاس وہاں پہنچ گیا۔ جب میں آپ ﷺ کے قریب ہونے کا ارادہ کرتا تو صحابہ مجھے روک دیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کو چھوڑ دو“ میں آپ کے اتنا قریب ہوگیا کہ آپ کی سواری کی گردن میری سواری کی گردن سے مل گئی۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے اللہ کے عذاب سے دور کردے اور جنت میں داخل کردے؟ آپ نے فرمایا: ”(۱) اللہ کی عبادت کر واور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ (۲) فرض نماز قائم کرو (۳) زکوٰۃ ادا کرو (۴) ماہِ رمضان کے روزے رکھو (۵) حج و عمرہ ادا کرو (۶) (نیز اپنا) جائزہ لو کہ جو تم اپنے حق میں پسند کرو کہ لوگ تمہارے ساتھ ایسا سلوک کریں، تم بھی وہی (سلوک) ان کے ساتھ کرو اور جو تم ناپسند کرتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ ایسا کریں، تم بھی ان کے ساتھ ویسا (سلوک) نہ کرو۔“

تخريج: أخرجه الدولابي في "الكنى": ١/ ٥٦، واحمد: ٦/ ٣٨٣

شرح:...... حدیث مبارکہ میں عذاب سے بچنے اور جنت میں داخل ہونے کے لیے چھ اعمال کا تعین کیا گیا ہے، جو انتہائی واضح ہیں۔ چھٹا عمل اس باب سے متعلقہ ہے، جس میں مسلمانوں کی باہمی خیر خواہی کی فضیلت اور اس کی ترغیب کا بیان ہے، اگر مسلمان اس قطعہ حدیث پر عمل پیرا ہوں تو مسلم معاشرہ لوٹ کھسوٹ، چوری ڈکیتی، رشوت و بددیانتی، دجل وفریب اور جعل سازی جیسی موذی بیماریوں سے یکسر پاک ہو جائے اور محبت والفت اور اتحاد و یگانگت کی فضا عام ہو جائے۔ دین اور بانیٔ دین نے مسلمانانِ عالم کو بڑے سنہری اصول بتلائے ہیں، لیکن بدقسمتی سے مسلمان ان سب سے غافل ہیں اور یوں ذلت اور بداخلاقی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرے ہوئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جو شخص جس خیر و بھلائی، آرام وسکون اور جسمانی اور ذہنی تسکین کو اپنے لیے پسند کرتا ہے، دوسرے بھائیوں کو بھی اس سے متصف کرنے کی کوشش کرے اور جس ضرر وشرّ کو ناپسند کرتا ہے، دوسرے مسلمانوں کو بھی اس سے دور رکھے۔

صلہ رحمی

(٢٣٦٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَفَعَهُ: ((اِتَّقُوا اللّٰهَ وَصِلُوْا أَرْحَامَكُمْ۔))

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صلہ رحمی کرو۔“

(الصحيحة: ٨٦٩)

تخريج: رواه ابن عساكر: ١٦/ ٧٤/ ٢

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ مذکورہ مقام پر اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ﴾ (سورۂ نساء: ١) یہ حدیث دراصل اس آیت کی تفسیر ہے، کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے: ''اللہ تعالی سے ڈرو، جس کے نام پر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو۔'' مفسر قرآن ابن جریر نے عربی زبان کے اسلوب کو سامنے رکھتے ہوئے ''وَالْاَرْحَامَ'' کے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔ آپ خود مراجعہ کر لیں۔

یعنی حدیث میں صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور آیت میں رشتے ناطے توڑنے سے منع کیا گیا ہے، دونوں کا حکم ایک ہے، جبکہ دونوں کے پہلے جملے میں اللہ تعالی سے ڈرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

(٢٣٦٧)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ: ((أَرْحَامَكُمْ أَرْحَامَكُمْ۔))

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں فرمایا: ''قرابتوں (کا خیال رکھو)، رشتہ داریوں (کا خیال رکھو)۔''

(الصحيحة: ٧٣٦، ١٥٣٨)

٧٣٦: تخريج: رواه حبان: ٢٠٣٧، والحافظ العراقي في "المجلس ٨٦ من الأمالي"

١٥٣٨: تخريج: أخرجه ابن حبان: ٢٠٣٧

(٢٣٦٨)۔ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ سَعِيْدٍ ، قَالَ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَسَأَلَهُ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: فَمَتَّ لَهُ بِرَحِمٍ بَعِيْدَةٍ ، فَأَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ ، فَقَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِعْرِفُوْا أَنْسَابَكُمْ تَصِلُوْا أَرْحَامَكُمْ ، فَإِنَّهُ لَا قُرْبَ بِالرَّحِمِ إِذَا قُطِعَتْ وَإِنْ كَانَتْ قَرِيْبَةً ، وَلَا بُعْدَ بِهَا إِذَا وُصِلَتْ وَإِنْ كَانَتْ بَعِيْدَةً۔))

اسحاق بن سعید سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: مجھ کو میرے باپ نے بیان کیا کہ وہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، اُن کے پاس ایک آدمی آیا، انھوں نے اُس سے پوچھا: تو کون ہے؟ اُس نے دور کی رشتے داری کا تعلق بیان کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اُس سے نرمی سے بات کی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنے نسب کی معرفت حاصل کرو، تاکہ صلہ رحمی کر سکو۔ کیونکہ رشتوں کے قریبی ہونے کا (کوئی مقصد نہیں) جب سرے سے قطع رحمی کر دی جائے اگرچہ وہ رشتے بہت ہی قریبی ہوں۔ اور رشتوں کے بعید ہونے (کا کوئی معنی نہیں) جب صلہ رحمی کی جائے، اگرچہ وہ بہت دور کی قرابتیں ہوں۔''

(الصحيحة: ٢٧٧)

تخریج: أخرجه ابو داود الطيالسي في "مسنده": ٢٧٥٧، والحاكم: ٤/ ١٦١، والسمعاني في "الأنساب": ١/ ٧

شرح:...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس رشتہ دار سے صلہ رحمی اختیار نہ کی جائے، اس سے قرابت کا اظہار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ رشتہ داری کی بنیاد صلہ رحمی پر ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے معروف دوستوں کی بجائے اپنے قرابت داروں کے لیے ہمدردیاں وقف کریں۔

(٢٣٦٩)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: أَمَرَنِي خَلِيْلِي ﷺ بِسَبْعٍ: (١) أَمَرَنِي بِحُبِّ الْمَسَاكِيْنِ، وَالدُّنُوِّ مِنْهُمْ (٢) وَأَمَرَنِي أَنْ أَنْظُرَ، إِلَى مَنْ هُوَ دُوْنِي وَلَا أَنْظُرَ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقِي (٣) وَأَمَرَنِي أَنْ أَصِلَ الرَّحِمَ وَإِنْ أَدْبَرَتْ (٤) وَأَمَرَنِي أَنْ لَا أَسْأَلَ أَحَداً شَيْئًا (٥) وَأَمَرَنِي أَنْ أَقُوْلَ بِالْحَقِّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا (٦) وَأَمَرَنِي أَنْ لَا أَخَافَ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ (٧) وَأَمَرَنِي أَنْ أُكْثِرَ مِنْ قَوْلِ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" فَإِنَّهُنَّ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ۔ وَفِي رِوَايَةٍ: فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ۔)) (الصحيحة: ٢١٦٦)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سات امور کا حکم دیا: ''(۱) مسکینوں سے محبت کرنے اور اُن کے قریب رہنے کا حکم دیا (۲) اپنے سے کم تر شخص کو دیکھنے اور اپنے سے برتر شخص کی طرف توجہ نہ کرنے کا حکم دیا (۳) مجھے صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا اگرچہ وہ رخ پھیرنے لگے (۴) مجھے حکم دیا کہ میں کسی سے کوئی سوال نہ کروں (۵) مجھے حکم دیا کہ میں حق بات کہوں اگرچہ وہ کڑوی ہو (۶) مجھے حکم دیا کہ میں اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں اور (۷) مجھے حکم دیا میں کثرت سے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه" پڑھوں۔ کیوں کہ یہ کلمات عرش سے نیچے والے خزانوں میں سے ہیں۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''یہ کلمات جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔''

تخريج: أخرجه الامام أحمد: ٥/ ١٥٩، والسياق له، وابن حبان في "صحيحه": ٢٠٤١، والطبراني في "المعجم الصغير": صــ ١٥٧ ـهند والطبراني في "المعجم الصغير": ١٥٧، والخرائطي في "مكارم الأخلاق": ٢٥، والبيهقي في "السنن": ١٠/ ٩١، وكذا أبو نعيم في "الحلية": ٢/ ٣٥٧، والخطيب في "التاريخ": ٥/ ٢٥٤

شرح:...... اس حدیث میں نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو سات بیش قیمت نصائح سے نوازا، ان میں سے ہر ایک امر ہماری زندگیوں میں انقلاب پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر نصیحت پر عمل کرنے سے ایمان کی حقیقی شیریں نصیب ہوتی ہے۔

(٢٣٧٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَمَّا خَلَقَ الْخَلْقَ قَامَتِ الرَّحِمُ فَأَخَذَتْ بِحَقْوِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو صلہ رحمی اللہ کی کمر پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔ اللہ نے فرمایا: رک جا۔ صلہ رحمی

الرَّحْمٰنِ، فَقَالَ: مَهْ؟ قَالَتْ: هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيْعَةِ، قَالَ نَعَمْ أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ، وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟ قَالَتْ: بَلٰى يَارَبِّ! قَالَ: فَذَاكَ لَكِ۔)) قَالَ أَبُوْهُرَيْرَةَ: ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا أَرْحَامَكُمْ أُوْلٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰى أَبْصَارَهُمْ أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ أَقْفَالُهَا﴾۔)) (الصحيحة:٢٧٤١)

نے کہا: قطع رحمی سے پناہ طلب کرنے والے کا یہ مقام ہے۔ اللہ نے فرمایا: ہاں۔کیا تو (اس منقبت پر) راضی نہیں ہو گی کہ جس نے تجھے ملایا میں بھی اُس کو ملاؤں گا اور جس نے تجھے کاٹا میں بھی اُسے کاٹ دوں گا؟ اس نے کہا: کیوں نہیں، اے میرے ربّ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو یہی (مقام) تیرا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم چاہتے ہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو: اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو اور رشتے ناطے توڑ ڈالو۔ یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی بصارت اللہ تعالیٰ نے چھین لی ہے۔ کیا یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٣٣٠، وأخرجه البخاري: ٤٨٣٢، ومسلم: ٨/ ٧

شــرح:...... رحم (رشتے داری) کا اس طرح بولنا اور اللہ تعالیٰ سے مکالمہ کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل بات نہیں ہے، وہ ہر ایک میں قوتِ گویائی اور ادراک وشعور پیدا کرنے پر قادر ہے، جیسے نبی کریم ﷺ جب منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو جس تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، اس نے رونا شروع کر دیا۔

(٢٣٧١)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ الرَّحِمَ شَجْنَةٌ آخِذَةٌ بِحُجْزَةِ الرَّحْمٰنِ، يَصِلُ مَنْ وَصَلَهَا، وَيَقْطَعُ مَنْ قَطَعَهَا۔)) (الصحيحة:١٦٠٢)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”بلاشبہ صلہ رحمی رحمٰن کی کمر کو پکڑنے والی شاخ ہے۔ وہ (اللہ) اس کو ملانے والے کو ملا لیتا ہے اور اس کو کاٹنے والے کو کاٹ دیتا ہے۔“

تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ٣٢١، وابن أبي عاصم في "السنة": رقم ٥٣٨۔ بتحقيقي

(٢٣٧٢)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: عَطَفَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِصْبَعَهُ فَقَالَ: ((إِنَّ الرَّحِمَ شَجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ وَاصِلَةٌ۔ لَهَا لِسَانٌ ذَلِقٌ، تَتَكَلَّمُ بِمَاشَاءَتْ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ اللّٰهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے اپنی انگلی کو مروڑا اور فرمایا: ”صلہ رحمی رحمٰن سے ملی ہوئی شاخ ہے۔ اُس کی ایک فصیح وبلیغ زبان ہے، جیسے چاہتی ہے کلام کرتی ہے۔ جس نے اُس (صلہ رحمی) کو ملایا اللہ اُس کو ملائے گا اور جس نے اس کو کاٹ دیا اللہ تعالیٰ اس کو کاٹ

قَطَعَهُ اللّٰهُ۔)) (الصحيحة:٢٤٧٤) دے گا۔"

تخريج: أخرجه الطيالسي في"مسنده":٢٥٥٠، و أخرج أحمد: ٢/ ١٨٩، ٢٠٩ نحوه

(٢٣٧٣)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ لِيْ قِرَابَةً، أَصِلُهُمْ وَيَقْطَعُوْنَ، وَأُحْسِنُ إِلَيْهِمْ وَيُسِيْئُوْنَ، وأَحْلُمُ وَيَجْهَلُوْنَ، قَالَ: ((إِنْ كَانَ كَمَا تَقُوْلُ فَكَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ، وَلا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللّٰهِ ظَهِيْرٌ مَا دُمْتَ عَلٰى ذٰلِكَ۔)) (الصحيحة:٢٥٩٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے کچھ رشتہ دار ہیں، (صورتحال یہ ہے کہ) میں اُن سے صلہ رحمی کرتا ہوں، لیکن وہ قطع رحمی کرتے ہیں، میں اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہوں جبکہ وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں اور میں (ان کے بارے میں) حکمت و دانائی سے کام لیتا ہوں جبکہ وہ جہالت سے پیش آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر بات ایسے ہی ہے جیسا کہ تو کہہ رہا ہے تو تو اُن کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہا ہے۔ جب تک تیری یہ کیفیت رہے گی، اللہ کی طرف سے ہمیشہ تیرے ساتھ ایک مددگار رہے گا۔''

تخريج: رواه أبو أسحاق الحربي في"الغريب": ٥/ ٦٤/ ٢، وأخرجه مسلم: ٧/ ٨، واحمد: ٢/ ٣٠٠

شرح:...... یہ حقیقی صلہ رحمی کے تقاضے ہیں جو یہ بندۂ خدا پورے کر رہا تھا، ایسا شخص اللہ تعالی کے ہاں کتنا معزز اور مکرم ہے کہ وہ اس کی تائید ونصرت کے لیے آسمانوں سے فرشتے نازل کرتا ہے۔

(٢٣٧٤)۔ عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: ((إِنَّهُ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ، فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَصِلَةُ الرَّحِمِ، وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَحُسْنُ الْجِوَارِ يَعْمُرَانِ الدِّيَارَ وَيَزِيْدَانِ فِي الأَعْمَارِ۔)) (الصحيحة: ٥١٩)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو فرمایا: ''جس کو نرمی عطا کی گئی، اُس کو دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی سے نواز دیا گیا اور صلہ رحمی، حسنِ اخلاق اور پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے (جیسے امورِ خیر) گھروں (اور قبیلوں) کو آباد کرتے ہیں اور عمروں میں اضافہ کرتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٦/ ١٥٩، وابويعلى في "مسنده": ٨/ ٢٤/ ٤٥٣٠

شرح:...... عمر میں اضافہ ہونے کے دو مفاہیم ہیں: (۱) حقیقی طور پر عمر بڑھ جاتی ہے، جس کو اللہ تعالی کی معلّق تقدیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۲) عمر کی مقدار میں اضافہ نہیں ہوتا، لیکن اس میں اتنی برکت پیدا ہو جاتی ہے اور صلہ رحمی کرنے والے کی زندگی کا ہر پہلو فوائد سے یوں لبریز ہو جاتا ہے کہ دوسرے لوگ جو کام لمبی لمبی عمروں میں سرانجام نہیں دے سکتے، یہ لوگ اپنی مختصر عمروں میں ان سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

(٢٣٧٥)۔ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ عَامِرٍ الأَنْصَارِيِّ مَرْفُوعًا: ((بُلُّوْا أَرْحَامَكُمْ وَلَوْ بِالسَّلَامِ۔)) (الصحيحة:١٧٧٧)

حضرت سوید بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صلہ رحمی کو تروتازہ رکھو، اگرچہ سلام کے ذریعہ ہی ہو۔''

تخريج: أخرجه وكيع في "الزهد": ٢/ ٧٤/ ٢، وابن حبان في "الثقات": ١/ ٧٥، والقضاعي في "مسند الشهاب": ق ٥٥/ ١

شرح:...... معلوم ہوا سلام کو عام کرنے سے صلہ رحمی میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔

(٢٣٧٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوْعاً: ((الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَالرَّحِمُ شَجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللّٰهُ۔)) (الصحيحة:٩٢٥)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی رحم کرنے والوں پر رحم کرے گا، لہٰذا تم زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان والا تم پر رحم کرے۔ (دراصل) رحم (یعنی صلہ رحمی) رحمٰن کی شاخ ہے۔ جس نے اُس کو ملایا، اللہ اُس کو ملائے گا اور جس نے اُس کو کاٹا، اللہ اُس کو کاٹ دے گا۔''

تخريج: رواه أبو داود: ٤٩٤١، والترمذي: ١/ ٣٥٠، وأحمد: ٢/ ١٦٠، والحميدي: ٥٩١، وعنه البخاري في "التاريخ/ الكنى": ٦٤/ ٥٧٤، وابن أبي شيبة في "المصنف": ٨/ ٥٢٦، و الحاكم: ٤/ ١٥٩ وصححه، ووافقه الذهبي، والخطيب في "التاريخ ٣/ ٢٦٠، والبيهقي في "شعب الايمان": ٧/ ٤٧٦/ ١١٠٤٨، وأبوالفتح الخرقي في "الفوائد الملتقطة": ٢٢٢۔٢٢٣

(٢٣٧٧)۔ عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: لَمَّا ضَمَمْتُ إِلَيَّ سِلَاحَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَجَدْتُ فِي قَائِمِ سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رُقْعَةً فِيْهَا ((صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَأَحْسِنْ إِلٰى مَنْ أَسَاءَ إِلَيْكَ، وَقُلِ الْحَقَّ وَلَوْ عَلٰى نَفْسِكَ۔)) (الصحيحة: ١٩١١)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: جب میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہتھیار اپنے قبضہ میں لیے تو رسول اللہ ﷺ کی تلوار میں میں نے ایک رقعہ پایا اُس میں یہ تھا: ''جو تیرے ساتھ قطع رحمی کرے تو اُس کے ساتھ صلح رحمی کر، جو تیرے ساتھ برا معاملہ کرے تو اُس کے ساتھ اچھا سلوک کر اور حق بات کہہ اگرچہ وہ تیری ذات کے خلاف ہی ہو۔''

تخريج: رواه أبو عمرو بن السماك في "حديثه": ٢/ ٢٨/ ١

شرح:...... اس قسم کی احادیثِ مبارکہ پر عمل کرنا دل گردے کا کام ہے، خاندانی غیرت وحمیت اور انا کے جذبات کو کچل کر ہی اِن فرموداتِ نبوی پر عمل کرنا ممکن ہے۔ لیکن ہمارے ہاں یہ اصول بن چکا ہے کہ جو رشتہ دار ہم سے

ادب و احترام سے پیش آئے گا، ہم بھی اس سے حسنِ سلوک کریں گے۔ حقیقت میں یہ احسان کے بدلے احسان ہے۔ صلہ رحمی تو یہ ہے کہ آپ کا قریبی رشتہ دار بد اخلاق ہے، آپ سے بدسلوکی کرتا ہے اور آپ سے تعلق توڑنے پر تلا ہوا ہے، لیکن آپ صبر و تحمل اور عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں اور بدسلوکی کا جواب حسن سلوک سے دیتے ہیں اور ترک تعلق کی کوششوں کے مقابلے میں تعلق برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(٢٣٧٨)۔ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: اشْتَكَى أَبُو الرَّدَادِ اللَّيْثِيّ فَعَادَهُ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ، فَقَالَ: خَيْرُهُمْ وَأَوْصَلُهُمْ، وَمَا عَلِمْتَ أَبَا مُحَمَّدٍ؟ فَقَالَ: عَبْدُالرَّحْمٰنِ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((قَالَ اللّٰهُ: أَنَا اللّٰهُ، وَأَنَا الرَّحْمٰنُ، خَلَقْتُ الرَّحِمَ، وَشَقَقْتُ لَهَا مِنِ اسْمِي، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ۔)) (الصحيحة: ٥٢٠)

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت ابورداد لیثی رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اُن کی تیمارداری کرنے کے لیے آئے۔ ابو رداد نے کہا: (یہ عبد الرحمٰن) سب سے بہتر اور سب سے بڑھ کر تعلق قائم کرنے والے ہیں۔ اے ابومحمد! تو نے کیا جانا ہے؟ عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اللہ بھی ہوں اور میں رحمٰن بھی ہوں۔ میں نے رحم (یعنی قرابتداری) کو پیدا کیا اور اپنے نام سے اُس کا اشتقاق کیا۔ جس نے اُس کو ملایا میں اُس کو ملاؤں گا اور جس نے اُس کو کاٹا میں اُس کو کاٹ دوں گا۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ١٦٩٤، والترمذي: ١/ ٣٤٨، واحمد: ١/ ١٩٤

(٢٣٧٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيْسَ شَيْءٌ أُطِيْعَ اللّٰهُ فِيْهِ أَعْجَلَ ثَوَابًا مِنْ صِلَةِ الرَّحِمِ وَلَيْسَ شَيْءٌ أَعْجَلَ عِقَابًا مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ وَالْيَمِيْنِ الْفَاجِرِ تَدَعُ الدِّيَارَ بَلَاقِعَ۔)) (الصحيحة: ٩٧٨)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے (جن احکام کی) پیروی کی جاتی ہے اُن میں صلہ رحمی سے جلدی کسی چیز کا ثواب نہیں ملتا اور ظلم اور قطع رحمی کی بہ نسبت کوئی (جرم ایسا نہیں کہ) جس کی سزا جلدی دی جاتی ہو اور جھوٹی قسم تو علاقوں کو ویران کر دیتی ہے۔

تخريج: أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى": ١٠/ ٣٥

شرح:...... وہ مسلمان اس قسم کی احادیث سمجھنے سے قاصر رہے گا، جسے شرعی احکام کا علم نہیں اور جس کو نیکی کرنے اور برائی ترک کرنے پر روحانی خوشی نصیب نہیں ہوتی اور جسے نیکی کے ترک کرنے اور برائی کا ارتکاب کرنے سے کوئی ندامت و پشیمانی نہیں ہوتی۔

(٢٣٨٠)۔ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، عَنِ

النَّبِيِّ قَالَ: ((مَامِنْ ذِيْ رَحِمٍ يَأْتِيْ رَحِمَهُ فَيَسْأَلُهُ فَضْلاً أَعْطَاهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ فَيَبْخَلَ عَلَيْهِ إِلَّا أُخْرِجَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ جَهَنَّمَ حَيَّةٌ يُقَالُ لَهَا: شُجَاعٌ يَتَلَمَّظُ فَيُطَوَّقُ بِهِ.))

(الصحيحة: ٢٥٤٨)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی رشتہ دار اپنے کسی قرابتدار کے پاس جا کر ایسی زائد چیز کا سوال کرتا ہے جو اللہ تعالی نے اسے عطا کی ہوتی ہے، لیکن وہ کنجوسی کرتا ہے (اور نہیں دیتا) تو ایسے آدمی کے لیے روزِ قیامت جہنم سے سانپ نکالا جائے گا، جو اپنی زبان نکالے ہوئے ہو گا اور جسے ''شجاع'' کہتے ہوں گے، اسے ایسے آدمی کا طوق قرار دیا جائے گا۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الكبير": ١/ ٣٣٥/ ٢۔النسخة العتيقة ، و"الأوسط": ٢/ ٤٢/ ١/ ٥٧٢٣

شرح:...... مختلف انداز میں پندرہ فرموداتِ نبویہ میں صلہ رحمی کی تاکید کی گئی ہے، صلہ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ ننھیال اور ددھیال تمام رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کیا جائے، ہر ممکنہ صورت میں ان کے ساتھ تعلق جوڑ کر رکھا جائے۔ اگر حقوق کی ادائیگی کے باوجود قرابتدار بداخلاقی کا مظاہرہ کریں اور تعلق توڑنے کی کوشش کریں تو پھر بھی صلہ رحمی کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔

ہم طبعی طور پر ''جیسا کرو گے ویسا بھرو گے'' کے مصداق بن جاتے ہیں، قریب اور دور کے رشتہ داروں کی تمیز کئے بغیر ہم نے یہ قانون رائج کر رکھا ہے کہ جو ہمارے سامنے مسکرائے گا، ہم بھی اس کے لیے مسکرائیں گے، جو ہمیں دعوت دے گا، ہم بھی اس کو دعوت دیں گے، جو ہمارے بڑوں کے جنازوں میں شریک ہو گا، ہم بھی اس کے بڑوں کے تعزیتی جلوسوں میں شریک ہوں گے۔ لیکن جس نے ہمارے حق کا خیال نہ رکھا، ہم سرے سے اس کے حقوق کی شناخت کرنے کے لیے ہی تیار نہیں ہوں گے۔

واضح رہے کہ یہ اندازِ زندگی انسان کا طرۂ امتیاز نہیں ہے، یہ محض مسکراہٹوں کا تبادلہ ہے، اس میں اللہ تعالی اور اس کے رسول کا نام نہیں پایا جاتا۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا.)) (بخاری) ......''جو شخص (کسی رشتے دار کے احسان) کے بدلے میں احسان کرتا ہے، وہ صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے، بلکہ اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے قطع رحمی کی جائے (یعنی بداخلاقی و بدسلوکی سے پیش آیا جائے) تو وہ (آگے سے) صلہ رحمی کرے (یعنی حسنِ سلوک سے پیش آئے)۔''

صلہ رحمی کے حقیقی تقاضوں پر غور کریں، جو رشتے دار آپ سے ادب و احترام سے پیش آئیں اور حسنِ سلوک والا معاملہ کریں، ظاہر ہے کہ آپ بھی ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کریں گے، لیکن یہ صلہ رحمی نہیں ہے، یہ احسان کے بدلے احسان ہے، جو ہماری شریعت میں مطلوب و مقصود ہے۔ اس کے برعکس آپ کا ایک قریبی رشتہ دار بداخلاق ہے، آپ

سے بدسلوکی کرتا ہے اور آپ سے تعلقات منقطع کرنے پر تلا رہتا ہے، لیکن آپ صبر وتحمل اور عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں، بدسلوکی کا جواب حسنِ سلوک سے دیتے ہیں، ترکِ تعلق کی کوششوں کے مقابلے میں تعلق برقرار رکھتے ہیں۔ یہ اصل صلہ رحمی ہے، جس کا اسلام تقاضا کرتا ہے، اس میں فطرتی جذبات اور انانیت کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ یاد رہے کہ جھوٹی انا کو شریعت کے تقاضوں پر قربان کر دینا بہت دل گردے کا کام ہے، لیکن کمالِ ایمان بھی یہی ہے۔

صلہ رحمی کو بحال رکھنے کا ایک طریقہ

(۲۳۸۱)۔ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ عَامِرِ الأَنْصَارِيْ مَرْفُوْعًا: ((بُلُّوْا أَرْحَامَكُمْ وَلَوْ بِالسَّلَامِ۔)) (الصحيحة:۱۷۷۷)

حضرت سوید بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صلہ رحمی کو تروتازہ رکھو، اگرچہ سلام کے ذریعہ ہی ہو۔''

تخريج: أخرجه وكيع في "الزهد": ۲/ ۷٤/ ۲، وابن حبان في "الثقات": ۱/ ۷٥، والقضاعي في "مسند الشهاب": ق ٥٥/ ۱

شرح:...... شریعت نے نہ صرف صلہ رحمی کو برقرار رکھنے کے لیے، بلکہ مسلمانوں میں باہمی محبت کو فروغ دینے کے لیے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه" کو کلیدی حیثیت دی ہے اور کم از کم یہی وہ حکمِ ربّانی ہے، جو انتہائی آسان بھی ہے اور مفید بھی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بھائیوں اور باپ بیٹوں جیسے قریبی رشتہ داروں کے مابین سلام کا اہتمام نہیں کیا جاتا، شاید ایسے قرابتدار تادیر ایک دوسرے کا محبّ ومحبوب نہ رہ سکتے ہوں۔

قطع رحمی کی نحوستیں

(۲۳۸۲)۔ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ قَالَ: ((مَامِنْ ذِيْ رَحِمٍ يَأْتِيْ رَحِمَهُ فَيَسْأَلُهُ فَضْلاً أَعْطَاهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ فَيَبْخَلَ عَلَيْهِ إِلَّا أَخْرَجَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ جَهَنَّمَ حَيَّةٌ يُقَالُ لَهَا: شُجَاعٌ يَتَلَمَّظُ فَيُطَوَّقُ بِهِ۔)) (الصحيحة: ۲٥٤۸)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی رشتہ دار اپنے کسی قرابتدار کے پاس جا کر ایسی زائد چیز کا سوال کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہوتی ہے، لیکن وہ کنجوسی کرتا ہے (اور نہیں دیتا) تو ایسے آدمی کے لیے روزِ قیامت جہنم سے سانپ نکالا جائے گا، جو اپنی زبان نکالے ہوئے ہوگا اور جسے ''شجاع'' کہتے ہوں گے، اسے ایسے آدمی کا طوق قرار دیا جائے گا۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الكبير": ۱/ ۳۳٥/ ۲۔ النسخة العتيقة، و"الأوسط": ۲/ ٤۲/ ۱/ ٥۷۲۳

شرح:...... بخل وکنجوسی جیسا قبیح وصف بخیل وکنجوس کے حق میں ویسے بھی مہلک ثابت ہوتا ہے، لیکن اگر یہ خصلتِ بد کسی قرابتدار کے حقوق کی ادائیگی کے سامنے روڑے اٹکا دے تو اس کی مفسدت ومنحوسیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ عصر حاضر میں تقریباً ہر شخص نے اپنی وفاؤں اور محبتوں کے لیے چند دوستوں کا انتخاب کر رکھا ہے، وہی اس کے

دسترخوان کی زینت بنتے ہیں اور وہ بھی صرف ان کی خوشی و غمی کو اپنے حق میں خوشی و غمی سمجھتا ہے۔ اسلام اور رشتہ داری کی بنا پر دوستی قائم کرنا معدوم ہو چکا ہے۔ بہرحال ہمارے مال و دولت میں سب سے زیادہ حق ہمارے رشتہ داروں کا ہے۔

قطع تعلقی کی سنگینی

(٢٣٨٣)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَوْ أَنَّ رَجُلَيْنِ دَخَلَا فِي الإِسْلَامِ فَاهْتَجَرَا لَكَانَ أَحَدُهُمَا خَارِجًا مِنَ الإِسْلَامِ حَتّٰى يَرْجِعَ، يَعْنِيْ: الظَّالِمَ۔)) (الصحيحة:٣٢٩٤)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر دو آدمی اسلام میں داخل ہوں اور ایک دوسرے سے قطع تعلقی کر لیں تو اُن میں سے ایک (یعنی ظلم کرنے والا) اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ قطع تعلقی سے باز آ جائے۔''

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده": صـ ٢٤٥- زوائده، والحاكم: ١/ ٢١، وابو نعيم فى "الحلية": ٤/ ١٧٣

شــــرح:...... کسی شرعی عذر کے بغیر بول چال بند کرنا اور ترکِ تعلق روا رکھنا گناہ اور زیادتی ہے۔ قطع رحمی، مقتضائے اخوت کے خلاف ہے۔ آجکل ہم لوگ اللہ تعالی اور اس کے رسول کی محبتوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اور اپنی برادریوں، خاندانوں، وڈیروں اور اپنے آباء و اجداد کی دوستیوں اور دشمنیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے برس ہا برس تک مسلمان بھائیوں سے قطع تعلقی کیے رکھتے ہیں، جبکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ، فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلَاثٍ، فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ۔)) (ابوداود)...... ''کسی مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ تین دنوں سے زیادہ اپنے بھائی سے تعلق منقطع رکھے، پس جو شخص تین ایام سے زیادہ تعلق منقطع رکھے گا اور اسی حالت میں مر جائے گا تو وہ جہنم میں داخل ہو گا۔''

معزز قارئین! اسلام نے ہمارے طبعی جذبات کا کتنا خیال رکھا، یہ کیسا دینِ فطرت ہے کہ ہمارے فطری امور و معاملات کی مناسب حد تک رعایت رکھی اور جھگڑا ہو جانے کے بعد تین ایام تک تعلق قائم نہ رکھنے پر گرفت نہیں کی اور تین دنوں کے اندر اندر صلح کرنے کی تلقین کی۔ اگر ہم اس حد کو پھلانگ جائیں گے اور زیادہ عرصہ تک تعلق منقطع رکھیں گے تو ہمارے اندر بغض و عداوت کے جذبات پیدا ہوں گے، معاشرتی فساد و بگاڑ میں اضافہ ہو گا، رشتے داریوں میں مستقل رخنہ اور دوستانہ تعلقات میں شدید خلل پیدا ہو گا۔

(٢٣٨٤)۔ عَنْ أَبِي خِرَاشٍ السُّلَمِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهِ۔)) (الصحيحة:٩٢٨)

حضرت ابو خراش سلمی سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس نے ایک سال تک اپنے بھائی (سے تعلق منقطع رکھا اور اس) کو چھوڑے رکھا، تو یہ سزا کسی مسلمان کا خون بہانے کے مترادف ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري فى "الأدب المفرد": ٤٠٤ و ٤٠٥، وأبوداود: ٢/ ٣٠٣-تازية، و الحاكم:

٤/ ١٦٣، وأحمد: ٤/ ٣٢٠، وابن سعد في "الطبقات": ٧/ ٥٠٠، والبيهقي في "الشعب": ٥/ ٢٧٢/ ٦٦٣١

شرح:...... مسلمان کا قتل انتہائی گھناؤنا جرم اور کبیرہ گناہ ہے، بلکہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مسلک تو یہ ہے کہ مسلمان کے قاتل کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔ مسلمان بھائی سے قطع تعلقی کو اس کے قتل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یہ بہت بڑی وعید ہے۔ یا یوں کہیں کہ ترکِ تعلق بھی ایک طرح کا معنوی قتل ہے، جس سے دوسرے مسلمان کو سخت اذیت سے گزرنا پڑتا ہے، اس لیے اسے قتل کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنے خاندانوں اور برادریوں کے بھوت کو اتار پھینکیں، برس ہا برس سے قائم دشمنیوں کو دوستیوں میں بدل کر اللہ تعالیٰ کے ہاں ماجور ہوں۔

حسن اخلاق اور اس کی فضیلت

(٢٣٨٥)۔ عَنْ مَعْبَدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: كَانَ مُعَاوِيَةُ قَلَّمَا يُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا وَيَقُوْلُ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ قَلَّمَا يَدَعُهُنَّ أَوْ يُحَدِّثُ بِهِنَّ فِي الْجُمَعِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، وَإِنَّ هٰذَا الْمَالَ حُلْوٌ خُضْرٌ فَمَنْ يَّأْخُذْهُ بِحَقِّهِ يُبَارَكْ لَهُ فِيْهِ، وَإِيَّاكُمْ وَالتَّمَادُحَ، فَإِنَّهُ الذَّبْحُ۔)) (الصحيحة:١١٩٦)

معبد جہنی کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم احادیث بیان کرتے تھے، اور ان کلمات کو تو کم ہی چھوڑتے تھے (یا راوی نے کہا کہ) جمعہ کے خطبوں میں بیان کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں، اس کو دین میں فقاہت عطا کر دیتے ہیں۔ یہ مال میٹھا، سرسبز و شاداب (اور پرکشش) ہے، جو اس کو اس کے حق کے ساتھ حاصل کرے گا، اس کے لیے اس میں برکت کی جائے گی اور تم لوگ ایک دوسرے کی تعریف کرنے سے بچو، کیونکہ ایسے کرنا ذبح کرنے کے (مترادف ہے)۔''

تخريج: أخرجه الطحاوي في "المشكل" ٢/ ٢٧٩، وأحمد: ٤/ ٩٢، ٩٣، ٩٨، ٩٩، ورواه ابن ماجه منه الجملة الاخيرة فقط

(٢٣٨٦)۔ عن أبي الدرداء عن النبي ﷺ: ((أَثْقَلُ شَيْءٍ فِي الْمِيْزَانِ الْخُلُقُ الْحَسَنُ۔)) (الصحيحة:٨٧٦)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ترازو میں سب سے بھاری عمل، اچھا اخلاق ہے۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٢/ ٢٨٩، وأحمد: ٦/ ٤٤٢، ٤٤٦، ٤٤٨، ٤٥١، والغطريف في "حديثه": رقم ٨٩۔ منسوختي، والخرائطي في "مكارم الأخلاق": ص٩، والترمذي: ٣/ ١٤٦، ١٤٩

(٢٣٨٧)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ قَالَ: أَحْسَنُهُمْ خُلُقاً۔)) (الصحيحة: ١٨٣٧)

... سے سوال کیا گیا: کون سے لوگ بہت بہتر ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''جو اخلاق کے لحاظ سے سب سے زیادہ اچھے ہیں۔''

تخریج: رواه الطبراني: رقم ١٣٣٢٦

(٢٣٨٨)۔ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ، قَالَ: كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ كَأَنَّمَا عَلٰى رُؤُوْسِنَا الطَّيْرُ، مَايَتَكَلَّمُ مِنَّا مُتَكَلِّمٌ، إِذْ جَاءَهُ أُنَاسٌ فَقَالُوْا: مَنْ أَحَبُّ عِبَادِاللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ؟ قَالَ: ((أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔)) (الصحيحة:٤٣٢)

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس اس طرح بیٹھے ہوئے تھے، گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہوں، ہم میں سے کوئی بھی کلام نہیں کر رہا تھا۔ اچانک چند لوگ آئے اور انہوں نے کہا: اللہ تعالی کے نزدیک اس کے بندوں میں سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جو اخلاق کے لحاظ سے بہت اچھے ہیں۔''

تخریج: هكذا اورده المنذرى: ٣/ ٢٥٩، والهيثمى: ٨/ ٢٤، برواية الطبرانى وقالا: ورواته محتج بهم فى الصحيح۔ واللفظ للاول منهما، وزاد: وابن حبان فى صحيحه، وفى رواية لابن حبان بنحوه؛ الا انه قال: قالوا: يَا رَسُوْلَ الله! فما خَيْرٌ مَا أُعْطِيَ الْإِنْسَانُ؟ قَالَ: ((خُلُقٌ حَسَنٌ۔)) ورواه الحاكم و البيهقى بنحو هذا......ـثم الحديث اخرجه ابن ماجه: ٢/ ٣٣٩۔ ٣٤٠، والطيالسى: ١٢٣٣، واحمد: ٤/ ٢٧٨ باللفظ الثانى۔ والحديث عند ابن حبان: ٤٧٨۔ الموارد، ومعجم الطبرانى: ٤٧١

(٢٣٨٩)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو: أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ أَرَادَ سَفَرًا فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَوْصِنِيْ، قَالَ: ((أُعْبُدُ اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكْ بِهٖ شَيْئًا۔)) قَالَ: يَانَبِيَّ اللّٰهِ! زِدْنِيْ۔ قَالَ: ((إِذَا أَسَأْتَ فَأَحْسِنْ۔)) قَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! زِدْنِيْ، قَالَ: ((إِسْتَقِمْ، وَلْتُحْسِنْ خُلُقَكَ۔)) (الصحيحة:١٢٢٨)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل نے سفر کا ارادہ کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی وصیت فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اللہ کی عبادت کر اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا۔'' انہوں نے کہا، اے اللہ کے نبی مزید وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: ''جب تو برائی کرے تو فوراً نیکی کر۔'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! اور کوئی وصیت فرما دیں۔ آپ نے فرمایا: ''ثابت قدم رہ اور اپنے اخلاق کو اچھا کر۔''

تخریج: أخرجه ابن حبان: ١٩٢٢، والحاكم: ٤/ ٢٤٤، وابن حبان: ١٩٢٢، والطبرانى فى "الاوسط"

(٢٣٩٠)۔ عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَهُ إِلٰى قَوْمٍ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک قوم کی طرف بھیجا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے

اللّٰهِ! أَوْصِنِيْ؟ قَالَ: ((أَفْشِ السَّلامَ وَابْذُلِ الطَّعَامَ، وَاسْتَحْيِ مِنَ اللّٰهِ اسْتِحْيَاءَ كَ رَجُلاً مِنْ أَهْلِكَ وَإِذَا أَسَأْتَ فَأَحْسِنْ، وَلْتُحْسِنْ خُلُقَكَ مَااسْتَطَعْتَ۔)) (الصحيحة:٣٥٥٩)

رسول! مجھے کوئی وصیت فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، اللہ تعالی سے اتنا حیا کرو جتنا کہ تم اپنے گھر کے فرد سے کرتے ہو، جب گناہ ہو جائے تو (اس کا اثر ختم کرنے کے لیے) فوراً نیکی کرو اور حسب استطاعت اپنے اخلاق کو اچھا بناؤ۔''

تخريج: أخرجه ابن نصر المروزي في"الأيمان": ق ٢٢٦/ ١، والبزار: ٢١٧٢۔ كشف الأستار، والطبراني في "المعجم الكبير": ٨/ ٢٧٢ الا انه قال: ((واذا اسأت فأحسن؛ فان الحسنات يذهبن السيئات۔))

(٢٣٩١)۔ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدَرِيِّ مَرْفُوْعًا: ((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحَاسِنُهُمْ أَخْلَاقًا، اَلْمُوَطَّؤُوْنَ أَكْنَافًا، اَلَّذِيْنَ يَأْلَفُوْنَ وَيُؤْلَفُوْنَ، وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَايَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ۔)) (الصحيحة:٧٥١)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان کے لحاظ سے مومنوں میں سے مکمل وہ ہیں جو اُن میں سے اخلاق کے لحاظ سے بہت بہتر ہوں، جو اپنے کندھے بچھا کر رکھتے ہوں اور جو محبت کرتے ہوں اور اُن سے محبت کی جاتی ہو اور ایسے شخص میں تو کوئی خیر ہی نہیں جو نہ خود محبت کرتا ہو اور نہ اُس سے محبت کی جاتی ہو۔''

تخريج: أخرجه الطبراني فى"معجمه الصغير": صـ ١٢٥، وفى"الأوسط": ٢/ ٢٦٨، ٢/ ٤٥٨٣ ومن طريقه أبونعيم فى"أخبار أصبهان": ٢/ ٦٧

(٢٣٩٢)۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ أَكْمَلَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَإِنَّ حُسْنَ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ دَرَجَةَ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ۔)) (الصحيحة:١٥٩٠)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان کے لحاظ سے سب سے مکمل مومن وہ ہے، جو ان میں سے اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا ہو اور بے شک حسنِ اخلاق، روزے اور نماز کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البزار في"مسنده": رقم ـ ٣٥ـ الكشف، وابو يعلى فى "مسنده": ٣/ ١٠٣١

(٢٣٩٣)۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ كَرِيْمٌ، يُحِبُّ الْكَرَمَ وَمَعَالِيَ الْأَخْلَاقِ، وَيُبْغِضُ سَفْسَافَهَا)) (الصحيحة:١٣٧٨)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالی مہربان ہے، مہربانی اور بلند اخلاق کو پسند کرتا ہے اور ردّی اخلاق سے نفرت کرتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أبوالشيخ في "أحاديثه" ١٢/ ١، والحاكم: ١/ ٤٨، وأبونعيم في "الحلية" ٣/ ٢٥٥، ٨/ ١٣٣، والسلفي في "معجم السفر" ١٨/ ١

(٢٣٩٤)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ الرَّجُلَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَاتِ قَائِمِ اللَّيْلِ صَائِمِ النَّهَارِ۔)) (الصحيحة:٧٩٥)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ آدمی حسنِ اخلاق کی وجہ سے رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کے مرتبوں کو پالیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٤٧٩٨، وابن حبان: ١٩٢٧، والحاكم: ١/ ٦٠، واحمد: ٦/ ١٣٣، ١٨٧

(٢٣٩٥)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ الرَّجُلَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ السَّاهِرِ بِاللَّيْلِ الظَّامِئِ بِالْهَوَاجِرِ۔)) (الصحيحة:٧٩٤)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ آدمی اخلاقِ حسنہ کی وجہ سے رات کو بیدار رہ کر (قیام کرنے والے) اور دوپہر کی گرمیوں میں پیاس برداشت کرنے والے (روزدار) کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه تمام فی "الفوائد": ١٣/ ٢٣٤/ ١۔٢، والطبرانی فی "المعجم الكبير" وفی "الجامع الصغير"

(٢٣٩٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّ الْمُسْلِمَ الْمُسَدَّدَ لَيُدْرِكُ دَرَجَةَ الصَّوَّامِ الْقَوَّامِ بِآيَاتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لِكَرَمِ ضَرِيْبَتِهِ وَحُسْنِ خُلُقِهِ۔)) (الصحيحة:٥٢٢)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''راہِ راست پر گامزن مسلمان اپنے عمدہ مزاج اور حسنِ اخلاق کی وجہ سے بہت زیادہ روزے رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ لمبا قیام کرنے والے کے مرتبے کو پالیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه الامام أحمد: ٢/ ٢٢٠

(٢٣٩٧)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوْعًا: ((إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا۔)) (الصحيحة:٧٩٢)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تم میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ آدمی ہے، جو تم میں اخلاق کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ١٨٩، واخرجه البخاری: ٢/ ٤٤٥ بلفظ: ((اخلاقا))، وهو من رواية الشيخين فی الصحيحة رقم: ٢٨٦

(٢٣٩٨)۔ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعًا: ((إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ، وأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا، وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تم میں سے سب سے زیادہ محبوب اور روزِ قیامت مجلس کے لحاظ سے میرے سب سے زیادہ قریبی وہ لوگ ہوں

إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَيْهِقُوْنَ۔)) قَالُوْا: قَدْ عَلِمْنَا "الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ" فَمَا الْمُتَفَيْهِقُوْنَ؟ قَالَ: ((الْمُتَكَبِّرُوْنَ۔)) (الصحيحة: ۷۹۱)

گے جو تم میں سے اخلاق کے لحاظ سے بہت عمدہ ہوں اور تم میں سے میرے ہاں سب سے زیادہ نفرت والے اور روزِ قیامت مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو فضول بولنے والے، گفتگو کے لیے باچھوں کو موڑنے والے اور تکبر کرنے والے ہوں۔'' صحابہ نے کہا: ہم "ثَرْثَارُوْن" اور "مُتَشَدِّقُوْن" کا معنی تو سمجھتے ہیں، "مُتَفَیْهِقُوْن" سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تکبر کرنے والے۔''

تخریج: أخرجه الترمذی: ۱/ ۳۶۳، والخطیب فی "التاریخ": ٤/ ٦٣

شرح:...... اس حدیث میں حسنِ اخلاق کی ترغیب اور غیر ضروری، غیر محتاط اور تصنع و بناوٹ سے گفتگو کرنے اور اس کے ذریعے سے دوسروں پر رعب و برتری جتانے سے اجتناب کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ گویا کم بولنا اور سادگی سے گفتگو کرنا پسندیدہ ہے اور اس کے برعکس زیادہ بولنا اور وہ بھی دوسروں پر ہیکڑ جمانے کے لیے گفتگو میں تیزی وطراری اور تصنع اختیار کرنا سخت ناپسندیدہ ہے۔

(۲۳۹۹)۔ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((إِنَّمَا بُعِثْتُ لأُتَمِّمَ مَكَارِمَ (وَفِي رِوَایَةٍ: صَالِحَ) الأَخْلَاقِ۔)) (الصحيحة: ٤٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تو صرف اس (مقصد) کے لیے مبعوث کیا گیا کہ اخلاقی اقدار کی تکمیل کرسکوں۔''

تخریج: رواه البخاری فی "الأدب المفرد": ۲۷۳، و"التاریخ الکبیر": ٤/ ۱/ ۱۸۸، وابن سعد فی "الطبقات": ۱/ ۱۹۲، والحاکم: ۲/ ٦۱۳، وأحمد: ۲/ ۳۸۱ وابن عساکر فی "تاریخ دمشق": ٦/ ۲٦۷/ ۱

شرح:...... نبی کریم ﷺ کی آمد سے پہلے اگرچہ انسانیت کا وجود انسان والا ہی تھا، لیکن اس کا طرزِ حیات جانوروں اور درندوں کی طرح انتہائی احمقانہ تھا، قتل و غارت گری عام تھی، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا تھا، اس سے بڑی بربریت کیا ہوسکتی ہے کہ بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، لوگ برہنہ حالت میں بیت اللہ کا طواف کرتے تھے، جانور کو ذبح کرنے کی ضرورت پڑتی تو گردن پر چھری چلانے کے بجائے اس کے مختلف اعضا کاٹنا شروع کر دیتے تھے۔ تمام اخلاقی اقدار بری طرح پامال ہو چکی تھیں۔ اس سارے ماحول کو سنوارنے کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کا انتخاب کیا گیا، جو اپنی حیاتِ مبارکہ کے مقاصد میں بدرجۂ اکمل واتم کامیاب ہوئے۔

(۲٤۰۰)۔ عَنْ طَاؤُسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: ((إِنَّمَا يَهْدِيْ إِلَى أَحْسَنِ الأَخْلَاقِ اللّٰهُ، وَإِنَّمَا يَصْرِفُ

طاؤس سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ہی اچھے اخلاق کی طرف رہنمائی فرماتا ہے اور وہی ہے جو برے اخلاق کو دور کرتا

أَسْوَءَ هَا هُوَ۔)) (الصحيحة:٣٢٥٥)

ہے۔"

تخریج: رواه عبدالرزاق في "المصنف": ١١/ ١٤٦/ ٢٠١٥٦ مرسلا، وقد وصله الطبراني في "المعجم الكبير": ١١/ ١٧/ ١٠٨٩ ...... عن طاوس عن ابن عباس

(٢٤٠١)۔ عَنْ هَانِئٍ: أَنَّهُ لَمَّا وَفَدَ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَيُّ شَيْءٍ يُوْجِبُ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: ((عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْكَلَامِ، وَبَذْلِ الطَّعَامِ۔)) (الصحيحة: ١٩٣٩)

سیدنا ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،وہ کہتے ہیں: جب میں وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو کہا: اے اللہ کے رسول! کون سا عمل جنت کو واجب کر دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "بس تو عمدہ کلام کرنے اور کھانا کھلانے کو لازم پکڑ۔"

تخریج: أخرجه البخاري في "خلق أفعال العباد" صـ ٧٩، وابن أبي الدنيا في "الصمت" ٢/ ٩/ ١، و الحاكم: ١/ ٢٣، والخطيب في "الموضح": ٢/ ٤، وابن حبان في "صحيحه": ١٩٣٧، ١٩٣٨

(٢٤٠٢)۔ عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: ((إِنَّهُ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ، فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَصِلَةُ الرَّحِمِ، وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَحُسْنُ الْجِوَارِ يَعْمُرَانِ الدِّيَارَ وَيَزِيْدَانِ فِي الأَعْمَارِ۔)) (الصحيحة: ٥١٩)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اُن کو فرمایا: "جس کو نرمی عطا کی گئی، اُس کو دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی سے نواز دیا گیا اور صلہ رحمی، حسنِ اخلاق اور پڑوسی سے اچھا سلوک (جیسے امورِ خیر) گھروں (اور قبیلوں) کو آباد کرتے ہیں اور عمروں میں اضافہ کرتے ہیں۔"

تخریج: أخرجه أحمد: ٦/ ١٥٩، وابويعلى في "مسنده": ٨/ ٢٤/ ٤٥٣٠

شرح:...... عمر میں اضافہ ہونے کے دو مفاہیم ہیں: (۱) حقیقی طور پر عمر بڑھ جاتی ہے، جس کو اللہ تعالی کی معلّق تقدیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۲) عمر کی مقدار میں اضافہ نہیں ہوتا، لیکن اس میں اتنی برکت پیدا ہو جاتی ہے اور صلہ رحمی کرنے والے کی زندگی کا ہر پہلو فوائد سے یوں لبریز ہو جاتا ہے کہ دوسرے لوگ جو کام لمبی لمبی عمروں میں سرانجام نہیں دے سکتے، یہ لوگ اپنی مختصر عمروں میں ان سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

(٢٤٠٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ أَكْثَرِ مَايُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ؟ فَقَالَ: ((تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ، وَأَكْثَرُ مَايُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ الْفَمُ وَالْفَرَجُ۔)) (الصحيحة:٩٧٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کون سی چیز بکثرت لوگوں کو جنت میں داخل کرے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کا ڈر اور حسن خلق اور جو چیز سب سے زیادہ لوگوں کو جہنم میں داخل کرے گی، وہ منہ اور شرم گاہ ہے۔"

تخریج:أخرجه الترمذي: ١/ ٣٦١، وابن ماجه: ٢٦٤٦، وأحمد: ٢/ ٢٩١، ٣٩٢، ٤٤٢

(٢٤٠٤)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا۔)) (الصحيحة: ٢٨٦)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اخلاق کے لحاظ سے تم میں سب سے زیادہ اچھے ہوں۔''

تخریج: أخرجه البخاري: ٤/ ١٢١، عن حفص بن غياث، وفي "الأدب الفرد": ٢٧١، عن سفيان، ومسلم: ٧/ ٧٨، عن أبي معاوية ووكيع وابن نمير وأبي خالد الأحمر، والطيالسي

(٢٤٠٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((خِيَارُكُمْ إِسْلَامًا أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا إِذَا فَقِهُوْا۔)) (الصحيحة:١٨٤٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''تم میں سے بلحاظ اسلام بہترین لوگ وہ ہیں، جو اخلاق کے اعتبار سے بہت اچھے ہیں، بشرطیکہ وہ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرلیں۔''

تخریج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٢٨٥، وأحمد: ٢/ ٤٦٧، ٤٦٩، ٤٨١، واصله في "الصحيحين"

(٢٤٠٦)۔ عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: لَمَّا ضَمَمْتُ إِلَيَّ سِلَاحَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَجَدتُّ فِي قَائِمِ سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رُقْعَةً فِيْهَا ((صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَأَحْسِنْ إِلٰى مَنْ أَسَاءَ إِلَيْكَ، وَقُلِ الْحَقَّ وَلَوْ عَلٰى نَفْسِكَ۔)) (الصحيحة: ١٩١١)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: جب میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہتھیار اپنے قبضہ میں لیے تو رسول اللہ ﷺ کی تلوار میں میں نے ایک رقعہ پایا اُس میں لکھا تھا: ''جو تیرے ساتھ قطع رحمی کرے تو اُس کے ساتھ صلح رحمی کر، جو تیرے ساتھ برا معاملہ کرے تو اُس کے ساتھ اچھا سلوک کر اور حق بات کہہ اگرچہ وہ تیری ذات کے خلاف ہو۔''

تخریج: رواه أبو عمرو بن السماك في "حديثه": ٢/ ٢٨/ ١

(٢٤٠٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ شَيْئًا أَفْضَلَ مِنَ الصَّلَاةِ، وَصَلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ وَخُلُقٍ حَسَنٍ۔)) (الصحيحة:١٤٤٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آدم کے بیٹے نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو نماز، باہمی اصلاح اور حسنِ اخلاق سے بہتر ہو۔''

تخریج: أخرجه البخاري في "التاريخ" ١/ ١/ ٦٣

(٢٤٠٨)۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَقِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَبَا ذَرٍّ، فَقَالَ: ((يَا أَبَا ذَرٍّ! أَلَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا: ''اے ابوذر!

اَدُلُّكَ عَلَى خَصْلَتَيْنِ هُمَا أَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ، وَأَثْقَلُ فِي الْمِيْزَانِ مِنْ غَيْرِ هِمَا؟)) قَالَ: بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْخُلُقِ، وَطُوْلِ الصَّمْتِ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَاعَمِلَ الْخَلَا ئِقُ بِمِثْلِهِمَا۔)) (الصحيحة:١٩٣٨)

کیا میں تجھے دو خوبیوں سے آگاہ نہ کردوں، جن کی ادائیگی آسان ہے، لیکن وہ ترازو میں دیگر تمام نیکیوں سے بھاری ہوں گی؟'' اُنہوں نے کہا: جی ہاں! اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو حسنِ خلق اور طویل خاموشی کو لازم پکڑ۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مخلوقات نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو (ان دونیکیوں کے) برابر ہو۔''

تخريج: أخرجه أبويعلي في "مسنده": ٢/ ٨٣٤، والطبراني في "الاوسط": ٧٢٤٥، وابن ابي الدنيا في "الصمت": ٤/ ٣٢/ ٢، والبزار: صـ ٣٢٩

(٢٤٠٩)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ مَرْفُوْعاً: ((أَنَا زَعِيْمُ بَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا وَبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحاً وَبَيْتٍ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسُنَ خُلُقُهُ۔)) (الصحيحة:٢٧٣)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس شخص کے لیے جنت کے اطراف میں ایک گھر کا ضامن ہوں، جس نے حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا چھوڑ دیا (اور اپنے حق سے دستبردار ہو گیا) اور اس شخص کے لیے جنت کے درمیان میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس نے مزاح کے طور پر بھی جھوٹ نہیں بولا اور اس شخص کے لیے جنت کے بلند ترین حصے میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس کا اخلاق اچھا ہوا۔''

تخريج: رواه أبوداود في "سننه": ٤٨٠٠، وعنه البيهقي: ١٠/ ٢٤٩

شرح:...... حسن اخلاق سے مراد وہ تہذیب و شائستگی، شفقت و الفت، نرمی و گدازی، امانت و دیانت، شرافت و صداقت، حلم و بردباری، صبر و تحمل، مسرت و مسکراہٹ اور دیگر اخلاقی خصلتیں ہیں، جن سے نبی کریم قبل از نبوت اور بعد از نبوت بدرجۂ اتم واکمل متصف تھے۔

درج بالا تیئس چوبیس روایات میں مختلف پیرایوں میں اخلاقِ حسنہ کی اہمیت بیان کی گئی ہے، حسنِ اخلاق انتہائی عظیم وصف ہے، جہاں نبی کریم ﷺ خود مکارمِ اخلاق سے متصف تھے، وہاں آپ ﷺ نے دوسروں پر بھی خوش خلقی کو اپنانے کے لیے بہت زور دیا ہے۔ اس صفت کے حاملین کو اللہ تعالی اور اس کے رسول کا محبوب اور ایمان و ایقان کے لحاظ سے کامل و اکمل قرار دیا۔ اس عمل کو بعثتِ نبوی کا مقصد اور موجب جنت ٹھہرایا گیا، یہ حسن اخلاق ہی ہے جس کے ذریعے دن کو روزہ رکھنے والوں اور رات کو قیام کرنے والوں کے مراتب تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی دس سال تک خدمت کی، لیکن اس طویل عرصے میں آپ ﷺ نے کبھی اف تک نہیں کہا، اگر کوئی کام کر دیا گیا تو اس کی بابت یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں کیا ہے اور اگر کوئی کام رہ گیا تو اس کے بارے میں یہ نہیں پوچھا کہ فلاں کام کیوں نہیں کیا گیا۔ آپ کا یہ عمل حسنِ اخلاق کا عدیم النظیر، بے مثال اور اعلی ترین نمونہ ہے۔ کاش! امت مسلمہ بھی اپنے پیغمبر کے ان مکارم اخلاق کو اختیار کر لیتی۔

حسن اخلاق روزِ قیامت سب سے زیادہ مفید ثابت ہوگا کیونکہ یہ دیگر تمام اعمال سے زیادہ بھاری ہوگا، ایمان اور حسنِ اخلاق میں تلازم ہے، یعنی جو اخلاق میں جتنا کامل ہوگا، ایمان میں بھی اتنا ہی کامل ہوگا۔ گویا کمالِ ایمان کے لیے حسنِ اخلاق میں کمال ضروری ہے۔

مذکورہ بالا احادیثِ مبارکہ میں اخلاقِ حسنہ کے حاملین کو محبوبِ خدا، محبوب رسول، لوگوں میں سب بہتر اور کامل ایمان، رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزے رکھنے والے کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالی کا پسندیدہ عمل اور بعثتِ نبوی کا مقصد ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جن اعمالِ خیر کی وصیتیں فرمائیں، ان میں حسنِ اخلاق بھی داخل ہے۔ ان احادیث میں جن دوسرے امورِ خیر کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کی وضاحت اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

نبی کریم ﷺ سے منقول ایک دعائے استفتاح میں حسنِ اخلاق کے لیے یوں رہنمائی طلب کی گئی ہے: ((وَاهْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَایَهْدِیْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَهَا لَایَصْرِفُ سَیِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ۔)) (مسلم) ...... ''اور بہترین اخلاق کی طرف میری رہنمائی فرما، کیونکہ بہترین اخلاق کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتا مگر تو ہی اور برے اخلاق کو مجھ سے دور کر دے، کیونکہ تو ہی برے اخلاق کو مجھ سے پھیر سکتا ہے۔''

حسن اخلاق کی نبوی مثالیں

(۲٤۱۰)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِیْ بَكْرٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْعَرَبِ، قَالَ: زَحَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَوْمَ حُنَیْنٍ، وَفِی رِجْلَیَّ نَعْلٌ كَثِیْفَةٌ، فَوَطِئْتُ عَلٰی رِجْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَنَفَحَنِیْ نَفْحَةً بِسَوْطٍ فِی یَدِهِ وَقَالَ: ((بِسْمِ اللّٰهِ، أَوْجَعْتَنِیْ۔)) قَالَ: فَبِتُّ لِنَفْسِیْ لَائِمًا أَقُوْلُ: أَوْجَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ فَبِتُّ بِلَیْلَةٍ كَمَا یَعْلَمُ اللّٰهُ، فَلَمَّا أَصْبَحْنَا إِذَا رَجُلٌ یَقُوْلُ: أَیْنَ فُلَانٌ؟ قَالَ: قُلْتُ: هٰذَا وَاللّٰهِ الَّذِیْ كَانَ مِنِّی بِالأَمْسِ۔

عبداللہ بن ابوبکر، ایک عربی سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: حنین والے دن میں رسول اللہ ﷺ سے ٹکرا گیا اور میرے پاؤں میں کوئی بھاری جوتا تھا، میں نے تو رسول اللہ ﷺ کا پاؤں روند دیا۔ آپ کے ہاتھ میں کوڑا تھا، آپ نے اُس کے ساتھ مجھے چونکا دیا اور فرمایا: ''بِسْمِ اللّٰهِ، تو نے مجھے تکلیف دی۔'' اُس نے کہا: میں نے اپنے نفس کو ملامت کرتے ہوئے رات گزاری اور میں یہی کہتا رہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے (بڑی بے چینی سے) رات گزاری۔ جب صبح ہوئی تو ایک آدمی کہہ رہا تھا: فلاں شخص کہاں ہے۔ میں نے کہا: اللہ

قَالَ: فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مُتَخَوِّفٌ، فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّكَ وَطِئْتَ بِنَعْلِكَ عَلَى رِجْلِيْ بِالأَمْسِ فَأَوْجَعْتَنِيْ، فَنَفَحْتُكَ بِالسَّوْطِ، فَهٰذِهِ ثَمَانُوْنَ نَعْجَةً فَخُذْهَا بِهَا۔)) (الصحيحة:٣٠٤٣)

کی قسم! (یہ اعلان) اسی چیز کے بارے میں ہے جو کل مجھ سے (سرزد) ہوئی تھی۔ میں چل تو پڑا لیکن سہما ہوا تھا، (جب ملاقات ہوئی تو) رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''تو نے کل اپنے جوتے سے میرا پاؤں روندا تھا اور مجھے تکلیف دی تھی اور میں نے پھر کوڑے کے ساتھ تجھے چونکا دیا تھا، (لو) یہ اسی (۸۰) دنبیاں، اُس کوڑے کے عوض لے لو۔''

تخريج: أخرجه الدارمي: ١/ ٣٤۔ ٣٥

شرح:...... حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ میں اخلاقِ حسنہ کا وصف بدرجۂ اتم واکمل پایا جاتا تھا، کہ آپ ﷺ نے انتقاماً یا اس صحابی کو متنبہ کرنے کے لیے اس کو اپنے کوڑے سے چونکا دیا، جو اس نے محسوس بھی نہیں کیا تھا، لیکن اسے راضی کرنے کے لیے اس کو اسی (۸۰) دنبیاں دے دیں۔

درجہ بدرجہ قرابتداروں سے حسنِ سلوک کا حکم

(٢٤١١)۔ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ الْكِنْدِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ يُوْصِيْكُمْ بِأُمَّهَاتِكُمْ، ثُمَّ يُوْصِيْكُمْ بِآبَائِكُمْ، ثُمَّ يُوْصِيْكُمْ بِالأَقْرَبِ فَالأَقْرَبِ۔)) (الصحيحة:١٦٦٦)

حضرت مقدام بن معدی کرب کندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں کے متعلق نصیحت کرتا ہے، پھر تمہیں تمہارے باپوں کے متعلق نصیحت کرتا ہے، پھر درجہ بدرجہ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ (حسن سلوک کرنے کی) نصیحت کرتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٦٠، وابن ماجه: ٣٦٦١، والحاكم: ٤/ ١٥١، وأحمد: ٤/ ١٣١ و ١٣٢

شرح:...... حسنِ سلوک، صلہ رحمی، شفقت ومحبت اور احترام واکرام کے سب سے زیادہ مستحق آدمی کے رشتہ دار ہوتے ہیں، جن میں والدین کو فوقیت و برتری حاصل ہے، لیکن آجکل اکثر لوگوں نے اپنے اپنے معیار کے مطابق دوست بنا لیے ہیں، دوستی نبھانے کے لیے مال و دولت تو کیا، قریب سے قریب تر رشتہ داروں کو بھی داؤ پہ لگا دیا جاتا ہے، والدین اپنے پردیسی بچوں کی ملاقاتوں اور ان کی مجلسوں کو ترستے رہتے ہیں، لیکن ان کی اولین ترجیح ان کے دوست ہوتے ہیں، اسی طرح باروزگار بچے اپنی آمدنی کو غیروں کی خوشی غمی پر صرف کرتے ہیں، لیکن والدین اور بہن بھائیوں کے سلسلے میں کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ شرعی احکام سے دوری کا نتیجہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو والدین کا حق سب سے مقدم رکھا ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری

ماں۔'' اس نے کہا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ''تمہاری ماں۔'' اس نے پھر پوچھا: پھر کون؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ''تمہاری ماں۔'' اس نے پھر کہا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا باپ۔ پھر جو تمہارے سب سے زیادہ قریب ہو۔'' (بخاری، مسلم)

ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے تعلقات کی نظر ثانی کریں اور قرابتداروں کو اپنے احسانات و اکرامات اور تحائف و ہدایا کا اوّلین مستحق سمجھیں، ان کے لیے آسانیاں پیدا کریں، ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام و انصرام کریں۔

تقوی اور حسن اخلاق کا فائدہ اور زبان اور شرمگاہ کا وبال

(٢٤١٢)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ؟ فَقَالَ: ((تَقْوَى اللّٰهِ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَأَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ الْفَمُ وَالْفَرْجُ۔)) (الصحيحة:٩٧٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اُس چیز کے بارے میں سوال کیا گیا جو بکثرت لوگوں کو جنت میں داخل کرے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا ڈر اور حسن خلق اور جو چیز سب سے زیادہ لوگوں کو جہنم میں داخل کرے گی، وہ منہ اور شرم گاہ ہے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ١/ ٣٦١، وابن ماجه: ٤٢٤٦، وأحمد: ٢/ ٢٩١، ٣٩٢، ٤٤٢

شرح:...... دنیا میں ایمان لانے کے بعد جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں اور ہر معاملہ میں حسن سلوک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی اُن کے حساب میں نرمی فرماتے ہوئے اُن کو جنت عطا فرمائے گا۔ آپ ﷺ نے بڑی صراحت سے فرمایا کہ جو مجھے زبان اور شرم گاہ کی ضمانت دے کہ اِن دونوں کا ناجائز استعمال نہیں کرے گا، میں اُسے جنت کی بشارت وضمانت دیتا ہوں۔ یاد رہے جو لوگ اپنی زبان کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے حرام کاری کو اپنا محبوب مشغلہ بنا لیتے ہیں، یہی لوگ آگ میں جلائے جائیں گے۔

بدخلقی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے

(٢٤١٣)۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ كَرِيْمٌ، يُحِبُّ الْكَرَمَ وَمَعَالِيَ الْأَخْلَاقِ، وَيُبْغِضُ سَفْسَافَهَا۔)) (الصحيحة: ١٣٧٨)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ مہربان ہے، مہربانی اور بلند اخلاق کو پسند کرتا ہے اور ردّی اخلاق سے نفرت کرتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أبو الشيخ في "أحاديثه" ١٢/ ١، والحاكم: ١/ ٤٨، وأبو نعيم في "الحلية" ٣/ ٢٥٥، ٨/ ١٣٣، والسلفي في "معجم السفر" ١٨/ ١

شرح:...... بدخلقی اور بدمزاجی ایسی نحوست ہے کہ بڑی بڑی بارعب اور عبادت گزار ہستیوں کو معاشرے کے

ناکارہ افراد کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ۔)) (مسلم)...... جس چیز سے (نرمی) نکال لی جاتی ہے، وہ عیب دار (اور معیوب) ہو جاتی ہے۔"

غیظ وغضب سے اجتناب کرنے کی نصیحت

(٢٤١٤)۔ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: أَخْبِرْنِيْ بِكَلِمَاتٍ أَعِيْشُ بِهِنَّ، وَلَا تُكْثِرْ عَلَيَّ فَأَنْسٰى، قَالَ: ((اِجْتَنِبِ الْغَضَبَ۔)) ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ، فَقَالَ:((اِجْتَنِبِ الْغَضَبَ۔)) (الصحيحة: ٨٨٤)

ایک صحابی رسول بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میرے لیے ایسے امور کی نشاندہی کریں، جن کو میں اپنی زندگی میں اپنا لوں اور زیادہ (امور) بیان نہ کریں کیونکہ میں بھول جاتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "غیظ وغضب سے پرہیز کر۔" اس شخص نے پھر وہی سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(بس) تو غصے سے (ہی) اجتناب کر۔"

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٤٠٨، وابن ابى شيبة فى "المصنف": ٨/ ٥٣٥/ ٥٤٣٨

شرح:...... غصہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) محمود اور (۲) مذموم

محمود غصہ وہ ہے جو اللہ تعالی اور اس کے دین کے لیے ہو، یعنی جب اللہ تعالی کی حرمتیں پامال کی جا رہی ہوں تو اسلامی غیرت وحمیت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کو غصہ آنا چاہئے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شرعی حدود و قیود سے اعراض کے وقت غصے میں آجاتے تھے۔

مذموم غصہ سے روکا گیا ہے، اس سے مراد وہ غصہ ہے، جس میں انسان اپنے مزاج کی تیزی کی وجہ سے مبتلا ہو جاتا ہے یا اپنی ذاتی چودھراہٹ اور اَنا کی بنا پر یا برادری و خاندانی عصبیتوں کی وجہ سے ذاتی مسائل میں پھنس جاتا ہے اور اسلامی قوانین کی رو رعایت رکھے بغیر غیظ وغضب کے شعلے اگلنے لگتا ہے، اس غصے سے شیطانی مقاصد پورے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی حالت میں (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ) پڑھنے کی تلقین کی ہے اور وجہ یہ بیان کی کہ اس کا جوش وغضب ختم ہو جائے گا۔ (بخاری، مسلم) ہمیں چاہئے کہ ہمارے غیظ وغضب، غیرت وحمیت اور صلح و صفائی کا معیار اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہوں۔

مذموم غصے کا علاج

(٢٤١٥)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((إِذَا غَضِبَ الرَّجُلُ، فَقَالَ: أَعُوْذُبِاللّٰهِ، سَكَنَ غَضَبُهُ۔)) (الصحيحة: ١٣٧٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب آدمی کو غصہ آجائے، تو وہ "اَعُوْذُ بِاللّٰہ" کہے، اس سے اُس کا غصہ ختم ہو جائے گا۔"

تخریج: أخرجه السهمي في "تاريخ جرجان" صـ ٢٥٢ من طريق ابن عدي وهذا في "الكامل" ٢٩٧/١

شــرح:...... چونکہ مذموم غصے کا تعلق شیطان سے ہے، اس لیے اس کو رفع دفع کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے شیطان سے پناہ مانگنے کی تلقین کی ہے تا کہ شیطان کے اثرات ختم ہو جائیں۔

پہلوان کون؟

(٢٤١٦)۔ عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِقَوْمٍ يَرْفَعُوْنَ حَجَراً، فَقَالَ: ((مَا يَصْنَعُ هٰؤُلَاءِ؟)) فَقَالُوْا يَرْفَعُوْنَ حَجَراً يُرِيْدُوْنَ الشِّدَّةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَفَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ؟)) أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا ((اَلَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔)) وَفِيْ رِوَايَةٍ: أَنَّ النَّبِيَّ مَرَّ بِقَوْمٍ يَصْطَرِعُوْنَ، فَقَالَ: ((مَا هٰذَا؟)) قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذَا فُلَانٌ الصَّرِيْعُ، مَا يُصَارِعُ أَحَداً إِلَّا صَرَعَهُ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ؟ رَجُلٌ ظَلَمَهُ رَجُلٌ، فَكَظَمَ غَيْظَهُ، فَغَلَبَهُ، وَغَلَبَ شَيْطَانَهُ، وَغَلَبَ شَيْطَانَ صَاحِبِهِ۔))

(الصحيحة:٣٢٩٥)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو پتھر اٹھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟'' لوگوں نے کہا: یہ پتھر اٹھا رہے ہیں۔ ان کی مراد لوگوں کی مضبوطی (اور طاقت) بیان کرنا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں ایسے شخص کے بارے میں نہ بتاؤں جو اس سے بھی زیادہ مضبوط ہے؟ یہ وہ شخص ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر کنٹرول رکھتا ہے۔'' اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے، جو کشتی کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' لوگوں نے کہا: یہ فلاں پہلوان ہے، جو کشتی میں ہر ایک کو پچھاڑ دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں ایسا شخص نہ بتاؤں، جو اس سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔ یہ وہ آدمی ہے، جس پر کسی شخص نے زیادتی کی ہو۔ لیکن وہ اپنا غصہ پی گیا ہو اور اس طرح (ظالم) پر، اپنے شیطان پر اور اپنے مقابل کے شیطان پر غالب آ گیا ہو۔'' یعنی اُس نے تینوں کو پچھاڑ دیا۔

تخریج: أخرجه البزار في "مسنده": ٢/ ٤٣٨/ ٢٠٥٣، ٢٠٥٤

(٢٤١٧)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا تَعُدُّوْنَ الرَّقُوْبَ فِيْكُمْ؟)) قَالَ: قُلْنَا: اَلَّذِيْ لَا يُوْلَدُ لَهُ۔ قَالَ: ((لَيْسَ ذَاكَ بِالرَّقُوْبِ وَلٰكِنَّهُ الرَّجُلُ الَّذِيْ لَمْ يُقَدِّمْ مِنْ وَلَدِهِ شَيْئاً۔)) قَالَ: ((فَمَا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے مابین کس کو ''رَقُوب'' یعنی لا ولد شمار کرتے ہو؟'' صحابہ نے کہا: جس کی اولاد نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا: ''ایسے آدمی کو ''رَقُوب'' نہیں کہتے، بلکہ ایسے شخص کو کہتے ہیں جس نے اپنی اولاد میں سے (کوئی بچہ) آگے نہ

تَعُدُّوْنَ الصُّرَعَةَ فِيْكُمْ؟ ﷺ قَالَ: قُلْنَا: الَّذِيْ لَا يَصْرَعُهُ الرِّجَالُ، قَالَ: ((لَيْسَ بِذٰلِكَ، وَلٰكِنَّهُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔)) (الصحيحة:٣٤٠٦)

بھیجا ہو (یعنی اس کا کوئی بچہ فوت نہ ہوا ہو)۔'' پھر فرمایا: ''تم کس کو زبردست پہلوان شمار کرتے ہو؟'' صحابہ نے کہا: جسے کوئی آدمی پچھاڑ نہ سکے۔ آپ نے فرمایا: ''ایسا شخص تو پہلوان نہیں ہوتا، بلکہ پہلوان تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٨/ ٣٠، والبخاري في "الأدب المفرد": رقم ١٥٣، والبيهقي في "السنن" ٤/ ٦٨، و"الشعب": ٦/ ٣٠٦/ ٨٢٧٣، ٧/ ١٣٦/ ٩٧٥٦، وأحمد: ١/ ٣٨٢، وأبويعلي: ٩/ ٩٦-٩٧/ ٥١٦٢، ومن طريقه ابن حبان في "صحيحه": ٤/ ٢٦٤/ ٢٩٣٩

شرح:...... لوگ جسمانی لحاظ سے تنومند اور طاقتور شخص کو پہلوان سمجھتے ہیں، لیکن شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں اصل پہلوان وہ ہے جو غیظ وغضب کے وقت اپنے جذبات پر قابو رکھتا ہے اور کوئی ایسا اقدام نہیں کرتا، جس پر اسے بعد میں ندامت ہو۔ جیسے عام لوگ غصے کی حالت میں شیطانی اور دیوانی جذبات سے سرشار ہو کر اپنا بہت زیادہ نقصان کر دیتے ہیں اور پھر ندامت کے آنسو بہانا شروع کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالی نے پرہیز گار لوگوں کی صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں، درج ذیل حدیث سے غصہ پی جانے کی اہمیت کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

سیدنا معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ مَا شَاءَ۔)) (ابوداود، ترمذی)...... ''جو شخص غصے کو پی جائے، حالانکہ وہ اسے نافذ کرنے پر قادر بھی ہو، اللہ تعالی قیامت والے دن اسے تمام مخلوقات کے سامنے بلائے گا اور اسے کہے گا کہ وہ جس حورِعین کو چاہے اپنے لیے پسند کر لے۔''

اگر کسی سے کسی کی حق تلفی ہو جائے تو دونوں کا انداز کیا ہونا چاہیے؟

(٢٤١٨)۔ عَنْ رَبِيْعَةَ الْأَسْلَمِيِّ، قَالَ: كُنْتُ أَخْدُمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَأَعْطَانِيْ أَرْضًا وَأَعْطٰى أَبَا بَكْرٍ أَرْضًا، وَجَاءَتِ الدُّنْيَا فَاخْتَلَفْنَا فِيْ عَذْقِ نَخْلَةٍ، فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ: هِيَ فِيْ حَدِّ أَرْضِيْ! وَقُلْتُ أَنَا هِيَ فِيْ حَدِّيْ! وَكَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ أَبِيْ بَكْرٍ كَلَامٌ،

حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، آپ نے مجھے زمین دی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی زمین دی۔ ہم پر دنیا غالب آ گئی، کھجور کے ایک درخت کے بارے میں ہمارا جھگڑا ہو گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میری زمین کی حد میں ہے۔ میں نے کہا: یہ میری حد میں ہے۔ میرے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان تخت

فَقَالَ لِيْ أَبُوْ بَكْرٍ كَلِمَةً كَرِهْتُهَا وَنَدِمَ فَقَالَ لِيْ: يَارَبِيْعَةُ! رُدَّ عَلَيَّ مِثْلَهَا حَتّٰى يَكُوْنَ قِصَاصاً، قُلْتُ: لَاأَفْعَلُ، فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ: لَتَقُوْلَنَّ أَوْ لَأَسْتَعْدِيَنَّ عَلَيْكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قُلْتُ: مَا أَنَا بِفَاعِلٍ۔ قَالَ: وَرَفَضَ الْأَرْضَ فَانْطَلَقَ أَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَانْطَلَقْتُ أَتْلُوْهُ، فَجَاءَ أَنَاسٌ مِنْ أَسْلَمَ فَقَالُوْا: رَحِمَ اللّٰهُ أَبَا بَكْرٍ! فِيْ أَيِّ شَيْءٍ يَسْتَعْدِيْ عَلَيْكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، وَهُوَ الَّذِيْ قَالَ لَكَ مَا قَالَ؟ فَقُلْتُ: أَتَدْرُوْنَ مَنْ هٰذَا؟ هٰذَا أَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ، وَهُوَ (ثَانِيَ اثْنَيْنِ) وَهُوَ ذُوْ شَيْبَةِ الْمُسْلِمِيْنَ، فَإِيَّاكُمْ يَلْتَفِتُ فَيَرَاكُمْ تَنْصُرُوْنِّيْ عَلَيْهِ فَيَغْضَبُ، فَيَأْتِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَيَغْضَبُ لِغَضَبِهِ، فَيَغْضَبُ اللّٰهُ لِغَضَبِهِمَا، فَيَهْلِكُ رَبِيْعَةُ: قَالُوْا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: ارْجِعُوْا۔ فَانْطَلَقَ أَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَتَبِعْتُهُ وَحْدِيْ وَجَعَلْتُ أَتْلُوْهُ حَتّٰى أَتَى النَّبِيَّ فَحَدَّثَهُ الْحَدِيْثَ كَمَا كَانَ فَرَفَعَ إِلَيَّ رَأْسَهُ فَقَالَ: ((يَا رَبِيْعَةُ! مَالَكَ وَلِلصِّدِّيْقِ؟)) قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! كَانَ كَذَا وَكَانَ كَذَا، فَقَالَ لِيْ كَلِمَةً كَرِهْتُهَا، فَقَالَ لِيْ: قُلْ كَمَا قُلْتُ لَكَ حَتّٰى يَكُوْنَ قِصَاصاً۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَجَلْ فَلَا تَرُدَّ عَلَيْهِ وَلٰكِنْ قُلْ: غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ!

کلامی ہوئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسا کلمہ کہا جس کو میں نے ناپسند کیا اور وہ خود بھی شرمندہ ہوئے۔ (بالآخر) انھوں نے مجھے کہا: اے ربیعہ! مجھے یہی کلمہ کہو تا کہ بدلہ ہو جائے۔ لیکن میں نے کہا کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تجھے ضرور کہنا پڑے گا، ورنہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کروں گا۔ میں نے کہا: میں ایسا (جملہ) نہیں کہوں گا۔ ربیعہ کہتے ہیں: ابوبکر زمین چھوڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل دیے، میں بھی ان کے پیچھے چل پڑا۔ بنو اسلم قبیلہ کے چند لوگ آئے اور انھوں نے کہا: اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، بھلا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس چیز کے متعلق تیرے خلاف فریاد کریں گے۔ حالانکہ انھوں نے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکے۔ میں نے کہا: تم جانتے ہو کہ یہ کون ہے؟ یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، (غارِ ثور) کے دونوں میں سے دوسرے وہ تھے اور وہ مسلمانوں کے بزرگ ہیں۔ پس تم بچو (کہیں ایسا نہ ہو) کہ وہ تم کو اپنے خلاف میری مدد کرتے ہوئے دیکھ کر غصے ہو جائیں، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں اور آپ اس کے غصے کی وجہ سے ناراض ہو جائیں اور پھر اللہ تعالیٰ ان دونوں کی ناراضگی کی وجہ سے ناراض ہو جائے اور ربیعہ ہلاک ہو جائے۔ انھوں نے کہا: تو (پھر ایسے میں) تم ہمیں کیا حکم دیتے ہو؟ اس نے کہا: تم چلے جاؤ۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے اور میں بھی اکیلا ہی ان کے پیچھے چل پڑا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور جیسی بات تھی ویسے ہی بیان کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر میری طرف اٹھایا اور فرمایا: ''اے ربیعہ تیرے اور صدیق کے مابین کیا معاملہ ہے؟'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! معاملہ تو ایسے ایسے تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے ایسا

غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا أَبَابَكْرٍ۔)) قَالَ: فَوَلّٰى أَبُوْبَكْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَهُوَ يَبْكِيْ۔

(الصحيحة:٣٢٥٨)

کلمہ کہا جس کو میں نے ناپسند کیا، پھر انھوں نے مجھے یہ بھی کہا کہ میں بھی ان کو وہی بات کہہ دوں تا کہ لے پلے ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے، تم نے اب (قصاصًا) وہ بات دوہرانی نہیں ہے، بلکہ یہ کہنا ہے کہ اے ابوبکر! اللہ تجھے معاف کر دے۔ اے ابوبکر! اللہ تجھے معاف کر دے۔'' جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے تو وہ رو رہے تھے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٥٨۔٥٩، الطبراني في "المعجم الكبير": ٤٥٧٧

شرح:...... انبیاء و رسل جیسی معصوم ہستیوں کے بعد ہر انسان سے بتقاضائے بشریت غلطی کا امکان پایا جاتا ہے اور ہر کوئی طبعی طور پر غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے بہرحال نیک سیرت لوگ ایسی بشری لغزشوں کے اثرات کو ندامت کے آنسوؤں سے فوراً صاف کر دیتے ہیں، اس حدیثِ مبارکہ میں جہاں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مسلّمہ مرتبت و منزلت اور عزت و عظمت کا اعتراف کیا گیا ہے، وہاں یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ وہ بے حد رقیق القلب، اپنی بشری خطا تسلیم کرنے والے اور اس کے اثرات کو بے اثر کرنے میں پیش پیش تھے۔

ایک طرف جہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی ناپسندیدہ بات کی تو وہاں فوراً اپنے آپ کو قصاص کے لیے بھی پیش کر دیا، تا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں دونوں کے حقوق سے بریٔ الذمہ ہو جائیں۔ اب مظلوم کے انداز پر غور کریں کہ جب یہ تنازعہ بارگاہِ نبوی میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ کو قصاص لینے سے رک جانے کی تلقین کی اور یہ بھی فرمایا کہ وہ نہ صرف ابوبکر کو معاف کریں بلکہ ان کے حق میں دعائے مغفرت بھی کریں۔ اگر محبتیں ''سچیاں اور سُچیاں'' ہوں تو ایسا اسلامی انداز اختیار کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔

خاموشی بہترین عمل ہے

(٢٤١٩)۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَقِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَبَا ذَرٍّ، فَقَالَ: ((يَا أَبَا ذَرٍّ! أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى خَصْلَتَيْنِ هُمَا أَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ، وَأَثْقَلُ فِي الْمِيْزَانِ مِنْ غَيْرِ هِمَا؟)) قَالَ: بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْخُلُقِ، وَطُوْلِ الصَّمْتِ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَاعَمِلَ الْخَلَا ئِقُ بِمِثْلِهِمَا۔))

(الصحيحة:١٩٣٨)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا: ''اے ابوذر! کیا میں تجھے دو خوبیوں سے آگاہ نہ کر دوں، جن کی ادائیگی آسان ہے، لیکن وہ ترازو میں دیگر تمام نیکیوں سے بھاری ہوں گی؟'' اُنھوں نے کہا: جی ہاں! اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو حسنِ خلق اور طویل خاموشی کو لازم پکڑ۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مخلوقات نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو (ان دو نیکیوں کے) برابر ہو۔''

تخریج: أخرجه أبویعلي في "مسنده": ٢/ ٨٣٤، والطبرانی فی "الاوسط": ٧٢٤٥، وابن ابی الدنیا فی "الصمت": ٤/ ٣٢/ ٢، والبزار: صـ ٣٢٩

شرح:...... خیر و بھلائی کے کام کرنا انسان کا ممتاز اور عظیم کمال ہے، اگر کوئی ایسا کرنے سے عاجز ہو جائے تو پھر گناہوں سے اجتناب کرتے ہوئے خاموشی اختیار کرنا بھی قابل تعریف ہے۔ یہ بات بھی مسلّم ہے کہ ہر وقت اللہ تعالی کا ذکر کرنا ناممکن ہے، کیونکہ انسان بوریت اور اکتاہٹ میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو پھر ایسی صورت میں خاموشی کو ترجیح دینی چاہیے تا کہ فضول گوئی سے بچا جا سکے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ۔)) (بخاری، مسلم) ......"جو شخص اللہ تعالی اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے بھلائی کی بات کرنا چاہیے یا پھر خاموش رہنا چاہیے۔"

حفاظتِ زبان کی تلقین اور اس کے وبال کا تذکرہ

(٢٤٢٠)۔ عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً: ((اِحْفَظْ لِسَانَكَ، ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ مُعَاذُ! فَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ إِلَّا أَلْسِنَتُهُمْ۔)) (الصحيحة: ١١٢٢)

حسن رضی اللہ عنہ سے مرسلاً مروی ہے: اے معاذ! تیری ماں تجھے گم پائے، تو اپنی زبان کی حفاظت کیا کر، کیونکہ لوگوں کو جہنم میں ان کی زبانوں کی وجہ سے ہی پھینکا جائے گا۔"

تخریج: أورده السيوطي هكذا في "ذيل الجامع الصغير" ق ٨/ ٢ من رواية الخرائطي في "مكارم الأخلاق" عن الحسن مرسلا وهو في "مسند أحمد" ٥/ ٢٣١، وقد أخرجه الترمذی وابن ماجه وغيرهما نحوه

شرح:...... زبان نہ صرف انسان کے احترام و اکرام اور ذلالت و رسوائی کا معیار قرار پا چکی ہے، بلکہ اخروی کامیابی و کامرانی اور ناکامی و نامرادی کا دارو مدار بھی اسی پر ہے، اس حدیث مبارکہ میں زبان کے خطرات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اگر حفاظتِ زبان کا اہتمام نہ کیا گیا تو یہ سارے اعمال کی بربادی کا سبب بن سکتی ہے اور انسان کو جنت میں داخل کرنے کی بجائے آتشِ دوزخ کا ایندھن بنا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نجات کی بابت سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصولِ نجات کے لیے ان تین امور کا ذکر کیا: ((أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ۔)) (ترمذی) ......"اپنی زبان کو قابو میں رکھو، تمہارا گھر تم کو اپنے اندر سموئے رکھے اور اپنی خطاؤں پر رویا کرو۔"

معلوم ہوا کہ لوگوں سے بلاضرورت زیادہ میل جول اور ان سے بے مقصد گپ شپ میں انسان کے دین کو بہت سے خطرات لاحق ہو سکتے ہیں، اس لیے زیادہ اختلاط کی بجائے گھر میں رہا جائے اور اپنا وقت ذکر و اذکار، غور و فکر اور اہل و عیال کی خدمت میں صرف کیا جائے۔

(٢٤٢٠م)۔ عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

((اَلْـمَمْلُوْكُ اَخُوْكَ؛ فَاِذَا صَنَعَ لَكَ طَعَامًا فَـاَجْـلِسْـهُ مَعَكَ ، فَاِنْ اَبٰى فَاَطْعِمْهُ ، وَلَا تَضْرِبُوْا وُجُوْهَهُمْ۔))

(الصحيحة: ١٢٨٥)

فرمایا: ''غلام تمہارا بھائی ہے، پس جب وہ تیرے لیے کھانا بنائے تو اسے اپنے پاس بٹھا لے (تاکہ وہ بھی کھا لے)، اگر وہ انکار کرے دے تو اسے کھانا کھلا دیا کر اور ان کے چہروں پر نہ مارا کرو۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٦/ ٢١٤ ، والدارمي: ٢/ ١٠٧ ، وأحمد: ٢/ ٢٨٣ ، ٤٠٩ ، ٤٣٠

غلاموں اور خادموں کے حقوق

(٢٤٢١)۔ عَـنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا: ((إِذَا أَتٰـى أَحَـدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامٍ قَدْ وَلِيَ حَرَّهُ وَمَشَقَّتَهُ وَ مُؤْنَتَهُ فَلْيُجْلِسْهُ مَعَهُ ، فَإِنْ أَبٰى فَلْيُنَاوِلْهُ أَكْلَةً فِيْ يَدِهِ۔))

(الصحيحة: ١٢٨٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کے لیے اس کا خادم کھانا لائے، چونکہ وہی کھانے کی حرارت اور محنت و مشقت برداشت کرتا ہے، اس لیے (مالک کو) چاہیے کہ وہ اسے اپنے ساتھ بٹھا لے، اگر وہ ایسا کرنے سے انکار کرے تو اسے اس کے ہاتھ میں کھانا تھما دے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٦/ ٢١٤ ، والدارمي: ٢/ ١٠٧ ، وأحمد: ٢/ ٢٨٣ ، ٤٠٩ ، ٤٣٠

(٢٤٢٢)۔ عَـنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا: ((إِذَا جَـاءَ خَـادِمُ أَحَدِكُمْ بِطَعَامِهِ قَدْ كَفَاهُ حَـرَّهُ وَعَمَلَهُ ، فَإِنْ لَمْ يُقْعِدْهُ مَعَهُ لِيَأْكُلَ ، فَلْيُنَاوِلْهُ أُكْلَةً مِنْ طَعَامِهِ۔))

(الصحيحة: ١٠٤٣)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کا خادم اس کا کھانا لائے، تو چونکہ اس نے (کھانا پکانے کی) حرارت اور (مزید) محنت و مشقت برداشت کی ہوتی ہے، (اس لیے مالک کو چاہیے کہ اسے اپنے ساتھ بٹھا لے تاکہ وہ بھی کھانا تناول کر سکے) اگر وہ اسے کھانے کے لیے اپنے ساتھ نہ بٹھانا چاہے تو اسے کچھ کھانا تھما دیا کرے۔''

تخريج: رواه أحمد: ٢/ ٤٠٦ و ٤٦٤

(٢٤٢٣)۔ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ جَارِيَةَ ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِـيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: ((أَرِقَّاءَكُمْ ، أَرِقَّـاءَكُمْ ، أَرِقَّـاءَكُمْ ، أَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَـأْكُـلُـوْنَ ، وَاكْسُوْهُمْ مِمَّاتَلْبَسُوْنَ ، فَإِنْ جَـاءُوْا بِـذَنْـبٍ لَاتُـرِيْـدُوْنَ أَنْ تَغْفِرُوْهُ ،

حضرت یزید بن جاریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: ''اپنے غلاموں کا خیال رکھنا، اپنے غلاموں کا خیال رکھنا، اپنے غلاموں کا خیال رکھنا۔ جیسا خود کھاتے ہو ویسا اُن کو بھی کھلاؤ۔ جیسا خود پہنتے ہو ویسا اُن کو بھی پہناؤ۔ اگر وہ کوئی ایسا گناہ کر بیٹھیں جو تم

فَبِيْعُوْا عِبَادَ اللّٰهِ وَلَا تُعَذِّبُوْهُمْ۔)) (الصحيحة: ٧٤٠)

معاف نہیں کرنا چاہتے تو اللہ کے اُن بندوں کو بیچ دو اور اُن کو عذاب نہ دو۔“

تخريج: أخرجه عبد الرزاق فى "المصنف": ٩/ ٤٤٠/ ١٧٩٣٥، وعنه الطبرانى فى "المعجم الكبير": ٢٢/ ٢٤٣/ ٦٣٦، واحمد فى "المسند": ٤/ ٣٥

(٢٤٢٤)۔ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ جَلِيْدٍ الْحَجْرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُوْلُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كَمْ نَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ؟ فَصَمَتَ۔ ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ، فَصَمَتَ۔ فَلَمَّا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ، قَالَ: ((أُعْفُوْا عَنْهُ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔)) (الصحيحة: ٤٨٨)

عباس بن جلید حجری سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہم کتنی دفعہ خادم سے درگزر کریں۔ آپ ﷺ خاموش رہے۔ اُس نے پھر یہی جملہ دہرایا۔ لیکن آپ پھر خاموش رہے۔ جب اُس نے تیسری مرتبہ کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”روزانہ ستر بار درگزر کیا کرو۔“

تخريج: أخرجه أبوداود: ١٥٤٦، واحمد: ٢/ ١١١، ورواه الترمذى: ١/ ٣٥٣ لكنه لم يسق لفظه

شرح:...... اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو روزیاں عطا کرنے کے دو انداز اختیار کئے ہیں: (۱) کسی کو براہِ راست اسبابِ رزق عطا کر دینا، جیسے ذاتی کاروبار یا ذاتی زمین وغیرہ (۲) اور کسی کو دوسرے بندے کے ذریعے رزق عطا کرنا، جیسے کسی کی ملازمت وغیرہ۔

بہر حال یہ تو ہر انسان کی بابت اللہ تعالی کی حکمتوں کے فیصلے ہیں، مندرجہ بالا موضوع پر مشتمل احادیث اس حقیقت کی غماز ہیں کہ اسلام نے عدل و انصاف اور اخوت و مساوات پر حد درجہ زور دیا ہے اور احترامِ انسانیت کا سب سے زیادہ خیال رکھا ہے۔ اگر ظاہری حقوق کا اعتبار کریں تو سب سے کم مرتبے والے غلام ہیں، لیکن اسلام نے ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی وضاحت کر دی کہ یہ سلوک اس طرح کیا جائے کہ مالکان جو خود کھائیں اور پہنیں، وہی اپنے غلاموں کو کھلائیں اور پہنائیں، ان کے معاملے میں عفو و درگذر کے پہلو کو وسیع رکھیں اور ان کی مجبوری و ماتحتی سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں، کیونکہ وہ دین اور انسان ہونے کی حیثیت سے اپنے آقاؤں کے بھائی ہیں۔

یہ اسلام ہی ہے جس نے معاشرے میں امن وسکون کا ماحول قائم کرنے کے لیے طبقاتی نفرت کی بیخ کنی کی اور آجر و اجیر، آقا و غلام، حاکم و محکوم، محمود و ایاز اور مالک و مملوک کو ایک دوسرے کا بھائی، غمگسار اور ہمدرد قرار دیا۔

اگر حسن اخلاق اور احترام انسانیت کا ماحول عام ہو جائے اور ہر کوئی اپنی صلاحیتوں کو اللہ تعالی کی عطا سمجھ کر اس کا شکریہ ادا کرے تو غریب کو اپنی غربت میں، امیر کو اپنی امیری میں، غلام کو اپنی غلامی میں، آقا کو اپنی آقائی میں، عوام کو

اپنی ماتحتی میں اور حکمران کو اپنی حکمرانی میں حقیقی زندگی کا حقیقی لطف نصیب ہوگا۔

بظاہر انسانیت میں غلام اور لونڈی کا مرتبہ سب سے کم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو صرف اپنے جیسے انسانوں کی خدمت کے لیے وقف پاتے ہیں، ان کی کوئی ذاتی جاگیر نہیں ہوتی، ساری کی ساری آمدن مالک کی ہوتی ہے۔ لیکن اسلام نے ان کے حقوق کا بھی تعین کر دیا، تاکہ ہر کوئی اپنی منزلت پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نظر آئے۔

محبّ کا محبوب کو اپنی محبت کی خبر دینا

(٢٤٢٥)۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ مَرْفُوْعًا (مُرْسَلاً): ((إِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فِي اللّٰهِ فَلْيُبَيِّنْ لَهُ فَإِنَّهُ خَيْرٌ فِي الْاُلْفَةِ، وَأَبْقَى فِي الْمَوَدَّةِ۔)) (الصحيحة:١١٩٩)

علی بن حسین سے مرسلاً روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو اپنے بھائی سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت ہو تو وہ اس پر واضح کر دے، کیوں کہ یہ وضاحت الفت میں بہتری اور محبت کو تادیر رکھنے والی ہے۔''

تخریج: رواه وكيع في "الزهد" ٢/ ٦٧/ ٢

(٢٤٢٦)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ بِالنَّبِيِّ ﷺ وَعِنْدَهُ نَاسٌ، فَقَالَ رَجُلٌ مِمَّنْ عِنْدَهُ: إِنِّي لَأُحِبُّ هٰذَا لِلّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَعْلَمْتَهُ؟)) قَالَ: لَا۔ قَالَ: ((فَقُمْ إِلَيْهِ فَأَعْلِمْهُ۔)) فَقَامَ إِلَيْهِ فَأَعْلَمَهُ، فَقَالَ: أَحَبَّكَ الَّذِيْ أَحْبَبْتَنِيْ لَهُ، قَالَ: ثُمَّ رَجَعَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِمَا قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكَ مَا احْتَسَبْتَ۔)) (الصحيحة:٣٢٥٣)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا، جبکہ آپ ﷺ کے پاس چند لوگ بیٹھے تھے۔ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے گزرنے والے آدمی کے بارے میں کہا: میں اللہ کے لیے اس سے محبت کرتا ہوں۔ نبی کریم نے پوچھا: ''کیا تو نے اس کو بتلایا ہے؟'' اُس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اُس کو جا کر بتلاؤ۔'' وہ اُس کی طرف گیا اور اُس کو بتلایا۔ اس نے کہا: وہ ذات تجھ سے محبت کرے جس کے لیے تو مجھ سے محبت کرتا ہے۔ پھر وہ آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس کی کہی ہوئی بات آپ ﷺ کو بتلائی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تو اسی کے ساتھ ہوگا، جس کے ساتھ تو نے محبت کی، اور تو نے جس ثواب کی امید کی ہے، وہ تجھے ملے گا۔''

تخريج: رواه عبدالرزاق في "المصنف": ١١/ ٢٠٠/ ٢٠٣١٩، وعنه البيهقي في "الشعب": ٦/ ٤٨٩/ ٩٠١١، ورواه الترمذي: ٢٣٨٦ مختصرا اى بلفظ: ((المرء مع من أحب، وله ما اكتسب۔)) وأخرجه احمد: ٣/ ٢٢٦، ٢٨٣ بلفظ: ...... انس بن مالك قال: كنت عند رسول الله ﷺ في بيته، فجاء رجل فقال: يا رسول الله! متى الساعة؟ قال: ((أما انها قائمة، فما أعددت لها؟)) قال: والله يا رسول الله!

ماأعددت لها من كثير من عمل؛ غير اني أحب الله ورسوله۔ قال: ((فانك مع من أحببت، ولك ما احتسبت ......)) ومثل هذا الحديث في "الصحيحين" وغيرهما من حديث انس وابن مسعود لكن بلفظ: ((المرء مع من أحب۔))

شرح:...... محبت کی دو قسمیں ہیں: (۱) طبعی اور (۲) کسبی۔

طبعی محبت وہ ہے جو انسان کو طبعی طور پر اپنے قرابتداروں اور محسنوں سے ہوتی ہے، یہ محبت انسان کا کمال اور طرۂ امتیاز نہیں ہے، کیونکہ تقریبا تمام حیوانات بھی اس صفت سے متصف نظر آتے ہیں۔

کسبی محبت سے مراد مومنوں کا باہمی تعلق اور دوستی ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص مہاجرین وانصار کے مابین تھی، یہ دینی محبت صرف اللہ تعالی کے لیے ہوتی ہے، اس سے کوئی دنیوی مفاد اور غرض وابستہ نہیں ہوتی۔ ایسی محبت کو نہ صرف شریعتِ اسلامیہ میں سراہا گیا ہے، بلکہ ایمان وایقان کی علامت قرار دیا گیا ہے، یاد رہے کہ ایسی محبت والفت صرف نیک اور صالح لوگوں سے ہوتی ہے۔

اس حدیثِ مبارکہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جب کسی کو کسی سے اللہ تعالی کی ذات کی وجہ سے محبت ہو تو وہ اسے اطلاع دے دے تاکہ دوسرا شخص بھی آگاہ ہو جائے اور محبت دو طرفہ ہو جائے۔

محبّ اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا

(٢٤٢٧)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ بِالنَّبِيِّ ﷺ وَعِنْدَهُ نَاسٌ، فَقَالَ رَجُلٌ مِمَّنْ عِنْدَهُ: إِنِّي لَأُحِبُّ هَذَا لِلّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَعْلَمْتَهُ؟)) قَالَ: لَا۔ قَالَ: ((فَقُمْ إِلَيْهِ فَأَعْلِمْهُ۔)) فَقَامَ إِلَيْهِ فَأَعْلَمَهُ، فَقَالَ: أَحَبَّكَ الَّذِي أَحْبَبْتَنِي لَهُ، قَالَ: ثُمَّ رَجَعَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِمَا قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكَ مَا احْتَسَبْتَ۔)) (الصحيحة:٣٢٥٣)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا، جبکہ آپ ﷺ کے پاس چند لوگ بیٹھے تھے۔ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے گزرنے والے آدمی کے بارے میں کہا: میں اللہ کے لیے اس سے محبت کرتا ہوں۔ نبی کریم نے پوچھا: "کیا تو نے اس کو بتلایا ہے؟" اُس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اُس کو جا کر بتلاؤ۔" وہ اُس کی طرف گیا اور اُس کو بتلایا۔ اس نے کہا: وہ ذات تجھ سے محبت کرے جس کے لیے تو مجھ سے محبت کرتا ہے۔ پھر وہ آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس کی کہی ہوئی بات آپ ﷺ کو بتلائی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تو اسی کے ساتھ ہوگا، جس کے ساتھ تو نے محبت کی اور تو نے جس ثواب کی امید کی ہے، وہ تجھے ملے گا۔"

تخريج: رواه عبدالرزاق في "المصنف": ١١/ ٢٠٠/ ٢٠٣١٩، وعنه البيهقي في "الشعب": ٦/ ٤٨٩/ ٩٠١١، ورواه الترمذي: ٢٣٨٦ مختصرا اى بلفظ: ((المرء مع من أحب، وله ما اكتسب۔))

وأخرجه احمد: ٣/ ٢٢٦، ٢٨٣ بلفظ: ..... انس بن مالك قال: كنت عند رسول الله ﷺ في بيته، فجاء رجل فقال: يا رسول الله! متى الساعة؟ قال: ((أما انها قائمة، فما أعددت لها؟)) قال: والله يا رسول الله! ماأعددت لها من كثير من عمل؛ غير اني أحب الله ورسوله۔ قال: ((فانك مع من أحببت، ولك ما احتسبت .....۔)) ومثل هذا الحديث في "الصحيحين" وغيرهما من حديث انس وابن مسعود لكن بلفظ: ((المرء مع من أحب۔))

شرح:...... اس میں اہل خیر وصلاح لوگوں کے ساتھ محبت رکھنے کی فضیلت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا بھی بیان ہے کہ وہ ان سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے کم مرتبہ لوگوں کو بھی بلندتر درجوں پر فائز کر کے محبوبین کے ساتھ ملا دے گا۔ لیکن اس بشارت کے ساتھ ساتھ یہ حدیث ان لوگوں کے لیے وعید بھی ہے جو بدکردار لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلق اور محبت رکھتے ہیں اور حقیقی محبت نہ ہونے کی صورت میں خوشامد، چاپلوسی اور دورخی سے کام لیتے ہوئے پرخلوص محبتوں کے دعوے کرتے ہیں، ممکن ہے کہ ان کا حشر بھی ان کے ساتھ ہو۔

اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کا صلہ

(٢٤٢٨)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ مَرْفُوْعاً: ((مَامِنْ رَجُلَيْنِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ، إِلَّا كَانَ أَحَبُّهُمَا إِلَى اللّٰهِ أَشَدَّهُمَا حُبًّا لِصَاحِبِهِ۔)) (الصحيحة:٣٢٧٣)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب دو آدمی ایک دوسرے سے اللہ تعالیٰ کے لیے غائبانہ طور پر محبت کرتے ہیں تو ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب وہ ہے جو اپنے بھائی سے دوسرے کی بہ نسبت زیادہ محبت کرنے والا ہوگا۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في"المعجم الأوسط":٢/ ٢١/ ٢/ ٥٤١٢، ٦/ ١٣٤/ ٥٢٧٥۔ط

شرح:...... اس محبت کی بنیاد محبوب کے پرہیزگار ونیکوکار ہونے پر ہے، جو محبت کسی سے اس کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ ایمان وایقان اور عمل صالح کی وجہ سے کی جائے، وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین دوستی اور تعلق تھا، یہ دینی محبت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تھی، اس میں کوئی دنیوی مفاد اور غرض وابستہ نہ تھی۔ جب اہل ایمان آپس میں دنیوی اغراض ومفادات سے بالا ہو کر اور محض اللہ تعالیٰ کی ذات کو سامنے رکھ کر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے بھی محبوب بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے کسی کی زیارت کا صلہ

(٢٤٢٩)۔ عَنْ أَنَسٍ مَرْفُوْعاً: ((مَامِنْ عَبْدٍ أَتٰى أَخًا لَهُ يَزُوْرُهُ فِي اللّٰهِ نَادٰى مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ طِبْتَ وَطَابَتْ لَكَ الْجَنَّةُ،

حضرت انس سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی اپنے بھائی کے پاس آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس سے ملاقات کرتا ہے تو آسمان سے پکارنے والا

وَإِلَّا قَالَ اللّٰهُ فِي مَلَكُوْتِ عَرْشِهِ: عَبْدِي زَارَ فِيَّ وَعَلَيَّ قِرَاهُ فَلَمْ أَرْضَ لَهُ بِقِرًى دُوْنَ الْجَنَّةِ۔)) (الصحيحة:٢٦٣٢)

پکارتا ہے: تم خوش رہو اور جنت تمہارے لیے پاکیزہ ہو جائے، وگرنہ اللہ تعالی اپنے عرش کی بادشاہی میں کہتا ہے: میرے بندے نے میری وجہ سے ملاقات کی ہے، اس کی میزبانی مجھ پر لازم ہے اور میں اس کے لیے جنت سے کم میزبانی (کا انداز) پسند ہی نہیں کرتا۔''

تخریج: أخرجه أبو يعلى فى "مسنده": ٣/ ١٠٢٤، والبزار: ٢/ ٣٨٨۔٣٨٩، وأبو نعيم فى "الحلية": ٣/ ١٠٧، والضياء فى "المختارة": ق ٢٤٠/ ١

شرح:...... کسی کا اپنے رشتہ داروں یا دوستوں کا لحاظ کرتے ہوئے محبت کرنا یا ملاقات کرنا کوئی کمال نہیں، یہ صفت سرے سے مومن کا امتیاز نہیں ہے۔ مومن و مسلمان کا کمال اس میں ہے کہ وہ دوسری صالح انسانیت سے اللہ تعالی کے لیے محبت بھی کرے اور ملاقات بھی۔ ایسے سعادت مندوں کو آسمان کی رفعتوں سے فرشتے آواز دیتے ہیں اور ایسے لوگوں کے میزبان اللہ تعالی خود ہوتے ہیں۔

نرمی کی فضیلت

(٢٤٣٠)۔ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعًا: ((إِذَا أَرَادَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِأَهْلِ بَيْتٍ خَيْرًا أَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرِّفْقَ۔)) (الصحيحة: ١٢١٩)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی اہل بیت کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُن کو نرمی عطا کر دیتا ہے۔''

تخریج: أخرجه احمد: ٦/ ٧١، ١٠٤، والبخاری فی "التاريخ الكبير": ١/ ١/ ٤١٦، والبيهقى فى "الشعب": ٢/ ٢٧٩/ ١، وفى "الاسماء و الصفات": صـ ١٥٥، والديلمى فى "مسند الفردوس": ١/ ١/ ٩٦.

(٢٤٣١)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهُ: ((اِسْمَحْ يُسْمَحْ لَكَ۔)) (الصحيحة:١٤٥٦)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نرمی کر تا کہ تیرے ساتھ بھی نرمی کی جائے۔''

تخریج: رواه أحمد: ١/ ٢٤٨، وابن عساكر فى "تاريخ دمشق": ١٧/ ٤٥٠/ ١، والضياء فى "المختارة" ٦٣/ ١١/ ١

(٢٤٣٢)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ أَوْ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ؟ عَلَى كُلِّ قَرِيْبٍ هَيِّنٍ سَهْلٍ۔))

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تم کو ایسے شخص کے بارے میں نہ بتلاؤں، جو آگ پر حرام ہو یا آگ جس پر حرام ہو؟ جو ہر دلعزیز، نرمی کرنے والا اور آسانی کرنے والا ہو۔''

(الصحيحة: ٩٣٨)

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٨٠، وابن حبان: ١٠٩٦و١٠٩٧، والخرائطي في "مكارم الأخلاق": ١١، ٢٣، وأحمد: ١/ ٤١٥، وأبويعلى: ٨/ ٤٦٧، والطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ٨٣/ ٢، وأبوالقاسم بن أبي القعنب في "حديث القاسم بن الأشيب": ٨/ ١، وأبوالقاسم القشيري في "الأربعين": ١٩٦/ ١، والبيهقي في "الشعب": ٦/ ٢٧٢/ ٨١٢٥، والبغوي في "شرح السنة": ٩٤/ ١

(٢٤٣٣)۔ (٩٧)۔ عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: ((إِنَّهُ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ، فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَصِلَةُ الرَّحِمِ، وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَحُسْنُ الْجِوَارِ يَعْمُرَانِ الدِّيَارَ وَيَزِيْدَانِ فِي الأَعْمَارِ۔))

(الصحيحة: ٥١٩)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اُن کو فرمایا: ''جس کو نرمی عطا کی گئی، اُس کو دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی سے نواز دیا گیا اور صلہ رحمی، حسنِ اخلاق اور پڑوسی سے اچھا سلوک (جیسے امورِ خیر) گھروں (اور قبیلوں) کو آباد کرتے ہیں اور عمروں میں اضافہ کرتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٦/ ١٥٩، وابويعلى في "مسنده": ٨/ ٢٤/ ٤٥٣٠

(٢٤٣٤)۔ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ الْبَدَاوَةِ؟ فَقَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَبْدُوْ إِلٰى هٰذِهِ التِّلاعِ، وَإِنَّهُ أَرَادَ الْبَدَاوَةَ مَرَّةً، فَأَرْسَلَ إِلَيَّ نَاقَةً مُحَرَّمَةً مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ، فَقَالَ لِي: ((يَاعَائِشَةُ! أُرْفُقِي، فَإِنَّ الرِّفْقَ لَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا نُزِعَ مِنْ شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا شَانَهُ۔))

(الصحيحة: ٥٢٤)

حضرت مقدام بن شریح رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ سے صحرائی زندگی کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ ان ٹیلوں پر جایا کرتے تھے، ایک دفعہ جب آپ ﷺ نے صحرائی زندگی کا ارادہ کیا تو میری طرف صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹنی، جس پر ابھی تک سواری نہیں کی گئی تھی، بھیجی اور فرمایا: ''عائشہ! نرمی کرنا، کیونکہ جس چیز میں بھی نرمی ہوتی ہے، وہ اُس کو مزین کر دیتی ہے اور جس چیز سے نرمی چھین لی جائے، وہ اُس کو عیب دار بنا دیتی ہے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٢٤٧٨، والسياق له، وأحمد: ٦/ ٥٨/ ٢٢٢، وابن أبي شيبة في "المصنف": ١٢/ ٣٣٥/ ١٢٩٩٧، وهو عند مسلم: ٨/ ٢٢ دون فقرة التلاع

(٢٤٣٥)۔ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْمَرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَاأُعْطِيَ أَهْلُ بَيْتٍ

حضرت عبید اللہ بن معمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس گھرانے کو نرمی عطا کر دی جائے

الــرِّفْــقَ إِلَّا نَــفَـعَـهُــمْ ، وَلَا مُــنِـعُــوْهُ إِلَّا ضَرَّهُمْ۔)) (الصحيحة:٩٤٢)

تو وہ ان کو فائدہ دے گی اور جس کو (نرمی) نہ دی جائے تو (سختی) اُن کو نقصان دے گی۔"

تخريج: رواه الطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ١٥٩/ ١، وابن منده في "المعرفة": ٢/ ٢٩/ ١

(٢٤٣٦)۔ عَــنْ عَــائِشَةَ ، أَنَّ رَسُـوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَـالَ لَهَا: ((يَاعَائِشَةُ! أُرْفُقِي ، فَإِنَّ الـلّٰـهَ إِذَا أَرَادَ بِأَهْلِ بَيْتٍ خَيْرًا دَلَّهُم عَلَى بَابِ الرِّفْقِ۔)) (الصحيحة:٥٢٣)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا: "عائشہ! نرمی کیا کرو، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی گھر والوں کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو نرمی کے دروازے کی طرف ان کی رہنمائی کر دیتے ہیں۔"

تخريج: أخرجه أحمد: ٦/ ١٠٤، والبزار

شرح:...... درج بالا احادیث میں نرمی کو مسلمان کے حق میں نفع بخش، دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی کا ضامن، اعمالِ خیر کی زینت اور جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے دور رہنے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

نرمی ایسا زیور ہے کہ اس سے متصف شخص لوگوں میں بھی ہر دلعزیز اور مقبول ہوتا ہے اور اللہ تعالی کے ہاں بھی محبوب ہو جاتا ہے، نرمی جیسی صفت صبر و حلم، تحمل و برداشت اور عفو و درگزر کو جنم دیتی ہے کہ جن کی بنا پر دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں، نرمی حکیم اور دانا لوگوں کی صفت ہے، وہ اس کی روشنی میں ہر انسان سے پیش آتے ہیں۔ جبکہ نرمی سے محروم آدمی لوگوں کی نگاہوں میں بھی معیوب چیز کی طرح حقیر ہو جاتا ہے اور عنداللہ بھی ناپسندیدہ ہوتا ہے۔

قیدیوں سے نرمی برتنا

(٢٤٣٧)۔ عَـنِ ابْـنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَـعَـثَ سَـرِيَّةً فَغَنِمُوْا وَفِيْهِمْ رَجُلٌ ، فَقَالَ لَهُـمْ: إِنِّـي لَسْـتُ مِـنْهُـمْ ، عَشِقْتُ امْرَأَةً فَلَـحِـقْتُهَا ، فَدَعُوْنِي أَنْظُرْ إِلَيْهَا نَظْرَةً ثُمَّ اصْنَعُوْا بِيْ مَابَدَا لَكُمْ ، فَنَظَرُوْا فَإِذَا امْرَأَةٌ طَوِيْلَةٌ أَدْمَاءُ فَقَالَ لَهَا: أَسْلِمِيْ حُبَيْشُ قَبْلَ نَفَادِ الْعَيْشِ۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے ایک لشکر بھیجا، اُنہوں نے مالِ غنیمت حاصل کیا، اُن میں ایک آدمی ایسا بھی تھا، جس نے لشکر والوں سے کہا: میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، مجھے تو فلاں عورت سے عشق ہے، سو میں اس سے آملا۔ مجھے جانے دو تا کہ اسے ایک نظر دیکھ سکوں، پھر میرے ساتھ جو چاہنا کر گزرنا۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ ایک دراز قد کی گندمی عورت ہے۔ اُس نے

أَرَأَيْـــتِ لَـوْ تَبِـعْـتُـكُـمْ فَـلَـحِـقْتُـكُـمْ
بِـحُـلْيَةَ أَوْ أَدْرَكْـتُـكُـم بِـالْـخَـوَانِـقِ
أَمَــا كَــانَ حَــقٌّ أَنْ يُـنَـوَّلَ عَـاشِـقٌ
تَــكَـلُّفَ إِدْلَاجِ السُّـرٰى وَالْـوَدَائِـقِ؟

اُسے کہا: اے حبیش! زندگی ختم ہونے سے پہلے مان جا۔ کیا خیال ہے تیرا اگر میں تمہارا پیچھا کروں اور تمہیں حلیہ چشمے پر یا پہاڑوں کی تنگ گھاٹیوں میں جا ملوں، کیا عاشق کا یہ حق نہیں ہے کہ اُس کو رات بھر اور گرمی کی شدت میں چلنے کا انعام دیا جائے؟

قَالَتْ: نَعَمْ فَدَيْتُكَ، فَقَدَّمُوْهُ فَضَرَبُوْا عُنُقَهُ، فَجَاءَتِ الْمَرْأَةُ فَوَقَفَتْ عَلَيْهِ، فَشَهِقَتْ شَهْقَةً ثُمَّ مَاتَتْ، فَلَمَّا قَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أُخْبِرَ بِذٰلِكَ فَقَالَ: ((أَمَا كَانَ فِيْكُمْ رَجُلٌ رَحِيْمٌ؟)) (الصحيحة:٢٥٩٤)

اس عورت نے کہا: میں نے اپنا آپ تجھ پہ فدا کر دیا ہے۔ انہوں نے اُسے آگے کیا اور اُس کی گردن کاٹ دی۔ پھر وہ عورت آئی، اُس پر کھڑی ہوئی اور زور سے چیخ ماری اور پھر وہ مرگئی۔ جب وہ لشکر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ کو اس کے متعلق خبر دی۔ آپ نے فرمایا: ”کیا تم میں کوئی بھی رحم دل آدمی نہ تھا۔“

تخريج: رواه الطبراني في "حديثه عن النسائي": ٣١٦/ ١، وهو في "السير" للنسائي: ٢/ ٤٧/ ١، ورواه البيهقي في "دلائل النبوة": ٥/ ١١٧

شرح:...... جنگی قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، یا فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے؟ جواز کی حد تک دونوں میں سے کسی ایک شق کی گنجائش موجود ہے، لیکن بعض دفعہ حالات و ظروف اور کفر و اسلام کی قوت و شوکت کے اعتبار سے کسی ایک صورت کو دوسری سے بہتر قرار دیا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے لیے اِس آدمی کو قتل کرنا زیادہ مناسب نہ تھا، کیونکہ مذکورہ عشق، گناہ ہونے کے ساتھ ساتھ جنون کی حد تک مرض بھی ہے، بہرحال کوئی بھی عشق کی وجہ سے کی جانے والی باتوں کی بنا پر قتل کا مستحق نہیں ٹھہرتا، ممکن تھا کہ ان کے جذبات کی قدر کی جاتی اور ان کے ساتھ حسنِ اخلاق کا ایسا انداز اختیار کیا جاتا کہ وہ مسلمان ہو جاتے، یا ان کو بحیثیت غلام اور لونڈی، مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا، یا فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جاتا۔ بہرحال قتل کرنا بھی جائز تھا، لیکن آپ ﷺ نے معافی کے پہلو کو پسند فرمایا۔

عورتوں سے نرمی کرنا

(٢٤٣٨)۔ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ: أَنَّ النَّبِيَّ حَجَّ بِنِسَائِهِ، فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ الطَّرِيْقِ، نَزَلَ رَجُلٌ فَسَاقَ بِهِنَّ فَأَسْرَعَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((كَذَاكَ سَوْقُكَ بِالْقَوَارِيْرِ.)) فَبَيْنَمَا هُمْ يَسِيْرُوْنَ بَرَكَ بِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ جَمَلُهَا، وَكَانَتْ مِنْ

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیویوں کے ساتھ حج کیا، دورانِ سفر ایک آدمی اترا، اور امہات المومنین کی سواریوں کو تیزی سے چلایا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اس طرح شیشوں کو لے کر چلتے ہیں؟“ سو وہ چل رہے تھے کہ حضرت صفیہ بنت حیی کا اونٹ بیٹھ گیا، حالانکہ ان کی سواری سب سے اچھی تھی، وہ رونے

أَحْسَنِهِنَّ ظَهْراً فَبَكَتْ۔ وَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ أُخْبِرَ بِذٰلِكَ فَجَعَلَ يَمْسَحُ دُمُوْعَهَا بِيَدِهِ، وَجَعَلَتْ تَزْدَادُ بُكَاءً وَهُوَ يَنْهَاهَا، فَلَمَّا أَكْثَرَتْ زَبَرَهَا وَانْتَهَرَهَا، وَأَمَرَ النَّاسَ بِالنُّزُوْلِ فَنَزَلُوْا، وَلَمْ يَكُنْ يُرِيْدُ أَنْ يَنْزِلَ، قَالَتْ: فَنَزَلُوْا، وَكَانَ يَوْمِي، فَلَمَّا نَزَلُوْا ضُرِبَ خِبَاءُ النَّبِيِّ ﷺ وَدَخَلَ فِيْهِ، قَالَتْ: فَلَمْ أَدْرِ عَلَامَ أَهْجُمُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَخَشِيْتُ أَنْ يَكُوْنَ فِي نَفْسِهِ شَيْءٌ مِنِّي۔ قَالَتْ: فَانْطَلَقْتُ إِلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ لَهَا: تَعْلَمِيْنَ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَبِيْعُ يَوْمِي مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِشَيْءٍ أَبَداً وَإِنِّي قَدْ وَهَبْتُ يَوْمِي لَكِ عَلٰى أَنْ تُرْضِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِّي! قَالَتْ: نَعَمْ قَالَتْ: فَأَخَذَتْ عَائِشَةُ خِمَاراً لَهَا قَدْ ثَرَّدَتْهُ بِزَعْفَرَانَ، فَرَشَّتْهُ بِالْمَاءِ لِيُذَكِّي رِيْحُهُ، ثُمَّ لَبِسَتْ ثِيَابَهَا، ثُمَّ انْطَلَقَتْ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَرَفَعَتْ طَرْفَ الْخِبَاءِ، فَقَالَ لَهَا: ((مَالَكِ يَاعَائِشَةُ؟! إِنَّ هٰذَا لَيْسَ بِيَوْمِكِ۔)) قَالَتْ: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ فَقَالَ: مَعْ أَهْلِهِ فَلَمَّا كَانَ عِنْدَ الرَّوَاحِ، قَالَ لِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ: ((يَازَيْنَبُ! أَفْقِرِي أُخْتَكِ صَفِيَّةَ جَمَلاً۔)) وَكَانَتْ مِنْ اَكْثَرِهِنَّ ظَهْراً، فَقَالَتْ: أَنَا أُفْقِرُ يَهُوْدِيَّتَكَ! فَغَضِبَ النَّبِيُّ ﷺ حِيْنَ سَمِعَ ذٰلِكَ مِنْهَا، فَهَجَرَهَا فَلَمْ

لگ گئیں۔ جب آپ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے ان کے آنسو پونچھنے لگ گئے، وہ اور زیادہ رونے لگیں اور آپ ﷺ ان کو منع کرتے رہے۔ جب وہ بہت زیادہ رونے لگ گئیں تو آپ ﷺ نے ان کو ڈانٹ ڈپٹ کی اور لوگوں کو اترنے کا حکم دے دیا، سو وہ اتر گئے، اگرچہ آپ ﷺ کا اترنے کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ کہتی ہیں: صحابہ کرام اتر پڑے اور اس دن میری باری تھی۔ جب صحابہ اترے تو نبی ﷺ کا خیمہ نصب کیا گیا، آپ اس میں داخل ہوگئے۔ وہ کہتی ہیں: یہ بات میری سمجھ میں نہ آسکی کہ میں کیسے آپ ﷺ کے پاس گھس جاؤں اور مجھے یہ ڈر بھی تھا کہ (ممکن ہے کہ) آپ کے دل میں میرے بارے میں کوئی ناراضگی ہو۔ وہ کہتی ہیں: (بہرحال) میں حضرت عائشہ کے پاس گئی اور ان سے کہا: تم جانتی ہو کہ میں کسی چیز کے عوض اپنے دن کا سودا نہیں کروں گی، لیکن میں تجھے اپنی باری کا دن اس شرط پر ہبہ کرتی ہوں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو مجھ سے راضی کروا دو۔ انھوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ اب وہ کہتی ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زعفران میں رنگی ہوئی چادر لی اور اس پر پانی چھڑکا تاکہ اس کی خوشبو تر و تازہ ہوجائے، پھر اپنے کپڑے زیب تن کئے، پھر رسول اللہ کی طرف چلی گئی اور (جا کر) خیمے کا ایک کنارہ اٹھایا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''اے عائشہ! تجھے کیا ہوا؟ یہ دن تیرا تو نہیں ہے۔ انھوں نے کہا: یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے، عطا کرتا ہے۔ آپ اپنی اہلیہ کے پاس ہی ٹھہرے رہے۔ جب شام ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش سے فرمایا: ''اے زینب! اپنی بہن صفیہ کو ایک اونٹ مستعار دے دو۔'' دراصل ان کے پاس سواریاں زیادہ

يُكَلِّمُهَا حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَأَيَّامَ مِنًى فِي سَفَرِهِ حَتّٰى رَجَعَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ، وَالْمُحَرَّمَ وَصَفَرَ، فَلَمْ يَأْتِهَا وَلَمْ يَقْسِمْ لَهَا، وَيَئِسَتْ مِنْهُ فَلَمَّا كَانَ شَهْرُ رَبِيْعِ الأَوَّلِ، دَخَلَ عَلَيْهَا، فَرَأَتْ ظِلَّهُ، فَقَالَتْ: إِنَّ هٰذَا لَظِلُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَمَا يَدْخُلُ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَمَنْ هٰذَا؟ فَدَخَلَ النَّبِيُّ فَلَمَّا رَأَتْهُ قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَاأَدْرِي مَاأَصْنَعُ حِيْنَ دَخَلْتَ عَلَيَّ؟ قَالَتْ: وَكَانَتْ لَهَا جَارِيَةٌ وَكَانَتْ تُخَبِّئُهَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: فُلَانَةُ لَكَ، فَمَشَى النَّبِيُّ ﷺ إِلَى سَرِيْرِ زَيْنَبَ وَكَانَ قَدْ رُفِعَ فَوَضَعَهُ بِيَدِهِ، ثُمَّ أَصَابَ أَهْلَهُ، وَرَضِيَ عَنْهُمْ۔
(الصحيحة:٣٢٠٥)

تھیں۔لیکن زینب نے کہا: کیا میں آپ کی یہودیہ کو مستعار دے دوں؟ یہ بات سن کر آپ ﷺ اس سے ناراض ہو گئے اور قطع کلامی کر لی اور اس سے کوئی بات نہ کی، حتی کہ مکہ پہنچ گئے، پھر آپ کے سفر میں منی والے دن (بھی بیت گئے) یہاں تک کہ آپ ﷺ مدینہ واپس آ گئے اور محرم اور صفر کے (دو ماہ) بھی گزر گئے، لیکن آپ ﷺ نہ زینب کے پاس گئے اور نہ اس کے لیے کوئی باری تقسیم کی۔ وہ بھی آپ سے نا اُمید ہو گئیں۔ جب ربیع الاوّل کا مہینہ آیا تو آپ اس کے پاس گئے۔ زینب نے آپ کا سایہ دیکھا اور کہا: یہ تو رسول اللہ ﷺ کا سایہ ہے اور آپ تو میرے پاس آتے ہی نہیں، سو یہ (سائے والا) کون ہو سکتا ہے؟ نبی کریم ﷺ ان کے پاس داخل ہوئے، جب زینب نے آپ کو دیکھا تو کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کے آنے سے (مجھے اتنی خوشی ہوئی ہے) کہ مجھے سمجھ نہیں آتی میں کیا کروں۔ وہ کہتی ہیں: ان کی ایک لونڈی تھی، جس کو وہ نبی کریم ﷺ سے چھپا کر رکھتی تھیں۔ پھر اُس نے کہا: فلاں لونڈی آپ کے لیے ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ حضرت زینب کی چارپائی کی طرف گئے، جسے اٹھا دیا گیا تھا، آپ نے اُس کو اپنے ہاتھ سے بچھایا، پھر اپنی اہلیہ سے مباشرت کی اور اُن سے راضی ہوئے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٦/ ٣٣٧

شرح:...... یہ حدیث پانچ اہم امور پر دلالت کر رہی ہے: (۱) حدیث کے شروع میں عورتوں کو شیشے سے تشبیہ دی گئی ہے، اس سے مراد عورتوں کی رقت، ضعف اور نزاکت ہے اور یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ عام طور پر خواتین وفا پر دوام اختیار نہیں کر سکتیں اور بہت جلدی رضامندی کی حالت سے پھر جاتی ہیں، جیسے شیشہ جلدی ٹوٹ جاتا ہے۔ بہر حال یہ ایک بدیع استعارہ ہے، جس کے ذریعے عورتوں سے نرمی کرنے پر آمادہ کیا جا رہا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی بیویوں کے حق میں کس قدر نرم تھے۔ (۲) بعض عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ انہیں رونے سے منع کیا جائے تو اُن کے جذبات اور بھڑک اٹھتے ہیں اور اُن کے آنسوؤں کی جھڑی شروع ہو جاتی ہے، جبکہ یہ اچھی عادت نہیں، خاتون خانہ کو اس قدر حساس اور نازک مزاج نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہمت، حوصلے اور جرأت کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور خواتین کو دنیاوی معاملات پر رونے کی بجائے خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کی یاد میں جی بھر کر آنسو بہانے چاہییں۔

(۳) کسی دوسرے کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے، کسی کو حقیر سمجھنا بہت بڑا گناہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ((بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ۔")) (ترمذی)...... ''کسی آدمی کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر خیال کرے۔'' اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرتِ زینب کے حقارت آمیز جواب کو اس قدر ناپسند کیا کہ کئی ماہ تک اُن سے کلام تک نہ کیا' جس برے عمل پر آپ جیسی رحیم و شفیق شخصیت بھی اس قدر ناراض ہو جائے تو وہ یقیناً کوئی چھوٹا گناہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے نہ کسی مسلم کو حقیر سمجھا جائے اور نہ اس کو اس کے سابقہ مذہب پر طعن کیا جائے۔ (۴) بعض لوگ آپ ﷺ کے سائے کے منکر ہیں' حالانکہ آپ ﷺ اللہ تعالی کے برگزیدہ رسول اور بشر تھے' آپ ﷺ کا تعلق سلسلۂ انسانیت سے ہی ہے، اس لیے آپ کے سائے کا انکار درست نہیں اور یہ حدیث اس بات پر واضح دلیل ہے کہ آپ کا سایہ مبارک موجود تھا۔ نیز سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات نبی ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور نماز کی حالت میں اچانک اپنا ہاتھ آگے بڑھایا پھر جلدی سے پیچھے کر لیا ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول، آج خلافِ معمول ایسا کیوں ہوا؟ آپ نے فرمایا: بات یہ تھی کہ میرے سامنے جنت پیش کی گئی جب میں نے اس میں عمدہ پھل دیکھے تو چاہا کہ اس میں سے اُچک لوں، لیکن فوراً حکم ملا کہ پیچھے ہٹ جاؤ، پھر میں پیچھے ہٹ گیا، پھر مجھ پر جہنم پیش کی گئی ((حَتّٰى رَأَيْتُ ظِلِّي وَظِلَّكُمْ)) یہاں تک کہ میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ (مستدرك حاكم)

وفائے عہد اور نرم مزاجی کی فضیلت

(٢٤٣٩)۔ عَنْ أَبِي حُمَيْدِ السَّاعِدِيِّ مَرْفُوعًا: ((إِنَّ خَيْرَ عِبَادِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الأُمَّةِ الْمُوَفُّوْنَ الْمُطَيَّبُوْنَ۔)) (الصحيحة:٢٨٤٨)

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اس امت میں سے اللہ تعالی کے بہترین بندے وہ ہیں جو وعدہ پورا کرنے والے، نرم مزاج (اور خوش اخلاق) ہوں۔''

تخريج: رواه أبو محمد المخلدي في "الفوائد": ٤/ ٢٤١/ ٢، والبزار و الطبراني في "الصغير"

شرح:...... عہد و پیمان کی پاسداری نہ صرف اسلام کی پابندی ہے، بلکہ اس میں احترامِ انسانیت کا راز پنہاں ہے، وگرنہ وعدہ پورا نہ کرنے والے آدمی کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟ ہر ایک پر عیاں ہے۔ بدعہدی منافقانہ خصلت ہے، اس سے گریز کرنا چاہئے۔ ہمیں چاہئے کہ وعدوں کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے اور نرم مزاجی و خوش اخلاقی کو اپناتے ہوئے امتِ مسلمہ کے بہترین افراد بن جائیں۔

نرم و گداز دلوں کی فضیلت

(٢٤٤٠)۔ عَنْ أَبِي عَنَبَةَ الْخَوْلَانِي يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ: ((إِنَّ لِلّٰهِ آنِيَةً مِنْ أَهْلِ

حضرت ابو عنبہ خولانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالی کے برتن ہیں، جن کا تعلق

الأرْضِ وَآنِيَةُ رَبِّكُمْ قُلُوبُ عِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ ، وَأَحَبُّهَا إِلَيْهِ أَلْيَنُهَا وَأَرَقُّهَا۔)) (الصحيحة: ١٦٩١)

اہل زمین سے ہے، تمہارے پروردگار کے برتن نیک لوگوں کے دل ہیں اور اُن میں سے اسے سب سے زیادہ پسندیدہ زیادہ نرمی اور شفقت والے ہیں۔"

تخريج: أخرجه الطبرني في "المعجم الكبير": ق ٤٠/ ١ ۔ المنتقي منه

شرح:...... اس میں نیکوکار لوگوں کی فضیلت ہے کہ ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کے برتن قرار دیا گیا ہے۔

رحمدلی اور درگزر کرنے کی فضیلت

(٢٤٤١)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ مَرْفُوْعًا: ((اِرْحَمُوْا تُرْحَمُوْا ، وَاغْفِرُوْا يَغْفِرِ اللّٰهُ لَكُمْ ، وَوَيْلٌ لأَقْمَاعِ الْقَوْلِ ، وَوَيْلٌ لِّلْمُصِرِّيْنَ الَّذِيْنَ يُصِرُّوْنَ عَلٰى مَافَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔)) (الصحيحة: ٤٨٢)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تم رحم کرو، تم پر رحم کیا جائے گا اور تم معاف کرو، (بدلے میں) اللہ تعالیٰ تم کو معاف کرے گا۔ اُن لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جو بات سنتے ہوں لیکن اسے سمجھتے نہ ہوں (یعنی ان سنی کر دیتے ہوں) اور اصرار کرنے والوں کے لیے بھی ہلاکت ہے جو جاننے بوجھنے کے باوجود اپنے کیے پر اصرار کرتے ہیں۔"

تخريج: رواه البخاري في "الأدب المفرد": ٣٨٠، وأحمد: ٢/ ١٦٥، ٢١٩، وعبد بن حميد في "المنتخب من المسند": ٤٢/ ١، ويعقوب الفسوي في "التاريخ": ٢/ ٥٢٢، وعنه البيهقي في "شعب لايمان": ٧/ ٤٧٦/ ١١٠٥٢

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ مذکورہ مقام پر اس حدیث کی یوں وضاحت کرتے ہیں: "أَقْمَاع" کی واحد "قِمَع" ہے، اس کے معنی "قیف" کے ہیں، جو تنگ منہ والے برتن میں مائع چیز بھرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ جو لوگ بات سنتے تو ہیں، لیکن نہ اس کو ذہن نشین کرتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ایسے لوگوں کو اس قیف سے تشبیہ دی ہے، کہ اس میں جو چیز بھی بہا دی جائے، وہ اس کو اپنے اندر محفوظ نہیں کرتی، بلکہ وہ ساری کی ساری اس کے نیچے رکھے ہوئے برتن میں بہہ جاتی ہے۔ گویا کہ ایسے لوگ سنی ان سنی کر کے شرعی احکام سے آگے کو یوں گزر جاتے ہیں، جیسے کوئی مائع چیز قیف سے آگے گزر جاتی ہے۔ زمخشری کہتے ہیں: حدیث کے الفاظ "ویل لأقماع القول" مجازی الفاظ میں سے ہیں، ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو بات سنتے تو ہیں، لیکن اس کو اپنے ذہنوں میں محفوظ نہیں کرتے۔

عفو و درگزر اور رحم و کرم دراصل نرمی کا ہی نتیجہ ہیں، اس حدیثِ مبارکہ سے ان دو صفات کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رحم اور معافی کا مستحق اس فرد کو ٹھہرایا ہے، جو مخلوقِ خدا کے حق میں رحمدل اور معاف کرنے والا ہو۔

عصرِ حاضر میں ہر آدمی نے اپنی زندگی کے لیے ایک معیار مقرر کر رکھا ہے اور ہر آدمی دلائل و براہین کا موازنہ کیے بغیر اپنے آپ کو اعلیٰ و افضل اور جادۂ حق پر گامزن اور دوسرے کو کمتر سمجھتا ہے، قطعِ نظر اس بات سے کہ وہ نیک ہے یا بد، عالم ہے یا جاہل، فہمِ شریعت سے بہرہ ور ہے یا بے بہرہ۔ اس کے اس معیار کی وجہ سے عظیم سے عظیم وعظ و نصیحت بھی اس کے حق میں بے سود ثابت ہوتا ہے، حدیثِ مبارکہ میں ایسے لوگوں کے لیے نبیٔ مہربان ﷺ نے بددعا کی ہے۔ حدیث کا آخری جملہ گناہوں پر مصرّ رہنے والے لوگوں کے لیے وعید ہے، ہمارا معاشرہ اس مصیبت سے بھی دوچار ہو چکا ہے کہ جو آدمی جس غلطی کا مرتکب ہے، وہ اس پر برقرار ہے، مثلاً خوشی و غمی کے موقع پر بے ہودہ اور باطل رسمیں، تمباکو نوشی، ڈاڑھی شیو کرنا یا تراشنا، شلوار یا تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، سونے کی انگوٹھی پہننا وغیرہ۔ اصرار سے مراد یہ ہے کہ آدمی گناہ کرتا رہے اور اسے گناہ ہی نہ سمجھے اس پر نادم نہ ہو یہ وصف مذموم ہے اور تکرار سے مراد یہ ہے کہ گناہ کے بعد توبہ کرے مگر پھر بتقاضائے بشریت گناہ ہو جائے یہ وصف مذموم نہیں۔

آپ ﷺ کی اہل و عیال کے ساتھ رحمدلی

(٢٤٤٢)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: كَانَ أَرْحَمَ النَّاسِ بِالْعِيَالِ وَالصِّبْيَانِ۔ (الصحيحة:٢٠٨٩)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ اہل و عیال اور بچوں پر لوگوں میں سے سب سے زیادہ رحم کرنے والے تھے۔

تخريج: رواه الرئيس عثمان بن محمد أبو عمرو في "حديثه":٢٠٨/ ١، ورواه ابو الشيخ في "اخلاق النبي ﷺ" صـــ ٦٥ دون لفظة: ((العيال))، وأخرجه مسلم: ٧/ ٧٦ بلفظ: ((العيال)) ودون لفظ: ((الصبيان))

شرح:...... اگر انسان اپنے اعزہ و اقارب اور دوستوں پر نگاہ دوڑائے تو اس کو اس کی رحمدلی اور حسنِ سلوک کے اولین مستحق اس کے اہل و عیال نظر آئیں گے اور ان کے بعد چھوٹے بچے، جو اپنی معصومیت کی بنا پر بڑوں کی نظرِ کرم کے منتظر ہوتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم بھی اپنے احسانات کا سلسلہ اپنے اہل خانہ اور بچوں سے شروع کریں، نہ کہ اپنے یاروں کو ترجیح دیتے ہوئے اولین حقداروں کو پامال کر دیں۔

مسلمان کا خواب اور خواب کی اقسام

(٢٤٤٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((١) إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ تَكْذِبُ (٢) وأَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُهُمْ حَدِيثًا(٣) وَرُؤْيَا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’(١) جب زمانہ (قیامت کے) قریب ہو جائے گا تو ایسا نہیں ہوگا کہ مسلمان کا خواب جھوٹا ثابت ہو (٢) اور زیادہ سچا خواب اس شخص کا ہوگا جو اُن میں سے گفتگو کے لحاظ سے زیادہ سچا ہوگا (٣) مسلمان کا خواب نبوّت کا چھیالیسواں

قَالَ: وَقَالَ: (٤) الرُّؤْيَا ثَلَاثَةٌ: فَالرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ بُشْرٰى مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالرُّؤْيَا تَحْزِيْنٌ مِنَ الشَّيْطَانِ وَالرُّؤْيَا مِنَ الشَّيْءِ يُحَدِّثُ بِهِ الْإِنْسَانُ نَفْسَهُ (٥) فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَايَكْرَهُ فَلَا يُحَدِّثْهُ أَحَدًا، وَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ قَالَ (٦) وَأُحِبُّ الْقَيْدَ فِي النَّوْمِ، وَأَكْرَهُ الْغُلَّ، الْقَيْدُ: ثَبَاتٌ فِي الدِّيْنِ۔)) (الصحيحة: ٣٠١٤)

حصہ ہے۔" نیز آپ ﷺ نے فرمایا: "(۴) خواب کی تین (اقسام) ہیں: نیک خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہے، برا خواب شیطان کی طرف سے رنج وغم ہے اور (ان کے علاوہ) عام چیزوں سے متعلقہ خواب انسان کے اپنے خیالات ہیں۔(۵) جب تم میں سے کوئی آدمی کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو کسی کو بیان نہ کرے اور کھڑا ہوکر نماز پڑھے (۶) میں خواب میں زنجیر کو پسند اور طوق کو ناپسند کرتا ہوں۔ دراصل زنجیر سے مراد دین میں ثابت قدمی ہے۔"

تخريج: أخرجه الأمام أحمد: ٢/ ٥٠٧، وروى الدارمي: ٢/ ١٤٥ الفقرة: ١، ٢، ٤، ٥، والترمذي: ٢٢٧١، و ابوداود: ٥٠١٩، ومسلم: ٧/ ٥٢، وأخرجه البخاري: ٤٠١٧ دون الجملة الاولى والثالثة

شرح:...... "مسلمان کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔"

چونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بالاتفاق رسالت ونبوت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے، اس لیے اس حدیثِ مبارکہ سے بعض لوگوں کو اشکال سا ہوا، جس کو زائل کرنے کے لیے تین جوابات دیے گئے، آخری دو جوابات زیادہ معقول ہیں۔

(۱) نبی کریم ﷺ کا خواب حقیقی طور پر نبوت کا حصہ ہوتا ہے، جبکہ غیر نبی کا مجازی طور پر۔

(۲) اسلام میں بلا واسطہ پیشین گوئی کرنے کا ذریعہ صرف نبوت ہے، چونکہ خواب میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستقبل کے کسی امر کی نشاندہی ہو جاتی ہے، اس لیے اس مشابہت کی وجہ سے اس کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا۔ یہ بات بے مقصد اور غیر محدثانہ ہے امام بخاری وغیرہ کے خواب کا تذکرہ کرنا بہتر ہے۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کئی مسائل میں اللہ تعالیٰ کے فیصلوں سے موافقت حاصل ہوئی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ منصبِ نبوت پر فائز ہو گئے۔ بعینہ اسی طرح بسا اوقات خواب کی نبوت سے موافقت ہو سکتی ہے، لیکن اس کا معنی یہ نہیں کہ حقیقی نبوت کا حصہ ہے، جو ابھی تک باقی ہو۔

اس ضمن میں یہ حدیث ذہن نشین کر لینی چاہیے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ۔)) قَالُوْا: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: ((اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ أَوْ تُرٰى لَهُ۔)) (بخاری، مسلم) ...... "نبوت میں سے صرف مبشّرات باقی رہ گئی ہیں" صحابہ نے پوچھا: مبشّرات کیا ہوتی ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: "نیک خواب، جو مسلمان دیکھتا ہے، یا اس کے متعلق کسی اور کو دکھایا جاتا ہے۔"

اس حدیث میں خواب کی تین اقسام بیان کی گئیں ہیں:

(۱) ایسا خواب، جسے دیکھنے والا اپنے حق میں یا کسی کے حق میں بشارت خیال کرتا ہے اور تعبیر کرنے والے بھی اس کی موافقت کرتے ہوں، مثلا اذان سننا، نبی کریم ﷺ کو دیکھنا، تلاوت کرنا، وغیرہ۔

(۲) برا خواب، جس میں بندہ ڈر جاتا ہے یا کسی اعتبار سے وہ اس پر گراں گزرتا ہے، مثلا سر کٹ جانا، مختلف انداز میں ڈرایا جانا، کسی گناہ کی وجہ سے بے عزتی ہونا، وغیرہ۔ جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی بارگاہِ نبوت میں آیا اور کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر قلم کیا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: ''جب شیطان تم سے نیند کی حالت میں کھیلنا شروع کر دے تو لوگوں کو بیان مت کیا کرو۔'' (مسلم)

(۳) ایسے خواب، جن کو برا کہا جا سکتا ہے نہ اچھا، مثلا بعض لوگ دن کو کام کاج کے دوران جو کچھ کہتے ہیں، اسے اپنے خواب میں دوہراتے رہتے ہیں۔ ایسے خواب بے حقیقت ہوتے ہیں۔

حدیث کے آخری حصے میں بیڑی کو پسند اور طوق کو ناپسند کیا گیا ہے، دراصل اللہ تعالی نے قرآن مجید میں طوق کو جہنمیوں کی صفت قرار دیا ہے، اس لیے اس کو ناپسند کیا گیا اور بیڑی سے مراد ''دین میں ثابت قدمی'' ہے، یہ معنی اس لیے کیا گیا ہے کہ بیڑی کا محل پاؤں ہوتا ہے، جو کہ گناہوں سے رک جانے سے کنایہ ہے، مثلا ایمان بندے کو باطل کی طرف جانے سے روکتا ہے، گویا کہ یہی بیڑی ہے۔

اس حدیث سے ایک اور اہم سبق یہ ملتا ہے کہ لوگ جس آدمی کو صادق اور امین خیال کریں گے، اس کا خواب زیادہ سچا ہوگا۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک حدیث میں خواب کو نبوت کا پچیسواں، ایک میں چھیالیسواں اور ایک میں سترہواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔ ان تینوں احادیث میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے، اس اختلاف کا تعلق خواب دیکھنے والوں سے ہے، جو جتنا نیک ہوگا، اتنا ہی اس کا خواب سچا ہوگا۔ (صحیحہ: ۱۸۶۹)

برا خواب دیکھنے والے کو درج امور میں سے کوئی ایک سرانجام دینا چاہیے:

(۱) نماز پڑھنا، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

(۲) بائیں جانب تین دفعہ تھوکنا اور برے خواب سے اللہ تعالی کی پناہ طلب کرنا۔ (بخاری، مسلم)

(۳ بائیں طرف تین دفعہ تھوکنا، شیطان سے اللہ تعالی کی پناہ طلب کرنا اور اپنا پہلو بدل لینا۔ (مسلم)

یاد رہے کہ برا خواب کسی کو بیان نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ آدمی کو کسی قسم کا نقصان نہیں دے سکتا۔ (بخاری، مسلم)

جھوٹا خواب بیان کرنا بھی جھوٹ ہے

(۲٤٤٤)۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ مِنْ أَفْرَى الْفِرٰی أَن یُرِیَ عَیْنَیْهِ فِی الْمَنَامِ مَالَمْ تَرَیَا)) (الصحیحة:۳۰٦۳)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی خواب میں اپنی آنکھوں کو وہ کچھ دکھلائے جو (درحقیقت) انھوں نے نہ دیکھا ہو۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ۲/ ۹٦- واللفظ له- ، والبخاري: ۷۰٤۳

شرح: ......لوگ اپنی شہرت، ناموری اور نیک نامی کے لیے جھوٹے خوابوں کا سہارا لیتے ہیں، اس حدیث میں خلافِ حقیقت خواب بیان کرنے کو سب سے بڑا جھوٹ کہا گیا ہے۔

مسلمان پر اسلحہ سونتنا ملعون فعل ہے

(۲٤٤٥)- عَنْ أَبِی بَكْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا شَهَرَ الْمُسْلِمُ عَلٰی أَخِیْهِ سِلَاحًا فَلَا تَزَالُ مَلَائِكَةُ اللّٰهِ تَلْعَنُهُ حَتّٰی یَشِیْمَهُ عَنْهُ۔)) (الصحیحة: ۳۹۷۳)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی مسلمان اپنے بھائی پر اسلحہ سونتتا ہے تو فرشتے اُس پر لعنت کرتے رہتے ہیں، جب تک وہ اس کو میان میں داخل نہیں کر دیتا۔''

تخریج: أخرجه البزار في "مسنده": ۹/ ۱۰۳/ ۳٦٤۱، وأخرجه احمد: ٥/ ٤۱ بلفظ: اتی رسول الله ﷺ علی قوم یتعاطون سیفا مسلولا، فقال: ((لعن الله من فعل هذا، أولیس قد نهیت عن هذا؟)) ثم قال: ((اذا سل احدکم سیفه فنظر الیه، فاراد ان یناوله اخاه، فلیغمده ثم یناوله ایاه۔))

شرح: ...... نیزہ، تلوار، بندوق، پستول، کلاشنکوف اور موزر وغیرہ سے کسی مسلمان بھائی کو ڈرانا حرام ہے اور بالقصد یا بطورِ مذاق کسی ہتھیار سے مسلمان کی طرف اشارہ کرنا نہایت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ شیطان وہ ہتھیار اس سے غیر ارادی طور پر چلوا دے اور وہ اس کی وجہ سے آتش دوزخ کا ایندھن بن جائے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا یُشِرْ اَحَدُكُمْ اِلٰی اَخِیْهِ بِالسِّلَاحِ فَاِنَّهٗ لَا یَدْرِیْ لَعَلَّ الشَّیْطَانَ یَنْزِعُ فِیْ یَدِهٖ فَیَقَعَ فِیْ حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے چلوا دے اور وہ اس وجہ سے جہنم کے گڑھے میں جا گرے۔''

اسلام نے مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ اس کی طرف کسی نقصان دہ چیز سے اشارہ کرنے سے بھی روک دیا، لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج کل ہتھیاروں کی نمائش اور ان کا بے جا استعمال بہت عام ہو گیا ہے، مسلمان بے محابا اسلحے کا استعمال کر رہے ہیں، جس سے کئی لوگوں کی گردنیں کٹ جاتی ہیں، کچھ لوگ شادی بیاہ کے موقع پر ہوائی فائرنگ کر کے دہشت پھیلاتے ہیں اور لوگوں کو ناگہانی موت کی نیند سلا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔ (آمین)

سوئے ظن کو طول دینا

(۲٤٤٦)- عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا ظَنَنْتُمْ فَلَا تُحَقِّقُوْا وَإِذَا حَسَدْتُمْ فَلَا تَبْغُوْا وَإِذَا تَطَيَّرْتُمْ فَامْضُوْا، وَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلُوْا، وَإِذَا وَزَنْتُمْ فَأَرْجِحُوْا۔)) (الصحيحة:٣٩٤٢)

فرمایا: ''جب تم کو (کسی کے بارے میں سوئے) ظن ہو جائے تو اس کی چھان بین مت کرو، جب تم کسی سے حسد کرنے لگو تو ظلم مت کرو اور جب تم کو (اپنے کسی کام کے بارے میں) بدشگونی ہو جائے تو (مت رکو اور) اپنے کام کو جاری رکھو اور اللہ پر بھروسہ کرو اور جب تم (لین دین کے وقت) وزن کرو تو ترازو کا پلڑا جھکا دیا کرو (یعنی چیز وزن سے کچھ زیادہ دے دیا کرو)۔''

تخریج: أورد هكذا السيوطي في "الجامع الصغير": و "الكبير" من رواية ابن ماجه عن جابر، وليس عند جابر الا الجملة الاخيرة فقط، ...... ومع ذالك؛ فاني أميل الى ثبوت الحديث بشواهده

شرح:...... مسلمان کا دل و دماغ مختلف وساوس و خیالات کا مرکز اور اچھے اور برے رجحانات کا محور ہے، چونکہ ایسا ہونے میں انسان بے بس ہے، اس لیے شریعت مطہرہ نے مسلمان کے سینے میں جنم لینے والے گندے خیالات کو معاف کر دیا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَتَكَلَّمْ اَوْ تَعْمَلْ بِهٖ۔)) (بخاری، مسلم) ......''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل میں آنے والی باتوں کو معاف کر دیا ہے، البتہ ان پر گرفت ہوگی جن کا اظہار زبان سے کر دیا جائے یا ان پر عمل کیا جائے۔''

سوئے ظن بھی اسی قسم کی ایک بیماری ہے، بیٹھے بیٹھے کسی مسلمان بھائی کے بارے میں بدظنی ہو سکتی ہے، اس کا حل یہ ہے کہ فوراً ''اَعُوْذُ بِاللّٰه'' پڑھ کر ایسے خیال کو رفع دفع کر دیا جائے اور اس کی ٹوہ نہ لگائی جائی، جیسا کہ اس حدیث میں تلقین کی گئی ہے، یہ معاملہ حسد اور بدشگونی کا ہے۔ نیز اس حدیث میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ جب لین دین کرتے وقت کسی چیز کا وزن کیا جا رہا ہو تو معینہ مقدار سے زیادہ دے دینا چاہیے۔

مصافحہ کی فضیلت

(٢٤٤٧)۔ عَنْ عَبْدَةَ بْنِ أَبِي لُبَابَةَ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا: ((إِذَا لَقِيَ الْمُسْلِمُ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، فَأَخَذَ بِيَدِهِ فَصَافَحَهُ، تَنَاثَرَتْ خَطَايَا هُمَا مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِمَا كَمَا يَتَنَاثَرُ وَرَقُ الشَّجَرِ بِالشِّتَاءِ۔)) قَالَ عَبْدَةُ: فَقُلْتُ لِمُجَاهِدٍ: إِنَّ هٰذَا لَيَسِيْرٌ۔ فَقَالَ مُجَاهِدٌ: لَاتَقُلْ هٰذَا، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى

عبدہ بن ابولبابہ، مجاہد سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کو ملتا ہے اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے مصافحہ کرتا ہے تو اُن کی انگلیوں کے بیچ سے اس طرح گناہ گرتے ہیں جس طرح موسم سرما میں درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔ عبدہ کہتے ہیں: میں نے مجاہد سے کہا: یہ عمل تو بہت معمولی ہے (اور اجر اتنا زیادہ)۔ مجاہد نے کہا:

قَالَ فِيْ كِتَابِهِ: ﴿لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ﴾ (الأنفال:٦٣) فَعَرَفْتُ فَضْلَ عِلْمِهِ عَلٰى غَيْرِهِ۔ (الصحيحة:٢٠٠٤)

ایسا مت کہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا: اے نبی! اگر تم وہ سارے کا سارا بھی خرچ کر دیتے جو زمین میں ہے تو پھر بھی ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان محبت پیدا کر دی۔ عبدہ کہتے ہیں: اس سے میں نے دوسرے (اہل علم) پر مجاہد کی فضیلت پہچان لی۔

تخريج: أخرجه بحشل في "تاريخ واسط": ١٦٥

شرح:...... اس حدیث میں بھی مسلمان کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جس سے مصافحہ لینا گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، دراصل یہ مصافحہ اس محبت کی بنا پر ہوگا، جس کی طرف مفسر قرآن مجاہدؒ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قبولیت اسلام سے قبل نبی کریم ﷺ کے سخت دشمن تھے، لیکن وہ آپ کے دست و بازو اور محافظ و معاون بن گئے، صحابہ کرام کی صدیوں پرانی عداوتیں باہمی پیار و محبت میں تبدیل ہو گئیں۔ معلوم ہوا کہ مؤمنوں کی باہمی محبت کوئی آسان عمل نہیں، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہو تو بڑی سے بڑی مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

آجکل اللہ تعالیٰ کے فضل سے جن لوگوں کی مقبولیت عام ہو جاتی اور ان کے ملاقاتیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے تو وہ استطاعت کے باوجود مصافحہ کی بجائے ہاتھ سے اشارہ کرنے اور لفظ ''جناب'' کہنے پر اکتفا کرتے ہیں، یہ اسلام سے عدم محبت اور غیروں کی نقالی ہے۔

فوت شدہ والدین کی طرف سے حج کرنا

(٢٤٤٨)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رُجُلاً أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ أَبِيْ مَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ، أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: ((أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ عَلٰى أَبِيْكَ دَيْنٌ أَكُنْتَ قَاضِيَهُ؟)) قَالَ: نَعَمْ قَالَ: ((حُجَّ عَنْ أَبِيْكَ۔)) (الصحيحة:٣٠٤٧)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور اُس نے حج نہیں کیا، کیا میں اُس کی طرف سے حج ادا کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(اس کے بارے میں) تیرا کیا خیال ہے کہ اگر تیرے باپ پر قرض ہوتا تو کیا تو اُس کی طرف سے اُس کی ادائیگی کرتا؟ اُس نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(یہی معاملہ حج کا ہے، اس لیے) اپنے باپ کی طرف سے حج ادا کرو۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان: ٦/ ١٢١/ ٣٩٧١۔ الأحسان من طريق حكيم بن سيف، و الطحاوي في "المشكل" ٣/ ٢٢١، والطبراني في "الكبير": ١٢/ ١٥/ ١٢٣٣٢، وأخرجه ابن ماجه: ٢٩٠٨، والطبراني في "المعجم الكبير": ٤/ ٣١/ ٣٥٤٨ لكن بلفظ: ...... عن ابن عباس قال: أخبرني حصين بن

عوف قال: قلت: یا رسول الله! ان ابی أدرکه الحج ولا یستطیع ان یحج ......

شرح:...... حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ اولاد کو والدین کے قرضے اتارنے کی کوشش کرنی چاہئے، ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہو یا بندوں کے حقوق سے۔

چھ اعمال کی ضمانت پر جنت کی ضمانت

(٢٤٤٩)۔ عَنْ عَبَادَةَ مَرْفُوْعًا: ((أَضْمَنُوْا لِیْ سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ اَضْمَنْ لَكُم الْجَنَّةَ: أُصْدُقُوْا إِذَا حَدَّثْتُمْ وَأَوْفُوْا إِذَا وَعَدْتُّمْ وَأَدُّوْا إِذَا ائْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ وَغُضُّوْا أَبْصَارَكُمْ وَكُفُّوْا أَيْدِيَكُمْ۔)) (الصحيحة: ١٤٧٠)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم لوگ مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو میں تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں (١) جب بات کرو تو سچ بولو (٢) جب وعدہ کرو تو پورا کرو (٣) جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو ادا کرو (٤) اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو (٥) اپنی آنکھوں کو نیچا رکھو (٦) اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔''

تخریج: رواه ابن خزيمة في "حديث علي بن حجر" ج ٣ رقم ٩١، وابن حبان: رقم ١٠٧، والحاكم: ٤/ ٣٥٨۔ ٣٥٩، والخرائطي في "المكارم" صـ ٣١، وأحمد: ٥/ ٣٢٣، والطبراني: ٤٩/ ١۔ منتقي منه، والبيهقي في "الشعب" ٢/ ٤٧/ ١

شرح:...... اگر کوئی شخص ان چھ خصائل سے متصف ہوگا تو اسے ایمان وایقان کی حقیقی مٹھاس اور شیریں نصیب ہوگی اور جنت کی ضمانت دی جائے گی۔

والدین کی عظمت

(٢٤٥٠)۔ عَنْ أُبَيِّ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّه قَالَ: ((مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا، ثُمَّ دَخَلَ النَّارَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ وَأَسْحَقَهُ۔)) (الصحيحة:٥١٥)

حضرت ابی بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنے ماں باپ دونوں یا کسی ایک کو پایا اور پھر آگ میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو (اپنی رحمت سے) دور کر دے اور اسے ہلاک کر دے۔''

تخریج: أخرجه الامام أحمد: ٤/ ٣٤٤، ٥/ ٢٩، والطيالسي: ١٣٢١، والبيهقي في "الشعب": ٦/ ١٩٦

(٢٤٥١)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((اَلْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ۔)) (الصحيحة :٩١٤)

حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''باپ جنت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ ہے۔''

تخریج: أخرجه الطيالسي في "مسنده": ٩٨١، وأحمد: ٥/ ١٩٦، وابن ماجه: ٢٠٨٩، ٣٦٦٣،

والحاكم: ٤/ ١٥٢، والحميدي في "مسنده": ٣٩٥، ومن طريق الحميدي اخرجه الحاكم: ٤/ ١٥٢، والترمذي: ١/ ٣٤٧

(٢٤٥٢)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أُبَيِّ ابْنِ سَلُوْلٍ، وَهُوَ فِي ظِلِّ أَجَمَةٍ فَقَالَ: قَدْ غَبَّرَ عَلَيْنَا ابْنُ أَبِي كَبْشَةَ! فَقَالَ ابْنُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَالَّذِي أَكْرَمَكَ وَأَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ! إِنْ شِئْتَ لَأَتَيْتُكَ بِرَأْسِهِ۔ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَا وَلٰكِنْ بَرَّ أَبَاكَ وَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُ۔)) (الصحيحة:٣٢٢٣)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا گزر عبد اللہ بن ابی بن سلول کے پاس سے ہوا، وہ ایک جھاڑی کے سائے میں تھا، اُس نے کہا: ابن ابی کبشہ (یعنی محمد ﷺ) نے ہم پر گردوغبار اڑایا ہے۔ اُس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ نے کہا: قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو عزت دی اور آپ پر کتاب نازل کی! اگر آپ کی چاہت ہو تو میں اُس کا سر (قلم کر کے) آپ کے پاس لے آتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: "نہیں، بلکہ تو اپنے باپ سے نیکی کر اور حسن صحبت سے پیش آ۔"

تخریج: أخرجه ابن حبان في "صحيحه": ٢٠٢٩، والبزار: ٣/ ٢٦٠/ ٢٧٠٨

شرح:...... اللہ تعالی کے حقوق کے بعد والدین کا حق سب سے مقدم ہے، قرآن مجید میں کئی مقامات پر جہاں اللہ تعالی کی الوہیت وعبودیت کا حکم دیا گیا، وہاں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کی تلقین بھی کی گئی۔ مسلمان والدین کے احترام واکرام کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر والدین مشرک اور کافر بھی ہوں، تب بھی ان کی خدمت اوران سے حسنِ سلوک کرنا ضروری ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ (سورۂ لقمان: ۱۵)......"دنیا کے کاموں میں بطریق احسن ان کا ساتھ دینا۔" اس عنوان کی تیسری حدیث سے بھی یہی حقیقت عیاں ہوتی ہے۔

والدین کی رفعت ومنزلت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ جو بچہ اپنی زندگی میں اپنے ماں باپ دونوں یا کسی ایک کو پا لیتا ہے اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل ہونے کے اسباب پیدا نہیں کرتا تو نبیٔ مہربان ﷺ اس کے لیے ذلالت، ہلاکت اور رحمتِ الٰہی سے دوری کی بد دعا کرتے ہیں۔

اگر اس سلسلے میں شریعت خاموش ہی رہتی تب بھی عقل وشعور کا فیصلہ یہی ہوتا کہ ماں باپ کی نافرمانی کرنا مروّت نہیں اور ذوقِ سلیم اور وجدان بھی یہی کہتا اور انسانیت کا بھی یہی تقاضا ہوتا کہ جن پاک نفوس نے بچپن میں اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک کیا، اولاد کو بھی چاہئے کہ وہ ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ کے تحت ان کے سامنے عاجزی وفرمانبرداری کے بازو بچھا دے۔

(٢٤٥٣)۔ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعًا: ((دَخَلْتُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے

الْجَنَّةَ فَسَمِعْتُ فِيْهَا قِرَائَةً، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوْا: حَارِثَةُ بْنُ النُّعْمَان، كَذٰلِكُمُ الْبِرُّ، كَذٰلِكُمُ الْبِرُّ، وَكَانَ اَبَرَّ النَّاسِ بِأُمِّهِ۔)) (الصحيحة:٩١٣)

فرمایا: ''میں جنت میں داخل ہوا، میں نے وہاں قرائت کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا: (جس کی آواز آ رہی ہے) یہ کون ہے؟ انھوں نے کہا: حارثہ بن نعمان ہے۔ یہی نیکی (اور حسنِ سلوک) ہے، یہی نیکی اور (حسنِ سلوک) ہے، وہ (حارثہ) اپنی ماں کے ساتھ بہت زیادہ حسنِ سلوک کرنے والا تھا۔''

تخریج: رواه ابن وهب فی "الجامع": ٢٢، والحاكم: ٣/ ٢٠٨، والحميدی: ١/ ١٣٦/ ٢٨٥، وابو يعلى: ٧/ ٣٩٩، واحمد: ٦/ ١٥١، ١٦٦

شرح:...... واقعی ماؤں کے قدموں تلے جنت ہے، سیدنا حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ماں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کی قدر کی اور ایسا مرتبہ عطا کیا کہ جنت میں ان کی قرآن کی تلاوت کرنے کی آواز آ رہی تھی۔

والدین کے حکم پر بیوی کو طلاق

(٢٤٥٤)۔ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ تَحْتِي امْرَأَةٌ أُحِبُّهَا وَكَانَ عُمَرُ يَكْرَهُهَا، فَقَالَ عُمَرُ: طَلِّقْهَا۔ فَأَبَيْتُ، فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: ((أَطِعْ أَبَاكَ وَطَلِّقْهَا۔)) (الصحيحة:٩١٩)

حمزہ بن عبداللہ بن عمر اپنے باپ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میری ایک بیوی تھی، جس سے میں محبت کرتا تھا اور (میرے باپ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس سے نفرت کرتے تھے۔ میرے باپ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کو طلاق دے دو۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے یہ بات نبی کریم ﷺ کو بتائی۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''اپنے باپ کی فرمانبرداری کرو اور اس کو طلاق دے دو۔''

تخریج: أخرجه أبوداود: ٥١٣٨، والترمذی: ١/ ٢٢٣، وابن ماجه: ٢٠٨٨، وابن حبان: ٢٠٢٤، ٢٠٢٥، والطحاوی فی "المشكل": ٢/ ١٥٩، والحاكم: ٢/ ١٩٧، وأحمد: ٢/ ٤٢، ٥٣، ١٥٧

شرح:...... اس حدیث میں والدین کی اطاعت کی ایک مثال بیان کی گئی ہے، امام مبارکپوری نے اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھا: یہ واضح دلیل تقاضا کرتی ہے کہ جب باپ اپنے بیٹے کو طلاق دینے کا حکم دے تو وہ ان کے حکم پر اپنی بیوی کو طلاق دے دے، اگرچہ اس کو اپنی بیوی سے محبت ہو، کیونکہ یہ محبت والدین کے حکم کے سامنے عذر نہیں بن سکتی، اس حدیث میں صرف باپ کا ذکر ہے، لیکن ماں کے حکم کی بھی یہی حیثیت ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے دوسری حدیث میں یہ وضاحت فرما دی ہے کہ بیٹے پر اس کے باپ کی بہ نسبت اس کی ماں کا حق زیادہ ہے۔ (تحفۃ الاحوذی) ہاں اگر والدین کے حکم کی بنیاد دینی و اخلاقی بنیادوں پر نہ ہو تو ادب و احترام سے ان کو سمجھایا جائے تا کہ وہ بھی راضی ہو

جائیں اور خواہ مخواہ عورت پر بھی ظلم نہ ہو، وگرنہ والدین کے حکم کو بیوی پر ترجیح دے کر اس کو رخصت کر دیا جائے۔

لیکن افسوس کہ آجکل لوگوں نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک یا بدسلوکی سے پیش آنے کے لیے اپنے بیوی بچوں اور دوستوں کو معیار قرار دیا ہے، اپنے بیوی کے ہر قسم کے نازنخرے پورے کئے جاتے ہیں، لیکن والدین پر ہونے والے اخراجات کو بوجھ سمجھا جاتا ہے، اگر چہ ان کی مقدار بھی کم ہوتی ہے۔

والدین کی رضامندی، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے معیار

(٢٤٥٥)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((رِضَى الرَّبِّ فِي رِضَى الْوَالِدِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ۔)) (الصحيحة:٥١٦)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی رضامندی باپ کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں۔''

تخريج: أخرجه البخاري في"الأدب المفرد": ٢، والترمذي: ١/ ٣٤٦، وابن حبان: ٢٠٢٦، والحسن بن سفيان في"الأربعين": ق ٦٩/ ٢

شرح:...... جب تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو، اس وقت تک والدین کی اطاعت کرنا، ان کی خدمت کرنا اور ان کی رضامندی چاہنا مطلوبِ شریعت ہے۔ جب تک شریعت کے کسی حکم کی مخالفت نہ ہو، اس وقت تک والدین کا ہر مطالبہ پورا کر کے ان کو راضی کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا﴾ (سورۂ لقمان: ١٥) ...... ''اور اگر وہ (والدین) تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا۔''

غور فرمائیں کہ مشرک اور شرک پر مجبور کرنے والے والدین کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرنے کا درس دیا گیا ہے، مسلمان والدین کے مقام و مرتبہ کا خود اندازہ لگا لیں۔ یہ آیت اور حدیث والدین کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

امام مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود والدین کی اطاعت کرنے اور ان کی تکریم کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے جو اپنے والدین کو ناراض کرے گا، وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دے گا، یہ سخت وعید ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے۔ (تحفۃ الاحوذی)

والدین کے نافرمان، شرابی، احسان جتلانے والے اور دیوث کی مذمت

(٢٤٥٦)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اَلْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ، وَمُدْمِنُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تین آدمیوں کی طرف نظرِ (رحمت) سے نہیں دیکھے گا: (١) والدین کا نافرمان (٢)

الْخَمْرِ، وَالْمَنَّانُ عَطَاءَهُ، وَثَلَاثَةٌ لَايَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ: الْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ، وَالدَّيُّوْثُ، وَالرَّجِلَةُ۔)) (الصحيحة:٣٠٩٩)

شراب کا عادی اور (٣) اپنے دیئے پر احسان جتلانے والا۔ جبکہ تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے: (١) والدین کا نافرمان (٢) دیوث اور (٣) مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورت۔''

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده": ٢/ ٣٧٢۔ كشف الأستار

شرح:...... اس حدیث میں والدین کی نافرمانی، شراب نوشی، احسان جتلانے، اہل وعیال کے سلسلہ میں بے غیرتی اور عورتوں کا مردوں سے مشابہت اختیار کرنے کی مذمت کی گئی ہے، یہ کبیرہ گناہ ہیں اور ان کے مرتکبین اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔

کائنات کا کوئی ذرہ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوسکتا، اس حدیث میں ''اللہ تعالیٰ کے نہ دیکھنے'' سے مراد اعراض کرنا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لطف و کرم اور رحمت وشفقت والی نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔

صدقہ وخیرات اور تحفہ وہدیہ دینے کا اصول یہ ہے کہ ''نیکی کر دریا میں ڈال''۔ اس سے نہ صرف اجر وثواب ضائع ہو جاتا ہے، بلکہ یہ انتہا درجے کی کمینگی اور گھٹیا پن ہے کہ کسی کو کچھ دے تو دیا، لیکن لینے والے کو تاحیات جناب کے طعنے وصول کرنے پڑ جائیں۔ ایسا شخص عند اللہ مبغوض اور ناپسندیدہ ہے۔

دیوث سے مراد وہ شخص ہے جسے اپنے اہل وعیال کے سلسلہ میں غیرت وحمیت نہ ہو، وہ ان میں پائے جانے والی برائی و بے حیائی کو محسوس نہ کرے۔ مثلاً بیوی اور بیٹیوں کی بے پردگی، بالخصوص شادی بیاہ کے موقع پر ان کا بن سنور کر اپنے حسن کا اظہار کرنا، ان کو کھلے عام بازاروں میں جانے دینا، ان کا غیر محرم مردوں کے ساتھ عام میل جول برقرار رکھنا، گھر میں حیا سوز، فحاشی وعریانی، بے شرمی اور عورتوں کے نیم برہنہ جسموں پر مشتمل ڈراموں کا موجود ہونا، بے حیائی و بے شرمی اور عورتوں کے نیم برہنہ جسموں پر مشتمل ڈراموں کا موجود ہونا، وغیرہ وغیرہ۔

عورتوں کا مردوں سے مشابہت اختیار کرنا ان کے حق میں لعنتی عمل ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ عورت مردانہ لباس اور مردانہ وضع قطع اور ہیئت اختیار کرے، مثلاً مردوں کی سی قمیص شلوار یا کوٹ پتلون یا بش شرٹ پتلون وغیرہ پہنے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے مرد وزن دونوں میں ایک دوسرے سے مختلف فطری اوصاف رکھے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے بچنا چاہئے۔ اسی ذیل میں مغربی فکر وفلسفہ سے متأثر وہ خواتین بھی آ جاتی ہیں جو آج کل فطرت کے خلاف وہ تمام کام کرنے کی مذموم سعی کر رہی ہیں جو مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کاموں کا مکلّف نہیں بنایا ہے، بلکہ ان کو صرف مردوں کی ذمہ داری قرار دیا ہے، لیکن عورت نادانی اور مغرب کی نقالی میں ان پر بھی اپنا حق جتا کر انہیں اختیار کرنے پر تلی ہوئی ہے اور یوں اپنی نسوانیت پر ظلم کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ملعون بن رہی ہے۔

برائی کا اثر زائل کرنا

(٢٤٥٧)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو: أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ أَرَادَ سَفَرًا فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَوْصِنِيْ، قَالَ: ((أُعْبُدِ اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا۔)) قَالَ: يَانَبِيَّ اللّٰهِ! زِدْنِيْ۔ قَالَ: ((إِذَا أَسَأْتَ فَأَحْسِنْ۔)) قَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! زِدْنِيْ، قَالَ: ((اِسْتَقِمْ، وَلْتُحْسِنْ خُلُقَكَ۔)) (الصحيحة:١٢٢٨)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل نے سفر کا ارادہ کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی وصیت فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اللہ کی عبادت کر اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا۔'' انہوں نے کہا، اے اللہ کے نبی! مزید وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: ''جب تو برائی کرے تو فوراً نیکی کر۔'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! اور کوئی وصیت فرمادیں۔ آپ نے فرمایا: ''ثابت قدم رہ، نیز تیرا اخلاق اچھا ہونا چاہئے۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان: ١٩٢٢، والحاكم: ٤/ ٢٤٤، وابن حبان: ١٩٢٢، والطبراني في "الاوسط"

شرح:...... نبی کریم ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو چار نصائح سے نوازا۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے منع کیا، جو ساری عبادات کا مرکز ومحور ہے، پھر ہر برائی کے بعد اس قدر نیکی کرنے کا حکم دیا کہ اس گناہ کا اثر ختم ہو جائے اور بندے کا نامۂ اعمال برائیوں سے صاف ہو جائے۔ انسان بتقاضائے بشریت خطا کے دہانے پر کھڑا ہے، اس سے ہر زمان ومکان میں گناہ ہونا ممکن ہے، ہزار کوششوں کے باوجود بھی بچنا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس فطرتِ انسانی کا لحاظ تو کیا، لیکن ایسے گناہ کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے اس کے بعد فوراً نیکی کرنے کا حکم دیا، تاکہ بندۂ خدا جلد از جلد اپنے آپ کو پاک صاف کرلے۔

تیسرے نمبر پر استقامت کا حکم دیا، جس کا مطلب ہے کہ اسلام کے اوامر ونواہی پر نہایت ثابت قدمی سے عمل کیا جائے اور فرائض وسنن اور مستحبات ومندوبات کو ادا کیا جائے اور محرمات ومنہیات سے اجتناب کیا جائے۔ محض زبان سے اظہار کر دینے کا نام ایمان نہیں ہے، بلکہ اصل ایمان وہی ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہو، اس لیے کہ عمل ایمان کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔ عمل کے بغیر ایمان کا حال بے ثمر درخت کا سا ہے، جبکہ استقامت کمالِ ایمان کی علامت ہے۔

آخر میں نبی کریم ﷺ نے اخلاقِ حسنہ اختیار کرنے کی تلقین کی۔

سلام عام کرنا، کھانا کھلانا اور اللہ تعالیٰ سے شرمانا

(٢٤٥٨)۔ عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَهُ إِلٰى قَوْمٍ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَوْصِنِيْ؟ قَالَ: ((أَفْشِ السَّلَامَ وَابْذُلِ الطَّعَامَ، وَاسْتَحْيِ مِنَ اللّٰهِ اسْتِحْيَاءَ كَ

حضرت معاذ بن جبل ﷺ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک قوم کی طرف بھیجا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی وصیت فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سلام عام کرو، کھانا کھلاؤ، اللہ تعالیٰ سے اتنا حیا کرو جتنا کہ تم

رَجُلاً مِنْ أَهْلِكَ وَإِذَا أَسَأْتَ فَأَحْسِنْ، وَلْتُحْسِنْ خُلُقَكَ مَااسْتَطَعْتَ۔)) (الصحيحة:٣٥٥٩)

اپنے گھر کے آدمی سے کرتے ہو، جب گناہ ہو جائے تو (اس کا اثر ختم کرنے کے لیے) فوراً نیکی کرو اور حسب استطاعت اپنے اخلاق کو اچھا کرو۔''

تخريج: أخرجه ابن نصر المروزي في "الأيمان": ق ٢٢٦/ ١، والبزار: ٢١٧٢۔ كشف الأستار، والطبراني في "المعجم الكبير": ٨/ ٢٧٢ الا انه قال: ((واذا اسأت فأحسن؛ فان الحسنات يذهبن السيئات۔))

شرح:...... سلام عام کرنا اور لوگوں کو کھانا کھلانا جنت کا سبب بننے والے عظیم اعمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کرنے کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے کہ جیسے ایک باحیا آدمی کسی دوسرے رشتہ دار کے سامنے کوئی نامناسب کام کرنے سے بچتا ہے، بالکل ایسے ہی اسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنا اعتقاد پختہ کرے کہ وہ اس کی حرکات وسکنات کو دیکھ رہا ہے اور ہر گناہ اس کے حق میں انتہائی نامناسب کام ہے، لہٰذا جب اسے اس کا نفسِ امارہ کوئی گناہ کرنے پر آمادہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے شرم کرتے ہوئے اس کا ارتکاب نہ کرے۔ یاد رہے کہ ''حیا'' وہ ملکہ ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کسی قسم کی کمی کرنے سے روکتا ہے۔

سلام میں پہل کرنے والا افضل ہے

(٢٤٥٩)۔ عَنْ أَبِيْ أَمَامَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَهُمْ بِالسَّلَامِ۔)) (الصحيحة: ٣٣٨٢)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ نزدیک وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے۔''

تخريج: هو من حديث أبي أمامة رضي الله عنه، وله عنه طرق: الأولى: عن أبي خالد وهب عن أبي سفيان الحمصي عن أبي أمامة: فأخرجه أبوداود: ٥١٩٧، ومن طريقه البيهقي في "شعب الأيمان": ٦/ ٤٣٣/ ٨٧٨٧ الثانية: عن أبي فروة الرَّهاوي يزيد بن سنان عن سليم بن عامر عن أبي أمامة: فأخرجه الترمذي: ٢٦٩٤ بلفظ: قيل يا رسول الله! الرجلان يلتقيان أيهما يبدأ بالسلام؟ فقال: ((أولاهما بالسلام۔)) الثالثة: عن عبدالله بن زَحر عن علي بن يزيد عن القاسم عن أبي أمامة: فأخرجه أحمد: ٥/ ٢٥٤ و ٢٦١/ ٢٦٤ و ٢٦٩، والطبراني في "المعجم": ٨/ ٢٣٧/ ٧٨١٤، ٧٨١٥ بلفظ: ((من بدأ بالسلام فهو أولى بالله عز وجل ورسوله۔))

شرح:...... ملاقات کے وقت ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ'' کہہ کر عافیت و سلامتی اور رحمت و برکت کی دعا کرنا اور امن و امان کا پیغام دینا اسلام کی امتیازی اور مسلّمہ خصوصیات میں سے ہے، سلام کہنے سے دونوں

مسلمانوں میں عاجزی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، جو جتنا عاجز ہوگا، وہ سلام میں پہل کرنے والا ہوگا، حدیث مبارکہ میں ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کا قریبی قرار دیا گیا ہے، جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے۔

سلام نہ کرنے والا انتہائی بخیل ہے

(٢٤٦٠)۔ عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ لِفُلَانٍ فِيْ حَائِطِيْ عِذْقًا، وَإِنَّهُ قَدْ آذَانِيْ وَشَقَّ عَلَيَّ مَكَانُ عِذْقِهِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ ، فَقَالَ: ((بِعْنِيْ عِذْقَكَ الَّذِيْ فِيْ حَائِطِ فُلَانٍ۔)) قَالَ: لَا۔ قَالَ: ((فَهَبْهُ لِيْ۔)) قَالَ: لَا۔ قَالَ: ((فَبِعْنِيْهِ بِعِذْقٍ فِي الْجَنَّةِ۔)) قَالَ: لَا۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا رَأَيْتُ الَّذِيْ هُوَ أَبْخَلُ مِنْكَ، إِلَّا الَّذِيْ يَبْخَلُ بِالسَّلَامِ۔)) (الصحيحة: ٣٣٨٣)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی، نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: فلاں آدمی کا میرے باغ میں کھجور کا درخت ہے اور اس نے مجھے بڑی تکلیف دے رکھی اور اس کے کھجور کے درخت کا وجود میرے لیے باعث تکلیف ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف پیغام بھیجا اور فرمایا: ”فلاں کے باغ میں جو تیرا درخت ہے وہ مجھے فروخت کر دے۔“ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ”تو پھر مجھے ہبہ کر دے۔“ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ”تو پھر جنت میں کھجور کے درخت کے عوض مجھے دے دے۔“ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے تجھ سے بڑھ کر بخیل نہیں دیکھا، بجز اس شخص کے جو سلام (کے معاملہ) میں بخل کرتا ہے (وہ سب سے بڑا بخیل ہے)۔“

تخريج: أخرجه أحمد في "مسنده": ٣/ ٣٢٨، والبزار: ٢/ ٤١٧/ ٢٠٠٠، والحاكم في "المستدرك": ٢/ ٢٠، والبيهقي في "السنن": ٦/ ١٥٧

شرح:...... ”اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بابرکت اور پاکیزہ تحفہ ہے۔ اس کو محبت کا، محبت کو ایمان کا اور ایمان کو جنت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اس کی ابتدا اس وقت سے ہوئی جب حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو سلام کہہ کہ ان سے جواب موصول کیا۔ ”اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ“ کہنے والے کو دس ”اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰه“ کہنے والے کو بیس اور ”اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه“ کہنے والے کو تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ (ابوداود، ترمذی) سلام بہترین تحفہ ہے جو اہل اسلام بوقت ملاقات ایک دوسرے کو پیش کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے رحمت و سلامتی کی دعائیں کرتے ہیں، تمام آسمانی ادیان میں یہی سلام رائج رہا۔ کوئی تہذیب بھی اسلام کے اس قانون کا مماثل پیش نہ کر سکی۔ یہی وجہ ہے کہ سلام کا اہتمام نہ کرنے والے کو سب سے بڑا بخیل کہا گیا ہے۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے ہاں یونیورسٹیز، کالجز اور سکولز میں سلام کا اہتمام نہیں کیا جاتا، بلکہ بچوں اور لڑکوں کو

غیروں کی نقالی اتارنے پر مجبور کیا جاتا ہے، نتیجتاً وہ کلمات ان کی فطرت میں رچ بس جاتے ہیں۔ مثلاً استاد کی آمد پر کلاس کا مانیٹر (Stand up) کہہ کر تمام طلبہ کو استاد صاحب کے استقبال کرنے کے لیے کھڑا ہونے کی دعوت دیتا ہے، جواباً استاد صاحب (Sit down Thank you) کہہ دیتے ہیں۔ اغیار کی تہذیبوں سے مرعوب مسلمان اپنی ملاقاتوں کی ابتدا و انتہا میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه" اور "وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه" کی بجائے (Good، Ok، By by، Good by، Ta ta، Hello، hi Excuse mehi، morning، Good noon، Good evening، آداب، شب بخیر، صبح بخیر، نامستے) وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرنے کو اپنی عزت وسرفرازی خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ الفاظ کسی معنویت پر دلالت نہیں کرتے۔ اسلام کے شعار سلام پر غور کریں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دیکھتے ہی اس پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت وسلامت اور رحمت و برکت کے نزول کی دعا کرتا ہے اور پس پردہ اپنے غیر مضرّ ہونے کا اعلان کرتا ہے، پھر دوسرا اس احسان کا جواب دیتے ہوئے یہی دعائیہ کلمات دوہراتا ہے۔

معلوم نہیں کہ ہم آپس میں سلام کو عام کرنے سے کیوں جھجک محسوس کرتے ہیں؟ اور جب ہمارے چھوٹے بچے سلام کی بجائے بعض انگریزی زبان کے الفاظ بولتے ہیں، تو ہم فخر محسوس کیوں کرتے ہیں؟ واہ رے مسلمان!

بچوں کو سلام کہنا

(٢٤٦١)۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَرَّ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ صِبْيَانٌ، فَقَالَ: ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَاصِبْيَانُ۔)) (الصحيحة: ٢٩٥٠)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزرے، ہم بچے تھے، آپ نے فرمایا: ''اے بچو! اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔''

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ٨/ ٦٣٣/ ٥٨٢٦، وأحمد: ٣/ ١٨٣، وأخرجه ابن السني في "عمل اليوم والليلة": ٧٧/ ٢٢٣، وأبو نعيم في "الحلية": ٨/ ٣٧٨

شرح:...... اسلام کا اصل قانون یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کہے، کئی احادیث میں اس کی وضاحت موجود ہے، لیکن بچوں کی تربیت کرنے اور ان پر سلام کی اہمیت واضح کرنے کے لیے بڑوں کو یہ فریضہ ادا کرنا چاہئے، اس میں عاجزی وانکساری کا اظہار بھی ہے اور بچوں کی دلجوئی کا اہتمام بھی۔

مومن کو خوش کرنا عظیم عمل ہے

(٢٤٦٢)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: ((أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ أَنْ تُدْخِلَ عَلٰى أَخِيْكَ الْمُؤْمِنِ سُرُوْرًا أَوْ تَقْضِيَ عَنْهُ دَيْنًا أَوْ تُطْعِمَهُ خُبْزًا۔)) (الصحيحة: ١٤٩٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''افضل اعمال یہ ہیں کہ تو اپنے مومن بھائی کو خوش کرے یا اُس کا قرضہ ادا کر دے یا اُس کو روٹی کھلا دے۔''

تخريج: أخرجه ابن أبي الدنيا في "قضاء الحوائج" صـ ٩٨، والديلمي: ١/ ١/ ١٢٣

(٢٤٦٣)۔ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ، عَنْ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ: ((مِنْ أَفْضَلِ الْأَعْمَالِ إِدْخَالُ السُّرُوْرِ عَلَى الْمُؤْمِنِ، تَقْضِيْ عَنْهُ دَيْنًا، تَقْضِيْ لَهُ حَاجَةً، تُنَفِّسُ لَهُ كُرْبَةً۔)) قَالَ سُفْيَانُ: وَقِيْلَ لِابْنِ الْمُنْكَدِرِ: فَمَا بَقِيَ مِمَّا يُسْتَلَذُّ؟ قَالَ: اَلْإِفْضَالُ عَلَى الْإِخْوَانِ۔ (الصحيحة: ٢٢٩١)

سفیان بن عیینہ، ابن منکدر سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کو خوش کرنا، اُس کا قرضہ چکانا، اُس کی ضرورت پوری کرنا اور اس سے کسی مصیبت کو دور کرنا افضل اعمال میں سے ہیں۔'' سفیان کہتے ہیں: ابن منکدر سے کہا گیا کہ اب کوئی چیز ایسی بھی باقی رہ گئی ہے، جو لذیذ ہو؟ انہوں نے کہا: بھائیوں سے حسنِ سلوک کرنا۔

تخريج: أخرجه البيهقي في "شعيب الايمان": ٢/ ٤٥٢/ ٢

شرح:...... اس میں مومن کی عظمت کا بیان ہے کہ اس کو مسرت کے لمحات مہیا کرنا، اس کا قرضہ ادا کرنا اور اس کو کھانا کھلانا افضل اعمال میں سے شمار کیا گیا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو بشارتیں پہنچانے کے خوب حریص تھے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان بیٹھ گئے، (آپ ﷺ کیا دیکھتے ہیں کہ) ابن مسعود نماز پڑھ رہے تھے، وہ سورۂ نساء کی تلاوت کر رہے تھے، سو (١٠٠) آیات کی تلاوت کے بعد وہ نماز میں ہی قیام کی حالت میں دعا کرنے لگا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اِسْأَلْ تُعْطَهْ، اِسْأَلْ تُعْطَهْ۔)) ثُمَّ قَالَ: ((مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَقْرَءَ الْقُرْآنَ غَضًا كَمَا اُنْزِلَ، فَلْيَقْرَأْهُ عَلٰى قِرَاءَةِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ۔)) ...... ''سوال کر، تجھے دیا جائے گا، سوال کر، تجھے دیا جائے گا۔'' پھر فرمایا: ''جو چاہتا ہے کہ وہ قرآنِ مجید کو تر و تازہ پڑھے، جیسے وہ نازل ہوا، تو ابن ام عبد (یعنی ابن مسعود) کی قراءت پر پڑھے۔'' جب صبح ہوئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، ابن مسعود کو خوشخبری دینے کے لیے گئے اور ان سے پوچھا کہ آپ نے گزشتہ رات کون سی دعا کی تھی؟ انھوں نے کہا: میں نے یہ دعا کی تھی: اے اللہ! میں تجھ سے ارتداد سے پاک ایمان، ختم نہ ہونے والی نعمت اور ہمیشہ والی جنت کے اعلی مقام میں محمد (ﷺ) کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بشارت دینے کے لیے آئے تو انھیں کہا گیا کہ ابوبکر آپ سے سبقت لے جا چکے ہیں۔ یہ سن کر انھوں نے کہا: اللہ ابوبکر پر رحم فرمائے، میں جب بھی ان سے خیر و بھلائی میں مقابلہ کرتا ہوں تو وہ مجھ سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔''

ہمیں چاہیے کہ جب کسی مسلمان کو بشارت دینے کا معاملہ ہو تو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے، مثلاً کسی امتحان میں کامیابی پر مبارکباد دینا، کسی کو اس کے بیٹے کی آمد کی خبر دینا۔

یہ بھی افضل اسلام ہے کہ آپ کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اگر آپ یہ درجہ طے کر کے

دوسرے بھائیوں کو چین وسکون اور مسرت وفرحت مہیا کرنا اور ان کی ضروریات پوری کرنا شروع کر دیتے ہیں تو پڑھیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی مومن کی دنیوی تکالیف میں سے کوئی تکلیف دور کی، اللہ تعالی اس کی قیامت کی تکلیفوں میں سے کوئی بڑی تکلیف ٹال دے گا، جس نے کسی تنگدست اور بد حال بھائی پر آسانی کی، اللہ تعالی اس پر دنیا وآخرت میں آسانی فرمائے گا، جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالی دنیا وآخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا، اللہ تعالی اس وقت تک اپنے بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔'' (صحيح مسلم: ٢٦٩٩)

ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی زندگیوں کو خوشیوں سے بھر دیں، ان کی حاجات وضروریات کو پورا کریں، ان کی پریشانیاں دور کرنے کے لیے تگ ودو میں لگے رہیں، نیز کسی بھائی کو ہماری وجہ سے کوئی پریشانی و پشیمانی اور رنج وغم لاحق نہیں ہونا چاہئے، اس میں ہمارا اپنا فائدہ ہی ہے کہ ہماری آخرت سنور جائے گی۔

آجکل بعض لوگ بطورِ مذاق دوسروں کی کوئی چیز عارضی طور پر چھپا کر ان کو پریشان کرتے ہیں یا جھوٹ بول کر ان کو کسی دوسرے انداز سے تنگ کرتے ہیں۔ احادیثِ مبارکہ کی رو سے ایسا کرنا درست نہیں ہے۔

صلح کروانا بھی صدقہ ہے

(٢٤٦٤)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوْعًا: ((أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ۔)) (الصحيحة:٢٦٣٩)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''آپس میں صلح کروانا نہایت افضل صدقہ ہے۔''

تخريج: رواه عبد بن حميد في "المنتخب من المسند": ٤٣/ ٢، والبزار: ٢٠٥٩، والطبراني في "المعجم الكبير" ورواه البخاري في "التاريخ": ٢/ ١/ ٢٧٠، والقضاعي: ١٠٤/ ٢، والبخارى فى "التاريخ الكبير": ٢/ ١/ ٢٧٠، والقضاعى: ١٠٤/ ٢

(٢٤٦٥)۔ عَنْ أَبِي أَيُّوْبَ الأَنْصَارِيْ مَرْفُوْعًا: ((أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى صَدَقَةٍ يُحِبُّ اللّٰهُ مَوْضِعَهَا؟ تُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ يُحِبُّ اللّٰهُ مَوْضِعَهَا۔)) (الصحيحة: ٢٦٤٤)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں ایسے صدقے کی طرف تیری رہنمائی نہ کر دوں کہ اللہ تعالی جس کے مصرف کو بہت پسند کرتے ہیں؟ تم لوگوں کے مابین صلح کروایا کرو۔ یہ ایسا صدقہ ہے کہ اللہ اس کے مصرف کو پسند کرتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه الأصبهاني في "الترغيب" ص٥٠، والطبرانى فى "الكبير": ١/ ١٩٦/ ١، والطيالسى فى "مسنده": ٨١/ ٥٩٨

(٢٤٦٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے

قَالَ: ((مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ شَيْئًا أَفْضَلَ مِنَ الصَّلَاةِ، وَصَلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ وَخُلُقٍ حَسَنٍ۔)) (الصحيحة:١٤٤٨)

فرمایا: ''آدم کے بیٹے نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو نماز، باہمی صلح کروانے اور حسنِ اخلاق سے بہتر ہو۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ" ١/ ١/ ٦٣

شرح: ...... اہل اسلام بھائی بھائی ہیں، انسانی لغزشوں کی وجہ سے کبھی کبھی یہ رشتۂ اخوت متأثر ہو جاتا ہے، جس کی بنا پر پورے مسلم معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے، اس لیے صلح کروانے کو عظیم صدقہ شمار کیا گیا ہے، جو بعض مسلمان دوسرے مسلمانوں کے حق میں کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ (سورهٔ حجرات: ٩) ...... ''اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کروا دیا کرو۔'' عہدِ نبوی میں عمرو بن عوف کی اولاد کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا تھا، ان کے مابین صلح صفائی کروانے کے لیے رسول اللہ ﷺ خود کچھ صحابہ کو ساتھ لے کر تشریف لے گئے تھے۔ (بخاری، مسلم) معلوم ہوا کہ جب بعض مسلمان جھگڑ پڑیں تو دوسرے لوگ اس بات کے ذمہ دار ہوں گے کہ ان کے مابین صلح کروا دیں۔

نرم مزاج اور ہر دلعزیز لوگوں کی فضیلت

(٢٤٦٧)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ مَرْفُوْعًا: ((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحَاسِنُهُمْ أَخْلَاقًا، اَلْمُوَطَّؤُوْنَ أَكْنَافًا، اَلَّذِيْنَ يَأْلَفُوْنَ وَيُؤْلَفُوْنَ، وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ۔)) (الصحيحة:٧٥١)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان کے لحاظ سے مومنوں میں سے مکمل وہ ہیں جو اُن میں سے اخلاق کے لحاظ سے بہت بہتر ہوں، جو اپنے کندھے بچھا کر رکھتے ہوں اور جو محبت کرتے ہوں اور اُن سے محبت کی جاتی ہو اور ایسے شخص میں تو کوئی خیر نہیں جو نہ خود محبت کرتا ہو اور نہ اُس سے محبت کی جاتی ہو۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "معجمه الصغير": صـ١٢٥، وفي "الأوسط": ٢/ ٢٦٨، ٢/ ٤٥٨٣ ومن طريقه أبونعيم في "أخبار أصبهان": ٢/ ٦٧

شرح: ...... نرمی انسانی زیور ہے، اس سے آراستہ لوگ ہر دلعزیز اور مقبول ہوتے ہیں، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ۔)) (مسلم) ...... ''جس چیز میں نرمی ہوتی ہے وہ اسے زینت دار بنا دیتی ہے اور جس سے یہ نکال لی جاتی ہے اسے عیب دار کر دیتی ہے۔''

یہی وہ وصف ہے، جس کی بنا پر بندہ اخلاقِ حسنہ کا پیکر بنتا ہے اور لوگوں کا محبوب بھی بن جاتا ہے اور محبّ بھی۔ جب کوئی بندہ نرمی کی وجہ سے ان تمام صفات سے متصف ہوتا ہے تو اس کا ایمان بھی مکمل ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ

''نرمی'' جیسی عظیم صفت مکملات ایمان میں سے ہے۔

افضل لوگوں کا بیویوں کے ساتھ رویہ

(٢٤٦٨)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: ((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ۔)) (الصحيحة: ٢٨٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان کے لحاظ سے مومنوں میں سے اکمل وہ ہیں جو ان میں سے اخلاق کے اعتبار سے بہت عمدہ ہیں اور تم میں سے اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کیلیے بہتر ہیں۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ١/ ٢١٧۔٢١٨، وابن حبان: ٦/ ١٨٨/ ٤١٧٤۔الاحسان، وأحمد: ٢/ ٢٥٠ و٤٧٢، وأبوداود (الشطر الاول منه): ٤٦٨٢، وابن أبي شيبة في "المصنف": ١٢/ ١٨٥/ ١، وأبونعيم في "الحلية": ٩/ ٢٤٨، والحاكم: ١/ ٣

شرح:...... گھر بھی نظم ونسق پر مشتمل ایک چھوٹی سی مملکت ہے، جو معاشرے، محلے، شہر، ملک اور مذہب وملت کو سنوارنے میں کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ گھر کے سکون کا تعلق مال و دولت کی فراوانی، حسن و جمال اور متقی و پارسا حکمرانوں کے ساتھ نہیں ہے۔ بلکہ آل اولاد کی اصلاح وفلاح اور گھر کی خیر و برکت کا انحصار اسی گھر کے اندار رہنے والے بادشاہ و ملکہ یعنی میاں بیوی کے بہترین تعلقات پر ہے اور ان تعلقات کی بہتری کا دارومدار خاوند پر ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے بیوی کے ساتھ حسنِ معاملہ کرنے والے شخص کو سب سے بہتر قرار دے کر اسے اخلاقِ حسنہ سے متصف ہونے کی ترغیب دلائی ہے، تاکہ اس کا گھرانہ دنیا میں ہی جنت نظیر ماحول پیش کرنے لگے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد

(٢٤٦٩)۔ عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ فِيْ خُطْبَتِهِ: ((أَلَا إِنَّ رَبِّي أَمَرَنِي أَنْ أُعَلِّمَكُمْ مَاجَهِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِيْ يَوْمِيْ هٰذا، كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهُ عَبْدًا حَلَالٌ، وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِيْ حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِيْنِهِمْ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَاأَحْلَلْتُ لَهُمْ، وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُشْرِكُوْا بِيْ مَالَمْ أُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا، وَإِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ إِلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ فَمَقَتَهُمْ، عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ، إِلَّا

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''خبردار! میرے ربّ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو (ان امور کی) تعلیم دوں جو تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالی نے مجھے آج جن امور کی تعلیم دی ہے، ان میں سے یہ بھی ہیں کہ: ہر وہ مال جو میں نے بندے کو عطا کیا ہے، وہ حلال ہے، اور میں نے اپنے سب بندوں کو یکسو خالص مسلمان بنایا ہے، لیکن اُن کے پاس شیطان آئے اور انہوں نے اُن کو اُن کے دین سے دور کر دیا۔ (نتیجتًا) جو میں نے اُن کے لیے حلال کیا تھا، اُنہوں نے اُن پر حرام کر دیا اور اُن کو یہ حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ

بَقَايَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَقَالَ: إِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِأَبْتَلِيَكَ وَأَبْتَلِيَ بِكَ، وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ، وَتَقْرَؤُهُ نَائِمًا وَيَقْظَانَ، وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِيْ أَنْ أُحَرِّقَ قُرَيْشًا، فَقُلْتُ: رَبِّ! إِذًا يَثْلَغُوْا رَأْسِيْ، فَيَدَعُوْهُ خُبْزَةً قَالَ: اسْتَخْرِجْهُمْ كَمَا اسْتَخْرَجُوْكَ وَاغْزُهُمْ نُغْزِكَ، وَأَنْفِقْ فَسَنُنْفِقُ عَلَيْكَ، وَابْعَثْ جَيْشًا نَبْعَثْ خَمْسَةً مِثْلَهُ، وَقَاتِلْ بِمَنْ أَطَاعَكَ مَنْ عَصَاكَ، قَالَ: وَأَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ: ذُوْسُلْطَانٍ مُقْسِطٌ مُتَصَدِّقٌ مُوَفَّقٌ، وَرَجُلٌ رَحِيْمٌ رَقِيْقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِيْ قُرْبٰى وَمُسْلِمٍ، وَعَفِيْفٌ مُتَعَفِّفٌ مُتَصَدِّقٌ ذُوْ عِيَالٍ۔ قَالَ: وَأَهْلُ النَّارِ خَمْسَةٌ: اَلضَّعِيْفُ الَّذِيْ لَا زَبْرَ لَهُ الَّذِيْ هُمْ فِيْكُمْ تَبَعًا لَا يَبْتَغُوْنَ أَهْلًا وَلَا مَالًا وَالْخَائِنُ الَّذِيْ لَا يَخْفٰى لَهُ طَمَعٌ وَإِنْ دَقَّ إِلَّا خَانَهُ، وَرَجُلٌ لَا يُصْبِحُ وَلَا يُمْسِيْ إِلَّا وَهُوَ يُخَادِعُكَ عَنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ وَذَكَرَ الْبُخْلَ أَوِ الْكِذْبَ۔ وَالشِّنْظِيْرُ الْفَحَّاشُ، وَإِنَّ اللّٰهَ أَوْحٰى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ وَلَا يَبْغِي أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ۔))

(الصحیحۃ:۳۵۹۹)

شرک کریں، جس کی میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف دیکھا تو عرب وعجم سمیت تمام کو گناہگار پایا۔ سوائے اُن لوگوں کے جو اہل کتاب میں سے باقی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: (اے محمد!) میں نے تجھے مبعوث کیا ہے، تاکہ تجھے آزماؤں اور تیرے ذریعے لوگوں کو آزماؤں۔ اب میں نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے کہ جس کو پانی نہیں دھوسکتا، تم نیند اور بیداری (دونوں حالتوں) میں اس کی تلاوت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ حکم دیا کہ میں قریش کو جلا دوں۔ میں نے کہا: اے میرے پروردگار! وہ تو میرا سر پھوڑ دیں گے اور اُس کو (کچل کر) روٹی کی طرح بنا دیں گے۔ اللہ نے فرمایا: تو اُن کو نکال دے، جس طرح انہوں نے تجھے نکالا اور اُن سے جہاد کر، ہم تیری مدد کریں گے اور تو خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا اور تو ایک لشکر بھیج ہم اس کی پانچ مثل بھیجیں گے اور اپنے فرمانبرداروں کے ساتھ مل کر اپنے نافرمانوں سے لڑ۔ اور جنتی لوگ تین طرح کے ہیں: (۱) منصف صاحبِ اقتدار، جو صدقہ کرنے والا ہو اور اسے نیک کاموں کی توفیق دی گئی ہو۔ (۲) ہر وہ شخص جو قریبی رشتہ دار اور مسلمان کے حق میں نرم دل اور رحمدل ہو۔ (۳) ہر وہ شخص جو پاک دامن ہو اور اہل وعیال کے باوجود مانگنے سے بچنے والا اور صدقہ کرنے والا ہو۔ اور دوزخ والے پانچ طرح کے لوگ ہیں: (۱) وہ کمزور شخص کہ جس کو بری بات سے بچنے کی توفیق نہیں، وہ تم میں (تمہارا) فرمانبردار ہے، وہ گھر بار چاہتا ہے نہ ہی مال۔ (۲) وہ خائن جس کی لالچ مخفی نہیں ہوتی، جب اُسے معمولی سی چیز میں خیانت کرنے کا موقع ملتا ہے تو وہ خیانت کر گزرتا ہے۔ (۳) وہ آدمی جو صبح وشام تیرے گھربار اور مال ودولت کے بارے میں دھوکہ باز ثابت ہو۔ (۴) پھر آپ نے بخل یا جھوٹ اور (۵) فحش گو اور بدخلق کا ذکر کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم عاجزی کرو۔ کوئی دوسرے پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔''

تخريج: رواه مسلم: ٨/ ١٥٩ - والسياق له - ، والنسائي في "الكبرى": ٨٠٧٠ ، ٨٠٧١ ، وعبدالرزاق: ٢٠٠٨٨ ، والطيالسي: ١٠٧٩ ، وابن حبان: ٦٥٣ ، ٦٥٤ ، وأحمد: ٤/ ١٦٢ ، ٢٦٦ - والزيادة منه - ، والبيهقي: ٩/ ٦٠ ، والطبراني في "الكبير": ١٧/ رقم: ٩٨٧ ، ٩٩٢ ، ٩٩٤ ، ٩٩٥ و ٩٩٦ و ٩٩٧ ، وابن قانع في "معجم الصحابة": ٢/ ٢٧٨ و ٢٧٩ ، وابن أبي عاصم في "الآحاد والمثاني": ١١٩٦ ، وقد روى ابوداود: ٤٨٩٥ ، وابن ماجه: ٤٢١٤ فقرة التواضع

شرح:...... حدیثِ مبارکہ اپنے مفہوم میں واضح ہے، آپ ﷺ نے جنتی اور جہنمی لوگوں کی قسمیں بنا کر ان کی وضاحت کر دی ہے، ہر انسان اس حدیث کو سامنے رکھ کر اپنے حق میں کامیابی و کامرانی یا ناکامی و نامرادی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ عدل و انصاف، صدقہ و خیرات، عفو و درگزر، عاجزی و انکساری، عفت و پاکدامنی اور نرمی و رفاقت کو جنتی لوگوں کی صفات قرار دیا گیا ہے، جبکہ فحش گوئی و بد خلقی، دھوکہ و فراڈ، کنجوسی و بخیلی، خیانت و دروغ گوئی اور غربت کے باوجود نیکی کی توفیق نہ ہونے کو جہنمی لوگوں کی صفات قرار دیا گیا ہے۔

حدیث میں مذکور جملے ''تو ایک لشکر بھیج ہم اس کی پانچ مثل بھیجیں گے'' کی وضاحت یوں سمجھئے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر مجاہدینِ اسلام کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی اور بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ دو گھوڑے تھے اور ستر اونٹ، جبکہ مقابلے کے لیے کافروں اور مشرکوں کا اسلحہ سے لیس ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل لشکرِ جرار پورے غیظ و غضب اور جوش و خروش کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔ یہ سن کر مسلمانوں کو تشویش ہوئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا و فریاد پر مدد کے لیے تین ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا، جو میدانِ بدر میں عملی طور پر اترے تھے اور اللہ تعالیٰ نے مزید ضرورت کے پیشِ نظر اور صبر و تقویٰ کی شرط پر پانچ ہزار فرشتوں کے اتارنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ (دیکھئے سورۂ آل عمران: ۱۲۴، ۱۲۵)

میاں بیوی ایک دوسرے کے ہم راز ہیں

(٢٤٧٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَسْجِدَ وَفِيْهِ نِسْوَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ أَنْ يَتَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّهِنَّ، ثُمَّ قَالَ: ((أَلَا هَلْ عَسَتِ امْرَأَةٌ أَنْ تُخْبِرَ الْقَوْمَ بِمَا يَكُوْنُ مِنْ زَوْجِهَا إِذَا خَلَا بِهَا؟ أَلَا هَلْ عَسٰى رَجُلٌ أَنْ يُخْبِرَ الْقَوْمَ بِمَا يَكُوْنُ مِنْهُ إِذَا خَلَا بِأَهْلِهِ؟)) فَقَامَتْ مِنْهُنَّ امْرَأَةٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ فَقَالَتْ: وَاللّٰهِ! إِنَّهُمْ لَيَفْعَلُوْنَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، وہاں کچھ انصاری عورتیں موجود تھیں۔ آپ نے اُن کو وعظ کیا اور نصیحتیں فرمائیں، پھر اُن کو حکم دیا کہ وہ صدقہ کیا کریں، اگرچہ اپنے زیورات سے ہی کریں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا کوئی ایسی عورت ہے جو لوگوں کو اپنے خاوند کے ساتھ تنہائی میں ہونے والے معاملات بتاتی ہو؟ کیا کوئی ایسا مرد ہے جو لوگوں کو اپنی بیوی کے ساتھ تنہائی والا معاملہ بتاتا ہے؟'' چنانچہ اُن عورتوں میں سے ایک غبار آلود رخساروں والی عورت کھڑی ہوئی اور کہا: اللہ کی قسم! مرد

وَإِنَّهُنَّ لَيَفْعَلْنَ! قَالَ: ((فَلَا تَفْعَلُوْا ذٰلِكَ أَفَلَا أُنَبِّئُكُمْ مَا مَثَلُ ذٰلِكَ؟ مَثَلُ شَيْطَانٍ أَتٰى شَيْطَانَةً بِالطَّرِيْقِ، فَوَقَعَ بِهَا وَالنَّاسُ يَنْظُرُوْنَ۔)) (الصحيحة:٣١٥٣)

بھی ایسا کرتے ہیں اور عورتیں بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا مت کرو۔ کیا میں تم کو اس کی مثال نہ بتلا دوں؟ ایسی باتیں بیان کرنے والا اُس شیطان کی مانند ہے جو سرِ راہ مؤنث شیطان کے ساتھ مباشرت کرے اور لوگ اُن کو دیکھ رہے ہوں۔''

تخريج: أخرجه الخرائطي في "مساوىء الأخلاق" ٣٩/ ٢، ورواه ابوداود وغيره وخرجته فى "الارواء": ٧/ ٧٣/ ٢٠١١

شرح:...... مباشرت کے وقت ہونے والے حالات و واقعات لوگوں کے سامنے بیان کرنا حرام ہیں، ایسا کرنا انتہا درجے کی بے مروّتی و بے حیائی ہے، اِس حدیث میں آپ ﷺ نے ایسے میاں بیوی کو شیطان اور شیطانہ کے ساتھ تشبیہ دی، جو وعید کے لیے کافی ہے، کیونکہ مومنوں کو بری مثال زیب نہیں دیتی۔ آپ ﷺ نے اس کی مزید مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ((اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِيْ اِلَى امْرَأَتِهٖ وَتُفْضِيْ اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا۔)) (مسلم١٤٣٧) ...... ''بے شک روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام و مرتبہ کے لحاظ سے سب سے بدترین شخص وہ ہوگا جو بیوی سے صحبت کرتا ہے اور وہ اس سے ہم بستری کرتی ہے، پھر وہ شخص اس عورت (یعنی اپنی بیوی) کا راز پھیلا دیتا ہے۔'' سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی۔

نبی کریم ﷺ کی انصار صحابہ سے محبت

(٢٤٧١)۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِحَيِّ بَنِي النَّجَّارِ، وَإِذَا جَوَارٍ يَضْرِبْنَ بِالدُّفِ يَقُلْنَ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بنونجار کے قبیلہ سے گزرے اور بچیاں دف بجا کر یہ گا رہی تھیں: ہم بنونجار کی بچیاں ہیں:

نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِي النَّجَّارِ
يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِّنْ جَارٍ

''واہ! واہ! محمد ﷺ کیسے اچھے پڑوسی ہیں۔''

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((اَللّٰهُ يَعْلَمُ أَنَّ قَلْبِيْ يُحِبُّكُنَّ۔)) (الصحيحة:٣١٥٤)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میرا دل تم سے محبت کرتا ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الصغير": صـ١٥ ـ هندية ، ٢٥ـ الروض النضير، والبيهقي في "دلائل النبوة": ٢/ ٥٠٨، وابو يعلى فى "مسنده": ٦/ ١٣٤/ ٣٤٠٩، وابن عدى فى "الكامل": ٣/ ١٥٩

شرح:...... نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ کی سرزمین میں دین الٰہی کی تبلیغ شروع کی، توحید وسنت کی دعوت جاری رکھی، لیکن لوگ نہ صرف شرک و بدعت پر ڈٹے رہے، بلکہ آپ ﷺ کا قلعہ قمع کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیا۔ ایک انصاری صحابی سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (خلاصہ یہ ہے): اللہ کے رسول ﷺ مکہ میں تقریبا دس سال مقیم رہے، لوگوں کے گھروں، ڈیروں اور عکاظ و مجنہ کی مارکیٹوں میں جا کر نوائے حق بلند کرتے رہے، حج کے موقع پر آپ ﷺ نے منٰی کے مقام میں لوگوں سے فرمایا: ((مَنْ يُؤْوِيْنِيْ؟ مَنْ يَنْصُرُنِيْ؟ حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَاتِ رَبِّيْ وَلَهُ الْجَنَّةُ۔))...... ''کوئی ہے جو مجھے پناہ مہیا کرے؟ کون ہے جو میری مدد کرے؟ تاکہ میں اپنے ربّ کا پیغام پہنچا سکوں، (جو ایسا کرے گا) اسے جنت ملے گی۔''

یہ سلسلہ جاری رہا، حتی کہ ہم انصاری لوگ یثرب (یعنی مدینہ) سے اٹھ کھڑے ہوئے، ہم نے آپ ﷺ کو ٹھکانا مہیا کیا اور آپ کی سچائی کا اعلان کیا۔ ہم اکا دکا کر کے آپ ﷺ کے پاس پہنچتے، قرآن سنتے اور گھر واپس پلٹ کر یہ پیغام اپنے گھر والوں تک پہنچاتے۔ بالآخر ہم نے مشورہ کیا کہ کب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے پہاڑوں میں مارے مارے ٹھوکریں کھاتے رہیں اور شرک پرستوں سے ڈرتے رہیں، چنانچہ سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق حج کے موقع پر ہم ستر انصاری عقبہ (گھاٹی) میں آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور آپ کی بیعت کی اور مدینہ منورہ میں تشریف لانے کی دعوت دی۔ (مسند احمد)

یہ انصار صحابہ رضی اللہ عنہم ہی تھے جو اسلام، بانیٔ اسلام اور اہل اسلام کا سہارا بنے اور سارے کفار سے اعلانِ جنگ کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ جاں نثاروں سمیت ہجرت کی گھاٹیاں طے کر کے مدینہ منورہ جلوہ افروز ہوئے تو انصار صحابہ نے تائید و نصرت، محبت و الفت، اخوت و بھائی چارہ اور برادری و بھائی بندی کی جو مثال پیش کی، ماضی میں اس کی نظیر ملتی ہے نہ ہی مستقبل میں امید ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے مہاجر بھائی سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ سے کہا: تم میرا آدھا مال لے لو اور میری دو بیویاں ہیں، ان کو دیکھ لو، جو تمہیں پسند ہو، میں اسے طلاق دے دیتا ہوں، عدت گزرنے کے بعد شادی کر لینا۔ (بخاری) پھر دس سال کی طویل مدت تک یہ انصار، نبی کریم ﷺ کے دست و بازو بنے رہے۔ بس یہی وجوہات ہیں کہ آپ ﷺ کے دل میں ان لوگوں کی محبت تھی۔

نیز اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ بچیاں دُف (ڈھولکی) بجا کر جائز کلام، وہ نظم ہو یا نثر، پڑھ سکتی ہیں، ہمیں بھی شادی بیاہ کے موقع پر ایسا ہی اندازِ خوشی اپنانا چاہئے، نہ کہ بے پردگی اور بے حیائی پر مشتمل باطل رسومات۔

جھوٹ سنگین جرم ہے

(٢٤٧٢)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَاكَانَ خُلُقٌ أَبْغَضَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْكَذِبِ وَمَا اطَّلَعَ مِنْهُ عَلَى شَيْءٍ عِنْدَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کے نزدیک جھوٹ سے بڑھ کو کوئی عادت زیادہ نفرت و بغض والی نہیں تھی۔ جب آپ کو اپنے صحابہ میں سے کسی کے بارے میں

أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَيَبْخَلُ لَهُ مِنْ نَفْسِهِ حَتَّى يَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَحْدَثَ تَوْبَةً۔ (الصحيحة:٢٠٥٢)

اس کا پتہ چلتا تو آپ اس سے میل ملاپ کم کر دیتے، حتی کہ معلوم ہو جاتا کہ اس نے توبہ کر لی ہے۔

تخريج: أخرجه ابن سعد في "الطبقات"، وابن ابي الدنيا في "مكارم الأخلاق": صـ ٣٠، ورواه أحمد: ٦/ ١٥٢ نحوه

شرح:...... جھوٹ منافقانہ روش ہے، اس کا انجام جھوٹے آدمی سے نفرت کی صورت میں نکلتا ہے۔ جہاں صدق وصفا جیسے خصائل جنت کا سبب بنتے ہیں، وہاں جھوٹ اور دروغ گوئی جیسی قبیح عادتیں متعلقہ بندے کو اللہ تعالی کے ہاں بحیثیت کذاب پیش کرتی ہیں۔

جھوٹ اس لحاظ سے ایک ممتاز گناہ ہے کہ یہ جھوٹے آدمی کو کئی معصیتوں اور نافرمانیوں پر آمادہ کرتا ہے، جھوٹا آدمی وعدہ خلافیاں کر کے متعلقہ بندے کو اپنی مجبوریوں کی جھوٹی کہانیاں سنا کر مطمئن کر دے گا اور ایسے شخص کو بندوں سے متعلقہ کوئی گناہ کرتے وقت ندامت یا فکر نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں اپنے آپ کو معصوم ظاہر کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

جھوٹ جیسے گناہ کی سنگینی کا اندازہ اس کی وجہ سے ہونے والے عذاب سے ہوتا ہے، جیسا کہ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک طویل خواب سنایا، اس میں آپ ﷺ کو رحمت ونعمت اور عذاب وعقاب کے مختلف مناظر دکھائے گئے، اس خواب کا ایک پیرایہ یہ ہے: ((وَاَمَّا الرَّجُلُ الَّذِيْ اَتَيْتَ عَلَيْهِ يُشَرْشَرُ شِدْقُهُ اِلٰى قَفَاهُ وَمَنْخَرُهُ اِلٰى قَفَاهُ وَعَيْنُهُ اِلٰى قَفَاهُ، فَاِنَّهُ الرَّجُلُ يَغْدُوْ مِنْ بَيْتِهِ فَيَكْذِبُ الْكَذْبَةَ تَبْلُغُ الْآفَاقَ۔)) ...... "اور وہ آدمی جس کے پاس سے آپ گزرے، جس کے جبڑے نتھنے اور اس کی آنکھ کو اس کی گدی تک چیرا جا رہا تھا، یہ وہ شخص ہے جو صبح اپنے گھر سے نکلتا ہے اور ایسا جھوٹ بولتا ہے، جو دنیا کے کناروں تک پھیل جاتا ہے۔" (بخاری) عافانا اللہ تعالی۔

بطورِ مذاق جھوٹ بولنا منع ہے

(٢٤٧٣)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ أَنَّهُ قَالَ: أَتٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ بَيْتِنَا وَأَنَا صَبِيٌّ، قَالَ: فَذَهَبْتُ أَخْرُجُ لِأَلْعَبَ، فَقَالَتْ أُمِّي: يَاعَبْدَاللّٰهِ! تَعَالَ أُعْطِيْكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: ((وَمَا أَرَدْتِ أَنْ تُعْطِيَهُ؟)) قَالَتْ: أُعْطِيْهِ تَمْرًا، قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَمَا إِنَّكِ لَوْلَمْ تُعْطِهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تشریف لائے، میں اس وقت بچہ تھا۔ جب میں کھیلنے کے لیے نکلنے لگا تو میری ماں نے کہا: اے عبداللہ! ادھر آؤ، میں تجھے کوئی چیز دیتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اسے کیا دینا چاہتی ہو؟" اس نے کہا: میں اسے کھجور دوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خبردار! اگر تو اُسے کچھ نہ دیتی تو یہ تیرے نامۂ اعمال

كَذِبَةٌ۔)) (الصحيحة:٧٤٨)

میں جھوٹ لکھا جاتا۔"

تخریج: أخرجه أبوداود: ٢/ ٣١٣، وأحمد: ٣/ ٤٤٧، والضياء المقدسي في"المختارة": ٥٨/ ١٨٤/ ١، والخرائطي أيضا في"مكارم الأخلاق": صـ٣٣

شرح:...... ماں کی گود بچے کی پہلی تعلیم گاہ اور تربیت گاہ ہے، اسی ادارے میں فطرتیں سنورتی یا بگڑتی ہیں، اگر چہ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، لیکن آپ ﷺ نے اس فطرت کے تحفظ کے لیے اتنے سخت اقدامات کئے کہ جھوٹ کی حقیقت سے ناواقف بچے کے ساتھ جھوٹ بولنے کو بھی جرم قرار دیا، اسی فطرت کو سالم رکھنے کے لیے بچے کو سات سال کی عمر میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا، غور فرمائیں کہ ہمارے ہاں دس سال کی عمر کے بچے پر نماز فرض نہیں ہوتی، کیونکہ وہ نابالغ ہوتا ہے، لیکن یہ اس کی فطرت کے حفاظتی اقدامات کے تقاضے ہیں کہ نبیٔ مہربان ﷺ نے دس برس کی عمر کے بعد بچے کو نماز کی عدمِ ادائیگی پر زدوکوب کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ اِن نبوی سنہری اصولوں کی روشنی میں اپنے بچوں کے قلوب واذہان کی تعمیر کریں۔

اسلام میں لوگوں کی اقسام

(٢٤٧٤)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: طَافَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى رَاحِلَتِهِ الْقَصْوَاءِ يَوْمَ الْفَتْحِ وَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ بِمِحْجَنِهِ، وَمَا وَجَدَ لَهَا مُنَاخًا فِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى أُخْرِجَتْ إِلٰى بَطْنِ الْوَادِيْ فَأُنِيْخَتْ، ثُمَّ حَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: ((أَمَّا بَعْدُ أَيُّهَا النَّاسُ، فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ، النَّاسُ رَجُلَانِ: بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيْمٌ عَلٰى رَبِّهِ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلٰى رَبِّهِ۔)) ثُمَّ تَلَا: ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا﴾ حَتّٰى قَرَأَ الْآيَةَ، ثُمَّ قَالَ: ((أَقُوْلُ هٰذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ۔)) (الصحيحة:٢٨٠٣)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن اپنی قصوا اونٹنی پر طواف کیا اور اپنی لاٹھی کے ساتھ حجر اسود کا استلام کیا، اونٹنی کو مسجد میں بٹھانے کے لیے کوئی جگہ نہ ملی، اس لیے اس کو وادی کے ہموار حصے کی طرف لے جا کر بٹھا دیا گیا۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور فرمایا: اے لوگو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت ختم کر دی ہے۔ اب لوگ دو طرح کے ہیں: (۱) نیک متقی اور اپنے رب کے ہاں بزرگی والے (۲) گنا ہگار ،بدبخت اور اللہ تعالی کے ہاں حقیر۔" پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف ذاتوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تا کہ تم پہچانے جاؤ۔ پھر آپ نے پوری آیت تلاوت کی اور آخر میں فرمایا: "میں یہی کچھ کہنا چاہتا تھا، (اب) میں اللہ تعالی سے اپنے لیے اور تمہارے لیے بخشش طلب کرتا ہوں۔"

تخريج: أخرجه ابن حبان في"صحيحه": ٣٨١٧، وعبد بن حميد في "المنتخب في المسند": ق ١٠٥/

۲۔ والبغوی فی تفسیرہ: ۷/ ۳۴۹

شرح:...... اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تمام نسلِ انسانیت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے مومنوں کو چوکنا کر دیا ہے اور فیصلہ سامعین پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے احکام سے اپنے قول و کردار کا موازنہ کر کے اپنی شخصیت کے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالیہ میں ان کو معزز سمجھا جائے گا یا ذلیل۔ جیسا کہ سیدنا انس، سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّعْلَمَ مَالَهُ عِنْدَ اللّٰهِ جَلَّ ذِكْرُهُ فَلْيَنْظُرْ مَا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عِنْدَهُ۔)) (الصحیحة: ۲۳۱۰) ......''جو یہ جاننا چاہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کیا مقام و مرتبہ ہے وہ یہ دیکھ کر (اندازہ کر لے) کہ اس کے ہاں اللہ تعالیٰ کا کتنا پاس و لحاظ ہے۔''

آخر میں نبی کریم ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت کر کے یہ باور کرانا چاہا کہ انسان کا طرۂ امتیاز اس کے نیک اعمال ہیں: ﴿يَأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (سورۂ حجرات: ۱۳) ......''اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت (آدم و حواء) سے پیدا کیا اور تم کو مختلف جماعتیں اور قبیلے بنا دیا تا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ دانا اور باخبر ہے۔''

نبی کریم ﷺ، فرزندانِ امت کے باپ اور زوجاتِ رسول اُن کی مائیں ہیں

(۲٤۷٥)۔ عَنْ بِشْرِ بْنِ عَقْرَبَةَ، قَالَ: اسْتُشْهِدَ أَبِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي بَعْضِ غَزَوَاتِهِ، فَمَرَّ بِيَ النَّبِيُّ وَأَنَا أَبْكِي فَقَالَ لِي: ((أُسْكُتْ أَمَا تَرْضَى أَنْ أَكُوْنَ أَنَا أَبُوْكَ، وَعَائِشَةُ أُمَّكَ؟)) (الصحیحة: ۳۲٤۹)

حضرت بشر بن عقربہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میرا باپ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں شہید ہو گیا، نبی کریم ﷺ میرے پاس سے گزرے اور میں رو رہا تھا۔ آپ نے مجھے کہا: ''خاموش ہو جاؤ، کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہو گا کہ میں تیرا باپ ہوں اور عائشہ تیری ماں۔''

تخریج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ۱/ ۲/ ۷۸، ومن طريقه: ابن عساكر في "تاريخ الدمشق": ۳/ ۳۷۷، والبزار فی "مسنده": ۲/ ۳۵۸/ ۱۹۱۰

شرح:...... نبی کریم ﷺ واقعی صاحبِ جوامع الکلم تھے، آپ کا کلام جامع مانع یعنی کئی معانی و مفاہیم پر مشتمل اور زوائد سے پاک ہوتا تھا۔ درج بالا حدیث میں جہاں نبی کریم ﷺ نے امت کے حق میں اپنی اور اپنی زوجاتِ محترمہ کی حیثیت بیان کی، وہاں ایک یتیم کو دلاسہ دیا، اس کے دل کی ڈھارس باندھی، اپنے آپ کو اس کے باپ کے قائم مقام قرار دیا، ہمدردی و خیر خواہی کا باندازِ احسن اظہار کیا اور بہترین انداز میں تعزیت کی۔ رہا مسئلہ بحیثیت رسالت

آپ ﷺ اور آپ کی بیویوں کے حقوق کا، تو وہ ہمارے آباء و اجداد اور امہات و جدات سے کہیں زیادہ ہیں۔

نبی کا ظاہر اور باطن یکساں ہوتا ہے

(٢٤٧٦)۔ عَنْ سَعْدٍ قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اخْتَبَأَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي سَرْحٍ عِنْدَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، فَجَاءَ بِهِ حَتّٰى أَوْقَفَهُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بَايِعْ عَبْدَ اللّٰهِ، فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَنَظَرَ إِلَيْهِ ثَلَاثاً، كُلَّ ذٰلِكَ يَأْبٰى، فَبَايَعَهُ بَعْدَ ثَلَاثٍ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلٰى أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: ((أَمَا كَانَ فِيْكُمْ رَجُلٌ رَشِيْدٌ، يَقُوْمُ إِلٰى هٰذَا حَيْثُ رَآنِي كَفَفْتُ يَدِيْ عَنْ بَيْعَتِهِ فَيَقْتُلَهُ؟)) فَقَالُوْا: مَانَدْرِيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَافِيْ نَفْسِكَ، أَلَا أَوْمَأْتَ إِلَيْنَا بِعَيْنِكَ؟ قَالَ: ((إِنَّهُ لَايَنْبَغِيْ لِنَبِيٍّ أَنْ تَكُوْنَ لَهُ خَائِنَةُ الْأَعْيُنِ۔)) (الصحيحة:١٧٢٣)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: فتح مکہ والے دن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کے پاس چھپ گئے، وہ اُسے لے آئے اور رسول اللہ کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! عبداللہ سے بیعت لیں، آپ نے اپنا سر اٹھایا اور تین دفعہ اُس کی طرف دیکھا، ہر مرتبہ آپ انکار کر رہے تھے، تین دفعہ ایسا کرنے کے بعد آپ نے بیعت لے لی۔ پھر اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''کیا تم میں ایسا کوئی سمجھدار آدمی نہیں تھا کہ جب وہ مجھے دیکھتا کہ میں اُس کی بیعت سے اپنا ہاتھ روک رہا ہوں تو کھڑا ہوتا اور اُس کو قتل کر دیتا؟'' صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ کے دل کی بات نہیں جانتے۔ آپ نے ہماری طرف اپنی آنکھوں سے اشارہ کیوں نہیں کر دیا؟ آپ نے فرمایا: ''کسی نبی ﷺ کو زیب نہیں دیتا کہ وہ آنکھوں سے خیانت کرے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٢٦٨٣ و ٤٣٥٩، والنسائي: ٢/ ١٧٠، والحاكم: ٣/ ٤٥، وأبويعلي في "مسنده": ١/ ٢١٦۔ ٢١٧

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کا ایک شاہد ذکر کیا ہے، اس کے متن سے اس کی مکمل وضاحت ہو جاتی ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں غزوۂ حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھا، مشرک لوگ (مقابلہ کے لیے) نکلے اور ہم پر حملہ کر دیا، نتیجتاً ہم نے فرار اختیار کیا، اُن کے لشکر میں ایک ایسا آدمی بھی تھا، جو ہم پر حملہ آور ہوتا اور ہم کو چکنا چور کر دیتا تھا۔ بہر حال اللہ تعالی نے ان کو شکست دی اور پھر وہ آ کر آپ ﷺ کی اسلام پر بیعت کرنے لگ گئے۔ اتنے میں ایک صحابی نے کہا: میں نذر مانتا ہوں کہ اگر فلاں آدمی، جو صبح سے ہم کو مار رہا ہے، آیا تو میں اس کی گردن تن سے جدا کر دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ (یہ سن کر) خاموش رہے، اتنے میں اُسی آدمی کو (بیعت کے لیے) لایا گیا، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ تعالی کی طرف توبہ کرتا ہوں، لیکن رسول اللہ ﷺ رک گئے اور اس کی بیعت نہیں لے رہے تھے۔ (آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ نذر ماننے والا صحابی) اپنی نذر پورے کر لے اور وہ (نذر ماننے والا)

رسول اللہ ﷺ کے درپے ہونے لگ گیا تا کہ آپ ﷺ اسے اس کو قتل کرنے کا حکم دے دیں، کیونکہ آپ ﷺ کی موجودگی میں وہ اُس کو قتل کرنے سے ڈر رہا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ نذر ماننے والا تو کچھ نہیں کر رہا تو آپ ﷺ نے اس سے بیعت لے لی۔ اتنے میں اس آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری نذر (کا کیا بنے گا)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس کی بیعت لینے سے اسی لیے رکا رہا، کہ تو اپنی نذر پوری کر لے (لیکن تو نے کچھ نہیں کیا)۔'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ آنکھ سے اشارہ ہی کر دیتے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کسی نبی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ آنکھ سے اشارہ کرے۔'' (مسند احمد، ابوداود)

شارح ابوداود عظیم آبادی صاحب ''کسی نبی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ آنکھ سے اشارہ کرے۔'' کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: خطابی نے کہا: کسی نبی کے لیے یہ جائز و مباح نہیں کہ وہ اپنے ضمیر میں ایسی چیز پنہاں رکھے جو اس کے ظاہر کے خلاف ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اظہارِ دین اور اعلانِ حق کے لیے مبعوث کیا، اس لیے کوئی چیز چھپانا اس کے لیے جائز نہیں، کیونکہ یہ دھوکہ ہوگا۔ اس لیے اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ ظاہری طور ایک آدمی کو امن دے رہا ہو اور باطنی طور پر اس عہد و پیمان کو توڑ رہا ہو۔ (عون المعبود)

جب آپ ﷺ نے نذر ماننے والے کی بات پر خاموشی کا اظہار کیا، تو اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ رضامند ہیں اور بیعت کرنے سے پہلے اُس آدمی کو قتل کرنا بھی جائز تھا، لیکن آپ ﷺ مخفی انداز میں اشارہ نہیں کر سکتے، کیونکہ منصبِ نبوت اس بات کا متقاضی نہیں ہے۔

سات ماموراتِ نبویہ

(٢٤٧٧)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: أَمَرَنِي خَلِيْلِي ﷺ بِسَبْعٍ: (((١) أَمَرَنِي بِحُبِّ الْمَسَاكِيْنَ، وَالدُّنُوِّ مِنْهُمْ (٢) وَأَمَرَنِي أَنْ أَنْظُرَ إِلَى مَنْ هُوَ دُوْنِي وَلَا أَنْظُرَ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقِي (٣) وَأَمَرَنِي أَنْ أَصِلَ الرَّحِمَ وَإِنْ أَدْبَرَتْ (٤) وَأَمَرَنِي أَنْ لَا أَسْأَلَ أَحَداً شَيْئًا (٥) وَأَمَرَنِي أَنْ أَقُوْلَ بِالْحَقِّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا (٦) وَأَمَرَنِي أَنْ لَا أَخَافَ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ (٧) وَأَمَرَنِي أَنْ أُكْثِرَ مِنْ قَوْلِ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" فَإِنَّهُنَّ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ۔ وَفِي رِوَايَةٍ: فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے خلیل ﷺ نے مجھے سات امور کا حکم دیا: ''(۱) مسکینوں سے محبت کرنے اور اُن کے قریب رہنے کا حکم دیا (۲) اپنے سے کم تر شخص کو دیکھنے اور اپنے سے برتر شخص کی طرف توجہ نہ کرنے کا حکم دیا (۳) مجھے صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا اگرچہ وہ رخ پھیرنے لگے (۴) مجھے حکم دیا کہ میں کسی سے کوئی سوال نہ کروں (۵) مجھے حکم دیا کہ میں حق بات کہوں اگرچہ وہ کڑوی ہو (۶) مجھے حکم دیا کہ میں اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں اور (۷) مجھے حکم دیا میں کثرت سے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" پڑھوں۔ کیوں کہ یہ کلمات عرش سے نیچے والے خزانوں میں سے ہیں۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''یہ

كُنُوْزِ الْجَنَّةِ۔)) (الصحيحة: ٢١٦٦)

کلمات جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔''

تخريج: أخرجه الامام أحمد:٥/ ١٥٩، والسياق له، وابن حبان في "صحيحه":٢٠٤١، والطبراني في "المعجم الصغير": صـ ١٥٧ـ هند، والخرائطي في "مكارم الأخلاق":٢٥، والبيهقي في "السنن":١٠/ ٩١، وكذا أبو نعيم في "الحلية":٢/ ٣٥٧، والخطيب في "التاريخ":٥/ ٢٥٤

شرح:...... حدیثِ مبارکہ اپنے مفہوم میں انتہائی واضح ہے۔ اِن سات امور پر غور کریں اور اپنے کردار کا جائزہ لیں۔

انبیا کی عاجزی و انکساری

(٢٤٧٨)۔ عَنْ عَبْدَةَ بْنِ حَزْنٍ، قَالَ: تَفَاخَرَ أَهْلُ الْإِبِلِ وَأَصْحَابُ الشَّاةِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((بُعِثَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ رَاعِي غَنَمٍ وَبُعِثَ دَاؤدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ رَاعِي غَنَمٍ، وَبُعِثْتُ أَنَا وَأَنَا رَاعِي غَنَمٍ بِأَجْيَادَ۔)) (الصحيحة:٣١٦٧)

حضرت عبدہ بن حزن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اونٹوں والے اور بکریوں والے ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا، وہ بکریاں چرانے والے تھے۔ داؤد علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا، وہ بھی بکریاں چرانے والے تھے اور جب مجھے بعثت عطا کی گئی تو میں بھی مقامِ اجیاد میں بکریاں چرانے والا تھا۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ٣/ ٢/ ١١٣، و"الأدب المفرد": ٥٧٧، والدّولابي في "الكنى": ١/ ٩٢، والنسائي في "الكبرى"

شرح:...... اس حدیث میں انبیائے کرام کی سادگی و بے ریائی کا بیان ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''ائمۂ دین کا خیال ہے کہ انبیائے کرام کے بکریاں چرانے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں عاجزی و انکساری پیدا ہو جائے اور ان کے دل خلوت کے عادی بن جائیں اور ان کے لیے بکریوں کی تدبیر و انتظام سے لوگوں کی باگ ڈور سنبھالنا آسان ہو جائے، جبکہ امام کرمانی، امام خطابی سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: امام بخاری یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے لیے دنیا کے پجاریوں اور عیش و عشرت میں مست لوگوں کا انتخاب نہیں کیا، بلکہ ایسے لوگوں کو اس نعمت سے نوازا جو تواضع کرنے والے ہوں، جیسے بکریوں کے چرواہے اور پیشہ ور لوگ۔ (فتح الباری)

رسول اللہ ﷺ کی عاجزی

(٢٤٧٩)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: كَانَ ﷺ يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ، وَيَأْكُلُ عَلَى الْأَرْضِ، وَيَعْتَقِلُ الشَّاةَ، وَيُجِيْبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوْكِ عَلٰى خُبْزِ الشَّعِيْرِ

(الصحيحة: ٢١٢٥)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ زمین پر بیٹھ جایا کرتے تھے، زمین پر بیٹھ کر ہی کھاتے تھے، بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے اور جو کی روٹی کی دعوت دینے والے غلام کی دعوت قبول کر لیتے تھے۔

تخریج: أخرجه الطبرانی فی "الکبیر": ٣/ ١٦٤/ ١، و رواه ابو الشیخ فی "أخلاق النبی ﷺ": صـ ٦٣، و البغوی فی "شرح السنة": ٤/ ٣/ ١ دون قوله: ((علی خبز الشعیر))

شرح:...... اس حدیث میں سب سے اہم بات معاشرے کے انتہائی کمتر فرد کی دعوت قبول کرنا ہے، آجکل اس سنتِ حسنہ سے مکمل بے رخی برتی جا رہی ہے اور بڑوں اور وڈیروں کی آنکھوں کے اشارے پر لوگ جوق در جوق جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ نبوی سنتوں سے عدمِ محبت اور ظاہر پرستی، چاپلوسی اور خوشامد کا نتیجہ ہے۔ دوسرا ایک اہم سبق یہ ملتا ہے کہ دعوت قبول کرنے والوں کو دعوت میں پیش کی گئی چیزوں کی عیب جوئی نہیں کرنی چاہئے، بلکہ داعی کی طرف سے جو کچھ ملے، ذوق و شوق کا اظہار کرتے ہوئے نوش کر لینا چاہئے، کیونکہ عظیم المرتبت اور عالی منزلت محمد رسول اللہ ﷺ غلام کی دعوت پہ لبیک کہتے تھے جبکہ اس دعوت میں پیش کی جانے والی چیز صرف جو کی روٹی ہوتی تھی۔

(٢٤٨٠)۔ عَنْ أَبِي أَيُّوْبَ: كَانَ ﷺ يَرْكَبُ الْحِمَارَ وَيَخْصِفُ النَّعْلَ وَيَرْقَعُ الْقَمِيْصَ وَيَقُوْلُ: ((مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔)) (الصحيحة: ٢١٣٠)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: آپ ﷺ گدھے پر سوار ہوتے تھے، جوتا سلائی کرتے تھے اور قمیص کو خود ہی پیوند لگا لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے: ''جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔''

تخریج: رواه أبو الشیخ: ١٢٨، والسهمی فی "تاریخ جرجان": ٣١٥

شرح:...... یہ نبی کریم ﷺ کی سادگی اور عاجزی ہے، جسے آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے طرزِ حیات بھی قرار دیا ہے۔ اگر کوئی انسان آپ ﷺ کی ان سنتوں کا اہتمام کرنے لگے تو اس کی زندگی کئی مشاکل اور تکلفات سے پاک ہو سکتی ہے۔ ایسے امور کو سرانجام دینے والا آدمی تکبر سے پاک ہو جائے گا اور اس کی عاجزی و فروتنی میں اضافہ ہوگا۔ جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا اسْتَكْبَرَ مَنْ أَكَلَ مَعَهُ خَادِمُهُ وَرَكِبَ الْحِمَارَ بِالأَسْوَاقِ، وَاعْتَقَلَ الشَّاةَ فَحَلَبَهَا۔)) (الصحيحة: ٢٢١٨) ...... ''وہ شخص متکبر نہیں ہے، جس کے ساتھ اُس کے خادم نے کھانا کھایا اور وہ بازاروں میں گدھے پر سوار ہوا اور بکری کی ٹانگوں کو باندھ کر اس کو دوہا۔''

اگر کسی آدمی کو زندگی کی روٹین میں ان امور کا موقع نہیں ملتا تو کبھی کبھار رسول اللہ ﷺ کی سنت سمجھ کر ان کو سرانجام دینا چاہئے۔

عاجزی و انکساری کی فضیلت

(٢٤٨١)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ۔)) (الصحيحة: ٢٣٢٨)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اللہ کے لیے عاجزی کی، اللہ اُس کو رفعت عطا کرے گا۔''

تخريج: أخرجه أبو نعيم في "الحلية": ٨/ ٤٦، ورواه مسلم في "صحيحه": ٨/ ٢١

شرح:...... تواضع کا مطلب ہے، ایک دوسرے کے ساتھ عاجزی، نرمی اور محبت سے پیش آنا اور حسب ونسب، مال و دولت، ثروت وحشمت، حسن و جمال، غلبہ واقتدار اور دوسری اہلیتوں کی بنا پر کسی کو حقیر نہ سمجھنا اور کسی پر زیادتی نہ کرنا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو عالی مرتبت بنایا ہے تو اس پر اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، نہ کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی بے توقیری یا ان پر ظلم و زیادتی کرنا شروع کر دے۔

لیکن یہ حقیقت مدنظر رہے کہ آدمی نرمی و عاجزی اختیار کرنے سے بعض دفعہ یہ سمجھتا ہے کہ اس میں اس کی ذلت ہے، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، کیونکہ تواضع کا نتیجہ عزت وسرفرازی کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور آخرت میں بھی اس کا حسن انجام واضح ہے کہ اسے بلند درجات سے نوازا جائے گا۔

عاجزی وانکساری اختیار کرنا

(٢٤٨٢)۔ عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ خَطَبَهُمْ فَقَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ أَوْحٰى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ، وَلَا يَبْغِي أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ۔)) (الصحيحة: ٥٧٠)

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کو خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم تواضع اختیار کرو اور کوئی کسی پر فخر کرے نہ ظلم۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٨/ ١٦٠، وابن ماجه: ٢/ ٥٤٥، وأبو نعيم في "الحلية": ٢/ ١٧، والبيهقي: ١٠/ ٢٣٤، والطبراني في "الكبير": ١٧/ ٢٦٤/ ١٠٠٠

شرح:...... تواضع کا مطلب ہے، ایک دوسرے کے ساتھ عاجزی وانکساری، نرمی ورحمدلی اور محبت والفت سے پیش آنا، حسب ونسب یا مال و دولت کی بنیاد پر کسی کو حقیر نہ سمجھنا اور نہ کسی پر ظلم و زیادتی کرنا۔ وجہ یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو مقام و مرتبہ، مال و دولت حسب ونسب جیسی صلاحیتوں سے نوازا ہے، تو اس کو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے، کیونکہ ان انعامات کے حصول میں اس کی صلاحتیں کارفرما نہیں ہیں، بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کے احسان کا نتیجہ ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان اس کے لیے مضرّ ثابت ہو اس طرح کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو بنظر حقارت دیکھے یا ان پر ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرنے لگے۔ نبی کریم ﷺ رفعت ومنزلت اور عظمت و مرتبت کے انتہائی اعلیٰ مراتب پر فائز تھے، کسی امتی کا آپ سے کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا: ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سورۂ شعراء: ٢١٥) ......''(اے محمد!) اپنے پیروکار مومنوں سے نرمی سے پیش آؤ۔''

عاجزی وانکساری کی علامتیں

(٢٤٨٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا اسْتَكْبَرَ مَنْ أَكَلَ مَعَهُ خَادِمُهُ وَرَكِبَ الْحِمَارَ بِالْأَسْوَاقِ، وَاعْتَقَلَ الشَّاةَ فَحَلَبَهَا۔))

(الصحيحة: ٢٢١٨)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص متکبر نہیں ہے، جس کے ساتھ اُس کے خادم نے کھانا کھایا اور وہ بازاروں میں گدھے پر سوار ہوا اور بکری کی ٹانگوں کو باندھ کر اس کو دوہا۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٥٥٠، والديلمي: ٤/ ٣٣

شرح: ...... آپ ﷺ نے فرزندانِ امت کو بڑائی اور تکبر سے دور رہنے اور عاجزی اور انکساری سے متصف ہونے کی تلقین کی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ کم از کم ایسے امور تو کر گزریں، جن کی بنا پر آپ ﷺ نے تکبر کی نفی کی ہے، نبی کریم ﷺ عظیم المرتبت ہونے کے باوجود زمین پر بیٹھ جاتے، زمین پر بیٹھ کر کھا لیتے، بکریوں کا دودھ دوہ لیتے، گدھے پر سوار ہو جاتے اور جوتوں اور کپڑوں کی خود مرمت کر لیتے تھے۔

کلمہ طیبہ سے گناہوں کے اثرات زائل ہو جاتے ہیں

(٢٤٨٤)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ كِذْبَكَ بِتَصْدِيْقِكَ (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)۔)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسٍ، وَابْنِ عُمَرَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَالْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ مُرْسَلًا۔ وَهٰذَا لَفْظُ حَدِيْثِ أَنَسٍ: عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِرَجُلٍ: ((يَا فُلَانُ! فَعَلْتَ كَذَا؟)) قَالَ: لَا وَالَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ! وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ أَنَّهُ قَدْ فَعَلَهُ فَقَالَ لَهُ...... فَذَكَرَهُ۔

(الصحيحة: ٣٠٦٤)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تیرے جھوٹ کو ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کی تصدیق کی وجہ سے معاف کر دیا ہے۔ یہ حدیث حضرت انس، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حسن بصری رضی اللہ عنہم سے مرسلاً روایت کی گئی ہے اور یہ الفاظ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی سے فرمایا: ''اے فلاں! کیا تو نے اس طرح کیا ہے؟'' اُس نے کہا: نہیں! قسم ہے اُس ذات کی کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ جانتے تھے کہ اُس شخص نے وہ کام کیا ہے۔ پھر آپ نے اُس کو یہ بات ارشاد فرمائی۔

تخريج: روي من حديث أنس، وابن عمر، وابن عباس، والحسن البصري مرسلا۔

١۔ أما حديث أنس: فأخرجه عبد بن حميد في "المنتخب من المسند": ٣/ ١٧٥/ ١٣٧٤، وأبويعلي في "مسنده": ٦/ ١٠٤/ ٣٣٦٨، والبزار: ٤/ ٧/ ٣٠٦٨، والعقيلي في "الضعفاء": ١/ ٢١٣، والسياق له،

وابن عدي في "الكامل": ٢/ ٦٠٨، والبيهقي في "السنن": ١٠/ ٣٧

٢- وأما حديث ابن عمر: فأخرجه أحمد: ٢/ ٦٨، وأبويعلي: ١٠/ ٥٥/ ٥٦٩٠

٣- وأما حديث ابن عباس: فأخرجه أبوداود: ٣٦٢٠ عن أبي الأحوص- مختصرا- والحاكم: ٤/ ٩٥ عن عبدالوارث، وأحمد: ١/ ٢٩٩، ٣٢٢

٤- وأما حديث مرسل البصري: فأخرجه البيهقي

شرح:...... کلمۂ توحید جنت میں داخلے، جہنم سے دور رہنے اور گناہوں کی معافی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، ہاں ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ حسبِ استطاعت کلمۂ طیبہ کے تقاضے پورے کرتا رہے۔

ایمان، اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے

(٢٤٨٥)- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ، وَإِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُحِبُّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ، وَلَا يُعْطِي الْإِيْمَانَ إِلَّا مَنْ أَحَبَّ فَمَنْ ضَنَّ بِالْمَالِ أَنْ يُنْفِقَهُ، وَخَافَ الْعَدُوَّ أَنْ يُجَاهِدَهُ، وَهَابَ اللَّيْلَ أَنْ يُكَابِدَهُ، فَلْيُكْثِرْ مِنْ قَوْلِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ.)) (الصحيحة: ٢٧١٤)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے مابین تمہارے رزق کو تقسیم کیا ہے، اسی طرح تمہارے درمیان تمہارے اخلاق کو بھی تقسیم کر دیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس کو پسند کرتا ہے، اُسے بھی دنیا عطا کرتا ہے اور جسے ناپسند کرتا ہے اُسے بھی دے دیتا ہے اور ایمان صرف اُسے عطا کرتا ہے، جس کو پسند فرماتا ہے۔ پس جو شخص مال خرچ کرنے سے بخل کرے، دشمن کے ساتھ لڑنے سے ڈر جائے اور رات میں تکلیف و مشقت اٹھانے سے گھبرائے تو وہ کثرت سے یہ کلمات کہے: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ''۔

تخريج: أخرجه الأسماعيلى فى "المعجم": ١١٤/ ١، والبيهقى فى "شعب الايمان": ١/ ٣٤٨، وأخرجه البخارى فى "الادب المفرد": ٢٧٥، وابوداود فى "الزهد": ١٦٤/ ١٥٧، والطبرانى فى "الكبير": ٨٩٩٠ موقوفا، لكن لا يخفى انه فى حكم المرفوع

شرح:...... انسان، مسلم ہو یا کافر، اس کی ہر صلاحیت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، وہ ایمان و ایقان ہو یا قول و کردار، حسن و جمال ہو یا مال و دولت، حسب و نسب ہو یا عظمت و سطوت۔ یقیناً ہر آدمی کسی نہ کسی انداز میں اپنے آپ کو باصلاحیت سمجھتا ہے اور اس پر نازاں بھی رہتا ہے، لیکن اسے یہ خیال بھی ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت اسے عاریۃً دی ہے، جو اس سے کسی وقت بھی سلب کی جا سکتی ہے۔ بہرحال ایمان و اسلام اس لحاظ سے ممتاز نعمتیں ہیں کہ اللہ

تعالی کی محبت پر دلالت کرتی ہیں، اللہ تعالی صرف اپنے محبوبوں کو ایمان کی نعمت سے مزین کرتے ہیں۔ کوئی دنیوی نعمت اللہ تعالی کی رضامندی کی غماز نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ تعالی ہر نیک و بد کو یہ صلاحتیں عطا کرتا رہتا ہے، بلکہ اگر زمانۂ ماضی اور بالخصوص خیر القرون کی شخصیات کی سوانح عمری کی ورق گردانی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اعلی درجے کے ایمان دار لوگ زیادہ تر دنیوی نعمتوں سے محروم رہے ہیں۔ آخر میں "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ، وَاللّٰہُ أَكْبَرُ" کو بخیلی، بزدلی اور رات کو گھبرانے کا علاج قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالی کی طرف سے مہلت کا انجام

(٢٤٨٦)۔ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِيْ لِلظَّالِمِ، حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ۔)) قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ (الصحيحة: ٣٥١٢)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالی ظالم کو مہلت دیتا رہتا ہے اور جب اُس کو پکڑنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اُس سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا۔'' پھر آپ ﷺ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی: اور اسی طرح تیرے پروردگار کی پکڑ ہے، جب وہ ظلم کرنے والی بستیوں کو پکڑتا ہے، بلاشبہ اُس کی پکڑ سخت دردناک ہے۔

تخريج: أخرجه البخاري: ٤٦٨٦، ومسلم: ٨/ ١٩، وابن حبان: ٧/ ٣٠٧/ ٥١٥٣، والترمذي: ٨/ ٢٧١، والنسائي في "السنن الكبرى": ٦/ ٣٦٥/ ١١٢٤٥، وابن ماجه: ٤٠١٨، والبيهقي: ٦/ ٩٤، والبغوي في "شرح السنة": ١٤/ ٣٥٨

شرح:...... خوشحالی و آسودگی، مال و دولت کی فراوانی اور حکومت و سطوت جیسی صفات اللہ تعالی کی رضامندی پر دلالت نہیں کرتیں، اللہ تعالی کی پسند اور ناپسند کا تعلق انسان کے نیک و بد ہونے کے ساتھ ہے، وہ کبھی اس کا اظہار دنیا میں کر دیتا ہے اور کبھی نہیں بھی کرتا۔ اس حدیث میں اس بندے کے لیے وعید ہے، جو راہِ اعتدال اور صراطِ مستقیم سے کنارہ کش ہے، لیکن احکامِ الٰہی کو بالائے طاق رکھ کر مال و زر کی فراوانی اور فراخی و خوشحالی سے ایامِ حیات گزار رہا ہے، کیونکہ ممکن ہے اللہ تعالی ایسے بندے کو ڈھیل دیے رکھے اور موت کے وقت اچانک اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔

مذکورہ بالا حدیث میں جس آیت کا ذکر ہے، اس کا سیاق و سباق یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالی نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر کیا، جو قوم بالآخر عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوئی اور پانی میں غرق ہو گئی، پھر قوم عاد کا ذکر کیا، جنہوں نے پیغمبر خدا حضرت ہود علیہ السلام کی سنی ان سنی کر دی اور "الريح العقيم" یعنی بادِ تند کے عذاب سے دوچار ہوئے، پھر قوم ثمود کا ذکر کیا، جنہوں نے اپنے خیر خواہ حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلا دیا اور ''صیحۃ'' یعنی چیخ اور زور کی کڑک کے عذاب میں

مبتلا ہو گئے، پھر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر کیا، جن کی بستی کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے زیر و زبر کر دیا اور ان پر کنکریلے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے، پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مدین کا ذکر کیا، جو زندگی کی رنگینیوں میں مگن رہے، حتی کہ سخت آواز کے عذاب نے ان کو دبوچ لیا اور ان کے دل پارہ پارہ ہو گئے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا کہ جن کے مدمقابل فرعون اور فرعونیوں کو سمندر کا لقمہ بنا دیا۔ ان سب اقوام نے اللہ تعالیٰ کی مہلت اور ڈھیل سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور پچھلوں کے لیے سامانِ عبرت بن گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا متن میں مذکورہ آیت کا ذکر کیا۔

گفتگو میں تصنع

(٢٤٨٧)۔ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الأَسْقَعِ، قَالَ: كُنْتُ فِيْ أَصْحَابِ الصُّفَّةِ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا مِنَّا إِنْسَانٌ عَلَيْهِ ثَوْبٌ تَامٌّ، وَأَخَذَ الْعَرَقُ فِيْ جُلُوْدِنَا طَرَقًا مِنَ الْغُبَارِ وَالْوَسَخِ، إِذْ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: ((لِيُبَشَّرْ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ۔)) إِذْ أَقْبَلَ رَجُلٌ عَلَيْهِ شَارَةٌ حَسَنَةٌ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ لَا يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ إِلَّا كَلَّفَتْهُ نَفْسُهُ أَنْ يَأْتِيَ بِكَلَامٍ يَعْلُو كَلَامَ النَّبِيِّ ﷺ۔ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ هٰذَا وَضَرْبَهُ يَلْوُوْنَ أَلْسِنَتَهُمْ لِلنَّاسِ لَيَّ الْبَقَرَةِ لِسَانَهَا بِالْمَرْعٰى كَذٰلِكَ يَلْوِي اللّٰهُ أَلْسِنَتَهُمْ وَوُجُوْهَهُمْ فِي النَّارِ۔))

(الصحيحة:٣٤٢٦)

حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں اصحاب صفہ میں سے تھا، میں نے دیکھا ہمارا یہ حال تھا کہ ہم میں سے کسی شخص کے پاس مکمل لباس نہیں تھا اور گرد و غبار اور میل کچیل کی وجہ سے پسینے سے ہمارے جسم پر لکیریں پڑ جاتی تھیں۔ (ایک دن) اچانک رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''فقرا مہاجرین کے لیے خوشخبری ہو۔'' ہمارے پاس اچانک ایک اچھے لباس والا آدمی آیا، نبی کریم ﷺ جو کلام بھی ارشاد فرماتے، وہ تکلفاً آپ کی کلام سے افضل کلام کرتا۔ جب وہ چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ اس کو اور اس جیسے شخص کو ناپسند کرتا ہے۔ جو چراگاہ میں (چرنے والی) گائیوں کی طرح اپنی زبانوں کو لوگوں کے لیے مروڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی ان کے چہروں اور زبانوں کو آگ میں مروڑے گا۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في"المعجم الكبير": ٢٢/ ٧٠/ ١٧٠، وروى منه ابو نعيم في "حلية الاولياء": ٢/ ٢١ الطرف الاول الى جملة البشارة، والبيهقي في "شعب الايمان": ٤/ ٢٥١/ ٤٩٧٣ ما بعدها

شرح:...... اس حدیث میں غیر ضروری اور تصنع و تکلف سے گفتگو کرنے اور اس ذریعے دوسروں پر برتری جتانے سے اجتناب کرنے کی تاکید کی گئی ہے، گویا کہ کم بولنا اور سادگی سے کلام کرنا پسندیدہ ہے اور اس کے برعکس زیادہ بولنا اور وہ بھی دوسروں پر ہیکڑی جمانے کے لیے گفتگو میں تیزی و طراری دکھانا اور خواہ مخواہ کی بناوٹ اختیار کرنا سخت ناپسندیدہ ہے، جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ

وَاَبْعَدَكُمْ مِنِّيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَيْهِقُوْنَ۔)) (ترمذی) ...... ''اور تم میں سے مجھے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مجھ سے سب سے زیادہ دور قیامت کے روز وہ ہوں گے جو بہت باتونی، تصنع سے باتیں کرنے والے اور تکبر سے باچھیں کھول کھول کر گفتگو کرنے والے ہوں گے۔''

جہنمی اور جنتی لوگوں کی صفات

(٢٤٨٨)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ أَهْلَ النَّارِ كُلُّ جَعْظَرِيٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ، جَمَّاعٍ مَنَّاعٍ، وَأَهْلُ الْجَنَّةِ الضُّعَفَاءُ الْمَغْلُوْبُوْنَ۔)) (الصحيحة:١٧٤١)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہر بدمزاج (و بدخلق)، اکڑ کر چلنے والا، متکبر، بہت زیادہ مال جمع کرنے والا اور بہت زیادہ بخل کرنے والا سب جہنمی لوگ ہیں اور کمزور اور مغلوب لوگ جنتی ہیں۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ٢/ ٤٩٩، وأحمد: ٢/ ١١٤

شرح: ...... اس حدیث میں بدخلقی و بدمزاجی، غرور و گھمنڈ، بڑائی و تکبر، شہرت و ناموری، مال و دولت اور کنجوسی و بخیلی کی مذمت کی گئی ہے اور ان صفات کے حاملین کو دوزخی کہا گیا ہے، جبکہ کمزور، غریب اور گوشۂ خمول میں رہنے والے لوگوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے، جن کو معاشرے میں کوئی امتیازی مقام حاصل نہیں ہوتا، وہ مغلوب اور بے بس ہوتے ہیں اور کوئی بھی ان کو وقعت نہیں دیتا، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز و مکرم ہوتے ہیں۔

ہر عروج کو زوال ہے

(٢٤٨٩)۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَتْ نَاقَةٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ تُسَمَّى الْعَضْبَاءَ، وَكَانَتْ لَا تُسْبَقُ، فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ عَلَى قَعُوْدٍ لَهُ، فَسَبَقَهَا، فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ، وَقَالُوْا: سُبِقَتِ الْعَضْبَاءُ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ: أَنْ لَا يَرْفَعَ شَيْئًا مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهُ۔)) (الصحيحة: ٣٥٢٥)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی ایک اونٹنی تھی، اس کو عضبا کہا جاتا تھا اور کوئی (دوسری اونٹنی) اس سے آگے نہیں گزر سکتی تھی۔ ایک بدو اپنے اونٹ پر آیا، وہ اُس سے آگے نکل گیا، یہ بات مسلمانوں پر بڑی گراں گزری، وہ کہنے لگے کہ عضبا تو پیچھے رہ گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ پر حق ہے کہ وہ دنیا میں جس چیز کو رفعت عطا کرے، اسے پست بھی کرے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٦٥٠١، وابن حبان: ٧٠١، والنسائي: ٢/ ١٢٢، وأبوداود: ٤٨٠٢، والبيهقي في "الشعب": ٧/ ٣٤١/ ١٠٥١٠، وأحمد: ٣/ ١٠٣

شرح: ...... شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ صاحب نے کہا: اس حدیث میں دنیا سے بے رغبتی دلائی گئی ہے کہ

اس میں جو چیز بھی رفعت اختیار کرتی ہے، وہ بالآخر پست ہو جاتی ہے۔ حافظ منذری کہتے ہیں: بعض نے کہا کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی قدر و منزلت بیان کی گئی ہے کہ یہ حقیر اور پست چیز ہے۔ درحقیقت نبی کریم ﷺ اپنی امت کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ دنیا کے مال و متاع کی بنا پر فخر و مباہاۃ کرنا ترک کردیں اور ہر اہل دین و دانش کو چاہئے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرے اور اس کو پا کر دوسروں پر برتری جتانا چھوڑ دے، کیونکہ دنیوی ساز و سامان بہت قلیل ہے اور اس کا حساب و کتاب بڑا طویل ہے۔ (عون المعبود)

مؤمنانہ صفات اور منافقانہ خصائل اور دونوں کے تقاضے

(٢٤٩٠)۔ عَنْ إِيَاسِ بْنِ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ الْمُزَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قُرَّةَ الْمُزَنِيِّ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَذُكِرَ عِنْدَهُ الْحَيَاءُ فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلْحَيَاءُ مِنَ الدِّيْنِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ الْحَيَاءَ وَالْعَفَافَ وَالْعِيَّ۔ عِيَّ اللِّسَانِ لَا عِيَّ الْقَلْبِ۔ وَالْفِقْهَ مِنَ الإِيْمَانِ، وَإِنَّهُنَّ يَزِدْنَ فِي الآخِرَةِ وَيَنْقُصْنَ مِنَ الدُّنْيَا، وَمَا يَزِدْنَ فِي الآخِرَةِ أَكْثَرُ مِمَّا يَنْقُصْنَ مِنَ الدُّنْيَا وَإِنَّ الشُّحَّ وَالْفُحْشَ وَالْبَذَاءَ مِنَ النِّفَاقِ، وَإِنَّهُنَّ يَنْقُصْنَ مِنَ الآخِرَةِ، وَيَزِدْنَ فِي الدُّنْيَا، وَمَايَنْقُصْنَ مِنَ الآخِرَةِ أَكْثَرُ مِمَّا يَزِدْنَ مِنَ الدُّنْيَا۔)) قَالَ إِيَاسٌ: فَحَدَّثْتُ بِهِ عُمَرَ بْنَ عَبْدِالْعَزِيْزِ، فَأَمَرَنِيْ فَأَمْلَيْتُهَا عَلَيْهِ، ثُمَّ كَتَبَهُ بِخَطِّهِ، ثُمَّ صَلَّى بِنَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَإِنَّهَا لَفِيْ كَفِّهِ مَايَضَعُهَا۔

(الصحيحة: ٣٣٨١)

ایاس بن معاویہ بن قرۃ مزنی اپنے باپ سے، وہ ان کے دادا قرہ بن مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، حیا کا تذکرہ ہونے لگا۔ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا حیا بھی دین کا حصہ ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ حیا، پاک دامنی، عجز و عاجزی اور سمجھ بوجھ ایمان سے ہیں (عجز و عاجزی سے مراد زبان کا عجز ہے، نہ کہ دل کا)۔ ان امور سے آخرت (کے معاملے) میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ دنیا میں ہونے والی کمی سے زیادہ ہے۔ بلاشبہ بخل، بدکاری اور بدگوئی نفاق میں سے ہے، یہ چیزیں آخرت کا نقصان کرتی ہیں اور دنیا میں زیادتی کرتی ہیں۔ لیکن ان امور سے آخرت (کے معاملے) میں ہونے والی کمی دنیا میں ہونے والے اضافے سے زیادہ ہے۔'' ایاس نے کہا: میں نے یہ حدیث عمر بن عبدالعزیز سے بیان کی، پھر ان کے حکم پر اس کی املا کی، پھر انہوں نے یہ حدیث اپنے خط سے لکھی، پھر جب انہوں نے ہمیں ظہر اور عصر کی نمازیں پڑھائیں تو وہ خط ان کی ہتھیلی میں تھا، اُس کو رکھا نہیں تھا۔

تخريج: أخرجه يعقوب بن سفيان الفَسَوِيّ في "المعرفة": قال: ١/ ٣١١، والبيهقى فى "الآداب": ١٣٢/ ١٩٩، و "الشعب": ٦/ ١٣٤، و "السنن الكبرى": ١٠/ ١٩٤، والبخارى فى "التاريخ": ٤/ ١/ ١٨١،

والطبرانی فی "المعجم الکبیر": ۱۹/ ۲۹

شرح :...... شرم وحیا، عفت و پاکدامنی، عاجزی وانکساری اور دین میں فقہ وفقاہت جیسی صفات سے اہل ایمان لوگ متصف ہوتے ہیں، بعض اوقات ان خصائل کی وجہ سے ظاہری اور وقتی طور پر دنیوی منزلت ومرتبت میں کمی آتی ہے، لیکن اخروی زندگی سنور جاتی ہے، جس کی اہمیت دنیا کی زندگی سے کہیں زیادہ ہے۔ جبکہ منافق لوگ بدگوئی وفحش گوئی، بخیلی و کنجوسی اور بدکاری و بدکرداری جیسی مذموم صفات کو اپناتے ہیں، اگرچہ ان صفات کی بنا پر منافقوں پر دنیوی چمک دمک کے لشکارے پڑتے ہیں، لیکن مرنے کے بعد کی زندگی کا جو خسارہ ہو جاتا ہے، اس کی تلافی نہیں ہوتی۔

ہمیں چاہیے کہ اگر شرعی احکام پر عمل کرنے کی وجہ سے دنیوی جاہ وجلال اور مقام و مرتبہ میں کمی آتی ہے، تو اس کی پرواہ نہ کریں، کیونکہ اخروی زندگی کے مقابلے میں ایسا نقص کوئی وقعت نہیں رکھتا ہے، یہ زندگی چند ایام پر مشتمل ہے، جو چند لمحات میں گزر جائیں گے، اس لیے ابدی اور سرمدی حیاتِ آخرت کو انتہائی عارضی اور غیر پائیدار زندگی پر ترجیح دینی چاہیے۔

والدین کے حق میں اولاد کی دعا کی برکتیں

(۲٤۹۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((إِنَّ الرَّجُلَ لَتُرْفَعُ دَرَجَتُهُ فِي الْجَنَّةِ، فَيَقُوْلُ: أَنّٰى لِي هٰذَا؟ فَيُقَالُ: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ۔)) (الصحيحة:۱۵۹۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلاشبہ ایک آدمی کا جنت میں درجہ بلند کیا جاتا ہے، وہ کہتا ہے، یہ مجھے کیسے مل گیا؟ (جوابًا) کہا جاتا ہے: تیرے بچے کا تیرے حق میں استغفار کرنے کی وجہ سے۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ۳٦٦۰، وأحمد: ۲/ ۵۰۹، وابن أبي شيبة في "المصنف": ۱۲/ ٤٤/ ۱، والأصبهاني في "الترغيب": ۸۵/ ۲، والبغوي في "شرح السنة" ۲/ ۸٤/ ۲، والضياء في "المنتقي من مسموعاته بمرو": ۵۵/ ۱

شرح :...... اولاد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اولاد جہاں دنیا میں باعثِ اعزاز ٹھہرتی ہے، وہاں اخروی زندگی میں یہ اپنے والدین لیے کے مفید ہو سکتی ہے، بشرطیکہ والدین اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داریاں ادا کریں۔ چشمِ فلک شاہد ہے کہ جن لوگوں نے صرف اپنے بچوں کی دنیوی تعلیم ومنصب اور دنیوی مال و دولت پر توجہ دی، ایسی اولاد والدین کی زندگی میں بھی ان کے لیے پریشانی کا سبب بنتی ہے اور ان کے مرنے کے بعد ان کو سب سے پہلے بھلا دینے والی ہوتی ہے۔ اولاد کے لیے دنیوی اسباب وذرائع جمع کرنا قابل مذمت نہیں ہے، لیکن دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ لینا اور دینی تعلیمات کی طرف توجہ نہ دینا ہر اعتبار سے مذموم اقدام ہے۔ مثلاً عصر حاضر میں ہر کوئی اپنے بچے کے لیے نہ صرف اچھے سکول کا انتخاب کرتا ہے، بلکہ سکول کے تمام تقاضے بھی پورے کرتا ہے، مقررہ اوقات پر سکول تک بچوں کو پہنچانا، بہت زیادہ فیسیں ادا کرنا، گھر میں ٹیوشن کا اہتمام کرنا، سکول کی میٹنگز میں شرکت کرنا، وغیرہ۔ لیکن ایسے والدین

بچوں کے صوم و صلاۃ، دینی تعلیم و تربیت اور قرآن و حدیث کی تعلیم پر کوئی توجہ نہیں دیتے؟ کیا شام کو نماز کی حاضری لگاتے ہیں، کیا نماز کے اوقات میں مساجد میں اپنے بچوں کی خبر لیتے ہیں؟ اگر جواب منفی میں موصول ہو تو کہنا پڑے گا کہ ایسے والدین اپنی اولاد کے حق میں بہت بڑے ظالم ہیں کہ ان کی آخرت پر کوئی توجہ نہیں کر رہے، یہ اس لائق ہیں کہ اولاد بھی ان کے ساتھ بے وفائی کرے اور ایسا ہی ہوگا۔

مذکورہ حدیث میں اولاد کی والدین کے حق میں دعاؤں کا نتیجہ دیکھیں کہ ان کے درجات بلند ہو جاتے ہیں اور ان کو خبر تک نہیں ہوتی۔

دلوں کو دلوں سے راہ ہوتی ہے

(٢٤٩٢)۔ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ أَبَاه قَالَ: رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنِّي أَسْجُدُ عَلَى جَبْهَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَأَخْبَرْتُ بِذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: ((إِنَّ الرُّوْحَ لَتَلْقَى الرُّوْحَ وَفِيْ رِوَايَةٍ: اِجْلِسْ وَاسْجُدْ وَاصْنَعْ كَمَا رَأَيْتَ)) وَأَقْنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰكَذَا قَالَ عَفَّانُ بِرَأْسِهِ إِلَى خَلْفٍ فَوَضَعَ جَبْهَتَهُ عَلَى جَبْهَةِ النَّبِيِّ ﷺ۔ (الصحيحة:٣٢٦٢)

حضرت عمارہ بن خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے باپ نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی پیشانی پر سجدہ کر رہا ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس چیز کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً روح، روح سے ملاقات کرتی ہے''۔ ایک روایت میں ہے: ''بیٹھ اور سجدہ کر اور اُس طرح کر جس طرح تو نے دیکھا۔'' رسول اللہ نے اپنا سر اس طرح جھکایا (اس کیفیت کو بیان کرنے کے لیے عفان نے اپنا سر پیچھے کی طرف کیا)، پھر اُس نے اپنی پیشانی رسول اللہ کی پیشانی پر رکھی۔

تخريج: أخرجه النسائي في "السنن الكبرى": ٤/ ٣٨٤/ ٧٦٣١، وابن أبي شيبة في "المصنف": ١١/ ٧٨/ ١٠٥٦٤، وأحمد: ٥/ ٢١٤، ٢١٥، وابن سعد: ٤/ ٣٨٠، والطبراني في "المعجم الكبير": ٤/ ٩٧/ ٣٧١٧

شرح: ...... آپ ﷺ نے سیدنا خزیمہ رضی اللہ عنہ کو یہ موقع عطا کیا کہ وہ اپنے خواب کو حقیقت کے روپ میں دیکھ لے، یاد رہے کہ یہ سجدہ اللہ تعالی کے لیے تھا، اس میں آپ ﷺ کے چہرے کی حیثیت اس چٹائی اور مصلّی کی تھی، جس پر سجدہ کیا جاتا ہے۔ چونکہ نیند موت کی ہی ایک قسم ہے، اس میں روح بندے کے جسم سے ایک خاص انداز میں خارج ہو جاتی ہے کہ اس کا تعلق جسم سے یک گنا برقرار بھی رہتا ہے، ممکن ہے کہ آپ ﷺ بھی اس وقت سوئے ہوئے ہوں اور آپ ﷺ کی روح اور سیدنا خزیمہ رضی اللہ عنہ کی روح کی آپس میں ملاقات ہو گئی ہو، جیسا کہ حدیثِ نبوی کے مطابق مرنے کے بعد مومنوں کی روحیں ایک مقام پر جمع ہو کر آپس میں ایک دوسرے کی معرفت حاصل کرتی ہیں اور دوسروں کے متعلق باتیں کرتی ہیں۔

مسئولیت و امارت

(٢٤٩٣)۔ عَنْ حُمَيْدٍ، قَالَ: عَنْ رَجُلٍ، قَالَ: اسْتَعْمَلَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلاً عَلٰى سَرِيَّةٍ، فَلَمَّا مَضٰى وَرَجَعَ إِلَيْهِ قَالَ لَهُ: ((كَيْفَ وَجَدْتَ الإِمَارَةَ؟)) فَقَالَ: كُنْتُ كَبَعْضِ الْقَوْمِ، كُنْتُ إِذَا رَكِبْتُ رَكِبُوْا، وَإِذَا نَزَلْتُ نَزَلُوْا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ صَاحِبَ السُّلْطَانِ عَلٰى بَابِ عَنَتٍ، إِلَّا مَنْ عَصَمَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ۔)) فَقَالَ الرَّجُلُ: وَاللّٰهِ! لَا أَعْمَلُ لَكَ وَلَا لِغَيْرِكَ أَبَدًا۔ فَضَحِكَ النَّبِيُّ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ۔ (الصحيحة:٣٢٣٩)

حمید سے روایت ہے، وہ ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں، کہ: رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو لشکر کا امیر مقرر کیا، وہ چلا گیا اور جب آپ کی طرف واپس لوٹا تو آپ ﷺ نے اُس سے پوچھا: ''تم نے امارت کو کیسا پایا؟'' اُس نے کہا: بس میں بعض لوگوں کی طرح ہی رہا، جب میں سوار ہوتا تو وہ بھی سوار ہو جاتے اور جب میں اترتا تو وہ بھی اتر جاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک امیر راہِ گناہ پر ہوتا ہے، مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچالے۔'' اس آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! میں (آئندہ) آپ کا عامل بنوں گا نہ کسی اور کا۔ رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی داڑھیں ظاہر ہونے لگیں۔

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٤/ ٥٥/ ٣٦٠٣

شرح: ...... امارت و خلافت اور حکومت و سلطنت یا اس کا کوئی بھی منصب بہت بڑی ذمہ داری ہے، اس سے عہدہ برآ ہونا نہایت مشکل امر ہے۔ ایسا مسئول ہر وقت بے انصافی اور غلطی کے دہانے پر کھڑا رہتا ہے۔ بالخصوص عصر حاضر میں کہ ملک، صوبے اور ڈویژن کو چھوڑیں ایک شہر کی امارت کی ذمہ داریاں ادا کرنا محال اور ناممکن نظر آتا ہے، موجودہ ایم، این، اے یا ایم، پی، اے یا ضلع ناظم اور تحصیل ناظم کی صورتحال عیاں ہے کہ یہ لوگ حلف اٹھاتے وقت کیا کیا اقرار کرتے ہیں اور ذمہ داریاں ادا کرتے وقت کیا کیا گھپلے کرتے ہیں۔ ہاں جو جائز و ناجائز کا لحاظ کرے، عدل و انصاف کرے، اپنے اور بیگانے میں پردۂ امتیاز حائل نہ ہونے دے، اپنے عاملوں کو عہدہ دیتے وقت صلاحیتوں کا خیال رکھے، نہ کہ قرابتداریوں کا تو منصب قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن یہ حقوق ادا کرنا جو کے دو دانوں میں گرہ لگانے کے مترادف ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ۔)) (ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ) ...... ''جسے لوگوں کے مابین قاضی بنا دیا گیا وہ ایسے ہی ہے جیسے اسے بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔'' اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَنِعْمَتِ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ۔)) (بخاری) ...... ''تم لوگ لازماً حکومت کی حرص و طمع کرو گے، لیکن وہ روزِ قیامت باعثِ ندامت ہوگی۔ سو دودھ پلانے والی تو اچھی ہے، لیکن دودھ چھڑانے والی بڑی بری ہے۔''

''دودھ پلانے والی'' سے مراد دنیا میں حکومت کرتے ہوئے مال و زر، جاہ و منصب، عزت و کرامت، حکم و فرمان کا نفاذ، اپنوں کو عزتیں عطا کرنا اور بیگانوں کو دبانا اور دیگر مختلف فوائد ہیں، جن کی بنا پر بندے کو اپنی زندگی میں بڑا لطف آتا ہے۔ ''دودھ چھڑانے والی'' سے مراد روزِ قیامت کا حساب و کتاب اور باز پرس ہے، جس سے اہل حکومت لوگوں کا عہدہ برآ ہونا بہت مشکل ہوگا۔

بندگانِ خدا کا صبر و تحمل اور رحم و کرم

(٢٤٩٤)۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: لَمَّا قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ غَنَائِمَ حُنَيْنٍ (بِالْجِعْرَانَةِ) ازْدَحَمُوْا عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: ((إِنَّ عَبْداً مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ بَعَثَهُ اللّٰهُ إِلٰى قَوْمِهِ، فَكَذَّبُوْهُ وَشَجُّوْهُ، فَكَانَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ جَبْهَتِهِ وَيَقُوْلَ: اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِقَوْمِيْ، فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔)) قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ: فَكَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ يَحْكِي الرَّجُلَ يَمْسَحُ عَنْ جَبْهَتِهِ۔))

الصحيحة: ٣١٧٥)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ نے مقام جعرانہ پر حنین کا مالِ غنیمت تقسیم کیا، صحابہ نے آپ کے ارد گرد بہت بھیڑ کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ تھا، اللہ نے اسے اس کی قوم کی طرف بھیجا، انہوں نے اُس کی تکذیب کی اور اُس کا سر پھوڑ دیا۔ وہ اپنی پیشانی سے خون صاف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اے اللہ میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ وہ جانتے نہیں ہیں۔'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: گویا کہ اب بھی میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں، جبکہ آپ ﷺ اس آدمی کی نقل اتارتے ہوئے اپنی پیشانی پونچھ رہے تھے۔

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٧٥٧، وأحمد: ١/ ٤٣٧، ٤٥٦، والحديث أخرجه البخاري: ٣٤٧٧، ومسلم: ٥/ ١٧٩ وغيرهما مختصرا

شرح:...... یہ چیز وارثینِ علمِ نبوت اور مبلّغ و مربی احباب کے لیے کلیدی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ تبلیغ و دعوت کی راہ میں تکلیفیں برداشت کریں اور لوگوں کی بداخلاقی اور بدسلوکی کے مقابلے میں عفو و درگزر سے کام لیں اور جاہلوں سے جاہلوں والا معاملہ نہ کریں۔ یہ اخلاقی خوبی اور کردار کی بلندی، ایک داعیٔ دین کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اس حدیث پر عمل کرنا آسان ہوسکتا ہے، بشرطیکہ اگر ہم دوسرے لوگوں پر احسان کرنا چاہتے ہوں تو وہ اللہ تعالی کے لیے کریں، نہ کہ ان لوگوں کی شخصیت کو دیکھ کر، کیونکہ اگر ایسے لوگوں کی طرف سے بہترین انداز میں صلہ نہ ملا تو معاملہ اللہ تعالی کے سپرد کر دیا جائے گا اور اُن لوگوں سے پھر بھی رابطہ بحال رکھا جائے گا اور ان کی ہدایت و رشد کی دعا کی جائے گی، کیونکہ بیچ میں اللہ تعالی کی ذات کا معاملہ ہے، لیکن اگر کسی احسان کے لیے کسی کی شخصیت کو مدنظر رکھا جائے گا تو مذکورہ بالا حدیث پر عمل کرنا ناممکن ہوگا۔

اللہ اور اس کے رسول کا محبوب بننا کیسے ممکن ہے؟

(٢٤٩٥)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: نَزَلَ بِـالنَّبِيِّ أَضْيَافٌ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِوَضُوْئِهِ، فَتَوَضَّأَ فَبَادَرُوْا إِلَى وَضُوْئِهِ فَشَرِبُوْا مَا أَدْرَكُوْهُ مِنْهُ وَمَا انْصَبَّ مِنْهُ فِي الأَرْضِ فَمَسَحُوْا بِهِ وُجُوْهَهُمْ وَرُؤُوْسَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ، فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ مَادَعَاكُمْ إِلَى ذٰلِكَ؟ قَالُوْا: حُبًّا لَكَ، لَعَلَّ اللّٰهَ يُحِبُّنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ!۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ أَنْ يُحِبَّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ فَحَافِظُوْا عَلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ: صِدْقِ الْحَدِيْثِ وَأَدَاءِ الأَمَانَةِ، وَحُسْنِ الْجِوَارِ، فَإِنَّ أَذَى الْجَارِ يَمْحُو الْحَسَنَاتِ كَمَا تَمْحُو الشَّمْسُ الْجَلِيْدَ۔)) (الصحيحة:٢٩٩٨)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: بحرین سے آنے والے مہمان نبی کریم ﷺ کے ہاں ٹھہرے، آپ نے وضو کا پانی منگوایا اور وضو کیا، وہ آپ کے وضو کے پانی کی طرف لپکے، اُس میں سے انہوں نے جو پانی پایا، پی لیا اور جو زمین پر گرا ہوا تھا اُسے اپنے چہروں، سروں اور سینوں پر مل لیا۔ نبی کریم ﷺ نے اُن سے پوچھا: ''کس چیز نے تم کو ایسا کرنے پر اکسایا ہے؟'' انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کی محبت نے۔ شاید (محبت کے اسی انداز کی بنا پر) اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کا رسول تم سے محبت کریں تو ان تین خصلتوں کی حفاظت کرو: (۱) سچی بات (۲) امانت کی ادائیگی اور (۳) اچھا پڑوسی بننا۔ (یادر ہے کہ) پڑوسی کو تکلیف دینا نیکیوں کو اس طرح زائل کرتا ہے جس طرح سورج برف کو زائل کر دیتا ہے۔''

تخريج: رواه الخلعي في "الفوائد": ١٨/ ٧٣/ ١

شرح:...... ایک عربی ضرب المثل ہے: "إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ۔" ...... محبّ اپنے محبوب کا فرماں بردار ہوتا ہے۔

محبت کا تعلق نعرہ بازی اور ظاہری دعوی سے نہیں ہے۔ محبّ کی زبان نہیں، اس کی ادائیں محبوب کا تعین کرتی ہیں۔ یا یوں سمجھیں کہ ہم اپنے دوستوں کے سامنے ان سے محبتوں کا اظہار نہیں کرتے، بلکہ عملی طور پر ان کے تعلق کے تقاضے پورے کرتے ہیں، ان کی خوشی غمی میں شریک ہوتے ہیں، ان کے مطالبات پورے کرتے ہیں اور جو کچھ وہ کہہ دیں ان کی زبان اور شخصیت کا ہر ممکنہ لحاظ کرتے ہیں۔ ہمارے دوست سمجھ جائیں گے کہ ہم ان کے حق میں مخلص ہیں۔

محبت کا یہی اصول رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مستعمل ہوگا، یعنی عملاً آپ کی سنتوں کا احترام کیا جائے گا، کوئی کام کرنے یا نہ کرنے کی اجازت آپ ﷺ سے طلب کی جائے گی۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے تین اعمال کی نشاندہی کی کہ اگر ان کو سرانجام دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ دونوں کی محبت نصیب ہوگی: سچی گفتگو کرنا، امانت ادا کرنا اور پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا۔

اللہ تعالی کے اولیا کی صفات

(٢٤٩٦)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا۔ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا لَيْسُوْا بِأَنْبِيَاءٍ وَلَا شُهَدَاءٍ، يَغْبِطُهُمُ الشُّهَدَاءُ وَالأَنْبِيَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لِقُرْبِهِمْ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَجْلِسِهِمْ مِنْهُ فَجَثَا أَعْرَابِيٌّ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! صِفْهُمْ لَنَا وَجَلِّهِمْ لَنَا۔ قَالَ: قَوْمٌ مِنْ أَفْنَاءِ النَّاسِ، مِنْ نُزَّاعِ الْقَبَائِلِ، تَصَادَقُوْا فِي اللّٰهِ، فَتَحَابُّوْا فِيْهِ، يَضَعُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ، يَخَافُ النَّاسُ وَلَا يَخَافُوْنَ، هُمْ أَوْلِيَاءُ اللّٰهِ۔ عَزَّوَجَلَّ۔ اَلَّذِيْنَ ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾۔)) (الصحيحة:٣٤٦٤)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں، جو انبیا ہیں نہ شہداء، لیکن شہدا و انبیا اُن پر رشک کریں گے، اس کی وجہ ان کا اللہ تعالی سے قرب اور اس کے ساتھ مجلس ہوگی۔ ایک اعرابی اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے ان کی صفات بیان کرو اور ان کو واضح کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ غیر معروف قبائل کے نامعلوم النسب لوگ ہوں گے، جو اللہ تعالی کے لیے باہم دوستی رکھیں گے اور اور اسی کے لیے ایک دوسرے سے محبت کریں گے، قیامت کے روز اللہ عزوجل اُن کے لیے نور کے منبر رکھے گا۔ دوسرے لوگ خوفزدہ ہوں گے، لیکن ان کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ یہی لوگ اللہ تعالی کے اولیا ہیں کہ (فرمانِ الٰہی کے مطابق) جن پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

تخريج: أخرج الحاكم في "المستدرك": ٤/ ١٧٠

شرح:...... اس میں صرف اللہ تعالی کے لیے اور اس کی جلالت وعظمت کی خاطر آپس میں محبت کرنے والوں کی عظیم منقبت کا بیان ہے، جو ان کو روزِ قیامت عند اللہ حاصل ہوگی۔

یادر ہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں: (۱) طبعی اور (۲) کسبی۔

طبعی محبت وہ انسان کو طبعی طور پر اپنے قرابتداروں اور محسنوں سے ہوتی ہے، یہ محبت انسان کا کمال اور طرۂ امتیاز نہیں، کیونکہ تقریبا تمام حیوانات بھی اس صفت سے متصف نظر آتے ہیں۔

کسبی محبت سے مراد مومنوں کا آپس میں تعلق اور دوستی ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص مہاجرین وانصار کے مابین تھی، یہ دینی محبت صرف اللہ تعالی کے لیے ہوتی ہے، اس سے کوئی دنیوی مفاد اور غرض وابستہ نہیں ہوتی۔ ایسی محبت کو نہ صرف شریعتِ اسلامیہ میں سراہا گیا ہے، بلکہ ایمان وایقان کی علامت قرار دیا گیا ہے، یادر ہے کہ ایسی محبت و الفت صرف نیک اور صالح لوگوں سے ہوتی ہے۔

انبیا ورسل کا مقام ومرتبہ تمام امتیوں سے زیادہ ہوگا، اس حدیث میں رشک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اِن لوگوں

کے حالات کو اچھا سمجھیں گے اور ان پر خوش ہوں گے، کیونکہ قاموس میں "غِبْطَة" کا معنی "حُسْنُ الْحَالِ وَالْمَسَرَّة" بیان کیا گیا ہے۔ نیز اس کا دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد اُن کی فضیلت وعظمت اور عالی مرتبت و منزلت بیان کرنا ہے، یعنی اللہ تعالی کی جلالت وعظمت کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنے والوں کا مقام و مرتبہ اس کے ہاں روزِ قیامت اتنا عالی شان ہوگا کہ انبیا کرام، باوجود اس بات کے کہ وہ جلالت وعظمت کے اعلی مقام پر فائز ہوں گے، کو بھی رشک ہوگا۔

تصنع اور تکلف سے گفتگو کرنا ناپسندیدہ ہے

(٢٤٩٧)۔ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعًا: ((إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ، وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا، وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَيْهِقُوْنَ، قَالُوْا: قَدْ عَلِمْنَا "الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ" فَمَا الْمُتَفَيْهِقُوْنَ؟ قَالَ: ((الْمُتَكَبِّرُوْنَ۔)) (الصحيحة:٧٩١)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے تم میں سے سب سے زیادہ محبوب اور روزِ قیامت مجلس کے لحاظ سے میرا سب سے زیادہ قریبی وہ ہوگا جو تم میں اخلاق کے لحاظ سے بہت عمدہ ہو اور تم میں سے مجھے سب سے زیادہ نفرت والے اور روزِ قیامت مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو فضول بولنے والے، گفتگو کے لیے باچھوں کو موڑنے والے اور تکبر کرنے والے ہوں۔'' صحابہ نے کہا: ہم "ثَرْثَارُوْن" اور "مُتَشَدِّقُوْن" کا معنی تو سمجھتے ہیں، "مُتَفَيْهِقُوْن" سے کون لوگ مراد ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تکبر کرنے والے۔''

تخریج: أخرجه الترمذي: ١/ ٣٦٣، والخطيب في "التاريخ": ٤/ ٦٣

شرح:...... اس حدیث میں حسنِ اخلاق کی ترغیب اور غیر ضروری اور غیر محتاط اور تصنع و بناوٹ سے گفتگو کرنے اور اس کے ذریعے سے دوسروں پر رعب و برتری جتانے سے اجتناب کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ گویا کم بولنا اور سادگی سے گفتگو کرنا پسندیدہ ہے اور اس کے برعکس زیادہ بولنا اور وہ بھی دوسروں پر ہیکڑ جمانے کے لیے گفتگو میں تیزی وطراری اور تصنع اختیار کرنا سخت ناپسندیدہ ہے۔

زیادہ آزمائشوں میں مبتلا ہونے والے لوگ

(٢٤٩٨)۔ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ: سَمِعْتُ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ حُذَيْفَةَ يُحَدِّثُ عَنْ عَمَّتِهِ فَاطِمَةَ، قَالَتْ أَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَعُوْدُهُ فِي نِسَاءٍ، فَإِذَا سِقَاءٌ مُعَلَّقٌ نَحْوَهُ،

حصین بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے ابوعبیدہ بن حذیفہ سے سنا، وہ اپنی پھوپھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں: ہم چند عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمار داری کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

يَقْطُرُ مَاؤُهُ عَلَيْهِ (وَفِي رِوَايَةٍ: عَلَى فُؤَادِهِ) مِنْ شِدَّةِ مَا يَجِدُ مِنْ حَرِّ الْحُمّٰى، قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَوْ دَعَوْتَ اللّٰهَ فَشَفَاكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ بَلَاءً الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ.)) (الصحيحة:٣٢٦٧)

گئیں، بخار کی حرارت کی شدت کی وجہ سے ایک مشکیزہ آپ کی طرف لٹکا ہوا تھا، اس کا پانی آپ پر اور ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ کے دل پر گر رہا تھا۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ اللہ سے دعا کریں تو آپ کو شفا دے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں میں سب سے سخت آزمائش انبیا پر آتی ہے، پھر اُن پر جو (مرتبے میں) ان کے قریب ہوں، پھر ان پر جو ان کے قریب ہیں، اور پھر ان پر جو ان کے قریب ہوں۔''

تخريج: أخرجه النسائي في "السنن الكبرى": ٤/ ٣٥٥/ ٧٤٩٦ و ٧٣٧٩، والحاكم: ٤/ ٤٠٤، وأحمد: ٦/ ٣٦٩، ومن طريقه الحفاظ المزي في "التهذيب": ٣٤/ ٥٥، وابن سعد في "الطبقات": ٣٢٥، والطبراني في "المعجم الكبير": ٢٤/ ٢٤٥/ ٦٢٩

شرح: ...... انبیا علیہم السلام کو زیادہ تکالیف آتی ہیں، ان سے ان کے اجر وثواب اور مقام ومرتبہ میں اضافہ ہوتا ہے، گویا مسلمان پر آلام ومصائب کی زیادتی کمال ایمان کی علامت ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی دلیل۔ انبیا و رسل کے بعد جو جس قدر زیادہ متقی و پارسا ہوگا، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کی بلندی کے لیے ان کو مختلف آزمائشوں میں مبتلا کر دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مسلمان پر احسان ہے کہ وہ جس غم، فکر اور تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے، وہ اس کے لیے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔

بڑی مفسدت سے بچنے کے لیے چھوٹی مفسدت کا ارتکاب کرنا درست ہے

(٢٤٩٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((إِنَّ مُوْسٰى كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا سِتِّيْرًا لَا يُرٰى مِنْ جِلْدِهِ شَيْءٌ اسْتِحْيَاءً مِنْهُ، فَآذَاهُ مَنْ آذَاهُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيْلَ، فَقَالُوْا: مَا يَسْتَتِرُ هٰذَا التَّسَتُّرَ إِلَّا مِنْ عَيْبٍ بِجِلْدِهِ إِمَّا بَرَصٍ وَإِمَّا أُدْرَةٍ وَإِمَّا آفَةٍ، وَإِنَّ اللّٰهَ أَرَادَ أَنْ يُبَرِّئَهُ مِمَّا قَالُوْا لِمُوْسٰى، فَخَلَا يَوْمًا وَحْدَهُ، فَوَضَعَ ثِيَابَهُ عَلَى الْحَجَرِ، ثُمَّ اغْتَسَلَ فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ إِلٰى ثِيَابِهِ لِيَأْخُذَهَا، وَإِنَّ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک موسیٰ علیہ السلام بڑے ہی شرم والے اور بدن ڈھانپنے والے شخص تھے، ان کی حیا کی وجہ سے اُن کے بدن کا کوئی حصہ دیکھا نہیں جا سکتا تھا، بنو اسرائیل کے جن لوگوں نے آپ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی تھی، انہوں نے کہا: یہ آدمی اپنے کسی جسمانی عیب کی وجہ سے اتنا پردہ کرتا ہے، یا تو پھلبہری ہے یا خصیتین بڑھے ہوئے ہیں یا کوئی اور آفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی لگائی ہوئی تہمت سے بری کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک دن موسیٰ علیہ السلام خلوت میں گئے

الْحَجَرَ عَدَا بِثَوْبِهِ، فَأَخَذَ مُوْسٰى عَصَاهُ وَطَلَبَ الْحَجَرَ، فَجَعَلَ يَقُوْلُ: ثَوْبِي حَجَرُ! ثَوْبِي حَجَرُ! حَتَّى انْتَهٰى إِلٰى مَلَاءٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيْلَ فَرَأَوْا عُرْيَانًا أَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ وَأَبْرَأَهُ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ، قَالُوْا: وَاللّٰهِ مَا بِمُوْسٰى مِنْ بَأْسٍ وَقَامَ الْحَجَرُ، فَأَخَذَ ثَوْبَهُ فَلَبِسَهُ وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا بِعَصَاهُ، فَوَاللّٰهِ! إِنَّ بِالْحَجَرِ لَنَدَبًا مِنْ أَثَرِ ضَرْبِهِ، ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا أَوْ خَمْسًا فَذٰلِكَ قَوْلُهُ: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ آذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴾.)) (الاحزاب: ٦٩) (الصحيحة: ٣٠٧٥)

اور کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھے، پھر غسل کیا۔ جب فارغ ہوئے تو کپڑے لینے کے لیے گئے۔ (لیکن ہوا یہ کہ) پتھر آپ کے کپڑوں سمیت بھاگ پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑ پڑے اے پتھر! میرے کپڑے دے جا۔ اے پتھر! میرے کپڑے دے جا۔ (دوڑتے دوڑتے) وہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے آپ کو برہنہ حالت میں دیکھا اور اللہ کی مخلوق میں آپ کو سب سے حسین اور اپنے لگائے ہوئے عیب سے مکمل بری پایا۔ انہوں نے خود کہا: اللہ کی قسم! موسیٰ میں تو کوئی نقص نہیں ہے۔ وہاں پتھر ٹھہر گیا، آپ (علیہ السلام) نے اپنے کپڑے لیے اور پہنے اور لاٹھی سے پتھر کو مارنا شروع کر دیا۔ اللہ کی قسم! اس پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مارنے کی وجہ سے تین یا چار یا پانچ نشانات بھی تھے اور یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان (کا مصداق ہے): 'اے ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ، جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی تو اللہ نے اُسے اُس (تہمت) سے بری قرار دیا جو انہوں نے لگائی تھی اور وہ اللہ کے ہاں بڑی وجاہت و مرتبت والے تھے۔''

تخریج: أخرجه البخاري: ٢٧٨، ٣٤٠٤، ٤٧٩٩، والسياق له، ومسلم: ١/ ٨٣، ٧/ ٩٩، وأبو عوانة: ١/ ٢٨١، والزيادة لهما، والترمذي: ٣٢١٩، وأحمد: ٢/ ٣٢٤، ٣٩٢، ٥١٤، ٥٣٥

شرح:...... حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے حسین و جمیل اور ہر قسم کے داغ و عیب سے پاک تھے، وہ نہایت باحیا ہونے کی وجہ سے اپنا جسم ننگا نہ ہونے دیتے تھے۔ بنو اسرائیل کو شبہ ہوا اور وہ کہنے لگے کہ لگتا ہے کہ موسیٰ کے جسم میں پھلبہری کا داغ یا کوئی اور عیب ہے، جس کی وجہ سے یہ ہر وقت لباس میں ڈھکا چھپا رہتا ہے۔ ان کی باتوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام تکلیف محسوس کرتے تھے، لیکن صبر و برداشت کا دامن تھامے رکھتے تھے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے معجزانہ انداز میں ان کو ہر قسم کے الزام اور شبہ سے بری کر دیا۔ پتھر کا دوڑنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس کو مارنا معجزاتی طور پر تھا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علاج معالجہ کے لیے یا کسی عیب سے براءت کے اظہار کے لیے شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے، جیسے جب میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کے پردے والے اعضا پر پھلبہری جیسی بیماری کا دعوی کر رہا ہو، جبکہ دوسرا انکار کر رہا ہو، تو فیصلہ کرنے کے لیے اس بیماری کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ نیز یہ بھی پتہ

چلا کہ انبیا کی تخلیق ہر اعتبار سے مکمل ہوتی ہے اور جو بندہ کسی نبی کی طرف کسی نقص اور خرابی کی نسبت کرتا ہے وہ اس نبی کو تکلیف دیتا ہے اور ایسے آدمی کے حق میں کفر کا خطرہ لگتا ہے۔'' (فتح الباری)

اس قسم کی احادیث سے فقہائے اسلام نے یہ قانون صادر کیا کہ جہاں دو قسم کی مفسدتیں اور خرابیاں جمع ہو جائیں، تو کم درجہ والی مفسدت کو اختیار کر لینا چاہیے۔ ایک طرف بنی اسرائیل کے طرح طرح کے اعتراضات تھے، کوئی کہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام پھلبہری میں مبتلا ہیں، کوئی کہتا کہ ان کے خصیتین پھولے ہوئے ہیں، کوئی کسی اور آفت کا نام لیتا تھا، ان الزامات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت مجروح ہوتی تھی، دعوت و تبلیغ متأثر ہوتی تھی اور لوگ دور ہوتے تھے۔ دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو برہنہ کر کے ان تمام عیوب سے پاک ظاہر کرنا تھا۔ یہ دونوں مفسدتیں ہیں، لیکن نبی کی شان کا خیال رکھتے ہوئے ان کو ننگا دکھانے کو ترجیح دی گئی۔ یہ معاملہ ایسے ہی ہے جیسے ڈاکٹر صاحبان اور حکیم حضرات بعض بیماریوں کی تشخیص اور ان کے علاج کے لیے بعض مریض خواتین و حضرات کے پردے والے مقامات کا جائزہ لیتے ہیں۔
واللہ اعلم بالصواب

رسول اللہ ﷺ ہر کسی کا مطالبہ پورا کرنے والے تھے

(٢٥٠٠)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ هَوَازِنَ جَاءَتْ يَوْمَ حُنَيْنٍ بِالنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَالإِبِلِ وَالْغَنَمِ، فَصَفُّوهُمْ صُفُوفًا لِيُكْثِرُوا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ، فَالْتَقَى الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ، فَوَلَّى الْمُسْلِمُوْنَ مُدْبِرِيْنَ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَنَا عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ۔)) وَقَالَ: ((يَامَعْشَرَ الأَنْصَارِ! أَنَا عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ۔)) فَهَزَمَ اللّٰهُ الْمُشْرِكِيْنَ، وَلَمْ يُطْعَنْ بِرُمْحٍ، وَلَمْ يُضْرَبْ بِسَيْفٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَئِذٍ: ((مَنْ قَتَلَ كَافِراً فَلَهُ سَلْبُهُ۔)) فَقَتَلَ أَبُوْ قَتَادَةَ يَوْمَئِذٍ عِشْرِيْنَ رَجُلاً، وَأَخَذَ أَسْلَابَهُمْ، فَقَالَ أَبُوْ قَتَادَةَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! ضَرَبْتُ رَجُلاً عَلٰى حَبْلِ الْعَاتِقِ، وَعَلَيْهِ دِرْعٌ لَهُ فَأُعْجِلْتُ عَنْهُ أَنْ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ہوازن قبیلہ کے لوگ حنین والے دن عورتوں، بچوں، اونٹوں اور بکریوں سمیت آ گئے۔ اُن کو قطاروں میں کھڑا کر دیا تا کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں اپنی کثرت کو ظاہر کریں۔ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مڈبھیڑ ہوئی تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں۔'' مزید فرمایا: ''انصار کی جماعت! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست دے دی، نہ کسی کو نیزے کا زخم لگا تھا اور نہ تلوار کی چوٹ، نبی کریم ﷺ نے اُس دن فرمایا: ''جس نے کسی کافر کو قتل کیا تو اُس (مقتول) سے چھینا ہوا مال اُسی (قاتل) کے لیے ہو گا۔'' ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اُس دن بیس آدمی قتل کیے اور اُن کا مال و متاع بھی لے لیا۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے ایک آدمی کے کندھے کے پیچھے پر تلوار

آخَذَ سَلْبُهُ، فَانْظُرْ مَنْ هُوَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَنَا أَخَذْتُهَا، فَأَرْضِهِ مِنْهَا، فَأَعْطِنِيْهَا! فَسَكَتَ النَّبِيُّ ﷺ، وَكَانَ لَايُسْأَلُ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ أَوْ سَكَتَ. فَقَالَ عُمَرُ: لَا وَاللّٰهِ، لَايُفِيْءُ اللّٰهُ عَلٰى أَسَدٍ مِنْ أُسْدِهِ وَيُعْطِيْكَهَا! فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ.

(الصحيحة:٢١٠٩)

ماری اور اُس پر زرہ تھی۔ اس کا چھینا ہوا مال میرے پکڑ نے سے پہلے کسی اور نے لے لیا۔ اے اللہ کے رسول! ذرا دیکھو، وہ شخص کون ہے؟ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے وہ مال لے لیا تھا۔ آپ قتادہ کو اپنے پاس سے راضی کر دیں اور وہ مال میرے پاس ہی رہنے دیں۔ نبی کریم ﷺ خاموش ہوگئے اور آپ سے جس چیز کا بھی مطالبہ کیا جاتا، آپ دے دیتے تھے، یا پھر خاموش ہو جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! (ایسے نہیں ہوگا کہ) اللہ تعالٰی نے اپنے شیروں میں سے ایک شیر کو مال دیا ہو اور آپ ﷺ تجھے دے دیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرا پڑے۔

تخریج: أخرجه الحاكم:٢/ ١٣٠، وأخرجه ابو الشيخ في "اخلاق النبي ﷺ": صـ ٥٢ مختصرا ودون قوله ((او سكت))، وأخرج مسلم: ٧/ ٧٤ نحوه

شرح:...... نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ عالیہ میں سائلین کو نفی میں جواب نہیں ملتا تھا، اس حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ انتہائی سخی تھے اور حسبِ استطاعت ہر کسی کا مطالبہ پورا کر دیتے تھے۔

اس حدیث میں غزوۂ حنین کا ذکر ہے، جس کی ابتدا میں لشکرِ اسلام کو شکست ہوئی، جیسا کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم تہامہ کی وادیوں میں سے وادیٔ حنین میں جا رہے تھے، یہ وادی بڑی وسیع و عریض تھی، اس میں اوپر نیچے ٹیلے اور چھوٹی چھوٹی ڈھلوانی پہاڑیاں تھیں، ہم اوپر نیچے چڑھتے اور اترتے ہوئے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے، صبح کا اندھیرا قدرے باقی تھا۔ ہماری اردگرد کی گھاٹیوں میں دشمنانِ اسلام چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے، ہر تنگ مقام پر وہ مورچہ زن تھے اور چاروں طرف سے جمع ہو چکے تھے اور حملے کے لیے تیار بیٹھے تھے، جبکہ ہم بالکل بے خبر اور اپنے دھیان میں چلے جا رہے تھے۔ اچانک دشمنوں نے زوردار حملہ کر دیا۔ سب مجاہدین شکست کھاتے ہوئے واپس پلٹنے لگ گئے، کسی کو دوسرے کی خبر نہ تھی اور سب بھاگے چلے جا رہے تھے، عجیب سی بھگدڑ مچ گئی تھی، البتہ مہاجروں اور انصاریوں کا ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کے اردگرد موجود تھا۔ (مسند احمد) اس کے بعد دوبارہ صف بندی کی گئی، پھر مجاہدین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور فتحیاب ہوئے۔

اللہ تعالٰی نے اس منظر کو ان الفاظ میں بیان کیا: ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ.

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (سورۂ توبہ: ۲۵، ۲۶) ...... ''بلاشبہ اللہ تعالی کتنے ہی مواقع پر تمہاری مدد فرما چکا، اب اس نے حنین کے دن بھی تمہاری مدد فرمائی کہ جب تمہاری کثرتِ تعداد نے تمہیں گھمنڈ میں مبتلا کر دیا تھا، پھر یہ تعداد تمہارے کسی کام نہ آئی اور حنین کی زمین کھلی ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ دکھا کر بھاگے چلے جا رہے تھے۔ ہاں! پھر اللہ تعالی نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اطمینان کی نعمت نازل فرمائی اور غیبی لشکر کے ساتھ تمہاری مدد کی۔ اللہ تعالی نے کافروں کو (تمہارے ہاتھوں سے) عذاب دیا۔ کافروں کے کرتوتوں کا یہی بدلہ ہے۔''

حدیثِ مبارکہ میں اسی آیت کا ذکر ہے، نیز اس حدیث میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ مقتول کافر سے چھینا ہوا مال قاتل مسلمان کو ملے گا، جیسا کہ سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضٰى بِالسَّلْبِ لِلْقَاتِلِ۔ (مسلم) ...... نبی کریم ﷺ نے (مسلمان) قاتل کے لیے (اس کے مقتول سے) چھینے ہوئے مال کا فیصلہ فرمایا۔

اچانک پہنچنے والی تکلیف پر ''بِسْمِ اللّٰہ'' پڑھنا چاہئے

(۲۵۰۱)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْعَرَبِ، قَالَ: زَحَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ حُنَيْنٍ، وَفِي رِجْلَيَّ نَعْلٌ كَثِيْفَةٌ، فَوَطِئْتُ عَلٰى رِجْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَنَفَحَنِيْ نَفْحَةً بِسَوْطٍ فِي يَدِهِ وَقَالَ: ((بِسْمِ اللّٰهِ، أَوْجَعْتَنِي۔)) قَالَ: فَبِتُّ لِنَفْسِي لَائِمًا أَقُوْلُ: أَوْجَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ فَبِتُّ بِلَيْلَةٍ كَمَا يَعْلَمُ اللّٰهُ، فَلَمَّا أَصْبَحْنَا إِذَا رَجُلٌ يَقُوْلُ: أَيْنَ فُلَانٌ؟ قَالَ: قُلْتُ: هٰذَا وَاللّٰهِ الَّذِيْ كَانَ مِنِّي بِالْأَمْسِ۔ قَالَ: فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مُتَخَوِّفٌ، فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّكَ وَطِئْتَ بِنَعْلِكَ عَلٰى رِجْلِي بِالْأَمْسِ فَأَوْجَعْتَنِي، فَنَفَحْتُكَ بِالسَّوْطِ، فَهٰذِهِ ثَمَانُوْنَ نَعْجَةً فَخُذْهَا بِهَا۔)) (الصحيحة: ۳۰۴۳)

عبداللہ بن ابو بکر، ایک عربی سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: حنین والے دن میں رسول اللہ ﷺ سے ٹکرا گیا اور میرے پاؤں میں بھاری جوتا تھا، میں نے رسول اللہ ﷺ کا پاؤں روند دیا۔ آپ کے ہاتھ میں کوڑا تھا، آپ نے اُس کے ساتھ مجھے چونکا دیا اور فرمایا: ''بسم اللہ تو نے مجھے تکلیف دی۔'' اُس نے کہا: میں نے اپنے نفس کو ملامت کرتے ہوئے رات گزاری اور میں یہی کہتا رہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے (بڑی بے چینی سے) رات گزاری۔ جب صبح ہوئی تو ایک آدمی کہہ رہا تھا: فلاں شخص کہاں ہے۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! (یہ اعلان) اسی چیز کے بارے میں ہے جو کل مجھ سے (سرزد) ہوئی تھی۔ میں چل تو پڑا لیکن سہا ہوا تھا، (جب ملاقات ہوئی تو) رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''تو نے کل اپنے جوتے سے میرا پاؤں روندا تھا اور مجھے تکلیف دی تھی اور میں نے پھر کوڑے کے ساتھ تجھے چونکا دیا تھا، (لو) یہ

اسی (۸۰) دنبیاں، اُس کوڑے کے بدلے لے لو۔''

تخريج: أخرجه الدارمي: ١/ ٣٤ـ ٣٥

شرح:...... معلوم ہوا کہ آدمی کو جو تکلیف اچانک لاحق ہو، اس پر ''بسم اللہ'' پڑھنی چاہئے، جیسے گرنا، جسم کا کوئی حصہ کٹ جانا یا روندا جانا۔ نیز یہ حدیث آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق کی اعلی مثال ہے کہ جس کو اپنے کوڑے سے چونکا دیا تھا، اسے راضی کرنے کے لیے اسی دنبیاں دے دیں۔

حکمرانوں کے حقوق ادا کرنا

(٢٥٠٢)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِيْ أَثَرَةً وَأُمُوْرًا تُنْكِرُوْنَهَا۔)) قَالُوْا: فَمَا تَأْمُرُنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((أَدُّوْا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ، وَسَلُوا اللّٰهَ حَقَّكُمْ۔)) (الصحيحة:٣٥٥٥)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا: ''بے شک تم میرے بعد حق تلفی دیکھو گے اور ایسے کام بھی دیکھو گے جن کا تم انکار کرو گے۔'' صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایسے میں آپ ہمیں کیا حکم دیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کا حق ادا کر دینا اور اپنے حق کا سوال اللہ تعالی سے کرنا۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٧٠٥٢، ومسلم: ٦/ ١٧ـ ١٨، والترمذي: ٢١٩٠، وأبونعيم في"حلية الأولياء": ٤/ ١٤٦، وأحمد: ١/ ٤٣٣، والطبراني في"المعجم الكبير": ١٠٠٧٣

شرح:...... معلوم ہوا کہ عوام کی حق تلفی کی صورت میں ان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے امراو حکام کے حقوق میں کم و کاست کرنا شروع کر دیں، کیونکہ ہر ایک سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں سوال ہوگا، جیسا کہ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا سلمہ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: اے اللہ کے نبی! اس بارے میں آپ کیا کہیں گے کہ اگر ہم پر ایسے (برے) حکمران مسلط ہو جائیں کہ وہ ہم سے تو اپنا حق مانگیں، لیکن ہمیں ہمارا حق نہ دیں، ایسے میں ہمارے لیے آپ کا حکم کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ان سے اعراض فرما لیا۔ لیکن جب انہوں نے پھر یہی سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوْا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ۔)) (مسلم) ...... ''تم ان کی بات سنو اور مانو، کیونکہ ان کے ذمہ وہ بوجھ ہے جو انھیں اٹھوایا گیا ہے (یعنی عدل وانصاف) اور تمہارے ذمے وہ بوجھ ہے جو تمہیں اٹھوایا گیا ہے (یعنی اطاعت وفرمانبرداری)۔''

مطلب یہ ہے کہ حاکم اور رعایا، دونوں کی اپنی اپنی ذمہ داریاں ہیں، جو بھی اس میں کوتاہی کرے گا اس کا بوجھ اسی پر ہوگا، جس کا خمیازہ اسے روزِ قیامت بھگتنا پڑے گا، لیکن اس بات کی اجازت نہیں کہ اگر حاکم اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرے تو رعایا بھی سمع واطاعت سے انکار کر دے، اس لیے کہ کوتاہی کا علاج کوتاہی نہیں ہے، اس سے تو مزید فساد ہوگا۔ بنابریں ملک کے مفاد عامہ کے لیے حکمرانوں کے لیے ظلم کو برداشت کرنا، ان کے خلاف خروج و بغاوت

سے بہتر ہے۔ تاہم قانون جس حد تک تنقید کرنے اور اصلاح کی آواز بلند کرنے کی اجازت دے، اس حد تک ظلم کے خلاف آواز بلند کرنی چاہئے۔ البتہ یہ یاد رہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا، خروج و بغاوت سے مختلف چیز ہے اور امتِ مسلمہ کے لیے حسبِ استطاعت اس کا اہتمام ضروری ہے۔

نیک و بد ہم نشینوں کی مثال

(۲۵۰۳)۔ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((إِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيْسِ السُّوْءِ: كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيْرِ، فَحَامِلُ الْمِسْكِ، إِمَّا أَنْ يُّحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحًا طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الْكِيْرِ، إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحًا خَبِيْثَةً۔)) (الصحيحة:٣٢١٤)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اچھے ساتھی اور برے ساتھی کی مثال کستوری اٹھانے والے اور بھٹی پھونکنے والے کی ہے۔ کستوری اٹھانے والا یا تو تجھے کستوری تحفۃً دے دے گا یا تو اُس سے خرید لے گا (اور یہ دونوں صورتیں نہ ہونے کی صورت میں کم از کم) تو اُس سے اچھی خوشبو تو پالے گا۔ (رہا مسئلہ) بھٹی جھونکنے والے کا تو یا تو وہ تیرے کپڑے جلا دے گا یا تو اُس سے گندی ہوا پائے گا۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٢١٠١، ٥٥٣٤، ومسلم: ٨/ ٣٧، وابن حبان: ١/ ٣٨٦/ ٥٦٢، ٥٧٨، والبيهقي في"الشعب": ٧/ ٥٤/ ٩٤٣٥، وأحمد: ٤/ ٤٠٤

شرح: ...... اس حدیث میں نیکوں کی صحبت اختیار کرنے اور برے لوگوں کی ہم نشینی سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ کیونکہ نیک لوگوں کی صحبت میں عطر فروش کی طرح فائدہ ہی فائدہ ہے، کہ ان کے ساتھ رہنے سہنے اور اٹھنے بیٹھنے سے انسان ان کے اثرات قبول کرے گا اور آہستہ آہستہ ان کے سانچے میں ڈھل جائے گا اور بروں کی صحبت بھٹی جلانے پر مامور شخص کی طرح ہے کہ اس سے انسان کو نقصان ہی پہنچے گا، فائدہ کوئی نہیں۔

کھانا کھلانا جنت کا سبب ہے

(۲۵۰٤)۔ عَنْ هَانِئٍ: أَنَّهُ لَمَّا وَفَدَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَيُّ شَيْءٍ يُوْجِبُ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: ((عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْكَلَامِ، وَبَذْلِ الطَّعَامِ۔)) (الصحيحة: ١٩٣٩)

حضرت ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: جب میں وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو کہا: اے اللہ کے رسول! کون سا عمل جنت کو واجب کر دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم عمدہ کلام کرنے اور کھانا کھلانے کو لازم پکڑو۔''

تخريج: أخرجه البخاري في"خلق أفعال العباد" صـ ٧٩، وابن أبي الدنيا في"الصمت" ٢/ ٩/ ١، والحاكم: ١/ ٢٣، والخطيب في"الموضح": ٢/ ٤، وابن حبان فى "صحيحه": ١٩٣٧، ١٩٣٨

شرح:...... اس حدیث میں شیریں کلام کرنے اور لوگوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دلائی گئی ہے، یہ دونوں چیزیں باہمی محبت کا سبب بنتی ہیں اور مومنوں کا آپس میں محبت کرنا جنت میں لے جانے کا بہت بڑا سبب ہے۔

گھروں کی آبادی اور عمروں میں اضافہ

(٢٥٠٥)۔ عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: ((إِنَّهُ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ، فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَصِلَةُ الرَّحِمِ، وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَحُسْنُ الْجِوَارِ يَعْمُرَانِ الدِّيَارَ وَيَزِيْدَانِ فِي الأَعْمَارِ۔)) (الصحيحة: ٥١٩)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اُن سے فرمایا: ''جس کو نرمی عطا کی گئی، اُس کو دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی سے نواز دیا گیا اور صلہ رحمی، حسنِ اخلاق اور پڑوسی سے اچھے سلوک (جیسے امورِ خیر) گھروں (اور قبیلوں) کو آباد کرتے ہیں اور عمروں میں اضافہ کرتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٦/ ١٥٩، وابويعلى فى "مسنده": ٨/ ٢٤/ ٤٥٣٠

شرح:...... نرمی ایسا زیور ہے کہ اس سے متصف شخص لوگوں میں بھی ہر دلعزیز اور مقبول اور اللہ تعالی کے ہاں بھی محبوب ہو جاتا ہے، نرمی جیسی صفت صبر و حلم، تحمل و برداشت اور عفو و درگزر کو جنم دیتی ہے کہ جن کی بنا پر دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں، نرمی حکیم اور دانا لوگوں کی صفت ہے، وہ اسی کی روشنی میں ہر انسان سے پیش آتے ہیں۔ جبکہ نرمی سے محروم آدمی لوگوں کی نگاہوں میں بھی معیوب چیز کی طرح حقیر ہو جاتا ہے اور عند اللہ بھی ناپسندیدہ۔

علاوہ ازیں صلہ رحمی، اخلاقِ حسنہ اور بہترین پڑوس نہ صرف باعثِ تسکین ہیں، بلکہ انسان کی زندگی میں اصل روح بھر دیتی ہیں، بشرطیکہ یہ تینوں اعمال اللہ تعالی کو خوش کرنے کے لیے کیے جائیں، نہ کہ بندوں کو راضی کرنے کے لیے۔ عمر میں اضافہ ہونے کے دو مفہوم ہیں: (۱) حقیقی طور پر عمر بڑھ جاتی ہے، جس کو اللہ تعالی کی معلّق تقدیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۲) عمر کی مقدار میں اضافہ نہیں ہوتا، لیکن اس میں اتنی برکت پیدا ہو جاتی ہے اور صلہ رحمی کرنے والے کی زندگی کا ہر پہلو فوائد سے یوں لبریز ہو جاتا ہے کہ دوسرے لوگ جو کام لمبی لمبی عمروں میں سرانجام نہیں دے سکتے، یہ لوگ اپنی مختصر عمروں میں ان سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

غلام سے پردہ ضروری نہیں

(٢٥٠٦)۔ عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ أَتَى فَاطِمَةَ بِعَبْدٍ كَانَ قَدْ وَهَبَهُ لَهَا، قَالَ: وَعَلَى فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ثَوْبٌ إِذَا قَنَعَتْ بِهِ رَأْسَهَا لَمْ يَبْلُغْ رِجْلَيْهَا، وَإِذَا غَطَّتْ بِهِ رِجْلَيْهَا لَمْ يَبْلُغْ رَأْسَهَا، فَلَمَّا رَأَى النَّبِيُّ ﷺ: مَا تَلْقَى، قَالَ: ((إِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْكِ بَأْسٌ، إِنَّمَا هُوَ أَبُوْكِ وَغُلَامُكِ۔)) (الصحيحة:٢٨٦٨)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ،حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک غلام، لے کر آئے جو آپ نے انہیں ہبہ کیا تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ایک کپڑا تھا، جب وہ اُس کے ساتھ اپنا سر ڈھانپتیں تو پاؤں تک نہیں پہنچتا تھا اور جب پاؤں پر ڈالتیں تو وہ سر تک نہیں پہنچتا تھا۔ جب نبی کریم ﷺ نے اُن کی پریشانی دیکھی تو فرمایا: ''(اگر پردہ مکمل نہ ہو تو) کوئی حرج نہیں، کیونکہ (یہاں) صرف تیرا باپ اور تیرا غلام ہیں۔''

تخريج: رواه الضياء في "المختارة": ١/٤١

شرح :...... امام البانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے اسی مقام پر لکھتے ہیں: یہ حدیث اس مسئلہ کی واضح دلیل ہے کہ عورت اپنے باپ کے سامنے اپنے سر اور ٹانگوں سے پردہ ہٹا سکتی ہے، یہی معاملہ غلام کا ہے۔ اس حدیث میں مسٹر ابوالاعلی مودودیؒ کا ردّ بھی ہے، جنھوں نے اپنی کتاب (الحجاب: ص: ۲۸۹، ۲۹۰) میں یہ وضاحت کی کہ عورت اپنے باپ، چچے، بھائی، بیٹے اور دوسری عورتوں کے سامنے بھی اپنے چہرے اور ہتھیلوں کے علاوہ کوئی دوسرا عضو بے پردہ نہیں کر سکتی۔

رسول اللہ ﷺ کی مصلحت پسندی

(٢٥٠٧)۔ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قِسْمًا فَقُلْتُ: وَاللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَغَيْرُ هٰؤُلَاءِ كَانَ أَحَقَّ بِهِ مِنْهُمْ؟ قَالَ: ((إِنَّهُمْ خَيَّرُوْنِي بَيْنَ أَنْ يَسْأَلُوْنِي بِالْفُحْشِ، أَوْ يُبَخِّلُوْنِي، فَلَسْتُ بِبَاخِلٍ۔)) (الصحيحة:٣٥٨٩)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے کوئی چیز تقسیم کی۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! دوسرے لوگ اس کے زیادہ حقدار تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(درحقیقت) ان لوگوں نے مجھے (دو امور کا) اختیار دیا: یا تو مجھ سے بدتمیزی سے مانگتے یا پھر مجھے بخیل کہتے اور میں بخیل نہیں ہوں۔''

تخريج: رواه مسلم: ٣/١٠٣، وأحمد: ١/٢٠ و ٣٥

شرح :...... اگرچہ دوسرے لوگ زیادہ مستحق تھے، لیکن آپ ﷺ نے دو چیزوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ان کے مابین مال تقسیم کر دیا: (۱) اگر ان کو نہ دیا جاتا تو یہ بدتمیزی پر اتر آتے یا (۲) یا پھر آپ ﷺ کو بخیلی کا طعنہ دیتے، حالانکہ آپ ﷺ اس وصف سے کوسوں دور تھے۔

آپ ﷺ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رضامندی یا ناراضگی کی علامت

(٢٥٠٨)۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنِّي لأَعْرِفُ غَضَبَكِ وَرِضَاكِ۔)) قَالَتْ: قُلْتُ: وَكَيْفَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((إِنَّكِ إِذَا كُنْتِ رَاضِيَةً، قُلْتِ: بَلٰى وَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَإِذَا كُنْتِ سَاخِطَةً، قُلْتِ: لَا، وَرَبِّ إِبْرَاهِيْمَ۔)) قَالَتْ: قُلْتُ: أَجَلْ لَا أَهْجُرُ إِلَّا اسْمَكَ۔ (الصحيحة:٣٣٠٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں تیری ناراضگی اور رضامندی کو پہچان لیتا ہوں۔“ وہ کہتی ہیں: میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کیسے پہچان لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”جب تم راضی ہوتی ہوتو ”ربِّ محمد کی قسم!“ کہتی ہو اور جب ناراض ہوتی ہوتو ”ربِّ ابراہیم کی قسم! کہتی ہو۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا: جی ہاں، (لیکن) میں صرف آپ کا نام لینا ہی چھوڑتی ہوں (دل میں کوئی ناراضگی نہیں ہوتی)۔

تخريج: رواه البخاري: ٥٢٢٨ و٦٠٧٨، ومسلم: ٧/ ١٣٥

شرح:...... میاں بیوی کا رشتہ ویسے بھی نباہ ووفا اور محبت والفت پر مشتمل ہوتا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں یہ اوصاف بدرجۂ اتم واکمل پائے جاتے تھے۔ بہرحال سیدہ عائشہ بشر تھیں، بتقاضائے بشریت خطا ممکن ہے، جس کی نشاندہی اس حدیث میں بھی کی گئی ہے اور ساتھ ساتھ اس کا ازالہ بھی کر دیا گیا۔ یعنی جب آپ ﷺ نے اپنی زوجۂ محترم کی رضامندی وناراضگی کو بھانپ لینے کا اظہار کیا تو انھوں نے یوں مطمئن کیا کہ یہ صرف لفظوں کا ہیر پھیر ہوتا ہے، ان کا دل آپ ﷺ کے بارے میں بالکل صاف اور آپ ﷺ پر رضامند ہوتا ہے۔

عوام الناس کی تعریف یا مذمت کی اہمیت

(٢٥٠٩)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنْ مَلَأَ اللّٰهُ أُذُنَيْهِ مِنْ ثَنَاءِ النَّاسِ خَيْرًا، وَهُوَ يَسْمَعُ، وَأَهْلُ النَّارِ مَنْ مَلَأَ أُذُنَيْهِ مِنْ ثَنَاءِ النَّاسِ شَرًّا، وَهُوَ يَسْمَعُ۔)) (الصحيحة:١٧٤٠)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: ”جنتی شخص وہ ہے کہ اللہ تعالی جس کے کانوں کو لوگوں کی طرف سے اچھی تعریف سناتا ہے اور وہ سن رہا ہوتا ہے اور جہنمی وہ شخص ہے کہ اللہ تعالی جس کے کانوں میں لوگوں کی طرف سے شر ڈالتا ہے اور وہ سن رہا ہوتا ہے۔“

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٤٢٢٤، والطبراني في "المعجم الكبير": رقم ١٢٧٨٧، وأبونعيم في "الحلية": ٣/ ٨٠، والبيهقي في "الشعب": ٢/ ٣٤٢/ ١

شرح:...... اس تعریف سے مراد مومنوں کی کسی کے نیک یا بد ہونے کی شہادت ہے، اس کی وضاحت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزارا گیا، لوگوں

نے اس کی تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''واجب ہو گئی، واجب ہو گئی، واجب ہو گئی۔'' پھر کوئی دوسرا جنازہ گزارا گیا تو لوگوں نے اس کی مذمت کی (اور اس کو برا بھلا کہا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''واجب ہو گئی، واجب ہو گئی، واجب ہو گئی۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ نے پہلے جنازے کی تعریف پر بھی ''واجب ہو گئی'' فرمایا اور دوسرے جنازے کی مذمت پر بھی ''واجب ہو گئی'' فرمایا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ اَثْنَيْتُم عَلَيهِ شَرًّا وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ۔ اَلْمَلَائِكَةُ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي السَّمَاءِ وَاَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ (وَفِي رِوَايَةٍ: وَالْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ) اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً تَنْطِقُ عَلٰى اَلْسِنَةِ بَنِي آدَمَ بِمَا فِي الْمَرْءِ مِنَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ۔)) (بخاری، مسلم، مسند احمد)

...... ''تم لوگوں نے جس جنازے کی تعریف کی، اس کے لیے جنت واجب ہو گئی اور جس کا تذکرۂ شرّ کیا، اس پر آگ واجب ہو گئی۔ آسمان میں اللہ تعالیٰ کے گواہ فرشتے ہیں اور زمین میں تم ہو (اور ایک روایت میں ہے: زمین میں اللہ کے گواہ مؤمن ہیں)۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو بندے کے اچھا یا برا ہونے (کی شہادت دینے میں) بنو آدم کی زبانوں (کی موافقت کرتے ہوئے) بولتے ہیں۔''

اگرچہ ریاکاری اور نمود و نمائش کے لیے عمل کرنا نہ صرف ناجائز ہے، بلکہ وبالِ جان اور زحمت ہے۔ لیکن جس بندۂ خدا کا عمل پرخلوص ہوگا، اگرچہ وہ مخفی ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی اس کا تذکرۂ حسنہ کرواتے رہتے ہیں۔

چھ مجرم

(۲۵۱۰)۔ عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ مَرْفُوْعًا: ((ثَلَاثَةٌ لَاتَسْأَلْ عَنْهُمْ: رَجُلٌ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ، وَعَصَى إِمَامَهُ وَمَاتَ عَاصِيًا، وَأَمَةٌ أَوْ عَبْدٌ أَبَقَ فَمَاتَ، وَامْرَأَةٌ غَابَ عَنْهَا زَوْجُهَا قَدْ كَفَاهَا مُؤْنَةَ الدُّنْيَا، فَتَبَرَّجَتْ بَعْدَهُ، فَلَا تَسْأَلْ عَنْهُمْ۔ وَثَلَاثَةٌ لَاتَسْأَلْ عَنْهُمْ: رَجُلٌ نَازَعَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ رِدَاءَهُ فَأَنَّ رِدَائَهُ الْكِبْرِيَاءُ، وَإِزَارَهُ الْعِزَّةُ، وَرَجُلٌ شَكَّ فِي أَمْرِ اللّٰهِ وَالْقَنُوْطُ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ۔)) (الصحيحة:٥٤٢)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو تین آدمیوں کے (عذاب کے) بارے میں سوال نہ کر: (۱) ایسا آدمی جو جماعت سے علیحدہ ہو گیا ہو اور امام کی نافرمانی کی ہو اور اسی حالت میں مر گیا ہو (۲) ایسی لونڈی یا غلام جو (اپنے مالک سے) بھاگ گیا ہو اور اسی حالت میں مر گیا ہو اور (۳) ایسی عورت کہ اُس کا شوہر اس کے دنیوی اخراجات پورے کر کے غائب ہوا ہو اور وہ (اس کی عدم موجودگی میں) بن سنور کر باہر نکلی ہو۔ ان کے بارے میں تو مت پوچھ۔ اسی طرح تین آدمی ہیں (ان کے عذاب کے بارے میں بھی) مت دریافت کر: (۱) ایسا آدمی جس نے اللہ سے اُس کی چادر چھیننے (کی کوشش کی ہو) اور اللہ کی چادر کبریائی ہے اور اُس کا ازار عزت

(وطاقت) ہے (۲) ایسا آدمی جس نے اللہ کے حکم میں شک کیا ہو اور (۳) ایسا شخص جو اللہ کی رحمت سے ناامید ہو گیا ہو۔"

تخریج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٥٩٠، وابن حبان: ٥٠، والحاكم: ١/ ١١٩ دون الشطر الثاني، وأحمد: ٦/ ١٩، وابن أبي عاصم في "السنة": ٨٩، والبزار في "مسنده": ١/ ٦١/ ٨٤، الكشف، والأصبهاني في "الترغيب": ٩٤٦و٢٣٣٤، وابن عساكر في "مدح التواضع وذم الكبر": ٥/ ٨٨/ ١

شرح:...... حدیثِ مبارکہ اپنے مفہوم میں واضح ہے، اس میں خلیفۂ وقت کی نافرمانی کرنے والے آدمی، آقا کی اجازت کے بغیر بھاگ جانے والے غلام یا لونڈی، خاوند کی عدم موجودگی میں بناؤ سنگھار کرنے والی عورت، تکبر کرنے والے شخص، حکم الٰہی میں شک کرنے والے آدمی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونے والے آدمی کی سخت مذمت کی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ ان کا عذاب شدید ہوگا۔

بدکلامی کا نتیجہ

(٢٥١١)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْحَيَاءُ مِنَ الإِيْمَانِ وَالإِيْمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ، وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ۔)) (الصحيحة:٤٩٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حیاء، ایمان سے ہے اور ایمان جنت میں (لے جانے والا) ہے اور بدکلامی و بدزبانی، اکھڑ مزاجی (اور بدخلقی) سے ہے اور اکھڑ مزاجی آگ میں (لے جانے والی) ہے۔"

تخريج: أخرجه الترمذي: ١/ ٣٦١، وابن حبان: ١٩٢٩، والحاكم: ١/ ٥٢۔٥٣، وعبدالله بن وهب في "الجامع" ٧٣، وأحمد: ٢/ ٥٠١، محمد بن مخلد العطار في "المنتقى من حديثه": ٢/ ١٩/ ٢، وابن عساكر في "تاريخ دمشق": ٤/ ٣٣٥/ ١

شرح:...... شریعت مطہرہ میں جس "حیا" کی تعریف کی گئی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اس کی توضیح یوں کی ہے: وَفِي الشَّرْعِ: خُلُقٌ يَبْعَثُ عَلَى اجْتِنَابِ الْقَبِيْحِ وَيَمْنَعُ مِنَ التَّقْصِيْرِ فِيْ حَقِّ ذِي الْحَقِّ۔ (فتح الباري: ١/ ٧٢) ......شریعت میں (حیا سے مراد) وہ خصلت ہے جو قبیح چیز سے اجتناب کرنے اور کسی حقدار کے حق میں کمی کرنے سے باز رہنے پر آمادہ کرے۔

اس مفہوم میں حیا ایسی عظیم صفت ہے، جو منکرات و سیئات سے پرہیز کرنے اور تزکیہ نفس میں مؤمن کی سب سے بڑی معاون ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کی پاسداری کرنے پر ابھارتی ہے اور ان میں کسی قسم کی کم و کاست کرنے سے روکتی ہے۔

جہاں حیا خیر ہے۔ وہاں بدکلامی، بدزبانی، اکھڑ مزاجی، سخت پن اور بدخلقی شر ہی شر ہے، جیسا کہ سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ

بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا مِنْ شَیْءٍ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاِنَّ اللّٰهَ یُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیَّ۔)) (ترمذی، وله شواهد) ...... ''قیامت والے دن مومن بندے کی میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں ہوگی اور یقیناً اللہ تعالی بدزبان اور بے ہودہ گوئی کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے۔''

بدزبان، فحش گو اور اکھڑ مزاج معاشرے میں اپنا مقام کھو بیٹھتا ہے اور اس کے شرّ سے بچنے کے لیے لوگ اس کے قریب جانے سے بچتے ہیں۔ نتیجتاً وہ معاشرے کا ایک ناکارہ پرزہ بن کر رہ جاتا ہے۔

میدانِ حشر میں حقوق العباد میں کی گئی کم و کاست کا تصفیہ

(۲۵۱۲)۔ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((رَحِمَ اللّٰهُ عَبْداً کَانَتْ لِأَخِیْهِ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ فِی عِرْضٍ أَوْ مَالٍ، فَجَاءَهُ فَاسْتَحَلَّهُ قَبْلَ أَنْ یُؤْخَذَ وَلَیْسَ ثَمَّ دِیْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ، فَإِنْ کَانَتْ لَهُ حَسَنَاتٌ، أُخِذَ مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَإِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهُ حَسَنَاتٌ، حَمَلُوْا عَلَیْهِ مِنْ سَیِّئَاتِهِمْ۔)) (الصحیحة: ۳۲٦٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اس آدمی پر رحم کرے کہ جس نے اپنے بھائی کی عزت یا مال (کے معاملے میں) ناانصافی کی ہو اور پھر اس کے پاس جا کر معذرت کر لی ہو، قبل اس کے کہ (وہ دن آ جائے جس میں) اس کا مؤاخذہ کیا جائے اور جہاں دینار ہو گا نہ درہم۔ (وہاں تو معاملہ یوں حل کیا جائے گا کہ) اگر اُس (ظالم) کے پاس نیکیاں ہوئیں تو اُس سے نیکیاں لے لی جائیں گی اور اگر اُس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں، تو (مظلوم) لوگ اپنی برائیاں اُس پر ڈال دیں گے۔''

تخریج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٦٨، وابن جرير الطبري: ٢/ ٢٨/ ٢٧٥، وأبويعلي: ٤/ ١٥٤١، وأخرجه البخاري: ٤/ ٢٣٨ بلفظ: ((من كانت عنده مظلمة لأخيه؛ فليتحلله منها؛ فانه ليس ثم دينا و لا درهم ......)) الحديث، ليس فيه ((رحم الله عبدا))

شرح:...... معلوم ہوا کہ اگر دنیا میں کی گئی دست درازیاں دنیا میں ہی معاف نہ کروا لی گئیں یا ان کی تلافی نہ کر دی گئی تو آخرت میں ان کا معاملہ نہایت خطرناک ہوگا، لیکن ہمارے ماحول میں حقوق العباد کی کوئی پروا نہیں کی جاتی، جو کہ باعثِ ہلاکت امر ہے۔ ہمارے ہاں انسان کو بحیثیت انسان نہیں دیکھا جاتا، بلکہ کسی سے حسنِ سلوک یا بدسلوکی کرنے کے لیے رشتوں اور دوستیوں کا تعین کیا جاتا ہے اور مسکراہٹوں کے تبادلے ہوتے ہیں، حالانکہ ایسا کرنا سرے سے انسان کا امتیاز ہی نہیں ہے۔

یہ اسلام ہی ہے، جس نے دوسرے مذاہب کی بہ نسبت احترامِ انسانیت کا سب سے زیادہ درس دیا ہے، یہ حدیث اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ غریب و نادار عوام کو ظلم و ستم اور قہر و جبر کی چکی میں پیسنے والے وڈیروں کو متنبہ رہنا چاہئے کہ عنقریب ان کی گرفت کا وقت بھی آنے والا ہے، بس ان ظالموں کو دی گئی مہلت کے اختتام کا انتظار ہے۔

سخت دل لوگ خسارے میں

(٢٥١٣)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ حَبِيْبٍ أَنَّه قَالَ لِسَعِيْدِ بْنِ خَالِدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((خَابَ عَبْدٌ وَخَسِرَ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ قَلْبِهِ رَحْمَةً لِلْبَشَرِ.)) (الصحيحة:٤٥٦)

عمرو بن حبیب نے سعید بن خالد بن عمرو بن عثمان سے کہا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا بندہ ناکام و نامراد ہوا جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لیے نرمی نہیں رکھی۔''

تخریج: أخرجه الدولابی: ١/ ١٧٣، وابن عساکر فی "تاریخ دمشق": ٧/ ١١٣/ ٢

شرح:...... جہاں نرمی کو مسلمان کے حق میں نفع بخش، دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی کا ضامن، اعمالِ خیر کی زینت اور جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے دور رہنے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ وہاں سختی کو اس کے لیے انتہائی مضر اور خطرناک بیماری قرار دیا گیا ہے۔ نرمی سے محروم آدمی لوگوں کی نگاہوں میں بھی معیوب چیز کی طرح حقیر ہو جاتا ہے اور عند اللہ بھی ناپسندیدہ۔ سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ كُلَّهُ.)) (مسلم) ...... ''جو شخص نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ ہر قسم کی بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔''

غور فرمائیں کہ شریعت میں موذی جانور کو قتل کرنے، بطور قصاص قاتل کو قتل کرنے اور میدانِ جنگ میں دشمن کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اس معاملے میں بھی نرمی برتنے اور اچھا طریقہ اپنانے کی تعلیم دی گئی ہے، یعنی اسلام نے اپنے دشمن کو قتل کرتے وقت بھی پہلے اس کے ہاتھ، پیر، ناک، کان وغیرہ کاٹ کر مثلہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح جانور کو ذبح کرتے وقت چھری تیز کر کے جانور کو راحت پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے۔

دنیا میں ہی مظلوم سے معذرت کرنا

(٢٥١٤)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((رَحِمَ اللّٰهُ عَبْداً كَانَتْ لِأَخِيْهِ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ فِي عِرْضٍ أَوْ مَالٍ، فَجَاءَهُ فَاسْتَحَلَّهُ قَبْلَ أَنْ يُؤْخَذَ وَلَيْسَ ثَمَّ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ، فَإِنْ كَانَتْ لَهُ حَسَنَاتٌ، أُخِذَ مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ حَسَنَاتٌ، حَمَلُوْا عَلَيْهِ مِنْ سَيِّئَاتِهِمْ.)) (الصحيحة: ٣٢٦٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اس آدمی پر رحم کرے کہ جس نے اپنے بھائی کی عزت یا مال (کے معاملے میں) ناانصافی کی ہو اور پھر اس کے پاس جا کر معذرت کر لی ہو، قبل اس کے کہ (وہ دن آ جائے جس میں) اس کا مؤاخذہ کیا جائے اور جہاں دینار ہو گا نہ درہم۔ (وہاں تو معاملہ یوں حل کیا جائے گا کہ) اگر اُس (ظالم) کے پاس نیکیاں ہوئیں تو اُس سے نیکیاں لے لی جائیں گی اور اگر اُس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں، تو (مظلوم) لوگ اپنی برائیاں اُس پر ڈال دیں گے۔''

تخریج: أخرجه الترمذي: ۲/ ٦٨، وابن جرير الطبري: ۲/ ۲۸/ ۲۷۵، وأبويعلي: ٤/ ١٥٤١، وأخرجه البخاري: ٤/ ٢٣٨ بلفظ: ((من كانت عنده مظلمة لأخيه؛ فليتحلله منها؛ فانه ليس ثم دينا و لا درهم)) الحديث، ليس فيه ((رحم الله عبدا))

شرح:...... معلوم ہوا کہ اگر دنیا میں کی گئی دست درازیاں دنیا میں ہی معاف نہ کروالی گئیں یا ان کی تلافی نہ کر دی گئی تو آخرت میں ان کا معاملہ نہایت خطرناک ہوگا، لیکن ہمارے ماحول میں حقوق العباد کی کوئی پروانہیں کی جاتی، جو کہ باعثِ ہلاکت امر ہے۔ یہ بہت بڑی وعید ہے کہ ظالم کے ظلم وستم کی معافی یا عدمِ معافی کا تعلق متعلقہ مظلوم سے ہے اور واضح ہے کہ روزِ قیامت کون کس کو معاف کرے گا۔

یہ اسلام ہی ہے، جس نے دوسرے مذاہب کی بہ نسبت احترامِ انسانیت کا سب سے زیادہ درس دیا ہے، یہ حدیث اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ غریب و نادار عوام کو ظلم وستم اور قہر و جبر کی چکی میں پیسنے والے وڈیروں کو متنبہ رہنا چاہئے کہ عنقریب ان کی گرفت کا وقت بھی آنے والا ہے، بس ان ظالموں کو دی گئی مہلت کے اختتام کا انتظار ہے۔

متقی، ہدایت یافتہ، حاکم، عالم، معزز، غنی اور حقیر لوگوں کی علامات

(٢٥١٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ: ((سَأَلَ مُوْسٰی رَبَّهُ عَنْ سِتِّ خِصَالٍ كَانَ يَظُنُّ أَنَّهَا لَهُ خَالِصَةٌ، وَالسَّابِعَةُ لَمْ يَكُنْ مُوْسٰی يُحِبُّهَا: (١) قَالَ: يَا رَبِّ! أَيُّ عِبَادِكَ أَتْقٰی؟ قَالَ: الَّذِي يَذْكُرُ وَلَا يَنْسٰی (٢) قَالَ: فَأَيُّ عِبَادِكَ أَهْدٰی؟ قَالَ: الَّذِي يَتَّبِعُ الْهُدٰی (٣) قَالَ: أَيُّ عِبَادِكَ أَحْكَمُ؟ قَالَ الَّذِي يَحْكُمُ لِلنَّاسِ كَمَا يَحْكُمُ لِنَفْسِهِ (٤) قَالَ: فَأَيُّ عِبَادِكَ أَعْلَمُ؟ قَالَ: الَّذِي لَا يَشْبَعُ مِنَ الْعِلْمِ، يَجْمَعُ عِلْمَ النَّاسِ إِلٰی عِلْمِهِ (٥) قَالَ: فَأَيُّ عِبَادِكَ أَعَزُّ؟ قَالَ: الَّذِي إِذَا قَدَرَ غَفَرَ (٦) قَالَ: فَأَيُّ عِبَادِكَ أَغْنٰی؟ قَالَ: الَّذِي يَرْضٰی بِمَا يُؤْتٰی۔٧۔قَالَ: فَأَيُّ عِبَادِكَ أَفْقَرُ؟ قَالَ: صَاحِبٌ مَنْقُوْصٌ۔ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چھ چیزوں کے بارے میں دریافت کیا اور ان کا خیال یہ تھا کہ یہ ان کے لیے خاص ہیں اور ساتویں چیز کو حضرت موسیٰ ناپسند کرتے تھے۔ (١) موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! تیرا کون سا بندہ بہت زیادہ متقی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو مجھے یاد رکھتا ہے اور بھولتا نہیں۔(٢) موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تیرا کون سا بندہ بہت زیادہ ہدایت یافتہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو (میری) ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔(٣) موسیٰ نے کہا: تیرا کون سا بندہ سب سے زیادہ منصف ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو لوگوں کے لیے اسی طرح فیصلہ کرتا ہو، جس طرح اپنی ذات کے لیے فیصلہ کرتا ہے۔(٤) موسیٰ نے کہا: تیرا کون سا بندہ زیادہ علم والا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کہا: جو علم سے سیر نہیں ہوتا اور لوگوں کے علم کو اپنے علم کی طرف جمع کرتا ہے۔ (٥) موسیٰ نے کہا: تیرا کونسا بندہ زیادہ معزز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کہا: جو

اللّٰهِ لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ ظَهْرٍ إِنَّمَا الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ وَإِذَا أَرَادَاللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْراً، جَعَلَ غِنَاهُ فِي نَفْسِهِ، وَتُقَاهُ فِي قَلْبِهِ، وَإِذَا أَرَادَاللّٰهُ بِعَبْدٍ شَرًّا جَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ۔)) (الصحيحة: ٣٣٥٠)

(مقابل پر) قدرت پانے کے بعد معاف کر دے۔ (۶) موسیٰ نے کہا: تیرا کون سا بندہ بہت زیادہ مالدار ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کہا: جسے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جو کچھ دیا جائے وہ اس پر راضی ہو جائے۔(۷) موسیٰ نے کہا: تیرا کونسا بندہ سب سے زیادہ فقیر ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کہا: جو صاحب (یعنی مالدار اپنے مال کو) کم سمجھنے والا (اور مزید طلب کرنے والا ہو)''۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مالداری (اور بے نیازی) کو غنی نہیں کہتے، غنی تو دل کا ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے حق میں خیر و بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے نفس میں غنی اور دل میں تقویٰ پیدا کر دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے حق میں شرّ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی فقیری کو اس کی پیشانی پر رکھ دیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان في "صحيحه": ٤٠/ ٨٦- موارد، والخرائطي في "مكارم الأخلاق": ١/ ٢٧٤/ ٣٦٩، والديلمي: ١/ ١/ ٩٢ و ٢/ ٢/ ١٠٢/ ٢، وابن عساكر في "التاريخ": ١٧/ ٣٦٧

شرح:...... یہ حدیثِ مبارکہ اس بات پر دلالت کناں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا متقی، احکامِ الٰہی کی پیروی کرنے والا ہدایت یافتہ، عوام الناس اور اپنے سے متعلقہ فیصلہ کرتے وقت اپنی ذات کا لحاظ نہ کرنے والا منصف، علمِ شرعی سے سیراب نہ ہونے والا بڑا عالم، طاقت و قدرت کے باوجود معاف کر دینے والا معزز اور قوی اور اپنی قلیل یا کثیر روزی پر راضی ہو جانے والا مالدار ہے۔ اگر کسی کو رغبت ہو تو وہ بآسانی اِن چھ صفات سے متصف ہو سکتا ہے۔ یہ حدیث ان لوگوں کے وعید بھی ہے جو چند احکامِ الٰہی کے کاربند ہونے کی بنا پر اپنے آپ کو تقوی و پارسائی کی صفِ اول کا فرد سمجھنے لگتے ہیں اور دوسروں کی عیب جوئی اور نقص زنی شروع کر دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس حدیث میں بیان کردہ چھ امور کو اپنائیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بے سرمایا آدمی کو فقیر نہیں کہتے، بلکہ اصل فقیر وہ ہوتا ہے جو مال و دولت کی بہتات کے باوجود اس کو کم سمجھنے والا اور مزید پاپڑ بیلنے کے لیے حریص و بخیل کی طرح ہاتھ پاؤں مارنے والا ہو۔

مسلمان سے لڑنا کفر اور اس کو گالی دینا فسق ہے

(٢٥١٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((سِبَابُ الْمُسْلِمِ أَخَاهُ فُسُوْقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ، وَحُرْمَةُ مَالِهِ كَحُرْمَةِ دَمِهِ۔)) (الصحيحة: ٣٩٤٧)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کا اپنے بھائی کو گالی دینا فسق ہے اور اُس کو قتل کرنا کفر ہے اور اس کے مال کی حرمت اُس کے خون کی حرمت کی طرح ہے۔''

تخريج: هو من حديث عبدالله بن مسعود، وله عنه طريقان:

الأولي: عن أبراهيم الهجري عن أبي الأحوص عنه: فأخرجه أحمد: ١/ ٤١٦

الأخرى: فأخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ١٠/ ١٩٧/ ١٠٣١٦

ولجملة الحرمة طريق ثالث عند البزار: ٢/ ١٣٤/ ١٣٧٢، وأخرج الشيخان الجملة الاولى منه فقط

شرح:...... یہ حدیثِ مبارکہ ان لوگوں کے لیے سخت وعید ہے کہ جن کی زبانیں فحش گوئی و یاوہ گوئی، بدکلامی و بد زبانی، سب وشتم اور گالی گلوچ کی عادی بن چکی ہیں، جن کو کسی کے بارے میں کوئی ''پھکڑ'' کہنے سے پہلے سوچنے کی زحمت نہیں ہوتی۔ مثلا ماں بہن کی گالی دینا، حرامی کہنا، بے غیرت کہنا، لعنتی کہنا اور برے القاب سے پکارنا، وغیرہ۔ ایسے لوگ فاسق اور فاجر ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے کہا: کفر کا اطلاق کرنا مبالغہ آرائی ہے، جس کی غرض و غایت سامع کو ایسا اقدام کرنے سے اجتناب کرنے پر آمادہ کرنا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کفر کا اطلاق تشبیہ کے طور پر کیا گیا ہے، کیونکہ دراصل ایسا کرنا کافروں کا کام ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ کا ایک خاص سبب بھی بیان کیا گیا ہے، جیسا امام بغویؒ اور امام طبرانیؒ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمرو بن نعمان بن مقرن مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ انصاریوں کی ایک مجلس میں تشریف لے گئے، ان میں ایک ایسا انصاری آدمی بھی تھا، جو بدزبانی اور سب وشتم کرنے میں معروف تھا، وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ((سِبَابُ الْمُسْلِمِ أَخَاهُ فُسُوْقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ۔)) ...... ''مسلمان کا اپنے بھائی کو گالی دینا فسق ہے اور اُس کو قتل کرنا کفر ہے۔'' یہ سن کر اس آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! آئندہ میں کسی آدمی کو گالی نہیں دوں گا۔ (فتح الباری)

یہ مومن کی قدر و قیمت ہے کہ اس کا مال اور عزت بھی اس کے وجود کی طرح معزز ہیں۔

ہر انسان کا نصیب اس کی گردن میں ہے

(٢٥١٧)۔ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((طَائِرُ كُلِّ إِنْسَانٍ فِيْ عُنُقِهِ۔)) تَفْسِيْرُ: ﴿وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِيْ عُنُقِهِ﴾ (الصحيحة:١٩٠٧)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''ہر انسان کے خیر یا شرّ کا حصہ اُس کے گلے میں لگا دیا گیا ہے۔'' یہ اللہ کے فرمان ''اور ہم نے ہر انسان کی برائی بھلائی کو اس کے گلے لگا دیا ہے'' کی تفسیر ہے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٣٤٢، ٣٤٩، ٣٦٠

شرح:...... ''طائر'' کے معنی پرندے کے ہیں اور ''عنق'' کے معنی گردن کے۔ حافظ ابن کثیر نے ''طائر'' سے مراد انسان کے عمل لیے ہیں۔ ''فی عنقہ'' کا مطلب ہے اس کے اچھے یا برے عمل، جس پر اس کو اچھی یا بری جزا دی جائے گی، گلے کے ہار کی طرح اس کے ساتھ ہوں گے۔ یعنی اس کا ہر عمل لکھا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا پورا پورا ریکارڈ محفوظ ہوگا، روزِ قیامت اس کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے گا اور امام شوکانی نے طائر سے مراد انسان کی قسمت لی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق پہلے سے ہی لکھ دی ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ مذکورہ مقام پر رقمطراز ہیں: ابن جریرؒ نے کہا کہ ''اللہ تعالی کہتے ہیں: ہر انسان کے لیے جو فیصلہ کیا گیا ہے، وہ ہم نے اس کے گلے میں لگا دیا ہے، بہرصورت اسے اس کی ادائیگی کرنا پڑے گی، اس میں اس کے لیے سعادت ہو یا بدبختی۔ آیت کے الفاظ ((اَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ)) ایک ضرب المثل ہے، جس سے عرب لوگ اچھا شگون لیتے تھے، یا بری فال اور وہ اس طرح کہ اگر کوئی پرندہ وغیرہ کسی کی بائیں جانب سے آ کر دائیں جانب کو اس طرح گزرتا کہ اس کا دایاں حصہ آدمی کے سامنے ہو تو اس سے نیک فال مراد لی جاتی تھی، لیکن اگر کوئی پرندہ کسی دائیں جانب سے بائیں جانب کو گزرتا تو اسے بدفالی کی علامت سمجھا جاتا۔ سو اللہ تعالی نے ان کو آگاہ کیا کہ اس نے ہر انسان کی برائی بھلائی کو اس کے گلے میں لگا دیا ہے۔ وہ نحوست و شقاوت بھی ہو سکتی ہے، جس کا انجام آتشِ دوزخ ہے اور سعادت و نیک بختی بھی ہو سکتی ہے، جس کا نتیجہ جنت و بہشت ہے۔''

سفید بالوں کو رنگنا

(۲۵۱۸)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: دَخَلَتْ يَهُوْدُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَسَأَلَ عَنْهُمْ؟ فَقَالُوْا: يَهُوْدُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَهُمْ لَايَصْبِغُوْنَ الشَّعْرَ، فَقَالَ: ((غَيِّرُوْا سِيْمَا الْيَهُوْدِ وَلَا تُغَيِّرُوْا بِسَوَادٍ۔)) (الصحيحة: ٣٣٢٤)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کچھ یہودی، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ نے اُن کے بارے میں دریافت کیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ یہودی ہیں اور یہ اپنے بالوں کو نہیں رنگتے۔ آپ نے فرمایا: ''یہودیوں کی نشانی کو بدل دو، لیکن سیاہ رنگ سے مت بدلو۔''

تخريج: أخرجه الطبري في "تهذيب الآثار": ٤٩٣/ ٩٢٦۔ الجزء المفقود، وروى الطبراني في "الاوسط": ١/ ١٢٧/ ١٤٢ نحوه

شرح:...... معلوم ہوا کہ داڑھی اور سر کے سفید بالوں کو زرد یا سرخ رنگ کے ساتھ رنگنا چاہئے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى لَا يَصْبِغُوْنَ، فَخَالِفُوْهُمْ۔))(بخاری، مسلم)

''یہودی اور عیسائی نہیں رنگتے، سو تم ان کی مخالفت کرو۔''

البتہ ان کو سیاہ کرنا منع ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے باپ کے سر اور داڑھی کے سفید بالوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: ((غَيِّرُوْا هٰذَا وَاجْتَنِبُوْا السَّوَادَ۔)) (مسلم)...... ''اس کے سفید بالوں کا رنگ بدل دو اور ان کو سیاہ کرنے سے بچو۔''

آجکل بالوں کو کالا کرنے کا کاروبار عام ہے، لیکن احادیث کی روشنی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یاد رہے کہ اس سلسلے میں خالص سیاہ رنگ کے علاوہ کوئی رنگ استعمال کیا جا سکتا ہے، وہ مہندی کا رنگ ہو یا کوئی اور۔

اولاد سے مساوی سلوک کرنا

(٢٥١٩)۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَجُلٌ، فَجَاءَ ابْنٌ لَهُ فَقَبَّلَهُ وَأَجْلَسَهُ عَلٰى فَخِذِهِ، ثُمَّ جَاءَتْ بِنْتٌ لَهُ فَأَجْلَسَهَا إِلٰى جَنْبِهِ، قَالَ: ((فَهَلَّا عَدَلْتَ بَيْنَهُمَا؟)) (الصحيحة:٣٠٩٨)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، اُس کے پاس اُس کا بیٹا آیا، اُس نے اُس کو بوسہ دیا اور اسے اپنی ران پر بٹھا لیا، پھر اُس کی بیٹی پہنچ گئی، اُس نے اُس کو اپنے پہلو میں بیٹھا لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے ان دونوں کے درمیان انصاف کیوں نہیں کیا؟''

تخريج: أخرجه الطحاوي في "شرح المعاني": ٢/ ٢٤٦، وابن عساكر في "التاريخ": ٤/ ٦٠١۔ مصورة المدينة

شرح:...... والدین کو چاہئے کہ وہ اولاد کے درمیان عدل و مساوات کا اہتمام کریں، کسی ایک بچے کے ساتھ ترجیحی سلوک سے دوسرے بچوں پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور بعض دفعہ وہ اس ناانصافی سے تنگ آ کر گھر چھوڑ جاتے ہیں، جس سے وہ خود بھی پریشان ہوتے ہیں، والدین کے لیے بھی پریشانی کا سبب بنتے ہیں اور بالآخر خاندان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب مجھے نبی کریم ﷺ کے پاس لے آئے اور کہا: میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام بطورِ عطیہ دیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تیرے اور بیٹے بھی ہیں؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: ''کیا تو نے ہر بیٹے کو اس قسم کا عطیہ دیا ہے؟'' انھوں نے کہا: جی نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر مجھے گواہ مت بناؤ کیونکہ (یہ ظلم ہے اور) میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔'' (بخاری، مسلم)

یہ تو ممکن ہے کہ والدین کے دل میں بعض بچوں کا احترام یا پیار زیادہ ہو، لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کر سکتے، بظاہر ان کو اپنی اولاد کے مابین مساوات قائم کرنا پڑے گی، وگرنہ وہ اپنی اولاد کے حق میں ظالم قرار پائیں گے اور ان کو بغاوت پر آمادہ کریں گے۔

منافق کی علامتیں

(٢٥٢٠)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ مَرْفُوْعًا: ((فِي الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ، إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔)) (الصحيحة:١٩٩٨)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''منافق میں تین (خامیاں) ہوتی ہیں: جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اُس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ٤/ ٢/ ٣٨٦، والبزار: رقم۔ ٨٧، والطبراني في "الأوسط": ٨٠٨٠

شرح:...... زبان سے ایمان و اسلام کا اظہار اور دل میں اسلام کے خلاف بغض وعناد رکھنا، نفاق کہلاتا ہے، یہ اعتقادی نفاق ہے۔ نفاق کی دوسری قسم عملی نفاق ہے اور وہ یہ ہے کہ دل میں تو ایمان ہی ہو، لیکن منافقوں والی مذکورہ خصلتیں اس میں پائی جائیں۔ بدقسمتی سے آج مسلمانوں کی اکثریت عملی نفاق میں مبتلا ہے اور منافقین کے یہ خصائل ان میں عام پائے جاتے ہیں۔ اس منافقانہ کردار اور اخلاق وعمل کی کوتاہیوں نے مسلمانوں کو دنیا بھر میں ذلیل و رسوا اور اسلام کو بے اثر کر رکھا ہے۔

منافقوں کے تین طور طریقے اس حدیث میں بیان کئے گئے ہیں، ان اطوار کو منافقین کی صفات اس لیے بتلایا گیا ہے کہ عام طور پر یہ صفات انہی میں پائی جاتی ہیں، تاہم یہ عملی نفاق ہے، کفر نہیں ہے، جبکہ اعتقادی نفاق کفر ہے، لیکن یہ بھی بہت خطرناک ہے اس سے بھی بچنا چاہئے۔

قیلولہ کرنے کا حکم اور وجہ

(٢٥٢١)۔ عَنْ أَنَسٍ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((قِيْلُوْا فَإِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَا تَقِيْلُ۔)) (الصحيحة:١٦٤٧)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیلولہ کیا کرو کیونکہ شیاطین قیلولہ نہیں کرتے۔''

تخريج: أخرجه أبونعيم في "الطب": ١٢/ ١ نسخة السفر جلاني، وفي "أخبار أصبهان": ١/ ٩٥، ٣٥٣، ٢/ ٦٩، والطبرانى فى "الاوسط": رقم: ٢٧٢٥ ج١/ ٣/ ١

شرح:...... دوپہر کی مختصر نیند کو قیلولہ کہتے ہیں، اس نیند سے جسم کو کمال کی استراحت نصیب ہوتی ہے اور نمازِ عشا تک یا اس کے بعد تک نمازیں ادا کرنے میں اور دوسرے معاملات نبٹانے میں طبیعت کو کوئی گرانی محسوس نہیں ہوتی۔

یتیم کی کفالت کا اجر وثواب

(٢٥٢٢)۔ عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((كَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ إِذَا اتَّقَى اللّٰهَ۔)) وَأَشَارَ مَالِكٌ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى۔ (الصحيحة: ٩٦٢)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے یا کسی غیر کے یتیم کی پرورش کرنے والا اور میں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح (قریب قریب) ہوں گے، بشرطیکہ وہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔'' امام مالک نے انگشتِ شہادت اور درمیان والی انگلی سے اشارہ کیا۔

تخريج: أخرجه مسلم: ٨/ ٢٢١، والبيهقى فى "الشعب": ٧/ ٤٧١/ ١١٠٣٠، وأحمد: ٢/ ٣٧٥

شرح:...... اسلام واحد مذہب ہے، جس نے احترامِ انسانیت کا سب سے زیادہ درس دیا۔ یہ اسلام ہی ہے کہ جس نے معاشرے میں کسی فرد کے احساسِ محرومی کو برداشت نہیں کیا اور مالداروں سے کو خبردار کیا کہ ان کے مال و دولت میں تیموں، مسکینوں، بے کسوں، بیواؤں، ضرورت مندوں اور معذوروں کا حق ہے، جو ان پر قرض ہے۔ اسلام نے

معاشرے کے بے سہارا افراد کی امداد اور خیرخواہی کا حق ادا کر دیا ہے، اگر کوئی بچہ اور لڑکا اپنے بچپن اور لڑکپن میں والدین کے دستِ شفقت کے سائے سے محروم ہو جاتا ہے تو اسلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ معاشرے کے دوسرے افراد اس بچے اور لڑکے کے ساتھ اعانت اور شفقت کا وہ انداز اختیار کریں کہ اسے والدین کے فوت ہو جانے کا احساس ہی نہ رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت صرف نماز پڑھ لینا اور روزہ رکھ لینا ہی نہیں ہے، بلکہ ہر عمل صالح عبادت ہے اور یتامی وضعفا ومساکین کی خبر گیری بھی عبادت ہے۔

جنت میں نبی کریم ﷺ کی رفاقت اور آپ کا قرب، بہت بڑا اعزاز ہے، جو یتیم کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والے کو ملے گا۔ اسی لیے اس گھر کو بہترین گھر قرار دیا گیا جس میں یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا ہے اور اسے بدترین گھر قرار دیا گیا جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی والا معاملہ کیا جاتا ہے۔

انسان کا امتیاز اسی میں ہے کہ وہ نہ صرف اپنے جیسے انسانوں کے حق میں بلکہ جانوروں کے حق میں بھی دل میں نرمی رکھتا ہو اور اس کے تقاضے پورے کرتا ہو، وگرنہ صرف اپنے بچوں کے نازنخرے پورے کرنے کا وصف تو کئی حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے۔ اسلام نے انسان کو اجتماعی کفالت اور خبر گیری کا انتظام عطا کیا ہے، جس کے تحت یتیم بھی محرومی اور احساس کمتری کا شکار نہیں ہو سکتا۔

کیا شعر وشاعری قابل نفرت ہے

(۲۵۲۳)۔ عَنْ نَوْفِلِ بْنِ أَبِي عَقْرَبٍ، قَالَ: قِيْلَ لِعَائِشَةَ: أَكَانَ يُتَسَامَعُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الشِّعْرُ؟ قَالَتْ: كَانَ أَبْغَضَ الْحَدِيْثِ إِلَيْهِ۔ (الصحيحة:٣٠٩٥)

نوفل بن ابوعقرب کہتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ کے پاس اشعار سنے جاتے تھے؟ انہوں نے کہا: یہ تو آپ کے نزدیک سب سے زیادہ نفرت والی بات تھی۔

تخريج: أخرجه الطيالسي في "مسنده" ١٤٩٠، وعنه البيهقي في "السنن": ١٠/ ٢٤٥، وابن ابی شيبة فی "المصنف": ٨/ ٧٢٢/ ٦١٤٢، واحمد: ٦/ ١٣٤، ١٤٨، ١٨٨

شرح:...... اس حدیث میں اشعار کی مذمت اشعار ہونے کی وجہ سے نہیں کی گئی، بلکہ ان میں بیان کئے گئے برے پہلو کی بنا پر کی گئی ہے، کیونکہ شعر یا نثر ہونے کی وجہ سے کسی کلام کی مذمت یا تعریف نہیں کی جا سکتی۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلشِّعْرُ بِمَنْزِلَةِ الْكَلَامِ، حَسَنُهُ كَحَسَنِ الْكَلَامِ، وَقَبِيْحُهُ كَقَبِيْحِ الْكَلَامِ۔)) (دارقطنی، صحيحه: ٤٤٧) ......''اشعار، عام (نثر) کلام کی طرح ہی ہیں، یعنی اچھے اشعار، اچھے کلام اور برے اشعار، برے کلام کی طرح ہیں۔''

معلوم ہوا کہ کوئی کلام نثر یا شعر ہونے کی وجہ سے قابل تعریف یا قابل مذمت نہیں ہوتا، بلکہ اس کے اچھا یا برا ہونے کا دارومدار اس میں بیان کئے گئے مفہوم پر ہے۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً۔)) ''بعض اشعار، حکمت و دانائی پر مشتمل ہوتے ہیں۔'' (بخاری، صحیحہ: ۲۸۵۱)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن آیات اور احادیث میں اشعار کی مذمت کی گئی ہے، اس سے مراد برے اشعار ہیں۔ وگرنہ کوئی شعر، شعر ہونے کی وجہ سے قابل مذمت نہیں ہوتا، بلکہ اگر اس میں اچھا مفہوم بیان کیا گیا ہے تو وہ اچھا ہے اور اگر اس میں برا مفہوم بیان کیا گیا ہے تو وہ برا ہے۔

جس کلام میں دوسروں کی توہین کی گئی ہو، فتنہ وفساد کی آگ بھڑکائی گئی ہو، شرک و بدعت کو فروغ دیا گیا ہو یا اس میں کسی انداز میں شریعت کے اصولوں کی مخالفت کی گئی ہو، تو وہ کلام قابل مذمت ہوگا، وہ شعر ہو یا نثر ہو۔

اس کے برعکس جو کلام اللہ تعالی کی حمد وثنا پر مشتمل ہو، اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ کا بیان ہو، اس میں نیکی کی ترغیب اور برائی سے نفرت دلائی گئی ہو یا وہ کسی انداز میں شریعت کے اصولوں کی موافقت کر رہا ہو، تو وہ کلام قابل تعریف ہوگا، وہ شعروں کی صورت میں ہو یا نثر کی صورت میں۔

اچھے اشعار پڑھنے کی چند مثالیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں سیدنا حسان رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں اشعار پڑھا کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

سیدنا برا بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خندق والے روز مٹی منتقل کر رہے تھے تو یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

وَاللّٰهِ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَّاقَيْنَا
إِنَّ الْأُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا إِذَا أَرَادُوْا فِتْنَةً أَبَيْنَا

''اللہ کی قسم اگر آپ نہ ہوتے تو ہمیں ہدایت نہ ملتی نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے۔ (اے اللہ!) ہم پر سکینت نازل فرما اور اگر (دشمن سے) مڈبھیڑ ہو جائے تو ہمیں ثابت قدم رکھنا بے شک ظالموں نے ہم پر زیادتی کی ہے جب وہ (ہمارے دین میں) فتنہ ڈالنا چاہیں گے، تو ہم انکار کر دیں گے۔'' (بخاری، مسلم)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مہاجرین و انصار خندق کھود رہے تھے تو یہ شعر پڑھتے تھے: ((نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَابَقِيْنَا اَبَدًا .)) ......ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے کہ جب تک زندہ رہیں گے جہاد کرتے رہیں گے۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے ان کو جواب دیتے: ((اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْآخِرَة فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَة .)) ......''اے اللہ! زندگی تو آخرت کی ہی ہے سو تو انصاریوں اور مہاجروں کو بخش دے۔'' (بخاری، مسلم)

سیدنا شرید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے مجھ سے پوچھا:

کیا تجھے امیہ بن صلت کے اشعار یاد ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: سناؤ۔ سو میں نے ایک شعری مجموعہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور سناؤ۔ میں نے مزید اشعار سنائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور سناؤ۔ حتی کہ میں نے آپ ﷺ کو سو (۱۰۰) شعری مجموعے سنا دیے۔ (مسلم)

سیدنا جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ایک جنگ میں آپ ﷺ کی انگلی زخم کی وجہ سے خون آلود ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا لَقِيتِ)) ...... "تو ایک انگلی ہی ہے جو خون آلود ہو گئی ہے جو مصیبت تجھے پہنچی ہے یہ اللہ تعالی کے راستے میں ہے۔" (بخاری، مسلم)

(بلکہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً۔)) (بخاری) ...... "بعض شعر تو حکمت بھرے ہوتے ہیں۔") یہ روایت پیچھے بھی اسی شرح میں گزر چکی ہے۔

لہٰذا یہ کہنا پڑے گا کہ جہاں بھی شعری کلام کی مذمت ہو وہ اس میں بیان کردہ مضمون کی بنا پر ہوگی، نہ کہ شعر ہونے کی وجہ سے۔

گھر والوں سے اجازت لینے کا طریقہ

(۲۵۲٤)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ صَاحِبِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: كَانَ إِذَا جَاءَ الْبَابَ يَسْتَأْذِنُ لَمْ يَسْتَقْبِلْهُ يَقُوْلُ: يَمْشِيْ مَعَ الْحَائِطِ حَتّٰى يَسْتَأْذِنَ فَيُؤْذَنُ لَهُ أَوْ يَنْصَرِفُ۔ (الصحيحة:۳۰۰۳)

صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب آپ دروازے کے پاس آتے تو اجازت طلب کرتے اور سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ وہ کہتے ہیں: آپ دیوار کے ساتھ چلتے، حتی کی اجازت لے لیتے، پھر یا تو آپ کو اجازت دی جاتی یا پھر آپ پلٹ جاتے تھے۔

تخريج: أخرجه الأمام أحمد: ٤/ ١٨٩، وابنه عبدالله: ٤/ ١٨٩، والبخاري في "الادب المفرد": ١٠٧٨، وابوداود: ٥١٨٦

شرح: ...... شریعتِ اسلامیہ میں کسی گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینے کے جن آداب کا تعین کیا گیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ گھر والوں پر نظر ڈالنے سے پہلے اجازت طلب کی جائے، مزید وضاحت سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی کے گھر دروازے کے پاس پہنچتے تو دروازے کو اپنے سامنے نہیں رکھتے تھے، بلکہ اس کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو کر اجازت لینے کے لیے کہتے: السلام علیکم، السلام علیکم۔ یہ انداز اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں دروازوں پر پردے آویزاں نہیں ہوتے تھے۔ (ابوداود)

دستک دینے کا طریقہ

(۲۵۲٥)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: كَانَ بَابُهُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

يُقْرَعُ بِالْأَظَافِيرِ۔ (الصحيحة: ٢٠٩٢)

کا دروازہ ناخنوں سے کھٹکھٹایا جاتا تھا۔

تـخريـج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ١٠٨٠، وفي "التاريخ": ١/ ١/ ٢٢٨، وأبونعيم في "أخبار أصفهان": ٢/ ١١٠، ٣٦٥، والبزار: ٢٠٠٨۔ كشف الاستار

شرح:...... یہ کمال وقار اور سنجیدگی ہے، معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہوگی کہ دستک دینے والے کو گمان ہوگا کہ آپ ﷺ اور آپ کے اہل خانہ محو آرام ہوں، اگر وہ جاگ رہے ہوں گے تو اس معمولی دستک کی آواز سن لیں گے، وگرنہ دستک دینے والا واپس چلا جائے گا۔

اجازت سے پہلے کسی کے گھر میں جھانکنا منع ہے

(٢٥٢٦)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ كَشَفَ سِتْراً فَأَدْخَلَ بَصَرَهُ فِي الْبَيْتِ قَبْلَ أَنْ يُّؤْذَنَ لَهُ، فَرَأَى عَوْرَةَ أَهْلِهِ، فَقَدْ أَتَى حَدًّا لَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَّأْتِيَهُ لَوْ أَنَّهُ حِيْنَ أَدْخَلَ بَصَرَهُ اسْتَقْبَلَهُ رَجُلٌ فَفَقَأَ عَيْنَهُ مَاعَيَّرْتُ عَلَيْهِ، وَإِنْ مَرَّ الرَّجُلُ عَلَى بَابٍ لَاسِتْرَ لَهُ غَيْرِ مُغْلَقٍ فَنَظَرَ فَلَا خَطِيْئَةَ عَلَيْهِ، إِنَّمَا الْخَطِيْئَةُ عَلَى أَهْلِ الْبَيْتِ۔)) (الصحيحة: ٣٤٦٣)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے (کسی کے گھر کا) پردہ اٹھایا اور اجازت سے پہلے گھر میں دیکھنے لگا اور گھر والوں کی پردہ والی چیزوں کو دیکھ لیا تو اس نے ایسی حد کا ارتکاب کیا، جو اس کے لیے حلال نہیں تھی۔ اگر (اسی دوران) جبکہ وہ دیکھ رہا ہوتا ہے کوئی آدمی اس کے سامنے آتا ہے اور اس کی آنکھ پھوڑ دیتا ہے تو میں اس پر کوئی عیب نہیں لگاؤں گا۔ ہاں اگر کوئی شخص ایسے دروازے کے پاس سے گزرتا ہے، جس پر نہ کوئی پردہ ہوتا ہے اور نہ وہ بند ہوتا ہے تو ایسے گھر کے اندر دیکھنے میں دیکھنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، البتہ گھر والوں پر گناہ ہوگا۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢٧٠٧، واحمد: ٥/ ١٨١

شرح:...... قرآن وحدیث میں کسی کے گھر داخل ہونے سے پہلے اجازت لینے پر زور دیا گیا ہے، حتی کہ اپنے ماں باپ کے گھر میں بھی اجازت طلبی کے بغیر داخل ہونا ممنوع ہے۔

انسان اپنے گھر کے خلوت خانے میں مختلف ایسے کاموں میں مصروف ہوتا ہے، جن کی بابت وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کو ایسی حالت میں دیکھے۔ علاوہ ازیں عورتیں بھی اپنے کام کاج میں لگی ہوتی ہیں اور پردے کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی۔ اگر کسی کے گھر کے اندر داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرنا ضروری نہ ہوتا تو بہت سوں کی پردہ دری ہوتی اور نامحرم عورتوں پر نظر پڑتی۔ ان دونوں قباحتوں کے سد باب کے لیے اجازت طلب کرنے کو ضروری قرار دیا گیا۔

دراصل اجازت کو ضروری قرار دینے کی بنیاد نظر پر ہے، جیسا کہ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے گھر کے دروازے کے سوراخ سے اندر دیکھنے لگا، آپ ﷺ کے پاس کنگھا تھا، اس کے

ساتھ اپنے سر میں خارش کر رہے تھے۔ جب آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: ((لَوْ اَعْلَمُ اَنَّكَ تَنْظُرُنِي لَطَعَنْتُ بِهِ فِي عَيْنَيْكَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِئْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ تو میری طرف دیکھ رہا ہے تو میں نے یہ (کنگھا) تیری آنکھوں میں مار دینا تھا۔ نظر کی وجہ سے ہی تو اجازت کا طلب کرنا مقرر کیا گیا ہے۔''

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر پردوں کے باوجود جھانکنے والے کو گھر کے مالک کی طرف سے کوئی نقصان پہنچا تو وہ ھدر اور رائیگاں ہوگا، اس کا کوئی قصاص نہیں لیا جائے گا، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَوْ اَنَّ امْرَأً اِطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ اِذْنٍ فَخَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ مَا كَانَ عَلَيْكَ جُنَاحٌ۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''اگر کوئی آدمی بغیر اجازت کے آپ کے (گھر میں) جھانکے اور آپ اسے کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دیں تو آپ پر کوئی گناہ نہیں۔'' نیز یہ حدیث یہ درس بھی دیتی ہے کہ گھر باپردہ ہونے چاہئیں، تاکہ لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رہیں، دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کے گھر کے سامنے پردہ یا دروازہ نہیں ہے تو اجازت لینے والے کو ایک طرف کھڑے ہو کر اجازت طلب کرنی چاہئے، نہ کہ دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب آپ ﷺ دروازے کے پاس آتے تو اجازت طلب کرتے اور سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ وہ کہتے ہیں: آپ دیوار کے ساتھ چلتے، حتی کی اجازت لے لیتے، پھر یا تو آپ کو اجازت دی جاتی یا پھر آپ پلٹ جاتے تھے۔ (الصحیحہ: ۳۰۰۳)

آپ ﷺ کے پیچھے فرشتوں کا چلنا

(۲۵۲۷)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ: كَانَ إِذَا مَشٰى مَشٰى أَصْحَابُهُ أَمَامَهُ، وَتَرَكُوْا ظَهْرَهُ لِلْمَلَائِكَةِ۔ (الصحيحة: ۲۰۸۷)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب چلتے تو آپ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کے آگے چلتے، آپ کی پیٹھ کو فرشتوں کے لیے چھوڑ دیتے۔

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ١/ ١٠٨، والحاكم: ٤/ ٢٨١

شرح: ...... اس میں نبی کریم ﷺ کی منقبت کا بیان ہے۔

فاسق کے بیانات کی تحقیق کرنا

(۲۵۲۸)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ بَعَثَ الْوَلِيْدَ بْنَ عُقْبَةَ ابْنِ أَبِي مُعَيْطٍ إِلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ لِيَأْخُذَ مِنْهُمُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّهُ لَمَّا أَتَاهُمُ الْخَبَرُ فَرِحُوْا، وَخَرَجُوْا لِيَتَلَقَّوْا رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو بنو مصطلق کی طرف صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا۔ جب اُن لوگوں کو ان کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے قاصد کے استقبال کے لیے باہر نکلے، لیکن

وَأَنَّهُ لَمَّا حُدِّثَ الْوَلِيْدُ أَنَّهُمْ خَرَجُوْا يَتَلَقَّوْنَهُ رَجَعَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ بَنِي الْمُصْطَلِقِ قَدْ مَنَعُوْا الصَّدَقَةَ۔ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ غَضَبًا شَدِيْدًا فَبَيْنَمَا هُوَ يُحَدِّثُ نَفْسَهُ أَنْ يَّغْزُوَهُمْ إِذْ أَتَاهُ الْوَفْدُ، فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا حُدِّثْنَا أَنَّ رَسُوْلَكَ رَجَعَ مِنْ نِصْفِ الطَّرِيْقِ، وَإِنَّا خَشِيْنَا أَنْ يَكُوْنَ إِنَّمَا رَدَّهُ كِتَابٌ جَاءَهُ مِنْكَ لِغَضَبٍ غَضِبْتَهُ عَلَيْنَا، وَإِنَّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهِ۔ وَأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَعْتَبَهُمْ وَهَمَّ بِهِمْ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عُذْرَهُمْ فِي الْكِتَابِ ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا أَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَافَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ﴾۔ (الحجرات: ٦)

(الصحيحة:٣٠٨٨)

جب ولید کو ان کے استقبال کے طور پر باہر نکلنے کا بتلایا گیا تو وہ رسول اللہ کے پاس واپس لوٹ آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! بنومصطلق نے صدقہ روک لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس پہ بہت غصہ آیا، ابھی آپ ان کے خلاف جہاد کا سوچ ہی رہے تھے کہ (بنومصطلق) کا وفد آپ کے پاس پہنچ گیا اور انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ کا قاصد نصف طریق سے واپس لوٹ آیا ہے اور ہم ڈر گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ کو ہم پر غصہ آیا ہو، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے قاصد کو رقعہ لکھ کر واپس بلا لیا ہو، ہم تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غصہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو راضی کیا، حالانکہ آپ ﷺ (ان کے خلاف جنگ کرنے کا) ارادہ کر چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے (اپنی) کتاب میں اُن کا عذر نازل فرمایا۔ ''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہیں کوئی خبر دے تو تم اُس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پریشان ہونا پڑے۔''

تخريج: أخرجه ابن جرير الطبري في "التفسير": ٢٥/ ٧٨، والبيهقي في "سننه": ٩/ ٥٤

شرح:...... اس حدیث میں ایک نہایت اہم اصول کی نشاندہی کی گئی ہے اور وہ یہ کہ ہر فرد اور حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے پاس جو بھی خبر یا اطلاع آئے، بالخصوص بدکردار، فاسق اور مفسد قسم کے لوگوں کی طرف سے، تو پہلے اس کی تحقیق کی جائے، تاکہ غلط فہمی میں کسی کے خلاف کوئی کاروائی نہ ہو۔ عصر حاضر میں چونکہ گپ شپ کو بڑا پسند کیا جاتا ہے، لیکن اس کا اکثر حصہ اسی نوعیت کا ہوتا ہے کہ جو کسی نے سنی ہوتی ہے، اسے بڑے زور شور کے ساتھ بیان کرتا ہے اور یوں ایک آدمی کی طرف کئی غلط باتیں منسوب کر دی جاتی ہیں اور معاشرے میں ان کا شہرہ ہو جاتا ہے، حالانکہ وہ بے چارہ نہ صرف بری ہوتا ہے، بلکہ اسے کانوں کان خبر ہی نہیں ہوتی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔)) (مسلم) ...... ''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ جو سنے اسے (بغیر تحقیق کے) بیان کر دے۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہر سنی ہوئی بات، تحقیق کے بغیر آگے بیان کرنا یا اسے صحیح سمجھ لینا درست نہیں۔ عین ممکن ہے کہ وہ جھوٹی ہو اور یہ بھی اس کو بیان کر کے جھوٹوں میں شامل ہو جائے۔ اس لیے پہلے ہر بات کی تحقیق ضروری ہے۔محدثین نے احادیث کی صحت وسقم کو پرکھنے کے لیے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے راویٔ حدیث کی عدالت کی شرط لگائی ہے اور اس بنا پر انھوں نے کاذب، متہم بالکذب، فاسق، مبتدع اور مجہول راوی کی روایات کو تسلیم نہیں کیا۔مزید اس حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت ومنقبت کا بیان ہے کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر شدید محبت تھی کہ آپ کے قاصد کی آمد پر بہت خوش ہوئے اور اس کا استقبال کرنے کے لیے باہر نکل آئے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت ونافرمانی سے انتہائی دور رہنے والے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کی معاونت کرنا

(٢٥٢٩)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ:كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ رَحِیْماً، کَانَ لَا یَأْتِیْهِ أَحَدٌ إِلَّا وَعَدَهُ، وَأَنْجَزَلَهُ إِنْ کَانَ عِنْدَهُ، وَجَاءَ أَعْرَابِیٌّ فَأَخَذَ بِثَوْبِهِ، فَقَالَ: إِنَّمَا بَقِیَ مِنْ حَاجَتِیْ یَسِیْرَةٌ، وَأَخَافُ أَنْسَاهَا، فَقَامَ مَعَهُ حَتّٰی فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ، ثُمَّ أَقْبَلَ فَصَلّٰی۔ (الصحیحة:٢٠٩٤)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحم کرنے والے تھے۔ جو کوئی بھی آپ کے پاس آتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس سے وعدہ کر لیتے تھے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز ہوتی تو فوراً پورا کر دیتے تھے۔ (ایک دفعہ) ایک بدّو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا پکڑ لیا اور کہا: میری تھوڑی سی ضرورت باقی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں بھول نہ جاؤں۔سو آپ اُس کے ساتھ چلے، حتی کہ اُس کی ضرورت سے فارغ ہوئے، پھر تشریف لائے اور نماز پڑھی۔

تخریج:أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٢٧٨، وفي التاریخ:٢/ ٢١١٢،

شرح:...... چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرزندانِ امت کے حق میں سب سے بڑے ہمدرد اور غمخوار تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ عام بدوؤں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ان کے ساتھ چلے جاتے تھے، یہی حقیقی محبت کا پرتو ہے۔لیکن افسوس عصر حاضر کی امتِ مسلمہ پر ہے کہ اول تو غریبوں کے ساتھ چلنے کے لیے کوئی تیار ہی نہیں ہوتا، اگر کوئی ان کے تقاضے پورے کرتا بھی ہے تو اس کی بنیاد دنیوی ترجیحات اور اپنی تعلق داری پر ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کیسے ممکن ہے؟

(٢٥٣٠)۔ عَنْ خَادِمٍ لِلنَّبِیِّ رَجُلٍ أَوِ امْرَأَةٍ قَالَ: کَانَ مِمَّا یَقُوْلُ لِلْخَادِمِ: ((أَلَكَ حَاجَةٌ؟)) قَالَ: حَتّٰی کَانَ ذَاتَ یَوْمٍ فَقَالَ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم یا خادمہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم خادم کو جو کچھ کہا کرتے تھے، اس میں سے ایک بات یہ تھی: (آپ پوچھتے): ''کیا تیری کوئی ضرورت

يَـارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! حَـاجَتِي۔ قَالَ: ((وَمَا حَـاجَتُكَ؟)) قَـالَ: حَـاجَتِي أَنْ تَشْفَعَ لِي يَوْمَ الْـقِيَـامَةِ، قَـالَ: ((وَمَنْ دَلَّكَ عَلٰى هٰـذَا؟)) قَالَ: رَبِّي۔ قَالَ: ((أَمَا لَا، فَأَعِنِّي بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔)) (الصحيحة:٢١٠٢)

ہے؟'' بالآخر ایک دن خادم نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری ایک حاجت ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تیری کیا حاجت ہے؟'' اس نے کہا: میری حاجت یہ ہے کہ آپ روزِ قیامت میری شفاعت فرمائیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس (مطالبے پر) تیری رہنمائی کس نے کی؟'' اُس نے کہا: میرے پروردگار نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں! تو پھر تو سجدوں کی کثرت سے میری مدد کر۔''

تخريج: أخرجه أحمد في "مسنده":٣/ ٥٠٠

شرح:...... یہ حدیث تین اہم اسباق پر دلالت کرتی ہے: (۱) خادموں، نوکروں چاکروں اور ماتحت لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہیے، صرف ان کی معینہ تنخواہ یا مزدوری پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔ (۲) مومن اور مسلمان کو ذی شعور، دوررس اور ہوشمند ہونا چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو سکے اخروی زندگی کو دنیوی زندگی پر ترجیح دینی چاہیے۔ دیکھئے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے خادم سے اس کی ضرورت دریافت کی تو اس نے امورِ آخرت کو مقدم کرتے ہوئے آپ ﷺ کی شفاعت کا سوال کیا، حالانکہ اس کے لیے صرف دنیا یا دنیا و آخرت دونوں کا مطالبہ کرنا بھی ممکن تھا۔ (۳) رسول اللہ ﷺ کی سفارش کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے جبینِ نیاز کو جھکانا پڑتا ہے، صرف دعوے ناکافی ہیں۔

یہ حدیث اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ فرضی نمازوں کی ادائیگی کے بعد نفلی نماز کا بکثرت اہتمام کرنا شفاعتِ رسول کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

دربارِ نبوی میں لوگوں کا احترام

(٢٥٣١)۔ عَـنِ ابْـنِ عَبَّـاسٍ: كَـانَ ﷺ لَا يُدْفَعُ عَنْهُ النَّاسُ، وَلَا يُضْرَبُوْا عَنْهُ۔ (الصحيحة:٢١٠٧)

ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ ﷺ سے لوگوں کو دھکیلا جاتا تھا نہ مارا جاتا تھا۔

تخريج: أخرجه الطبراني في "الكبير":٣/ ٩٠/ ١، وابوداود: ١٨٨٥، واحمد: ٣٧٠٧

شرح:...... یعنی جس طرح عام دنیا دار قائدین کے حواری اپنے قائد کے نزدیک جُوں تک نہیں رینگنے دیتے بلکہ عقیدت سے قریب ہونے والے کو بھی دھکے کھانے پڑتے ہیں، ہر طرف سے ''اوئے، اوئے، ہٹ جاؤ، دفع ہو جاؤ'' کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ آپ ﷺ کے صحابہ اس طرح لوگوں کو نہیں دھکیلتے تھے۔ بلکہ ہر آنے والے شخص کو حسنِ ادب سے آپ ﷺ سے ہم کلام ہونے کا موقع دیا جاتا تھا۔

آپ ﷺ کا ضعیف صحابہ کا خیال رکھنا

(٢٥٣٢)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ: كَانَ ﷺ يَتَخَلَّفُ فِي الْمَسِيْرَةِ فَيُزْجِيْ الضَّعِيْفَ، وَيُرْدِفُ وَيَدْعُوْلَهُمْ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، آپ ﷺ چلنے میں پیچھے رہتے، کمزور کو چلاتے اور اپنے پیچھے بٹھاتے تھے اور صحابہ کے لیے دعا کرتے تھے۔

(الصحيحة: ٢١٢٠)

تخريج: أخرجه أبوداود: ١/ ٤١١، والحاكم: ٢/ ١١٥

شــرح:...... یہ بات تو عنقا بن چکی ہے کہ عہدے دار اور ارباب اقتدار لوگ بھی انسانیت کی خدمت کرتے ہوں، ہمارے ہاں سب سے زیادہ دوری معاشرے کے اعلی اور ادنی فرد کے مابین ہوتی ہے، یہ ناممکن ہے کہ کوئی گورنر، ضلع ناظم، تحصیل ناظم، ایم این اے یا کوئی ایم پی اے کسی ذاتی مقصد کے بغیر اپنی گاڑی میں امتِ مسلمہ کے کسی غریب، نادار اور معاشرے کے کمتر فرد کو بٹھا لے۔

حضرت محمد ﷺ رسالت و نبوت کے سب سے عظیم منصب پر فائز تھے، لیکن آپ کا سب سے مضبوط تعلق غریبوں، یتیموں اور بے سہارا لوگوں سے تھا، آپ عمر رسیدہ مردوں اور بڑھیا عورتوں کے خدمتگار تھے، غلام اور انتہائی بے کس لوگ آپ کی مجلس کی زینت تھے اور عظیم لوگوں کو یہی زیب دیتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی برلانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنیوالا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقروں کا ملجا ضعیفوں کا ماوی یتیموں کا والی غلاموں کا مولی

(٢٥٣٣)۔ عَنْ خَادِمٍ لِلنَّبِيِّ رَجُلٍ أَوِ امْرَأَةٍ قَالَ: كَانَ مِمَّا يَقُوْلُ لِلْخَادِمِ: ((أَلَكَ حَاجَةٌ؟)) قَالَ: حَتّٰى كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! حَاجَتِي۔ قَالَ: ((وَمَا حَاجَتُكَ؟)) قَالَ: حَاجَتِي أَنْ تَشْفَعَ لِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، قَالَ: ((وَمَنْ دَلَّكَ عَلٰى هٰذَا؟)) قَالَ: رَبِّي۔ قَالَ: ((أَمَا لَا، فَأَعِنِّي بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔)) (الصحيحة: ٢١٠٢)

نبی کریم ﷺ کے خادم یا خادمہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: آپ ﷺ خادم کو جو کچھ کہا کرتے تھے، اس میں سے یہ بات تھی: (آپ پوچھتے:) ''کیا تیری کوئی ضرورت ہے؟'' بالآخر ایک دن خادم نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری ایک حاجت ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تیری کیا حاجت ہے؟'' اس نے کہا: میری حاجت یہ ہے کہ آپ روزِ قیامت میری شفاعت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس (مطالبے پر) تیری رہنمائی کس نے کی؟'' اُس نے کہا: میرے پروردگار نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں! تو پھر تو سجدوں کی کثرت سے میری مدد کر۔''

تخریج: أخرجه أحمد فی "مسنده": ٣/ ٥٠٠

شرح:...... اس حدیث سے تین اہم امور کی نشاندہی ہوتی ہے: (۱) خادموں، نوکروں چاکروں اور ماتحت لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہئے، صرف ان کی معینہ تنخواہ یا مزدوری پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ کا مقام و مرتبہ مسلّم تھا، لیکن یہ عظیم منصب آپ کو بے بس و بے کس لوگوں کی خدمت سے پیچھے نہ رکھ سکا۔ (۲) مومن اور مسلمان کو ذی شعور، دور رس اور ہوشمند ہونا چاہئے اور جہاں تک ممکن ہو سکے اخروی زندگی کو دنیوی زندگی پر ترجیح دینی چاہئے۔ دیکھئے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے خادم سے اس کی ضرورت دریافت کی تو اس نے امورِ آخرت کو مقدم کرتے ہوئے آپ ﷺ کی شفاعت کا سوال کیا، حالانکہ اس کے لیے صرف دنیا یا دنیا و آخرت دونوں کا مطالبہ کرنا ممکن تھا۔ (۳) رسول اللہ ﷺ کی سفارش کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے جبینِ نیاز کو جھکانا پڑتا ہے، صرف دعوے ناکافی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا اپنی ضروریات خود پوری کرنا

(٢٥٣٤)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: كَانَ ﷺ يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ، وَيَأْكُلُ عَلَى الْأَرْضِ، وَيَعْتَقِلُ الشَّاةَ، وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوكِ عَلَى خُبْزِ الشَّعِيرِ۔ (الصحيحة: ٢١٢٥)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ زمین پر بیٹھ جایا کرتے تھے، زمین پر بیٹھ کر ہی کھاتے تھے، بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے اور جو کی روٹی پہ غلام کی دعوت قبول کر لیتے تھے۔

تخريج: أخرجه الطبرانی فی "الكبير": ٣/ ١٦٤/ ١، و رواه ابو الشيخ فی "أخلاق النبی ﷺ": صـ ٦٣، و البغوی فی "شرح السنة": ٤/ ٣/ ١ دون قوله: ((على خبز الشعير))

(٢٥٣٥)۔ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ: كَانَ ﷺ يَرْكَبُ الْحِمَارَ وَيَخْصِفُ النَّعْلَ وَيَرْقَعُ الْقَمِيصَ وَيَقُوْلُ: ((مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔)) (الصحيحة: ٢١٣٠)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: آپ ﷺ گدھے پر سوار ہوتے تھے، جوتا سلائی کرتے تھے اور قمیص کو خود ہی پیوند لگا لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے: ''جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔''

تخريج: رواه أبو الشيخ: ١٢٨، والسهمی فی "تاريخ جرجان": ٣١٥

شرح:...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیاں نبی کریم ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھیں، جبکہ بیویوں اور خادموں کی تعداد بھی موجود تھی، لیکن اس کے باجود بھی گھر کے کئی امور آپ ﷺ خود سرانجام دیتے تھے، ہمیں بھی چاہئے کہ اپنی خدمت کا سارا بوجھ اپنے خادموں اور بیویوں پر مت ڈالیں، بلکہ ان کے آرام کے اوقات کا خیال رکھیں۔

نیز یہ نبی کریم ﷺ کی سادگی اور عاجزی تھی، جسے آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے طرزِ حیات بھی قرار دیا۔ اگر کوئی انسان آپ ﷺ کی ان سنتوں کا اہتمام کرنے لگے تو اس کی زندگی کئی مشاکل اور تکلّفات سے پاک ہو سکتی ہے۔ ایسے امور کو سرانجام دینے والا آدمی تکبر سے پاک ہو جائے گا اور اس کی عاجزی و فروتنی میں اضافہ ہوگا۔ اگر کسی آدمی کو زندگی کی روٹین میں ان امور کا موقع نہیں ملتا تو کبھی کبھار رسول اللہ ﷺ کی سنت سمجھ کر ان کو سرانجام دینا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کا خندق کھودنے میں خود شریک ہونا

(٢٥٣٦)۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: كَانَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ (وَفِي رِوَايَةٍ: يَوْمَ الْخَنْدَقِ) يَنْقُلُ مَعَنَا التُّرَابَ، وَلَقَدْ وَارَى التُّرَابُ بَيَاضَ بَطْنِهِ (وَفِي رِوَايَةٍ: شَعْرَ صَدْرِهِ) وَكَانَ رَجُلاً كَثِيرَ الشَّعْرِ وَهُوَ يَرْتَجِزُ بِرِجْزِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ وَهُوَ:

حضرت برا بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ غزوۂ احزاب اور ایک روایت کے مطابق غزوہ خندق والے دن ہمارے ساتھ مٹی اٹھا رہے تھے، مٹی نے آپ ﷺ کے پیٹ مبارک کی سفیدی کو (اور ایک روایت کے مطابق سینۂ مبارک کے بالوں کو) چھپا دیا تھا، آپ ﷺ بہت زیادہ بالوں والے تھے اور اس وقت آپ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے (درج ذیل) رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے:

وَاللّٰهِ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا
وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
إِنَّ الْأُلٰى قَدْ أَبَوْا عَلَيْنَا
إِذَا أَرَادُوْا فِتْنَةً أَبَيْنَا أَبَيْنَا

''اللہ کی قسم! اگر آپ نہ ہوتے تو ہمیں ہدایت نہ ملتی
نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے
(اے اللہ!) ہم پر سکینت نازل فرما
اور اگر (دشمن سے) مڈبھیڑ ہو جائے تو ہمیں ثابت قدم رکھنا
بے شک ظالموں نے ہم پر زیادتی کی ہے
جب وہ (ہمارے دین میں) فتنہ ڈالنا چاہیں گے، تو ہم انکار کر دیں گے، انکار کر دیں گے۔''

وَيَـرْفَـعُ بِهَـا صَوْتَهُ۔ (وَفِي رِوَايَةٍ: "بَغَوْا" مَكَانَ "أَبَوْا") (الصحيحة:٣٢٤٢)

یہ جملہ کہتے وقت آپ ﷺ اپنی آواز بلند کرتے تھے۔

تخـريـج: أخرجه البخاري: رقم ٢٨٣٧، ٤١٠٦، ٦٦٢٠، ٧٢٣٦۔ والروايتان مع الزيادات له۔ ومسلم: ٥/ ١٨٧۔ ١٨٨، والدارمي: ٢/ ٢٢١، وابن حبان: ٤٥١٨۔ الأحسان، والبيهقي: ٧/ ٤٣، وفي "الدلائل": ٣/ ٤١٣۔ ٤١٤، وابـن أبـي شيبة: ١٤/ ٤١٩، وأحـمـد: ٤/ ٢٨٢، ٢٨٥، ٢٩١، ٣٠٠، ٣٠٢، والطيالسي أيضا: ٩٧/ ٧١٢، وأبويعلي: ٣/ ١٧١٦

شرح:...... غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودنا انتہائی کٹھن مرحلہ تھا، آپ ﷺ نے کھدائی کے عمل میں بنفس نفیس شرکت کی اور اس طرح صحابۂ کرام کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ عصر حاضر میں مختلف تنظیموں اور اداروں کے امرا اور مسئولین خدمتِ خلق کی اس سعادت سے نہ صرف یکسر محروم نظر آتے ہیں، بلکہ ایسے امور سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ درست مفہوم پر مشتمل اشعار پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ابتدائے رات کو بچوں کی حفاظت کرنا

(٢٥٣٧)۔ عَـنْ جَـابِـرِ بْـنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كُفُّوْا صِبْيَانَكُمْ عِنْدَ فَحْمَةِ الْعِشَاءِ وَإِيَّاكُمْ وَالسَّمَرَ بَعْدَ هَدْأَةِ الرِّجْلِ فَإِنَّكُمْ لَاتَدْرُوْنَ مَايَبُثُّ اللّٰهُ مِنْ خَلْقِهِ۔ فَأَغْلِقُوْا الأَبْوَابَ وَأَطْفِئُوا الْمِصْبَاحَ وَأَكْفِئُوا الإِنَاءَ وَأَوْكُوا السِّقَاءَ۔)) (الصحيحة: ٣٤٥٤)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رات کی ابتدائی تاریکی کے وقت اپنے بچوں کو (گھروں میں) روکے رکھو اور رات کو لوگوں کے سو چکنے کے بعد گفتگو سے بچو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کون سی مخلوق کو (زمین پر) پھیلا دیتا ہے۔ (رات کو) دروازے بند کر دیا کرو، چراغ بجھا دیا کرو اور برتن الٹے کر دیا کرو اور مشکیزے کا منہ بند کر دیا کرو۔''

تخـريـج: أخرج الحميدي في "مسنده": ٥٣٥/ ١٢٧٣، وأخرجه مسلم: ٦/ ١٠٧ الا انه لم يسق لفظه؛ وقال: "بـنـحـو حـديـث زهير" يعني الذى قبله۔، وابوداود: ٢٦٠٤، واحمد: ٣/ ٣١٢، ورواه الشيخان ببعضه

شرح:...... اس حدیثِ مبارکہ میں بیان کئے گئے آداب کی وضاحت درج ذیل حدیث میں کی گئی ہے: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''برتن ڈھانپ دیا کرو، مشکیزے کا منہ باندھ دیا کرو، دروازہ بند کر دیا کرو اور چراغ بجھا دیا کرو، کیونکہ شیطان نہ تو بند مشکیزہ کھولتا ہے، نہ بند کیا ہوا دروازہ کھولتا ہے اور نہ ڈھانکے ہوئے برتن سے ڈھکن ہٹاتا ہے۔ اگر برتن پر ڈھکن دینے کے لیے کوئی چیز نہ ملے تو اس پر کوئی لکڑی ہی رکھ دی جائے یا پھر اس پر اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک پڑھ دیا جائے اور (چراغ) بجھانے کی وجہ یہ ہے کہ (بسا اوقات) چوہیا (اس کی

بتی کھینچ کر ایسی جگہ پر پھینک دیتی ہے کہ) جس سے گھر (اور ایک روایت کے مطابق اہل خانہ کے کپڑے) جل جاتے ہیں۔" اور ایک روایت میں ہے: "جب رات کے آنے کا وقت قریب ہو تو اپنے بچوں کو (گھروں میں) روک لیا کرو، کیونکہ اس وقت شیطان منتشر ہو رہے ہوتے ہیں، جب رات کا کچھ (ابتدائی) حصہ گزر جائے تو ان کو آزاد کر سکتے ہو۔" ایک اور روایت میں ہے: "جب سورج غروب ہو جائے تو بچوں اور (اونٹوں اور بکریوں وغیرہ) کو روک لیا کرو، یہاں تک رات کے ابتدائی اندھیرے کا وقت گزر جائے، جب سورج غروب ہوتا ہے تو اس وقت شیطان بکھر رہے ہوتے ہیں۔" ایک دوسری روایت میں ہے: "برتنوں کو ڈھانک دیا کرو اور مشکیزوں کے منہ باندھ دیا کرو، کیونکہ سال میں ایک رات ایسی ہوتی ہے، جس میں ایک وبا (بیماری) نازل ہوتی ہے اور ہر نہ ڈھانکے ہوئے برتن اور نہ منہ بند کئے ہوئے مشکیزے میں داخل ہو جاتی ہے۔" (یہ تمام روایات صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔) سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں رات کو ایک گھر جل گیا، جب اس کی ساری صورت حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ آگ تمہاری دشمن ہے، جب سونے لگو تو اس کو بجھا دیا کرو۔" (صحیح مسلم) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب سونے لگو تو گھروں میں آگ کو جلتا ہوا مت چھوڑا کرو۔" (صحیح مسلم)

یہ شریعتِ اسلامیہ کی انسانیت کے ساتھ خیر خواہی ہے کہ ہر لحاظ سے اس کے جان و مال کے تحفظ کے لیے مختلف قوانین وضع کیے ہیں۔ ان آداب کے اسباب بھی بیان کر دیے گئے ہیں، مزید اگر انسان غور کرے تو دروازوں کا کھلا رہنا چوری کا سبب بن سکتا ہے، برتنوں اور مشکیزوں کا کھلا رہنا کئی کیڑوں مکوڑوں کے گندے اثرات اور ضرر رساں جراثیموں کا سبب بن سکتا ہے۔

چونکہ دن کہ بہ نسبت رات کو شیاطین کا شر و فساد زیادہ ہوتا ہے، اس لیے وہ ابتدائے رات سے ہی اپنی اپنی ڈیوٹیاں سنبھالنے کے لیے نقل و حرکت شروع کر دیتے ہیں، ایسے اوقات میں بچوں کا محفوظ مقامات پر ٹھہرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ عصر حاضر میں بچوں اور لڑکوں میں برائی کی زیادتی اور نیکی کی کمی کے رجحان کا شدید شکوہ ہے، شاید اس کی وجہ یہی ہو کہ تقریباً تمام بچے غروبِ آفتاب کے وقت اور اس کے بعد تک میدانوں، پارکوں، بازاروں اور گلیوں میں ہوتے ہیں۔

گھر میں رات کو چراغ بجھانے کی وجہ آگ ہے، بجلی کی لائٹ اور بلب وغیرہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے، ان کو ضرورت کے مطابق آن رکھا جا سکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا خیال رکھنا

(٢٥٣٨)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْعِشَاءَ ، فَإِذَا سَجَدَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ عشا ادا کر رہے تھے، اچانک

وَثَبَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلٰى ظَهْرِهِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ أَخَذَهُمَا بِيَدِهِ مِنْ خَلْفِهِ أَخْذًا رَفِيقًا فَوَضَعَهُمَا وَضْعًا رَفِيقًا فَإِذَا عَادَ عَادَا فَلَمَّا صَلَّى وَضَعَهُمَا عَلٰى فَخِذَيْهِ وَاحِدًا هٰهُنَا وَوَاحِدًا هٰهُنَا، قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: فَجِئْتُهُ، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَلَا أَذْهَبُ بِهِمَا إِلٰى أُمِّهِمَا؟ قَالَ: ((لَا)) فَبَرَقَتْ بَرْقَةٌ فَقَالَ: أَلْحِقَا بِأُمِّكُمَا، فَمَا زَالَا يَمْشِيَانِ فِي ضَوْئِهَا حَتّٰى دَخَلَا إِلٰى أُمِّهِمَا۔ (الصحيحة:٣٣٢٥)

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما آپ کی پشت پر چڑھ گئے۔ جب آپ سر مبارک اٹھاتے تو ان کو پیچھے سے نرمی سے پکڑ لیتے اور بڑی ہی شفقت سے ان کو زمین پر رکھ دیتے۔ پھر جب آپ سجدہ کرتے تو وہ پھر چڑھ جاتے۔ جب آپ ﷺ نماز پڑھ لیتے تو اُن کو اپنی ران پر بٹھا لیتے، یعنی ایک کو (ایک ران پر) اور دوسرے کو (دوسری ران پر)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں ان دونوں کو ان کی ماں کے پاس نہ لے جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں“۔ اتنے میں جب بجلی چمکنے لگی تو آپ نے فرمایا: ”تم دونوں اپنی ماں کے پاس چلے جاؤ۔“ پھر وہ بجلی کی روشنی میں چلتے رہے یہاں تک کہ اپنی ماں کے پاس چلے گئے۔

تخريج: أخرجه الحاكم: ٣/ ١٦٧۔ والسياق له۔ ومن طريقه البيهقي في"الدلائل": ٦/ ٧٦، وأحمد في"المسند": ٢/ ٥١٣، وابنه عبدالله في زوائد على "فضائل الصحابة": لأبيه: ٢/ ٧٨٥/ ١٤٠١، والطبراني في"المعجم الكبير": ٣/ ٤٥/ ٢٦٥٩، والعقيلي في"الضعفاء": ٤/ ٩، وابن عدي في"الكامل": ٦/ ٨١، ورواه البزار في "مسنده": ٣/ ٢٢٧/ ٢٦٢٩ مختصرا

شرح:...... اس میں نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کا تذکرہ ہے کہ نماز کے دوران بھی بچوں سے شفقت اور نرمی والا سلوک روا رکھا۔ معلوم ہوا کہ مسجد میں بچوں کے آجانے میں کوئی حرج نہیں، ہاں ان کو سمجھانا اور مسجد کے آداب کی تعلیم دینا بزرگوں کی ذمہ داری ہے۔ آجکل اگر دورانِ نماز کوئی بچہ معمولی سا شور کر دے تو سلام کے بعد اس کو سمجھانے والے مسجد کی چھت کو سر پر اٹھا لیتے ہیں اور مسجد میں بے چینی پر مشتمل عجیب سا شوروغل شروع ہو جاتا ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں ضرورت کے مطابق نقل وحرکت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، عصر حاضر میں اگر کوئی آدمی نماز سے پہلے موبائل بند کرنا بھول جاتا ہے اور دورانِ نماز گھنٹی بجنا شروع ہو جاتی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ جیب سے موبائل نکال کر بند کر دے تاکہ نمازیوں کی عبادت میں خلل نہ آئے۔

افضل لوگوں کی صفات

(٢٥٣٩)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ؟

قَـالَ: ((كُـلُّ مَـخْـمُـوْمِ الْقَلْبِ، صُدُوْقِ الـلِّسَـانِ۔)) قَالُوْا: صُدُوْقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُهُ فَـمَـا مَخْمُوْمُ الْقَلْبِ؟ قَالَ: ((التَّقِيُّ النَّقِيُّ لَا إِثْـمَ فِيْـهِ وَلَا بَـغْـيَ وَلَا غِـلَّ، وَلَا حَسَدَ۔)) (الصحيحة:٩٤٨)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کون سے لوگ افضل ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر مخموم القلب اور سچی زبان والا'' صحابہ نے کہا: ہم سچی زبان والے کو تو پہچانتے ہیں، مخموم القلب سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ایسا دل جو (اللہ سے) ڈرنے والا اور صاف ہو، اُس میں گناہ ،بغاوت، خیانت اور حسد نہ ہو۔''

تخریج: رواه ابن ماجه: ٤٢١٦، وابن عساكر: ١٧/ ٢٩/ ٢

شرح:...... سچائی، خوفِ خدا اور صفائے قلب، یہ تین خصائلِ حمیدہ ممتاز انسانوں کی صفات ہیں۔ جو فرد ان تین اوصاف سے عاری ہوگا، شاید وہ مقامِ انسانیت کو پہنچانے سے بھی قاصر رہے۔ یہی اوصافِ حمیدہ ہیں جن کی وجہ سے انسان خیر و بھلائی کی طرف مائل اور شرّ و فساد سے متنفر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر صدق و سچائی جیسی خصلت انسان کو جھوٹ، دروغ گوئی، بدکلامی، فحش گوئی، سب و شتم، لعن طعن اور چغلی غیبت جیسے اوصافِ ذمیمہ سے دور رہنے پر آمادہ کرتی ہے، اسی طرح اگر دل میں خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی ہو تو دل نفاق، بغض، حسد، کینہ اور کدورت جیسے گناہوں سے پاک رہتا ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق

(٢٥٤٠)۔ عَـنْ أَنَـسِ بْـنِ مَالِكٍ مَرْفُوْعًا: ((لَيْسَ بِمُؤْمِنٍ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ غَوَائِلَهُ۔)) (الصحيحة:٢١٨١)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ شخص مومن نہیں، جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی امن میں نہیں ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن نصر في "الصلاة": ١٤١/ ٢، والحاكم: ٤/ ١٦٥

شرح:...... انسان کی عزت و حرمت، مال و دولت اور جان و جیون کو دوسرے انسان کے شرّ سے بچانے کے لیے بہت سخت قوانین وضع کیے گئے ہیں۔ انسانیت کے احترام کا اس سے بڑا لحاظ کیا ہو سکتا ہے کہ صرف پڑوس کی بنا پر اسے حسنِ سلوک کا اوّلین مستحق ٹھہرا دیا جائے اور تحائف و ہدایا کا پہلا حقدار قرار دیا جائے۔ اس سے بڑی بشارت کیا ہو سکتی ہے کہ پڑوسیوں کے حق میں بہتری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں آدمی کے مقام و مرتبہ میں اضافہ ہو جائے۔

(٢٥٤١)۔ عَـنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُـوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَسْتَقِيْمُ إِيْمَانُ عَبْدٍ حَتّٰـى يَسْتَقِيْمَ قَلْبُهُ، وَلَا يَسْتَقِيْمُ قَلْبُهُ حَتّٰى

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی آدمی کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا، جب تک اُس کا دل درست نہیں

يَسْتَقِيمَ لِسَانُهُ وَلَا يَدْخُلُ رَجُلٌ الْجَنَّةَ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ۔)) (الصحيحة: ٢٨٤١)

ہوتا اور کسی کا دل اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتا، جب تک اس کی زبان راہِ راست پر نہیں آ جاتی اور ایسا شخص تو جنت میں داخل نہیں ہوگا کہ جس کے شرور سے اُس کا ہمسایہ امن میں نہیں ہوتا۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ١٩٨، وابن أبي الدنيا في "الصمت": رقم ٩، والخرائطي في "المكارم": رقم ٤٤٢، والقضاعي في "مسند الشهاب": ق ٧٥/ ١

شرح:...... اگر کوئی ہمسایہ اپنے کسی ہمسائے کی بدسلوکی کی وجہ سے تنگ ہے تو اس میں مرکزی کردار ظالم کی زبان کا ہوگا، اس حدیث میں پڑوسی کی خیر و بھلائی کو کامیابی و کامرانی کا معیار قرار دیا گیا ہے، وہ اس طرح کہ ایمان کی بنیاد دل کی راستی پر ہے، دل کی درستی کا دارمدار زبان کی اصلاح پر ہے اور زبان کی خیر وشرّ کا تعلق پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک یا بدسلوکی سے ہے۔

(٢٥٤٢)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا: ((كَمْ مِنْ جَارٍ مُتَعَلِّقٌ بِجَارِهِ يَقُوْلُ: يَارَبِّ! سَلْ هٰذَا لِمَ أَغْلَقَ عَنِّي بَابَهُ وَمَنَعَنِي فَضْلَهُ۔)) (الصحيحة: ٢٦٤٦)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کتنے ہی پڑوسی (ایسے ہوں گے جو) اپنے پڑوسی (کے حقوق کے سلسلے میں) لٹکے ہوئے ہوں گے۔ پڑوسی کہے گا: اے میرے رب! اس سے سوال کرو کہ اس نے اپنا دروازہ مجھ سے کیوں بند کر دیا تھا اور بچا ہوا مال مجھ سے کیوں روک لیا تھا۔''

تخريج: أخرجه ابن أبى الدنيا فى "مكارم الأخلاق": ص ٨٥ رقم ٣٤٥، والأصبهانى فى "الترغيب": ص ٢٢٣۔ الجامعة، والبخارى فى "الادب المفرد": ١١١

شرح:...... آج کے مفاد پرستانہ اور ابن الوقتی دور میں ہمسائیوں کے حقوق کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے، ان کے حقوق کی ادائیگی تو کجا، سرے سے ان کی شناخت ہی نہیں کی جاتی۔ گلی کے ایک کونے میں صفِ ماتم بچھی ہوتی ہے تو دوسرے کونے پہ شادی کی رسومات رقص کناں ہوتی ہیں۔ حالانکہ ان کے حقوق کا تو یہ عالم ہے کہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میرے خلیل حضرت محمد ﷺ نے مجھے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ((إِذَا طَبَخْتَ مَرَقًا فَأَكْثِرْ مَاءَ هَا ثُمَّ انْظُرْ أَهْلَ بَيْتٍ مِنْ جِيْرَانِكَ، فَأَصِبْهُمْ مِنْهَا بِمَعْرُوْفٍ۔)) (مسلم) ...... ''جب تم شوربے (والا سالن) پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ کرلیا کرو، پھر اپنے پڑوسیوں کا کوئی گھر دیکھو اور ان کو بھلائی کے ساتھ اس میں سے کچھ حصہ پہنچاؤ۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَمْنَعْ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً

فِـيْ جِدَارِهِ۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو دیوار میں لکڑی گاڑنے سے نہ روکے۔'' یعنی اگر کوئی ہمسایہ چھپر وغیرہ کا شہتیر اپنے ہمسائے کے مکان کی دیوار پر رکھنا چاہتا ہے تو اس کو نہیں روکا جا سکتا۔

بہر حال یہ حدیث ہمسائیوں کے حقوق میں کم و کاست کرنے والوں کے لیے سخت وعید ہے کہ ایسے لوگ اپنے ہمسائیوں سے روزِ قیامت اپنا حق وصول کریں گے۔

(٢٥٤٣)۔ عَـنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ بَـنٰى بِنَاءً فَلْيَدْعَمْهُ حَائِطَ جَارِهِ وَفِي لَفْظٍ: مَـنْ سَـأَلَـهُ جَـارُهُ أَن يَّـدْعَمَ عَلٰى حَائِطِهِ فَلْيَدَعْهُ۔)) (الصحيحة:٢٩٤٧)

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی کوئی عمارت تعمیر کرے تو وہ اپنے پڑوسی (کے گھر) کی دیوار پر تعمیر کر لے۔'' اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں: ''جو آدمی اپنے پڑوسی سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اس کی دیوار پر (اپنی عمارت کو) سہارا دینا چاہتا ہے تو وہ اس کو (یہ کام) کرنے دے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه :٢٣٣٧، وابن جرير الطبري في"تهذيب الآثار":٢/ ١/ ٧٧٢ـ٧٧٤، ٧٧٧، والطحاوي في"المشكل الآثار": ٣/ ١٥٠، والبيهقي : ٦/ ٦٩، وأحمد: ١/ ٢٣٥، ٢٥٥، ٣٠٣، ٣١٧، والطبراني: ١١/ ١١٧٣٦

شرح :...... اس حدیث کی وضاحت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہو چکی ہے۔ ماضی قریب میں دیہاتی لوگ اس حدیث پر عمل کرنے میں بہت آگے تھے، اگر کوئی چار دیواروں والا کمرہ تعمیر کرنا چاہتا تو اسے صرف دو یا تین دیواروں کی تکمیل درکار ہوتی تھی، کیونکہ ایک دو اطراف سے ہمسائیوں کے مکانات ہوتے تھے، جو اس کے کمرے کا آسرا بن جاتے تھے۔ اسطرح کرنے سے محبت بھی بڑھتی تھی، صدقہ جاریہ بھی ہوتا تھا اور ایک دو دیواروں کا خرچہ بھی بچ جاتا تھا۔ لیکن جوں جوں مال و دولت میں اضافہ ہوتا گیا اور مکانات کی تعمیر میں تکلف بڑھتا گیا، توں توں ایثار کی یہ صورتیں ماند پڑتی گئیں، بالخصوص شہری زندگی میں، کہ جہاں حرص و طمع اور قبضہ وغصب کا اتنا عروج ہوتا ہے کہ کوئی ہمسایہ دوسرے کو اپنے گھر کی دیوار میں سنگ بھی نہیں ملانے دیتا، جس کی وجہ سے ان احادیث کی مخالفت بھی ہوتی ہے، حقیقی محبت بھی مفقود ہو جاتی ہے اور لاکھوں روپے کا سیمنٹ، ریت اور اینٹیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

کسی پر لعنت کرنا کبیرہ گناہ ہے

(٢٥٤٤)۔ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ قَالَ: كُنَّا إِذَا رَأَيْنَـا الـرَّجُلَ يَلْعَنُ أَخَاهُ رَأَيْنَاهُ أَنْ قَدْ أَتٰى بَابًا مِنَ الكَبَائِرِ۔ (الصحيحة:٢٦٤٩)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: جب ہم کسی آدمی کو دیکھتے کہ وہ اپنے بھائی پر لعنت کر رہا ہو تو ہمارا خیال ہوتا تھا کہ اس نے کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

تخریج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": ٣/ ٢٧٦/ ١۔ مجمع البحرین، وفي "الکبیر" بنحوه

شرح:...... کسی معین شخص بالخصوص مؤمن آدمی یا کسی چیز کے لیے لعنت، پھٹکار، خدا کی مار، اللہ تعالی کی خیر و رحمت سے دوری اور اس کے عتاب وغضب کی بد دعا کرنا سخت منع ہے۔ بیشتر لوگ ہنسی مذاق یا سنجیدگی میں دوسرے مسلمان بھائیوں کو لعنتی جیسے قبیح القاب سے پکارنے سے اجتناب نہیں کرتے، جبکہ سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کے برابر ہے۔'' اگر کوئی آدمی ایسے الفاظ کہنے سے گریز نہیں کرتا تو خود اس کے ملعون ہونے کا خطرہ ہے، جیسا کہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا لَعَنَ شَيْئًا صَعِدَتِ اللَّعْنَةُ إِلَى السَّمَاءِ، فَتُغْلَقُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ دُوْنَهَا، ثُمَّ تَهْبِطُ إِلَى الْأَرْضِ، فَتُغْلَقُ أَبْوَابُهَا دُوْنَهَا۔ ثُمَّ تَأْخُذُ يَمِيْنًا وَ شِمَالًا فَإِذَا لَمْ تَجِدْ مَسَاغًا رَجَعَتْ إِلَى الَّذِيْ لُعِنَ، فَإِنْ كَانَ أَهْلًا لِذَالِكَ، وَإِلَّا رَجَعَتْ إِلَى قَائِلِهَا۔)) (ابو داود) ...... ''جب بندہ کسی چیز پر لعنت کرتا ہے کہ تو لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے، لیکن اس کے لیے آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، پھر وہ زمین کی طرف اترتی ہے تو اس کے دروازے بھی اس کے ورے بند کر دیے جاتے ہیں۔ پھر دائیں اور بائیں سمت اختیار کرتی ہے، پھر جب کوئی گنجائش نہیں پاتی تو اس کی طرف لوٹتی ہے جس پر لعنت کی گئی ہوتی ہے۔ پس اگر وہ چیز اس لعنت کی مستحق ہو (تو اسی پر پڑتی ہے) وگرنہ وہ لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے۔'' (اور یوں لعنت کرنے والا خود اپنی لعنت کا حقدار بن جاتا ہے)۔

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی تعیین کے بغیر کافروں، فاسقوں اور بدکاروں کے حق میں لعنت کی بددعا کی جا سکتی ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چوری کرنے والے، والدین پر لعنت کرنے والے، غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والے، تصویر بنانے والے، سود کھانے والے، مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتوں اور عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں کے لیے لعنت کی بددعا کرنا ثابت ہے۔

بہر حال کسی شخص کا نام لے کر لعنت کرنا جائز نہیں، چاہے وہ بظاہر ظالم ہو، جھوٹا ہو، قطع رحمی کرنے والا ہو یا قاتل ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ جس شخص پر اس کے ظلم یا جھوٹ یا کسی اور گناہ کی وجہ سے لعنت کی جا رہی ہے، اس نے اپنے گناہ سے توبہ کر لی ہو یا آئندہ کر لے گا اور اس طرح اللہ تعالی کے ہاں ظالم یا جھوٹا نہیں رہے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالی اس گناہ کو بغیر توبہ کے معاف کر دے۔ اس لیے کسی بھی گنہگار مسلمان کے لیے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا گناہ گار کیوں نہ ہو، اس پر اس کی زندگی میں اور اس کے مرنے کے بعد لعنت کرنا جائز نہیں۔ صرف یہ کہنا جائز ہے کہ جھوٹوں پر یا ظالموں پر اللہ تعالی کی لعنت ہو۔ کیونکہ اس انداز میں صرف وہ لوگ داخل ہوتے ہیں جو مرنے سے پہلے اور مرنے کے بعد اللہ تعالی کے ہاں جھوٹے اور ظالم ہی قرار پاتے ہیں۔

اللہ تعالی کے ہاں ملعون لوگ

(٢٥٤٥)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ، لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ غَيَّرَ تُخُوْمَ الأَرْضِ، لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ كَمِهَ الأَعْمٰى عَنِ السَّبِيْلِ، لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَبَّ (وَفِيْ رِوَايَةٍ: عَقَّ) وَالِدَيْهِ، لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ وَقَعَ عَلٰى بَهِيْمَةٍ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ، لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ۔)) (الصحيحة: ٣٤٦٢)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے غیر اللہ کیلیے ذبح کیا، اللہ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے زمین کے نشانات بدلے، اللہ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے اندھے کو رستے سے بھٹکا دیا، اللہ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے اپنے والدین کی نافرمانی کی یا ان کو گالی دی، اللہ ایسے غلام پر لعنت کرے جس نے اپنے آقا کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا مالک بنایا، اللہ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے چوپائے سے بدفعلی کی، اللہ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے قوم لوط والا عمل کیا، اللہ ایسے آدمی پر لعنت کرے جس نے قوم لوط والا عمل کیا اور اللہ ایسے فرد پر لعنت کرے جس نے قوم لوط والا عمل کیا۔‘‘

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ٣٥٦۔ والسياق له۔، والبيهقي في "السنن": ٨/ ٢٣١ و "الشعب": ٤/ ٢٥٤/ ٥٣٧٣، وأحمد: ١/ ٢١٧، ٣٠٩، ٣١٧، ۔ والرواية الأخرى له۔، وعبد بن حميد: ١/ ٥١٣/ ٥٨٧، وأبو يعلي: ٤/ ٤١٤۔ ٤١٥/ ٢٥٣٩، ومن طريقه ابن حبان: ٤٣/ ٥٣، والطبراني في "المعجم الكبير": ١١/ ٢١٨/ ١٧٥٤٦

شرح:...... لعنت سے مراد اللہ تعالی کی پھٹکار، خدا کی مار، اللہ تعالی کی خیر و رحمت سے دوری اور اس کے عتاب و غضب کی بد دعا کرنا ہے۔ اس حدیث میں غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے، زمین کے نشانات بدلنے، نابینے کو رستہ بھٹکانے، والدین کو برا بھلا کہنے، غلام کا اپنے آقا کو بدلنے، چوپائے سے بدفعلی کرنے اور لواطت یعنی مرد کا مرد سے برائی کرنے کی قباحت و شناعت کا بیان ہے کہ ایسے بدنصیبوں کے حق میں لعنت کی بد دعا کی گئی ہے۔

زمین کے نشانات سے مراد دو مختلف مالکوں کی زمینوں کے درمیان حد فاصل اور راستوں کی علامتیں ہیں۔ یہ حدیث اسلام کی عالمگیریت اور ہر دور سے اس کی مکمل ہم آہنگی کا منہ بولتا ثبوت ہے، اگرچہ زمانہ قدیم میں بھی مسافر کی صحیح راہنمائی کے لیے شاہراہوں پر کچھ نشانات لگائے جاتے تھے، بہر حال عصر حاضر کی پختہ سڑکوں پر موڑوں کی نشاندہی، فاصلوں کے تعین، اترائی و چڑھائی کی نشاندہی اور مختلف آبادیوں اور شہروں کے نام اور ان کی طرف تیروں کے نشانات نے اس حدیثِ مبارکہ کی اہمیت میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عہد پارینہ کی بہ نسبت زمین کی

قیمت میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے، اس لیے حد بندی زیادہ ضروری امر ہو گیا ہے، شریعتِ اسلامیہ نے ایسی پابندیاں روزِ اول سے ہی نافذ کر دی تھیں۔

نیز سنگِ میل وغیرہ کو بدلنا اور اندھے کو غلط راستے پر لگا دینا اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام نے احترامِ انسانیت کا سب سے زیادہ خیال رکھا۔ حدیثِ مبارکہ کے آخری جملے میں لواطت کی قباحت کا بیان ہے، زمین کے کئی خطوں میں بسنے والے لوگ اس غیر فطرتی اور انتہائی گندے فعل میں مبتلا ہیں، بہرحال ایسا کرنے والے ملعون ہیں اور اسلام کے نزدیک ان کی سزا قتل ہے۔

انصار کی میزبانی کا اعلیٰ انداز

(٢٥٤٦)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ فَقَالَ: أَصَابَنِيَ الْجُهْدُ (وَفِيْ رِوَايَةٍ: إِنِّي مَجْهُوْدٌ) فَبَعَثَ إِلٰى نِسَائِهِ، فَقُلْنَ: وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! مَا مَعَنَا إِلَّا الْمَاءُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ يَضُمُّ۔ أَوْ يُضِيْفُ۔ هٰذَا يَرْحَمُهُ اللّٰهُ؟)) فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: يُقَالُ لَهُ: أَبُوْ طَلْحَةَ أَنَا۔ فَانْطَلَقَ بِهِ إِلٰى امْرَأَتِهِ فَقَالَ: أَكْرِمِي ضَيْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَا تَدَّخِرِيْ شَيْئًا فَقَالَتْ: وَاللّٰهِ! مَا عِنْدَنَا إِلَّا قُوْتٌ لِلصِّبْيَانِ۔ فَقَالَ: هَيِّئِيْ طَعَامَكِ، وَأَصْلِحِيْ سِرَاجَكِ، وَنَوِّمِيْ صِبْيَانَكِ إِذَا أَرَادُوْا عَشَاءً، فَهَيَّأَتْ طَعَامَهَا، وَأَصْلَحَتْ سِرَاجَهَا، وَنَوَّمَتْ صِبْيَانَهَا ثُمَّ قَامَتْ كَأَنَّهَا تُصْلِحُ سِرَاجَهَا فَأَطْفَأَتْهُ وَجَعَلَا يُرِيَانِهِ أَنَّهُمَا يَأْكُلَانِ: وَأَكَلَ الضَّيْفُ وَبَاتَا طَاوِيَيْنِ، فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((لَقَدْ ضَحِكَ اللّٰهُ۔ أَوْ عَجِبَ۔ مِنْ فِعَالِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میں غربت (وافلاس) میں مبتلا ہو گیا ہوں (اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا: میں مفلس ہوں)۔ آپ نے اپنی بیویوں کی طرف پیغام بھیجا، انھوں نے جواب دیا: اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا؟ ہمارے ہاں پانی کے علاوہ کچھ نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس کی میزبانی کرے گا، اللہ تعالیٰ اُس پر رحم کرے گا۔'' ایک انصاری صحابی، جس کو ابوطلحہ کہا جاتا تھا، نے کہا: میں کروں گا۔ وہ اس مہمان کو لے کر اپنی بیوی کے پاس پہنچے اور کہا: رسول اللہ کے مہمان کی عزت کرو اور کوئی چیز بچا کر نہ رکھو۔ اس کی بیوی نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے ہاں صرف بچوں کے لیے آب و دانہ ہے۔ ابوطلحہ نے کہا: اس طرح کرو کہ کھانا تیار رکھو، دیا جلا کے رکھو اور بچے جب شام کے کھانے کا ارادہ کریں تو اُنھیں سلا دینا۔ چنانچہ اُس نے اپنا کھانا تیار کیا، چراغ جلایا اور بچوں کو سلا دیا۔ پھر وہ چراغ کو درست کرنے کے بہانے اٹھی اور اس کو (جان بوجھ کر) بجھا دیا، پھر (اندھیرے میں) وہ دونوں (میاں بیوی) مہمان کو یہ باور کراتے رہے کہ وہ بھی اسکے ساتھ کھا رہے ہیں۔ چنانچہ مہمان نے کھانا کھایا اور ان دونوں نے

وَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الصحيحة:٣٢٧٢)

بھوک کی حالت میں رات گزاری۔ جب صبح ہوئی تو وہ (ابو طلحہ) رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے، آپ نے فرمایا: ''تم نے رات کو اپنے مہمان کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر ہنسے ہیں یا اس پر تعجب کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے (ان کی یہ اچھی خصلت بیان کرتے ہوئے) یہ آیت نازل فرمائی: اور وہ (دوسرے حاجتمندوں کو) اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ اُن کو سخت بھوک ہو اور جو لوگ نفسوں کی بخیلی سے بچ گئے، وہی کامیاب ہو گئے ہیں۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٣٧٩٨ و ٤٨٨٩، وفي "الأدب المفرد": ٧٤٠، ومسلم: ٢٠٥٤، والترمذي: ٣٣٠٤۔ مختصرا۔، وكذا النسائي في "السنن الكبرى": ٦/ ٤٨٦/ ١١٥٨٢، والبيهقي أيضا: ٤/ ١٨٥، وفي "الأسماء": أيضا: صـ ٤٦٩

شرح:...... سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اوران کی حرم پاک نے میزبانی کی جو اعلی مثال پیش کی، رہتی دنیا تک یہ اوراق کی زینت بنتی رہے گی۔ یہ لوگ واقعی اس سعادت کے مستحق تھے کہ اسلام ان کے کندھوں کا سہارا لے کر اگلی نسلوں تک منتقل ہوتا۔ ابوطلحہ کی بیوی پر میرے ماں باپ قربان ہوں، وہ اپنے خاوند کی کس قدر تابع فرمان خاتون تھی کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھوکا سلانا تو گوارا کر لیا، لیکن اپنے سرتاج کے حکم سے ذرہ برابر پہلوتہی نہ برتی۔ یہی عظیم لوگ تھے کہ جن کے قول وکردار کو مفسرین قرآن نے ''اسبابِ نزولِ قرآن'' کے دامن میں قلمبند کر لیا۔

آپ ﷺ پر ابلیس کا حملہ اور ناکامی

(٢٥٤٧)۔ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ فَصَلّٰى صَلَاةَ الصُّبْحِ وَهُوَ خَلْفَهُ، فَقَرَأَ، فَالْتَبَسَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ: ((لَوْ رَأَيْتُمُوْنِيْ وَإِبْلِيْسَ فَأَهْوَيْتُ بِيَدِيْ، فَمَا زِلْتُ أَخْنُقُهُ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَ لُعَابِهِ بَيْنَ إِصْبَعَيَّ هَاتَيْنِ: الْإِبْهَامَ وَالَّتِيْ تَلِيْهَا، وَلَوْلَا دَعْوَةُ أَخِيْ سُلَيْمَانَ، لَأَصْبَحَ مَرْبُوْطًا بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ يَتَلَاعَبُ بِهٖ صِبْيَانُ الْمَدِيْنَةِ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ لَا يَحُوْلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ أَحَدٌ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور نماز فجر ادا کی اور وہ (ابوسعید) آپ کے پیچھے تھے، آپ نے قرأت فرمائی تو آپ پر قرأت خلط ملط ہونے لگی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''کاش کہ تم مجھے اور ابلیس کو دیکھتے، میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اُس کا گلا گھونٹتا رہا، حتی کہ مجھے انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی کے درمیان اس کے لعاب کی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔ اگر میرے بھائی سلیمان (علیہ السلام) کی دعا نہ ہوتی تو وہ اس حال میں صبح کرتا کہ مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ بندھا ہوتا اور مدینے کے بچے اُس کے ساتھ کھیل رہے ہوتے۔ تم میں سے جس میں یہ استطاعت ہو کہ

فَلْيَفْعَلْ۔)) (الصحيحة:٣٢٥١) (دورانِ نماز) اس کے اور اس کے قبلہ کے مابین کوئی چیز حائل نہ ہوتو وہ ایسا ہی کرے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٨٢، ومن هذ الوجه رواه ابوداود: ٦٩٩ مختصرا

شرح:...... اگر چہ نبی کریم ﷺ شیطانی حملوں سے مکمل محفوظ تھے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ قَرِيْنَهُ مِنَ الْجِنِّ۔)) قَالُوْا: وَاِيَّاكَ؟ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((وَاِيَّایَ، اِلَّا اَنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِیْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ، فَلَا يَأْمُرُنِیْ اِلَّا بِخَيْرٍ۔)) (مسلم) ...... ''اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ہر آدمی کے ساتھ ایک شیطان مقرر کر دیا ہے (جو اسے برائی پر آمادہ کرتا ہے)۔'' صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد کی، جس کی وجہ سے وہ مطیع ہو گیا، پس وہ مجھے صرف خیر و بھلائی کا ہی حکم دیتا ہے۔''

لیکن ابلیس اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتا رہتا تھا اور نتیجتاً ناکام و نامراد ہو کر واپس لوٹتا تھا، جیسا کہ اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی: ﴿وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ﴾ (ص: ٣٥) ...... ''اور (اے اللہ!) مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما، جو میرے بعد کسی کے لیے لائق نہ ہو۔''

حافظ ابن حجرؒ نے کہا: اس حدیث سے اشارہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی رعایت کرتے ہوئے ابلیس کو چھوڑ دیا تھا، لیکن یہ بھی احتمال ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہو کہ وہ جو کام چاہتے جنوں سے کروا لیتے تھے۔ (فتح الباری)

چھوٹوں سے پیار اور بڑوں کا احترام

(٢٥٤٨)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: جَاءَ شَيْخٌ يُرِيْدُ النَّبِيَّ ﷺ، فَأَبْطَا الْقَوْمُ عَنْهُ أَنْ يُوَسِّعُوْا لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا، وَيُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا۔)) (الصحيحة:٢١٩٦)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھا نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، لوگوں نے اُس کو جگہ دینے میں تاخیر کی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کی وہ ہم میں سے نہیں۔''

تخريج: أخرجه الترمذي:١/ ٣٤٩

شرح:...... اسلام اس لحاظ سے یکتا و یگانہ حیثیت کا مالک ہے کہ اس نے بزرگوں کے احترام و اکرام اور چھوٹوں سے محبت و شفقت کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ کوئی مذہب بسیار کوشش کے باوجود اپنے پیروکاروں کے دلوں

میں بڑوں کے احترام اور چھوٹوں سے شفقت کے جذبات پیدا نہ کرسکا۔ مغربی تہذیب تو اخلاقِ حسنہ سے اس قدر عاری ہے کہ وہاں بڑی عمر کے لوگوں کو (Old Houses) میں جمع کر کے ان کو زندگی کے حقیقی لطف اور اپنے بچوں پہ نگاہِ شفقت ڈالنے سے محروم کر دیا جاتا ہے، جبکہ اسلام اس فرد کو اپنے تمدن کا باشندہ ہی نہیں سمجھتا جو بزرگوں کی بزرگی اور بچوں سے حسنِ سلوک کا لحاظ نہیں کرتا۔

((فَلَيْسَ مِنَّا)) کے لفظی معانی ''وہ ہم میں سے نہیں'' کے ہیں، یہ جملہ کسی شخص سے نفرت، بیزاری اور براءت کا اظہار کرنے کے لیے بولا جاتا ہے، اس جملہ کے مفہوم سے چند احتمالات پیدا ہوتے ہیں کہ ''وہ ہم میں سے نہیں'' سے کیا مراد ہے؟ کیا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا تعلق ہماری امت سے نہیں یا وہ صادق اور کامیاب مسلمانوں میں سے نہیں یا وہ ہمارے طریقے پر نہیں یا وہ ہمارے حکم اور فیصلے پر نہیں یا وہ ان لوگوں میں سے ہے جو ہماری سفارش کے مستحق نہیں؟

اس سلسلہ میں محدثین کرام اور سلف صالحین کی توجیہات وتشریحات کا مطالعہ فرمائیں۔

(۱) امام ابن حجر، عبدالرحمٰن مبارکپوری اور دیگر کئی اہل علم کہتے ہیں: "ليس منا اى من اهل سنتنا و طريقتنا، وليس المراد به اخراجه عن الدين، ولكن فائدة ايراده بهذا اللفظ المبالغة في الردع عن الوقوع في مثل ذلك" ...... ''وہ ہم میں سے نہیں'' سے مراد یہ ہے کہ وہ ہماری سنت اور طریقے پر نہیں، اس سے مراد اس آدمی کو دینِ اسلام سے خارج کرنا نہیں، ان الفاظ کا فائدہ ایسی برائیوں سے ڈانٹ ڈپٹ کرنا ہے۔

(۲) بعض اہل علم کہتے ہیں: "فَلَيْسَ مِنَّا أَيْ لَيْسَ عَلٰى دِيْنِنَا الكَامِلِ۔" ...... ''ہم میں سے نہیں'' سے مراد یہ ہے کہ وہ ہمارے مکمل دین پر نہیں، بلکہ اس کا دین ناقص ہے)۔

(۳) بعض علمائے دین کہتے ہیں: "ليس منا اى ليس من أدبنا أو ليس مِثْلَنَا۔" ...... وہ ہم میں سے نہیں سے مراد یہ ہے کہ وہ ہمارے (معینہ) آداب پر نہیں یا وہ ہماری طرح کا (مکمل) مسلمان نہیں۔

جبکہ امام سفیان بن عیینہ مذکورہ بالا تمام مفاہیم و مطالب کو ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ حدیث میں وارد ہونے والے ایسے الفاظ کی تاویل کرنے سے باز رہنا چاہئے تا کہ لوگوں کے قلوب واذہان میں اس کا اثر بھی زیادہ ہو اور لوگوں کو ایسے جرائم سے باز رہنے کا فائدہ بھی ہو۔

بہرحال یہ الفاظ متعلقہ امر کی قباحت و شناعت پر دلالت کرتے ہیں، یہ الفاظ صاحبِ شریعت ﷺ کی طرف سے بہت سخت وعید ہیں، ایسے امور سے اجتناب کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کرنی چاہئے۔

مسجد میں قبلہ والی سمت میں تھوکنا

(۲۵٤۹)۔ عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِيْ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، فَغَضِبَ حَتّٰى

احْـمَرَّ وَجْهُهُ ، فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ مِنَ الأَنْصَارِ فَحَكَّتْهَا ، وَجَعَلَتْ مَكَانَهَا خَلُوْقًا ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَاأَحْسَنَ هٰذَا!)) (الصحيحة: ٣٠٥٠)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مسجد کے قبلہ میں کھنگار دیکھا، آپ ﷺ کو سخت غصہ آیا، حتی کہ آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ سو ایک انصاری عورت آئی، اُس نے اُس کو کھرچ دیا اور اُس کی جگہ ''خلوق'' خوشبو لگا دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کتنا اچھا کام ہے!''

تخريج: أخرجه النسائي: ١/ ١١٩، وابن ماجه: ٧٦٢

شرح:...... یہ حدیث دو مسائل پر دلالت کرتی ہے: (۱) مسجد میں تھوکنا (۲) قبلہ والی سمت میں تھوکنا۔ بلا شک وشبہ اگر ضرورت پڑ جائے تو مسجد میں تھوکنا جائز ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی قبلہ والی سمت میں تھوک دیکھی، وہ آپ پر بڑی ہی گراں گزری، بہر حال آپ ﷺ نے اس کو صاف کیا اور فرمایا: ((اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ فِيْ صَلَاتِهِ فَاِنَّمَا يُنَاجِيْ رَبَّهُ، فَلَا يَبْزُقَنَّ فِيْ قِبْلَتِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ۔)) (بخاری) ...... ''جب تم میں کوئی آدمی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے ربّ سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے، اس لیے وہ قبلہ والی سمت میں نہ تھوکا کرے، البتہ بائیں جانب یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے۔'' پھر (تیسرا طریقہ بیان کرتے ہوئے) آپ ﷺ نے اپنی چادر کا کنارہ پکڑا، اس میں تھوکا اور اس کو مل دیا اور فرمایا: ''یا پھر اس طرح کر لیا کرے۔''

اس موضوع پر دلالت کرنے والی کئی ایک احادیث ہیں، لیکن درج بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رخصت اس وقت ہے جب آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور اسے مجبوراً تھوکنا پڑ جائے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا۔)) (بخاری) ...... ''مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ تھوک کو دفن کر دینا ہے۔''

دورِ حاضر میں مساجد میں بچھی ہوئی قالینوں اور چٹائیوں کی صفائی کا بھی یہی تقاضا ہے کہ تھوکنے سے گریز کیا جائے۔ رہا مسئلہ قبلہ والی سمت میں تھوکنے کا، تو وہ بھی منع ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے پتہ چلتا ہے، نیز اس موضوع پر کئی دوسری احادیث موجود ہیں۔

خلوق: ایک قسم کی خوشبو ہے جس کا بیشتر حصہ زعفران پر مشتمل ہوتا ہے۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر مسجد میں کوئی گندی چیز پڑی ہو تو اسے صاف کر کے وہاں کوئی خوشبو لگا دی جائے۔

امتِ مسلمہ کے حق میں ضرر رساں امور

(٢٥٥٠)۔ عَنْ أَبِي الأَعْوَرِ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِي إِلَّا

حضرت ابو الاعور رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی اُمت کے بارے میں مجھے صرف تین چیزوں

ثَلاثًا شُحٌّ مُطَاعٌ، وَهَوًى مُتَّبَعٌ، وَإِمَامُ ضَلَالٍ.)) (الصحیحة:۳۲۳۷)

کا ڈر ہے: (۱) بخیلی، جس کے تقاضے پورے کردیے جائیں، (۲) خواہشِ نفس جس کی پیروی کی جائے اور (۳) گمراہ امام۔‘‘

تخریج: أخرجه البزار في "مسنده": ۲/ ۲۳۸/ ۱۶۰۲، والدولابي في "الكنى": ۱/ ۱۶، وابن مندة في "المعرفة": ۲/ ۶۲/ ۲، وابن عساكر في "تاريخ دمشق": ۱۳/ ۴۶۲

شرح:...... اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنا اور لوگوں کے مال کو ناجائز طریقے سے ہڑپ کر جانا بخل اور شح کہلاتا ہے، بخیل و کنجوس آدمی نہ صرف آخرت میں نقصان اٹھاتا ہے، بلکہ دنیا میں بھی بے وقار ہوکر رہ جاتا ہے، کئی احادیث میں اس قبیح خصلت کی مذمت کی گئی ہے۔

نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے اور شتر بے مہار کی طرح من پسند زندگی گزارنے کے مفاسد نہایت عیاں ہیں، ایسا آدمی اپنی اخروی زندگی کا خسارہ مول لے لیتا ہے۔ آپ ﷺ نے مومن کو نکیل شدہ اونٹ سے تشبیہ دی ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کا پابند ہوتا ہے، اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔

کسی مسلمان کے حق میں گمراہ اور ظالم امام اور حکمران کا شرّ سب سے زیادہ ہے، عصرِ حاضر میں جو خطے ظالم بادشاہوں کے زیرِ تسلط ہیں، وہاں کے مسلمانوں کی زندگی آزمائش کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اگر وہ ایسے حکمرانوں کا ساتھ دیں تو دین سے بیزار ہونا پڑتا ہے اور ان کے درباروں سے دور رہنے کی صورت میں انتہائی ابتلا و امتحان والی زندگی گزارنا پڑتی ہے، یا پھر موت کے گھاٹ اترنا پڑتا ہے۔

آپ ﷺ کا بعض افراد کے بارے میں سوئے ظن رکھنا

(۲۵۵۱)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا أَظُنُّ فُلَانًا وَفُلَانًا يَعْرِفَانِ مِنْ دِيْنِنَا الَّذِيْ نَحْنُ عَلَيْهِ شَيْئًا۔ زَادَ ابْنُ عُفَيْرٍ: (قَالَ اللَّيْثُ: كَانَا رَجُلَيْنِ منافقين) وَزَادَ يَحْيٰى فِي أَوَّلِهِ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا، فَقَالَ: ((مَا أَظُنُّ فُلَانًا وَفُلَانًا يَعْرِفَانِ مِنْ دِيْنِنَا الَّذِي نَحْنُ عَلَيْهِ شَيْئًا۔)) (الصحیحة:۳۰۷۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: میرا خیال ہے کہ جس دین پر ہم ہیں، فلاں اور فلاں کو اس کا کوئی علم نہیں ہے۔ ابن عفیر نے (اپنی روایت میں) یہ الفاظ زیادہ کئے: لیث نے کہا کہ وہ دونوں آدمی منافق تھے اور یحییٰ نے اُس کے شروع میں اضافہ کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک دن میرے پاس آئے اور فرمایا: ’’میرا خیال ہے کہ جس دین پر ہم ہیں، فلاں اور فلاں آدمی اس دین پر کاربند نہیں ہیں۔‘‘

تخریج: أخرجه البخاري: ۶۰۶۷، ۶۰۶۸

شرح:...... یہ دو منافق تھے، ان کے طرزِ حیات نے نبی کریم ﷺ کے سامنے جو انداز پیش کیا، اس سے

آپ ﷺ کو ان کی حقیقت کا اندازہ ہو گیا تھا۔

حسن صحبت

(٢٥٥٢)۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ إِذَا بَلَغَهُ عَنِ الرَّجُلِ شَيْءٌ لَمْ يَقُلْ: مَا بَالُ فُلَانٍ يَقُوْلُ وَلٰكِنْ يَقُوْلُ: ((مَابَالُ أَقْوَامٍ يَقُوْلُوْنَ كَذَا وَكَذَا۔)) (الصحيحة: ٢٠٦٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب آپ کو کسی آدمی کے بارے میں کوئی ناگوار بات موصول ہوتی تو آپ اس طرح نہیں کہتے تھے کہ فلاں کو کیا ہوا ہے کہ وہ اس طرح کی باتیں کرتا ہے، بلکہ آپ فرماتے: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٢/ ٢٨٨ـتازية، وعنه البيهقي في"الدلائل":١/ ٢٣٧، وأخرجه مسلم: ٧/ ٩٠ واحمد بلفظ: ...... ما بال اقوام يرغبون عما رخص لي فيه؟! فوالله لانا اعلمهم بالله، واشدهم له خشية۔

شرح:...... امام ابوداود نے اس حدیث پر ''باب فی حسن العشرۃ'' قائم کی، اسی بنا پر ہم نے ''حسن صحبت'' کا باب باندھا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا مقصود امت کی اصلاح تھی، نہ کہ طعن وتشنیع۔ اہل اسلام کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے، اسی اصول کو اپنائیں۔ مشہور ضرب المثل ''سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی بچ جائے'' کا یہی مفہوم ہے۔ شارح ابوداود شیخ عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں: اس حدیث میں آپ ﷺ نے متعلقہ آدمی کی طرف مکروہ چیز کو منسوب کرنے سے بچاؤ اختیار کیا ہے، کیونکہ اس کے بغیر آپ ﷺ کا مقصود پورا ہو رہا ہے، (اور وہ ہے اس شخص اور حاضرین مجلس کی اصلاح)۔ (عون المعبود)

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ ہمارے نبی ﷺ حکمت و دانائی سے متصف تھے، وہ لوگوں پر کیچڑ اچھالنے اور ان کے عیوب کی نشاندہی کرنے سے کس قدر باز رہنے والے تھے۔ مگر کسی کے گناہ اور عیب پر ہمارا ردّ عمل اتنا جارحانہ ہوتا ہے کہ وہ آدمی ندامت و شرمندگی کی بجائے اپنے گناہ پر ڈٹ جاتا ہے۔ ہم عیب جوئی کیوں کرتے ہیں؟ ہمیں دوسروں کی حقیقی اصلاح و تربیت کا لحاظ کیوں نہیں ہے؟ ہم سر عام اپنے بھائیوں کے عیوب کو مدنظر رکھ کر ان پر سب و شتم کیوں کرتے ہیں؟ نبی مہربان ﷺ تو اصل مجرم کا نام لینا ہی گوارا نہیں کرتے تھے، لیکن اس کے دل میں گھر کر جاتے تھے۔

اصل بے اولاد کون؟

(٢٥٥٣)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا تَعُدُّوْنَ الرَّقُوْبَ فِيْكُمْ؟)) قَالَ: قُلْنَا: الَّذِيْ لَا يُوْلَدُ لَهُ۔ قَالَ: ((لَيْسَ ذَاكَ بِالرَّقُوْبِ وَلٰكِنَّهُ الرَّجُلُ الَّذِيْ لَمْ يُقَدِّمْ مِنْ وَلَدِهِ شَيْئًا۔)) قَالَ: ((فَمَا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے مابین کس کو ''رَقُوب'' شمار کرتے ہو؟'' صحابہ نے کہا: جس کی اولاد نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا: ''ایسے آدمی کو ''رَقُوب'' نہیں کہتے، بلکہ ایسے شخص کو کہتے ہیں جس نے اپنی اولاد میں سے (کوئی بچہ) آگے نہ بھیجا ہو۔''

تَعُدُّوْنَ الصُّرَعَةَ فِيْكُمْ؟ قَالَ: قُلْنَا: اَلَّذِیْ لَا يَصْرَعُهُ الرِّجَالُ، قَالَ: ((لَيْسَ بِذَلِكَ، وَلَكِنَّهُ الَّذِیْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔)) (الصحيحة:٣٤٠٦)

پھر فرمایا: ''تم کس کو زبردست پہلوان شمار کرتے ہو؟'' صحابہ نے کہا: جسے کوئی آدمی پچھاڑ نہ سکے۔ آپ نے فرمایا: ''ایسا شخص تو پہلوان نہیں ہوتا، بلکہ پہلوان تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٨/ ٣٠، والبخاري في "الأدب المفرد": رقم ١٥٣، والبيهقي في "السنن" ٤/ ٦٨، و"الشعب": ٦/ ٣٠٦/ ٨٢٧٣، ٧/ ١٣٦/ ٩٧٥٦، وأحمد: ١/ ٣٨٢، وأبويعلي: ٩/ ٩٦- ٩٧/ ٥١٦٢، ومن طريقه ابن حبان في "صحيحه": ٤/ ٢٦٤/ ٢٩٣٩

شرح:......رقوب: وہ مرد یا عورت ہے جس کی اولاد نہ ہو۔

نابالغ بچوں کا فوت ہو جانا مسلمان والدین کے لیے کسی خوشخبری سے کم نہیں ہے، جیسا کہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کی باتیں تو مرد ہی لے گئے (یعنی ان کا سننا سنانا ان ہی کے حصے میں آتا ہے)، آپ اپنی طرف سے ایک دن ہمارے لیے بھی مقرر فرما دیں، تاکہ ہم آپ کے پاس آئیں اور آپ ہمیں ان باتوں کی تعلیم دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھلائی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلاں فلاں دن تم جمع ہو جانا۔ پس وہ اکٹھی ہو گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو ان امور کی تعلیم دی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھلائے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا مِنْكُنَّ مِنَ امْرَأَةٍ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِنَ الْوَلَدِ إِلَّا كَانُوْا لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ۔)) ...... ''تم میں سے جو عورت اپنے تین بچے آگے بھیج دے (یعنی فوت ہو جائیں) تو وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے رکاوٹ بن جائیں گے۔'' ایک عورت نے سوال کیا: اور دو بچوں کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو کا بھی یہی حکم ہے۔'' (بخاري، مسلم)

جس آدمی کی اولاد نہ ہو، یا اولاد تو ہو لیکن بالغ ہو گئی ہے، وہ روزِ قیامت اس شرف سے محروم رہے گا، گویا کہ بالغ اولاد کے والدین بھی بے اولاد ہیں۔

لوگ جسمانی لحاظ سے تنومند اور طاقتور شخص کو پہلوان سمجھتے ہیں، لیکن شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں اصل پہلوان وہ ہے جو غیظ وغضب کے وقت اپنے جذبات پر قابو رکھتا ہے اور کوئی ایسا اقدام نہیں کرتا، جس پر اسے بعد میں شریعت کی روشنی میں ندامت ہو۔ جیسے عام لوگ غصے کی حالت میں شیطانی اور دیوانی جذبات سے سرشار ہو کر اپنا بہت زیادہ نقصان کر دیتے ہیں اور پھر ندامت کے آنسو بہانا شروع کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے پرہیز گار لوگوں کی صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔ درج ذیل حدیث سے غصہ پی جانے کی اہمیت کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے، سیدنا معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى

عَلٰی رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یُخَیِّرَهٗ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ مَا شَاءَ۔)) (ابوداود، ترمذی) ......
’’جو شخص غصے کو پی جائے، جبکہ وہ اسے نافذ کرنے پر قادر بھی ہو، اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اسے تمام مخلوقات کے سامنے بلائے گا اور اسے کہے گا کہ وہ جس حورِعین کو چاہے اپنے لیے پسند کر لے۔‘‘

بغاوت اور قطع رحمی سنگین جرائم ہیں

(۲۵۵٤)۔ عَنْ أَبِیْ بَکْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرَ أَنْ یُّعَجِّلَ اللّٰهُ تَعَالٰی لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِی الدُّنْیَا مَعَ مَا یَدَّخِرُ لَهٗ فِی الْآخِرَةِ۔ مِنَ الْبَغْیِ وَقَطِیْعَةِ الرَّحِمِ۔)) (الصحیحة:۹۱۸)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’بغاوت (وظلم) اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی ایسا گناہ نہیں کہ جس کے بارے میں زیادہ مناسب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے مرتکب کو دنیا میں بھی سزا دینے میں جلدی کرے اور آخرت میں بھی (عذاب دینے کے لیے) اس (گناہ) کو ذخیرہ کر لے۔‘‘

تخریج: أخرجه ابن المبارك فی "الزهد": ۷۲٤، والبخاری فی "الأدب المفرد": صـ۱۲، وأبوداود: ۲/ ۳۰۱۔ ۳۰۲، والترمذی: ۲/ ۸۳، وابن ماجه: ۲/ ۵۵۲، وابن حبان: ۲۰۳۹، والحاکم: ۲/ ۳۵٦و ٤/ ۱٦۲۔ ۱٦۳، والبغوی فی "حدیث ابن الجعد": ۷/ ۷۰/ ۱، وأحمد: ۵/ ۳٦، ۳۸

شرح: ...... ہمارے معاشرے میں انسانیت دو طبقوں میں منقسم ہے: (۱) ابتدائے حیات سے الجھنوں میں الجھی ہوئی اور (۲) ابتدائے زندگی سے عیش و عشرت میں پلی ہوئی۔

پہلی قسم کو راحت و استراحت کا، جبکہ دوسری قسم کو کلفت و مشقت کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا ہے۔

ایک دوسرے لحاظ سے بھی دو قسمیں ہیں: (۱) مجبور و مقہور و مظلوم اور (۲) ظالم و جابر و بدمعاش

پہلے طبقے کو آزادی و خودمختاری کا اور دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور بندوں کی غلامی کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا حدیث کی حقانیت ان چار طبقوں کے لیے غیر واضح ہے، یہ اور اس قسم کی دوسری احادیث اس بندے کے لیے سبق آموز ہو سکتی ہیں، جس کو نیکی کی وجہ سے ذہنی تسکین نصیب ہوتی ہو اور برائی کی وجہ سے قلق و اضطراب ہوتا ہے اور وہ اپنے نقصانات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے والا اور ان کے اسباب پر غور کرنے والا ہو۔

صلہ رحمی اور تمام رشتہ داروں سے تعلق قائم رکھنا بہت بڑی نیکی اور عظیم خصلت ہے، لیکن اس وصف سے عاری ہونے کا اور پھر اس کے انجام بد کا احساس صرف اُس فرد کو ہو گا جو شریعت کی روشنی میں کچھ زمانے تک صلہ رحمی کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے۔ یہی معاملہ ظلم اور بغاوت ہے کہ ’’لِکُلِّ عُرُوْجٍ زَوَالٌ‘‘ کے تحت ظالموں کو اپنی زندگی میں ہی بے بسی، لاچارگی، ذہنی اذیت اور حقارت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ابوجہل و فرعون جیسے جابروں کی مثالیں کافی ہیں۔ ہر ملک کے ظالم حکمران کی آخری زندگی پر غور کریں، شاید وہ اس بات کے متمنی ہوں کہ کاش ان کے نصیبے میں مسندِ حکومت

سرے سے نہ آتا۔

غرور وتکبر اللہ تعالی کو ناپسند ہے

(٢٥٥٥)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَلِيْمٍ أَوْسُلَيْمٍ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَإِذَا هُوَ جَالِسٌ مَعَ أَصْحَابِهِ، فَقُلْتُ: أَيُّكُمُ النَّبِيُّ؟ قَالَ: فَإِمَّا أَنْ يَكُوْنَ أَوْمَأَ إِلَى نَفْسِهِ وَإِمَّا أَنْ يَكُوْنَ أَشَارَ إِلَيْهِ الْقَوْمُ، قَالَ: فَإِذَا هُوَ مُحْتَبٍ بِبُرْدَةٍ قَدْ وَقَعَ هُدْبُهَا عَلَى قَدَمَيْهِ، قَالَ: فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَجْفُوْ عَنْ أَشْيَاءَ فَعَلِّمْنِي۔ قَالَ: ((اتَّقِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَلَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئاً وَلَوْ أَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِي إِنَاءِ الْمُسْتَسْقِي، وَإِيَّاكَ وَالْمَخِيْلَةَ! فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَايُحِبُّ الْمَخِيْلَةَ، وَإِن امْرُءٌ شَتَمَكَ وَعَيَّرَكَ بِأَمْرٍ يَعْلَمُهُ فِيْكَ، فَلَا تُعَيِّرْهُ بِأَمْرٍ تَعْلَمُهُ فِيْهِ، فَيَكُوْنُ لَكَ أَجْرُهُ وَعَلَيْهِ إِثْمُهُ وَلَاتَشْتِمَنَّ أَحَداً۔)) (الصحيحة: ٧٧٠)

حضرت جابر بن سَلِیم یا سُلَیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ صحابۂ کرام میں تشریف فرما تھے۔ میں نے کہا: تم میں نبی کون ہے؟ جواباً آپ ﷺ نے خود اپنی طرف یا لوگوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ ﷺ گھٹنوں اور کمر کے گرد چادر باندھ کر اور گھٹنے کھڑے کر کے سرین کے بل بیٹھے تھے، چادر کا کنارہ آپ ﷺ کے پاؤں پر لگ رہا تھا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں کچھ چیزوں کے بارے میں تندمزاج ہوں، آپ مجھے سکھا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے ڈر جا، کسی نیکی کو حقیر مت جان، اگرچہ وہ پانی مانگنے والے کے برتن میں پانی ڈالنے کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو، تکبر سے اجتناب کر، کیونکہ اللہ تعالی تکبر کو پسند نہیں کرتا، اگر کوئی آدمی تجھے گالی دے اور تجھے تیرے کسی عیب، جسے وہ جانتا ہے، کی بنا پر عار دلائے، تو تو اسے اُس برائی کی بنا پر عار مت دلا جسے تو جانتا ہے، اس طرح کرنے سے اس کا اجر تجھے ملے گا اور اس کے گناہ کا وبال اسی پر ہوگا اور (یہ بھی یاد رکھ کہ) کسی کو گالی نہیں دینا۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٦٣، هذا الحديث صحيح بدون قوله: ((اتق الله))

شرح:...... یہ حدیث مبارکہ مختلف نبوی پند ونصائح پر مشتمل ہے، اس میں تکبر سے گریز کرنے اور عاجزی و انکساری اور بندگی وغلامی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ تکبر اللہ تعالی کی صفت ہے، اس لیے وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی مخلوق اس کی صفت کو اختیار کرنے کی کوشش کرے۔

غرور وتکبر کا وبال

(٢٥٥٦)۔ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، قَالَ: زَعَمَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ حَنْظَلَةَ: أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ

قاسم بن محمد سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

بْنَ سَلَامٍ مَرَّ فِي السُّوْقِ ، وَعَلَيْهِ حُزْمَةٌ مِنْ حَطَبٍ ، فَقِيْلَ لَهُ: أَلَيْسَ اللّٰهُ قَدْ أَغْنَاكَ عَنْ هٰذَا؟ قَالَ: بَلٰى ، وَلٰكِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَدْفَعَ بِهِ الْكِبْرَ ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ-)) (الصحيحة: ٣٢٥٧)

ایندھن کے کام آنے والی لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے بازار سے گزرے، کسی نے (ان پر اعتراض کرتے ہوئے ان کو) کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بے پرواہ نہیں کیا؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، لیکن میرا ارادہ ہے کہ اس کے ذریعے (اپنے نفس) سے تکبر کو دور کروں، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوا۔''

تخریج: أخرجه عبدالله بن أحمد في "زوائد الزهد": صـ ١٨٢ ، والأصبهاني في "الترغيب": ٦٥/١ ، ١/ ٢٧٠/ ٦٦٠ط- والزيادة له- وكذا الطبراني في "الكبير": ١٣/ ١٤٧/

(٢٥٥٧)- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعِزَّةُ إِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِنْهُمَا أُلْقِيْهِ فِي النَّارِ-)) (الصحيحة: ٥٤١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تکبر (اور بڑائی) میری چادر ہے اور عزت (اور غلبہ) میرا ازار ہے، جس نے ان دونوں (اوصاف) میں سے کسی ایک کو مجھ سے کھینچنا چاہا، میں اُس کو آگ میں پھینک دوں گا۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٢/ ٢٤٨ ، وابوداود: ٤٠٩٠ ، وابن ماجه: ٤١٧٤ ، واخرجه مسلم فی "صحیحه": ٨/ ٣٥عن ابی سعید الخدری و ابی هریرة مرفوعا

شرح:...... کسی شخص کا مال و دولت، دولت و ثروت، حسن و جمال، جاہ و منصب، حکومت و سلطنت، غلبہ و اقتدار، علم و فضل، حسب و نسب، سرداری و سربراہی یا احترام و اکرام کی بنا پر اپنے آپ کو دوسروں سے برتر اور دوسروں کو اپنے سے کم تر سمجھنا اور حق بات ماننے سے ہٹ دھرمی کا ارتکاب کرنا اور ان دنیوی صفات کی بنا پر بعض سنتوں پر عمل نہ کرنا تکبر کہلاتا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ ، اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ)) (مسلم) ...... ''(اچھے کپڑے زیب تن کرنا اور اچھے جوتے پہننا تو قابل تعریف چیز ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ خود بھی خوبصورت ہے اور حسن و جمال کو پسند بھی کرتا ہے، تکبر تو یہ ہے کہ حق بات کو ٹھکرا دیا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔''

اس حدیث میں بیان کیے گئے تکبر کے مفہوم کو سیدنا سمرہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت سے سمجھنا قدرے آسان ہو جاتا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ((كُلْ بِيَمِيْنِكَ-)) ...... ''دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔'' اس نے کہا: اس کی میرے اندر طاقت نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''(اگر تجھے طاقت نہیں تو) تو اس کی طاقت نہ ہی رکھے۔'' دراصل اس کو صرف تکبر نے آپ کی بات ماننے سے روکا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد وہ آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے منہ کی طرف نہیں اٹھا سکا۔ (مسلم) یہ ہے تکبر اور اس کا وبال کہ پوری زندگی کے لیے دائیں ہاتھ سے کھانا پینا نصیب نہ ہوا۔

ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی صلاحتیں اور قابلیتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کریں اور ان کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں اور عاجزی وفروتنی کے جذبات سے سرشار ہو کر بندگانِ خدا اور خلقِ خدا کا احترام کریں۔

کھینچنے سے مراد ان صفات سے متصف ہونے کی کوشش کرنا یا دعویٰ کرنا ہے۔ کیونکہ قوت وغلبہ، تکبر و بڑائی اور عظمت وکبریائی جیسی صفات صرف اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ اگر کسی فرد کو قوت یا عظمت یا مقام و مرتبہ حاصل ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اس لیے ایسے آدمی کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہوئے اس کی اطاعت کرے اور اپنی عظمت و کبریائی کے ڈنکے بجانے اور شریعت سے اعراض کرنے سے باز رہے۔ ہاں جو بھی ایسا کرے گا، اس کا انجام آتش دوزخ ہو گا۔ اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے سخت تنبیہ ہے جو اپنی قوت و طاقت پر نازاں رہتے ہیں اور لوگوں کے سامنے متکبرانہ انداز اختیار کرتے ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے غرور، گھمنڈ اور شیخی کے جذبات کو مسخ کرنے کے لیے بہترین کلیہ استعمال کیا ہے، بلکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا اسْتَكْبَرَ مَنْ أَكَلَ مَعَهُ خَادِمُهُ وَرَكِبَ الْحِمَارَ بِالْأَسْوَاقِ، وَاعْتَقَلَ الشَّاةَ فَحَلَبَهَا۔)) (الصحيحة: ٢٢١٨) ...... ''وہ شخص متکبر نہیں ہے، جس کے ساتھ اُس کے خادم نے کھانا کھایا اور وہ بازاروں میں گدھے پر سوار ہوا اور بکری کی ٹانگ کو اپنی ٹانگ میں پھنسا کر اس کو دوہا۔'' اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو آدمی ایسے کام کرنے سے عار محسوس کرتا ہے، اسے اپنے ضمیر میں تکبر کا خطرہ محسوس کرنا چاہئے۔

خود پسندی وخودسری کا وبال

(٢٥٥٨)۔ عَنْ يُونُسَ بْنِ الْقَاسِمِ الْيَمَامِيِّ، أَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ خَالِدِ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ الْمَخْزُوْمِيَّ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ لَقِيَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهُ: يَا أَبَا عَبْدِالرَّحمنِ! إِنَّا بَنُوْ الْمُغِيْرَةِ قَوْمٌ فِيْنَا نَخْوَةٌ فَهَلْ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِي ذٰلِكَ شَيْئًا؟ فَقَالَ لَهُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَا مِنْ

یونس بن قاسم یمامی سے روایت ہے کہ عکرمہ بن خالد بن سعید بن عاص مخزومی نے اسے بیان کیا کہ وہ عبداللہ بن عمر بن خطاب سے ملے اور کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! ہم بنو مغیرہ ہیں، ہم میں بڑائی (اور غرور) ہے، تو کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرمارہے تھے: ''جو شخص بڑا بنتا ہے اور اور اکڑ کر چلتا ہے وہ اللہ کو اس حال میں ملے گا کہ وہ

رَجُلٍ يَتَعَاظَمُ فِي نَفْسِهِ، وَيَخْتَالُ فِي مِشْيَتِهِ، إِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ.)) (الصحيحة:٢٢٧٢)

اس پر سخت غضبناک ہوگا۔"

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد":٥٤٩، والحاكم:١/ ٦٠، وأحمد:٢/ ١١٨

(٢٥٥٩)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ تَعَظَّمَ فِي نَفْسِهِ أَوِ اخْتَالَ فِي مِشْيَتِهِ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ.)) (الصحيحة:٥٤٣)

حضرت عبد اللہ بن عمر ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص بڑا بنا اور اور اکڑ کر چلا، وہ اللہ کو اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر سخت غضبناک ہوگا۔"

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٥٤٩، والحاكم: ١/ ٦٠، وأحمد: ٢/ ١١٨

شرح:...... یہ احادیث اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ خوش پوشاکی، حسن و جمال، طاقت و توانائی، قد و قامت یا دوسری صلاحیتوں کی بنا پر خود پسندی، عجب بندی، اعجابِ نفس، اکڑنا، اترا کر چلنا، اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور تکبر میں مبتلا ہونے سے اجتناب کرنا ازحد ضروری ہے، بلکہ ان احسانات سے محروم انسانیت کو مدّنظر رکھ کر ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہماری دنیوی ضروریات باندازِ احسن پوری کرنے کے لیے ہم پر اپنے انعامات کی بارش کر دے، لیکن ہمارے دل و دماغ کی کج روی کی وجہ وہ ہمارے لیے حفاظتِ نفس کی بجائے وبالِ جان اور رحمت کی بجائے زحمت بن جائیں۔ مزید وضاحت کے لیے درج ذیل حدیث ذہن نشین کر لیں:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِيْ فِيْ حُلَّةٍ تُعْجِبُهُ نَفْسُهُ مُرَجِّلٌ رَأْسَهُ يَخْتَالُ فِيْ مِشْيَتِهِ إِذْ خَسَفَ اللّٰهُ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِيْ الْأَرْضِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.)) (بخاری، مسلم)...... "ایک دفعہ کی بات ہے کہ ایک آدمی ایک پوشاک میں ملبوس چلا جا رہا تھا، اس کے نفس نے اسے خود پسندی (عجب) میں مبتلا کر دیا تھا، بالوں میں کنگھی کئے اور اپنی چال میں اتراتے ہوئے جا رہا تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا، سو وہ روزِ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔"

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ ہماری شریعت میں اچھا لباس پہننے اور بالوں میں کنگھی کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے، لیکن اس آدمی کے لیے یہ امور غضبِ الٰہی کا موجب بن گئے، کیونکہ اس کے دماغ میں ٹیڑھ پن تھا۔

ہر کس و ناکس کے لیے امورِ خیر کا تعین

(٢٥٦٠)۔ عَنْ مَالِكِ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ أَبُوْ ذَرٍّ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَاذَا يُنْجِي الْعَبْدَ مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: ((الإِيْمَانُ

مالک بن مرثد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کون سی چیز بندے کو آگ سے نجات دلاتی ہے؟

بِـالـلّٰهِ)) قُلْتُ: يَانَبِيَّ اللّٰهِ! إِنَّ مَعَ الإِيْمَان عَـمَـلٌ؟ قَـالَ: ((يَرْضَخُ مِمَّا رَزَقَهُ اللّٰهُ۔)) قُـلْـتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فَقِيْراً لَايَـجِـدُ مَـا يَـرْضَـخُ بِـهٖ؟ قَـالَ: ((يَـأْمُرُ بِـالْـمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ۔)) قُلْتُ: يَـارَسُـوْلَ الـلّٰـهِ! أَرَأَيْـتَ إِنْ كَـانَ عَيِّيًـا لَايَسْتَطِيْعُ أَنْ يَأْمُرَ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا يَنْهٰى عَنْ مُـنْـكَـرٍ؟ قَالَ: ((يَصْنَعُ لِأَخْرَقَ۔)) قُلْتُ: أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ أَخْرَقَ لَايَسْتَطِيْعُ أَنْ يَصْنَعَ شَيْـئًـا؟ قَـالَ: ((يُـعِـيْـنُ مَـغْلُوْبـاً۔)) قُلْتُ: أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ ضَعِيْفاً لَا يَسْتَطِيْعُ أَنْ يُعِيْنَ مَـظْـلُـوْمـاً؟ فَقَالَ: ((مَاتُرِيْدُ أَنْ تَتْرُكَ فِيْ صَـاحِبِكَ مِـنْ خَيْـرٍ تُـمْسِكُ الأَذٰى عَنِ الـنَّـاسِ۔)) فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ دَخَـلَ الْـجَـنَّةَ؟ قَـالَ: ((مَامِنْ مُسْلِمٍ يَـفْـعَلُ خَصْلَةً مِنْ هٰؤُلَاءِ إِلَّا أَخَذَتْ بِيَدِهٖ حَتّٰى تُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ۔))

(الصحيحة: ٢٦٦٩)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ پر ایمان لانا۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! کیا ایمان کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالی نے اُسے جو رزق عطا کیا ہے، وہ اُس میں سے خرچ کرے۔'' میں نے کہا! اے اللہ کے رسول! اگر وہ فقیر ہو اور اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہو جو (اللہ تعالی کے راستے میں) دے۔ آپ نے فرمایا: ''تو پھر وہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر وہ ایسا کرنے سے بھی عاجز ہو اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ آپ نے فرمایا: ''کسی بے ہنر (اور جاہل) کو کوئی ہنر سکھا دے۔'' میں نے کہا: اگر وہ خود بے ہنر ہو اور کچھ بھی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ آپ نے فرمایا: ''تو پھر کسی مغلوب (اور مظلوم) کی مدد کر دیا کرے۔'' میں نے کہا: اگر وہ خود ضعیف ہو اور مظلوم کی مدد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو؟ آپ نے فرمایا: ''تو تو اپنے بھائی میں کوئی خیر و بھلائی چھوڑنا ہی نہیں چاہتا۔ (ایسے ضعیف آدمی کو چاہیے کہ) وہ لوگوں کو تکلیف نہ پہنچنے دے۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جب کوئی آدمی یہ عمل کرے گا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا: جو مسلمان بھی ان خصلتوں میں سے کسی خصلت پر عمل کرے گا تو وہ خصلت اس کا ہاتھ پکڑے رکھے گی، حتی کہ اس کو جنت میں داخل کر دے گی۔''

تخریج: أخرجه الطبراني في "الكبير": ١/ ٨٢/ ٢، وأخرج ابن حبان: ٨٦٣، والحاكم: ١/ ٦٣ وعنه البيهقي في "الشعب": ٣/ ٢٠٣ نحوه

شرح:...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت نے کسی ادنی سے ادنی شخص کی عملی تشنگی کو باقی نہیں رہنے دیا، بلکہ ہر ایک کے لیے مختلف امورِ خیر کا تعین کر دیا۔

مسلمان کا قرضہ ادا کرنا افضل عمل ہے

(۲۵٦۱)۔ عَنْ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ ، عَنْ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ: ((مِنْ أَفْضَلِ الْأَعْمَالِ إِدْخَالُ السُّرُوْرِ عَلَى الْمُؤْمِنِ ، تَقْضِي عَنْهُ دَيْناً، تَقْضِي لَهُ حَاجَةً، تُنَفِّسُ لَهُ كُرْبَةً۔)) قَالَ سُفْيَانُ : وَقِيْلَ لِابْنِ الْمُنْكَدِرِ: فَمَا بَقِيَ مِمَّا يُسْتَلَذُّ؟ قَالَ: اَلْإِفْضَالُ عَلَى الْإِخْوَانِ۔ (الصحيحة: ۲۲۹۱)

سفیان بن عیینہ، ابن منکدر سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کو خوش کرنا، اُس کا قرضہ چکانا، اُس کی ضرورت پوری کرنا اور اس سے کسی مصیبت کو دور کرنا افضل اعمال میں سے ہیں۔'' سفیان کہتے ہیں: ابن منکدر سے کہا گیا کہ اب کوئی چیز ایسی بھی باقی رہ گئی ہے، جو لذیذ ہو؟ انہوں نے کہا: بھائیوں سے حسنِ سلوک کرنا۔

تخریج: أخرجه البيهقي في "شعيب الايمان": ۲/ ٤٥٢ / ۲

شرح:...... قرضہ، جو مقروض ادا نہ کر سکتا ہو، بہت بڑی آزمائش ہوتا ہے۔ اس سے اس کا اعتماد متزلزل ہو جاتا ہے، اس کا وقار مجروح ہو جاتا ہے، وہ وعدہ خلافی میں معروف ہو جاتا ہے اور اسے قرضخواہوں کے مختلف اعتراضات جھیلنا پڑتے ہیں۔ اس لیے مومن کے قرضہ کی ادائیگی کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔

نیز مومن کو مسرت کے لمحات مہیا کرنے کی فضیلت کا بیان ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو بشارتیں پہنچانے کے خوب حریص تھے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان بیٹھ گئے، (آپ ﷺ کیا دیکھتے ہیں کہ) ابن مسعود نماز پڑھ رہا تھا، وہ سورۂ نساء کی تلاوت کر رہا تھا، سو (۱۰۰) آیات کی تلاوت کے بعد وہ نماز میں ہی قیام کی حالت میں دعا کرنے لگا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اِسْأَلْ تُعْطَهْ، اِسْئَلْ تُعْطَهْ۔)) ثُمَّ قَالَ: ((مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَقْرَءَ الْقُرْآنَ غَضًّا كَمَا اُنْزِلَ، فَلْيَقْرَأْهُ عَلٰى قِرَاءَةِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ۔)) ......''سوال کر، تجھے دیا جائے گا، سوال کر، تجھے دیا جائے گا۔'' پھر فرمایا: ''جو چاہتا ہے کہ وہ قرآنِ مجید کو تر و تازہ پڑھے، جیسے وہ نازل ہوا، تو ابن ام عبد (یعنی ابن مسعود) کی قرأت پر پڑھے۔'' جب صبح ہوئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، ابن مسعود کو خوشخبری دینے کے لیے گئے اور ان سے پوچھا کہ آپ نے گزشتہ رات کون سی دعا کی تھی؟ انھوں نے کہا: میں نے یہ دعا کی تھی: اے اللہ! میں تجھ سے ارتداد سے پاک ایمان، ختم نہ ہونے والی نعمت اور ہمیشہ والی جنت کے اعلی مقام میں محمد (ﷺ) کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بشارت دینے کے لیے آئے تو انھیں کہا گیا کہ ابوبکر آپ سے سبقت لے چکے ہیں۔ یہ سن کر انھوں نے کہا: اللہ ابوبکر پر رحم فرمائے، میں جب بھی ان سے خیر و بھلائی میں مقابلہ کرتا ہوں تو وہ مجھ سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔''

ہمیں چاہیے کہ جب کسی مسلمان کو بشارت دینے کا معاملہ ہو تو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

مسلمان کا مال ناحق غصب کرنے کا انجام

(٢٥٦٢)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ ثَعْلَبَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنِ اقْتَطَعَ مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنٍ كَاذِبَةٍ، كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ، لَايُغَيِّرُهَا شَيْءٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔))

(الصحيحة:٣٣٦٤)

حضرت ابو امامہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”جس شخص نے جھوٹی قسم اٹھا کر کسی مسلمان کا مال چھین لیا، اُس کے دل پر ایک ایسا سیاہ نقطہ لگے گا کہ جس کو قیامت تک کوئی چیز تبدیل نہیں کر سکے گی۔“

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ٢٩٤، والطبراني في "المعجم الكبير": ١/ ٢٥٠/ ٨٠١

شرح:...... اللہ تعالی نے مسلمان کی جان، مال اور عزت کو حرمت والا قرار دیا ہے۔ جو شخص، مسلمان کے کسی حق کو پامال کرے گا، اس کی معافی اس وقت تک نہیں ہوگی، جب تک وہ مسلمان اسے معاف نہ کر دے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ مِنْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَّايَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ۔ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ۔)) (بخاری) ...... ”جس آدمی پر بھی دوسرے مسلمان بھائی کا، اس کی عزت و آبرو سے متعلق یا کسی اور چیز سے متعلق کوئی حق ہو (یعنی اس کی بے عزتی کر کے یا کوئی اور زیادتی کر کے ظلم کیا ہو) تو اس کو چاہئے کہ آج ہی دنیا میں اس کا ازالہ کر کے اس حق سے عہدہ برآ ہو جائے، قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جس میں ازالے کے لیے کسی کے پاس دینار و درہم نہیں ہوں گے اور وہاں ازالے کی صورت یہ ہوگی کہ اگر اس (ظالم) کے پاس اعمالِ صالحہ ہوں گے تو وہ اس کے ظلم کے بہ قدر لے لیے جائیں گے اور (مظلومین میں تقسیم کر دیے جائیں گے) اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی، تو اس کے ساتھی (صاحبِ حق) سے برائیاں لے کر اس ظالم پر لاد دی جائیں گی۔“

واضح ہے کہ اگر کسی بندے کی معافی کو کسی دوسرے بندے کے سپرد کر دیا گیا، جبکہ معاف نہ کرنے میں مظلوم کا فائدہ بھی ہو، تو کون معاف کرے گا۔

بڑے بڑے ڈاکو اور چوراپنی ڈکیتیوں اور چوریوں کا آغاز معمولی قیمت کی چیزوں سے کرتے ہیں، جن کا نتیجہ مسلمانوں کی گردنیں کاٹنے کی صورت میں جا نکلتا ہے۔ شاید ایسے انسان کے لیے جس نحوست کی نشاندہی اس حدیث میں کی گئی ہے، اسی کا اثر ہوتا ہو کہ بالآخر دل سیاہ ہو کر حق و باطل کے فرق سے عاری ہو جاتا ہے۔

مسلمان کے سفید بالوں کی فضیلت

(٢٥٦٣)۔ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ، أَنَّ

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ

النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ شَابَ شَیْبَةً فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ (وَفِی رِوَایَةٍ: فِی الْإِسْلَامِ) كَانَتْ لَهُ نُوراً یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔)) قَالَ رَجُلٌ عِنْدَ ذٰلِكَ: فَإِنَّ رِجَالاً یَنْتِفُوْنَ الشَّیْبَ۔ فَقَالَ: ((مَنْ شَاءَ فَلْیَنْتِفْ نُوْرَهُ۔))

نے فرمایا: ''جو اللہ کی راہ میں یا اسلام میں بوڑھا ہو گیا، تو یہ اُس کے لیے روزِ قیامت نور ہوگا۔'' اس موقع پر ایک آدمی نے کہا: کئی لوگ تو اپنے سفید بالوں کو اکھاڑ دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو چاہتا ہے اپنا نور اکھاڑتا رہے۔''

(الصحیحة:٣٣٧١)

تخریج: أخرجه أحمد: ٦/ ٢٠، والطبرانی فی "المعجم الكبیر": ١٨/ ٣٠٤، والبزار: ٣/ ٣٧١/ ٢٩٧٣، والبیهقی فی "الشعب": ٥/ ٢١٠/ ٦٣٨٨

شرح:...... شیو کرنا ویسے بھی ملعون فعل اور سنگین جرم ہے، بہر حال جب بال سفید ہو جائیں اور عمر بڑی ہو جائے تو اس جرم کی نوعیت میں مزید شدت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس سے بڑی سعادت کیا ہو سکتی ہے کہ بالوں کے سفید ہونے میں مسلمان کا اپنا کوئی دخل یا ارادہ نہیں، لیکن جو آدمی ان کو اپنا حسن سمجھتا ہے اور ان پر صبر کرتا ہے تو یہ اس کے لیے روزِ قیامت نور کا سبب ہوں گے۔ (سبحان اللہ) جو شخص اللہ تعالی کے عطا کیے ہوئے اس شرف کو قبول نہیں کرتا اور ان کو اکھاڑنا شروع کر دیتا ہے یا ان پر کالا رنگ ملنا شروع کر دیتا ہے، تو وہ اس فضل اور نور کا انکار کر رہا ہے جو اللہ تعالی اسے بغیر کسی مطالبے کے عطا کرنا چاہتے ہیں۔

اس حدیث میں ان عمر رسیدہ لوگوں کے لیے سخت وعید ہے کہ جن کی داڑھی کے تمام یا زیادہ بال سفید ہوتے ہیں، لیکن وہ ان کو استرے کے حوالے کر دیتے ہیں۔

یاد رہے کہ آپ ﷺ نے سفید بالوں کو مہندی وغیرہ سے رنگنے اور کالے رنگ سے اجتناب کرنے کی تعلیم دی ہے، لہٰذا مہندی وغیرہ لگانے سے اس فضیلت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرنے کی فضیلت

(٢٥٦٤)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ مَوْلَاةً لَهُ أَتَتْهُ فَقَالَتْ: اِشْتَدَّ عَلَیَّ الزَّمَانُ وَإِنِّی أُرِیْدُ أَنْ أَخْرُجَ إِلَی الْعِرَاقِ؟ قَالَ: فَهَلَّا الشَّامُ أَرْضُ الْمَنْشَرِ (وَفِی (التَّارِیْخ) الْمَحْشَرِ)؟ اِصْبِرِی لُكَاعُ فَإِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ یَقُوْلُ: ((مَنْ صَبَرَ عَلٰی شِدَّتِهَا وَلَأْوَائِهَا كُنْتُ لَهُ شَهِیْداً أَوْ شَفِیْعاً یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔))

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: اُن کی لونڈی اُن کے پاس آئی اور کہا: مجھ پر وقت بہت سخت ہو گیا ہے اور میں عراق جانے کا ارادہ کرتی ہوں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم شام کی طرف کیوں نہیں جاتی، جو حشر کی جگہ ہے؟ ارے بیوقوف! صبر کر۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''جس نے اس (مدینہ) کی سختی اور تنگی پر صبر کیا، میں روزِ قیامت اُس کا گواہ یا سفارشی ہوں

يَعْنِي: الْمَدِيْنَةَ وَفِي لَفْظٍ: ((لَا يَصْبِرُ عَلَى لَأْوَائِهَا وَشِدَّتِهَا أَحَدٌ إِلَّا كُنْتُ......)) (الصحيحة: ٣٠٧٣)

گا۔'' اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''جو کوئی اس (مدینہ) کی سختی اور تنگی پر صبر کرے گا تو میں ......'' (اس کے لیے قیامت کے روز سفارشی ہوں گا)

تخریج: أخرجه الترمذي: ٣٩١٨، وابن عساكر في "تاريخ دمشق": ١/ ١٦٩۔ طبع المجمع العلمي، وابو يعلى في "مسنده": ١٠/ ١٦٦/ ٢٧٨٩، واحمد: ٢/ ١٥٥، ومسلم: ٤/ ١١٩

شرح:...... مدینہ منورہ کی اہمیت اس سے زیادہ ہے کہ اس کو بیان کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شہر کو حرمت والا قرار دیا۔ (بخاری، مسلم) رسول اللہ ﷺ نے مدینہ، مدینہ کے پھلوں اور مدینہ کے پیمانوں کے مبارک ہونے اور مکہ مکرمہ کی نسبت دوگنا برکتوں کی دعا کی ہے۔ (مسلم) نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے محبوب ہونے کی دعا کی۔ (بخاری، مسلم) مدینہ اپنے باسیوں کی ارواح کو شرور سے یوں پاک کر دیتا ہے، جیسے بھٹی لوہے کی میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے۔ (بخاری، مسلم) مدینہ کی طرف جانے والے راستوں پر پہرہ دینے والے فرشتے ہیں، جو دجال کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ (بخاری، مسلم) جب آپ ﷺ سفر سے واپس آتے اور مدینہ منورہ کے قریب پہنچتے تو اس شہر سے محبت کی وجہ سے سواری کو تیز چلاتے۔ (بخاری)

سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ آپ مدینہ میں رہنے والے فرمانبرداروں کے حق میں شاہد اور گنہگاروں کے حق میں سفارشی ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا

(٢٥٦٥)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَالَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) وَرَدَمِنْ حَدِيْثِ جَمْعٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِهٰذَا اللَّفْظِ: عُثْمَانَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَالزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَامِ، وَسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ وَابْنِ عُمَرَ وَوَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ وَأَبِي مُوْسٰى الْغَافِقِيِّ۔ (الصحيحة: ٣١٠٠)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری طرف ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہ کہی ہو تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لے۔'' یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ (اس جماعت سے مراد) حضرت عثمان، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت واثلہ بن اسقع اور حضرت ابوموسیٰ غافقی رضی اللہ عنہم ہیں۔

تخريج: ورد من حديث جمع من الصحابة رضي الله عنهم، وانا اذكر بعضهم:

(١): عثمان رضي الله عنه: أخرجه البخاري في "التاريخ": ٣/ ٢/ ٢٠٩، والطحاوي في "مشكل الآثار": ١/ ١٦٦، وأحمد: ١/ ٦٥، والبزار: ١/ ١١٣/ ٢٠٥

(٢): أبو هريرة رضي الله عنه: وله عنه طرق:

الأولى: عن محمد بن عمرو: فأخرجه ابن ماجه: ٣٤، وابن حبان: رقم ٢٨ ـ الأحسان

الثانية: عن بكر بن عمرو عن أبي عثمان مسلم بن يسار عن أبي هريرة به: فأخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ٨/ ٧٦٢، والبخاري في "الأدب المفرد": ٢٥٩، والطحاوي: ١/ ١٧١، والحاكم: ١/ ١٠٢، ومن طريقه البيهقي: ١٠/ ١١٢، وأحمد: ٢/ ٣٢١

(٣): عبدالله بن عمرو: فأخرجه أحمد: ٢/ ١٥٨ و١٧١

(٤): عن عقبة بن عامر: فأخرجه أحمد: ٤/ ١٥٩ و٢٠١، والطبراني في "الكبير": ٧١/ ٣٠١، ٣٠٥/ ٨٣٢، ٨٤٣

(٥): الزبير بن العوام: فأخرجه ابن حبان: ٦٩٨٢ ـ المؤسسة، والحاكم: ٣/ ٣٦١

(٦): سلمة بن الأكوع: فأخرجه البخاري: ١٠٩

(٧): ابن عمر رضي الله عنهما: أخرجه البزار: ١/ ١١٥/ ٢١١ بلفظ: ((ومن افرى الفرى من قال على ما لم اقل۔)) وتقدم فی الصحيحة تحت الحديث: ٣٠٦٣

(٨): واثلة بن الأسقع: فأخرجه البخاري: ٣٥٠٩، والطبراني في "مسند الشاميين": صـ ٢١١، ٣٦٩

شــــرح: ...... یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال کے بارے میں محتاط رہنا چاہیے اور ہر سنی سنائی حدیث بغیر تحقیق کے آپ ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں محدثین نے حدیث کے صحت اور ضعف کو پرکھنے کے لیے جو اصول مرتب کئے ہیں، ان کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔

مومن بھولا بھالا ہوتا ہے

(٢٥٦٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيْمٌ وَالْفَاجِرُ خِبٌّ لَئِيْمٌ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن بھولا بھالا اور بزرگی والا ہوتا ہے اور فاجر آدمی مکار، (دغاباز) اور کمینہ (اور رذیل) ہوتا ہے۔''

(الصحيحة: ٩٣٥)

تخريج: أخرجه البخاری فی "الأدب المفرد": ٤١٨، وأبوداود: ٤٧٩٠، والترمذی: ١/ ٣٥٦، الحاكم: ١/ ٤٣، والعقيلی فی "الضعفاء": صـ٥٦، وابن عدی فی "الكامل": ٣٣/ ٢، و البيهقی فی "الشعب": ٦/ ٢٧٣/ ٨١١٧، واحمد: ٢/ ٣٩٤

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ مذکورہ مقام پر رقمطراز ہیں: ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ نے کہا: ''عرب لوگ اس شخص کو ''غِرّ'' کہتے ہیں، جس میں فتنہ وفساد اور مکاری و چالاکی جیسا کوئی وصف نہ پایا جائے، اس کا ظاہر اور باطن ایک ہو۔ ظاہر ہے کہ جو

آدمی ایسے اوصاف سے متصف ہوگا، دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے امن میں رہیں گے اور یہی مومنوں کی صفات ہیں۔

جبکہ فاجر ایسے شخص کو کہا جاتا ہے، جس کے ظاہر اور باطن میں تضاد ہو، کیونکہ ایسے آدمی کا باطن مکروہ ہوتا ہے اور اس کا ظاہر باطن کے مخالف ہوتا ہے، یعنی وہ منافق کی طرح ہوتا ہے جو بظاہر ایسی چیز سے متصف ہوتا ہے، جو پسندیدہ ہوتی ہے اور وہ اسلام ہے، جس پر لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں، لیکن اس کے باطن میں اسلام کی مخالفت ہوتی ہے، یعنی کفر، جس کی مسلمان مذمت کرتے ہیں۔''

ہمیں چاہئے کہ حدیثِ مبارکہ میں مومن اور فاجر کے مابین پیش کئے گئے موازنہ کو سمجھیں اور مومن والی صفات سے متصف رہنے اور فاجر والی صفات سے دور رہنے کی کوشش کریں۔

مومن کے ''بھولا بھالا'' ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ مکروفریب، افترا و کذب، ابن الوقتی اور ظاہر و باطن میں پائے جانے والے فرق سے پاک ہوتا ہے، کسی کی عیب جوئی نہیں کرتا اور نہ کسی کی ٹوہ اور جاسوسی میں رہتا ہے، وہ مستقل مزاج ہوتا ہے اور وقت کی تیز ہوائیں اس کے رخ کو بدلنے میں ناکام رہتی ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ سمجھدار یا دور اندیش نہیں ہوتا۔

مکروفریب کا انجام جہنم ہے

(٢٥٦٧)۔ قَالَ ﷺ: ((الْـمَكْرُ وَالْخَدِيْعَةُ فِـي الـنَّـارِ۔)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ قَيْسِ بْنِ سَـعْـدٍ، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَبْدِ اللّٰـهِ بْـنِ مَسْـعُـوْدٍ، وَمُـجَـاهِدٍ وَالْحَسَنِ۔ (الصحيحة:١٠٥٧)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مکر اور دھوکا آگ میں ہیں۔'' یہ حدیث حضرت قیس بن سعد، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور مجاہد اور حسن سے روایت کی گئی ہے۔

تخريج: ١ ـ أما حديث قيس: فأخرجه ابن عدي في"الكامل" ٥٨/ ٢، والبيهقي في "الشعب": ٢/ ١٠٥/ ٢

٢ ـ وأما حديث أنس: فأخرجه الحاكم: ٤/ ٦٠٧

٣ـ وأما حديث أبي هريرة؛ فأخرجه البزار: ١٨ ـ زوائده، والعقيلي في"الضعفاء" ٢٦٨، وابن عدي في"الكامل" ٢٣٦/ ٢، وأبونعيم في"أخبار أصبهان" ١/ ٢٠٩

٤ ـ وأما حديث ابن مسعود: فأخرجه ابن حبان: ١١٠٧، والطبراني في"المعجم الصغير" صـ١٥٣ و "المعجم الكبير" ٣/ ٦٩/ ١، وأبونعيم في"الحلية" ٤/ ١٨٨

٥ ـ وأما حديث مجاهد: فرواه ابن وهب في"الجامع" صـ ٧٦

٦ ـ وأما حديث الحسن: فقد رواه ابن المبارك في"البر والصلة"

شـــــرح :...... اگر چہ ہمارے ہاں چالاک اور ہوشیار اسے سمجھا جاتا ہے جو ابن الوقت ہو، اپنے آپ کو وقت کی ہواؤں کے مطابق ڈھال لیتا ہو، دو رخا ہو، جھوٹ اور دروغ گوئی کا ماہر ہو، ہر انسان کو ڈیل کرنے کے داؤ پیچ جانتا ہو، صدق وصفا کے ماحول میں سچا اور افترا وکذب کے ماحول میں جھوٹا دکھائی دینے لگے اور مکر وفریب اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہو۔

لیکن ایسا انسان شریعت کی نظر میں انتہائی کمینہ اور ذلیل قرار پاتا ہے، معزز وہ ہے جو مستقل مزاجی اور ایک زبان سے متصف ہو، اگر شریعت کے مطابق وقت کے دھارے کی بغاوت کرنا پڑے تو وہ ڈٹ جاتا ہے اور شریعت کے تقاضے کے مطابق اگر دشمن کے لیے نرمی کرنا پڑے تو وہ موم بن جاتا ہے۔ الغرض اس کا مزاج اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کے تابع ہوتا ہے۔

مومن کی صفات

(٢٥٦٨)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((اَلْمُؤْمِنُوْنَ هَيِّنُوْنَ لَيِّنُوْنَ ، مِثْلُ الْجَمَلِ الْأَلِفِ الَّذِي إِنْ قِيْدَ انْقَادَ ، وَإِنْ سِيْقَ انْسَاقَ وَإِنْ أَنَخْتَهُ عَلٰى صَخْرَةٍ إِسْتَنَاخَ۔)) (الصحيحة :٩٣٦)

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن باوقار (وسنجیدہ) اور نرم ہوتے ہیں، جیسا کہ مانوس اونٹ ہوتا ہے کہ اگر اس کی لگام پکڑ کر اس کے آگے آگے چلا جائے تو وہ پیچھے پیچھے چل پڑتا ہے اور اگر اس کو پیچھے سے ہانکا جائے تو بھی وہ چل پڑتا ہے اور اگر تو اُس کو کسی چٹان پر بٹھا دے تو وہ بیٹھ جاتا ہے۔“

تخريج: رواه العقيلي في "الضعفاء": ٢١٤، والبيهقي في "الشعب": ٦/ ٢٧٣/ ٨١٢٩

شـــرح :...... دراصل دنیا کی زندگی ایک دن مستقل طور پر ختم ہو جائے گی اور اپنے باسیوں کو جنت وجہنم کی طرف منتقل کر دے گی، دنیا کی حقیقت کو سمجھنے والا آدمی بالآخر یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ یہاں کی غیر مختارانہ اور مجبورانہ زندگی ہی بہتر ہے، تاکہ مرنے کے بعد تو آزادی مل سکے، نتیجتاً وہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا: ((اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔)) (مسلم) ......”دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔“ یعنی ایک مومن شہوات وخواہشات نفس سے بچتا ہوا جس طرح مومنانہ ومتقیانہ زندگی گزارتا ہے، وہ ایسے ہے جیسے وہ قید خانے میں ہے اور وہ قواعد وضوابط کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے، جب کہ کافر ہر قید اور ضابطے سے آزاد اور خواہشات وشہوات کی لذتوں میں منہمک رہتا ہے، اس معنی میں دنیا کی زندگی گویا اس کے لیے جنت ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی اور اپنی دنیا کی عاقبت کو سمجھیں کہ ہم پیدا ہونے سے پہلے کیا تھے، اب کیا ہیں اور مرنے کے بعد کیا ہوں جائیں گے اور کہاں جائیں گے۔ شاید نتیجہ یہ نکلے کہ نبیٔ مہربان کے مذکورہ بالا فرمان کا مصداق بن

کہ جلوت وخلوت، خوشحالی وتنگ حالی اور مزاح وسنجیدگی ہر حال میں احکامِ شریعت اپنائیں اور رسول اللہ ﷺ کے مومنوں کے حق میں بیان کردہ معیار پر پورے اتریں۔ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے سوانح عمری کا مطالعہ مفید رہتا ہے۔

انصار کی فضیلت

(٢٥٦٩)۔ عَنْ عَاصِمِ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ يَزِيْدَ بْنَ جَارِيَةَ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: ثَنَا يَحْيٰى ابْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: أَتٰى أُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ النَّقِيْبُ الْأَشْهَلِيُّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَكَلَّمَهُ فِي أَهْلِ بَيْتٍ مِّنْ بَنِي ظُفْرٍ عَامَّتُهُمْ نِسَاءٌ، فَقَسَمَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ قَسَمَهُ بَيْنَ النَّاسِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((تَرَكْتَنَا يَاأُسَيْدُ! حَتّٰى ذَهَبَ مَا فِي أَيْدِيْنَا، فَإِذَا سَمِعْتَ بِطَعَامٍ قَدْ أَتَانِي فَأْتِنِي فَاذْكُرْ لِي أَهْلَ ذَاكَ الْبَيْتِ، أَوِ اذْكُرْ لِي ذَاكَ۔)) فَمَكَثَ مَاشَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ أَتٰى رسولَ الله ﷺ طَعَامٌ مِنْ خَيْبَرَ: شَعِيْرٌ وَتَمْرٌ، فَقَسَّمَ النَّبِيُّ ﷺ فِي النَّاسِ، قَالَ: ثُمَّ قَسَّمَ فِي الْأَنْصَارِ فَأَجْزَلَ، قَالَ: ثُمَّ قَسَّمَ فِي أَهْلِ ذٰلِكَ الْبَيْتِ فَأَجْزَلَ، فَقَالَ لَهُ أُسَيْدٌ شَاكِرًا لَهُ: جَزَاكَ اللّٰهُ أَيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَطْيَبَ الْجَزَاءِ أَوْ خَيْرًا يَشُكُّ عَاصِمٌ۔ قَالَ: فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: ((وَأَنْتُمْ مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! فَجَزَاكُمُ اللّٰهُ خَيْرًا۔ أَوْ: أَطْيَبَ الْجَزَاءِ فَإِنَّكُمْ ۔مَا عَلِمْتُ۔ أَعِفَّةٌ صُبُرٌ، وَسَتَرَوْنَ بَعْدِيْ أَثَرَةً فِي الْقَسْمِ وَالْأَمْرِ، فَاصْبِرُوْا

عاصم بن سوید بن یزید بن جاریہ انصاری سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: مجھے یحییٰ بن سعید نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: بنو اشہل قبیلہ کے سردار حضرت اسید بن حضیر، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور بنو ظفر کے ایک گھرانے کے متعلق بات کی، اس قبیلہ کے عام افراد عورتیں تھیں (یعنی مرد کم تھے)۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں کوئی مال تقسیم کیا اور کچھ حصہ بنو ظفر کو بھی دیا۔ (اسید کی بات سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسید! (بات یہ ہے کہ) پہلے تم نے ہم سے رابطہ نہیں کیا اور جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ ختم ہو چکا ہے۔ اب تم لوگ جب غلہ کے بارے میں سنو کہ مجھے وصول ہوا ہے تو میرے پاس آ جانا اوران گھر والوں کا معاملہ یاد کروانا۔'' پس جتنا اللہ تعالی کو منظور تھا، حضرت اسید ٹھہرے رہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس خیبر سے غلہ لایا گیا، جس میں جو اور کھجوریں تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے وہ لوگوں میں تقسیم کر دیے۔ راوی کہتا ہے: پھر آپ ﷺ نے انصار میں تقسیم فرمایا اوران کو بہت زیادہ دیا اور پھر بنو ظفر کے گھر والوں میں تقسیم کیا اور انہیں بھی بہت زیادہ دیا۔ حضرت اُسید رضی اللہ عنہ نے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کو عمدہ اور بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اُسید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے انصار کی جماعت! اللہ تمہیں بھی عمدہ اور بہترین جزا عطا فرمائے، کیونکہ تم لوگ میرے علم کے مطابق

حَتّٰی تَلْقَوْنِی عَلَی الْحَوْضِ۔))
(الصحیحۃ:٣٠٩٦)

پاکدامن اور صبر کرنے والے ہو، (لیکن اتنا یاد رکھو کہ) تم میرے بعد عنقریب ہی مال کی تقسیم اور ولایت (وحکومت کے معاملات) میں حق تلفی دیکھو گے، سو صبر کرنا، یہاں تک کہ حوض پر مجھے آملو۔''

تخریج: أخرجه ابن حبان في"صحيحه": ٧٢٧٧۔ الأحسان، والحاكم: ٤/ ٧٩، وابن عدي في "الكامل": ٥/ ١٨٧٩، ومن طريقه: البيهقي في"شعب الأيمان": ٦/ ٥٢٠/ ٩١٣٦، وكذا النسائي في"فضائل الصحابة": ٢٤٠، ورواه البخاری بلفظ: ((انكم ستلقون بعد أثرة؛ فاصبروا حتى تلقونی)) وزاد فی طريق آخر: ((على الحوض۔))

شرح:...... اس میں انصاریوں کی منقبت کا بیان ہے کہ دنیا میں بھی آپ ﷺ نے ان کا بہت زیادہ خیال رکھا اور آخرت میں بھی وہ آپ ﷺ کے ساتھ ہوں گے۔

قبل از قیامت ظاہر ہونے والی برائیاں

(٢٥٧٠)۔ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ! لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَظْهَرَ الْفُحْشُ وَالْبُخْلُ، وَیَخُوْنَ الأَمِیْنُ، وَیُؤْتَمَنَ الْخَائِنُ، وَیَهْلِكَ الْوُعُوْلُ، وَتَظْهَرَ التُّحُوْتُ۔)) قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا الْوُعُوْلُ وَمَا التُّحُوْتُ؟ قَالَ: ((الْوُعُوْلُ: وُجُوْهُ النَّاسِ وَأَشْرَافُهُمْ، وَالتُّحُوْتُ: الَّذِیْنَ كَانُوْا تَحْتَ أَقْدَامِ النَّاسِ لَایُعْلَمُ بِهِمْ۔))
(الصحیحۃ: ٣٢١١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! قیامت اس وقت قائم ہوگی، جب بے حیائی اور بخل ظاہر ہو جائے گا، امین کو خائن اور خائن کو امین بنا لیا جائے گا، وعول ہلاک ہو جائیں گے اور تحوت منظرِ عام پر آ جائیں گے۔'' صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! وعول اور تحوت کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وعول سے مراد سردار اور معزز لوگ ہیں اور تحوت سے مراد وہ لوگ ہیں، جو لوگوں کے پاؤں تلے تھے اور اُن کو کوئی نہیں جانتا تھا۔''

تخریج: أخرجه البخاري في"التاريخ": ١/ ٩٨/ ٢٧٥، ومن طريقه: ابن حبان: رقم ١٨٨٦۔موارد، والحاكم: ٤/ ٥٤٧، والطبراني في"المعجم الأوسط": ١/ ٢٢٠/ ١/ ٣٩٢٠

شرح:......اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ظہور قیامت سے قبل عام ہونے والی برائیوں کا تذکرہ فرمایا ہے:
(۱) بے حیائی عام ہو جائے گی، بلاشبہ اس وقت فحاشی وعریانی اور بے حیائی و بے شرمی اپنے عروج پر ہے۔ کیبل، ڈش

اور بے ہودہ ڈائجسٹ اور اخبارات کے ذریعے فحاشی و عریانی کو گھر گھر پہنچایا جا رہا ہے۔ اکثر مسلمانوں کی وہ رات بڑی بے چینی سے گزرتی ہے، جس میں وہ فحاشی و عریانی اور بے حیائی کے مناظر نہ دیکھ سکیں۔ اعلی طبقے سے ادنی طبقے تک تقریباً ہر فرد غیر محرم عورتوں سے اپنا جی بہلاتا ہے۔ مخلوط تعلیم، سٹیج ڈراموں اور میراتھن ریس کے بعد اب حکومت نے تحفظِ حقوق نسواں بل کی آڑ میں فحاشی کی راہوں کو مزید ہموار بنا دیا ہے۔

(۲) اسی طرح معاشرے میں بخیل افراد کی بھی کثرت ہے، ہر طرف بخل کا جال بچھا ہوا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ جس میں بھوکوں کو کھلانا، بے لباس لوگوں کو ملبوسات مہیا کرنا، محتاجوں کی ضروریات پوری کرنا، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرنا اور مفلس مسلمانوں کی حتی المقدور مدد کرنا جیسی خوبیاں مسلم معاشرہ کی پہچان ہوتی تھیں، مگر آج کل کر جود و سخاوت دم توڑ گئی ہے، بخل کا بھوت رقص کناں ہے اور اکثر لوگ اپنے مفاد کی حد تک مخلص ہیں۔

(۳) جہاں تک خیانت و بد دیانتی کا ذکر ہے، تو ہر شعبہ ان بد خصلتوں سے بری طرح متاثر ہو چکا ہے۔ عوام کیا، حکمران کیا، ہر کوئی ایک دوسرے پر شکوہ کناں ہے اور اپنی اصلاح کرنے کا کوئی بھی نام نہیں لیتا، نااہل لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور منصب کے اہل اور ممتاز لوگوں کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ منبر و محراب کی انتظامیہ سے لے کر صدارت و وزارت تک ہر طبقہ نااہل، نالائق، جاہل اور دنیا کے حریصوں سے مزین ہو چکا ہے۔ ظہورِ قیامت سے قبل روپذیر ہونے والی نشانیاں ہر زندہ ضمیر شخص کے سامنے ہیں۔ ایسے حالات میں خوف خدا اور خشیت الٰہی سے متصف لوگوں کو اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہئے تا کہ مرتے وقت یا روزِ قیامت ذلت و خواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

سبیل اللہ کی اقسام

(۲۵۷۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا شَابٌّ مِنَ الثَّنِيَّةِ فَلَمَّا رَأَيْنَاهُ (وَفِي رِوَايَةٍ: رَمَيْنَاهُ) بِأَبْصَارِنَا، قُلْنَا: لَوْ أَنَّ هٰذَا الشَّابَّ جَعَلَ شَبَابَهُ وَنَشَاطَهُ وَقُوَّتَهُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ قَالَ فَسَمِعَ مَقَالَتَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: ((وَمَا سَبِيْلُ اللّٰهِ إِلَّا مَنْ قُتِلَ؟ مَنْ سَعٰى عَلٰى وَالِدَيْهِ، فَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَنْ سَعٰى عَلٰى عِيَالِهِ، فَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَمَنْ سَعٰى عَلٰى نَفْسِهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اچانک پہاڑی راستے سے ایک نوجوان آتے ہوئے دکھائی دیا، جب ہم نے اُس کو دیکھا تو کہا: کاش یہ نوجوان اپنی شباب و نشاط اور قوت و طاقت کو اللہ کی راہ میں وقف کر دیتا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ہمارے بات سنی تو فرمایا: ''کیا اللہ کی راہ میں وہی ہے جو شہید کر دیا جائے؟ جس نے اپنے والدین کے لیے محنت کی وہ اللہ کی راہ میں ہے، جس نے اپنے اہل و عیال کے لیے محنت کی وہ بھی اللہ کی راہ میں ہے، جس نے اپنے آپ کو پاکدامن رکھنے کے لیے تگ و دو کی وہ بھی اللہ کی راہ میں

لِيُعِفَّهَا ، فَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ، وَمَنْ سَعٰى عَلَى التَّكَاثُرِ فَفِي سَبِيْلِ الشَّيْطَانِ وَفِي رِوَايَةٍ: الطَّاغُوْتِ۔)) (الصحيحة:٣٢٤٨)

ہے۔ ہاں جس نے مال زیادہ اکٹھا کرنے کے لیے محنت کی وہ شیطان اور ایک روایت کے مطابق طاغوت کی راہ میں ہے۔"

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده": ٢/ ٣٧٠/ ١٨٧١۔ الكشف ، والطبراني في "المعجم الأوسط": ١/ ٢٥٤/ ٤٣٧٢ ، ومن طريقه: أبو نعيم في "الحلية": ٦/ ١٩٦ ۔ ١٩٧ ، والبيهقي في "السنن": ٩/ ٢٥ و "الشعب": ٦/ ٤١٢/ ٨٧١١ ، ٧/ ٢٩٩/ ١٠٣٧٧

شرح: ......اسلام اپنے پیرکاروں کو خود کفیل ہونے کا اور کسی کے سامنے دستِ سوال نہ پھیلانے کا درس دیتا ہے، یہ عالمگیر مذہب اس بات کو قطعا برداشت نہیں کرتا کہ کوئی انسان اپنے والدین، اہل و عیال اور دوسرے محتاج قرابتداروں سے غافل ہو کر رہبانیت اور صوفیت کو اختیار کر لے۔ لیکن اس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے حکیمانہ اوصاف سے متصف ہوتے ہوئے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ اپنی، والدین کی اور اہل خانہ کی دنیوی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہر انسان اتنی تگ و دو ضرور کرے کہ دوسروں کا محتاج نہ رہے، یہ معنی نہیں کہ مال کی بہتات اور دولت کی کثرت کے پیچھے پڑ جائے اور اپنی تخلیق کا مقصد ہی بھول جائے، جیسا کہ آج کل اکثر انسانوں کی صورتحال ہے۔

قارئین کرام! صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث براہِ راست سنی اور اس پر انھوں نے عمل بھی کیا، وہ بڑے پیمانے پر تجارت کرتے تھے، شام اور مصر تک ان کے تجارتی قافلے سفر کرتے تھے، وہ بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار تھے، وہ والدین اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے میں ہم سے ہزار گنا آگے تھے۔ لیکن جب صوم وصلاۃ کی باری آتی، جب تعلیم و تعلم کی کلاس ہوتی، جب صدقہ و خیرات کا وقت آتا، جب عمرہ و حج اور جہاد کے سفروں کا اعلان ہوتا، تو یہی تاجر اور جاگیردار ان عبادات کی ادائیگی میں بھی صفِ اول میں کھڑے ہوتے تھے۔ اسلیے ہم اس قسم کی احادیثِ مبارکہ سے استدلال کر کے جو دنیا میں مگن ہو گئے ہیں اور عبادات سے سرے سے غافل ہو گئے ہیں یا ان سے سرسری تعلق قائم کرنے والے بن گئے ہیں۔ اس قسم کی کوئی گنجائش نہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ احادیث ہمیں دین و دنیا دونوں میں اعتدال کا درس دیتی ہیں، نہ یہ کہ ہم عیسائیت کے پیروکاروں کی طرح راہب اور پادری بن کر دنیا سے کنارہ کش ہو جائیں اور نہ یہ کہ دنیا کے چنگل میں پھنس کر اپنے مذہب سے بیگانے ہو جائیں۔ میں نے ایک بے نماز تاجر سے نماز کے موضوع پر بات کی، جواباً اس نے کہا کہ بیوی بچوں کی خدمت کرنا اور ان کے لیے کمائی کرنا اور ان کے حقوق ادا کرنا بھی عبادت ہے، ضروری نہیں کہ نماز بھی ادا کی جائے۔

اجر کب ملتا ہے؟

(٢٥٧٢)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ مَرْفُوعًا: ((لَا أَجْرَ إِلَّا عَنْ حِسْبَةٍ ، وَلَا عَمَلَ إِلَّا بِنِيَّةٍ۔))

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " (کسی عمل کا) کوئی اجر و ثواب نہیں، الا یہ کہ وہ اللہ

(الصحيحة:٢٤١٥) تعالیٰ سے اجر کی توقع رکھتے ہوئے کیا جائے اور (اسی طرح) نیت کے بغیر بھی کوئی عمل نہیں۔''

تخريج:أخرجه الديلمي:٤/ ٢٠٦

شـــرح:...... عبادات کی قبولیت کے لیے شرطِ اوّل یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ثواب کے حصول کی امید رکھتے ہوئے اور اس کی اطاعت سمجھ کر کی جائیں۔ اس میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو عمل کرتے وقت ریاکاری، دکھلاوے، نمود و نمائش، زمانہ سازی اور منافقت کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں یا وہ کسی اپنے جیسے انسان سے ڈر کر کوئی عمل کرتے ہیں۔ ایسے لوگ متنبہ رہیں کہ نہ صرف ان کو اجر و ثواب سے محروم رکھا جائے گا، بلکہ ایسے اعمال ان کے لیے وبالِ جان ثابت ہوں گے۔

یہ نیت ہی ہے جو غیر معمولی اعمال کو ناکارہ اور معمولی اعمال کو عظیم تر بنا دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت ((انما الاعمال بالنيات)) کو امام احمد اور امام علی بن مدینی نے مکمل اسلام کا تیسرا حصہ قرار دیا اور امام شافعی نے کہا کہ ستر فقہی ابواب کا تعلق اس حدیث سے ہے اور امام عبد الرحمٰن بن مہدی نے کہا کہ مصنفین کو ہر باب کے شروع میں یہ حدیث لکھنی چاہیے۔ شاید اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ "نية المؤمن خير من عمله۔"......مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔ (ملاحظہ ہو: فتح الباری)

مہمان نوازی سے محروم، خیر و بھلائی سے محروم

(٢٥٧٣)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ مَرْفُوْعًا: ((لَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يُضِيفُ۔)) (الصحيحة:٢٤٣٤)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس بندے میں بھی کوئی خیر و بھلائی نہیں، جو مہمان نوازی نہیں کرتا۔''

تخريج: أخرجه أحمد:٤/ ١٥٥، والروياني في "مسنده": ق ٤٢/ ٢

شـــرح:...... اسلام انسانیت کی تکریم اور غمگساری کا خواہاں ہے، اسی خواہش کا تقاضا ہے کہ مہمان کی عزت کی جائے، اس کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا جائے، حسبِ استطاعت اور خوش دلی سے اس کی مہمانی کی جائے اور اس کے آرام و راحت کا خیال رکھا جائے۔

اسلام نے نہ صرف مہمانی پر زور دیا، بلکہ اس کے تمام آداب مقرر کر دیے اور جہاں مہمان نوازی کو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا قرار دیا، وہاں مہمان کو بھی تنبیہ کر دی کہ وہ اپنے میزبان کے پاس اتنا نہ ٹھہرے کہ وہ اس سے تنگ آ جائے۔

بہر حال مہمان نوازی سے جی چرانا خیر و بھلائی سے محرومی کا باعث ہے، مہمان خیر و برکت کا باعث بنتا ہے، جب سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی نے خود کو اور اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی میزبانی کا حق ادا کیا

تو ان کے اندازِ میزبانی پر اللہ تعالیٰ مسکرائے اور یہ آیات نازل فرما دیں: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۂ حشر: ۹) ... ''اور وہ (دوسرے حاجتمندوں کو) اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ اُن کو سخت بھوک ہو اور جو لوگ نفسوں کی بخیلی سے بچ گئے، وہی کامیاب ہوگئے ہیں۔'' (الصحيحة: ۳۲۷۲)

اس سے بڑی سعادت کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے عمل پر تعجب کرے اور مسکرائے اور رہتی دنیا تک اپنے کلام میں اس کا تذکرہ کر دے۔ لہٰذا ہمیں خوشنودیٔ الٰہی کے حصول کے لیے، فقر و فاقہ سے نہ ڈرتے ہوئے فراخ دلی سے مہمان کی خدمت کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ خیر و برکت کے دروازے کھول دے گا۔ غور فرمائیں کہ میزبانی کے وصف سے محروم شخص کو نبی کریم ﷺ نے بے برکتا اور خیر سے محروم قرار دیا ہے۔

قارئین کرام! یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ہم لوگ معرفت اور عدم معرفت کو سامنے رکھ کر مہمانوں کی میزبانی میں بہت زیادہ فرق کرتے ہیں۔ مثلا ایک مہمان کی پر تکلف خدمت کی، ایک کو ''صلح شلح'' پہ ٹال دیا، ایک کو اتنا کمتر سمجھا کہ اسے چائے وائے کا ''ست'' کرنا بھی گوارہ نہ کیا اور کسی کے لیے تو گھر سے نکلنا ہی مناسب نہ سمجھا اور بچے یا خادم کے ذریعے اسے کوئی پیغام بھیج دینا ہی کافی سمجھ لیا۔

احباب! یہ فرق کیوں ہے؟ کیا اس لیے نہیں کہ پہلے سے جناب کی دوستی تھی، دوسرے سے کچھ دعا وسلام تھا اور تیسرا اجنبی تھا۔

کیا ایسی میزبانی میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا نام دکھائی دیتا ہے؟ کیا اسلام کے رشتے کو مدنظر رکھا گیا ہے؟ کیا مہمان کی یہ خدمتیں بطورِ مہمان ہیں یا ذاتی تعلق کی بنا پر؟ میزبانی کے ایسے انداز سے ہمیں باز آ جانا چاہئے، یہ مسکراہٹوں کے تبادلے اور دنیاداری ہے۔

بندہ کب تک یتیم رہتا ہے؟

(۲۵۷٤)۔ عَنْ ذِيَالِ بْنِ عُبَيْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَدِّي حَنْظَلَةَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ، وَلَا يُتْمَ عَلٰى جَارِيَةٍ إِذَا هِيَ حَاضَتْ۔)) (الصحيحة: ۳۱۸۰)

ذیال بن عبید سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے اپنے دادا حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بالغ ہونے کے بعد کوئی یتیمی نہیں اور (اسی طرح) جب لڑکی کو حیض آ جائے تو اس پر بھی یتیمی (کا حکم) نہیں رہتا۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الكبير": ٤/ ١٦/ ٣٥٠٢

شرح:...... امام ابوداود نے ''سنن'' میں متن کے پہلے جملے پر ''بَابُ مَا جَاءَ مَتٰى يَنْقَطِعُ الْيُتْمُ'' کا عنوان قائم کیا ہے اور شارح ابوداود عظیم آبادی صاحب نے ''لَا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ'' (بالغ ہونے کے بعد کوئی یتیمی نہیں) کی شرح

کرتے ہوئے کہا: ابن ارسلان کہتے ہیں کہ جب یتیم بچہ یا بچی بلوغت کی ایسی عمر تک پہنچ جائیں، جس میں عام لوگ بالغ ہو جاتے ہیں، تو ان پر حقیقی معنی میں یتیم کا لفظ نہیں بولا جا سکتا اور وہ بالغ افراد کے حکم میں آ جائیں گے، احتلام ہو یا نہ ہو۔ ہاں مجازی طور پر ان کو بالغ ہونے کے بعد بھی یتیم کہا جا سکتا ہے، جیسے آپ ﷺ کو بڑا ہونے کے بعد اس لیے ''یتیم ابی طالب'' کہا جاتا رہا کہ انھوں نے آپ کی پرورش کی تھی۔ (عون المعبود)

حسد، خیر و بھلائی کا دشمن ہے

(٢٥٧٥)۔ عَنْ ضَمُرَةَ بْنِ ثَعْلَبَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَايَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَالَمْ يَتَحَاسَدُوْا۔)) (الصحيحة: ٣٣٨٦)

حضرت ضمرہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ اس وقت تک خیر و بھلائی پر رہیں گے جب تک ایک دوسرے سے حسد نہیں کریں گے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٨/ ٣٦٩/ ٨١٥٧

شرح:...... کسی شخص کا دوسرے کی خوش حالی پر جلنا اور یہ تمنا کرنا کہ اس کی نعمت و خوشحالی ختم ہو جائے اور وہ اسے مل جائے حسد کہلاتا ہے۔ آپ ﷺ نے سختی سے حسد سے منع فرمایا ہے، بلکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔)) (ابو داود) فیہ راو مجہول، لکن لہ شاہد عن انس عند ابن ماجہ وفیہ عیسی بن ابی عیسی ضعیف۔ ...... ''حسد سے بچو، اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے، جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔''

حسد ایک قبیح وصف ہے جس سے بغض، کینہ، کدورت، باہمی دشمنی اور قطع تعلقی جیسی صفات بد جنم لیتی ہیں۔ خود حسد کرنے والا ذہنی اذیت اور قلبی بے سکونی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً مسلم معاشرہ میں شر و فساد جنم لیتا ہے اور لوگ خیر و بھلائی سے محروم ہو جاتے ہیں۔

دراصل حسد، اللہ تعالی کی تقسیم پر راضی نہ ہونے کی ایک صورت ہے، کیونکہ ہم کسی آدمی سے اس کی جن خوبیوں اور نعمتوں کی بنا پر حسد کرتے ہیں، وہ اللہ تعالی نے اس کو عطا کی ہوتی ہیں، لہٰذا ہمیں اللہ تعالی کی تقسیم پر راضی ہو کر کسی کے بارے میں یہ تمنائے بد نہیں کرنی چاہئے کہ وہ اپنی خوبیوں سے محروم ہو جائے۔

دل کو راہِ راست پر لانے کے لیے زبان کا کردار

(٢٥٧٦)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَسْتَقِيْمُ إِيْمَانُ عَبْدٍ حَتّٰى يَسْتَقِيْمَ قَلْبُهُ، وَلَا يَسْتَقِيْمُ قَلْبُهُ حَتّٰى يَسْتَقِيْمَ لِسَانُهُ وَلَا يَدْخُلُ رَجُلٌ الْجَنَّةَ لَا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی آدمی کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اُس کا دل درست نہیں ہوتا اور کسی کا دل اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا، جب تک اس

يَأمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَه۔)) (الصحيحة: ٢٨٤١)

کی زبان راہِ راست پر نہیں آ جاتی اور ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا کہ جس کے شرور سے اُس کا ہمسایہ امن میں نہیں ہوتا۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ١٩٨، وابن أبي الدنيا في "الصمت": رقم ٩، والخرائطي في "المكارم": رقم ٤٤٢، والقضاعي في "مسند الشهاب": ق٧٥/ ١

شرح:...... حدیثِ مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ دل اور زبان اچھا یا برا ہونے میں ایک دوسرے کے لازم ملزوم ہیں۔ اگر زبان صراطِ مستقیم پر گامزن نظر آئے گی، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دل بھی راہِ راست پر ہے اور زبان کے برا ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دل بھی اچھا نہیں ہیں۔ جب یہ دونوں مرکزی اعضا خیر و بھلائی پر جمع ہو جائیں تو ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی ہمسایہ اپنے کسی ہمسائے کی بدسلوکی کی وجہ سے تنگ ہے تو اس میں مرکزی کردار ظالم کی زبان کا ہوگا، اس حدیث میں پڑوسی کی خیر و بھلائی کو کامیابی و کامرانی کا معیار قرار دیا گیا ہے، وہ اس طرح کہ ایمان کی بنیاد دل کی راستی پر ہے، دل کی درستی کا دارمدار زبان کی اصلاح پر ہے اور زبان کی خیر و شرّ کا تعلق پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک یا بدسلوکی سے ہے۔

امہات المومنین کے حق میں مہربان لوگ سچے اور صابر تھے

(٢٥٧٧)۔ قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((لَايَعْطِفُ عَلَيْكُنَّ بَعْدِي إِلَّا الصَّادِقُوْنَ الصَّابِرُوْنَ۔)) قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ: فَبِعْتُ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَعْدِ ابْنِ أَبِي سَرْحٍ شَيْئًا۔ قَدْ سَمَّاهُ ۔ بِأَرْبَعِيْنَ أَلْفًا فَقَسَمْتُهُ بَيْنَهُنَّ۔ يَعْنِي: بَيْنَ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ وَرَحِمَهُنَّ اللّٰهُ۔ (الصحيحة: ٣٣١٨)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ (اپنی بیویوں سے) فرما رہے تھے: ''میرے بعد تم پر وہی لوگ مہربان و مشفق ہوں گے، جو سچے اور صابر ہوں گے۔'' عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن سعد بن أبی سرح کو ایک چیز (یعنی باغ) چالیس ہزار کا فروخت کیا اور وہ (ساری رقم) نبی کریم ﷺ کی زوجات میں تقسیم کر دی، اللہ تعالیٰ اُن پر رحم فرمائے۔

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده": ٣/ ٢١٠/ ٢٥٩٠۔ كشف، وابن عساكر في "التاريخ": ١٠/ ١٣٢

شرح:...... سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف کو اس فرمانِ نبوی کا مصداق بننے کی سعادت نصیب ہوئی، جنھوں نے امہات المومنین کو باغ دیا جو چالیس ہزار دینار کا فروخت کیا گیا تھا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدنا عبدالرحمٰن کے بیٹے سے کہا کرتی تھیں: فَسَقَى اللّٰهُ اَبَاكَ مِنْ سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ وَقَدْ كَانَ وَصَلَ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ بِمَالٍ بِيْعَتْ

بِـأَرْبَـعِيْنَ أَلْفًا۔ (ترمذی) ...... اللہ تعالیٰ تیرے باپ (عبدالرحمٰن) کو جنت کی سلسبیل (چشمہ) سے سیراب کرے، جس نے نبی کریم ﷺ کی بیویوں کو ایک مال (باغ) دے کر ان کے ساتھ بھلا کیا، وہ باغ چالیس ہزار کا فروخت کیا گیا تھا۔

دورخا آدمی امانتدار نہیں ہوتا

(۲۵۷۸)۔ عَـنْ أَبِـي هُـرَيْـرَةَ۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَـنْهُ۔ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَـالَ: ((لَا يَنْبَغِيْ لِذِي الْوَجْهَيْنِ أَنْ يَكُوْنَ أَمِيْنًا۔))

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دورخے بندے کو زیب نہیں دیتا کہ وہ امین بھی ہو۔''

(الصحيحة:٣١٩٧)

تـخـريـــج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٣١٣، و احمد: ٢/ ٢٨٩، والبيهقى فى "السنن": ١٠/ ٢٤٦، و"الشعب": ٤/ ٢٢٩/ ٤٨٨٠

شـــرح: ...... دورخے شخص سے مراد ایسا آدمی ہے جو ایک گروہ کے پاس جائے تو اسے باور کرائے کہ وہ اس کا خیرخواہ اور اس کے حق میں مخلص ہے اور دوسرے کا مخالف، لیکن جب دوسرے گروہ کے پاس جائے تو وہاں ان کے لیے باوفا ہونے کا تاثر دے۔ یہ بدترین شخص ہے، ایسا شخص جھوٹا ہوتا ہے اور اپنی زندگی میں ہی اپنا وقار کھو بیٹھتا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَتَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ ذَا لْوَجْهَيْنِ ، الَّذِيْ يَأْتِيْ هٰـؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰـؤُلَاءِ بِوَجْهٍ۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''تم لوگوں میں سب سے زیادہ بدتر دورخے شخص کو پاؤ گے، جو ایک رخ کے ساتھ ان کے پاس اور دوسرے رخ کے ساتھ اُن کے پاس جاتا ہے۔'' ...... ان کے سامنے اِن کا دوست اور اُن کا دشمن اور اُن کے پاس اُن کا دوست اور اِن کا دشمن۔ سچ فرمایا نبی کریم ﷺ نے ایسا شخص امانتدار نہیں ہوسکتا ہے، امانتدار بننے کے لیے تو اپنوں کے لحاظ اور غیروں کے عدم لحاظ کو بھی بالائے طاق رکھنا پڑتا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کے امین ہونے کی وجہ سے ایسا شخص آپ کے پاس امانت رکھ دے، جس کو آپ کے بڑے، دشمن سمجھتے ہوں۔ لیکن دورخا آدمی ایسی ذمہ داری ادا کرنے سے کوسوں دور ہوتا ہے۔

مومن کو متنبہ رہنا چاہئے کہ وہ مستقل مزاج ہوتا ہے، اس کا معیار شریعت ہے، وہ اپنوں اور بیگانوں کے فرق سے بالاتر ہوتا ہے، جو آدمی شریعت کی روشنی میں اچھا ہے، وہ اس کے نزدیک اچھا ہونا چاہئے اور جو شخص شریعت اسلامیہ کے نزدیک برا ہے، وہ اس کے نزدیک بھی برا ہونا چاہئے۔ مومن کو چاہئے کہ برے لوگوں کی اصلاح کرے، نہ کہ دوسرے لوگوں کے سامنے ان سے دشمنی کا اظہار کر کے اس کے عیوب کو اچھالتا پھرے۔

مومن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا

(۲۵۷۹)۔ عَـنِ ابْـنِ عُمَرَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ

قَالَ: ((لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَكُوْنَ لَعَّانًا۔)) (الصحيحة:٢٦٣٦)

نے فرمایا: ''مومن کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ لعن طعن کرنے والا ہو۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٣٠٩، والترمذي: ٢٠٢٠، والحاكم: ١/ ٤٧، وعنه البيهقي في "الشعب الايمان": ٢/ ٩١/ ٢، وابن أبي الدنيا في "الصمت": ٢/ ١٤/ ٢ و ٤/ ٤٠/ ٢

شرح:...... کسی کے لیے خدا کی مار، پھٹکار اور اللہ تعالی کی خیر و رحمت سے دوری کی بد دعا کرنا لعنت کہلاتا ہے۔ بیشتر لوگ ہنسی مذاق یا سنجیدگی میں دوسرے مسلمان بھائیوں کو لعنتی کہنے یا ان کے لیے لعنت کی بد دعا کرنے سے گریز نہیں کرتے، جبکہ سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کے برابر ہے۔''

زبان کی حفاظت مومن کا عظیم وصف ہے، کسی انسان کی شخصیت کا پتہ دینے کے لیے اس کی زبان ہی کافی ہے۔ لعن طعن، سب و شتم اور گالی گلوچ ایمان اور صدق کے منافی امور ہیں۔

خاوند کا بیوی کی تمنائیں پوری کرنا
گانے اور موسیقی کی حقیقت اور حکم

(٥٨٠/١)۔ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، دَخَلَ الْحَبَشَةُ الْمَسْجِدَ يَلْعَبُوْنَ، فَقَالَ لِي: ((يَا حُمَيْرَاءُ! أَتُحِبِّيْنَ أَنْ تَنْظُرِيْ إِلَيْهِمْ؟)) فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَامَ عَلَى الْبَابِ، وَجِئْتُهُ، فَوَضَعْتُ ذَقَنِيْ عَلَى عَاتِقِهِ فَأَسْنَدْتُ وَجْهِي إِلَى خَدِّهِ، قَالَتْ وَمِنْ قَوْلِهِمْ يَوْمَئِذٍ: أَبَا الْقَاسِمِ طَيِّبًا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((حَسْبُكِ؟)) فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَا تَعْجَلْ فَقَامَ لِي۔ ثُمَّ قَالَ: ((حَسْبُكِ؟)) فَقُلْتُ: لَا تَعْجَلْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَتْ: وَمَالِي حُبُّ النَّظْرِ إِلَيْهِمْ، وَلٰكِنِّي اَحْبَبْتُ أَنْ يَبْلُغَ النِّسَاءَ مَقَامُهُ لِي، وَمَكَانِيْ مِنْهُ۔ (الصحيحة:٣٢٧٧)

زوجۂ رسول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: حبشی لوگ مسجد میں داخل ہوئے اور کھیلنے لگ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ''حمیرا! ان کو دیکھنا پسند کرو گی؟'' میں نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر کھڑے ہو گئے، میں آئی اور اپنی ٹھوڑی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر رکھ دی اور اپنا چہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار کے ساتھ لگا دیا۔ وہ کہتی ہیں: اس دن انھوں نے (جو کچھ کہا تھا) اس میں یہ بات بھی تھی:

اے ابو قاسم! (اللہ تعالی آپ کو) طیب (بنا دے)۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: ''کافی ہے؟'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جلدی مت کیجیے۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے کھڑے رہے اور (کچھ دیر بعد پھر) فرمایا: ''اب کافی ہے؟'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جلدی نہ کریں۔ وہ کہتی ہیں: (دراصل) مجھے اُن کی طرف دیکھنے کا شوق نہیں تھا، میں تو یہ چاہتی تھی کہ عورتوں کو پتہ چل جائے کہ

میرے نزدیک آپ ﷺ کا کیا مرتبہ ہے اور آپ ﷺ کے نزدیک میری کیا قدر ہے۔

تخریج: أخرجه النسائي في"السنن الكبرى": ٥/ ٣٠٧/ ٨٩٥١، والطحاوي في"مشكل الآثار": ١/ ١١٧، والترمذي: ٣٦٩١، وأخرجه البخاري: ٩٥٠، ومسلم: ٣/ ٢٢ مختصرا

شرح:...... اس سے معلوم ہوا کہ خاوند کو اپنی بیوی کی جائز ضروریات پوری کرنی چاہئیں، اگرچہ ان کا تعلق بیوی کے طبعی مزاج سے ہی ہو۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث پر ''باب حسن المعاشرۃ مع الاھل'' کا عنوان قائم کی ہے۔

(٢٥٨١)۔ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ: أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: ((يَا عَائِشَةُ! أَتَعْرِفِيْنَ هٰذِهِ؟)) قَالَتْ: لَا يَانَبِيَّ اللّٰهِ! قَالَ: ((هٰذِهِ قَيْنَةُ بَنِي فُلَانٍ، تُحِبِّيْنَ أَنْ تُغَنِّيَكِ؟)) قَالَتْ: نَعَمْ۔ قَالَ: فَأَعْطَاهَا طَبَقًا فَغَنَّتْهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((قَدْ نَفَخَ الشَّيْطَانُ فِي مِنْخَرَيْهَا۔)) (الصحيحة:٣٢٨١)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''عائشہ! تم اسے جانتی ہے؟'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بنو فلاں کی مغنّیہ ہے، کیا تم چاہتی ہو کہ وہ تمہارے لیے گائے؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اُس کو تھال دیا، سو اُس نے اُس پر گایا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ شیطان نے اس کے نتھنوں میں پھونک ماری ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٤٤٩

شرح:...... اردو زبان بولنے والے عجمی لوگ، عربی زبان کے الفاظ ''مُغَنِّيَة، غِنَاء، تُغَنِّي، غَنَّتْ'' وغیرہ سمجھنے میں شبہات میں مبتلا ہو گئے ہیں، کیونکہ عام طور پر ان الفاظ کا معانی'' گانے والی، گانا، گاتی ہے، اس نے گایا'' کیا جاتا ہے اور ہمارے ہاں گویوں کے فحش، بے ہودہ اور بے حیائی و بے شرمی پر مشتمل کلام کو بھی'' گانا'' کہا جاتا ہے۔

قارئین کرام! بعض نام نہاد اور جدت پسند عجمی علما اس لفظی شبہ میں پڑ گئے اور ''غِنَاء'' والے الفاظ پر مشتمل احادیث کی روشنی میں پاکستان میں گائے جانے والے گانوں اور موسیقی وغیرہ کو جائز قرار دیا، حالانکہ ان کا یہ نظریہ محض عربی زبان سے ناواقفیت اور علم حدیث سے جہالت پر مبنی ہے۔

اصل میں عربی زبان کے لفظ ''غِنَاء'' کے معانی ''کسی کلام کو سریلی آواز میں کر پڑھنے کے ہیں، وہ کلام نثر ہو یا شعر، جائز ہو یا ناجائز، جیسے ہمارے ہاں حمد، نعت، نظم یا شعری کلام لے اور سریلی آواز کے ساتھ پڑھنے کا رواج ہے''۔ عربی زبان کے ان الفاظ کا ترجمہ اردو زبان میں لفظ'' گانا'' سے کیا گیا، جس سے ان لوگوں کو شبہ ہوا۔ یہ لوگ عربی زبان سمجھنے سے کورے تھے، اس لیے انھوں نے اپنی مادری زبان میں کیے گئے ترجمہ سے استدلال کر کے مروّجہ گانوں اور موسیقی وغیرہ کو جائز قرار دیا۔ جیسا کہ ماہنامہ ''اشراق'' مارچ ۲۰۰۴ء کے صفحہ (۳۳) پر ایک ''روشن خیال'' نے جرأت کرتے ہوئے لکھا ہے: ''بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہر فن مغنی اور مغنیات، رقاص اور رقاصائیں عرب میں

موجود تھیں اور نبی ﷺ ان کے فن سے لطف اندوز ہونے کو معیوب نہیں سمجھتے تھے۔'' انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ گھٹیا اور جہالت محض پر مشتمل کلام اس قابل نہیں کہ اس کا ردّ کیا جائے، ہر صاحب بصیرت خود سمجھ سکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جن احادیث مبارکہ میں موسیقی، فحش کلام اور مروّجہ گانوں کا سختی سے ردّ کیا گیا ہے، معلوم نہیں کہ یہ احادیث ان لوگوں کی نظروں سے اوجھل تھیں یا پھر......

اس حدیث مبارکہ سے یہ استدلال کرنا درست ہے کہ بسا اوقات تھال پر ہاتھ مار کر کوئی جائز کلام سر لگا کر پڑھنا اور سننا جائز ہے، جیسا کہ پاکستان کے دیہی علاقوں کے میں شادی بیاہ کے موقع پر بعض عورتیں اپنا کلام پیش کرتی ہیں، جس میں وہ اپنے رشتہ داروں کی اعلی صفات کا تذکرہ کرتی ہیں، یا بعض سکولوں میں بعض بچے مخصوص انداز میں نعتیں، نظمیں اور ترانے پیش کرتے ہیں۔ لیکن بنیادی شرط یہ ہے کہ ایسے کلام میں بے حیائی، بے شرمی، سب و شتم، بیہودگی اور فحش گوئی کا تذکرہ نہ ہو، وگرنہ وہ کلام حرام ہوگا۔

ناجائز کلام اور ساز و موسیقی کے حرام ہونے کے چند دلائل یہ ہیں:

ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (سورۂ لقمان: ٦) ...... ''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو مول لیتے ہیں تاکہ بے علمی کی وجہ سے لوگوں کو اللہ تعالی کی راہ سے بہکا دیں۔''

اس آیت مبارکہ میں ''لھو الحدیث'' سے مراد انسان کو خیر و بھلائی سے غافل کر دینے والی اشیا ہیں، مثلاً: گانا بجانا، گانے کے آلات، ساز و موسیقی، نغمہ و سرود، جنسی اور سنسنی خیز لٹریچر، بے حیائی کے پرچارک اخبارات و جرائد وغیرہ وغیرہ۔

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فِـــيْ هٰـذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَ مَسْخٌ وَقَذْفٌ)) ...... ''اس امت میں زمین میں دھنسنا، شکلیں بگڑنا اور پتھر برسنا بھی ہوں گے۔''

ایک مسلمان نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ایسے کب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا ظَهَـرَتِ الْـقَيْنَاتُ وَالْـمَعَـازِفُ وَشُـرِبَتِ الْخُمُوْرُ)) ...... جب گانے والیاں اور آلاتِ موسیقی (اور باجے) عام ہوں گے اور (اعلانیہ) شراب نوشی کی جائے گی۔ (جامع ترمذی)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((صَـوْتَـانِ مَـلْعُوْنَـانِ: صَوْتُ مِزْمَارٍ عِنْدَ نَعْمَةٍ، وَصَوْتُ وَيْلٍ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ)) (راوه ابوبكر الشافعي في الرباعيات ٢/ ٢٢/ ١) ...... ''دو آوازیں ملعون ہیں: خوشی کے وقت بانسری کی آواز اور مصیبت کے وقت ہلاکت و بربادی کی آواز۔''

امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کا یہ شاہد پیش کیا ہے: سیدنا جابر بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ اپنے بیٹے ابراہیم کی طرف جا رہے تھے، آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور میں آپ کے ساتھ چل پڑا۔ (میں نے

کیا دیکھا کہ) سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ موت وحیات کی کشمکش میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گودی میں لیا، اتنے میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رونا شروع کر دیا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ روتے ہیں، حالانکہ آپ نے تو رونے سے منع کر رکھا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے رونے سے منع نہیں کیا، میں نے تو ان دو بری اور احمقانہ آوازوں سے روکا ہے: (۱) نعمت کے وقت لہو ولعب اور شیطان کی بانسریوں پر مشتمل آواز اور (۲) مصیبت کے وقت منہ پیٹنا اور گریبان چاک کرنا۔ (رہا مسئلہ رونے اور آنسو بہانے کا تو) یہ تو رحمت ہے اور جو کسی پر رحمت نہیں کرتا، اس پر رحمت نہیں کی جاتی ......''

((سکت علیہ الحاکم والذهبي ورجال اسناده ثقات، الا ان ابن ابي ليلى سيىء الحفظ فمثله يستشهد به ويعتضد)) (صحيحه: ٤٢٧)

امام البانی نے مزید لکھا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گانا گانے والے (اور بے خودی اور مستی کا سبب بننے والے) آلات حرام ہیں، کیونکہ بانسریوں سے مراد وہ آلہ ہے جس کے ذریعے بانسری بجائی جاتی ہے، اس طرح کئی اور احادیث ہیں جو ابن حزم پر ردّ کرنے کے لیے کافی ہیں، ایک حدیث صحیحہ کے نمبر (۹۰) میں گزر چکی ہے۔ (صحیحہ: ۴۲۷)

جنتی اور جہنمی افراد کی اقسام

(٢٥٨٢)۔ عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ فِيْ خُطْبَتِهِ: ((أَلَا إِنَّ رَبِّي أَمَرَنِيْ أَنْ أُعَلِّمَكُمْ مَاجَهِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِيْ يَوْمِيْ هٰذا، كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهُ عَبْدًا حَلَالٌ، وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِيْ حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِيْنِهِمْ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا أَحْلَلْتُ لَهُمْ، وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُشْرِكُوْا بِيْ مَالَمْ أُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا، وَإِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَمَقَتَهُمْ، عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ، إِلَّا بَقَايَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَقَالَ: إِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِأَبْتَلِيَكَ وَأَبْتَلِيَ بِكَ، وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَايَغْسِلُهُ الْمَاءُ، وَتَقْرَؤُهُ نَائِمًا وَيَقْظَانَ، وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِيْ أَنْ أُحَرِّقَ

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''خبردار! میرے ربّ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو (ان امور کی) تعلیم دوں جو تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالی نے مجھے آج جن امور کی تعلیم دی ہے، ان میں سے یہ بھی ہیں کہ: ہر وہ مال جو میں نے بندے کو عطا کیا ہے، وہ حلال ہے، اور میں نے اپنے سب بندوں کو یکسر خالص مسلمان بنایا ہے، لیکن اُن کے پاس شیطان آئے اور انہوں نے اُن کو اُن کے دین سے دور کر دیا۔ (نتیجتاً) جو میں نے اُن کے لیے حلال کیا تھا، اُنہوں نے اُن پر حرام کر دیا اور اُن کو حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ شرک کریں، جس کی میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف دیکھا تو عرب و عجم سمیت تمام کو گناہگار پایا۔ سوائے اُن لوگوں کے جو اہل کتاب میں سے باقی تھے۔ اللہ تعالی نے کہا: (اے محمد!) میں نے تجھے مبعوث

قُرَيْشًا ، فَقُلْتُ: رَبِّ! إِذًا يَثْلَغُوْا رَأْسِيْ، فَيَدَعُوْهُ خُبْزَةً قَالَ: اسْتَخْرِجْهُمْ كَمَا اسْتَخْرَجُوْكَ وَاغْزُهُمْ نُغْزِكَ، وَأَنْفِقْ فَسَنُنْفِقُ عَلَيْكَ، وَابْعَثْ جَيْشًا نَبْعَثْ خَمْسَةً مِثْلَهُ، وَقَاتِلْ بِمَنْ أَطَاعَكَ مَنْ عَصَاكَ، قَالَ: وَأَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ: ذُوْسُلْطَانٍ مُقْسِطٌ مُتَصَدِّقٌ مُوَفَّقٌ، وَرَجُلٌ رَحِيْمٌ رَقِيْقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِيْ قُرْبٰى وَمُسْلِمٍ، وَعَفِيْفٌ مُتَعَفِّفٌ مُتَصَدِّقٌ ذُوْ عَيَالٍ۔ قَالَ: وَأَهْلُ النَّارِ خَمْسَةٌ: اَلضَّعِيْفُ الَّذِيْ لَازَبْرَلَهُ الَّذِيْ هُمْ فِيْكُمْ تَبَعًا لَايَتْبَعُوْنَ أَهْلًا وَلَا مَالًا وَالْخَائِنُ الَّذِيْ لَا يَخْفٰى لَهُ طَمْعٌ وَإِنْ دَقَّ إِلَّا خَانَهُ، وَرَجُلٌ لَا يُصْبِحُ وَلَا يُمْسِيْ إِلَّا وَهُوَ يُخَادِعُكَ عَنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ وَذَكَرَ الْبُخْلَ أَوِالْكِذْبَ۔ وَالشَّنْظِيْرُ الْفَحَّاشُ، وَإِنَّ اللّٰهَ أَوْحٰى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَايَفْخَرَ أَحَدٌ وَلَا يَبْغِي أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ۔))

(الصحيحة:٣٥٩٩)

کیا ہے، تا کہ تجھے آزماؤں اور تیرے ذریعے لوگوں کو آزماؤں۔ اب میں نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے کہ جس کو پانی نہیں دھوسکتا، تم نیند اور بیداری (دونوں حالتوں) میں اس کی تلاوت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا کہ میں قریش کو جلا دوں۔ میں نے کہا: اے میرے پروردگار! وہ تو میرا سر پھوڑ دیں گے اور اُس کو (کچل کر) روٹی کی طرح بنا دیں گے۔ اللہ نے فرمایا: تو اُن کو نکال دے، جس طرح انہوں نے تجھے نکالا اور اُن سے جہاد کر، ہم تیری مدد کریں گے اور تو خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا اور تو ایک لشکر بھیج، ہم اس کا پانچ گنا بھیجیں گے اور اپنے فرمانبرداروں کے ساتھ مل کر اپنے نافرمانوں سے لڑ۔ اور جنتی لوگ تین طرح کے ہیں: (۱) منصف صاحبِ اقتدار، جو صدقہ کرنے والا ہو اور اسے نیک کاموں کی توفیق دی گئی ہو۔ (۲) ہر وہ شخص جو قریبی رشتہ دار اور مسلمان کے حق میں نرم دل اور رحمدل ہو۔ (۳) ہر وہ شخص جو پاک دامن ہو اور اہل و عیال کے باوجود مانگنے سے بچنے والا اور صدقہ کرنے والا ہو۔ اور دوزخ والے بھی پانچ طرح کے لوگ ہیں: (۱) وہ کمزور شخص کہ جس کو بری بات سے بچنے کی توفیق نہیں، وہ تم میں فرمانبردار ہے، وہ گھر بار چاہتا ہے نہ مال۔ (۲) وہ خائن جس کی لالچ مخفی نہیں ہوتی، جب اُسے معمولی سی چیز میں خیانت کرنے کا موقع ملتا ہے تو وہ خیانت کر گزرتا ہے۔ (۳) وہ آدمی جو صبح و شام تیرے گھر بار اور مال و دولت کے بارے میں دھوکہ باز ثابت ہو۔ (۴) پھر آپ نے بخل یا جھوٹ اور (۵) فحش گو اور بدخلق کا ذکر کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم عاجزی کرو، کوئی دوسرے پر نہ فخر کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔''

تخريج: رواه مسلم: ٨/ ١٥٩۔ والسياق له۔، والنسائي في"الكبرى": ٨٠٧٠، ٨٠٧١، وعبدالرزاق:٢٠٠٨٨، والطيالسي: ١٠٧٩، وابن حبان: ٦٥٣، ٦٥٤، وأحمد: ٤/ ١٦٢، ٢٦٦۔ والزيادة منه، والبيهقي: ٩/ ٦٠، والطبراني في"الكبير": ١٧/ رقم: ٩٨٧، ٩٩٢، ٩٩٤، ٩٩٥ و ٩٩٦ و

٩٩٧ ، وابن قانع في "معجم الصحابة": ٢/ ٢٧٨ و ٢٧٩ ، وابن أبي عاصم في "الآحاد والمثاني": ١١٩٦ ، وقد روى ابوداود: ٤٨٩٥ ، وابن ماجه: ٤٢١٤ فقرة التواضع

شـــرح :...... اس حدیثِ مبارکہ میں اِن اوصاف کو جنت کا سبب قرار دیا گیا ہے: عدل وانصاف کرنا، صدقہ و خیرات کرنا، نیکیاں کرنا، نرمی و رحم دلی اختیار کرنا، عفت و پاکدامنی اختیار کرنا، دست سوال نہ پھیلانا۔

جبکہ درج ذیل افراد کو جہنمی قرار دیا گیا ہے:

ضعیف بھی ہو اور برا بھی، خیانت کرنے والا، دھوکہ باز، بخیل، جھوٹا، بدگو اور بدخلق۔

آخر میں آپ ﷺ نے تواضع اختیار کرنے کا حکم اور ظلم و بغات اور فخر و غرور سے منع فرمایا ہے۔

تواضع کا مطلب ہے، ایک دوسرے کے ساتھ عاجزی وانکساری، نرمی و رحم دلی اور محبت و الفت سے پیش آنا، حسب ونسب یا مال و دولت کی بنیاد پر کسی کو حقیر نہ سمجھنا اور نہ کسی پر ظلم و زیادتی کرنا، کیونکہ اگر اللہ تعالی نے کسی کو مقام و مرتبہ، مال و دولت حسب و نسب جیسی صلاحیتوں سے نوازا ہے، تو اس پر اس کو اللہ تعالی کا شکریہ ادا کرنا چاہئے، کیونکہ ان انعامات کے حصول میں اس کی صلاحتیں کارفرما نہیں ہیں، بلکہ یہ محض اللہ تعالی کے احسان کا نتیجہ ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالی کا یہ احسان اس کے لیے مضرّ ثابت ہو وہ اس طرح کہ وہ اللہ تعالی کی مخلوق کو بنظر حقارت دیکھنے لگے یا ان پر ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرنے لگے۔ نبی کریم ﷺ رفعت و منزلت اور عظمت و مرتبت کے انتہائی اعلی مراتب پر فائز تھے، کسی امتی کا آپ سے کوئی موازنہ ہی نہیں کیا جا سکتا، اس کے باوجود اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو حکم دیا: ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سورۂ شعراء: ٢١٥) ...... ''(اے محمد!) اپنے پیروکار مومنوں سے نرمی سے پیش آؤ۔''

لیکن یہ حقیقت مدنظر رہے کہ آدمی نرمی و عاجزی اختیار کرنے میں بعض دفعہ یہ سمجھتا ہے کہ اس میں اس کی ذلت ہے، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، کیونکہ تواضع کا نتیجہ عزت و سرفرازی کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور آخرت میں یقینا اس کا حسن انجام واضح ہے کہ اسے بلند درجات سے نوازا جائے گا۔

دنیوی نعمتیں رضائے ربّانی کی دلیل نہیں

(٢٥٨٣)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ ، وَإِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُّحِبُّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ ، وَلَا يُعْطِي الْإِيْمَانَ إِلَّا مَنْ أَحَبَّ فَمَنْ ضَنَّ بِالْمَالِ أَنْ يُّنْفِقَهُ ، وَخَافَ الْعَدُوَّ أَنْ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے مابین تمہارا رزق تقسیم کیا ہے، اسی طرح تمہارے درمیان تمہارا اخلاق بھی تقسیم کر دیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس کو پسند کرتا ہے، اُسے بھی دنیا عطا کرتا ہے اور جسے ناپسند کرتا اُسے بھی دے دیتا ہے اور ایمان صرف اُسے عطا کرتا ہے، جس کو پسند فرماتا ہے۔

يُجَاهِدَهُ، وَهَابَ اللَّيْلَ أَنْ يُكَابِدَهُ، فَلْيُكْثِرْ مِنْ قَوْلِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ.)) (الصحيحة:٢٧١٤)

پس جو شخص مال خرچ کرنے سے بخل کرے، دشمن کے ساتھ لڑنے سے ڈر جائے اور رات کو تکلیف و مشقت اٹھانے سے گھبرائے تو وہ کثرت سے یہ کلمات کہے: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ"۔

تخريج: أخرجه الأسماعيلي في "المعجم": ١١٤/١، والبيهقي في "شعب الايمان": ١/ ٣٤٨، وأخرجه البخاري في "الادب المفرد": ٢٧٥، وابوداود في "الزهد": ١٦٤/ ١٥٧، والطبراني في "الكبير": ٨٩٩٠ موقوفا، لكن لا يخفى انه في حكم المرفوع

شرح:...... انسان، مسلم ہو یا کافر، کی ہر صلاحیت اللہ تعالی کی عطا ہے، وہ ایمان و ایقان ہو یا قول و کردار، حسن و جمال ہو یا مال و دولت، حسب و نسب ہو یا عظمت و سطوت۔ یقیناً ہر آدمی کسی نہ کسی انداز میں اپنے آپ کو باصلاحیت سمجھتا ہے اور اس پر نازاں بھی رہتا ہے، لیکن اسے خیال بھی ہونا چاہئے کہ اللہ تعالی نے یہ صلاحیت اسے عاریۃً دی ہے، جو اس سے کسی وقت بھی سلب کی جا سکتی ہے۔ بہر حال ایمان و اسلام اس لحاظ سے ممتاز نعمتیں ہیں کہ اللہ تعالی کی محبت پر دلالت کرتی ہیں، اللہ تعالی صرف اپنے محبوبوں کو ایمان کی نعمت سے مزین کرتے ہیں۔ کوئی دنیوی نعمت اللہ تعالی کی رضامندی کی غماز نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ تعالی ہر نیک و بد کو یہ صلاحتیں عطا کرتا رہتا ہے، بلکہ اگر زمانۂ ماضی اور بالخصوص خیر القرون کی شخصیات کی سوانح عمری کی ورق گردانی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اعلی درجے کے ایمان دار لوگ زیادہ تر دنیوی نعمتوں سے محروم رہے ہیں۔

آخر میں "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ" کو بخیلی، بزدلی اور رات کو گھبرانے کا علاج قرار دیا گیا ہے۔

❀❀❀❀

الآدَابُ وَالاِسْتِئذَانُ

آداب اور اجازت طلب کرنا

الآداب: لغوی معنی: ''الادب'' کی جمع ہے، سلیقہ، تہذیب، شائستگی، اچھا طریقہ

اصطلاحی تعریف:...... وہ علم و ہنر جس سے آخرت کی تکمیل یا دنیا کا فائدہ ہوتا ہو یا اخلاقی قواعد وضوابط کو آداب کہتے ہیں۔ یا ایسے امور کی معرفت، جن کی روشنی میں تمام غلطیوں سے بچا جا سکتا ہو۔

الاستئذان: لغوی معنی: اجازت طلب کرنا

اصطلاحی تعریف:...... غیر مملوکہ محل میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرنا۔

کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھا جائے

عار دلانا اور سب وشتم کرنا منع ہے

(٢٥٨٤)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَلِيْمٍ أَوْسُلَيْمٍ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَإِذَا هُوَ جَالِسٌ مَعَ أَصْحَابِهِ، فَقُلْتُ: أَيُّكُمُ النَّبِيُّ؟ قَالَ: فَإِمَّا أَنْ يَكُوْنَ أَوْمَأَ إِلَى نَفْسِهِ وَإِمَّا أَنْ يَكُوْنَ أَشَارَ إِلَيْهِ الْقَوْمُ، قَالَ: فَإِذَا هُوَ مُحْتَبٍ بِبُرْدَةٍ قَدْ وَقَعَ هُدْبُهَا عَلَى قَدَمَيْهِ، قَالَ: فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَجْفُوْ عَنْ أَشْيَاءَ فَعَلِّمْنِي۔ قَالَ: ((اتَّقِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَلَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِي إِنَاءِ الْمُسْتَسْقِي، وَإِيَّاكَ وَالْمَخِيْلَةَ! فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَا يُحِبُّ

حضرت جابر بن سَلِیم یا سُلَیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ صحابۂ کرام میں تشریف فرما تھے۔ میں نے کہا: تم میں نبی کون ہے؟ جواباً آپ ﷺ نے خود اپنی طرف یا لوگوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ ﷺ گھٹنوں اور کمر کے گرد چادر باندھ کر اور گھٹنے کھڑے کر کے سرین کے بل بیٹھے تھے، چادر کا کنارہ آپ ﷺ کے پاؤں پر لگ رہا تھا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں کچھ چیزوں کے بارے میں تندمزاج ہوں، آپ مجھے سکھا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے ڈر جا، کسی نیکی کو حقیر مت جان، اگرچہ وہ پانی مانگنے والے کے برتن میں پانی ڈالنے کی صورت میں ہی کیوں

الْـمَخِيْلَةَ ، وَإِنِ امْرُءٌ شَتَمَكَ وَعَيَّرَكَ بِأَمْرٍ يَـعْـلَمُهُ فِيْكَ ، فَلا تُعَيِّرْهُ بِأَمْرٍ تَعْلَمُهُ فِيْهِ ، فَيَـكُـوْنُ لَكَ أَجْرُهُ وَعَلَيْهِ إِثْمُهُ وَلَا تَشْتِمَنَّ أَحَداً۔)) (الصحيحة: ٧٧٠)

نہ ہو، تکبر سے اجتناب کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا، اگر کوئی آدمی تجھے گالی دے اور تجھے تیرے کسی عیب، جسے وہ جانتا ہے، کی بنا پر عار دلائے، تو تو اسے اُس برائی کی بنا پر عار مت دلا جسے تو جانتا ہے، اس طرح کرنے سے اس کا اجر تجھے ملے گا اور اس کے گناہ کا وبال اسی پر ہوگا اور (یہ بھی یاد رکھ کہ) کسی کو گالی نہیں دینا۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٥/ ٦٣، هذا الحديث صحيح بدون قوله: ((اتق الله))

شرح:...... آپ ﷺ نے ایسے چار نصائح کی نشاندہی کی ہے، جو کسی انسان میں اللہ تعالیٰ کی بندگی و غلامی اور عاجزی و فروتنی کے جذبات پیدا کرنے کے لیے کافی و شافی ہیں۔ ''تقوی'' سے مراد ''خوفِ خدا'' ہے، جو ہر نیکی کرنے اور ہر برائی سے بچنے کے لیے نسخۂ کیمیا ہے۔ اگر کوئی بشر تمام فرائض و واجبات اور مندوبات و مستحبات کی ادائیگی کرنا چاہتا ہو اور محرمات و مکروہات سے اجتناب کرنا چاہتا ہو تو وہ ''تقوی'' کا سہارا لے۔

پانی ہر انسان کی بنیادی اور انتہائی اہم ضرورت ہے، لیکن اس نعمت کی کثرت نے اس کی اہمیت کو کم کر دیا ہے، بہر حال کسی کو پانی مہیا کرنا انتہائی آسان اور بیش اجر والی نیکی ہے، جسے آپ ﷺ نے بطورِ مثال پیش کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے تکبر سے گریز کرنے کی تلقین کی ہے، کیونکہ تکبر، متکبر کو جنت سے محروم کرنے اور جہنم میں داخل کرنے کا بہت بڑا سبب ہے۔

یاد رہے کہ کسی شخص کا مال و دولت، دولت و ثروت، حسن و جمال، جاہ و منصب، حکومت و سلطنت، غلبہ و اقتدار، علم و فضل، حسب و نسب، سرداری و سربراہی یا احترام و اکرام کی بنا پر اپنے آپ کو دوسروں سے برتر اور دوسروں کو اپنے سے کم تر سمجھنا اور حق بات ماننے سے ہٹ دھرمی کا ارتکاب کرنا اور ان دنیوی صفات کی بنا پر بعض سنتوں پر عمل نہ کرنا تکبر کہلاتا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ ، اَلْـكِبْـرُ بَـطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ)) (مسلم) ...... ''(اچھے کپڑے زیب تن کرنا اور اچھے جوتے پہننا تو قابل تعریف چیز ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ خود بھی خوبصورت ہے اور حسن و جمال کو پسند بھی کرتا ہے، تکبر تو یہ ہے کہ حق بات کو ٹھکرا دیا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔''

تکبر کی ایک مثال سمجھنے کے لیے سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا سہارا لیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ((كُـلْ بِيَـمِيْنِكَ۔)) ...... ''دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔'' اس نے کہا: اس کی میرے اندر طاقت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(اگر تجھے طاقت نہیں تو) تو اس کی طاقت نہ ہی رکھے۔'' دراصل اس کو صرف تکبر نے آپ کی بات ماننے سے روکا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے

بعد وہ آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے منہ کی طرف نہیں اٹھا سکا۔ (مسلم) یہ ہے تکبر اور اس کا وبال کہ پوری زندگی کے لیے دائیں ہاتھ سے کھانا پینا نصیب نہ ہوا۔

آخر میں آپ ﷺ نے کسی کو اس کے جرم کی بنا پر عار دلانے اور کسی کو گالی گلوچ کرنے سے منع فرمایا، جو حقیقت میں کسی سنجیدہ شخص کی صفات نہیں ہو سکتیں۔

تین نیکیاں اور تین برائیاں

(٢٥٨٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: أَنَّهُ قَالَ: ((آمُرُكُمْ بِثَلَاثٍ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ ثَلَاثٍ آمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا، وَتَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَلَا تَفَرَّقُوْا وَتُطِيْعُوْا لِمَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ أَمْرَكُمْ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ قِيْلٍ وَّقَالٍ، وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةِ الْمَالِ۔)) (الصحيحة:٦٨٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمھیں تین چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور تین چیزوں سے منع کرتا ہوں: میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور سب کے سب اللہ کے دین پر مضبوطی سے ڈٹے رہو اور فرقوں میں مت پڑو اور جس کو اللہ تعالی تمہارا حکمران بنا دے، اس کی اطاعت کرو اور میں تمھیں فضول باتوں، کثرتِ سوال اور فضول خرچی سے منع کرتا ہوں۔“

تخريج: أخرجه ابن حبان: ١٥٤٣، ورواه مسلم: ٥/ ١٣٠، واحمد: ٢/ ٣٢٧، ٣٦٠، ٣٦٧

شرح:...... حدیثِ مبارکہ کے پہلے حصے میں توحید کو اختیار کرنے، شرک سے اجتناب کرنے، اللہ تعالی کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے، امراو حکام کی اطاعت کرنے اور عدم تفریق کی تاکید کی گئی ہے، جبکہ دوسرے حصے میں تین ایسے امور سے منع کیا گیا ہے، جن میں ہر خاص و عام بری طرح مبتلا ہے۔ بے فائدہ بحث و مباحثہ، غیروں پر طعن و تشنیع، چغلی و غیبت اور عیب جوئی پر مشتمل گپ شپ غیر محسوس انداز میں عام ہے۔ اسی طرح کثرتِ سوال کی کئی شکلیں وجود پا چکی ہے، کوئی گلی کوچوں میں گھوم کر، کوئی مساجد میں اعلان کر کے اور کوئی کسی اور بہانے لوگوں پر تکیہ کر بیٹھا ہے اور جن افراد کو اللہ تعالی نے وسعت سے روزیاں عطا کر رکھی ہیں، وہ خرچ کرنے کے بارے میں منصوبہ بندی کرنے سے عاجز ہیں اور وقت کے تقاضوں کے مطابق اپنے مال و دولت کی نمائش کرنے کے لیے ہر گھاٹ میں اسے کھپائے جا رہے ہیں، قطع نظر اس بات سے کہ وہ حلال ہے یا حرام۔

نماز اور غلاموں کے بارے میں اللہ تعالی سے ڈرنا

(٢٥٨٦)۔ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ فِي مَرَضِهِ: ((اتَّقُوْا اللّٰهَ فِي الصَّلَاةِ وَمَامَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ۔))

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ مرض الموت کے دوران فرمایا: ”نماز اور اپنے غلاموں (اور مالوں) کے بارے میں اللہ تعالی سے ڈرتے رہنا۔“ آپ ﷺ

وَجَعَلَ يُكَرِّرُهَا۔ (الصحيحة:٨٦٨) نے یہ کلمات بار بار دوہرائے۔

تخريج:أخرجه الخطيب في"تاريخ بغداد": ١٠/ ١٦٩، والطحاوي في "مشكل الآثار: ٤/ ٢٣٥

شرح:...... اس میں نماز، غلاموں اور مالوں کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ ان تین امور کے بارے میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ نماز کے بارے میں خوفِ خدا کا مطلب یہ ہے کہ اس فریضے کو کما حقہ ادا کیا جائے، غلاموں کی بابت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حقوق ادا کئے جائیں، ان کے کھانے پینے، لباس اور آرام کا مکمل خیال رکھا جائے اور مالوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے کا مفہوم یہ ہے کہ فضول خرچی نہ کی جائے، حرام امور میں خرچ کرنے سے مکمل گریز کیا جائے اور مال و دولت کی بنا پر اپنے آپ کو برتر اور دوسروں کو کمتر نہ سمجھا جائے۔

بابرکت کھانا

(٢٥٨٧)۔ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعاً: ((أَحَبُّ الطَّعَامِ إِلَى اللّٰهِ مَاكَثُرَتْ عَلَيْهِ الأَيْدِيْ۔)) (الصحيحة:٨٩٥)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب کھانا وہ ہے جس کو کھانے والے زیادہ ہوں۔''

تخريج: رواه أبو يعلي الموصلي في"مسنده": ق١١٥/ ١، وأبو الحسن السكري الحربي في "الثاني من الفوائد": ١٦٠/ ٢، وأبو القاسم بن الجراح الوزير في"السابع من الثاني من الأمالي": ١٣/ ١، وأبو نعيم في"أخبار أصبهان": ٢/ ٩٦، والبيهقي في"الشعب": ٧/ ٩٨

شرح:...... ذہن نشین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی برکت غیر محسوس ہوتی ہے۔ مل کر کھانے میں برکت ہے، اس طرح تھوڑا کھانا بھی زیادہ آدمیوں کو کافی ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں اس طرح باہم الفت و محبت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

شاید آپ نے تجربہ کیا ہو کہ اگر چار افراد کا کھانا ان میں علیحدہ علیحدہ تقسیم کر دیا جائے تو وہ چار ہی سیر ہوں گے، لیکن اگر چھ سات افراد اسی کھانے کو اجتماعی شکل میں کھائیں تو یہی کھانا ان کو چار کی طرح ہی کفایت کرے گا اور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی صداقت کا عملی طور پر تجربہ ہو جائے گا، جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِيْ الِاثْنَيْنِ وَطَعَامُ الِاثْنَيْنِ يَكْفِيْ الْاَرْبَعَةَ وَطَعَامُ الْاَرْبَعَةِ يَكْفِيْ الثَّمَانِيَةَ۔)) (مسلم) ...... ''ایک آدمی کا کھانا دو، دو کا چار کو اور چار کا کھانا آٹھ افراد کے لیے کافی ہے۔''

بہر حال وہ شخص ان احادیث کا مفہوم سمجھ پائے گا، جس کا مقصد بسیار خوری اور زبان کا ''چسکا'' نہ ہو۔

ٹیک لگا کر کھانا کیسا ہے؟

(٢٥٨٨)۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قُلْتُ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كُلْ جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاكَ مُتَّكِئًا، فَإِنَّهُ أَهْوَنُ عَلَيْكَ فَأَحْنٰى رَأْسَهُ حَتّٰى كَادَ أَنْ تُصِيْبَ جَبْهَتُهُ الْأَرْضَ وَقَالَ: ((بَلْ آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ۔)) (الصحيحة: ٥٤٤)

رسول! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے، ٹیک لگا کر کھا لیا کرو، کیونکہ اس میں آپ کے لیے زیادہ آسانی ہے۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے اپنا سر اس قدر جھکایا کہ قریب تھا کہ آپ کی پیشانی زمین کو چھونے لگتی اور فرمایا: ''میں تو بندے کی طرح کھاؤں گا اور بندے کی طرح ہی بیٹھوں گا۔''

تخريج: رواه البغوى فى "شرح السنة": ٣/ ١٨٧/ ٢، وابن سعد: ١/ ١/ ٢٨١، وابو يعلى: ٤٩٢٠

(٢٥٨٩)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: مَارُئِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْكُلُ مُتَّكِأً قَطُّ وَلَا يَطَأُ عَقِبَهُ رَجُلَانِ۔ (الصحيحة: ٢١٠٤)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کو ٹیک لگا کر کھانا کھاتے ہوئے دیکھا گیا اور (نہ یہ دیکھا گیا کہ) دو آدمی آپ ﷺ کے پیچھے چل رہے ہوں (اور آپ ﷺ ان کے آگے ہوں)۔

تخريج: أخرجه أبوداود: ٢/ ١٤٠، وأحمد: ٢/ ١٦٥، ١٦٧، وابن سعد: ١/ ٣٨٠، و أبو الشيخ فى "أخلاق النبى ﷺ": ٢١٣

(٢٥٩٠)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَاتَأْكُلْ مُتَّكِئاً وَلَا عَلٰى غِرْبَالٍ، وَلَاتَتَّخِذَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ مُصَلًّى لَا تُصَلِّي إِلَّا فِيْهِ، وَلَا تَخْطُ رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَيَجْعَلُكَ اللّٰهُ لَهُمْ جَسْراً يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة: ٣١٢٢)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ٹیک لگا کر نہ کھانا، چھانے ہوئے آٹے کی روٹی نہ کھانا، مسجد میں کوئی جگہ مقرر نہیں کرنا کہ اسی میں ہی نماز پڑھی جائے اور جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگنا، وگرنہ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تجھے لوگوں کے لیے پل بنا دے گا۔''

تخريج: أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق": ١٣/ ٣٩١، و رواه الطبرانى فى "المعجم الاوسط": ١/ ٣/ ٣٣ مختصرا بلفظ: ((لاتأكل متكئا، ولاتخط رقاب الناس يوم الجمعة۔))

شرح :...... ان احادیث میں درج ذیل آداب کی تعلیم دی گئی ہے:

(۱) ٹیک لگا کر کھانا کھانے سے گریز کرنا، عجز و انکساری اور بندگی و غلامی کا یہی تقاضا ہے۔

(۲) صحابہ کرام کا آپ ﷺ کے آگے چلنا

(۳) چھانے ہوئے آٹے کی روٹی نہ کھانا

(۴) نماز کے لیے مسجد میں ایک ہی جگہ کا تعین نہ کرنا، بلکہ پہلے آنے والے جہاں بیٹھ جائیں ان کو نہ اٹھایا جائے۔

(۵) خطبۂ جمعہ کے دوران لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگنا

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ ﷺ کے آگے چلنے کی وجہ اس حدیث میں مذکور ہے:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: كَانَ أَصْحَابُهُ يَمْشُوْنَ أَمَامَهُ إِذَا خَرَجَ وَيَدَعُوْنَ ظَهْرَهُ لِلْمَلَائِكَةِ۔ (ابن ماجه،صحيحه: ٤٣٦) ...... صحابۂ کرام آپ ﷺ کے سامنے چلتے تھے اور آپ ﷺ کی پشت فرشتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔

جبکہ سیدنا جابر کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ((امشوا امامي وخلوا ظهري للملائكة۔)) (صحيحه: ١٥٥٧، الحلية لابي نعيم: ٧/ ١١٧) ...... ''میرے آگے چلا کرو اور میری پشت کو فرشتوں کے لیے خالی چھوڑ دیا کرو۔''

برتن میں رکھے ہوئے کھانے کی چوٹی سے کھانا ناپسندیدہ ہے

(٢٥٩١)۔ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ جَدَّتِهِ سَلْمٰى، قَالَتْ: كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يُؤْخَذَ مِن رَّأْسِ الطَّعَامِ۔ (الصحيحة:٣١٢٥)

حضرت عبید اللہ بن علی بن ابو رافع اپنی دادی سلمی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ناپسند کرتے تھے کہ (برتن وغیرہ میں رکھے ہوئے) کھانے کی چوٹی سے کھانا کھایا جائے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٢٤/ ٢٩٧/ ٧٥٤

شرح:...... اس میں کھانا کھانے کا ایک ادب بیان کیا گیا ہے کہ پیالے کی ایک جانب سے کھایا جائے، نہ کہ اس کی چوٹی سے، اس کی مزید وضاحت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْبَرَكَةُ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ فَكُلُوْا مِنْ حَافَتَيْهِ وَلَا تَأْكُلُوْا مِنْ وَسَطِهِ۔)) (ابوداود: ٣٧٧٢، ترمذی: ١٨٠٦، ابن ماجه : ٣٢٧٧) ...... ''کھانے کے درمیان میں برکت اترتی ہے، اس لیے تم اس کے دونوں کناروں سے کھایا کرو اور درمیان سے نہ کھایا کرو۔''

کھڑا ہو کر کھانا پینا کیسا ہے؟

(٢٥٩٢)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: ((كُنَّا نَشْرَبُ وَنَحْنُ قِيَامٌ، وَنَأْكُلُ وَنَحْنُ نَمْشِي عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔)) (الصحيحة:٣١٧٨)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کھڑے ہو کر (بھی) کھا پی لیتے تھے۔

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ٨/ ٢٠٥/ ٤١٧٠، واحمد: ٢/ ١٠٨، والترمذي: ٦/ ١٤٨/ ١٨٨٠، والطحاوي في "شرح المعاني": ٢/ ٣٥٨، والبيهقي في "السنن": ٧/ ٢٨٣، والطيالسي في "مسنده": ٢٥٨/ ١٠٩٤

شرح :......اس موضوع پر سب سے پہلے مختلف احادیث نوٹ کریں:

(۱) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا يَشْرَبَنَّ اَحَدٌ مِنْكُمْ قَائِمًا فَمَنْ نَسِيَ فَلْيَسْتَقِئْ۔)) (مسلم: ٢٠٢٦) ......"کوئی بھی کھڑے ہو کر پانی نہ پیئے، اگر وہ بھول کر (پی لے) تو قے کر دے۔"

(۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آدمی کو کھڑے ہو کر پانی پیتے دیکھا تو فرمایا: "قے کر دے۔" اس نے کہا: کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تو پسند کرتا ہے کہ تیرے ساتھ بلی پانی پیئے؟" اس نے کہا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اب تیرے ساتھ تو اس نے پیا ہے جو بلی سے زیادہ برا ہے اور وہ شیطان ہے۔" (مسند احمد، صحیحہ: ۱۷۵ کے تحت)

(۳) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ زَجَرَ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا۔ (مسلم: ٢٠٢٤) ...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے ڈانٹا ہے۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے انہی الفاظ کے ساتھ اپنی روایت بیان کی ہے۔ (مسلم: ٢٠٢٥)

(۴) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَوْ يَعْلَمُ الَّذِي يَشْرَبُ وَهُوَ قَائِمٌ مَا فِي بَطْنِهِ، لَاسْتَقَاءَ۔)) (مسند احمد، صحیحہ: ١٧٦) ......"اگر کھڑے ہو کر پانی پینے والے کو پتہ چل جائے کہ اس کے پیٹ میں کیا ہے تو وہ قے کر دے۔"

بہر حال ان احادیث مبارکہ کے مقابلے میں کھڑے ہو کر پانی پینے کے دلائل بھی موجود ہیں۔ اس تضاد اور تناقض کو کیسے ختم کیا جائے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع کیا گیا ہے، ان کی نہی کا تقاضا یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا حرام ہے، الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔ علمائے کرام نے ان مختلف احادیث میں جمع و تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، جمہور کا خیال ہے: نہی کو کراہت پر محمول کیا جائے اور بیٹھ کر پانی پینے کو مستحب سمجھا جائے، یعنی کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے اور قے کرنے کے حکم کو استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ جبکہ امام ابن حزم نے کہا: کھڑے ہو کر پانی پینا حرام ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہی مسلک راجح اور اقرب الی الصواب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن احادیث میں قے کرنے کا حکم دیا گیا اور منع کرنے کے لیے لفظ "زَجَرَ" استعمال کیا گیا، وہ کراہت کے ساتھ موافقت نہیں کرتیں، کیونکہ قے کرنے میں شدید مشقت ہوتی ہے اور شریعت میں مستحب کام کی مخالفت کرنے والے کو اس قسم کی وعید نہیں سنائی جاتی اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا: "تیرے ساتھ تو شیطان نے پیا ہے۔" بھی کھڑے ہو کر پانی پینے سے شدید نفرت دلانے کا تقاضا کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کے سخت حدیثی جملے مستحب کو ترک کرنے کی بنا پر نہیں کہے جاتے۔

جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے کا ذکر ہے، ان کو عذر پر محمول کیا جائے، جیسے جگہ کا تنگ ہونا یا مشکیزہ کا لٹکا

ہوا ہوتا، جبکہ بعض احادیث میں اس قسم کے اشارے بھی موجود ہیں۔ واللہ اعلم۔ پھر میں نے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بحث پڑھی، وہ بھی میرے مسلک سے ملتی جلتی ہے، آپ خود (المجموع: ۳۲/ ۲۰۹، ۲۱۰) کا مطالعہ کر لیں۔
(صحیحہ: ۱۷۷)

قارئین کرام! اگر آپ مختلف احادیث کی بنا پر حتمی فیصلہ نہ کر سکیں تو احتیاط کا تقاضا یہ ہوگا کہ پانی بیٹھ کر پیا جائے تاکہ مذکورہ بالا احادیث میں بیان کی گئی وعیدوں کے لاحق ہونے کا خطرہ ٹل جائے۔ واللہ اعلم

مختلف احادیث میں تضاد کو دور کرنے کے لیے فقہائے اسلام نے درج ذیل تطبیقات بھی پیش کی ہیں:

(۱) زیادہ احتیاط والا معاملہ یہ ہے کہ نہی اور وعید پر مشتمل احادیث کو مدنظر رکھ کر بیٹھ کر پانی پیا جائے۔

(۲) جب "حظر" اور "اباحت" میں تعارض آجائے تو "حظر" کو عملی طور پر مقدم سمجھا جاتا ہے، لہٰذا بیٹھ کر پانی پینا چاہیے۔

(۳) جب دو متعارض احادیث میں سے ایک کا تعلق "البراءة الاصلية" سے ہو اور دوسری اس کے مخالف ہو تو مخالف کو مؤخر سمجھ کر اس پر عمل کیا جاتا ہے، لہٰذا بیٹھ کر پانی پینا چاہیے۔ (۴) بیٹھ کر پانی پینا افضل ہے، لیکن کھڑے ہو کر بھی جائز ہے۔

اگر نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ وعیدوں کو مدنظر رکھا جائے تو دلی اطمینان کا تقاضا یہی ہے کہ بیٹھ کر پانی پینے کا اہتمام کیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

محبوب لوگ اور محبوب اعمال

(۲۰۹۳)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ وَأَيُّ الأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ، وَأَحَبُّ الأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ سُرُوْرٌ يُدْخِلُهُ عَلٰى مُسْلِمٍ، أَوْيَكْشِفُ عَنْهُ كُرْبَةً، أَوْيَقْضِي عَنْهُ دَيْناً أَوْ يَطْرُدُ عَنْهُ جُوْعاً، وَلَأَنْ أَمْشِيَ مَعَ أَخٍ فِي حَاجَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَكِفَ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ (يَعْنِي: مَسْجِدَ الْمَدِيْنَةِ) شَهْراً

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! کون سے لوگ اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں اور کون سے اعمال اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں جو دوسرے لوگوں کے لیے زیادہ فائدہ مند ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ اعمال یہ ہیں کہ مسلمان کا اپنے بھائی کو خوش کرنا، اس سے کوئی تکلیف دور کرنا، اس کا قرضہ چکانا اور اسے کھانا کھلانا۔ (دیکھیں) مجھے کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کے ساتھ چلنا اس مسجدِ نبوی میں ایک مہینہ اعتکاف کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ (اور یاد رکھو کہ)

وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ كَظَمَ غَيْظَهُ وَلَوْ شَاءَ أَنْ يُمْضِيَهُ أَمْضَاهُ مَلَأَ اللّٰهُ قَلْبَهُ رَجَاءً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ مَشٰى مَعَ أَخِيْهِ فِي حَاجَةٍ حَتّٰى تَتَهَيَّأَ لَهُ، أَثْبَتَ اللّٰهُ قَدَمَهُ يَوْمَ تَزُوْلُ الْأَقْدَامُ، وَإِنَّ سُوْءَ الْخُلُقِ يُفْسِدُ الْعَمَلَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ۔)) (الصحيحة:٩٠٦)

جس نے اپنے غضب کو روک لیا اللہ تعالیٰ اس کی خامیوں پر پردہ ڈالے گا، جو آدمی اپنے غصے کو نافذ کرنے کے باوجود پی گیا، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کے دل کو امیدوں سے بھر دے گا۔ جو اپنے بھائی کے ساتھ اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے چلا، اللہ تعالیٰ اس کو اُس دن ثابت قدم رکھے گا جس دن قدم ڈگمگا جائیں گے اور بد خلقی اعمال کو یوں تباہ کرتی ہے جیسے سرکہ، شہد میں بگاڑ پیدا کر دیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ٢٠٩/ ٢، وابن عساكر في "التاريخ": ١٨/ ١/ ٢

شرح:...... اس حدیث میں آپ ﷺ نے محبوب اعمال اور محبوب عاملین کا تذکرہ کرتے ہوئے آٹھ نیکیوں کا ذکر کیا ہے اور آٹھوں خصلتوں کا تعلق انسان کے حقوق سے ہے۔ یہ کسی شخص کی سعادت ہوگی کہ دوسروں کے دکھوں میں شریک ہو، دوسروں کا سہارا بنے اور اپنے ساتھ زیادتی کی صورت میں صبر کرے۔ اس سے بڑا اجر کیا ہو سکتا ہے کہ آج غصہ پی جانے کے عوض میدانِ حشر میں دل کو سکون اور امید نصیب ہو اور آج کسی بھائی کی ضرورت پورا کرنے کی وجہ سے روزِ قیامت قدموں میں رسوخ پیدا ہو جائے، جس دن ہر کسی کے پاؤں پھسل رہے ہوں گے۔ آخر میں بد خلقی کی مذمت کرتے ہوئے اسے اعمالِ صالحہ کے حق میں ضرر رساں قرار دیا ہے۔

دوسروں کے لیے اسی چیز کو ترجیح دینا، جو خود کو پسند ہو

(٢٥٩٤)۔ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أُسَيْدٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهُ: ((أَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ۔)) (الصحيحة: ٧٢)

حضرت یزید بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''جو چیز اپنے لیے پسند کرتے ہو، وہی لوگوں کے لیے پسند کرو۔''

تخريج: رواه البخاري في "التاريخ الكبير": ٢/ ٤/ ٣١٧/ ٣١٥٥، وعبدبن حميد في "المنتخب من المسند": ٥٣/ ٢، وابن سعد: ٧/ ٤٢٨، والقطيعي في "الجزء المعروف بالألف دينار": ٢٩/ ٢، والحاكم: ٤/ ١٦٨

شرح:......اس سے مراد ہر وہ خیر و بھلائی ہے، جو بندہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ یعنی اگر ایک آدمی اخروی مقاصد کو پورا کرنے والا اور دنیوی نعمتوں سے متصف ہو، تو اسے چاہئے کہ وہ کوشش کرے کہ اس کے باقی اسلامی بھائی بھی ان صلاحیتوں سے متصف ہوں یا کم از کم اس چیز کی تمنا تو کرے۔

ذہن نشین رہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں: (۱) طبعی اور (۲) کسبی۔

طبعی محبت انسان کو طبعی طور پر اپنے قرابتداروں اور محسنوں سے ہوتی ہے، یہ محبت انسان کا کمال اور طرۂ امتیاز

نہیں، کیونکہ تقریبا تمام حیوانات بھی اس صفت سے متصف نظر آتے ہیں۔

کسبی محبت سے مراد مومنوں کا آپس میں تعلق اور دوستی ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص مہاجرین و انصار کے مابین تھی، یہ دینی محبت صرف اللہ تعالی کے لیے ہوتی ہے، اس سے کوئی دنیوی مفاد اور غرض وابستہ نہیں ہوتی۔ ایسی محبت کو نہ صرف شریعتِ اسلامیہ میں سراہا گیا ہے، بلکہ ایمان و ایقان کی علامت قرار دیا گیا ہے، یاد رہے کہ ایسی محبت و الفت صرف نیک اور صالح لوگوں سے ہوتی ہے۔

اس حدیث میں جس محبت اور پسند کا حکم دیا گیا ہے، وہ کسبی محبت ہے، کیونکہ زیادہ تر یہ دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کے پاس اعلی دنیوی وسائل موجود ہیں، وہ یہ نہیں چاہتے کہ دوسرے لوگ بھی ایسے وسائل سے متصف ہو سکیں۔ اس لیے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اس کے تمام تقاضے پورے کرنے کے لیے اپنے آپ کو مجبور کیا جائے گا۔ مثلا دوسرے بھائیوں کو ایسے مشورے دینا کہ وہ اعلی صلاحیتوں سے کیسے متصف ہو سکتے ہیں، ان کو اپنی اولاد کی تعلیم و تادیب کے لیے کیا کرنا چاہئے اور اسی طرح دوسروں کے لیے خیر و بھلائی کی دعائیں کرنا۔

اس حدیث مبارکہ کا اشد تقاضا یہ بھی ہے کہ حسد، کینہ، بغض، کدورت اور دھوکہ دہی جیسے مذموم خصائل سے اجتناب کیا جائے اور ایک مسلمان جس شرّ وفساد کو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے، اسے دوسروں کے لیے بھی ناپسند کرے۔

اچھا شگون لینا

دورِ جاہلیت میں بعض اسباب کے ذریعے سے نیک شگونی یا بدشگونی لینا عام تھا، مثلا سفر کا ارادہ کرنے والا کسی پرندے کو اڑاتا، اگر وہ دائیں جانب اڑ جاتا، تو وہ اسے سفر بخیر کی علامت سمجھتے ہوئے سفر شروع کر دیتا، اور اگر وہ پرندہ بائیں جانب اڑ جاتا تو وہ اسے منحوس سفر کی علامت سمجھ کر اپنا ارادہ ترک کر دیتا۔ کئی اور علامتیں بھی مقرر تھیں۔ یہ سب امور ممنوع اور حرام ہیں۔ محض کسی بات کے اتفاقیہ طور پر صحیح نکل آنے سے ان تمام خرافات کا جواز ثابت نہیں ہوگا۔ جلبِ منفعت یا دفعِ مضرت میں ان چیزوں کی کوئی تاثیر نہیں۔ یہ سب ظن و تخمین اور اٹکل پچو کی باتیں ہیں، جن پر اعتبار اور اعتماد کرنا جہالت، گمراہی اور توہم پرستی ہے۔

لیکن شریعت نے اچھی بات سن کر اچھا شگون لینے کو جائز قرار دیا ہے، جس کی بنا پر انسان اللہ تعالی سے حسنِ ظن قائم کر لیتا ہے، جو ایک مستحسن امر ہے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَةَ وَیُعْجِبُنِیَ الْفَأْلُ۔)) ...... ''نہ کوئی بیماری متعدی ہے اور نہ کوئی بدشگونی (کی حقیقت ہے)، لیکن مجھے ''فال'' اچھی لگتی ہے۔'' صحابہ نے پوچھا: ''فال'' کیا ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((كَلِمَةٌ طَيِّبَةٌ۔)) ...... ''اچھی بات (کا سننا اور اس سے خیر کی امید وابستہ کر لینا)۔ (بخاری، مسلم)

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک فال کو ((اَلْكَلِمَةُ الْحَسَنَةُ۔)) فرمایا، جس پر امام کرمانی نے لکھا: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے فطرت میں نیک فال کی محبت رکھ دی ہے، جیسا کہ خوش کن منظر اور صاف پانی کو دیکھنے

سے راحت محسوس ہوتی ہے، اگرچہ اس پانی کو استعمال نہ کیا ہو۔ (عون المعبود)

مثال کے طور پر کوئی شخص کسی جائز کاروبار یا سفر کا ارادہ کرتا ہے، اس کا ہر دوست بالخصوص نیک بزرگ اس کے اس اقدام کو سراہتے ہیں، اس کیلیے دعائے خیر کرتے ہیں اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں یا اس کام کے لیے استعمال ہونے والے تمام اسباب بآسانی میسر ہو جاتے ہیں۔ وہ ان تمام امور سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ کام اللہ تعالی کو پسند ہے، نتیجتاً وہ اللہ تعالی کے بارے میں حسنِ ظن قائم کر لیتا ہے، اس کو اچھا شگون کہتے ہیں، بہر حال مستقبل میں اسے اللہ تعالی کی طرف سے کسی قسم کی آزمائش کا خطرہ بھی رہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ نیک شگون محض حسنِ ظن کا دوسرا نام ہے، نہ کہ مستقبل میں خطرات کے ٹل جانے کی گارنٹی ہے۔

مسلمان کا شیوہ اچھی فال لینا ہے، نہ کہ بدشگونی لینا، اس لیے جب کوئی مسلمان کسی جائز کام کا عزم کر لیتا ہے تو کوئی بدشگونی اسے نہیں روک سکتی، کیونکہ اس کا یہ پختہ عقیدہ ہوتا ہے کہ نفع ونقصان کے معاملات میں حقیقی مؤثر صرف اللہ تعالی ہے۔ دراصل اچھی فال لینے کو مستحسن قرار دے کر پسِ پردہ اس امر کی بھی ترغیب دلائی گئی ہے کہ ہر مسلمان کو دوسرے مسلمانوں اور ان کے جائز اقدامات کے بارے میں اچھی بات ہی منہ سے نکالنی چاہئے اور اچھی بات ہی سنی چاہئے، جس سے لوگ نیک فال اخذ کریں اور ایسی بات کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے کہ جس سے لوگ کراہت محسوس کریں اور اس سے ان کے دلوں میں بدفالی کا اندیشہ پیدا ہو۔

واضح ہو گیا ہے کہ مسلمان بدشگونی اور بد فالی لیتے ہوئے اپنے عزم کو منحوس نہیں سمجھتا، بلکہ مستقبل کے امور اور نفع و نقصان کو اللہ تعالی کے سپرد کر کے اپنے ارادے کی عملی تکمیل کی طرف گامزن رہتا ہے، یہ بات ذہن نشین رہے کہ بسا اوقات بدشگونی پر مشتمل فرسودہ خیالات کسی کو اپنے گھیراؤ میں لے سکتے ہیں، لیکن اسے اللہ تعالی پر بھروسہ کرتے ہوئے ان کو اپنے دل و دماغ سے نکال پھینکنا چاہئے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ذَالِكَ شَيْءٌ يَجِدُوْنَهُ فِي صُدُوْرِهِمْ، فَلَا يَصُدُّهُمْ۔)) (مسلم) ...... "یہ (بدشگونی) ایسی چیز ہے جسے لوگ اپنے سینوں میں محسوس تو کرتے ہیں، لیکن یہ ان کو اپنے کاموں (اور منصوبوں) سے نہ روکنے پائے۔"

(٢٥٩٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سَمِعَ كَلِمَةً فَأَعْجَبَتْهُ، فَقَالَ: ((أَخَذْنَا فَأْلَكَ مِنْ فِيْكِ۔))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بات سنی، وہ آپ ﷺ کو بڑی پسند آئی، سو آپ نے فرمایا: "ہم نے تیرے نیک شگون کو معتبر سمجھا ہے۔"

(الصحيحة:٧٢٦)

تخريج: أخرجه أبوداود: ٢/ ١٥٨-١٥٩، وأحمد: ٢/ ٣٨٨، وابن السني: ٢٨٦، والحسن بن علي الجوهري: ٢٨/ ١

شرح:...... وضاحت نہیں ہے کہ یہ بات کس امر کے بارے میں تھی، البتہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: إِنَّ

النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُعْجِبُهُ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ أَنْ يَّسْمَعَ: يَا رَاشِدُ يَا نَجِيْحُ۔ (ترمذی)...... جب آپ ﷺ کسی حاجت کے سلسلہ میں نکلتے تو پسند کرتے کہ (اپنے اس خروج کے بارے میں لوگوں سے یہ کہتے ہوئے) سنیں: اے راہِ مستقیم کو پانے والے! اے (اپنی حاجت میں) کامیاب ہونے والے۔

یعنی آپ ﷺ کی یہ تمنا ہوتی تھی کہ کوئی آدمی آپ کی اس تگ و دو کو سراہے اور آپ کو آپ کی حاجت پوری ہونے کا مژدہ سنائے۔

(٢٥٩٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أَبْرَدْتُّمْ إِلَيَّ بَرِيْداً فَابْعَثُوْهُ حَسَنَ الْوَجْهِ حَسَنَ الْإِسْمِ۔)) (الصحيحة:١١٨٦)

عبداللہ بن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میری طرف پیغام رساں بھیجو تو خوش رو اور خوش اسم آدمی کا انتخاب کیا کرو۔''

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده" صـ ٢٤٢۔ زوائده

(٢٥٩٧)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا أَبْرَدْتُّمْ إِلَيَّ بَرِيْدًا فَابْعَثُوْهُ حَسَنَ الْوَجْهِ، حَسَنَ الْإِسْمِ۔)) (الصحيحة:٤٠٣٤)

عبداللہ بن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میری طرف کوئی پیغام رساں بھیجو تو خوبصورت چہرے اور خوبصورت نام والے آدمی کو بھیجا کرو۔''

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده"

شرح:..... قانونِ فطرت ہے کہ خوش ہیئت، خوش رو، خوش لباس، خوش اخلاق اور خوش اسم انسان سے ملاقات کر کے طبعی مسرت محسوس ہوتی ہے اور ایسی شخصیت کے بارے میں یہی حسنِ ظن ہوتا ہے کہ وہ کسی پریشانی کا باعث نہیں بنے گی، بلکہ اس کی مجلس یا اس کا پیغام خوش آئند اور مسرت رساں ہوگا۔ ایسی صفات سے متصف آدمی کوئی پیغام لے کر آ رہا ہو تو اس کے بارے میں یہی حسنِ ظن قائم کیا جا سکتا ہے کہ یہ کسی فتح کا مژدہ سنائے گا یا کسی اور خوشکن خبر کا سبب بنے گا۔ یہی معاملہ نبی کریم ﷺ کا تھا کہ آپ کو نیک شگون اور اچھی فال اچھی لگتی تھی۔

اجازت لینے کا طریقہ

(٢٥٩٨)۔ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي عَامِرٍ: أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: أَأَلِجُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِخَادِمِهِ: ((أُخْرُجِيْ إِلَيْهِ، فَإِنَّهُ لَا يُحْسِنُ الْإِسْتِئْذَانَ، فَقُوْلِي: فَلْيَقُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، أَأَدْخُلُ۔))

بنو عامر قبیلے کا ایک آدمی بیان کرتا ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ سے اجازت طلب کرتے ہوئے کہا: میں اندر آ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے اپنی خادمہ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''اس آدمی کا اجازت طلب کرنے کا انداز اچھا نہیں ہے، اس لیے اس کے پاس جا کر اسے بتلاؤ کہ یوں کہہ کر (اجازت

(الصحيحة: ١١٧٠)

طلب کیا کر): السلام علیکم، میں داخل ہو سکتا ہوں؟"

تخریج: أخرجه أحمد: ٥/ ٣٦٨و ٣٦٩، وأبوداود: ٢/ ٣٣٩، والبخاري في "الادب المفرد": ١٠٨٤

(٢٥٩٩)۔ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي عَامِرٍ: أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِي بَيْتٍ فَقَالَ: أَلِجُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أُخْرُجْ إِلَى هٰذَا فَعَلِّمْهُ الْإِسْتِئْذَانَ، فَقُلْ لَهُ: قُلْ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلُ۔)) فَسَمِعَهُ الرَّجُلُ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، أَأَدْخُلُ؟ فَأَذِنَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَدَخَلَ۔ (الصحيحة: ٨١٩)

نبی کریم ﷺ گھر میں تشریف فرما تھے کہ بنو عامر قبیلے کے ایک آدمی نے اجازت طلب کرتے ہوئے کہا: میں اندر آ جاؤں؟ آپ ﷺ نے (اپنے خادم) سے فرمایا: "اس شخص کے پاس جاؤ اور اسے اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھاؤ اور اسے بتلاؤ کہ ان الفاظ کے ساتھ اجازت طلب کرنی چاہئے: السلام علیکم، کیا میں اندر آ جاؤں؟" اس آدمی نے یہ ساری بات سن لی اور (عمل کرتے ہوئے) کہا: السلام علیکم، میں اندر آ سکتا ہوں؟ پس آپ ﷺ نے اسے اجازت دے دی اور وہ اندر آ گیا۔

تخریج: أخرجه ابن شيبة: ٨/ ٦٠٦/ ٥٧٢٤ وعنه أبوداود: ٥١٧٧، وعنه وعن غيره البيهقي في "السنن": ٨/ ٣٤٠، والنسائي: ٢٨٠/ ٣١٦

شرح: ...... معلوم ہوا کہ اجازت لینے والا یوں کہے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ آجکل لوگ اجازت طلب کرنے کے لیے صرف (May, I come in sir?) کہتے ہیں، ایسوں کو پہلے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہنا چاہئے، تا کہ نبیٔ مہربان کہ سنتِ مبارکہ پر عمل ہو سکے اور رحمت و سلامتی کی دعا کا تبادلہ بھی ہو جائے۔

انسان اپنے خلوت خانے میں بعض ایسے جائز امور میں مصروف ہوتا ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اسے اس حالت میں دیکھے۔ عورتوں کے بالخصوص غیر محرم عورتوں کے اور میاں بیوی کے معاملات تو بالکل واضح ہیں، بعض اوقات کسی مرد کے پاس بھی بعض وجوہات کی بنا پر بغیر اجازت کے جانا مناسب نہیں ہوتا۔ ایک شخص کا واقعہ ہے کہ وہ ہمیشہ چادر وغیرہ سے پردہ کر کے شلوار تبدیل کیا کرتا تھا، کوئی دوسرا فرد ہو یا نہ ہو، ایک دن اس نے خلوت میں پردہ کئے بغیر کپڑے تبدیل کرنا شروع کئے، اچانک ایک آدمی باہر سے بلا اجازت گھس آیا، نتیجتاً دونوں کو ندامت ہوئی۔

اسلام نے اس قسم کی ندامتوں سے بچنے کے لیے اجازت کا اصول سختی کے ساتھ رائج کیا ہے۔

(٢٦٠٠)۔ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِي عَامِرٍ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: أَأَلِجُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلْجَارِيَةِ: ((أُخْرُجِي فَقُولِي لَهُ: قُلْ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، أَأَدْخُلُ، فَإِنَّهُ لَمْ يُحْسِنِ

بنو عامر قبیلے کا ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میں اندر آ جاؤں؟ نبی ﷺ نے اپنی لونڈی سے فرمایا: "اس آدمی نے اچھے انداز میں اجازت طلب نہیں کی، لہٰذا جاؤ اور اسے کہو کہ یوں کہا کرو: السلام علیکم، میں اندر آ سکتا ہوں۔"

اَلاِسْتِئْذَانَ۔)) قَالَ: فَسَمِعْتُهَا قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى الْجَارِيَةُ فَقُلْتُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، أَأَدْخُلُ؟ فَقَالَ: ((وَعَلَيْكَ أُدْخُلْ۔)) قَالَ: فَدَخَلْتُ فَقُلْتُ: بِأَيِّ شَيْءٍ جِئْتَ؟ فَقَالَ: ((لَمْ آتِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ، أَتَيْتُكُمْ لِتَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ، وَتَدَعُوْا عِبَادَةَ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى، وَتُصَلُّوْا فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ، وَتَصُوْمُوْا فِي السَّنَةِ شَهْراً، وَتَحُجُّوْا هٰذَا الْبَيْتَ، وَتَأْخُذُوْا مِنَ مَالِ أَغْنِيَائِكُمْ فَتَرُدُّوْهَا عَلٰى فُقَرَائِكُمْ۔ لَقَدْ عَلِمَ اللّٰهُ خَيْراً، وَإِنَّ مِنَ الْعِلْمِ مَالَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللّٰهُ، خَمْسٌ لَّايَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَاتَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ﴾)) (الصحيحة:٢٧١٢)

اس آدمی نے خود یہ بات سن لی اور لونڈی کے پہنچنے سے پہلے کہا: السلام علیکم، میں اندر آ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وعلیک (اور تجھ پر بھی ہو)، آ جاؤ۔'' میں آپ کے پاس گیا اور پوچھا: آپ کون سی چیز لے کر آئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھارے پاس خیر ہی لے کر آیا ہوں، میں تمھارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ تم اللہ تعالی کی عبادت کرو، جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور لات اور عزی (جیسے بتوں) کی عبادت ترک کر دو اور دن رات میں پانچ نمازیں پڑھو اور سال میں ماہِ (رمضان) کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اور غنی لوگوں سے (زکوۃ کا) مال لے کر اسے فقرا میں تقسیم کر دو۔ بیشک اللہ تعالی نے خیر و بھلائی پر مشتمل باتیں سکھائی ہیں اور وہ بھی علم ہے جو صرف اللہ تعالی ہی جانتا ہے، پانچ چیزیں ہیں جو صرف اللہ تعالی جانتا ہے: ''بیشک اللہ تعالی ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل فرماتا اور جو ماں کے پیٹ میں ہے اسے وہی جانتا ہے، کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کچھ کرے گا، نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالی ہی پورے علم والا ہے اور صحیح خبروں والا ہے۔'' (سورۂ لقمان:۳۴)۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ١٠٨٤، وأحمد: ٥/ ٣٦٨

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اجازت لینے کی ابتدا سلام سے ہونی چاہیے، یہ موضوع کئی احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

جو آدمی سلام کہنے سے پہلے اجازت لیتا ہے، اس کے بارے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لا يؤذن له حتى يبدأ بالسلام۔ ...... اسے اس وقت تک اجازت نہ دی جائے، جب تک سلام سے ابتدا نہ کرے۔ (الأدب المفرد للبخاري: ١٠٦٦)

امام عطا کہتے ہیں: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب کوئی آدمی السلام علیکم کہے بغیر کہے: میں اندر آ جاؤں۔ تو تم کہو: نہیں، پہلے چابی لاؤ۔ میں نے کہا: چابی سے مراد سلام ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ (الأدب المفرد للبخاري:

١٠٦٧ و ١٠٨٣)۔ (صحیحہ: ٢٧١٢)

(٢٦٠١)۔ عَنْ كَلْدَةَ بْنِ حَنْبَلٍ ، قَالَ: إِنَّ صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ بَعَثَهُ بِلَبَنٍ وَلِبَأً ، وَضَغَابِيْسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّبِيُّ ﷺ بِأَعْلَى الْوَادِيْ ، قَالَ: فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ أُسَلِّمْ وَلَمْ أَسْتَأْذِنْ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((إِرْجِعْ فَقُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟))
(الصحيحة:٨١٨)

کلدہ بن حنبل کہتے ہیں: صفوان بن امیہ نے مجھے دودھ، کھیس اور چھوٹے کھیرے دے کر نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا، آپ ﷺ وادی کے اوپر والے حصے میں تھے، میں نے سلام کہا اور اجازت طلب کئے بغیر آپ ﷺ کے پاس چلا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''واپس لوٹ جا اور (پہلے) اس طرح کہہ: السلام علیکم، کیا میں اندر آ جاؤں؟''

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٤١٤ ، وأبوداود: ٥١٧٦ ، والترمذى: ٢/ ١١٨-١١٩ ، والنسائى فى "عمل اليوم": ٢٧٩/ ٣١٥ ، والبيهقى فى "الشعب": ٦/ ٤٣٩-٤٤٠

شرح:...... معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی مکمل طریقے سے اجازت طلب نہ کرے، تو تربیت کے لیے اسے واپس بھیجا جائے، تاکہ آئندہ کے لیے اسے تنبیہ ہو جائے۔

(٢٦٠٢)۔ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوعاً: ((لَا تَأْذَنُوْا لِمَنْ لَمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ۔))
(الصحيحة:٨١٧)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو سلام سے ابتدا نہیں کرتا، اسے اجازت مت دو۔''

تخريج: رواه أبونعيم فى "أخبار أصبهان": ١/ ٣٥٧ ، وابو يعلى

شرح:...... سلام، اسلام کا سنہری اصول ہے، جس میں ایک مسلمان دوسرے کے لیے سلامت و سلامتی اور رحمت و برکت کی دعا کرتا ہے اور پس پردہ اپنے غیر مضرّ ہونے کی خبر دیتا ہے۔ سلام کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے اور اس سے اعراض کرنے والے کو تنبیہ کرنے کے لیے آپ ﷺ نے یہ شعار نہ اپنانے والے کو اجازت دینے سے منع فرما دیا۔

(٢٦٠٣)۔ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ وَغَيْرِهِ ، قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ كُنْتُ فِي مَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ الْأَنْصَارِ ، إِذْجَاءَ أَبُوْ مُوْسَى كَأَنَّهُ مَذْعُوْرٌ ، فَقَالَ: اسْتَأْذَنْتُ عَلَى عُمَرَ ثَلَاثاً فَلَمْ يُؤْذَنْ لِيْ ، فَرَجَعْتُ ، فَقَالَ: مَامَنَعَكَ؟ قُلْتُ: اسْتَأْذَنْتُ ثَلَاثاً فَلَمْ يُؤْذَنْ لِيْ فَرَجَعْتُ ، وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا

ابوسعید وغیرہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں انصاریوں کی مجلس میں بیٹھا تھا، اچانک حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ، جو خوفزدہ اور سہمے ہوئے تھے، وہاں پہنچے اور کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کے لیے تین دفعہ اجازت طلب کی، لیکن مجھے اجازت نہ دی گئی، اس لیے میں واپس چل دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا: تجھے کس چیز نے روک دیا ہے؟ میں نے کہا: میں نے تین دفعہ اجازت

اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ، فَلْيَرْجِعْ۔)) فَقَالَ: وَاللّٰهِ! لَتُقِيمَنَّ عَلَيْهِ بَيِّنَةً۔ أَمِنْكُمْ أَحَدٌ سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ؟ فَقَالَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ: وَاللّٰهِ! لَا يَقُوْمُ مَعَكَ إِلَّا أَصْغَرُ الْقَوْمِ، فَكُنْتُ أَصْغَرَ الْقَوْمِ، فَقُمْتُ مَعَهُ، فَأَخْبَرْتُ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ ذٰلِكَ۔ (الصحيحة: ٣٤٧٤)

طلب کی، لیکن مجھے اجازت نہ دی گئی، اس لیے واپس جانے لگا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی (کسی سے) تین دفعہ اجازت طلب کرے اور اسے اجازت نہ ملے تو وہ واپس چلا جائے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بخدا! تجھے اس حدیث پر شاہد پیش کرنا پڑے گا، (وگرنہ ......)۔ اب تم یہ بتاؤ کہ کیا کسی نے یہ حدیث نبی کریم ﷺ نے سنی ہے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اس مجلس میں سے تیرے ساتھ وہی کھڑا ہوگا جو سب سے چھوٹا ہے۔ میں (ابوسعید) سب سے چھوٹا تھا۔ میں ان کے ساتھ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتلایا کہ میں نے بھی یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے سنی تھی۔

تخريج: أخرجه البخاري: ٦٢٤٥، ومسلم: ٦/ ١٧٧۔ ١٧٩، وأبوداود: ٥١٨٠۔ ٥١٨٤، والترمذي: ٢٦٩٠، والدارمي: ٢/ ٢٧٤، وابن ماجه: ٣٧٠٦، وابن حبان: ٥٧٧٦، وأحمد: ٣/ ٦، ١٩

شرح:...... معلوم ہوا کہ تین دفعہ اجازت طلب کی جائے، جواب نہ ملنے کی صورت میں گھر والوں کو زیادہ تنگ نہ کیا جائے اور واپس چلے جانا چاہیے، موجودہ دور میں سلام نہ سنائی دینے کی صورت میں تین دفعہ گھنٹی بجائی جائے۔ البتہ گھر والوں کو چاہیے کہ ان کی گھنٹی کی آواز ایسی نہ ہو جس سے شریعت نے منع کر رکھا ہے۔

(٢٦٠٤)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنْتُ أَخْدِمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَكُنْتُ أَدْخُلُ عَلَيْهِ بِغَيْرِ إِذْنٍ فَجِئْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: ((وَرَاءَكَ يَا بُنَيَّ! إِنَّهُ قَدْ حَدَثَ أَمْرٌ، فَلَا تَدْخُلْ عَلَيَّ إِلَّا بِإِذْنٍ۔)) (الصحيحة: ٢٩٥٧)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا اور بلا اجازت آپ کے پاس چلا جاتا تھا۔ ایک دن میں آیا اور (حسب عادت) سیدھا اندر چلا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹا! پیچھے چلے جاؤ۔ نیا حکم نافذ ہو چکا ہے، (آئندہ) اجازت کے بغیر مجھ پر داخل نہ ہونا۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٨٠٧، والطحاوي في "شرح المعاني": ٢/ ٣٩٣، وأحمد: ٣/ ١٩٩، ٢٠٩، ومن طريقه الحافظ المزّي في "تهذيب الكمال": ١١/ ٢٣٩، والبيهقي في "الشعب": ٦/ ١٦٤۔ ١٦٥

محبوب ترین نام

(٢٦٠٥)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: وُلِدَ لِرَجُلٍ هُنَا غُلَامٌ، فَقَالُوْا: مَا نُسَمِّيْهِ؟ فَقَالَ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی کا بچہ پیدا ہوا۔ لوگ کہنے لگے کہ اس کا کیا نام رکھیں؟ نبی کریم ﷺ

النَّبِيُّ ﷺ: ((سَمُّوْهُ بِأَحَبِّ الْأَسْمَاءِ إِلَيَّ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ۔)) نے فرمایا: ''اس کا وہ نام رکھو، جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، یعنی حمزہ بن مطلب۔''

(الصحيحة:٢٨٧٨)

تخريج: أخرجه الحاكم :٣/ ١٩٦

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے درج بالا اور درج ذیل احادیث میں جمع و تطبیق کی یہ صورت پیش کی ہے کہ پہلے آپ نے سیدنا جابر والی حدیث بیان کی، اس کے بعد سیدنا عبد الوہاب اور سیدنا انس والی احادیث کی وحی موصول ہوئی۔ (صحیحه : ٢٨٧٨)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَحَبُّ الْأَسْمَاءِ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ))(مسلم)

''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔''

سیدنا انس کی اِس حدیث میں ''والحارث'' کا بھی ذکر ہے(الكامل لابن عدى : ٢/٨، مسند لا بن عدى : ٧٣٩/٢، صحیحه : ٩٠٤)

سیدنا ابووھب جشمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((تَسَمُّوْا بِأَسْمَاءِ الْاَنْبِيَاءِ وَأَحَبُّ الْأَسْمَاءِ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَاَصْدَقُهَا حَارِثٌ وَ هَمَّامٌ، وَاَقْبَحُهَا حَرْبٌ وَ مُرَّةَ۔)) (ابوداود، نسائی)...... انبیا کے ناموں پہ نام رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں اور سب سے سچے نام ہمام اور حارث ہیں اور سب سے قبیح نام حرب اور مرہ ہیں۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آپ ﷺ کو ''حمزہ'' نام بہت پسند تھا، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ کے جو پیغامات وصول ہوئے، ان میں درج ذیل ناموں کو پسندیدہ قرار دیا گیا:

عبداللہ، عبدالرحمٰن، انبیائے کرام کے نام، ہمام، حارث۔ بہرحال اول الذکر دو نام ہر لحاظ سے برتر اور فائق ہیں۔

عبداللہ اور عبدالرحمٰن کی احبیت کا معاملہ واضح ہے کہ ان ناموں میں اللہ تعالیٰ کے اوصافِ واجبہ اور بندوں کے وصف عبودیت کا ذکر ہے، حارث کے معانی ''کمائی کرنے والے'' اور ہمّام کے معانی ''غموں والا، ارادے کا پکا، صاحبِ عزم و ہمت، کام کو کر گزرنے والا'' کے ہیں۔ جو آدمی ان صفات سے متصف ہوگا اور اس کا نام بھی یہی ہوگا، تو یہ نام اس کے حق میں سچے قرار پائیں گے۔ انبیائے کرام اور رسل عظام کے اسمائے مبارکہ کی فضیلت بھی واضح ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ اور منتخب ہستیاں تھیں۔ لہٰذا اپنے بچوں کا نام رکھتے وقت ان کے اسما کا انتخاب کیا جائے۔ جبکہ حرب کے معانی ''لڑائی'' اور مرہ کے معانی ''کڑوا، تلخ'' کے ہیں، یہ الفاظ معنی کے اعتبار سے مناسب نام معلوم نہیں ہوتے اور ان میں خوش فالی کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی۔

بدترین نام

(٢٦٠٦)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((أَخْنَعُ اسْمٍ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ تَسَمّٰى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ۔)) (الصحيحة:٩١٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سب سے برا نام، جس پر روزِ قیامت اللہ تعالی کے ہاں شرمندگی ہو گی، یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو ''مَلِکُ الْأَمْلَاک'' (بادشاہوں کا بادشاہ) کہلوائے۔''

تـخـريــج: أخرجه أحمد: ٢/ ٢٤٤، والحميدي: ١١٢٧، ومسلم: ٦/ ١٧٤، وأبوداود: ٢/ ٣٠٩، من طريق أحمد، والحاكم: ٤/ ٢٧٤، وأخرجه البخاري: ١٠/ ٤٨٥ ايضا، والترمذي: ٤/ ٢٩

شــرح:...... اللہ تعالی کو عجز وانکساری بہت پسند اور فخر وغرور اور تکبر سخت ناپسند ہے۔ بادشاہوں کا بادشاہ کہلانے میں عاجزی کے بجائے تکبر کا اظہار ہے۔ علاوہ ازیں یہ صفت صرف اللہ تعالی کی ہے، اس سے دوسروں کو متصف کرنا کسی لحاظ سے مستحسن نہیں ہے۔

امام مبارکپوریؒ نے کہا: امام حمیدی نے ''اَخْنَعُ'' کا معنی ''سب سے زیادہ ذلیل'' کیا ہے اور امام سفیان نے ''مَلِكُ الْاَمْلَاكِ'' کا معنی ''شاہانِ شاہ'' بیان کر کے یہ تنبیہ کی ہے کہ حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ نہیں کہ صرف لفظ ''مَلِكُ الْاَمْلَاكِ'' منع ہے، بلکہ جو لفظ ایسے معنوں پر مشتمل ہوگا، وہ کسی بھی زبان کا ہو، اس حدیث کی روشنی میں اس کا استعمال مخلوق کے لیے منع ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سخت وعید ہونے کی وجہ سے ''مَلِكُ الْاَمْلَاكِ'' نام رکھنا حرام ہے اور اس لفظ پر قیاس کرتے ہوئے ''خَالِقُ الْخَلْق''، ''اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْن''، ''سُلْطَانُ السَّلَاطِيْن'' اور ''اَمِيْرُ الْاُمَرَاءِ'' نام رکھنا بھی ممنوع ہے، بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو اسماء اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہیں، اس حدیث پر قیاس کرتے ہوئے مخلوق کو ان کے ساتھ موسوم نہیں کیا جا سکتا، جیسے رحمٰن، قدوس، جبّار۔ (تحفة الاحوذی)

یہ نام کیوں ممنوع ہے، اس کی وجہ اس حدیث میں بیان کی گئی ہے: ((أَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَخْبَثُهُ، وَاَغْيَظُهُ عَلَيْهِ، رَجُلٌ كَانَ يُسَمّٰى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ، لَا مَلِكَ اِلَّا اللّٰهُ۔)) (مسلم) ...... ''روزِ قیامت اللہ تعالی کے نزدیک سب سے زیادہ ناراضگی والا، خبیث ترین اور سب سے زیادہ غیظ وغضب کا مستحق وہ آدمی ہو گا جو اپنا نام ''ملک الاملاک'' (بادشاہوں کا بادشاہ) رکھتا ہے، حالانکہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی بادشاہ نہیں ہے۔''

اچھے اور برے لوگوں کی علامتیں

(٢٦٠٧)۔ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الضَّحَّاكِ بْنِ قَيْسٍ الْفِهْرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِذَا أَتَى الرَّجُلُ الْقَوْمَ

حضرت ابو سعید ضحاک بن قیس فہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''جب کوئی آدمی کسی قوم کے پاس جاتا ہے اور وہ (رضامندی کا

فَقَالُوْا: مَرْحَباً فَمَرْحَباً بِهٖ يَوْمَ يَلْقٰى رَبَّهُ وَإِذَا أَتَى الرَّجُلُ الْقَوْمَ، فَقَالُوْا لَهُ قَحْطاً فَقَحْطًا لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة:١١٨٩)

اظہار کرتے ہوئے) اسے خوش آمدید کہتے ہیں، تو جس دن ایسا آدمی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا اس دن بھی اسے خوش آمدید کہا جائے گا اور اگر کوئی آدمی کسی قوم کے پاس جائے اور وہ (ناخوشگواری کا اظہار کرتے ہوئے) اسے دھتکار دے تو روزِ قیامت بھی اسے دھتکار دیا جائے گا۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ٣/ ٥٢٥، والطبراني في "الكبير" و "الاوسط"

شرح:...... دراصل اس حدیث میں فرزندانِ امت کی شہادت کا ذکر ہے، کہ جس کو وہ اچھا سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور جس کو وہ برا سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی اس کو برا سمجھتا ہے، جیسا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهُ أَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ۔)) ...... ''جس مسلمان کی خیر و بھلائی کی شہادت چار مسلمان دے دیں، اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔'' (بخاری) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین اور دو افراد کا بھی تذکرہ کیا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب صحابہ نے ایک میت کا تذکرۂ خیر اور دوسرے کا تذکرۂ شر کیا تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ (وَفِي رِوَايَةٍ: وَالْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ)) (بخاری، مسلم) ......''جس میت کی تم نے اچھی تعریف کی، اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جس کا تم نے تذکرۂ شر کیا، اس کے لیے آگ واجب ہوگی۔ (دراصل) تم لوگ زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو، تم لوگ زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو، تم لوگ زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو (اور ایک روایت میں ہے: مومن زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں)۔''

اگرچہ اس حدیثِ مبارکہ کا تعلق میت سے ہے، لیکن مقصودِ کلام فرزندانِ امت کہ گواہی ہے۔ ہاں امام البانی نے ان گواہوں سے مراد اس میت کے حالات کو پہچاننے والے اہل علم، اہل صلاح اور سچے مسلمان لیے ہیں۔ (احکام الجنائز) بہرحال اتنی بات ضرور ہے کہ اس شہادت کی بنیاد اسلامی عادات و خصائل کی بنا پر ہے۔ یعنی نماز، روزہ، تلاوت، ذکر و اذکار، احترامِ انسانیت، خدمتِ انسانیت، صدقہ و خیرات، اخلاق حسنہ اور غریب نوازی جیسے اسلامی احکام کو اپنانے کی وجہ سے لوگوں کی شہادت کا مستحق بننا۔

ظاہری مرتبت کا پاس و لحاظ کرنا

(٢٦٠٨)۔ قَالَ: ((إِذَا أَتَاكُمْ كَرِيْمُ قَوْمٍ فَأَكْرِمُوْهُ۔)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تمھارے پاس کسی قوم کا کوئی معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کیا کرو۔'' یہ حدیث حضرت

عُمَرَ، وَجَرِيْرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيِّ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَعَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، وَأَبِي رَاشِدٍ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ۔

(الصحيحۃ:١٢٠٥)

عبد اللہ بن عمر، حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عدی بن حاتم، حضرت ابو راشد عبد الرحمٰن بن عبد اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

تخريج: (١)أما حديث ابن عمر؛ فأخرجه ابن ماجه: ٢/ ٤٠٠، وابن عدى: ١٧٨/ ١، والبيهقى: ٨/ ١٦٨

(٢)۔ أما حديث جرير؛ فأخرجه الطبرانى فى "المعجم الكبير": ١/ ١٠٩/ ١، ١/ ١١٣/ ١ و "المعجم الصغير": صـ ١٦٤، وابن عدى: ق ١٠٢/ ١، والبيهقى، والخطيب فى "التاريخ": ١/ ١٨٨، وابو نعيم فى "الحلية": ٥/ ٢٠٥

(٣)۔ وأما حديث جابر؛ فأخرجه الحاكم: ٤/ ٢٩١

(٤)۔ وأما حديث أبى هريرة؛ فأخرجه ابن عدى: ق ١١٢/ ٢، والبزار فى "مسنده": صـ ٢٣٩

(٥)۔ وأما حديث ابن عباس؛ فأخرجه الطبرانى فى "المعجم الكبير": ١/ ١٣٦/ ٢، والعقيلى فى "الضعفاء": ٣٢٢

(٦)۔ وأما حديث معاذ؛ فأخرجه ابن عدى: ٢٢٠/ ٢

(٧)۔ وأما حديث عدى بن حاتم؛ فأخرجه القضاعى: ٦٥/ ٢، والعقيلى: ٤٥١، وابن عساكر فى "تاريخ دمشق": ١١/ ٢٤٧/ ٢

(٨)۔ وأما حديث راشد؛ فأخرجه الدولابى فى "الكنى": ٢/ ٣١، وابن عساكر فى "تاريخ دمشق": ١٠/ ٢١/ ٢۔٢٢/ ١

(٩)۔ وأما حديث أنس؛ فرواه ابن ابى حاتم: ٢/ ٢٤٢

شرح:...... جب آپ ﷺ نے شاہِ روم ہرقل کی طرف خط لکھا تو اسے "عظیم الروم" کا لقب دیا تھا۔ اسلام نے اہل اسلام کے لیے دورِ جدید کے تمام تقاضے پورے کئے ہیں اور احترامِ انسانیت کا سب مذاہب سے بڑھ کر درس دیا ہے۔

ظاہر بات ہے کہ قوموں اور خاندانوں کے سربراہ اور معزز لوگ اپنے آپ کو عزت وعظمت اور اکرام و احترام کا مستحق سمجھتے ہیں اور اگر ان کے مقام و مرتبے کا خیال نہ رکھا جائے تو وہ اس چیز کو شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ اسلام نے ان کی اس طبیعت کا خیال رکھا اور عوام الناس کی بہ نسبت ان کے ساتھ تکلف برتنے کا حکم دیا۔ اس معاملے میں اسلام

کی خواہش تو یہی ہوگی کہ ایسے لوگ اہل اسلام سے متاثر ہو کر مشرّف باسلام ہو جائیں یا کم از کم اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرنا ترک کر دیں۔

محبوب کو محبت کی خبر دینا

(۲۶۰۹)۔ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْ كَرِبَ مَرْفُوْعاً ((إِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُعْلِمْهُ أَنَّهُ يُحِبُّهُ۔)) (الصحيحة :٤١٧)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے محبت کرے تو اسے بتلا دینا چاہئے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔''

تخریج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٥٤٢، وأبوداود: ٢/ ٣٣٣، والترمذي: ٢/ ٦٣، وابن حبان: ٢٥١٤، والحاكم: ٤/ ١٧١، وأحمد: ٤/ ١٣٠، وابن السني: ١٩٣

(۲۶۱۰)۔ عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ صَاحِبَهُ فَلْيَأْتِهِ فِي مَنْزِلِهِ، فَلْيُخْبِرْهُ بِأَنَّهُ يُحِبُّهُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔)) (الصحيحة:٧٩٧)

حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں کوئی اپنے ساتھی سے محبت کرے تو وہ اس کے گھر جائے اور اسے بتلا دے کہ وہ اس سے اللہ عزوجل کے لیے محبت کرتا ہے۔''

تخریج: رواه ابن المبارك في "الزهد": ٨٨/ ١ من الكواكب ٥٧٥ و ٧١٢ ـ طبع الهند، ومن طريقه أحمد: ٢/ ١٤٥

(۲۶۱۱)۔ عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: لَقِيَنِي رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَخَذَ بِمَنْكِبَيَّ مِنْ وَرَائِي، قَالَ: أَمَا إِنِّي أُحِبُّكَ، قُلْتُ: أَحَبَّكَ الَّذِي أَحْبَبْتَنِي لَهُ، فَقَالَ لَوْلَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا أَحَبَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْيُخْبِرْ أَنَّهُ أَحَبَّهُ۔)) لَمَا أَخْبَرْتُكَ۔ قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ يَعْرِضُ عَلَيَّ الْخِطْبَةَ، قَالَ: أَمَا إِنَّ عِنْدَنَا جَارِيَةً، أَمَا إِنَّهَا عَوْرَاءُ۔ (الصحيحة:٤١٨)

مجاہد (تابعی) کہتے ہیں: ایک صحابیٔ رسول کی مجھ سے ملاقات ہوئی، اس نے پیچھے سے میرے کندھے پکڑے اور کہنے لگا: آگاہ رہو! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں نے کہا: وہ ذات تجھ سے محبت کرے کہ جس کی خاطر تو نے مجھ سے محبت کی ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث نہ سنی ہوتی تو تجھے اپنی محبت کی اطلاع نہ دیتا: ''جب کسی آدمی کو کسی سے محبت ہو تو وہ اسے بتا دے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔'' مجاہد کہتے ہیں: پھر صحابیٔ رسول نے مجھ پر ایک رشتہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے پاس ایک بچی ہے لیکن وہ کانی ہے۔

تخریج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٧٩

شرح :...... اطلاع دینے کا مقصد یہ ہے کہ دوسرا شخص بھی آگاہ ہو جائے تا کہ یہ محبت دوطرفہ ہو جائے اور دونوں ایک دوسرے کے محبّ بھی بن جائیں اور محبوب بھی۔ اس شرعی محبت کے تقاضے یہ ہوتے ہیں کہ جس سے محبت ہو اس کی دینی رہنمائی کا اہتمام کیا جائے اور اس کی ہر ممکن اصلاح اور خیر خواہی کی جائے۔

امام خطابی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا: دراصل یہ حدیث باہمی محبت و مودت اور چاہت و الفت کو اختیار کرنے پر آمادہ کر رہی ہے کیونکہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو یہ اطلاع دے گا کہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بھی اس کی طرف مائل ہوگا اور اِس کے لیے اس کی محبت بھی کھنچی چلی آئے گی۔ مزید اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اُسے علم ہوگا کہ یہ اس کا محبّ اور چاہنے والا ہے، تو وہ اس کی نصیحت قبول کرے گا، اس کے عیوب اور لغزشوں کو نہیں اچھالے گا، وگرنہ ممکن ہے کہ وہ اس کے بارے میں سوئے ظن میں مبتلا ہو جائے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اس کی باتیں قبول نہیں کرے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں میں بغض اور عداوت پیدا ہو جائے۔ (عون المعبود)

دعا کے آداب

(٢٦١٢)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّسْأَلَ فَلْيَبْدَأْ بِالْمَدْحَةِ وَالثَّنَاءِ عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ لِيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ لِيَسْأَلْ بَعْدُ فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ يَّنْجَحَ۔ مَوْقُوْفٌ فِي حُكْمِ الْمَرْفُوْعِ۔ (الصحيحة: ٣٢٠٤)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب کوئی آدمی (اللہ تعالیٰ سے) سوال کرنے لگے تو وہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، جو اس کے لائق ہے، بیان کرے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، اس کے بعد دعا کرے۔ اس طرح کرنے سے ممکن ہوگا کہ وہ کامیاب ہو جائے (اور اپنی مطلوبہ چیز پا لے)۔ یہ موقوف حدیث، مرفوع کے حکم میں ہے۔

تخريج: فأخرجه عبدالرزاق في "المصنف": ١/ ٤٤١/ ١٩٦٤٢، ومن طريقه: الطبراني في "المعجم الكبير": ٩/ ١٧٠/ ٨٧٨٠

شرح :...... معلوم ہوا دعا کرنے والے کو چاہئے کہ وہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت و برکت اور درود و سلام بھیجے، پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی دنیوی و اخروی ضروریات کا مطالبہ کرے، ایسا کرنے سے دعا کی قبولیت کا امکان زیادہ ہوگا۔

دعا نہ کرنے والا انتہائی عاجز اور غافل ہے

(٢٦١٣)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((أَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ عَنِ الدُّعَاءِ وَأَبْخَلُ النَّاسِ مَنْ بَخِلَ بِالسَّلَامِ۔)) (الصحيحة: ٦٠١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے زیادہ بے بس وہ ہے جو دعا کرنے سے عاجز آ جائے اور سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو سلام کرنے میں بخل سے کام لے۔''

تخریج: رواه عبد الغني المقدسي في "كتاب الدعاء": ١٤١ / ٢، والطبراني في "المعجم الأوسط": ٢ / ٤٢ / ٥٧٢١

شرح:...... اللہ تعالیٰ اس اعتبار سے منفرد ہستی ہے کہ وہ اس بات پر زور دیتی ہے کہ لوگ اس کے سامنے دست سوال پھیلاتے رہیں اور وہ ان کے مطالبات پورے کرتی رہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کی وسیع و عریض رحمت کے باوجود اُس سے مانگنے پر توجہ نہیں دھرے گا تو وہ یقیناً بے بس اور انتہائی کاہل تصور ہوگا۔

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" اللہ تعالیٰ کی طرف سے بابرکت اور پاکیزہ تحفہ ہے۔ اس کو محبت کا، محبت کو ایمان کا اور ایمان کو جنت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اس کی ابتدا اس وقت سے ہوئی جب حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو سلام کہا اور ان سے جواب بھی موصول کیا۔ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہنے والے کو دس "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" کہنے والے کو بیس اور "وَبَرَكَاتُه" کا اضافہ کرنے والے کو تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ (ابوداود، ترمذی) اسلام نے اپنے پیروکاروں کو ملاقات کے وقت یہ بہترین تحفہ عطا کیا ہے، جس میں ایک دوسرے کے لیے رحمت و سلامتی کی دعائیں کی جاتی ہیں، تمام آسمانی ادیان میں یہی سلام رائج رہا۔ کوئی تہذیب بھی اسلام کے اس قانون کا مماثل پیش نہ کر سکی۔ یہی وجہ ہے کہ سلام کا اہتمام نہ کرنے والے کو سب سے بڑا بخیل کہا گیا ہے۔

لیٹنے کے آداب

(٢٦١٤)۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ((إِذَا اسْتَلْقٰى أَحَدُكُمْ عَلٰى ظَهْرِهِ فَلَا يَضَعْ إِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرٰى۔))
(الصحيحة:١٢٥٥)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب آدمی پیٹھ کے بل چت لیٹا ہوا ہو تو ایک ٹانگ کو دوسری پر نہ رکھے۔"

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ١٢٧، والطحاوي في "شرح المعاني": ٢/ ٣٦٠، وأخرجه مسلم: ٦/ ١٥٤ ولفظه: ((لا يستلقين احدكم، ثم يضع احدى رجليه على الاخرى۔))

(٢٦١٥)۔ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: نَهٰى أَنْ يَّضَعَ (وَفِيْ رِوَايَةٍ: يَرْفَعَ) الرَّجُلُ إِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرٰى۔ زَادَ فِي الرِّوَايَةِ الْأُخْرٰى۔ وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰى ظَهْرِهِ۔
(الصحيحة:٣٥٦٧)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی اپنی ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھے۔ دوسری روایت میں ہے: اس حال میں کہ جب وہ پیٹھ کے بل چت لیٹا ہوا ہو۔

تخريج: أخرجه أبو داود في "سننه": ٤٨٦٥، وأخرجه مسلم، وأحمد: ٣/ ٣٤٩

شرح:...... آپ ﷺ نے ان احادیثِ مبارکہ میں جس صورت سے منع فرمایا ہے، یہ نہی اُس شخص کے لیے ہے جس کا ستر کھلنے اور بے پردگی ہونے کا اندیشہ ہو، اگر پردے کا مکمل اہتمام کیا ہوا ہو تو پھر اس طرح لیٹنے اور ٹانگ پر ٹانگ رکھنے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا، آپ ﷺ نے اپنی ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھی ہوئی تھی۔ (بخاری، مسلم)

سلام عام کرنا

سلام کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالی نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو فرمایا: جاؤ اور فرشتوں کی جماعت کو سلام کہو، پھر جو وہ جواب دیں، اسے غور سے سننا، کیونکہ وہی تیرا اور تیری امت کا سلام ہوگا۔ پس حضرت آدم نے جا کر السلام علیکم کہا اور فرشتوں نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر جواب دیا، یعنی انھوں نے ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا۔ (بخاری، مسلم)

ہر آسمانی دین میں یہی سلام رائج رہا، اسلام نے اس کو بدرجہ اکمل برقرار رکھا اور اس میں ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے الفاظ کی زیادتی کو مستحب قرار دیا۔

قارئین کرام! اس موضوع پر جو احادیث آپ کے مطالعہ میں آئیں گی، شاید آپ کو یہ نظریہ قائم کرنا پڑے کہ ان کے بیسویں حصے پر بھی آپ کا عمل نہیں، آج کل گہری دوستی کا دعوی کرنے والوں کی مجالس سے تو یہ سنت مکمل طور پر رخصت ہو چکی ہے۔ (اللہ کی پناہ) بہر حال احادیثِ مبارکہ کے مطالعہ کے دوران اپنے طرزِ حیات کا ان سے ضرور موازنہ کریں۔

(٢٦١٦)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ مَرْفُوعاً: ((إِذَا اصْطَحَبَ رَجُلَانِ مُسْلِمَانِ فَحَالَ بَيْنَهُمَا شَجَرٌ أَوْ حَجَرٌ أَوْ مَدَرٌ فَلْيُسَلِّمْ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ وَيَتَبَادَلَانِ السَّلَامَ۔)) (الصحيحة: ٣٩٦٢)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب دو مسلمان آدمی اکٹھے جا رہے ہوں اور (چلتے چلتے) ان کے درمیان کوئی درخت یا کوئی پتھر یا کوئی مکان (یا ٹیلہ) حائل ہو جائے، تو وہ (جونہی دوبارہ ملیں) ایک دوسرے کو سلام دیں۔''

تخريج: أخرجه البيهقي في "شعب الأيمان": ٦/ ٤٥١/ ٨٨٦٠

(٢٦١٧)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ جِدَارٌ أَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ أَيْضًا۔)) (الصحيحة: ١٨٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو ملے تو اسے سلام کہے، اگر ان کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا پتھر حائل ہو جائے اور دوبارہ ملے تو پھر وہ اسے سلام کہے۔''

تخریج: رواہ أبوداود: ٥٢٠٠

شرح:...... اس حدیث میں تھوڑے سے وقفے اور فاصلے پر بار بار سلام کرنے کا اثبات ہے، اس حدیث پر امام ابوداود نے یہ باب قائم کیا ہے: باب فی الرجل یفارق الرجل ثم یلقاہ أیسلم علیه؟ ......اگر ایک آدمی دوسرے آدمی سے جدا ہو کر دوبارہ ملے، تو کیا وہ سلام کہے گا؟ (ابوداود)

امام البانی رحمہ اللہ مذکورہ مقام پر رقمطراز ہیں: "مُسِیْءُ الصَّلَاۃ" والی مشہور حدیث، جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، اس حدیث کا شاہد ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے، اتنے میں ایک آدمی داخل ہوا، اس نے (جلدی جلدی) نماز پڑھی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور سلام کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: چلے جاؤ اور دوبارہ نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ آدمی چلا گیا، لیکن پہلے کی طرح ہی نماز پڑھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا اور سلام کہا، (اس نے ایسے تین دفعہ کیا)۔

نواب صدیق حسن خان نے "نزل الابرار ص: ۳۵۰۔۳۵۱" میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا: جب ایک آدمی دوسرے کو سلام کہتا ہے، اور معمولی جدائی کے بعد جب دوبارہ ملاقات ہوتی ہے، تو اس کے لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ وہ دوبارہ سلام کہیں، ایسا دو دفعہ کرنا پڑے یا تین دفعہ یا زیادہ مرتبہ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کہا جائے، یہی عمل مشروع ہے، اس کی مزید تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ قبا تشریف فرما تھے، جب انصاری لوگ آئے تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا، یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ ان دلائل کے باوجود بعض متعصب لوگ اس سنت کی کوئی پروا نہیں کرتے، وہ مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور اہل مسجد پر سلام نہیں کرتے، اس پر مستزاد یہ کہ وہ ایسا کرنا مکروہ خیال کرتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے، شاید ان کے لیے اور دوسروں کے لیے باعثِ نصیحت بن جائے اور نصیحت لوگوں کو فائدہ ہی دیتی ہے۔ (صحیحہ: ١٨٦)

(٢٦١٨)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اُعْبُدُوْا الرَّحْمٰنَ، وَأَطْعِمُوْا الطَّعَامَ، وَأَفْشُوْا السَّلَامَ، تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔))
(الصحیحة: ٥٧١)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رحمٰن کی عبادت کرتے رہو، کھانا کھلاتے رہو اور سلام عام کر دو، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

تخریج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٩٨١، والترمذي: ٢/ ٣٤٠، والدارمي: ٢/ ١٠٩، وابن ماجه: ٣٦٩٤، وابن حبان: ١٣٦٠، وأحمد: ٢/ ١٧٠ و١٩٦، وأبونعيم في "الحلية": ١/ ٢٨٧

(٢٦١٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((أَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ عَنِ الدُّعَاءِ وَأَبْخَلُ النَّاسِ مَنْ بَخِلَ بِالسَّلَامِ۔)) (الصحيحة:٦٠١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے زیادہ بے بس وہ ہے جو دعا کرنے سے عاجز آ جائے اور سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو سلام کرنے میں بخل سے کام لے۔''

تخريج: رواه عبد الغني المقدسي في "كتاب الدعاء": ١٤١/ ٢، والطبراني في "المعجم الأوسط": ٢/ ٤٢/ ٥٧٢١

شرح:...... اللہ تعالیٰ کی ہستی اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اگر اس سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہوتی ہے، لیکن اس وسیع وعریض رحمت کے باوجود اگر کوئی انسان اُس سے مانگنے پر توجہ نہیں دھرتا تو وہ یقیناً بے بس اور انتہائی کاہل ہے۔

''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے بابرکت اور پاکیزہ تحفہ ہے۔ اس کو محبت کا، محبت کو ایمان کا اور ایمان کو جنت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اس کی ابتدا اس وقت سے ہوئی جب حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو سلام کہا اور ان سے جواب بھی موصول کیا۔ ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ'' کہنے والے کو دس ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰه'' کہنے والے کو بیس اور ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه'' کہنے والے کو تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ (ابوداود، ترمذی) اسلام نے اپنے پیرکاروں کو ملاقات کے وقت یہ بہترین تحفہ عطا کیا ہے، جس میں ایک دوسرے کے لیے رحمت وسلامتی کی دعائیں کی جاتی ہیں، تمام آسمانی ادیان میں یہی سلام رائج رہا۔ کوئی تہذیب بھی اسلام کے اس قانون کا مماثل پیش نہ کر سکی۔

(٢٦٢٠)۔ عَنِ الْبَرَاءِ مَرْفُوْعاً: ((أَفْشُوْا السَّلَامَ تَسْلَمُوْا)) (الصحيحة:١٤٩٣)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سلام عام کرو، سلامتی سے رہو گے۔''

تخريج: رواه البخاري في "الأدب المفرد" ٤٧٧/ ١٢٦٦، وأحمد: ٤/ ٢٨٦، وأبو يعلي: ١٠١/ ٢، وابن حبان: ١٩٣٤، وأبونعيم في "أخبار أصبهان" ١/ ٢٧٧، وكذا العقيلي في "الضعفاء": ٣٦٥، وأبو حامد بن بلال النيسابوري في أحاديثه: ١٥/ ١، وعبد الرحيم الشرابي في "أحاديث أبي اليمان وغيره" ٨٣/ ١، والقضاعي: ٦١/ ١ عن قنان بن عبدالله عن عبدالرحمن بن عوسجة عن البراء مرفوعا۔ ومن هذا الوجه رواه الضياء في "المنتقي من مسموعاته بمرو" ٧١/ ١

شرح:...... ظاہر بات ہے کہ مسلمان بوقتِ ملاقات ایک دوسرے کے لیے سلامت وسلامتی اور رحمت وبرکت کی دعائیں کریں گے تو نتیجتاً سلامتیاں ہی نصیب ہوں گے، دوسری احادیث کی روشنی میں سلام کی وجہ سے محبت بڑھے گی، ایمان میں اضافہ ہوگا اور جنت میں داخلہ نصیب ہوگا۔

(٢٦٢١)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((أَفْشُوْا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

السَّلامَ، وَأَطْعِمُوْا الطَّعَامَ، وَكُوْنُوْا إِخْوَاناً كَمَا أَمَرَكُمُ اللّٰهُ۔)) (الصحيحة:١٥٠١)

نے فرمایا: ''سلام عام کرو، کھانا کھلایا کرو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن جاؤ۔''

تخريج: رواه النسائي في "القضاء" من "السنن الكبرى" له ٤/ ٤/ ٢، وابن ماجه: ٣٢٥٢، وأبو الحسن الحربي في "الحربيات" ١/ ١٨/ ١، وابن عدي في "الكامل" ١٥٧/ ١

(٢٦٢٢)۔ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى: حَدَّثَنِي عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ انْجَفَلَ النَّاسُ قِبَلَهُ وَقِيْلَ: وَقَدْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، قَدْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ثَلَاثاً) فَجِئْتُ فِي النَّاسِ لِأَنْظُرَ، فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ، فَكَانَ أَوَّلُ شَيْءٍ سَمِعْتُهُ تَكَلَّمَ بِهِ اَنْ قَالَ: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوْا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوْا الطَّعَامَ، وَصِلُوْا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔)) (الصحيحة:٥٦٩)

زرارہ بن اوفی کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ میں آئے تو لوگ آپ ﷺ کی طرف امڈ آئے اور کہا جانے لگا: رسول اللہ ﷺ آ گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ آ گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ آ گئے ہیں۔ میں بھی آپ کو دیکھنے کے لیے آیا۔ جب میں نے آپ کا چہرہ بغور دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہے۔ پہلی حدیث، جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی اور میں نے سنی، یہ تھی: ''اے لوگو! سلام عام کرو، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، رحموں کو ملاؤ (یعنی رشتہ داریوں کے حقوق ادا کرو) اور اس وقت اٹھ کر (تہجد کی) نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٧٩، والدارمي: ١/ ٣٤٠، وابن ماجه: ١٣٣٥، ٣٢٥١، وابن نصر في "قيام الليل": ١٧، والحاكم: ٣/ ١٣، ٤/ ١٦٠، وأحمد: ٥/ ٤٥١، وابن سعد في "الطبقات": ١/ ٢٣٥، وابن أبي شيبة في "المصنف": ٨/ ٥٣٦، ٦٢٤، ١٤/ ٩٥، والضياء في "المختارة": ٥٨/ ١٧٦/ ١-٢

شــرح: ...... سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہودیوں کے عالم تھے، بعد میں مشرّف باسلام ہو گئے تھے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے جو حدیث سب سے پہلے سنی اس میں سلام کو عام کرنے کا حکم تھا۔

(٢٦٢٣)۔ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ السَّلَامَ إِسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالىٰ وَضَعَهُ فِيالأَرْضِ، فَأَفْشُوْا السَّلَامَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے اسمائے (حسنیٰ) میں ایک نام ''سلام'' ہے، جسے اللہ نے زمین میں نازل کیا، پس تم

بَيْنَكُمْ۔)) (الصحيحة: ١٨٤) آپس میں سلام کو عام کرو۔''

تخریج: رواه البخاري في "الأدب المفرد": ٩٨٩

شرح:...... اللہ تعالی کا ایک نام ''سَلَام'' ہے، اللہ تعالی نے اسی لفظ کو مسلمانوں کے لیے بطورِ شعار زمین میں نازل فرما دیا اور اہل زمین کی ذمہ داری لگائی کہ وہ اس کو خوب پھیلا دیں۔

امام البانی رحمہ اللہ مذکورہ مقام پر لکھتے ہیں: آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ سلام کو عام کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کا دائرہ بڑا ہی وسیع ہے، لیکن بعض افراد نے اس سنت سے بے توجہی و لاپرواہی اختیار کرتے ہوئے یا پھر اپنی جہالت و بے علمی کی بنا پر سلام کے دائرے کو تنگ کر دیا ہے۔ مثلا نمازی کو سلام کہنا، اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نمازی کو سلام کہنا غیر شرعی ہے، بلکہ امام نوویؒ نے ''الاذکار'' میں کراہت کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، حالانکہ صحیح مسلم کی شرح میں کہتے ہیں: ''نمازی کا اشارہ کر کے سلام کا جواب دینا مستحب ہے۔'' اور یہی سنت ہے، کئی احادیث نے یہ وضاحت کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں سلام کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو برقرار رکھا اور ان کے سلام کا جواب بھی دیا......

(٢٦٢٤)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ السَّلَامَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ وَضَعَهُ اللّٰهُ فِي الْأَرْضِ، فَأَفْشُوْهُ فِيْكُمْ، فَإِنَّ الرَّجُلَ إِذَا سَلَّمَ عَلَى الْقَوْمِ فَرَدُّوْا عَلَيْهِ كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ فَضْلُ دَرَجَةٍ، لِأَنَّهُ ذَكَّرَهُمْ، فَإِنْ لَّمْ يَرُدُّوْا عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُمْ وَأَطْيَبُ۔)) (الصحيحة: ١٦٠٧)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سلام اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، جسے اس نے زمین میں نازل کیا، اس کو آپس میں پھیلاؤ۔ جب آدمی لوگوں پر سلام کرتا ہے اور وہ اسے جواب دیتے ہیں، تو سلام کرنے والے کو ان پر فضیلت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ وہ ان کو یاد کراتا ہے اور اگر وہ جواب نہ دیں تو اسے ایسے (بندگانِ خدا) جواب دیتے ہیں جو ان سے بہتر اور پاکیزہ ہوتے ہیں۔''

تخریج: رواه الطبراني: رقم ١٠٣٩١، والبزار في "مسنده": رقم: ١٩٩٩، وابن حبان في "روضة العقلاء": صـ ٥٩

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: ''سلام کو عام کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ نماز ادا کرنے والے، قرآن کی تلاوت کرنے والے اور کھانا کھانے والے کو بھی سلام کیا جائے۔''

اللہ تعالی ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس سلسلے میں خود ساختہ قوانین وضع کیے اور انہی کے ہو کر رہ گئے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو نماز میں بھی اشارہ کر کے سلام کا جواب دیتے تھے۔ ایک دفعہ میں چند ایسے افراد کے پاس گیا جو کھانا کھا رہے تھے، میں نے ان کو سلام کہا، آگے سے کسی نے جواب نہ دیا، ایک صاحب نے یہ کہنے کی جرأت کی کہ ''کھانا کھانے والوں کو سلام نہیں کہنا چاہیے۔''

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ کھانا کھانے والے نہ صرف گپ شپ سے محظوظ ہوتے ہیں، بلکہ بعض تو اول فول بکنے سے بھی باز نہیں رہتے، لیکن سلام کہنے یا سلام کا جواب دینے پر اتنی پابندی کیوں ہے؟

(٢٦٢٥)۔ عَنْ هَانِئِ بْنِ يَزِيْدَ: قَالَ: قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! دُلَّنِي عَلٰى عَمَلٍ يُدْخِلُنِيَ الْجَنَّةَ، فَقَالَ: ((إِنَّ مِنْ مُوْجِبَاتِ الْمَغْفِرَةِ: بَذْلُ السَّلَامِ، وَحُسْنُ الْكَلَامِ)) (الصحيحة:١٠٣٥)

حضرت ہانی بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سلام عام کرنا اور اچھا کلام کرنا ایسے اعمال ہیں جو بخشش کو واجب کر دیتے ہیں۔“

تخريخ: رواه الخرائطي في "مكارم الأخلاق" صـ ٢٣

شـــرح: ...... اگر سلام کے اجر و ثواب سے متعلقہ وارد ہونے والی احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو واقعی یہ عمل اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو واجب کرنے والا معلوم ہوتا ہے، یہ اسلام کا ہی خاصہ ہے کہ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کے لیے سلامتیوں کی دعائیں بھی کی جائیں اور اللہ تعالیٰ کی بخشش کا مستحق بھی ٹھہرا جائے۔

(٢٦٢٦)۔ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا لَقِيَ الْمُؤْمِنَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، وَأَخَذَ بِيَدِهِ فَصَافَحَهُ تَنَاثَرَتْ خَطَايَاهُمَا كَمَا يَتَنَاثَرُ وَرَقُ الشَّجَرِ۔)) (الصحيحة:٥٢٦، ٢٦٩٢)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب ایک مومن دوسرے مومن سے ملتا ہے، اسے سلام کہتا ہے اور اس سے مصافحہ کرتا ہے تو اس کے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔“

٥٢٦: تخريج: ذكره المنذري في "الترغيب": / ٢٧٠، ثم الهيثمي في "المجمع": ٨/ ٣٦ من رواية الطبراني في "الاوسط"

٢٦٩٢: تخريج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": رقم۔ ٢٤٣۔ مصورتي

شـــرح: ...... یہ مؤمن کا مقام و مرتبہ ہے کہ اس کو سلام کہنے اور اس سے مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بعض لوگ دور سے ہاتھ سے اشارہ کرنے اور ”جناب، ملک صاحب، گجر صاحب، چودھری صاحب، ڈاکٹر صاحب، وغیرہ“ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں، حالانکہ محض اشاروں سے سلام و دعا کرنا یہودیوں کا انداز ہے۔ ہاں اگر مصافحہ نہ کر سکنے کی کوئی مجبوری ہو تو اشارہ کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اشارے کے ساتھ السلام علیکم کہا جائے۔ جیسا کہ سیدہ اسما رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد سے گزرے اور وہاں عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔ (ترمذی)

امام نوویؒ نے کہا: یہ اس صورت پہ محمول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الفاظ اور اشارہ دونوں کو جمع فرما لیا، یعنی منہ سے

السلام علیکم کے الفاظ ادا فرمائے اور ہاتھ کے ساتھ اشارہ بھی فرمایا اور اس تطبیق کی تائید ابوداود کی اس روایت سے ہوتی ہے، جس میں "فَسَلَّمَ عَلَيْنَا" (آپ نے ہمیں سلام کہا) کے الفاظ ہیں۔ (ریاض الصالحین)

(٢٦٢٧)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((اَلسَّلَامُ اِسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ وَضَعَهُ فِي الْأَرْضِ، فَأَفْشُوْهُ بَيْنَكُمْ، فَإِنَّ الرَّجُلَ الْمُسْلِمَ إِذَا مَرَّ بِقَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَرَدُّوْا عَلَيْهِ، كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ فَضْلُ دَرَجَةٍ فَإِنْ لَّمْ يَرُدُّوْا عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُمْ وَأَطْيَبُ۔)) (الصحيحة: ١٨٩٤)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سلام'' اللہ کا نام ہے، جسے اس نے زمین میں اتارا، پس تم آپس میں اسے عام کر دو، جب کوئی مسلمان آدمی کسی گروہ کے پاس سے گزرتا ہے اور ان پر سلام کرتا ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، تو سلام دینے والے کو ان پر فضیلت حاصل ہوتی ہے اور اگر وہ جواب نہ دیں تو اسے ایسی (ہستیاں) جواب دیتی ہیں جو ان سے زیادہ بہتر اور پاکیزہ ہوتی ہیں۔''

تخريج: أخرجه البزار: رقم۔ ١٩٩٩، والطبراني في "الكبير": ١٠٣٩١، ١٠٣٩٢

شـــرح:...... جس کا تعلق اللہ تعالی سے گہرا اور پختہ ہوتا ہے، اس میں تواضع اور فروتنی بھی زیادہ ہوتی ہے، اس لیے سلام میں پہل کرنے کی سعادت بھی اسی کے حصے میں آتی ہے۔ چونکہ تبادلۂ سلام کا سبب سلام میں ابتدا کرنے والا ہی ٹھہرتا ہے، اس لیے اس کا اجر وثواب سلام کا جواب دینے والوں کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ اگر کسی کو اس کے سلام کا جواب موصول نہیں ہوتا، تو ایسے میں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ اللہ تعالی اس مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی بہ نسبت پاکیزہ ہستیوں کو جواب دینے کا حکم دے دیتے ہیں۔

(٢٦٢٨)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلسَّلَامُ قَبْلَ السُّؤَالِ، فَمَنْ بَدَأَكُمْ بِالسُّؤَالِ قَبْلَ السَّلَامِ فَلَا تُجِيْبُوْهُ۔)) (الصحيحة:٨١٦)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''سوال کرنے سے پہلے سلام ہوتا ہے، جس نے سلام سے پہلے سوال کرنا شروع کر دیا، اس کی فرمائش پوری نہ کرو۔''

تخريج: أخرجه ابن عدي في "الكامل": ٢/٣٠٣

شـــرح:...... معلوم ہوا کہ سلام نہ کرنے والے کے مطالبات پورے نہ کئے جائیں۔ یہ حدیث سلام کا اہتمام نہ کرنے والوں کے حق میں کسی وعید سے کم نہیں ہے۔

(٢٦٢٩)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَمُرُّ بِالْغِلْمَانِ فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ وَيَدْعُوْ لَهُمْ بِالْبَرَكَةِ۔))

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بچوں کے پاس سے گزرتے، انھیں سلام کہتے اور ان کے لیے برکت کی دعا کرتے۔

(الصحيحة:١٢٧٨)

تخريج: رواه ابن عساكر: ١٧/ ٥٤٤/ ٢، وأخرجه البخاري ١١/ ٢٧، ومسلم: ٧/ ٥، بلفظ: انه (انس) مر على صبيان، فسلم عليهم، وقال: كان النبي ﷺ يفعله۔

شرح:...... بچوں کو سلام کرنے میں بھی تواضع کا اظہار اور ان کی دلجوئی کا اہتمام ہے۔ علاوہ ازیں سلام کی اہمیت بھی ان پر واضح ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ سنت رسول اور اسوہ پیغمبر ہے۔ اس لیے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

یاد رہے کہ شریعت کا اصل قانون یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کہے، لیکن اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کی تربیت کے لیے یہ فریضہ بڑوں کو ادا کرنا چاہئے۔

عورتوں کو سلام کہنا

(٢٦٣٠)۔ عَنْ جَرِيْرٍ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى نِسْوَةٍ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِنَّ۔))

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عورتوں کے پاس سے گزرے اور انھیں سلام کہا۔

(الصحيحة: ٢١٣٩)

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٣٥٧، ٣٦٣، وابن السني في "عمل اليوم" ٢٢١، والطبراني في "الكبير": ١/ ١١٨

شرح:...... معلوم ہوا کہ عورتوں کو بھی سلام کہنا چاہئے، یہ صرف مردوں کی خاصیت نہیں ہے۔

سلام میں "وَمَغْفِرَتُهُ" کا اضافہ

(٢٦٣١)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، قَالَ: كُنَّا إِذَا سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْنَا قُلْنَا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ وَمَغْفِرَتُهُ۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ ہمیں سلام دیتے تو ہم جوابا کہتے: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ وَمَغْفِرَتُهُ (اور آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو، اس کی برکتیں ہوں اور اس کی مغفرت ہو)۔

(الصحيحة:١٤٤٩)

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ الكبير" ١/ ١/ ٣٣٠

شرح:...... اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلا کہ سلام کہنے والے کو زیادہ سے زیادہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ" کہنا چاہئے، البتہ جواب دینے والا "وَمَغْفِرَتُهُ" کا اضافہ کرسکتا ہے۔ بعض لوگ جواب دیتے وقت "وجنت حلاله وجهنم حرامه" جیسے الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں، شاید بارگاہ ربانی میں اس انداز کو سنت کے ساتھ مذاق سمجھ لیا جائے۔

بچوں کو سلام کہنا

(۲۶۳۲)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَمُرُّ بِالْغِلْمَانِ فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ وَيَدْعُوْ لَهُمْ بِالْبَرَكَةِ۔ (الصحيحة:۱۲۷۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بچوں کے پاس سے گزرتے، انھیں سلام کہتے اور ان کے لیے برکت کی دعا کرتے۔

تخريج: رواه ابن عساكر: ۱۷/ ٤٤٥/ ۲، وأخرجه البخاري: ۱۱/ ۲۷، ومسلم: ۷/ ٥، بلفظ: انه (انس) مر على صبيان، فسلم عليهم، وقال: كان النبي ﷺ يفعله۔

شرح:...... عام دوسرے افراد کہ بہ نسبت بچوں کو سلام کرنے میں زیادہ تواضع کا اظہار اور ان کی دلجوئی کا اہتمام ہے۔ علاوہ ازیں ان پر بھی سلام کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ شریعت کا اصل قانون یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کہے، لیکن اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کی تربیت کے لیے یہ فریضہ بڑوں کو ادا کرنا چاہیے۔

کلام سے پہلے سلام

(۲۶۳۳)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلسَّلَامُ قَبْلَ السُّؤَالِ، فَمَنْ بَدَأَكُمْ بِالسُّؤَالِ قَبْلَ السَّلَامِ فَلَا تُجِيْبُوْهُ۔)) (الصحيحة:۸۱٦)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سوال کرنے سے پہلے سلام ہوتا ہے، جس نے سلام سے پہلے سوال کرنا شروع کر دیا، اس کی فرمائش پوری نہ کرو۔''

تخريج: أخرجه ابن عدي في "الكامل": ۳۰۳/ ۲

شرح:...... اس میں سلام نہ کرنے والے کے لیے وعید ہے کہ اس کا مطالبہ ہی پورا نہ کیا جائے۔

مجلس سے جاتے وقت سلام کہنا

(۲٦۳٤)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا انْتَهٰى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَجْلِسِ، فَلْيُسَلِّمْ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّقُوْمَ، فَلْيُسَلِّمْ، فَلَيْسَتِ الْأُوْلٰى بِأَحَقَّ مِنَ الآخِرَةِ۔)) (الصحيحة:۱۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص مجلس میں پہنچے تو سلام کرے اور جب اٹھ کر جانے لگے تب بھی سلام کرے، کیونکہ پہلا سلام دوسرے سے زیادہ فائق نہیں ہے (بلکہ دونوں کی اہمیت برابر ہے)۔''

تخريج: رواه البخاري في "الأدب المفرد": ۱۰۰۷و۱۰۰۸، وأبوداود: ٥۲۰۸، والترمذي: ۲/ ۱۱۸، والنسائي في "عمل اليوم والليلة": ۳٦۹۔۳۷۱، وكذا ابن السني في "عمله": ٤٤٤، والطحاوي في "المشكل": ۲/ ۱۳۹، وابن حبان: ۱۹۳۲و۱۹۳۳، وأحمد: ۲/ ۲۳۰و۲۸۷و٤۳۹، والحميدي:

١١٦٢، وأبو يعلى في "مسنده": ٣٠٦/ ١، والفاكهي في "حديثه عن أبي يحى بن أبي ميسرة": ١/ ٥/ ٢

شــــرح:...... پہلا سلام تو وہ ہے جو مجلس میں پہنچتے وقت کیا جائے اور دوسرا وہ ہے جو مجلس سے اٹھتے وقت کیا جائے، دونوں سلام ضروری ہیں، ایک کی اہمیت دوسرے سے زیادہ یا ایک دوسرے سے فائق نہیں ہے، بلکہ دونوں ہی ضروری ہیں۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: بعض علاقوں میں مجلس سے جاتے وقت سلام کہنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا، اہل علم اور طلبہ کو چاہئے کہ وہ اس سنت کا احیا کریں۔ جب علما و مشائخ، کلاس روم میں طلبہ کے پاس آئیں تو وہ سلام کہیں، اسی طرح واپس جاتے وقت بھی سلام کا اہتمام کریں، کیونکہ پہلا سلام دوسرے کی بہ نسبت زیادہ ضروری نہیں۔

سلام کے آداب

(٢٦٣٥)۔ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ شُبْلٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: ((لِيُسَلِّمِ الرَّاكِبُ عَلَى الرَّاجِلِ وَلْيُسَلِّمِ الرَّاجِلُ عَلَى الْقَاعِدِ وَلْيُسَلِّمِ الْأَقَلُّ عَلَى الْأَكْثَرِ فَمَنْ أَجَابَ السَّلَامَ فَهُوَ لَهُ، وَمَنْ لَّمْ يُجِبْ فَلَاشَيْءَ لَهُ۔)) (الصحيحة:٢١٩٩)

حضرت عبد الرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''سوار، پیدل چلنے والے کو، پیدل چلنے والا بیٹھنے والے کو اور قلیل تعداد والے کثیر تعداد والوں کو سلام کہا کریں۔ جس نے سلام کا جواب دیا تو اسے ثواب ملے گا اور جس نے جواب نہ دیا وہ اجر سے محروم رہے گا۔''

شــرح:...... اس موضوع پر دلالت کرنے والی اور بعد میں آنے والی احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ سوار پیدل چلنے والے کو، پیدل چلنے والا بیٹھنے والے کو، تھوڑی تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو اور چھوٹی عمر والا بڑی عمر والے کو سلام کہے۔ ہمیں بھی چاہئے کہ دنیوی عہدوں اور رتبوں کو نظرانداز کر کے دربارِ نبوت کے مقرر کردہ طریقوں کے مطابق سلام کہیں۔ البتہ تربیت کے لیے بڑی عمر والے، چھوٹوں کو سلام کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ بچوں پر سلام کیا کرتے تھے۔

(٢٦٣٦)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ، وَإِذَا سَلَّمَ مِنَ الْقَوْمِ أَحَدٌ أَجْزَأَ عَنْهُمْ۔)) (الصحيحة:١١٤٨)

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سوار، پیدل چلنے والے کو سلام کرے گا اور جماعت میں سے ایک آدمی کا سلام کرنا سب کو کفایت کر جائے گا۔''

تخريج: أخرجه مالك: ٣/ ١٣٢

شــرح:...... اسلام، سہولتوں اور آسانیوں پر مشتمل مذہب ہے، یقیناً جماعت میں ہر ایک کو سلام کہنے اور ہر ایک کا جواب دینے میں مشقت تھی، تو یہ سہولت پیدا کر دی گئی کہ اگر ایک فرد سلام کہہ دے تو سب کا فریضہ ادا ہو جائے گا۔ یہ

قانون سلام کہنے والی اور سلام کا جواب دینے والی دونوں جماعتوں کے بارے میں ہے۔

(٢٦٣٧)۔ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ شُبْلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الرَّاجِلِ، وَالرَّاجِلُ عَلَى الْجَالِسِ، وَالْأَقَلُّ عَلَى الْأَكْثَرِ، فَمَنْ أَجَابَ السَّلَامَ كَانَ لَهُ وَمَن لَّمْ يُجِبْ فَلَا شَيْءَ لَهُ۔)) (الصحيحة: ١١٤٧)

حضرت عبد الرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''سوار، پیدل چلنے والے کو، پیدل چلنا والا بیٹھے ہوئے کو اور قلیل تعداد والے کثیر تعداد والوں کو سلام کریں۔ جس نے سلام کا جواب دیا اسے اجر ملے گا اور جس نے جواب نہ دیا اسے اجر نہیں ملے گا۔''

تخريج: أخرجه البخاري في: الأدب المفرد" صـ ١٤٤، وأحمد: ٣/ ٤٤٤

(٢٦٣٨)۔ عَنْ فُضَالَةَ بْنُ عُبَيْدٍ مَرْفُوْعاً: ((يُسَلِّمُ الْفَارِسُ عَلَى الْمَاشِيْ، وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ۔)) (الصحيحة: ١١٥٠)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سوار پیدل چلنے والے کو، پیدل چلنے والا بیٹھنے والے اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد" ١٤٥، والترمذي: ٢/ ١١٨، وأحمد: ٦/ ١٩

(٢٦٣٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ، وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ۔)) (الصحيحة: ١١٤٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سوار، پیدل چلنے والے کو، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٧/ ١٢٧، ومسلم: ٧/ ٢، والبخاري أيضا في "الأدب المفرد" ١٤٤ و ١٤٥، وأبوداود: ٢/ ٣٤٣، وأحمد: ٢/ ٣٢٥ و ٥١٠

(٢٦٤٠)۔ عَنْ جَابِرٍ مَوْقُوْفاً: يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ، وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْمَاشِيَانِ أَيُّهُمَا يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ فَهُوَ أَفْضَلُ۔ (الصحيحة: ١١٤٦)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ موقوفاً بیان کرتے ہیں: سوار پیدل چلنے والے پر، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے پر سلام کرے اور دو چلنے والوں میں سے جو سلام کرنے میں پہل کرے گا وہ افضل ہو گا۔

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد" ١٤٣ و ١٤٤ و ١٤٥، وابن حبان: ١٩٣٥

شـــرح:...... ظاہر بات ہے کہ اسی باب کی دوسری احادیث کی روشنی میں یہ کہنا پڑے گا کہ اگر دو چلنے والوں کی عمروں میں فرق ہے تو چھوٹا بڑے کو سلام کہے گا اور ہم عمر ہونے کی صورت میں سلام میں پہل کرنے والا افضل ہو گا،

کیونکہ جس کا تعلق اللہ تعالی سے گہرا اور پختہ ہوگا، اس میں تواضع اور فروتنی بھی زیادہ ہوگی، اس لیے سلام میں پہل کرنے کی سعادت بھی اسی کے حصے میں آئے گی۔

(٢٦٤١)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((يُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ، وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ۔)) (الصحيحة:١١٤٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''چھوٹا بڑے کو، چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور قلیل تعداد والے کثیر تعداد والوں کو سلام کریں۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٧/ ١٢٧، وأبو داود: ٢/ ٣٤٢۔ ٣٤٣، والترمذي: ٢/ ١١٨، و صححه، وأحمد: ٢/ ٣١٤

(٢٦٤٢)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ جِدَارٌ أَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ أَيْضاً۔)) (الصحيحة:١٨٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو ملے تو اسے سلام کہے، اگر ان کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا پتھر حائل ہو جائے اور دوبارہ ملے تو پھر اسے سلام کہے۔''

تخريج: رواه أبو داود: ٥٢٠٠

شرح:...... اس میں تھوڑے سے وقفے اور فاصلے پر بار بار سلام کرنے کا اثبات ہے، اس حدیث پر امام نوویؒ نے یہ باب قائم کیا ہے: بَابُ اِسْتِحْبَابِ إِعَادَةِ السَّلَامِ عَلَى مَنْ تَكَرَّرَ لِقَاؤُهُ عَلَى قُرْبٍ بِأَنْ دَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ ثُمَّ دَخَلَ فِي الْحَالِ أَوْ حَالَ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ وَنَحْوُهَا۔ ...... بار بار سلام کے دوہرانے کے مستحب ہونے کا بیان، جیسے کوئی مل کر اندر گیا، پھر فوراً باہر آ گیا، باہر سے اندر گیا یا ان کے درمیان درخت اور اس قسم کی کوئی چیز حائل ہوگئی تو پھر سلام کرنا۔ (ریاض الصالحین)

(٢٦٤٣)۔ عَنْ أَبِي تَمِيْمَةَ الْهُجَيْمِيِّ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ قَوْمِهِ، قَالَ: طَلَبْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَلَمْ أَقْدِرْ عَلَيْهِ، فَجَلَسْتُ، فَإِذَا نَفَرٌ هُوَ فِيْهِمْ، وَلَا أَعْرِفُهُ، وَهُوَ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ فَلَمَّا فَرَغَ قَامَ مَعَهُ بَعْضُهُمْ، فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَلَمَّا رَأَيْتُ ذٰلِكَ قُلْتُ: عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلَيْكَ

ابو تمیمہ ہجیمی اپنی قوم کے ایک آدمی، جو صحابی تھے، سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو تلاش کیا، لیکن کامیاب نہ ہو سکا، میں بیٹھ گیا، اچانک ایک جماعت پر میری نظر پڑی، اس میں آپ ﷺ بھی تھے، لیکن میں تو آپ کو جانتا نہیں تھا اور آپ ان کے درمیان صلح کروا رہے تھے، جب آپ ﷺ فارغ ہو کر چلے تو بعض لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل دیے، جب انھوں نے

السَّلَامُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلَيْكَ السَّلَامُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((إِنَّ عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ الْمَيِّتِ۔)) ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيَّ فَقَالَ: ((إِذَا لَقِيَ الرَّجُلُ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ فَلْيَقُلْ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔)) ثُمَّ رَدَّ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ: ((وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔)) (الصحيحة:١٤٠٣)

''یا رسول اللہ'' کہہ کر (آپ کو پکارا) تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہی اللہ کے رسول ہیں۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! عَلَیْکَ السّلام (آپ پر سلامتی ہو)، اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو، اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عَلَیْکَ السّلام کے الفاظ کے ذریعے مردوں کو سلام کہا جاتا ہے۔'' پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''جب کوئی آدمی اپنے بھائی کو ملے تو کہے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ'' پھر آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا: ''اور تجھ پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو، اور تجھ پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو، اور تجھ پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٣/ ٣٩٤، وابن السني في "عمل اليوم والليلة" ٢٣٣، ورواه ابوداود: ٢/ ١٦٤٤ بلفظ: ((لاتقل عليك السلام، فان عليك السلام تحية الموتى۔))

شرح:...... اس حدیث مبارکہ میں ''عَلَیْکَ السَّلَام'' کو مردوں کا سلام قرار دے کر اس سے منع کر دیا گیا ہے اور "السلام علیکم ......" کہنے کی تلقین کی گئی ہے، جبکہ آپ ﷺ نے ایک قبرستان میں جا کر خود "السلام علیکم......" ہی کہا؟

امام مبارکپوریؒ نے تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے: امام خطابی کہتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردے کو "عَلَيْكَ السَّلَام" کہا جائے، جیسا کہ عام لوگوں کا معمول ہے، لیکن اشکال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ خود ایک قبرستان میں تشریف لے گئے اور "السلام علیکم اهل دار قوم مؤمنین......" کہا اور زندوں کو سلام کہنے کا بھی یہی انداز ہے۔

دراصل دورِ نبوی میں اور اس سے پہلے والے لوگ جب اپنے مردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کو سلام پیش کرتے تھے تو وہ "عَلَيْكَ" سے شروع کرتے، نہ کہ "اَلسَّلَام" سے۔ یہ حقیقت ان کے اشعار میں بھی بیان کی گئی ہے، مثلا ایک شاعر نے ایک میت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

عَلَيْكَ سَلَامُ اللّٰهِ قَيْسُ بْنَ عَاصِمٍ وَرَحْمَتُهُ إِنْ شَاءَ اَنْ يَّتَرَحَّمَا

اور شماخ نے کہا:

عَلَيْكَ سَلَامٌ مِنْ اَمِيْرٍ وَ بَارَكَتْ يَدُ اللّٰهِ فِيْ ذَاكَ الْاَدِيْمِ الْمُمَزَّقِ

ان دونوں اشعار میں مردوں کا تذکرہ کیا گیا اور ان کو سلام پیش کرتے ہوئے لفظ "عَلَيْكَ" کو مقدم کیا گیا ہے، نہ کہ "اَلسَّلَام" کو۔ نبی کریم ﷺ نے اس رواج کی مخالفت کی اور "السلام علیکم ....." کہنے کی تلقین کی۔ وگرنہ شریعتِ اسلامیہ میں زندوں اور مردوں کو سلام کہنے کا ایک ہی انداز ہے، یعنی دونوں کو سلام کہنے کے لیے لفظ ''السلام .....'' سے شروع کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب "زاد المعاد" میں کہا: آپ ﷺ کا پسندیدہ طریقہ یہ تھا کہ سلام میں پہل کرنے والا "السلام علیکم ورحمة الله" کہے۔ یہ بات آپ کو ناپسند تھی کہ سلام میں ابتدا کرنے والا "علیك السلام" کہے، جیسا کہ سیدنا ابو جری ہجیمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے پاس گیا اور "علیك السلام" کہا، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''علیک السلام'' نہ کہہ، کیونکہ یہ تو مردوں کا سلام ہے۔

لیکن بعض لوگوں نے اس حدیث کو اشکال والا قرار دیا اور ان کو یہ وہم ہونے لگا کہ آپ ﷺ خود تو مردوں کو ''السلام علیکم'' کہتے، اور اس حدیث میں مردوں کو ''علیک السلام'' کہنے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ دراصل انھوں نے ''علیک السلام'' کو آپ ﷺ کا شرعی فیصلہ سمجھ لیا اور پھر ان کی غلطیوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ انھوں نے آپ ﷺ کے قول اور عمل میں تعارض کا دعوی کر دیا۔

حالانکہ آپ ﷺ کا "علیك السلام" سے منع کرنا اس دور کے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ تھا، یعنی جب شعرا مردہ لوگوں کا تذکرہ کرتے تو ان الفاظ کے ذریعے ان کو سلام کہتے تھے اور نبی کریم ﷺ نے یہ ناپسند سمجھا کہ آپ کے صحابہ بھی آپ کو اسی انداز میں سلام کہیں۔ (تحفۃ الاحوذی)

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام میں پہل کرنے والا جتنی دفعہ سلام کہے، اتنی دفعہ اس کو جواب دیا جائے، جیسا کہ صحابی نے تین دفعہ سلام کہا اور آپ ﷺ نے تین دفعہ ہی جواب دیا۔

(٢٦٤٤)۔ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا مَرَّ رِجَالٌ بِقَوْمٍ فَسَلَّمَ رَجُلٌ عَنِ الَّذِيْنَ مَرُّوْا عَلَى الْجَالِسِيْنَ، وَرَدَّ مِنْ هٰؤُلَاءِ وَاحِدٌ، أَجْزَأَ عَنْ هٰؤُلَاءِ وَعَنْ هٰؤُلَاءِ۔))

(الصحيحة:١٤١٢)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کچھ لوگ کسی قوم کے پاس سے گزریں اور گزرنے والوں میں سے ایک سلام کہہ دے اور بیٹھنے والوں میں سے ایک جواب دے دے تو ان کی طرف سے بھی کفایت کرے گا اور اُن کی طرف سے بھی۔''

تخريج: أخرجه أبونعيم في"الحلية" ٨/ ٢٥١

شرح: ...... اس میں سلام کہنے والے اور جواب دینے والے زیادہ لوگوں کے لیے ایک سہولت کا ذکر کیا گیا ہے کہ اگر ایک جماعت میں سے ایک فرد سلام کہہ دے اور دوسری جماعت میں سے ایک فرد جواب دے دے، تو سب کا

فریضہ ادا ہو جائے گا۔

یہودیوں کا اندازِ سلام

(٢٦٤٥)۔ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعاً: ((تَسْلِيْمُ الرَّجُلِ بِإِصْبَعٍ وَاحِدَةٍ يُشِيْرُ بِهَا فِعْلُ الْيَهُوْدِ۔)) (الصحيحة:١٧٨٣)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کا ایک انگلی سے اشارہ کر کے سلام دینا یہودیوں کا انداز ہے۔''

تخريج: رواه أبو يعلي في "مسنده": ١٠٩/ ١، والعقيلي: ٢٩٤، والطبراني في "الأوسط": ٤٥٩٨، وأخرجه الديلمي: ٤/ ١٥٠ بلفظ: ((لاتسلموا تسليم اليهود والنصارى، فان تسليمهم بالاكف والرؤس والاشارة۔))

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے طرق ذکر کرتے ہوئے کہا: پھر میں نے ایک اور حدیث دیکھی، جس کے متن کے الفاظ اس متن کی بہ نسبت مکمل ہیں، وہ یہ ہے:

((لَاتُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى، فَإِنَّ تَسْلِيْمَهُمْ بِالْاَكُفِّ وَالرُّؤُوْسِ وَالْاِشَارَةِ۔))

أخرجه الديلمي ...... ''یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح سلام نہ کیا کرو، ان کا سلام تو ہتھیلی، سروں اور اشاروں سے ہوتا ہے۔''

اسلامی شعار یہ ہے کہ زبان سے سلام کہا جائے اور گلے لگ کر معانقہ کیا جائے یا پھر ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے۔ لیکن بعض لوگ دور سے ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرنے اور ''جناب، ملک صاحب، گجر صاحب، چودھری صاحب، ڈاکٹر صاحب، وغیرہ'' کہنے پر اکتفا کرتے ہیں، حالانکہ سلام و دعا کا یہ انداز یہودیوں اور عیسائیوں کا ہے۔ ہاں اگر مصافحہ نہ کر سکنے کی کوئی مجبوری ہو تو اشارہ کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اشارے کے ساتھ السلام علیکم کہا جائے۔ جیسا کہ سیدہ اسما رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز مسجد سے گزرے اور وہاں عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی، پس آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔ (ترمذی) امام نوویؒ نے کہا: یہ اس صورت پہ محمول ہے کہ آپ ﷺ نے الفاظ اور اشارہ دونوں کو جمع فرما لیا، یعنی منہ سے السلام علیکم کے الفاظ ادا فرمائے اور ہاتھ کے ساتھ اشارہ بھی فرمایا اور اس تطبیق کی تائید ابوداود کی اس روایت سے ہوتی ہے، جس میں ''فَسَلَّمَ عَلَيْنَا'' (آپ نے ہمیں سلام کہا) کے الفاظ ہیں۔ (ریاض الصالحین) البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ کافی فاصلے پر دور دور کھڑے آدمی یا مختلف گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے آدمی ایک دوسرے کو سلام کہنا چاہیں تو زبان سے سلام کے الفاظ ادا کرتے ہوئے اشارہ کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

سلام اور مصافحہ کی فضیلت

(٢٦٤٦)۔ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا لَقِيَ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب ایک مومن دوسرے مومن کو ملتا

الْمُؤْمِنَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، وَأَخَذَ بِيَدِهٖ فَصَافَحَهُ تَنَاثَرَتْ خَطَايَا هُمَا كَمَا يَتَنَاثَرُ وَرَقُ الشَّجَرِ.)) (الصحيحة:٥٢٦، ٢٦٩٢)

ہے، اسے سلام کہتا ہے اور اس سے مصافحہ کرتا ہے تو اس کے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔''

٥٢٦: تخريج: ذكره المنذري في "الترغيب": / ٢٧٠، ثم الهيثمي في "المجمع": ٨/ ٣٦ من رواية الطبراني في "الاوسط"

٢٦٩٢: تخريج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": رقم - ٢٤٣ - مصورتي

(٢٦٤٧)۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((مَامِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ إِلَّا غُفِرَلَهُمَا قَبْلَ أَنْ يَتَفَرَّقَا.)) (الصحيحة:٥٢٥)

حضرت برا بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو دو مسلمان باہم ملاقات کریں اور مصافحہ کریں تو قبل اس کے کہ وہ جدا ہوں، ان کو بخش دیا جاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٥٢١٢، والترمذي: ٢/ ١٢١، وابن ماجه: ٣٧٠٣، وأحمد: ٤/ ٢٨٩/ ٣٠٣، وابن عدي: ١/٣١

شرح:...... معلوم ہوا کہ اگر کسی مؤمن کو دوسرے مؤمن سے سلام اور مصافحہ کرنے کا موقع مل جائے تو وہ اسے اپنے حق میں سعادت خیال کرے، نہ کہ مصیبت۔

ملاقات کے وقت مصافحہ اور معانقہ کرنا اور بوسہ لینا

(٢٦٤٨)۔ ((لَا وَلٰكِنْ تَصَافَحُوْا، يَعْنِي: لَايَنْحَنِيْ لِصَدِيْقِهٖ وَلَا يُقَبِّلُهُ حِيْنَ يَلْقَاهُ.)) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَحَدُنَا يَلْقٰى صَدِيْقَهُ أَيَنْحَنِي لَهُ؟ قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((لَا)) قَالَ: فَيَلْتَزِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ؟ قَالَ: ((لَا)) قَالَ: فَيُصَافِحُهُ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، إِنْ شَاءَ.)) هٰذَا السِّيَاقُ لِأَحْمَدَ، وَكَذَا التِّرْمِذِيِّ، لٰكِنْ لَيْسَ عِنْدَهُ ((إِنْ شَاءَ.))

(الصحيحة: ١٦٠)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، البتہ مصافحہ کر لیا کرو۔'' یعنی کوئی آدمی بوقتِ ملاقات اپنے دوست کے لیے نہ جھکے اور نہ اس کا بوسہ لے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! جب کوئی آدمی اپنے دوست سے ملتا ہے تو کیا اسے اس کے لیے جھکنا چاہیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں۔'' اس نے پھر پوچھا: کیا اس کا معانقہ کرے اور اس کا بوسہ لے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں۔'' اس نے تیسری بار پوچھا: کیا اس سے مصافحہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، اگر چاہے تو۔'' یہ سیاقِ حدیث امام احمد کا روایت کردہ ہے، امام ترمذی نے بھی اسی طرح کی روایت بیان کی ہے، البتہ ان کی روایت

میں "أَنْ شَاءَ" (اگر چاہے تو) کے الفاظ نہیں ہیں۔

تخریج: رواه الترمذی: ٢/ ١٢١، وابن ماجه: ٣٧٠٢، والبیهقی: ٧/ ١٠٠، وأحمد: ٣/ ١٩٨

(٢٦٤٩)۔ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا تَلَاقَوْا تَصَافَحُوْا وَإِذَا قَدِمُوْا مِنْ سَفَرٍ تَعَانَقُوْا۔ (الصحيحة:٢٦٤٧)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام باہمی ملاقات کے وقت مصافحہ کرتے اور جب سفر سے آتے تو معانقہ کرتے۔

تخریج: رواه الطبرانی فی "المعجم الأوسط": ١/ ٨/ ١/ ٩٩ ـ بترقیمی

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے فقہ الحدیث پر بحث کرتے ہوئے کہا: ملاقات کے وقت معانقہ کرنا درست ہے، کیونکہ اس سلسلے میں آپ ﷺ کی نہی ثابت نہیں ہے، اس لیے ضروری ہوگا کہ اصل کو دیکھتے ہوئے اس کو مباح سمجھا جائے، اس پر مستزاد یہ کہ بعض احادیث اور آثار سے بھی معانقہ کا ثبوت ملتا ہے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب صحابہ کرام (حضر میں) ملاقات کرتے تو مصافحہ کرتے تھے اور سفر سے واپسی کی صورت میں معانقہ کرتے تھے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی و رجاله رجال الصحيح كما قال المنذری (٣/ ٢٧٠) والهيثمی (٨/ ٣٦) اور امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ امام شعبی کا یہ قول نقل کیا ہے: جب محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ (حضر میں) ملاقات کرتے تو مصافحہ کرتے اور جب سفر سے واپس آتے تو ایک دوسرے سے معانقہ کرتے۔

امام بخاری نے "الأدب المفرد ٩٧٠" میں اور امام احمد (٣/٤٩٥) نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: مجھے پتہ چلا ہے کہ (شام میں) ایک آدمی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان کرتا ہے، (اس سے براہِ راست سننے کے لیے) میں نے ایک اونٹ خریدا، اس پر اپنا پلان کسا اور روانہ ہوگیا، ایک مہینہ کی مسافت طے کرنے کے بعد شام پہنچ گیا، وہ آدمی سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ تھے، میں نے دربان سے کہا: عبداللہ بن انیس کو کہو کہ جابر آیا ہے۔ انھوں نے پوچھا: عبداللہ کا بیٹا جابر؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ پھر وہ میری طرف آئے اور ہم نے ایک دوسرے سے معانقہ کیا...... اس حدیث کی سند حسن ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا، امام بخاری نے اس کو معلق ذکر کیا ہے۔ نیز جب نبی کریم ﷺ سیدنا ابن تیہان رضی اللہ عنہ کے باغ میں تشریف لے گئے تو انھوں نے آپ سے معانقہ کیا تھا۔ (مختصر الشمائل: ١١٣)(صحيحه: ١٦٠)

امام البانی رحمہ اللہ حدیث نمبر (٢٦٤٧) کی فقہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس حدیث سے دو مسائل کا استنباط کیا جا سکتا ہے: (١) ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا اور (٢) سفر سے واپسی پر معانقہ کرنا۔

ان دو مسائل پر نبی کریم ﷺ سے مختلف شواہد موجود ہیں۔ مصافحہ کرنے کے بارے میں تو آپ ﷺ کی فعلی اور قولی کئی احادیث پائی جاتی ہے، سلسلہ صحیحہ کے ١٦٠، ٥٢٩، ٥٣٠، ٢٠٠٤، ٢٤٨٥ نمبروں میں اس موضوع سے متعلقہ احادیث موجود ہیں، مزید آپ "الترغیب ٣/ ٢٧٠۔٢٧١) اور ابن مفلح کی "الآداب الشرعية ٢/ ٢٧٧" دیکھ سکتے ہیں۔

رہا مسئلہ معانقہ کا، تو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: جب سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معانقہ کیا۔ یہ حدیث صحیح ہے اور صحیحہ (۲۶۵۷) میں موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے مزید یہ بات سمجھ آتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضر اور سفر کے آداب ملاقات میں فرق کرتے تھے، یعنی حضر میں مصافحہ کرنے پر اکتفا کرتے تھے، جبکہ سفر سے واپسی پر معانقہ کرتے تھے۔ اس روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں بھی حضر میں معانقہ کرنے میں حرج محسوس کرتا تھا، بالخصوص اس حدیث کے پیش نظر، جس کی تخریج میں نے سلسلہ صحیحہ کی پہلی جلد کے نمبر (۱۶۰) میں کی ہے، اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقات کے وقت جھکنے، معانقہ کرنے اور بوسہ لینے سے منع فرما دیا۔ پھر جب میں نے اس جلد کو طباعت کے لیے تیار کیا اور اس حدیث کی نظر ثانی کی، تو واضح ہوا کہ متن کے الفاظ "الالتـزام" یعنی معانقہ کرنے کا ذکر متابعات اور شواہد میں نہیں ہے، اس لیے میں نے وہ الفاظ جدید طبع سے حذف کر دیے۔

جب مجھے معلوم ہو گیا کہ حدیث (۱۶۰) میں معانقہ والے الفاظ ضعیف ہیں، تو حضر میں معانقہ کرنے کے بارے میں جو تردّد تھا، وہ ختم ہو گیا (الحمدللہ)۔ اس کی مزید تائید "الشمائل المحمدیہ" کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابن تیہان انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف نکلے تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقہ کیا تھا۔ لیکن ذہن نشین رہے کہ ان دلائل سے حضر میں بعض اوقات معانقہ کرنے کا جواز ملتا ہے، نہ کہ دوام اور ہمیشگی کے ساتھ، جیسا کہ مصافحہ کا معاملہ ہے۔

حضر اور سفر میں مصافحہ اور معانقہ کا فرق کرنے کے بارے میں امام بغوی نے بڑی عمدہ بحث کی ہے، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کا کلام نقل کر دوں۔ وہ "شرح السنة ۱۲/۲۹۳" میں سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: جب کسی سے معانقہ کرنا اور کسی کا بوسہ لینا خوشامد یا تعظیم کی بنا پر ہوں تو مکروہ ہیں۔ لیکن الوداع کہتے وقت، سفر سے واپسی پر، زیادہ عرصہ ملاقات نہ ہونے کی صورت میں اور اللہ تعالیٰ کے لیے شدید محبت کی وجہ سے معانقہ کرنا درست ہے۔

اگر کوئی کسی کا بوسہ لینا چاہے تو وہ منہ پر بوسہ نہ دے، البتہ ہاتھ، سر اور پیشانی کا بوسہ لینا جائز ہے۔ لیکن حضر میں بوسہ لینے سے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے، کیونکہ اس طرح کرنے سے اس کی کثرت ہو جائے گی اور پھر ہر کوئی اس کا مستحق بھی نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ بوسہ لینے والا بعض افراد کا بوسہ لیتا ہے اور بعض کا نہیں لیتا۔ جن کا نہیں لیا جائے گا وہ محسوس کریں گے اور یہ سمجھ بیٹھیں گے کہ وہ ان کے حق میں تقصیر کر رہا ہے اور اُن کو ان پر ترجیح دے رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مصافحہ ہی مکمل سلام ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ امام طحاوی کے بیان کے مطابق امام ابوحنیفہ، ان کے شاگرد امام محمد اور امام مالک وغیرہ معانقہ کو مکروہ خیال کرتے ہیں اور امام ابو یوسف جائز سمجھتے ہیں۔

"الآداب الشرعية ٢/ ٢٧٨" میں ہے: امام مالک کے نزدیک سفر سے آنے والے کا معانقہ کرنا مکروہ ہے۔ انھوں نے اس کو بدعت شمار کیا اور نبی کریم ﷺ کے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ معانقہ کو آپ ﷺ کا خاصہ قرار دیا۔ لیکن جب امام سفیان نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: آپ کسی دلیل کے بغیر معانقہ کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص کیوں کرتے ہیں؟ تو امام مالک خاموش ہو گئے۔

قاضی ابو یوسف کہتے ہیں: خاموشی کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے امام سفیان کا قول تسلیم کر لیا ہے اور اس مسئلہ میں ان کی موافقت کی ہے اور یہی بات درست ہے، (کہ آپ ﷺ کا فعل ہر امتی کے لیے عام ہوتا ہے) جب تک کوئی دلیل تخصیص پر دلالت نہ کرے۔

امام بغوی نے کسی کے منہ پر بوسہ لینے کو مکروہ سمجھا ہے، شیخ ابن مفلح نے "الآداب الشـرعية ٢/ ٢٧٥" میں اس کراہت کی توجیہ بیان کرتے ہوئے کہا: منہ کا بوسہ لینا مکروہ ہے، کیونکہ عزت و کرامت کی خاطر تو ایسے نہیں کیا جاتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ سلف صالحین کا بوسے کو رواج نہ دینا بھی اس کے مکروہ ہونے کی ایک دلیل ہے، کیونکہ وہ لوگ خیر و بھلائی کے امور میں ہم سے سبقت لے جانے والے تھے، کسی نے کیا خوب کہا:

وَكُلُّ خَيْرٍ فِي اتِّبَاعِ مِنْ سَلَفٍ وَكُلُّ شَرٍّ فِي ابْتِدَاعٍ مِنْ خَلَفٍ.

......سلف (صالحین) کی پیروی میں خیر ہی خیر ہے اور ہر شرّ بعد میں آنے والوں کی ایجاد ہے

لیکن قصہ گو ڈاکٹر حلبی پر بڑی حیرانی ہوئی ہے کہ اس نے سلفی علمائے کرام اور ان کے منہج کو اختیار کرنے والوں پر ردّ کرنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے، وہ ان کی لغزشوں کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے اور ان کے وہ اقوال و فتاوی تلاش کرتا رہتا ہے، جو اس کے گمان کے مطابق دوسرے علما کے اقوال کے مخالف ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بیچارہ اپنے آپ کو بھول گیا اور اپنے گریبان میں نہ جھانک سکا۔ میں نے خود اس کی ایک کیسٹ سنی ہے، اس نے اس میں منہ کا بوسہ لینے کو مشروع ثابت کیا ہے اور وضاحت کی ہے کہ یہ بھی پیشانی اور ہاتھ کی طرح ہی ہے اور ان کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔

غور فرمائیں کہ یہ آدمی علما و فقہا کے اقوال کے ذریعے سلف صالحین کے اقوال کا ردّ کر رہا ہے اور جس چیز کی مخالفت کرنا چاہتا ہے، خود اسی میں ملوث نظر آتا ہے، کیونکہ وہ علما و فقہا بھی سلف صالحین میں سے ہی تھے، جن کے اقوال کا یہ سہارا لیتا ہے۔ اگر ان میں سے کسی نے یہ "مایہ ناز" قیاس کیا ہوتا تو وہ بھی اس کو شہرت دیتا، اس کی بڑھکیں مارتا، اس کو واضح کرتا، اس کا واویلا کرتا اور اس موضوع پر مختلف علما کے اقوال جمع کرنے کے لیے اپنی توانیاں صرف کر دیتا۔ رہا مسئلہ ڈاکٹر حلبی کا، تو اس کی سلف صالحین سے مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ تعالی اس کی اصلاح فرمائے اور اس کو ہدایت دے۔

سلسلہ صحیحہ کی حدیث (٢٦٥٧) پر بحث کرتے ہوئے امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے معانقہ کیا۔ یہ روایت صحیح ہے، سلسلہ صحیحہ (٢٦٥٧) میں موجود ہے۔

سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ پھر ابو جحیفہ نے کہا: میں نہیں جانتا کہ مجھے جعفر کی آمد پر زیادہ خوشی ہونی چاہئے یا فتح خیبر پر؟ یہ حدیث بھی صحیح ہے، طبرانی نے اس کو انس بن سلم کی سند سے "المعجم الكبير ٢٢/ ١٠٠/ ٢٤٤" میں روایت کیا ہے، دیکھیں: صحیحہ: ٦/ ١/ ٣٣٥

فائدہ:...... کافی عرصہ سے میرا خیال یہ تھا کہ پیشانی کا بوسہ لینا ناجائز ہے، کیونکہ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ والی حدیث مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف تھی اور اس کا کوئی معتبر شاہد بھی نہیں تھا۔ لیکن جب "المعجم الكبير" شائع ہوئی اور میں نے اس میں انس بن سلم والی سند اور اس پر ابن عساکر کی بحث دیکھی، تو میرے لیے واضح ہو گیا کہ یہ حدیث تو مرسل حدیث کا قوی شاہد ہے۔ میں نے ضروری سمجھا کہ امانتِ علمی کا حق ادا کرتے ہوئے اس کو صحیحہ میں نشر کرنا چاہئے، تاکہ میری طرح اس شاہد سے بے خبر رہنے والے علما کو اس کا پتہ چل جائے۔ آخر میں یہی کہوں گا کہ اللہ تعالی کی تعریف ہے، جس نے اس معاملے میں ہماری رہنمائی فرمائی، اگر اس نے ہماری رہنمائی نہ کی ہوتی تو ہم میں تو اس مقام تک پہنچنے کی صلاحیت نہ تھی۔

سلسلہ صحیحہ کی حدیث نمبر (١٦٠) پر بحث کرتے ہوئے امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: کسی کے ہاتھ کا بوسہ لینا تو جائز ہے، کیونکہ کئی احادیث و آثار میں اس کا ذکر موجود ہے، ان کا مجموعہ اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین سے ثابت ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ درج ذیل شروط کے ساتھ عالم کے ہاتھ پر بوسہ دیا جا سکتا ہے:

(۱) اس کو رواج نہ بنا لیا جائے کہ عالم بوسہ کے لیے ہاتھ پھیلانے اور طلبہ اس کے ہاتھ کا بوسہ لے کر تبرّک حاصل کرنے پہ ہی لگے رہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ کا بوسہ شاذ و نادر ہی لیا گیا اور جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کبھی کبھار کی جاتی رہی ہو، اس کو تسلسل اور دوام کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا، یہ عام فقہی قاعدہ ہے۔

(۲) بوسہ لینے کا یہ نتیجہ نہ نکلے کہ عالم تکبر میں آ جائے اور اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگ جائے، جیسا کہ آجکل ہو رہا ہے۔

(۳) کہیں ایسا نہ ہونے پائے کہ بوسہ لینے سے مصافحہ والی سنت مفقود ہو جائے، کیونکہ مصافحہ کرنا مشروع ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی سنت ہے اور مصافحہ کرنے والوں کے گناہوں کے جھڑ جانے کا سبب ہے۔ لہٰذا بوسہ، جو کہ جائز ہے، کی وجہ سے مصافحہ کی سنت میں کوئی فرق نہیں آنا چاہئے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے سلسلہ ضعیفہ میں یہ حدیث نقل کی ہے: ((إِنَّمَا يَفْعَلُ هٰذَا (يَعْنِي تَقْبِيْلَ الْيَدِ) الْأَعَاجِمُ بِمُلُوْكِهَا، وَإِنِّيْ لَسْتُ بِمَلِكٍ، إِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِنْكُمْ)) ...... ''عجمی لوگ اپنے بادشاہوں (کے ہاتھوں کا بوسہ لیتے ہیں)، میں (محمد) بادشاہ نہیں ہوں، میں تو تم میں سے ہی ایک آدمی ہوں، (لہٰذا میرے ہاتھ کا بوسہ نہ لیا کرو)۔''

یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے، ملاحظہ ہو: الضعيفة: ٥٧٤

امام صاحب اس حدیث پر فقہی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: بعض صحابہ کا نبی کریم ﷺ کے ہاتھ کا بوسہ لینا اور آپ کا ان کو برقرار رکھنا ثابت ہے۔ سلف صالحین بھی اپنے بزرگوں کے ساتھ ایسا کرتے رہے ہیں، اس سلسلے میں کئی آثار موجود ہیں، آپ ابوسعید ابن اعرابی کی کتاب "القُبَل والمعانقة" اور امام بخاریؒ کی کتاب "الأدب المفرد صـ١٤٢" میں یہ روایات دیکھ سکتے ہیں۔

لیکن اس رخصت کا یہ معنی نہیں کہ بوسہ لینے کو رواج بنا لیا جائے اور ہر ملاقات میں اسی کو اپنایا جائے، جیسا کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں، یہ انداز آپ ﷺ کی سیرت کے موافق نہیں ہے۔ انتہائی شاذ و نادر واقعات ہیں، جن میں سیرتِ طیبہ کے تمام تقاضوں کی معرفت نہ رکھنے والے بعض صحابہ نے آپ ﷺ کا بوسہ لیا۔ بہر حال بوسہ آپ ﷺ کو مصافحہ کی طرح پسند نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مقرب اور آپ کے مقام و مرتبہ کو پہنچانے والے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عشرہ مبشرہ جیسے صحابہ سے آپ کے مبارک ہاتھ کا بوسہ لینا ثابت نہیں ہے۔

لیکن بعض بزرگوں کا عمل اس کے مخالف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ آپ ﷺ کی قولی اور فعلی سنتوں کو قبیح سمجھتے ہیں اور وہ ہے مصافحہ کرنا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ جب ان بزرگوں کے ہاتھوں کا بوسہ نہ لیا جائے تو وہ سخت غضبناک ہو جاتے ہیں اور مصافحہ نہ کرنے پر ان کو غصہ نہیں آتا، حالانکہ بوسہ لینے کا صرف جواز ملتا ہے اور مصافحہ مستحب ہے اور اس میں بہت زیادہ اجر و ثواب ہے۔ دراصل یہ محبتِ نفس اور اتباعِ خواہش کا نتیجہ ہے۔ ہم اللہ تعالی سے حمایت وسلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

مختلف احادیث و آثار کی روشنی امام البانی رحمہ اللہ کی طویل بحثوں کا خلاصہ یہ ہے:

(١) ملاقات کے وقت مصافحہ مسنون اور مستحب ہے۔

(٢) سفر سے واپسی پر معانقہ کرنا مسنون ہے۔

(٣) حضر میں بھی معانقہ کرنا مسنون ہے، لیکن مصافحہ کی طرح اس کو رواج نہیں دینا چاہئے۔

(٤) علما و فضلا کے ہاتھ کا بوسہ لینا جائز ہے، لیکن اس سلسلے میں تسلسل اور دوام سے پرہیز کرنا چاہئے۔

(٥) منہ پر بوسہ نہیں لینا چاہئے۔

(٦) بیوی بچوں کا بوسہ لینا درست ہے۔

درج ذیل حدیث سے بوسہ لینے کا استدلال کرنا درست ہے، لیکن تسلسل سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ آپ ﷺ نے بھی شاذ و نادر موقعوں پر اس کا اہتمام کیا۔

(٢٦٥٠)۔ عَنْ أُمِّ الْفَضَلِ بِنْتِ الْحَارِثِ، قَالَتْ: بَيْنَا أَنَا مَارَّةٌ، وَالنَّبِيُّ ﷺ فِي الْحِجْرِ، فَقَالَ: ((يَا أُمَّ الْفَضَلِ!))،

حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس سے گزری، جبکہ آپ حطیم میں تھے۔ آپ نے مجھے فرمایا: ''ام الفضل!'' میں نے کہا: جی ہاں، اے اللہ

قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((إِنَّكِ حَامِلٌ بِغُلَامٍ۔)) قَالَتْ: كَيْفَ وَقَدْ تَحَالَفَتْ قُرَيْشٌ: لَا تُوْلِدُوْنَ النِّسَاءَ؟ قَالَ: ((هُوَ مَا أَقُوْلُ لَكِ، فَإِذَا وَضَعْتِ فَأْتِيْنِي بِهِ۔)) فَلَمَّا وَضَعْتُهُ أَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ، فَسَمَّاهُ عَبْدَاللّٰهِ، وَأَلْبَاهُ مِنْ رِيْقِهِ، ثُمَّ قَالَ: ((إِذْهَبِيْ بِهِ فَلَتَجِدِنَّهُ كَيِّسًا۔)) قَالَتْ: فَأَتَيْتُ الْعَبَّاسَ، فَأَخْبَرْتُهُ، فَتَلَبَّسَ، ثُمَّ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَكَانَ رَجُلًا جَمِيْلًا، مَدِيْدَ الْقَامَةِ، فَلَمَّا رَآهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَامَ إِلَيْهِ فَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، ثُمَّ أَقْعَدَهُ عَنْ يَمِيْنِهِ، ثُمَّ قَالَ: ((هٰذَا عَمِّيْ، فَمَنْ شَاءَ فَلْيُبَاهِ بِعَمِّهِ۔)) قَالَ الْعَبَّاسُ: بَعْضَ الْقَوْلِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((وَلِمَ لَا أَقُوْلُ، وَأَنْتَ عَمِّيْ، وَبَقِيَّةُ آبَائِيْ، وَالْعَمُّ وَالِدٌ۔))

(الصحيحة: ١٠٤١)

کے رسول! ۔آپ نے فرمایا: ''تجھے تو بچے کا حمل ہو گیا ہے۔'' میں نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے، جب کہ قریشیوں نے قسمیں اٹھائی ہیں کہ عورتیں بچہ نہیں جنیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہی ہو گا جو میں کہہ رہا ہوں، جب بچہ پیدا ہو تو میرے پاس لے آنا۔'' چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ آپ کے پاس لے آئی، آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا، اسے اپنے لعاب دہن کی گھٹی دی اور فرمایا: ''لے جاؤ، تم اسے عقلمند پاؤ گی۔'' وہ کہتی ہیں: میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور ساری بات انھیں بتلا دی، انھوں نے اپنا لباس زیب تن کیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس آ گئے، وہ خوبصورت اور دراز قد آدمی تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا تو ان کی طرف کھڑے ہوئے، ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور انھیں اپنی دائیں جانب بٹھا لیا، پھر فرمایا: ''یہ میرا چچا ہے، جو چاہتا ہے وہ اپنے چچا پر فخر کرے۔'' حضرت عباس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اتنی تعریف نہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ایسے کیوں نہ کہوں؟ حالانکہ آپ میرے چچا ہیں، میرے آباؤ اجداد کی نشانی ہیں اور چچا تو باپ ہی ہوتا ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" ٣/ ٨٤/ ١-٢

مصافحہ کیسے کیا جائے؟

بوقتِ الوداع مقیم اور مسافر کی دعائیں

(٢٦٥١)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ الْخَطَمِيِّ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَسْتَوْدِعَ الْجَيْشَ، قَالَ: ((أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ۔))

(الصحيحة: ١٥)

سیدنا عبداللہ خطمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی لشکر کو الوداع کہنے کا ارادہ کرتے تو فرماتے: ''میں تیرے دین کو، تیری امانت کو اور تیرے آخری عمل کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔''

تخريج: رواه أبو داود: ٢٦٠١، والنسائي في "عمل اليوم والليلة": ٥٠٧، وابن السني في "عمل اليوم

والليلة": ٤٩٨، والحاكم: ٢/ ٩٧-٩٨

(٢٦٥٢)- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا وَدَّعَ أَحَداً قَالَ: ((أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ۔))

(الصحيحة:١٦)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کسی کو الوداع کہتے تو فرماتے: ''میں تیرے دین کو، تیری امانت کو اور تیرے آخری عمل کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔''

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ احادیث کئی فوائد پر مشتمل ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(اول)...... بوقتِ الوداع مقیم یہ دعا پڑھے: أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ۔ اور مسافر یوں جواب دے: أَسْتَوْدِعُكُمُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا تَضِيْعُ وَدَائِعُهُ۔

(دوم)...... ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا، کئی احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے اور لغت میں لفظ ''مصافحہ'' ایک ہاتھ ملانے پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ (لسان العرب) میں ہے: ''ایک ہاتھ سے پکڑنے کو "المصافحة" کہتے ہیں، "التصافح" کا بھی یہی معنی ہے۔"الرجل يصافح الرجل" کا معنی یہ ہے کہ آدمی اپنی ہتھیلی دوسرے کی ہتھیلی میں رکھے۔ اسی سے ملاقات کے وقت مصافحہ کرنے والی حدیث ہے، لفظ "مصافحة" بابِ مفاعلہ سے ہے، جس کا معنی ہے کہ ہتھیلی ہتھیلی کے ساتھ ملائی جائے اور چہرہ دوسرے چہرے پر متوجہ کیا جائے۔''

میں (البانی) کہتا ہوں کہ مصافحہ کے یہی معانی بعض احادیث سے بھی ثابت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا لَقِيَ الْمُؤْمِنَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، وَأَخَذَ بِيَدِهِ فَصَافَحَهُ تَنَاثَرَتْ خَطَايَا هُمَا كَمَا يَتَنَاثَرُ وَرَقُ الشَّجَرِ۔)) (صحيحه: ٥٢٦، ٢٦٩٢)

...... ''جب ایک مومن دوسرے مومن کو ملتا ہے، اسے سلام کہتا ہے اور اس سے مصافحہ کرتا ہے تو اس کے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔''

علامہ منذری (٣/٢٧٠) نے کہا: طبرانی نے اوسط میں یہ حدیث روایت کی ہے اور میرے علم کے مطابق اس کے رواۃ غیر مجروح ہیں۔

میں (البانی) کہتا ہوں کہ یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر درجۂ صحت تک پہنچ جاتی ہے، ایک شاہد سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جسے ضیا مقدسی نے (المختارة: ق ٢٤٠/ ١- ٢) میں روایت کیا اور منذری نے اس کو امام احمد وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

یہ تمام احادیث اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ مصافحہ میں سنت یہ ہے کہ ایک ہاتھ کو پکڑا جائے، دو ہاتھوں سے مصافحہ کرنا خلافِ سنت ہے، اگرچہ بعض مشائخ میں بھی اس کا رواج پایا جاتا ہے۔

(سوم)...... بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملاقات کے وقت تو مصافحہ کرنا سنت ہے، لیکن مفارقت کے وقت بدعت ہے۔

یہ فرق بے دلیل ہے۔

ہاں یہ بات درست ہے کہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنے پر دلالت کرنے والی احادیث اُن روایات کی بہ نسبت کثیر اور قوی ہیں، جن سے مفارقت کے وقت مصافحہ کرنا ثابت ہوتا ہے۔ جو آدمی فقیہ ہو، وہ کم از کم ان روایات سے یہ نتیجہ نکالے گا کہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنے کا مرتبہ زیادہ ہے، اس لیے یہ سنت ہے اور دوسرا مستحب ہے۔ لیکن دوسرے مصافحہ کو بدعت کہنا بے دلیل بات ہے۔

نمازوں کے بعد مروّجہ مصافحے کا التزام کرنا بلا شک وشبہ بدعت ہے، ہاں اگر دو ایسے آدمی نماز باجماعت ادا کر رہے ہیں، جو اس سے پہلے نہیں ملے تو ان کا مصافحہ کرنا سنت ہوگا، (لیکن ملاقات کی وجہ سے، نہ کہ نماز سے فارغ ہونے کی وجہ سے)۔ (صحیحه: ١٦)

ملاقات کے وقت جھکنا

(٢٦٥٣)۔ ((لَا وَلٰكِنْ تَصَافَحُوْا، يَعْنِي: لَايَنْحَنِيْ لِصَدِيْقِهِ وَلَا يُقَبِّلُهُ حِيْنَ يَلْقَاهُ۔)) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَحَدُنَا يَلْقٰى صَدِيْقَهٗ أَيَنْحَنِي لَهٗ؟ قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا)) قَالَ: فَيَلْتَزِمُهٗ وَيُقَبِّلُهٗ؟ قَالَ: ((لَا)) قَالَ: فَيُصَافِحُهٗ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، إِنْ شَاءَ۔)) هٰذَا السِّيَاقُ لِأَحْمَدَ، وَكَذَا التِّرْمِذِيِّ، لٰكِنْ لَيْسَ عِنْدَهٗ ((إِنْ شَاءَ۔))

(الصحيحة: ١٦٠)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، البتہ مصافحہ کر لیا کرو۔“ یعنی کوئی آدمی بوقتِ ملاقات اپنے دوست کے لیے نہ جھکے اور نہ اس کا بوسہ لے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! جب کوئی آدمی اپنے دوست سے ملتا ہے تو کیا اس کے لیے جھکنا چاہئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں۔“ اس نے پھر پوچھا: کیا اس سے معانقہ کرے اور اس کا بوسہ لے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں۔“ اس نے تیسری بار پوچھا: کیا اس سے مصافحہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، اگر چاہے تو۔“ یہ سیاقِ حدیث امام احمد کا روایت کردہ ہے، امام ترمذی نے بھی اسی طرح کی روایت بیان کی ہے، البتہ ان کی روایت میں ”أَنْ شَاءَ“ (اگر چاہے تو) کے الفاظ نہیں ہیں۔

تخريج: رواه الترمذي: ٢/ ١٢١، وابن ماجه: ٣٧٠٢، والبيهقي: ٧/ ١٠٠، وأحمد: ٣/ ١٩٨

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: میں (پچھلے باب میں مذکورہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ والی روایت کی وجہ سے) حضر میں معانقہ کو درست نہیں سمجھتا تھا، بالخصوص صحیحہ کی حدیث نمبر (١٦٠) کی وجہ سے، جس میں آپ ﷺ نے جھکنے، معانقہ کرنے اور بوسہ لینے سے منع فرمایا، (ان کی مراد اس باب والی حدیث ہی ہے)، لیکن جب صحیحہ کی پہلی جلد طباعت کے مراحل میں داخل ہوئی اور میں نے نظر ثانی کی، تو معلوم ہوا کہ اس حدیث میں لفظ ”الالتزام“ یعنی معانقہ کرنے والے

الفاظ کا متابعات اور شواہد میں کوئی ذکر نہیں، اس لیے میں نے جدید طبع سے یہ الفاظ حذف کر دیے۔ (صحیحہ: ۲۶۴۷)

معلوم ہوا کہ اس حدیث میں دو امور سے منع کیا گیا ہے: (۱) ملاقات کے وقت جھکنا اور (۲) بوسہ لینا

باب ''ملاقات کے وقت مصافحہ اور معانقہ کرنا اور بوسہ لینا'' میں بوسہ لینے کے جواز اور عدم جواز پر مکمل بحث موجود ہے۔ رہا مسئلہ جھکنے کا، تو بعض لوگ طبعی طور پر اور بعض مجبوری کی بنا پر ملاقات کرتے وقت دوسرے لوگوں کے سامنے جھکتے ہیں، ان کا یہ انداز خلافِ سنت ہے۔

مصافحہ کا نبوی انداز

(٢٦٥٤)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ :كَانَ إِذَا صَافَحَ رَجُلاً لَمْ يَتْرُكْ يَدَهُ، حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ التَّارِكُ لِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔ (الصحيحة:٢٤٨٥)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سے مصافحہ کرتے تو اس وقت تک اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے، جب تک وہ خود آپ ﷺ کا ہاتھ ترک نہ کرتا۔

تخريج: أخرجه والخطيب فى "الموضح":٢/ ٢٢٥ــ مصورة حلب، والترمذى: ٢/ ٨٠، وابن ماجه:٣٧١٦، وابن سعد فى "الطبقات":١/ ٣٧٨، والبغوى فى "شرح السنة": ١٣/ ٢٤٥/ ٣٦٨٠۔ المكتب الأسلامى، وأبو الشيخ فى "أخلاق النبى ﷺ": صـ ٢٥، و ابن حبان:٢١٣٢

شرح:...... اس میں رسول اللہ ﷺ کی عاجزی اور تواضع کا بیان ہے۔ عصرِ حاضر کی صورت اس سے یکسر مختلف ہے، آجکل اللہ تعالی کے لیے مصافحہ و معانقہ کرنے کا فقدان ہے، عام لوگ یا تو محبتوں کے مقابلے میں محبتوں کا اظہار کرتے ہیں، یا پھر جن کے سامنے مجبور ہوں، ان سے تکلف کے ساتھ مصافحہ لینے یا معانقہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تعارف نہ ہونے کی صورت میں یا تو سرے سے مصافحہ نہیں کیا جاتا یا پھر دوسرے کے ہاتھ کو چھونے یا انگلیوں کے اگلے پوروں کے ساتھ مصافحہ کرنے کو عافیت خیال کیا جاتا ہے۔ ایسے لوگ سیرتِ طیبہ سے کنارہ کشی کر رہے ہیں۔

غیر مسلموں کو سلام کہنا

(٢٦٥٥)۔ عَنْ أَبِى بَصْرَةَ الْغِفَارِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا مَرَرْتُمْ بِالْيَهُوْدِ فَلَا تُسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ وَإِذَا سَلَّمُوْا عَلَيْكُمْ فَقُوْلُوْا: وَعَلَيْكُمْ۔)) (الصحيحة: ٢٢٤٢)

حضرت ابوبصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم یہودیوں کے پاس سے گزرو تو انھیں سلام نہ کہو اور اگر وہ تمہیں سلام کہیں تو جواب میں صرف ''وَعَلَیْکُمْ'' (اور تم پر بھی ہو) کہو۔''

تخريج: أخرجه الفسوى فى "المعرفة":٢/ ٤٩١، ورواه احمد: ٦/ ٣٩٨ بلفظ: قال لهم يوما: ((انى راكب الى يهود، فمن انطلق معى، فان سلموا عليكم، فقولوا: وعليكم۔)) فانطلقنا، فلما جئناهم

سلموا علينا، فقلنا: وعليكم.)) هكذا رواه الطبراني في "الكبير": ٢/ ٣١١/ ٢١٦٢

(٢٦٥٦)- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا لَقِيْتُمُ الْمُشْرِكِيْنَ (وَفِي رِوَايَةٍ: أَهْلَ الْكِتَابِ) فَلَا تَبْدَؤُوْهُمْ بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فِي طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُمْ إِلٰى أَضْيَقِهَا.))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''جب تم مشرکوں (اور ایک روایت کے مطابق اہل کتاب) سے ملو تو انھیں سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور اگر کسی راستے میں ان سے ملاقات ہو جائے تو انھیں تنگ راستے کی طرف مجبور کر دو۔''

(الصحيحة:١٤١١)

تخريج: أخرجه مسلم: ٧/ ٥، وأبوداود: ٢/ ٦٤٢، وأحمد: ٢/ ٣٤٦، ٤٥٩، وابن السني في "عمل اليوم والليلة" ٣٣٧، والبخاري في "الادب المفرد: ١١١١، والترمذي: ٣/ ٣٨٨

(٢٦٥٧)- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَا تَبْدَؤُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيْتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيْقٍ، فَاضْطَرُّوْهُمْ إِلٰى أَضْيَقِهِ.))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو، اگر راستے میں کسی (یہودی یا عیسائی) سے ٹکراؤ ہو جائے تو اسے تنگ راستے کی طرف مجبور کر دو۔''

(الصحيحة:٧٠٤)

تخريج: أخرجه مسلم، والبخاري في "الأدب المفرد"، وأحمد وغيرهم، وهو مخرج في "ارواء الغليل": ١٢٧١

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیثِ مبارکہ پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے کہا: اس مقام پر یہ حدیث لکھنے کی غرض و غایت یہ ہے کہ ہم اہل حدیث بھائیوں کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے یہ سوال کیا کہ غیر مسلم کو سلام کہنے میں پہل کرنا کیسا ہے؟

میں نے اِس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے نفی میں جواب دیا، لیکن ایک بھائی نے کہا: اس حدیث کا تعلق اس وقت سے ہے جب آدمی راستے میں چل رہا ہو۔ جب وہ اس کے گھر یا دوکان میں آئے تو اس کو سلام کہا جا سکتا ہے، اس کے بعد تو اس موضوع پر مناقشہ طول پکڑتا گیا، ہر ایک نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ میں اس نقطے پر ڈٹا رہا کہ حدیث کے الفاظ "لاتبدؤوا" (پہل نہ کرو) مطلق ہیں، راستے کے ساتھ مقید نہیں ہیں اور حدیث کا دوسرا جملہ "وَإِذَا لَقِيْتُمْ أَحَدَهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ" (جب تم ان کو راستے میں ملو) "لَا تَبْدَؤُوْا" کو مقید نہیں کر سکتا۔ نیز میں نے اس جملے سے مزید سہارا لیتے ہوئے کہا کہ غیر مسلموں کو تنگ راستے کی طرف مجبور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کفر کی وجہ سے اُن کا احترام نہ کریں، لہٰذا مناسب ہوگا کہ سلام میں پہل نہ کی جائے، تاکہ ان کی تعظیم لازم نہ آئے، یہ مفہوم بھی "لَا تَبْدَؤُوْا" کے

عام ہونے کا تقاضا کرتا ہے، اس مجلس میں ہونے والی بحث کا خلاصہ یہ تھا، پھر کئی روایات میرے مطالعہ میں آئیں، جن سے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کو تقویت ملی۔

پھر امام البانی رحمہ اللہ نے مختلف شواہد و متابعات ذکر کئے، ہم صرف اہم اہم کا ذکر کریں گے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ روم ہرقل کو خط لکھا تو سلام سے ابتدا نہیں کی تھی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط کا آغاز یوں کیا تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ اِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ...... (بخاری، مسلم)

اگر نہی کا تعلق راستے سے ہی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''سلام علیک'' لکھتے، نہ کہ "السلام علی من اتبع الهدی"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی لڑکے کی تیمارداری کے لیے گئے اور اسے سلام نہیں کہا، بلکہ فرمایا: ((اَسْلِمْ ......)) ......مسلمان ہو جا......۔ (بخاری)

اگر سلام سے منع والی حدیث کا تعلق راستے سے ہوتا تو یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہودی لڑکے کو سلام کہتے، کیونکہ وہ راستے میں تو نہیں تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے چچا ابو طالب کی مرض الموت کے دوران اس کے پاس تشریف لائے تو اسے سلام نہیں کہا، بلکہ فرمایا: ((يَا عَمِّ! قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ......)) (اے چچا جان! لا الہ الا اللہ کہو)۔ (بخاری، مسلم)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کو علی الاطلاق سلام نہیں کہا جا سکتا، وہ راستے میں ہوں یا گھر وغیرہ میں۔

سوال:...... غیر مسلم کو سلام تو نہیں کہا جا سکتا، مگر کیا اس طرح کی بات شروع کی جا سکتی ہے: صبح کیسی ہوئی؟ شام کیسی ہوئی؟ کیا حال ہے؟ وغیرہ وغیرہ

جواب:...... مجھے تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے کرنا جائز ہے، کیونکہ مذکورہ بالا احادیث میں سلام میں پہل کرنے سے منع کیا گیا اور جب مطلق طور پر سلام کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد اسلام کا شعار ''السلام علیکم'' ہی ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے نام پر مشتمل ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلسَّلَامُ اِسْمٌ مِنْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ وَضَعَهُ فِي الْاَرْضِ، فَاَفْشُوْا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ)) یعنی: ''اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ''سلام'' بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں نازل کر دیا، لہٰذا تم آپس میں سلام کو عام کر دو۔'' (اخرجه البخاری فی الادب المفرد ٩٨٩ وتقدم برقم: ١٨٤)

میرے اس قول کی تائید علقمہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے:

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دہاقین کو اشارے سے سلام کیا۔ (بخاری)

امام بخاری نے اس موقوف حدیث پر یہ باب قائم کیا: مَنْ سَلَّمَ عَلَى الذِّمِّيْ اِشَارَةً (ذمیوں کو اشارہ کے ساتھ سلام کرنا)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اشارے کے ساتھ سلام کرنے کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ سلام کا یہ انداز مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، یہی حکم مذکورہ بالا الفاظ کا ہے۔

فقہ حنبلی کی بعض کتب میں ہے کہ پہل کرتے ہوئے کافر کو یہ الفاظ کہنا بھی منع ہیں: صبح کیسے ہوئی؟ شام کیسے ہوئی؟ آپ کیسے ہیں؟ کیا حال ہے؟

لیکن میرے علم میں ایسی کوئی حدیث نہیں، جو اس مسلک پر دلالت کرے، البتہ ''منار السبیل'' میں اتنا کہا گیا ہے کہ سلام پر قیاس کرتے ہوئے ان الفاظ سے بھی منع کیا گیا ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: یہ تو قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ سلام جن فضائل پر مشتمل ہے، یقیناً وہ ان الفاظ میں نہیں پائے جاتے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو سلام کہنے میں پہل نہیں کی جا سکتی، البتہ ملاقات کے وقت کوئی دوسرا لفظ کہا جا سکتا ہے۔

غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کرنا منع ہے

(٢٦٥٨)۔ عَنْ أُمَيْمَةَ بِنْتِ رَقِيْقَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِي نِسْوَةٍ نُبَايِعُهُ عَلَى الإِسْلَامِ، فَقُلْنَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! نُبَايِعُكَ عَلٰى أَن لَّانُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئاً، وَلَا نَسْرِقَ، وَلَانَزْنِيَ، وَلَا نَقْتُلَ أَوْلَادَنَا، وَلَا نَأْتِيَ بِبُهْتَانٍ نَفْتَرِيْهِ بَيْنَ أَيْدِيْنَا وَأَرْجُلِنَا، وَلَا نَعْصِيْكَ فِي مَعْرُوْفٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((فِيْمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ۔)) قَالَتْ: فَقُلْنَ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَرْحَمُ بِنَا مِنْ أَنْفُسِنَا، هَلُمَّ نُبَايِعْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ، إِنَّمَا قَوْلِي لِمِئَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ۔)) (الصحيحة: ٥٢٩)

حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں چند عورتوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کی بیعت کرنے کے لیے آئی۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم اس بات پر آپ کی بیعت کرتی ہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، بہتان نہیں گھڑیں گی اور نیکی کے معاملے میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(ٹھیک ہے) لیکن طاقت وقدرت کے مطابق۔'' ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول تو ہم پر ہمارے نفسوں کی بہ نسبت بھی زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔ اے اللہ کے رسول! اب آؤ (اور ہاتھ بڑھاؤ) تاکہ ہم بیعت کر سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، میرا تو سو عورتوں سے قول واقرار، ایک عورت سے قول واقرار کی طرح ہے۔''

تخريج: أخرجه مالك: ٢/ ٩٨٢/ ٢، وعنه النسائي في "عشرة النساء": من "السنن الكبرى": له: ٢/ ٩٣/ ٢

و في "المجتبى": ٢/ ١٨٤، والترمذي: ١/ ٣٠٢، وابن ماجه: ٢٨٧٤، وكذا ابن حبان: ١٤، وأحمد: ٦/ ٣٥٧

شرح:......امام البانی رحمہ اللہ مذکورہ مقام میں لکھتے ہیں:..........خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیعت لیتے وقت یا ملاقات کرتے وقت کسی عورت سے مصافحہ نہیں کیا، کسی صحیح حدیث سے یہ مصافحہ ثابت نہیں ہے۔ جن لوگوں نے واضح اور صریح احادیث کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے مصافحہ کرنے کی گنجائش جس انداز میں نکالی، وہ کسی مومن کو زیب نہیں دیتا، حالانکہ ام عطیہ کی حدیث میں مصافحہ کرنے کا ذکر ہی نہیں ہے۔ دوسری طرف غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنے پر شدید وعید بھی موجود ہے۔

جیسا کہ سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَأَنْ يُطْعَنَ فِي رَأْسِ رَجُلٍ بِمِخْيَطٍ مِنْ حَدِيْدٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمَسَّ امْرَأَةً لَا تَحِلُّ لَهُ۔)) (صحيحه: ٢٢٦، وقال الالباني: رواه الروياني في مسنده ٢٢٧/ ٢)...... ''کسی مرد کے سر میں لوہے کی سوئی کا ٹھونس دیا جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ ایسی عورت کو چھوئے، جو اس کے لیے حلال نہ ہو (یعنی غیر محرم ہو)۔''

امام البانی رحمہ اللہ نے اس مقام پر لکھا: اس حدیث میں غیر محرم عورت کو چھونے والے آدمی کے لیے سخت وعید ہے۔ یہ حدیث عورتوں سے مصافحہ کرنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ مصافحہ میں بھی مس کرنا یعنی چھونا پڑتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس زمانہ میں بعض علماء سمیت اکثر مسلمان، عورتوں سے مصافحہ کرنے کی آزمائش میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ لوگ ایسا کرنے کو دل سے ہی برا جانتے ہوتے تو جرم کی سنگینی میں کمی آ جاتی، لیکن صورتحال یہ ہے کہ وہ تو مختلف حیلوں اور تاویلوں کے ذریعے ملاقات کے اس انداز کو جائز قرار دینے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ مصر کے شہر ازہر میں اسلام کی ایک عظیم شخصیت کو عورتوں سے مصافحہ کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ بس ہم تو بارگاہِ ربانی میں اسلام کی اجنبیت کا شکوہ ہی کر سکتے ہیں۔

قارئین کرام! چچا زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد بہن بھائی غیر محرم رشتہ دار ہیں، لیکن اس کے باوجود بعض برادریوں اور خاندانوں میں غیر محرم لڑکوں اور لڑکیوں کی ملاقات کا انداز ناگفتہ بہ ہے، اگر لڑکیاں کچھ بڑی ہوں تو وہ رشتہ دار لڑکوں کے بوسے لے کر ملاقات کرتی ہیں، بلکہ بے غیرتی کی انتہا تو یہ ہے کہ بعض جدت پرستوں کے ہاں تو خواتین و حضرات کا معانقہ بھی مروّج ہو چکا ہے۔ (اللہ کی پناہ) ذہن نشین کر لیں اسلام نے غیر محرم مردوں اور عورتوں کو زبانی کلامی سلام و دعا کرنے کی تعلیم دی ہے۔ آجکل بعض لوگ کہتے ہیں کہ دل میں تقوی اور پرہیز گاری ہونی چاہئے، بظاہر پردے کی کوئی ضرورت نہیں اور ملاقات کرتے وقت کندھوں یا سروں پر ہاتھ پھیرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ایسے بد باطن لوگوں کو نبیٔ مہربان ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ آپ ﷺ تقوی و طہارت کی رفعتوں پر جلوہ افروز ہونے کے باوجود بھی بیعت کرتے وقت عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتے تھے۔

آنکھ اور ہاتھ کا زنا

(٢٦٥٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((كُلُّ ابْنِ آدَمَ أَصَابَ مِنَ الزِّنَا لَا مَحَالَةَ، فَالْعَيْنُ زِنَاهَا النَّظَرُ، وَالْيَدُ زِنَاهَا اللَّمْسُ، وَالنَّفْسُ تَهْوٰى وَتُحَدِّثُ وَيُصَدِّقُ ذٰلِكَ أَوْيُكَذِّبُهُ الْفَرْجُ۔)) (الصحيحة: ٢٨٠٤)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدم کے ہر بیٹے نے لامحالہ زنا کے کچھ حصے کا ارتکاب کرنا ہے، پس آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، ہاتھ کا زنا چھونا ہے، دل للچاتا ہے اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب۔“

تخريج: أخرجه الامام أحمد: ٢/ ٣٤٩، وجاء الحديث عن ابى هريرة بالفاظ مختلفة من طرق عدة، بعضها فى "الصحيحين" وقد خرجتها فى "الارواء": ١٧٨٧

شرح:...... یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ غیر محرم مرد وزن کا آپس میں مصافحہ کرنا یا ایک دوسرے کے سر پر یا کندھے پر ہاتھ پھیرنا یا ملاقات کے وقت بوس وکنار کرنا حرام ہے۔

رہا مسئلہ نظر کا تو بے پردگی کی وجہ سے یہ جرم اتنا عام ہو چکا ہے کہ بحیثیتِ گناہ اس کی معرفت ہی ختم ہو چکی ہے، اللہ تعالی محفوظ رکھے۔

مسلمانوں کی باہمی محبت اور رحمدلی

(٢٦٦٠)۔ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ مَرْفُوْعاً: ((مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى۔)) (الصحيحة:١٠٨٣)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے میں، ایک دوسرے کے ساتھ رحم کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و نرمی کرنے میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے۔ کہ جب (جسم) کا کوئی ایک عضو درد کرتا ہے تو سارا جسم اس کی وجہ سے بیداری اور بخار میں مبتلا رہتا ہے۔“

تخريج: أخرجه مسلم: ٨/ ٢٠، وأحمد: ٤/ ٧٠، والطيالسي: رقم ٧٩٠، واخرجه البخارى: ١٠/ ٣٦٠ بلفظ: ((ترى المؤمنين......۔))

شرح:...... اس میں مسلمانوں کی حرمتوں کی تعظیم، ان کے مال ومتاع اور روح وجان کی حفاظت، ان کے تمام حقوق کی ادائیگی اور ان پر شفقت ورحمت کرنے کا بیان ہے۔

اگر آنکھ دکھتی ہے تو سارا جسم بے آرامی کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کا آنکھ کے ساتھ شدید تعلق ہوتا ہے۔ یہی مثال دو، دوسو، دو ہزار اور دو لاکھ مومنوں کی ہے کہ ایک کی تکلیف پر سب کراہنے لگتے ہیں۔

مسلمان کو اذیت پہنچانا باعثِ لعنت ہے

(٢٦٦١)۔ قَالَ ﷺ: ((مَنْ آذَى الْمُسْلِمِيْنَ فِي طُرُقِهِمْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ لَعْنَتُهُمْ۔)) يُرْوٰى مِنْ حَدِيْثِ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ وَعَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أُسَيْدٍ، وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ۔ (الصحيحة:٢٢٩٤)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے مسلمانوں کو راستے کے معاملے میں تکلیف دی، تو اس پر ان کی لعنت ثابت ہو جائے گی۔“ یہ حدیث حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت حذیفہ بن اسید اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

تخريج: رواه أبو بكر الشافعي في "مسند موسى بن جعفر بن محمد الهاشمي": ٧١/ ٢، والطبراني في "الكبير"

شرح:...... اس میں بھی مسلمان کی حرمت کا بیان ہے۔ ہر صاحب کو چاہئے کہ وہ اپنی زبان، دل و دماغ، قول و کردار اور صلاحیت و قابلیت کی نقل و حرکت کو پرکھے، آیا اس کی وجہ سے کوئی مسلمان کسی تکلیف میں مبتلا تو نہیں ہے۔

مسلمان کی ساکھ برقرار رکھنا عظیم عمل ہے

(٢٦٦٢)۔ عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ أَكَلَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ أَكْلَةً، فَإِنَّ اللّٰهَ يُطْعِمُهُ مِثْلَهَا مِنْ جَهَنَّمَ، وَمَنِ اكْتَسٰى بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ ثَوْباً فَإِنَّ اللّٰهَ يَكْسُوْهُ مِثْلَهُ فِي جَهَنَّمَ وَمَنْ قَامَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ مَقَامَ سُمْعَةٍ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُوْمُ بِهِ مَقَامَ سُمْعَةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة: ٩٣٤)

حضرت مستورد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کسی مسلمان کا ایک لقمہ ناحق کھایا تو اللہ تعالی اسے اس کے بقدر جہنم کا کھانا کھلائیں گے، جس نے کسی مسلمان کا کپڑا ناحق پہنا تو اللہ تعالی اسے اس کے بقدر جہنم کا کپڑا پہنائیں گے اور جس نے اپنے مسلمان بھائی کی ساکھ برقرار رکھی، (اس کے عوض) اللہ تعالی روزِ قیامت اس کی ساکھ برقرار رکھے گا۔“

تخريج: رواه الحاكم: ٤/ ١٢٧، ١٢٨، وأحمد: ٢٢٩، والطبراني في "الأوسط": ٢٨٠٣ بترقيمي، والدينوري في "المنتقى من المجالسة": ١٦٢/ ١، والبخاري في "الادب المفرد": ٢٤٠، وابوداود: ٤٨٨١

شرح:...... حدیثِ مبارکہ کے پہلے دو جملوں میں مسلمان کے مال اور آخری جملے میں اس کی عزت کی حرمت کو بیان کیا گیا ہے۔ مال کی حرمت کا اندازہ لگائیں کہ کسی مسلمان کی اجازت کے بغیر اس کا ایک لقمہ ناجائز طریقے سے کھانے پر جہنم کا کھانا کھلانے کی دھمکی دی جا رہی ہے۔

رہی بات مسلمان کی عزت کی، تو اللہ تعالی ہی بہتر جانتے ہیں کہ کیا وجہ ہے آجکل دوسرے مسلمانوں کی عیب جوئی کرنے میں ہر کوئی پیش پیش نظر آتا ہے، کوئی بھی اپنے مسلمان بھائی کا مثبت پہلو دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہے، ہر کوئی اس

میں پائے جانے والے معائب و نقائص پر کڑی نظر رکھتا ہے، حالانکہ ہر بندے کے گناہوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، ممکن ہے کہ ہم جس شخص پر اس کے عیوب کی وجہ سے انقد کرتے ہوں، اللہ تعالیٰ نے سرے سے اس کو معاف کر دیا ہو۔

اصل وجہ یہ ہے کہ عصر حاضر کا مسلمان عملی میدان میں پیچھے رہ گیا ہے، اب وہ اپنے آپ کو تسلی دینے اور اپنے آپ کو برتر ثابت کرنے کے لیے دوسرے مسلمانوں کے عیوب کا ذکر کرتا ہے۔

قارئین کرام! میں نے ایک آدمی کو آزمایا، اس کو بہترین نمازی، قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ منسلک، سنن رسول کی پابندی کرنے والا، معاشرے کے فضول رسم و رواج سے دور رہنے والا، اولاد کی فکر کرنے والا، وعظ و نصیحت کرنے والا اور کئی خوبیوں سے متصف پایا۔ لیکن اس نے ایک بندے سے قرضہ لیا اور حالات کے مندہ پڑ جانے کی وجہ سے وقت پر ادائیگی نہ کر سکا۔ اب وہ بندۂ خدا اس ایک خامی کی وجہ سے قرض خواہ کے نزدیک اپنی تمام نیکیوں کو خاک میں ملا چکا ہے، اس پر مستزاد یہ کہ مقروض اُس کی بشری خامیوں کو نشر کرنے میں مصروف ہو گیا۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ صرف اپنے آپ کو نام نہاد عظیم مسلمان ثابت کرنے کے لیے۔ ہمیں چاہئے کہ ضرورت کے وقت بھی دوسرے کے عیوب پر پردہ ڈالیں اور اپنے بھائیوں کے محاسن بیان کریں، اگر ایسے کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری لغزشوں پر روزِ محشر پردہ ڈالے گا۔

مسلمان کی بے عزتی کرنا سنگین جرم ہے
مسلمان کی عزت کعبۃ اللہ سے زیادہ ہے

(٢٦٦٣)۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ مَرْفُوْعاً: ((أَرْبَى الرِّبَا شَتْمُ الْأَعْرَاضِ۔)) (الصحيحة:١٤٣٣)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سب سے بڑی زیادتی یہ ہے کہ کسی (مسلمان) کی آبروریزی کی جائے۔“

تخريج: رواه الهيثم بن كليب في "المسند" ٣٠/ ٢

شرح:...... اللہ تعالیٰ نے مسلمان کی جان، عزت اور مال و دولت کو حرمت والا قرار دیا ہے، کسی مسلمان کو ظاہری و باطنی کسی بھی قسم کی اذیت نہ پہنچانے کو اسلام کہا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر حرم مکی میں کھڑے ہو کر دس ذوالحجہ کو یہ اعلان کیا تھا، جبکہ مقام بھی حرمت والا تھا، مہینہ بھی حرمت والا تھا اور دن بھی حرمت والا تھا: ((فَـإِنَّ دِمَـاءَ كُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا۔)) (بخاری، مسلم) ...... ”بے شک (تمہارے درمیان آپس میں) تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس شہر اس مہینے اور اس دن کی حرمت ہے۔“

قارئین کرام! اگر آپ مزید غور کریں تو درج ذیل حدیث کسی مسلم و مومن کا مقام و مرتبہ سمجھانے میں کافی حد تک ممد و معاون ہو سکتی ہے، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: ((مَا اَعْـظَمَ حُرْمَتُكَ!)) وَفِي الطَّرِيْقِ الْاُخْرٰى: لَمَّا نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَى الْكَعْبَةِ، قَالَ: ((مَرْحَبًا بِكَ

مِنْ بَيْتٍ، مَا أَعْظَمَكَ، وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكَ! وَلَلْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللّٰهِ مِنْكَ، إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنْكَ وَاحِدَةً، وَحَرَّمَ مِنَ الْمُؤْمِنِ ثَلَاثًا: دَمَهُ، وَمَالَهُ، وَأَنْ يُظَنَّ بِهِ ظَنَّ السَّوْءِ۔)) (صحیحہ: ۳۴۲۰) ...... ''(اے کعبہ!) تو کتنی عظیم حرمتوں والا ہے۔'' دوسری روایت میں ہے: جب رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف دیکھا تو فرمایا: ''اے خانۂ خدا! تجھے مرحبا ہو، تو کتنا عظیم ہے، تیری حرمت کتنی عظیم ہے، لیکن اللہ تعالی کے ہاں ایک مومن کی حرمت تجھ سے زیادہ ہے، بیشک اللہ تعالی نے تیری ایک چیز کو اور مومن کی تین چیزوں یعنی خون، مال اور سوئے ظن کو حرام قرار دیا ہے۔''

لیکن ہائے افسوس! ہمارے معاشرے میں احترام و اکرام، مودّت و محبت اور دوستی و یاری کا معیار کسی کا ایمان و ایقان اور اسلام و استسلام نہیں رہا، بلکہ ہم یا تو اپنے بڑوں کی یاریوں کو برقرار رکھیں گے یا پھر کسی کے مال و منال اور جاہ و منصب کو کسوٹی بنائیں گے۔ فقر و فاقہ اور تنگ دستی و بدحالی میں مبتلا لوگوں سے ملاقات کرتے وقت تو ہمارے چہروں پر مسکراہٹ کا اظہار نہیں ہو سکتا، لیکن جب کوئی دنیادار اور جاگیردار ہمارے گھر کا رخ کرے گا تو اس کو استقبال کرنے کے لیے پرتکلف انداز اختیار کیا جائے گا اور حیثیت سے بڑھ کر اس کی ضیافت کی جائے گی۔ بہرحال ایسا کرنا کسی انسان کا بحیثیتِ انسان کوئی کمال نہیں۔

غیر مسلموں کے سلام یا بددعاؤں کا جواب کیسے دیا جائے؟

(۲۶۶۴)۔ عَنْ أَبِي بَصْرَةَ الْغِفَارِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا مَرَرْتُمْ بِالْيَهُوْدِ فَلَا تُسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ وَإِذَا سَلَّمُوْا عَلَيْكُمْ فَقُوْلُوْا: وَعَلَيْكُمْ۔)) (الصحیحۃ: ۲۲۴۲)

حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم یہودیوں کے پاس سے گزرو تو انھیں سلام نہ کہو اور اگر وہ تمہیں سلام کہیں تو جواب میں صرف ''وَعَلَیْکُمْ'' (اور تم پر بھی ہو) کہو۔''

تخریج: أخرجه الفسوی فی "المعرفة": ۲/ ۴۹۱، ورواه احمد: ۶/ ۳۹۸ بلفظ: قال لهم یوما: ((انی راکب الی یهود، فمن انطلق معی، فان سلموا علیکم، فقولوا: وعلیکم۔)) فانطلقنا، فلما جئناهم سلموا علینا، فقلنا: وعلیکم۔)) هکذا رواه الطبرانی فی "الکبیر": ۲/ ۳۱۱/ ۲۱۶۲

(۲۶۶۵)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ نَاسٌ يَأْتُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْيَهُوْدِ، فَيَقُوْلُوْنَ: اَلسَّامُ عَلَيْكَ۔ فَيَقُوْلُ: ((وَعَلَيْكُمْ۔)) فَفَطِنَتْ بِهِمْ عَائِشَةُ فَسَبَّتْهُمْ، (وَفِي رِوَايَةٍ: قَالَتْ عَائِشَةُ: بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَالذَّامُ) فَقَالَ رَسُوْلُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: یہودی لوگ آپ ﷺ کے پاس آکر (السلام علیکم کی بجائے) اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ (تم پر ہلاکت اور موت واقع ہو) کہتے تھے۔ آپ ﷺ جواباً فرماتے: ''وَعَلَيْكُمْ (اور تم پر بھی ہو)۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی یہ بات سمجھ گئیں اور انھیں برا بھلا کہا (اور ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا: بلکہ تم پر ہلاکت اور مذمت

اللّٰهِ ﷺ: ((مَهْ يَا عَائِشَةُ! لَا تَكُوْنِي فَاحِشَةً فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا التَّفَحُّشَ۔)) قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ: ((أَلَيْسَ قَدْ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ؟)) فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَإِذَا جَاءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ﴾ إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ۔ (الصحيحة: ٢٧٢١)

ہو)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عائشہ! رہنے دو، ناپسندیدہ باتیں نہ کیا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بدگوئی اور بدزبانی کو ناپسند کرتا ہے۔'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ تو آپ کو یوں کہہ رہے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں نے ان کو (اچھے انداز میں) جواب دے نہیں دیا۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: ﴿اور جب وہ تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ان لفظوں میں سلام کہتے ہیں جن لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا﴾...... آیت کے آخر تک (سورۂ مجادلہ: ۸)

تخريج: أخرجه ابن راهويه في "مسنده": ٤/ ١٦٨/ ١، وأخرجه مسلم: ٧/ ٥ من طريق ابن راهويه، وأحمد: ٦/ ٢٢٩، ورواه ابن ماجه: ٢/ ٣٩٧ مختصرا، والنسائي في "السنن الكبرى": ٦/ ٤٨٢/ ١١٥٧١

(٢٦٦٦)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ دَخَلَ يَهُوْدِيٌّ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: السَّامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ! فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((وَعَلَيْكَ)) فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَهَمَمْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ، فَعَلِمْتُ كَرَاهِيَةَ النَّبِيِّ ﷺ لِذٰلِكَ، فَسَكَتُّ، ثُمَّ دَخَلَ آخَرُ فَقَالَ: السَّامُ عَلَيْكَ، فَقَالَ: ((عَلَيْكَ)) فَهَمَمْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ، فَعَلِمْتُ كَرَاهِيَةَ النَّبِيِّ ﷺ لِذٰلِكَ، ثُمَّ دَخَلَ الثَّالِثُ فَقَالَ: السَّامُ عَلَيْكَ: فَلَمْ أَصْبِرْ حَتّٰى قُلْتُ: وَعَلَيْكَ السَّامُ وَغَضَبُ اللّٰهِ وَلَعْنَتُهُ إِخْوَانَ الْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ! أَتُحَيُّوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ بِمَا لَمْ يُحَيِّهِ اللّٰهُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا التَّفَحُّشَ، قَالُوْا قَوْلًا فَرَدَدْنَا عَلَيْهِمْ، إِنَّ الْيَهُوْدَ قَوْمٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک یہودی، رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور (السلام علیکم کی بجائے) کہا: اے محمد! اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ (یعنی آپ پر موت اور ہلاکت ہو)۔ آپ ﷺ نے یوں جواب دیا: ''وَعَلَيْكَ (اور تجھ پر بھی ہو)۔'' حضرت عائشہ کہتی ہیں: میں نے بات تو کرنا چاہی لیکن مجھے معلوم تھا کہ آپ ﷺ ناپسند کریں گے، اس لیے میں خاموش رہی۔ دوسرا یہودی آیا اور کہا: اَلسَّامُ عَلَيْكُم (آپ پر موت اور ہلاکت پڑے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وَعَلَيْكَ (اور تجھ پر بھی ہو)۔'' اب کی بار بھی میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن آپ ﷺ کے ناپسند کرنے کی وجہ سے (خاموش رہی)۔ پھر تیسرا یہودی آیا اور کہا: اَلسَّامُ عَلَيْكُم۔ مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں یوں بول اٹھی: بندرو اور خنزیرو! تم پر ہلاکت ہو، اللہ کا غضب ہو اور اس کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جس انداز میں رسول اللہ ﷺ کو سلام نہیں کہا، کیا تم وہ انداز اختیار کرنا چاہتے ہو؟ رسول

حُسُدٌ، وَإِنَّهُمْ لَا يَحْسُدُوْنَنَا عَلَى شَيْءٍ كَمَا يَحْسُدُوْنَنَا عَلَى السَّلَامِ، وَعَلَى آمِين۔)) (الصحيحة:٦٩١)

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی بدزبانی اور فحش گوئی کو پسند نہیں کرتا، ان (یہودیوں) نے ''اَلسَّامُ عَلَيْكَ'' کہا اور ہم نے بھی (بدگوئی سے بچتے ہوئے صرف ''وَعَلَيْكَ، کہہ کر) جواب دے دیا۔ دراصل یہودی حاسد قوم ہے اور (ہماری کسی) خصلت پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا کہ سلام اور آمین پر کرتے ہیں۔''

تخریج: أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه": ١/ ٧٣/ ٢، وأخرجه ابن ماجه: ١/ ٢٨١ مقتصرا على الجملة الاخيرة

شرح:...... ان احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جب اہل کتاب ''السلام علیکم'' کہیں یا اس لفظ کو تبدیل کر کے کوئی بددعا کریں تو ان کے جواب میں ''وعلیکم'' (اور تم پر بھی ہو) کہہ دیا جائے۔ جمہور کا یہی مسلک ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اسی کی تائید کرتے ہوئے درج ذیل روایت نقل کی:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اَمَرَنَا اَنْ لَا نَزِيْدَ عَلَى اَهْلِ الْكِتَابِ وَعَلَيْكُمْ۔'' (مسند احمد ٣/ ١١٣، قال ابن حجر: سنده جيد) ......ہمیں حکم دیا گیا کہ اہل کتاب (کے سلام کا جواب دیتے وقت) ''وعلیکم'' کے علاوہ کچھ نہ کہیں۔ (فتح الباری)

جبکہ امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: جن احادیث میں اہل کتاب کے سلام کا جواب دینے کے لیے صرف ''وعلیکم'' کہنے کی تعلیم دی گئی ہے، وہ اس صورت پر محمول ہیں کہ جب ان کے سلام کے الفاظ صریح نہ ہوں (کہ وہ ''السلام'' کہہ رہے ہیں یا ''السام'')۔ وگرنہ جب یقین ہو کہ انھوں نے ''السلام علیکم'' ہی کہا ہے تو ان کے جواب میں بھی ''وعلیکم السلام'' کہا جائے گا، کیونکہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا﴾ (سورۂ نساء: ٨٦)...... ''اور جب تمہیں سلام کہا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو۔''

اس آیت کریمہ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب کوئی سلام کہے تو بہتر الفاظ میں اس کو جواب دیا جائے یا پھر کم از کم اس کے کہے ہوئے الفاظ دوہرا دیے جائیں۔

نیز درج ذیل حدیثِ رسول ﷺ پر غور کریں: ((إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُوْدُ، فَإِنَّمَا يَقُوْلُ أَحَدُهُمْ: اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ، فَقُلْ: وَعَلَيْكَ)) (بخاری، مسلم)...... جب کوئی یہودی تم کو سلام کہے تو جواب میں صرف ''وعلیك'' کہا کرو، کیونکہ وہ ''السام علیکم'' (تم پر ہلاکت اور موت واقع ہو) کہتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف ''وعلیکم'' اس وقت کہا جائے گا جب وہ ''السلام علیکم'' کے بجائے ''السام علیکم'' کہیں۔ (صحیحہ: ٢٢٤٢)

حقیقت یہ ہے کہ جب اہل کتاب واضح طور پر "السلام علیکم" (تم پر سلامتی ہو) کہیں، اور ان کے جواب میں "وعلیکم" (اور تم پر بھی ہو) کہا جائے یا "وعلیکم السلام" (اور تم پر بھی سلامتی ہو) کہا جائے، دونوں کا مفہوم تو ایک ہی ہوگا۔ بہر حال اس باب کی پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جواب میں "وعلیکم" ہی کہا جائے۔

قارئین کرام! محمد رسول اللہ ﷺ کی معصومیت اور حکمت کا اندازہ لگائیں کہ یہودی لوگ آپ ﷺ کے لیے سلامت و سلامتی اور رحمت و برکت کی بجائے موت و ہلاکت کی بددعائیں کر رہے ہیں، لیکن آپ ﷺ ان کی بدخلقی اور خبثِ باطنی کا جواب دینے میں اپنی زبانِ مبارک کو نازیبا الفاظ سے کیسے پاک رکھتے ہیں۔ ایسی دانا ہستیوں کو یہی زیب دیتا ہے کہ "لاٹھی بھی بچ جائے اور سانپ بھی مر جائے"۔ آج ہمیں اپنے مخالفین کی بددعا، گالی گلوچ اور سب و شتم کا جواب کیسے دینا چاہئے؟

مزید سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے آخری جملے پر بحث کرتے ہوئے امام البانی رحمہ اللہ نے لکھا: ان دو احادیث میں یہ اشارہ موجود ہے کہ سلام کی طرح امام کے پیچھے مقتدیوں کو بلند آواز سے آمین کہنا چاہئے، کیونکہ جہر سے ہی یہودیوں کے غصے اور حسد کو ہوا ملے گی۔ یہ بڑی واضح بات ہے، مزید آپ خود غور و فکر کریں۔ (صحیحہ: ٦٩٢)

مجلس کے آداب

(٢٦٦٧)۔ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ شَيْبَةَ عَنْ أَبِيْهِ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا انْتَهٰى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَجْلِسِ فَإِنْ وُسِّعَ لَهُ فَلْيَجْلِسْ وَإِلَّا فَلْيَنْظُرْ أَوْسَعَ مَكَانٍ يَرَاهُ فَلْيَجْلِسْ فِيْهِ۔)) (الصحيحة: ١٣٢١)

مصعب بن شیبہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کوئی آدمی مجلس میں پہنچے اور اس کے لیے وسعت پیدا کر دی جائے تو وہ بیٹھ جائے، بصورتِ دیگر دیکھے کہ کون سی جگہ زیادہ وسیع ہے، وہاں جا کر بیٹھ جائے۔"

تخريج: رواه السلفي في "الطيوريات" ٦٥/ ١، وابن عساكر: ٨/ ٧٧/ ٢، والطبراني والبيهقي في "الشعب"

شرح:...... اس باب کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ کوئی کسی کو اس کی مجلس سے اٹھائے اور نہ کوئی کسی کے لیے اٹھے۔ لہٰذا مجلس میں آنے والے لوگوں کو مخصوص "پروٹوکول" کا منتظر نہیں ہونا چاہیے، بلکہ جہاں ان کو جگہ ملے، وہیں بیٹھ جانا چاہیے۔

(٢٦٦٨)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ۔)) (الصحيحة: ٣٩٧٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص کسی مجلس سے اٹھے اور پھر واپس آ جائے تو وہی اس جگہ کا زیادہ حقدار ہو گا۔"

تخریج: أخرجه مسلم: ٧/ ١٠ ، والبخاري في "الأدب المفرد": ١١٣٢ ، و أبوداود: ٤٨٥٣ ، وابن ماجه: ٣٧١٧ ، وابن خزيمة: ١٨٢١ ، وابن حبان : ٥٧٨ ، وأحمد: ٢/ ٢٦٣ ، ٢٨٣ ، ٣٤٢ ، ٣٨٩ ، ٤٤٦ ، ٤٤٧ ، ٤٨٣ ، ٥٢٧ ، ٥٣٧

شرح:...... شریعت نے کسی مجلس میں پہلے آنے والوں کا اتنا خیال رکھا ہے کہ اگر وہ بعض وجوہات کی بنا پر عارضی طور پر وہاں سے اٹھ بھی جاتے ہیں، تب بھی کسی کو ان کے مقام پر قبضہ جمانے کی اجازت نہیں۔

(٢٦٦٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ جَمِيْعاً فَلَا يَتَنَاجَ اثْنَانِ دُوْنَ الثَّالِثِ۔))

(الصحيحة:١٤٠٢)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تین آدمی اکٹھے ہوں، تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کریں۔“

تخريج: أخرجه بهذا اللفظ أحمد: ٢/ ٣٥١ وقد جاء هذ الحديث من طرق عن جمع آخر من الصحابة منهم عبد الله بن عمر ، عبد الله بن مسعود۔

١ ـ أما حديث ابن عمر ، فله عنه طرق؛

الأولى: عن نافع عنه به: فأخرجه مالك: ٣/ ١٥١ ـ ١٥٢ ، وعنه البخاري: ١١/ ٦٨ ، و كذا في "الأدب المفرد" ١١٦٨ ، ومسلم: ٧/ ١٢ ، وأحمد: ٢/ ٧١ ، ٣٢ ، ١٢١ ، ١٢٣ ، ١٢٦ ، ١٤١ ، ١٤٦

الثانية: عن عبدالله بن دينار عنه مرفوعا: فأخرجه مالك: ٣/ ١٥١ واللفظ له ، وابن ماجه: ٢/ ٤١٥ ، وأحمد: ٢/ ٩ ، ٦٠ ، ٦٢ ، ٧٣ ، ٧٩

الثالثة: عن أبي صالح ـ ذكوان ـ عنه مثله: فأخرجه البخاري في "الأدب المفرد" ١١٧٠ ، وأبوداود: ٢/ ٥٦٢ ، وأبويعلي في "مسنده" ٣/ ١٣٥١ ، وأحمد: ٢/ ١٨ ، ٤٢ ، ١٤١

الرابعة: عن يحي بن حبان عنه: فأخرجه أحمد: ٢/ ٣٢

الخامسة: عن سعيد المقبري عنه مرفوعا بمعناه: فأخرجه أخرجه: ٢/ ١١٤ ، ١٣٨

٢ ـ وأما حديث ابن مسعود: فأخرجه البخاري: ١١/ ٦٨ و في "الأدب المفرد" ١١٦٩ ، ومسلم: ٧/ ١٣ ، وأبوداود والترمذي: ٤/ ٢٧ ـ تحفة ، والدارمي: ٢/ ٢٨٢ ، وابن ماجه و أحمد: ١/ ٣٧٥ ، ٤٢٥ ، ٤٣٠ ، ٤٣١ ، ٤٣٨ ، ٤٤٠ ، ٤٦٠ ، ٤٦٤ ، ٤٦٥

شرح:...... جب تین افراد ایک ساتھ ہوں یا ہم سفر ہوں، تو ایسے موقع و مقام پر تیسرے کو چھوڑ کر صرف دو افراد کا باہم رازدارانہ انداز میں گفتگو کرنا ممنوع ہے، کیونکہ اس سے تیسرے کی دلآزاری ہوتی ہے یا وہ بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً ، فَلَا يَتَنَاجَى

اثْنَانِ دُوْنَ الْآخَرِ حَتّٰى تَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ، مِنْ اَجْلِ اَنَّ ذٰالِكَ يُحْزِنُهٗ۔)) ..... ''جب تم تین آدمی ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمی سرگوشی نہ کریں، حتی کہ تم لوگوں سے گھل مل جاؤ، کیونکہ ایسا کرنے سے (تیسرا آدمی) غمگین ہو گا۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں جہاں اس انداز میں سرگوشی کرنے سے منع کرنے کی وجہ بیان کی گئی ہے، وہاں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر لوگ زیادہ ہوں تو دو افراد کا آپس میں سرگوشی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(٢٦٧٠)۔ عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ، قَالَ: جَلَسْتُ إِلَى ابْنِ عُمَرَ وَمَعَهُ رَجُلٌ يُحَدِّثُهُ، فَدَخَلْتُ مَعَهُمَا: فَضَرَبَ بِيَدِهِ صَدْرِيْ وَقَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا تَنَاجَى اثْنَانِ فَلَا تَجْلِسْ إِلَيْهِمَا حَتّٰى تَسْتَأْذِنَهُمَا۔))

(الصحيحة:١٣٩٥)

سعید مقبری کہتے ہیں: ایک آدمی، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کر رہا تھا، میں بھی وہاں جا کر بیٹھ گیا، ابن عمر نے اپنا ہاتھ میرے سینے میں مارا اور کہا: کیا تجھے علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب دو آدمی علیحدہ گفتگو کر رہے ہوں تو اجازت کے بغیر ان کے پاس مت بیٹھو۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ١١٤

شرح:...... شریعتِ اسلامیہ کا امتیازی وصف اعتدال ہے۔ جہاں بعض مصلحتوں کی بنا پر اکٹھے تین افراد میں سے دو کو علیحدہ ہو کر صلاح و مشورہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، وہاں اگر پہلے ہی سے کسی مقام پر دو افراد رازدارانہ انداز میں گفت و شنید کر رہے ہوں تو بعد میں آنے والے افراد کو بغیر اجازت ان کی مجلس میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

قارئین کرام! آپ کا ذاتی تجربہ ہو گا کہ بسا اوقات مختلف وجوہات کی بنا پر آپ بھی نہیں چاہتے ہوں گے کہ کوئی آدمی آپ کی مجلس میں گھس کر آپ کے مخفی سلسلۂ کلام کو منقطع کر دے۔ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے ہی آپ کے حق میں فیصلہ کر دیا ہے۔

(٢٦٧١)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ مَرْفُوْعاً: نَهٰى أَنْ يَّجْلِسَ الرَّجُلُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا۔

(الصحيحة:٢٣٨٥)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا اجازت دو آدمیوں کے درمیان بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

تخريج: رواه أبو الحسن السكرى الحربى فى الثانى من "الفوائد": ١٥٩/ ٢، والبيهقى فى"٣/ ٢٣٢، وكذا رواه أبو عبد الله بن منده فى"الأمالى": ٤٠/ ١، وأبو القاسم الجلبى السراج فى"حديث ابن السقاء": ٧/ ٨٢/ ١

شرح:...... ظاہر ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے پاس بلا وجہ نہیں بیٹھنا، اس لیے دو شخصوں کے درمیان گھس کر بیٹھنے سے منع کر دیا گیا ہے، الا یہ کہ وہ اجازت دے دیں۔

(٢٦٧٢)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: ((كُنَّا إِذَا انْتَهَيْنَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ جَلَسَ أَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِي۔)) (الصحيحة: ٣٣٠)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔

تخريج: أخرجه زهير بن حرب في "العلم": ١٠٠ بتحقيقي، والبخاري في "الأدب المفرد": ١١٤١، وأبوداود: ٤٨٢٥، والترمذي: ٢/ ١٢١، وأحمد: ٥/ ٩١، ١٠٧-١٠٨، وابنه عبدالله في "زوائده": ٥/ ٩٨، وابن حبان: ١٩٥٥ - موارد

شرح:...... بعد میں آنے والے وڈیروں یا خیر و بھلائی کی رغبت رکھنے والے صوفی مزاج لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بابرکت مجالس میں ایسا نہیں ہوتا تھا، وہاں جس کو جہاں جگہ ملتی تھی، وہ وہیں بیٹھ جاتا تھا۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث میں عہد نبوی کے ایک ادبِ مجلس کا ذکر کیا گیا ہے۔ عصر حاضر میں اہل علم سمیت اکثر لوگ اس کو ترک کر چکے ہیں۔ وہ ادب یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی مجلس میں پہنچے تو جہاں مجلس ختم ہو رہی ہے، وہیں بیٹھ جائے، اگرچہ اسے دروازے کی دہلیز پر بیٹھنا پڑے، وہ اس چیز کا انتظار نہ کرے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں تاکہ وہ آگے جا سکے، جیسا کہ متکبر سرداروں اور بڑائی خور لوگوں کا وطیرہ ہے، نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے سے صراحت کے ساتھ منع کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَقْعَدِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ، وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا)) ...... ''کوئی آدمی دوسرے آدمی کو اس کی مجلس سے کھڑا مت کرے اور پھر وہاں خود بیٹھ جائے، (البتہ تم کو چاہیے کہ) کھلے ہو جاؤ اور وسعت پیدا کرو۔'' (مسلم) اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: جب کوئی آدمی سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اپنی مجلس سے کھڑا ہوتا تو وہ وہاں نہیں بیٹھتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا کہ مجلس میں بیٹھا ہوا آدمی کسی کی خاطر کھڑا ہو۔ دیکھیں صحیحہ: ٢٢٨۔ (صحیحہ: ٣٣٠)

(٢٦٧٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((لَا يَقُوْمُ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ مِنْ مَجْلِسِهِ وَلٰكِنِ افْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ۔)) (الصحيحة: ٢٢٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کوئی آدمی کسی کے لیے اپنی نشست سے کھڑا نہ ہو، بلکہ مجلس میں گنجائش پیدا کر لیا کرو، اللہ تعالیٰ تمھارے لیے وسعت پیدا کر دے گا۔''

تخريج: أخرجه الامام أحمد في "مسنده": ٢/ ٤٨٣، وهو عند مسلم بلفظ: نهى النبي ﷺ ان يقيم الرجل من المجلس ثم يجلس فيه۔

شرح :...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو دوسروں کی خاطر کھڑے نہیں ہونا چاہیے، ہاں ان کے بیٹھنے کے لیے گنجائش پیدا کر دینی چاہیے۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس حدیث میں واضح دلالت موجود ہے کہ یہ آداب اسلامیہ میں سے نہیں ہے کہ کوئی آدمی کسی کے احترام کی وجہ سے مجلس سے کھڑا ہو جائے اور وہ اس کی جگہ میں بیٹھ جائے، بلکہ اسے چاہیے کہ آنے والے کے لیے وسعت پیدا کرے۔ جب لوگ زمین پر بیٹھے ہوں تو مجلس میں وسعت پیدا کرنا ممکن ہوگا اور کرسیوں کی صورت میں ناممکن ہے۔ بہرحال کسی کی خاطر کھڑا ہونے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی مخالفت ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یہ ناپسند کرتے تھے کہ کوئی آدمی اپنی مجلس سے کھڑا ہو اور وہ وہاں بیٹھ جائیں۔ مذکورہ بالا حدیث کے الفاظ "لَایَقُوْمُ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ......" (کوئی آدمی کسی کے لیے کھڑا نہ ہو) کم از کم کراہت پر دلالت کرتے ہیں، کیونکہ یہاں نفی بمعنی نہی ہے، وگرنہ نہی کا اصل تقاضا تو تحریم ہے۔ واللہ اعلم۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ان الفاظ کے ساتھ گزر چکی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَایُقِیْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَقْعَدِہٖ ثُمَّ یَجْلِسُ فِیْہِ)) ......"کوئی آدمی دوسرے آدمی کو اس کی جگہ سے کھڑا کر کے اس کی جگہ پر مت بیٹھے۔" (مسلم)

ذہن نشین رہے کہ ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ اُس میں دوسرے کو اٹھانے سے اور اِس میں دوسرے کے خود اٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔

(٢٦٧٤)۔ عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((لَایَجْلِسُ الرَّجُلُ بَیْنَ الرَّجُلِ وَابْنُہٗ فِی الْمَجْلِسِ۔))

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی آدمی اپنے بیٹے کی موجودگی میں کسی آدمی کی گود میں نہ بیٹھے۔"

(الصحیحۃ:٣٥٥٦)

تخریج: أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط": ٤/ ٣٥٨۔ ٣٥٩/ ٤٤٢٩

شرح :...... قارئین کرام! آپ کو علم ہوگا کہ سنجیدہ، مہذب اور باوقار لوگ اپنے بچوں اور بچیوں کے سامنے کسی قسم کے ناشائستہ قول و فعل کا اظہار کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ دراصل بزرگوں اور بچوں کے مابین شرم و حیا کا ایک پردہ حائل ہوتا ہے، ناجائز تو ناجائز، وہ جائز امور میں بھی ایک دوسرے سے جھجک محسوس کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! ہمارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طبعی مزاج کو اپنی شریعتِ مطہرہ میں شامل کر کے اس کو برقرار رکھا۔

آجکل والدین اور ان کی اولاد میں بے حد بے تکلفی پائی جاتی ہے، والدین اپنے بچوں کو بے جا سہولتیں مہیا کرتے ہیں، جن میں موبائل، کمپیوٹر، ٹی وی، کیبل نیٹ ورک، وی سی آر، سی ڈی پلیئر وغیرہ شامل ہیں۔ دوسری طرف ہماری قوم جدید وسائل کو بے جا استعمال کرنے کی عادی بن چکی ہے۔ ان سب امور کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نوجوان مرد و زن اپنے

بڑوں کے حق میں بے حیا بن جاتے ہیں، ان کی گستاخیاں کرتے ہیں، اپنی ضروریات کو ان کی حاجات پر ترجیح دیتے ہیں،نوجوان اپنی بیوی بچوں کو بوڑھے والدین پر ترجیح دیتے ہیں اور چھوٹے بڑے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ ان سب بداخلاقیوں کے ذمہ دار والدین خود ہیں، جو اپنے بچوں کی تربیت ونگہداشت کرنے میں اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتتے ہیں۔

(٢٦٧٥)۔ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعاً: ((لَا يُقِيْمَنَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ لِيُخَالِفَ إِلَى مَقْعَدِهِ فَيَقْعُدَ فِيْهِ، وَلٰكِنْ يَقُوْلُ: اِفْسَحُوْا۔)) (الصحيحة:١٣٠٢)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی آدمی جمعہ والے دن اپنے بھائی کو کھڑا کر کے اس کی نشست پہ نہ بیٹھے بلکہ اسے کہنا چاہئے: مجلس میں وسعت پیدا کرو۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٧/ ١٠، وأحمد: ٣/ ٢٩٥، ٣٤٢

شرح:...... مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ کسی مجلس میں کسی کو اس کے مقام سے نہ اٹھایا جائے، اس حدیثِ مبارکہ میں خصوصیت کے ساتھ جمعہ مُبارکہ کی مجلس کا ذکر کیا گیا ہے۔

وسیع مجلس بہترین ہوتی ہے

(٢٦٧٦)۔ عَنْ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: أُوْذِنَ أَبُوْ سَعِيْدٍ بِجَنَازَةٍ فِي قَوْمِهِ، فَكَأَنَّهُ تَخَلَّفَ حَتّٰى أَخَذَ النَّاسُ مَجَالِسَهُمْ، ثُمَّ جَاءَ فَلَمَّا رَآهُ الْقَوْمُ تَسَرَّبُوْا عَنْهُ، فَقَامَ بَعْضُهُمْ لِيَجْلِسَ فِي مَجْلِسِهِ، فَقَالَ: أَلَا إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((خَيْرُ الْمَجَالِسِ أَوْسَعُهَا۔)) (الصحيحة:٨٣٢)

عبدالرحمٰن بن ابو عمرہ انصاری کہتے ہیں: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کو اس کی قوم کے ایک جنازے کی خبر دی گئی، انھوں نے ذرا دیر کی تاکہ لوگ اپنی اپنی جگہ پر آجائیں۔ جب وہ آئے اور لوگوں نے دیکھا تو وہ آگے پیچھے ہونے لگے اور بعض افراد اس لیے کھڑے ہو گئے کہ ان کی نشست پہ آپ تشریف رکھیں۔ آپ نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''وسیع مجلس سب سے بہتر ہوتی ہے۔''

تخريج: رواه البخاري في "الأدب المفرد": ١١٣٦، وأبوداود: ٤٩٢٠، والحاكم: ٤/ ٢٦٩، والبيهقي في "الشعب": ٦/ ٣٠٠/ ٨٢٤١، وأحمد: ٣/ ١٨/ ٦٩، وعبدابن حميد في "المنتخب من المسند": ١٠٨/ ١، و القضاعي في "مسند الشهاب": ١٠٠/ ١

شرح:...... کشادہ مجلس میں جہاں بیٹھنے والے راحت اور سکون محسوس کرتے ہیں، وہاں باہر سے آنے والے افراد کے لیے نہ کوئی دشواری ہوتی ہے اور نہ گفتگو متاثر ہوتی ہے۔ ایسی مجلس میں سامعین کو توجہ اور انہماک کے ساتھ بات سننے کا موقع ملتا ہے۔ اس کے برعکس تنگ مجلس میں بیٹھنے والوں کو گھٹن اور تنگی محسوس ہوتی ہے، نیز آنے والے افراد زیادہ

پریشانی کا سبب بنتے ہیں اور ان کی وجہ سے گفتگو بھی متاثر ہوتی ہے۔

خطبۂ جمعہ کے لیے بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنیں پھلانگنا منع ہے

(٢٦٧٧)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَأْكُلْ مُتَّكِئاً وَلَا عَلٰى غِرْبَالٍ، وَلَا تَتَّخِذَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ مُصَلًّى لَا تُصَلِّي إِلَّا فِيْهِ، وَلَا تَخْطُ رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَيَجْعَلُكَ اللّٰهُ لَهُمْ جَسراً يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة:٣١٢٢)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ٹیک لگا کر نہ کھانا، چھانے ہوئے آٹے کی روٹی نہ کھانا، مسجد میں کوئی جگہ مقرر نہ کرنا کہ اسی میں ہی نماز پڑھی جائے اور جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگنا، وگرنہ اللہ تعالی روزِ قیامت تجھے لوگوں کے لیے پل بنا دے گا۔''

تخريج: أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق": ١٣/ ٣٩١، و رواه الطبراني في "المعجم الاوسط": ١/ ٣/ ٣٣ مختصرا بلفظ: ((لاتأكل متكئا، ولاتخط رقاب الناس يوم الجمعة۔))

شـــرح: ...... شریعتِ اسلامیہ نے شرف و وقار، متانت و سنجیدگی، سکونت و تسکین اور ٹھہراؤ کو ترجیح دی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾۔ (سورهٔ لقمان: ١٩) ...... ''اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز پست رکھا کر۔ یقیناً گدھے کی آواز بدترین آواز ہے۔''

اس آیتِ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ نہ تو چال میں اتنی سست روی ہو کہ دیکھنے والا بیمار خیال کرے اور نہ اتنی تیزی ہو کہ شرف و وقار کے خلاف نظر آئے۔ دوسرے حصے میں چیخ چیخ کر اور چلا چلا کر باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہوا: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا﴾۔ (سورهٔ فرقان: ٦٣) ...... ''اور رحمن کے بندے تو وہ ہیں جو وقار اور سکونت کے ساتھ چلتے ہیں......''

قارئینِ کرام! آپ غور فرمائیں کہ جب کوئی اور بالخصوص باوقار آدمی کسی مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنیں پھلانگ پھلانگ کر اور سلنگے بھرتا ہوا آگے کو بڑھ رہا ہو تو وہ کتنا برا لگتا ہے اور پہلے سے تشریف رکھنے والے کو کتنی ایذا دیتا ہے۔ ایسا آدمی صرف ہماری نگاہوں میں برا نہیں، بلکہ شریعت نے بھی اس اکھڑ مزاجی اور بدخلقی کو پسند نہیں کیا ہے اور مذکورہ بالا حدیث میں سخت وعید کا مستحق ٹھہرایا۔

یہ منع ہے کہ آدمی کے جسم کے بعض حصے پر دھوپ اور بعض پر سایہ پڑ رہا ہو

(٢٦٧٨)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ: ((إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فِي الْفَيْءِ، فَقَلَصَ عَنْهُ الظِّلُّ وَصَارَ بَعْضُهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابو القاسم ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی سائے میں بیٹھا ہو اور سایہ سمٹ جانے کی وجہ سے اس کے بعض وجود پر دھوپ پڑنے لگے اور بعض پر

فِي الشَّمْسِ وَبَعْضُهُ فِي الظِّلِّ فَلْيَقُمْ۔)) (الصحيحة: ٨٣٧)

سایہ، تو وہ وہاں سے اٹھ جائے۔''

تخريج:أخرجه أبوداود:٤٨٢٢، والحميدي في "المسند": ١١٣٨، واحمد: ٢/ ٣٨٣

(٢٦٧٩)۔ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى أَنْ يَجْلِسَ بَيْنَ الضَّحِّ وَالظِّلِّ وَقَالَ: ((مَجْلِسُ الشَّيْطَانِ۔)) (الصحيحة: ٨٣٨، ٣١١٠)

صحابی رسول بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آدمی کو اس طرح بیٹھنے سے منع فرمایا کہ اس کے جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں ہو اور کچھ سائے میں اور فرمایا: ''یہ تو شیطان کی بیٹھک ہے۔''

٨٣٨:تخريج:أخرجه أحمد: ٣/ ٤١٣

٣١١٠:تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٤١٣

شرح:...... شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جب انسان کے بعض حصے پر دھوپ اور بعض پر سایہ پڑ رہا ہو تو وہ وہاں سے کھڑا ہو جائے اور مکمل سائے میں یا مکمل دھوپ میں بیٹھ جائے، کیونکہ اگر وہ وہیں بیٹھا رہا تو اس کے مزاج میں فساد پیدا ہو جائے گا، کیونکہ اس کا جسم دھوپ اور سائے جیسی دو متضاد چیزوں کی لپیٹ میں آ جائے گا۔لیکن مناسب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیٹھک سے منع کرنے کے لیے جو علت بیان کی ہے کہ یہ تو شیطان کی بیٹھک ہے، اسی پر اکتفا کیا جائے۔ (عون المعبود)

(٢٦٨٠)۔ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: رَآنِي النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا قَاعِدٌ فِي الشَّمْسِ، فَقَالَ: ((تَحَوَّلْ إِلَى الظِّلِّ۔)) (الصحيحة:٨٣٣)

حضرت قیس بن ابو حازم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں دھوپ میں بیٹھا تھا، آپ ﷺ نے مجھے دیکھا اور فرمایا: ''سائے میں بیٹھ جا۔''

تخريج:أخرجه الحاكم: ٤/ ٢٧١

شرح:...... اگرچہ امام ابوداود نے بھی اس حدیث پر "بَابٌ فِي الْجُلُوْسِ بَيْنَ الشَّمْسِ وَالظِّلِّ" قائم کیا ہے، لیکن اس میں تو صرف دھوپ میں کھڑا ہونے والے کو سائے میں آ جانے کا حکم دیا گیا ہے۔

مجلس امانت ہوتی ہے

(٢٦٨١)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ بِالْحَدِيْثِ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ أَمَانَةٌ۔)) (الصحيحة:١٠٩٠)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی بات کرے، پھر ادھر ادھر دیکھنے لگے (کہ کوئی سن یا دیکھ تو نہیں رہا) تو اس کی بات امانت ہوگی۔''

تخریخ: أخرجه أبوداود: ٢/ ٢٩٧، والترمذي: ١/ ٣٥٥، والطحاوي في "مشكل الآثار" ٤/ ٣٣٥۔ ٣٣٦، وأحمد: ٣/ ٣٢٤۔ ٣٢٥، ٣٧٩۔ ٣٨٠و ٣٩٤، أبويعلي: ٢/ ٥٩١

شرح:...... امام مبارکپوری رحمہ اللہ نے اس حدیثِ مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے لکھا: اگر کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کے ساتھ گفتگو کر رہا ہو اور وہ گفتگو کے دوران دائیں بائیں دیکھے، تو اس سے یہ سمجھنا پڑے گا کہ وہ راز کی بات کرنا چاہتا ہے اور اسے دوسرے لوگوں سے مخفی رکھنا چاہتا ہے۔ ایسی گفتگو امانت ہوگی اور اس کو راز رکھنا واجب ہوگا۔ ابن ارسلان نے کہا: متکلم کے ادھر ادھر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اس بات کا خطرہ ہے کہ کوئی اس کی بات سن نہ لے، وہ صرف اپنے ہم مجلس تک اپنے راز کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ دراصل وہ ادھر ادھر دیکھ کر اپنے مخاطب کو یہ کہنا چاہتا ہے کہ وہ اس کی گفتگو سنے، اس کو راز اور امانت سمجھے۔ (تحفۃ الاحوذی)

لیکن ہمارے ہاں تاکید کے باوجود مخصوص مجالس کو امانت نہیں سمجھا جاتا اور بات کو بتنگڑ بنا کر نشر کر دیا جاتا ہے۔

کفارۂ مجلس کی دعا

(٢٦٨٢)۔ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوعاً: كَانَ إِذَا جَلَسَ مَجْلِساً أَوْ صَلّٰى صَلَاةً تَكَلَّمَ بِكَلِمَاتٍ فَسَأَلَتْهُ عَائِشَةُ عَنِ الْكَلِمَاتِ؟ فَقَالَ: ((إِنْ تَكَلَّمَ بِخَيْرٍ كَانَ طَابِعاً عَلَيْهِنَّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَإِنْ تَكَلَّمَ بِغَيْرِ ذٰلِكَ كَانَ كَفَّارَةً لَّهُ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، لَا إِلٰـهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ، وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔)) (الصحيحة:٣١٦٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مجلس میں تشریف رکھتے یا نماز پڑھتے تو چند کلمات (پر مشتمل دعا) پڑھتے تھے۔ میں نے ایک دن ان کلمات کے بارے میں دریافت کیا۔ تو جواباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر کوئی آدمی اُس مجلس میں خیر و بھلائی والی بات کرے تو یہ کلمات اس کے لیے روزِ قیامت تک مہر ثابت ہوں گے لیکن اگر کوئی اور (برا) کلام کرے تو یہ کفارہ بن جائیں گے۔ (وہ کلمات یہ ہیں:) تو پاک ہے، اے اللہ! اپنی تعریفوں کے ساتھ، نہیں ہے کوئی معبودِ برحق مگر تو ہی، میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں۔''

تخریج: أخرجه النسائي في "عمل اليوم والليلة": ٣٠٩/ ٤٠٠، ومن طريقه: الحافظ في آخر كتابه "فتح الباري": ١٣/ ٥٤٦، واحمد: ٦/ ٧٧، والبيهقى فى "شعب الايمان": ١/ ٤٣٥/ ٦٢٩، واحمد: ٦/ ٧٧، و الطبرانى فى "الدعاء": ٣/ ١٦٥٦، وأخرجه النسائى: ٣٩٨ أيضا، والحاكم: ١/ ٤٩٦ دون قوله: أو صلى صلاة

شرح:...... پہلی بات تو یہ ہے کہ مسلمان کو زمان و مکان سے بالاتر ہو کر ہر وقت لغویات سے اجتناب کرنا چاہئے، بہر حال بسیار کوشش کے باوجود انسان سے خطا ہونا ممکن ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ میں طبائع بشریہ کو مدنظر رکھتے

ہوئے ہر مجلس کے بعد یہ دعا پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، لَاإِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔ ..... ''تو پاک ہے، اے اللہ! اپنی تعریفوں کے ساتھ، نہیں ہے کوئی معبودِ برحق مگر تو ہی، میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں۔''

یہ دعا اس مجلس میں کی گئی نیکیوں کی قبولیت اور برائیوں کی معافی کا سبب ہے۔

گھر اور گھر میں موجودہ اشیا کی حفاظت کے آداب

ابتدائے رات اور رات کو گھروں سے باہر نہ نکلنا

(۲۶۸۳)۔ عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ ، فَكُفُّوْا صِبْيَانَكُمْ ، فَإِنَّ الشَّيَاطِيْنَ تَنْتَشِرُ حِيْنَئِذٍ ، فَإِذَا ذَهَبَتْ سَاعَةٌ مِنَ الْعِشَاءِ فَخَلُّوْهُمْ۔)) (الصحيحة: ٤٠)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب رات کے آنے کا وقت قریب ہو جائے تو اپنے بچوں کو روک لیا کرو، کیونکہ اس وقت شیطان منتشر ہو رہے ہوتے ہیں اور تاریکی کا ابتدائی حصہ بیت جانے کے بعد انھیں چھوڑ دیا کرو۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٢/ ٣٢٢و٤/ ٣٦_٣٧، ومسلم: ٦/ ١٠٦، وأبوداود: ٣٧٣٣، واحمد: ٣/ ٣٨٨

شرح: ..... مسند احمد کے الفاظ میں یہ زیادتی ہے: ((فَإِنَّ لِلْجِنِّ انْتِشَارًا وَ خَطْفَةً۔)) یعنی ''اس وقت شیطان منتشر ہو رہے ہوتے ہیں اور جھپٹے مار رہے ہوتے ہیں۔''

(٢٦٨٤)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْكَلْبِ بِاللَّيْلِ أَوْ نُهَاقَ الْحَمِيْرِ ، فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ ، فَإِنَّهُمْ يَرَوْنَ مَالَا تَرَوْنَ ، وَأَقِلُّوْا الْخُرُوْجَ إِذَا هَدَأَتِ الرِّجْلُ ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَبُثُّ فِي لَيْلِهِ مِنْ خَلْقِهِ مَايَشَاءُ ، وَأَجِيْفُوْا الْأَبْوَابَ وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَاباً أُجِيْفَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ، وَغَطُّوْا الْجِرَارَ ، وَأَكْفِئُوْا الْآنِيَةَ ، وَأَوْكُوْا الْقِرَبَ۔)) (الصحيحة: ٣١٨٤)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''جب تم رات کو کتے کی بھونک یا گدھے کی ہینگ سنو تو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو، کیونکہ وہ ایسی چیزیں دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے۔ جب لوگ سو جائیں تو باہر نہ نکلا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ رات کے وقت مختلف مخلوقات کو منتشر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دروازے بند کیا کرو، کیونکہ شیطان وہ دروازہ نہیں کھولتا، جسے اللہ کا نام لے کر بند کیا گیا ہو اور گھڑے ڈھانپ دیا کرو، برتن اوندھے کر دیا کرو اور مشکیزوں کو ڈوری سے باندھ دیا کرو۔''

تخريج: أخرجه أبويعلي في "مسنده": ٤/ ٢١٠، ومن طريقه: ابن حبان: ٥٤٩٣، والشطر الثاني من

الحديث له طرق اخرى عن جابر رضی اللہ عنہ ، بعضها في "الصحيحين"، خرجتها في "الارواء": ١/ ٨٠

(٢٦٨٥)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ مَرْفُوعاً: ((أَقِلُّوْا الْخُرُوْجَ بَعْدَ هَدْأَةِ الرِّجْلِ ، فَإِنَّ لِلّٰهِ دَوَابَّا يَبُثُّهُنَّ فِي الْأَرْضِ فِي تِلْكَ السَّاعَةِ۔)) (الصحيحة:١٥١٨)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں کے سو جانے کے بعد باہر نکلنا کم کر دیا کرو، کیونکہ اس وقت اللہ تعالی اپنی بعض مخلوقات کو زمین میں پھیلاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد" ١٢٣٣، ١٢٣٥، وأبوداود: ٥١٠٤، و احمد: ٣/ ٣٠٦، ٣٥٥

شرح: ......(الهدأة) کے معانی ''نقل وحرکت کے بند ہو جانے'' کے ہیں، یعنی جب لوگوں کا چلنا پھرنا اور راستوں پر آمد و رفت ختم ہو جائے۔

(٢٦٨٦)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كُفُّوْا صِبْيَانَكُمْ عِنْدَ فَحْمَةِ الْعِشَاءِ وَإِيَّاكُمْ وَالسَّمَرَ بَعْدَ هَدْأَةِ الرِّجْلِ فَإِنَّكُمْ لَاتَدْرُوْنَ مَايَبُثُّ اللّٰهُ مِنْ خَلْقِهِ۔ فَأَغْلِقُوْا الْأَبْوَابَ وَأَطْفِئُوا الْمِصْبَاحَ وَأَكْفِئُوا الإِنَاءَ وَأَوْكُوا السِّقَاءَ۔)) (الصحيحة: ٣٤٥٤)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رات کی ابتدائی تاریکی کے وقت اپنے بچوں کو (گھروں میں) روکے رکھو اور رات کو لوگوں کے سو چکنے کے بعد گفتگو سے بچو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالی اپنی کون سی مخلوق کو (زمین پر) پھیلا دیتا ہے۔ (رات کے دوران) دروازے بند کیا کرو، چراغ بجھا دیا کرو اور برتن الٹے کر دیا کرو اور مشکیزے کا منہ بند کر دیا کرو۔''

تخريج: أخرج الحميدي في "مسنده": ٥٣٥/ ١٢٧٣، وأخرجه مسلم: ٦/ ١٠٧ الا انه لم يسق لفظه؛ وقال: "بنحو حديث زهير" يعني الذى قبله۔، وابوداود: ٢٦٠٤، واحمد: ٣/ ٣١٢، ورواه الشيخان ببعضه

(٢٦٨٧)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْأَنْصَارِيِّ ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((غَطُّوْا الإِنَاءَ وَأَوْكُوْا السِّقَاءَ ، فَإِنَّ فِي السَّنَةِ لَيْلَةً يَنْزِلُ فِيْهَا وَبَاءٌ لَايَمُرُّ بِإِنَاءٍ لَمْ يُغَطَّ وَلَا سِقَاءٌ لَمْ يُوْكَ ، إِلَّا وَقَعَ فِيْهِ مِنْ ذٰلِكَ الْوَبَاءِ۔)) (الصحيحة:٣٠٧٦)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''(رات کو) برتنوں کو ڈھانپ دیا کرو اور مشکیزوں کو ڈوری سے باندھ دیا کرو، کیونکہ سال میں ایک ایسی رات ہوتی ہے جس میں ایک وبا نازل ہوتی ہے، وہ ہر اس برتن، جسے ڈھانپا نہ گیا ہو، اور جس مشکیزے، جس پر ڈوری نہ باندھی گئی ہو، کے پاس سے گزرتی ہے، اس میں داخل ہو جاتی ہے۔''

تخريج: أخرجه الأمام أحمد: ٣/ ٣٥٥، ومسلم: ٦/ ١٠٧، وابو عوانة: ٥/ ٣٣٤

شرح:...... مذکورہ بالا احادیث میں گھر اور گھر والوں سے متعلقہ درج ذیل آداب بیان کیے گئے ہیں:

(۱) رات کی ابتدائی تاریکی کے دوران بچوں کو گھروں میں پابند رکھنا، (۲) لوگوں کے سو چکنے کے بعد گفتگو سے پرہیز کرنا۔

(۳) رات کو گھروں کے دروازے بند رکھنا۔

(۴) چراغ بجھا دینا۔

(۵) برتنوں پر ڈھکن دینا یا ان کو الٹا کر دینا۔

(۶) مشکیزوں اور ٹینکیوں وغیرہ کے منہ بند کر دینا۔

ان آدابِ اسلامیہ کے اسباب ان ہی احادیث میں بیان ہو چکے ہیں، البتہ رات کو چراغ بجھانے کی وجہ کی تفصیل یہ ہے:

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''برتن ڈھانپ دیا کرو، مشکیزہ کا منہ باندھ دیا کرو، دروازہ بند کر دیا کرو اور چراغ بجھا دیا کرو، کیونکہ شیطان نہ تو بند مشکیزہ کھولتا ہے، نہ بند کیا ہوا دروازہ کھولتا ہے اور نہ ڈھانپے ہوئے برتن سے ڈھکن ہٹاتا ہے۔ اگر برتن پر ڈھکن دینے کے لیے کوئی چیز نہ ملے تو اس پر کوئی لکڑی رکھ دی جائے یا پھر اس پر اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارک پڑھ دیا جائے اور (چراغ) بجھانے کی وجہ یہ ہے کہ (بسا اوقات) چوہیا (اس کی بتی کھینچ کر ایسی جگہ پر پھینک دیتی ہے کہ) جس سے گھر (اور ایک روایت کے مطابق اہل خانہ کے کپڑے) جل جاتے ہیں۔''

سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں رات کی تاریکی میں ایک گھر جل گیا، جب اس کی ساری صورتحال رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ آگ تمہاری دشمن ہے، پس جب سونے لگو تو اس کو بجھا دیا کرو۔'' (صحیح مسلم) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب سونے لگو تو گھروں میں آگ کو جلتا ہوا مت چھوڑا کرو۔'' (صحیح مسلم)

یہ شریعتِ اسلامیہ کی انسانیت کے ساتھ خیر خواہی ہے کہ ہر لحاظ سے ان کے جان و مال کے تحفظ کے قوانین وضع کیے ہیں۔ ان آداب کے اسباب بھی بیان کر دیے گئے ہیں، مزید اگر انسان غور کرے تو دروازوں کا کھلا رہنا چوری کا سبب بن سکتا ہے، برتنوں اور مشکیزوں کا کھلا رہنا کئی کیڑوں مکوڑوں کے گندے اثرات اور ضرر رساں جراثیموں کا سبب بن سکتا ہے۔

چونکہ دن کی بہ نسبت رات کو شیطانوں کا شرّ وفساد زیادہ ہوتا ہے، اس لیے وہ ابتدائے رات سے ہی اپنی اپنی ڈیوٹیاں سنبھالنے کے لیے نقل وحرکت شروع کر دیتے ہیں، ایسے اوقات میں بچوں کا محفوظ مقامات پر ٹھہرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ عصر حاضر میں بچوں اور لڑکوں میں برائی کی زیادتی اور نیکی کی کمی کے رجحان کا شدید شکوہ ہے، شاید اس کی

وجہ یہی ہو کہ تقریبا تمام بچے غروبِ آفتاب کے وقت اور اس کے بعد تک میدانوں، پارکوں، بازاروں اور گلیوں میں ہوتے ہیں۔

گھر میں رات کو چراغ بجھانے کی وجہ آگ ہے، بجلی کی لائٹ اور بلب وغیرہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، ان کو ضرورت کے مطابق آن رکھا جا سکتا ہے، البتہ بجلی اور گیس والے ہیٹر کو بند کرنا اور انگیٹھیوں میں جلتے کوئلوں کو بجھا دینا ضروری ہے، کیونکہ یہ کئی نقصانات کا سبب بن سکتے ہیں، جیسا کہ ان کی وجہ سے ہونے والی آکسیجن کی کمی کئی اموات کا سبب بنی ہے۔

رات کو آگ کے آثار ختم کر دینا

(٢٦٨٨)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ: جَاءَتْ فَأْرَةٌ فَأَخَذَتْ تَجُرُّ الْفَتِيْلَةَ ، فَذَهَبَتِ الْجَارِيَةُ تَزْجُرُهَا ، فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ: دَعِيْهَا ، فَجَاءَتْ بِهَا فَأَلْقَتْهَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْخُمْرَةِ الَّتِي كَانَ عَلَيْهَا قَاعِداً ، فَأَحْرَقَتْ مِنْهَا مِثْلَ مَوْضِعِ دِرْهَمٍ ، فَقَالَ ﷺ : ((إِذَا نِمْتُمْ فَأَطْفِئُوْا سُرُجَكُمْ ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدُلُّ مِثْلَ هٰذِهِ عَلٰى هٰذَا فَيُحَرِّقُكُمْ۔))

(الصحيحة:١٤٢٦)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک چوہیا آئی اور چراغ کی بتی کو کھینچنے لگی، ایک بچی اسے دھتکارنے اور بھگانے لگی، آپ ﷺ نے اس بچی سے فرمایا: ''اسے چھوڑ دے۔'' وہ چوہیا بتی لے کر آئی اور اس چٹائی پر ڈال دیا، جس پر آپ ﷺ تشریف فرما تھے، ایک درہم کے بقدر چٹائی جل گئی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم سوؤ تو چراغ بجھا دیا کرو، کیونکہ شیطان اس قسم کے جانوروں کو ایسی (شرارتیں) کرنے پر اکساتا ہے اور اس طرح یہ تمھیں جلا دیں گے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٥٢٤٧ ، وابن حبان: ١٩٩٧ ، والحاكم: ٤/ ٢٨٤

شرح:...... قارئین کرام! آپ نے دیکھا ہوگا کہ رات کو تنور، چولھے یا انگیٹھی وغیرہ میں باقی رہ جانے والی آگ کی وجہ سے بڑے بڑے حادثات پیش آئے ہیں، جن میں کئی جانیں لقمۂ اجل بن گئیں اور کروڑوں کا مال جل کر راکھ ہو گیا۔ یہ آدابِ اسلامیہ سے غفلت کے نتائج ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ کی انسانیت کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر لحاظ سے ان کے جان و مال کے تحفظ کے قوانین وضع کئے ہیں، حالانکہ جس عہد پارینہ میں یہ ضوابط حیطۂ تحریر میں لائے جا رہے تھے، اس وقت ان کی مخالفت کی وجہ سے زیادہ نقصانات کا خدشہ نہیں تھا۔ دراصل یہ اسلام کی عالمگیریت ہے کہ جس نے پندرھویں صدی کے لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا ثبوت دینے کے لیے اپنی حیات کی ابتدا میں عالمگیر قوانین وضع کر دیے تھے۔

رات کے چھا جانے کے بعد گفتگو سے اجتناب کیا جائے

(٢٦٨٩)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((إِيَّاكَ وَالسَّمَرَ بَعْدَ هَدْأَةِ اللَّيْلِ فَإِنَّكُمْ لَاتَدْرُوْنَ مَايَأْتِي اللّٰهُ مِنْ خَلْقِهِ۔)) (الصحيحة:١٧٥٢)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رات چھا جانے کے بعد رات کو گفتگو کرنے سے بچو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالی اپنی کس مخلوق کو لانے والے ہیں۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ٢٨٤

شرح:...... (الهدأة) کے معانی ''نقل وحرکت کے بند ہو جانے'' کے ہیں، یعنی جب لوگوں کا چلنا پھرنا اور راستوں پر آمد و رفت ختم ہو جائے۔

آجکل لوگوں نے رات کو تاخیر کا جو سلسلہ اپنا رکھا ہے، اس کی وجہ سے جہاں وہ اس حدیثِ مبارکہ کی مخالفت کرتے ہیں، وہاں نمازِ فجر ترک کر کے کئی نحوستوں اور بے برکتیوں کا سبب ٹھہرتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے معمولات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں ترتیب دیں اور نمازِ عشا کی ادائیگی کے بعد سونے کا اہتمام کریں، اگر درس و تدریس اور تعلیم و تعلّم وغیرہ کی صورت میں واقعی کوئی مجبوری ہو تو شریعت نے گنجائش دی ہوئی ہے۔ بہر حال رات کو بے مقصد گپ شپ لگانا مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔

بعض افراد کے لیے شب کی گفتگو کا جواز

(٢٦٩٠)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ مَرْفُوْعاً: ((لَاسَمْرَ إِلَّا لِمُصَلٍّ أَوْ مُسَافِرٍ۔)) (الصحيحة:٢٤٣٥)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''صرف نمازی اور مسافر لوگ شب کو گفتگو کر سکتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه الطيالسي: ١/ ٧٣/ ٢٩٤، وأحمد: ١/ ٤١٢

شرح:...... عام حالات میں رات کو دیر تک جاگتے رہنا اور گپ لگانا مکروہ ہے، لیکن نماز اور سفر کی وجہ سے بیدار رہا جا سکتا ہے۔

نماز میں تھوکنا

(٢٦٩١)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي جِدَارِ الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَ حَصَاةً فَحَكَّهَا ثُمَّ قَالَ: ((إِذَا تَنَخَّمَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ قِبَلَ وَجْهِهِ وَلَا عَنْ

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی دیوار پر بلغم دیکھی، اسے سنگ ریزے کے ساتھ کھرچا اور پھر فرمایا: ''اگر کوئی آدمی (نماز میں) تھوکے تو وہ اپنے چہرے کے سامنے والی سمت میں نہ تھوکے اور نہ دائیں طرف، اسے چاہئے کہ وہ

يَـمِيْـنِهِ وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْتَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى۔)) (الصحيحة: ١٢٧٤)

بائیں طرف یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوک لیا کرے۔''

تخـريـــج: أخرجه أحمد: ٣/ ٥٨و ٨٨و ٩٣، والبخاري: ١/ ٤٠٤۔ ٤٠٥و مسلم: ٢/ ٧٦، وابن ماجه: ١/ ٢٥٦۔ ٢٥٧

شرح:...... عصر حاضر میں مساجد کی خوبصورت عمارتوں اور اس میں بچھی ہوئی خوبصورت چٹائیوں اور قالینوں کی وجہ سے درج بالا حدیث کو سمجھنے میں دقت پیش آئی ہے۔ یہ احادیث اس وقت بیان کی گئی تھیں، جب مساجد کا فرش مٹی اور ریت ہوتا تھا اور ان میں بچھانے کے لیے صفیں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ درحقیقت مسئلہ یوں ہے کہ بوقتِ ضرورت مسجد میں تھوکنا جائز ہے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی قبلہ والی سمت میں تھوک دیکھی، جو آپ پر بڑی گراں گزری، بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صاف کیا اور فرمایا: ((اِنَّ اَحَـدَکُمْ اِذَا قَامَ فِیْ صَلَاتِہٖ فَـاِنَّـمَا یُنَاجِیْ رَبَّہٗ، فَلَا یَبْزُقَنَّ فِیْ قِبْلَتِہٖ وَلٰکِنْ عَنْ یَّسَارِہٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِہٖ۔)) (بخاری)...... ''جب تم میں کوئی آدمی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے ربّ سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے، اس لیے وہ قبلہ والی سمت میں نہ تھوکا کرے، البتہ بائیں جانب یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے۔'' پھر (تیسرا طریقہ بیان کرتے ہوئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا کنارہ پکڑا، اس میں تھوکا اور اس کو مل دیا اور فرمایا: ''یا پھر اس طرح کر لیا کرے۔''

اس موضوع پر دلالت کرنے والی کئی احادیث ہیں، لیکن درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رخصت اس وقت ہے جب آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور اسے مجبوراً تھوکنا پڑ جائے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْبُـزَاقُ فِیْ الْمَسْجِدِ خَطِیْئَۃٌ وَکَفَّارَتُھَا دَفْنُھَا۔)) (بخاری)...... ''مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ تھوک کو دفن کر دینا ہے۔''

رہا مسئلہ قبلہ والی سمت میں تھوکنے کا، تو وہ منع ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے پتہ چلتا ہے، نیز اس موضوع پر دلالت کرنے والی دوسری احادیث بھی موجود ہیں۔

بہرحال مساجد کی موجودہ صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے اس رخصت پر عمل کرنے سے گریز کرنا ہی بہتر ہے

نیک اور برے خواب اور دونوں کے احکام اور اقسام

(٢٦٩٢)۔ عَـنْ اَبِـیْ هُـرَيْـرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا رَأٰى أَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا تُـعْجِبُهُ فَلْيَذْكُرْهَا، وَلْيُفَسِّرْهَا، وَإِذَا رَأٰى أَحَـدُكُـمُ الرُّؤْيَا تَسُوْءُهُ، فَلَا يَذْكُرْهُ، وَلَا يُفَسِّرْهَا۔)) (الصحيحة: ١٣٤٠)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر کوئی پسندیدہ خواب دیکھے تو وہ اسے بیان کرے اور اس کی تعبیر کی بھی وضاحت کر دے اور اگر ناپسندیدہ خواب دیکھے تو نہ اسے بیان کرے اور نہ اس کی تعبیر کی وضاحت کرے۔''

تخریج: أخرجه ابن عبد البر في "التمهيد" ١/ ٢٨٧ ـ ٢٨٨

(٢٦٩٣)ـ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه مَرْفُوعاً: ((الرُّؤْيَا ثَلاثٌ، فَالْبُشْرٰى مِنَ اللّٰهِ، وَحَدِيْثُ النَّفْسِ، وَتَخْوِيْفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا رَأٰى أَحَدُكُمْ رُؤْيَاً تُعْجِبُهُ فَلْيَقُصَّهَا إِنْ شَاءَ، وَإِذَا رَأٰى شَيْئاً يَكْرَهُهُ فَلا يَقُصَّهُ عَلٰى أَحَدٍ وَلْيَقُمْ يُصَلِّي۔)) (الصحيحة:١٣٤١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خواب تین قسم کے ہوتے ہیں: اللہ کی طرف سے خوشخبری، نفس کے خیالات اور شیطانی ڈراوا۔ جب کوئی آدمی پسندیدہ خواب دیکھے تو وہ اسے بیان کر سکتا ہے اور اگر ناپسندیدہ خواب دیکھے تو کسی کو بیان نہ کرے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔''

تخریج: رواه أحمد: ٢/ ٣٩٥، وابن أبي شيبة في "المصنف" ١٢/ ١٩٣/ ٢، وعنه ابن ماجه: ٢/ ٤٤٩، وأخرجه مسلم: ٧/ ٥٢، واحمد: ٢/ ٢٦٩ ايضا دون قوله: ((فاذا رأى أحكم رؤيا تعجبه فليقصها ان شاء))

(٢٦٩٤)ـ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((إِذَا رَأٰى أَحَدُكُمْ رُؤْيَاً يَكْرَهُهَا فَلْيَتَحَوَّلْ، وَلْيَتْفُلْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلاثاً، وَلْيَسْأَلِ اللّٰهَ مِنْ خَيْرِهَا، وَلْيَتَعَوَّذْ مِنْ شَرِّهَا۔)) (الصحيحة:١٣١١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ اپنا پہلو بدل لے (جس پر وہ لیٹا ہو) اور تین دفعہ بائیں جانب تھوکے اور اللہ تعالی سے اس (خواب) کی خیر کا سوال کرے اور اس کی شرّ سے پناہ طلب کرے۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ٢/ ٤٥٠

(٢٦٩٥)ـ أَبُوْ سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلٌ وَهُوَ يَخْطُبُ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! رَأَيْتُ الْبَارِحَةَ ـ فِيْمَا رَأٰى النَّائِمُ ـ كَأَنَّ عُنُقِي ضُرِبَتْ وَسَقَطَ رَأْسِيْ فَتَدَحْرَجَ فَاتَّبَعْتُهُ، فَأَخَذْتُهُ فَأَعَدْتُهُ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: ((إِذَا لَعِبَ الشَّيْطَانُ بِأَحَدِكُمْ فِي مَنَامِهِ، فَلا يُحَدِّثْ بِهِ النَّاسَ۔)) (الصحيحة:٣٩٦٨)

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! گزشتہ رات میں نے خواب دیکھا کہ میری گردن قلم کر دی گئی، سر گر پڑا اور لڑھک گیا، میں اس کے پیچھے چلا، اس کو پکڑا اور اسے اس کی جگہ پر لوٹا دیا، (اس خواب کے بارے میں آپ کا خیال ہے)؟ جواباً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: ''جب شیطان کسی کے ساتھ نیند میں کھیلے تو وہ (ایسا خواب) لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے۔''

تخریج: أخرجه مسلم: ٧/ ٥٥، وابن ماجه: ٣٩١٢، وأحمد: ٣/ ٣١٥

شرح:.......درج بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ خواب کی تین اقسام ہیں:

(۱) ایسا خواب، جسے دیکھنے والا اپنے حق میں یا کسی کے حق میں بشارت خیال کرتا ہے اور تعبیر کرنے والے بھی اس کی موافقت کرتے ہوں، مثلا اذان سننا، نبی کریم ﷺ کو دیکھنا، تلاوت کرنا، وغیرہ۔

(۲) برا خواب، جس میں بندہ ڈر جاتا ہے یا کسی اعتبار سے اس پر گراں گزرتا ہے، مثلا سر کٹ جانا، مختلف انداز میں ڈرایا جانا، کسی گناہ کی وجہ سے بے عزتی ہونا، وغیرہ۔

(۳) ایسے خواب، جن کو برا کہا جا سکتا ہے یا نہ اچھا، مثلا بعض لوگ دن کو کام کاج کے دوران جو کچھ کہتے ہیں، اسے اپنے خواب میں دوہراتے رہتے ہیں۔ ایسے خواب بے حقیقت ہوتے ہیں۔

برا خواب دیکھنے کے احکام یہ ہیں:

(۱) برا خواب کسی کے سامنے بیان نہ کیا جائے۔

(۲) برے خواب کے بعد پہلو بدل لیا جائے، بائیں طرف تین دفعہ تھوکا جائے اور اس کے شر سے اللہ تعالی کی پناہ طلب کی جائے۔

(۳) نماز پڑھی جائے۔

خواب کس کے سامنے بیان کیا جائے

(٢٦٩٦)۔ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ أَنَّـهُ كَانَ يَقُوْلُ: ((لَا تَقُصُّوْا الرُّؤْيَا إِلَّا عَلٰى عَالِمٍ أَوْ نَاصِحٍ۔)) (الصحيحة:١١٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''صرف کسی عالم یا خیر خواہ کے سامنے اپنا خواب بیان کرو۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٤٥، والدارمي: ٢/ ١٢٦

شرح:...... سیدنا ابورزین عقیلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَلَا تُحَدِّثْ بِهَا إِلَّا لَبِيْبًا أَوْ حَبِيْبًا۔)) (ترمذی، ابو داود، ابن ماجہ) ...... ''صرف عقلمند یا اپنے محبّ کے سامنے اپنا خواب بیان کرو۔''

امام مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: عقلمند کے سامنے خواب بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کی بہترین تعبیر پیش کرے گا اور بری تعبیر ہونے کی صورت میں خاموش رہے گا، رہا مسئلہ محبّ کا، تو وہ صرف خوش کن تعبیر ہی بیان کرے گا۔

(تحفة الاحوذی)

دراصل اسلام میں پیشین گوئی کرنے کا ذریعہ صرف نبوت ہے، جس کا سلسلہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد منقطع ہو چکا ہے۔ لیکن آپ ﷺ کی تصدیق کے مطابق خواب میں بھی اللہ تعالی کی طرف سے مستقبل کے کسی امر کی نشاندہی ہو جاتی ہے، اس لیے اس مشابہت کی وجہ سے اس کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَرُؤْيَـا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وأَرْبَعِيْنَ جُزْءًا

مِنَ النُّبُوَّةِ.)) (صحیحہ: ٤٠١٤) ..... ''مسلمان کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔''

مثلاً دسمبر ۲۰۰۷ء کو پاکستان کی سابق وزیر اعظم بے نظیر ایک قاتلانہ حملے کی وجہ سے وفات پا گئیں، جب اس کی تدفین ہوئی تو سرگودھا کی ایک خاتون نے ہمیں بتلایا کہ وہ چند روز قبل ہو بہو یہی منظر بذریعہ خواب دیکھ چکی تھی۔ اس قسم کے خوابوں کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

قارئین کرام! آپ کو علم ہو یا نہ ہو، آپ سے متعلقہ مستقبل میں پیش آنے والے امور کا فیصلہ تقدیر خداوندی میں ہو چکا ہے، وہ آپ کے حق میں خوشکن ثابت ہوں یا پریشان کن، مثلاً اولاد کی خوشخبری یا فوتگی کی غمی، کاروبار میں اضافہ یا اس کا مندا پڑنا، وغیرہ وغیرہ۔ کسی عقلمند یا محب ومحبوب کے سامنے خواب بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ کسی خوشخبری پر مشتمل ہے تو وہ آپ پر وضاحت کر دے گا تاکہ آپ برمسرت انداز میں منتظر رہیں اور اگر وہ کسی آزمائش پر مشتمل ہو تو وہ اس کی تعبیر کو آپ سے مخفی رکھے گا، تاکہ آپ وقت سے پہلے پریشان نہ ہوں، ہاں اگر آزمائش آ جائے تو صبر وتحمل کے ساتھ اس کو برداشت کیا جائے۔

ذہن نشین رہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو کئی مسائل میں اللہ تعالیٰ کے فیصلوں سے موافقت حاصل ہوئی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ منصب نبوت پر فائز ہو گئے۔ بعینہ اسی طرح بسا اوقات مستقبل کی پیشین گوئی کرنے میں خواب کی امور نبوت سے موافقت ہو سکتی ہے، لیکن اس کا معنی یہ نہیں کہ وہ حقیقی نبوت کا حصہ ہے، جو ابھی تک باقی ہو۔

خواب کی تعبیر کی اہمیت

(٢٦٩٧)۔ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ الرُّؤْيَا تَقَعُ عَلٰى مَاتُعَبَّرُ، وَمِثْلُ ذٰلِكَ مَثَلُ رَجُلٍ رَفَعَ رِجْلَهُ فَهُوَ يَنْتَظِرُ مَتٰى يَضَعُهَا، فَإِذَا رَأٰى أَحَدُكُمْ رُؤْيَا، فَلَا يُحَدِّثْ بِهَا إِلَّا نَاصِحًا أَوْ عَالِمًا.)) (الصحيحة: ١٢٠)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خواب، تعبیر کے مطابق واقع ہوتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک آدمی نے اپنی ٹانگ اٹھا لی، اب وہ اس انتظار میں ہے کہ اسے کب زمین پر رکھے۔ جب کوئی آدمی خواب دیکھے تو اسے صرف کسی خیر خواہ یا اہل علم کے سامنے بیان کرے۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ٣٩١

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ خواب، تعبیر کے مطابق واقع ہوتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے کہ ہم اپنا خواب کسی عالم یا خیر خواہ کے سامنے بیان کریں، کیونکہ یہی دو ہستیاں ہیں جو اس کی تاویل کرتے وقت بہترین تعبیر کا انتخاب کریں گے، پھر وہ اسی کے مطابق وقوع پذیر ہو گی۔ لیکن بلا شک وشبہ یہ قید لگانا درست ہے کہ اس خواب میں کسی نہ کسی طرح اس تعبیر کی گنجائش پائی جاتی ہو۔ بصورت دیگر وہ تعبیر محض خطا قرار پائے گی اور اس کی کوئی تاثیر نہیں ہو گی۔ (واللہ اعلم)

امام بخاری رحمہ اللہ نے "صحیح البخاری" کی "کتاب التعبیر" میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ باب قائم کیا ہے: "بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ الرُّؤْيَا لِأَوَّلِ عَابِرٍ إِذَا لَمْ يُصِبْ" ..... اگر پہلا معبّر تعبیر کرنے میں حق بجانب نظر نہ آئے تو خواب اس کی تعبیر کے مطابق نہیں ہوگا۔ (صحیحہ: ۱۲۰)

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ذکر کی، جس میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعبیر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَصَبْتَ بَعْضًا وَ أَخْطَأْتَ بَعْضًا۔)) ...... "تم خواب کے بعض حصے کی تعبیر کرنے میں حق بجانب ہو اور بعض میں غلطی کی ہے۔"

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ تعبیر کرنے والے پہلے شخص سے غلطی ہو سکتی ہے۔

رخصت ہونے کے لیے مہمان کا میزبان سے اجازت لینا

(۲۶۹۸)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا زَارَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ، فَجَلَسَ عِنْدَهُ، فَلَا يَقُوْمَنَّ حَتّٰى يَسْتَأْذِنَهُ۔)) (الصحیحة: ۱۸۲)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی آدمی اپنے بھائی کی زیارت کے لیے جائے اور اس کے پاس بیٹھ جائے تو وہاں سے بلا اجازت نہ اٹھے۔"

تخریج: رواہ أبو الشیخ فی "تاریخ أصبهان": ۱۱۳

شرح:...... اس حدیث میں عظیم اسلامی آداب میں سے ایک ادب کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے اور وہ یہ کہ میزبان سے اجازت طلب کیے بغیر مہمان کو نہیں جانا چاہئے۔ اکثر لوگوں نے اس نبوی نصیحت سے بے رخی اختیار کی ہے کہ وہ اجازت طلب کیے بغیر مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں، بلکہ بعض تو سلام بھی نہیں کہتے۔

اس ادبِ اسلامی کے مختلف اسباب میں سے ایک سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات میزبان اپنے مہمانوں کی ضیافت کا اہتمام کر رہا ہوتا ہے یا اس کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ وہ ان کی خدمت سے محروم نہ رہے۔ لیکن اس ادب کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے اس کی حسرت، حسرتوں میں بدل جاتی ہے۔

مہمان کا ماکول ومشروب کی بابت کوئی سوال نہ کرنا

(۲۶۹۹)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ عَلٰى أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ، فَأَطْعَمَهُ مِنْ طَعَامِهِ، فَلْيَأْكُلْ وَلَا يَسْأَلْهُ عَنْهُ وَإِنْ سَقَاهُ مِنْ شَرَابِهِ فَلْيَشْرَبْ مِنْ شَرَابِهِ، وَلَا يَسْأَلْهُ عَنْهُ۔)) (الصحیحة: ٦٢٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کے پاس جائے اور وہ اسے کھانا کھلائے تو وہ کھانا کھا لے اور اس کے بارے میں مت پوچھے، اسی طرح اگر وہ کوئی مشروب پیش کرے تو وہ پی لے اور اس کے بارے میں نہ پوچھے۔"

تخریج: أخرجه الحاكم: ٤/ ١٢٦، وأحمد: ٢/ ٣٩٩، وأبو يعلى: ٦٣٥٨، والطبراني في "الأوسط": ٣/ ٢١٩/ ٢٤٦١ط و٢/ ٢٣/ ٢/ ٥٤٣٨ بترقيمي، والخطيب: ٣/ ٨٧، والديلمي في "مسند الفردوس": ١/ ١/ ١١٣۔مختصره

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ اس مقام پر رقمطراز ہیں: اس حدیثِ مبارکہ کا مصداق وہ مسلمان بھائی ہوگا، جس کے بارے میں غالب گمان یہ ہو کہ اس کا مال حلال ہے اور وہ حرام چیزوں سے اجتناب کرنے والا ہے، وگرنہ ضیافت میں پیش کی گئی چیزوں کی حلت و حرمت کے بارے میں سوال کرنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر جو مسلمان بلادِ کفر میں سکونت پذیر ہیں اور وہ کھانے کے لیے گوشت پیش کرتے ہیں تو ان سے پوچھا جائے گا کہ یہ کون سے جانور کا گوشت ہے اور آیا اس کو اسلامی طریقے کے مطابق ذبح کیا گیا ہے یا ویسے ہی قتل کر دیا گیا (جیسا کہ بعض ممالک میں تکبیر کے بغیر اور بجلی کے کرنٹ سے جانور کو قتل کر کے کھایا جاتا ہے)۔ (صحیحہ: ٦٢٧)

امام صاحب کی فقہ الحدیث کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے:

عَنْ أُمِّ عَبْدِاللّٰهِ أُخْتِ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ: أَنَّهَا بَعَثَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِقَدَحِ لَبَنٍ عِنْدَ فِطْرِهِ، وَذٰلِكَ فِي طُوْلِ النَّهَارِ وَشِدَّةِ الْحَرِّ، فَرَدَّ إِلَيْهَا رَسُوْلَهَا: ((أَنّٰى لَكِ هٰذَا اللَّبَنُ؟)) فَقَالَتْ: مِنْ شَاةٍ لِّي، فَرَدَّ إِلَيْهَا رَسُوْلَهَا: ((أَنّٰى لَكِ هٰذِهِ الشَّاةُ؟)) قَالَتْ: اِشْتَرَيْتُهَا مِنْ مَالِي فَشَرِبَ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ أَتَتْ أُمُّ عَبْدِاللّٰهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! بَعَثْتُ إِلَيْكَ بِذٰلِكَ اللَّبَنِ مُرْثِيَةً لَكَ مِنْ طُوْلِ النَّهَارِ وَشِدَّةِ الْحَرِّ، فَرَدَدْتَّ إِلَيَّ فِيْهِ الرَّسُوْلَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أُمِرَتِ الرُّسُلُ قَبْلِي أَلَّا تَأْكُلَ إِلَّا طَيِّبًا وَلَا تَعْمَلَ إِلَّا صَالِحاً۔)) (الزهد للامام احمد، مستدرك الامام حاكم، الصحيحة: ١١٣٦)

حضرت ام عبد اللہ رضی اللہ عنہا، جو حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، نے طویل دن اور سخت گرمی کی وجہ سے افطاری کے وقت نبی کریم ﷺ کی طرف دودھ کا ایک پیالہ بھیجا، لیکن آپ ﷺ نے اس کے قاصد کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ (پوچھ کر آؤ کہ) یہ دودھ کہاں سے لیا؟ اس نے جواب بھیجا کہ میری اپنی بکری کا دودھ ہے۔ آپ ﷺ نے قاصد کو دوبارہ واپس کر دیا کہ (یہ پوچھ کر آؤ کہ) وہ بکری کہاں سے لی ہے؟ اس نے کہا: میں نے اپنے مال سے خریدی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے (اتنی چھان بین کے بعد) وہ پی لیا۔ دوسرے دن ام عبد اللہ رضی اللہ عنہا خود رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے طویل دن اور سخت گرمی کی وجہ سے آپ پر ترس کھاتے ہوئے (کل) دودھ کا پیالہ بھیجا تھا، لیکن آپ نے میرے قاصد کو میری طرف (کچھ پوچھنے کے لیے) پلٹا دیا، (ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی)؟۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے قبل رسولوں کو یہی حکم دیا گیا کہ وہ طیّب (یعنی حلال) چیز کھائیں اور صرف نیک عمل کریں۔''

کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنا کیسا ہے؟

(٢٧٠٠)۔ قَالَ ﷺ: ((إِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِي وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ۔)) وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَعُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ۔ (الصحيحة:٩١٢)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب تم اپنی تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے چہروں پر مٹی پھینکو۔“ یہ حدیث حضرت مقداد بن اسود، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

تخریج: ١۔أما حديث المقداد؛ فأخرجه مسلم: ٨/ ٢٢٨، وأبوداود: ٢/ ٢٩٠، وأحمد: ٦/ ٥، والترمذي: ٣/ ٢٨٤، وابن ماجه: ٢/ ٤٠٧، وأبونعيم في "الحلية": ٤/ ٣٧٧، والبخاري في "الأدب المفرد": ٣٣٩

٢۔وأما حديث ابن عمر؛ فأخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٣٤٠، وابن حبان في "صحيحه": ٧/ ٥١٠/ ٥٧٣٩، ٥٧٤٠، ٥٧٤٠۔الاحسان، والخطيب في "التاريخ": ١١/ ١٠٧، ٧/ ٣٣٨، وأبونعيم في "الحلية": ٦/ ١٢٧، ٩٩، وابن عساكر في "تاريخه": ١٧/ ١٤٤٨/ ١

٣۔وأما حديث أبي هريرة: فأخرجه الترمذي: ٣/ ٢٨٥

٤۔وأما حديث عبادة؛ فأخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق": ٨/ ٨٦٤

(٢٧٠١)۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ مَرْفُوْعاً: ((إِيَّاكُمْ وَالتَّمَادُحَ، فَإِنَّهُ الذَّبْحُ۔)) (الصحيحة:١٢٨٤)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک دوسرے کی تعریف کرنے سے بچو، کیونکہ یہ ذبح کرنے کے مترادف ہے۔“

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٢/ ٤٠٧

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث مبارکہ کے جو مختلف متابعات وشواہد ذکر کئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس حدیث مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے تعریف کرنے والوں کے چہروں پر مٹی پھینکی تھی۔

امام مبارکپوری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے دو مفاہیم پیش کیے ہیں: (١) زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس حدیث کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کیا جائے، جیسا کہ راویٔ حدیث سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے کیا، وگرنہ (٢) اگر تاویل کی جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ تعریف کرنے والے کو ناکام و نامراد بنا دیا جائے، اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا جائے، تعریف کرنے کی وجہ سے اسے کچھ نہ دیا جائے، تاکہ اس کی زجر و توبیخ ہو سکے اور اسے ایسا کرنے سے روکا جا

سکے۔

باقی تمام تاویلوں میں بُعد پایا جاتا ہے۔ (یاد رہے کہ تعریف کرنے والے کو ''مادح'' اور جس کی تعریف کی جائے اس کو ''مَمْدُوح'' کہتے ہیں۔) امام غزالی رحمہ اللہ نے کہا: کسی کی تعریف کرنے میں چھ آفات پائی جاتی ہیں، چار کا تعلق مادح سے ہے اور دو کا ممدوح سے۔

(۱) تعریف کرنے والا افراط سے کام لیتے ہوئے ایسی صفات کا تذکرہ بھی کر دیتا ہے، جن سے درحقیقت متعلقہ فرد متصف نہیں ہوتا، سو وہ جھوٹا قرار پاتا ہے۔ (۲) مادح تعریف کرتے وقت ظاہری طور پر ایسی محبت و مودّت کا اظہار کرتا ہے، جو اس کے باطن میں نہیں ہوتی، سو وہ منافق قرار پاتا ہے۔ (۳) بسا اوقات مادح تحقیق کیے بغیر باتیں کر جاتا ہے اور اس طرح اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ (۴) بعض اوقات ممدوح ظالم ہوتا ہے، لیکن مادح اس کی تعریف کر کے اس کو خوش کر دیتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا نافرمان ٹھہرتا ہے۔ (۵) تعریف و توصیف کی وجہ سے ممدوح میں تکبر اور بڑائی جیسی بیماریاں پیدا ہو سکتی ہے اور (٦) بسا اوقات یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ممدوح اپنی تعریف پر اتنا اترائے کہ اس کا عمل ضائع ہو جائے۔ (تحفۃ الاحوذی)

قارئین کرام! اس قسم کی سخت وعیدوں کے باوجود عصر حاضر میں سامعین و حاضرین کے سامنے سجائے گئے سٹیج پر ایک دوسرے کی تعریف کرنے میں حد سے تجاوز کیا جاتا ہے، اس سٹیج پر مذہبی قائدین تشریف فرما ہوں یا سیاسی لیڈر۔ ایسے ہی الیکشن، جلسے جلوس اور کانفرنسوں کے مواقع پر جو اشتہار شائع کیے جاتے ہیں، ان میں بھی قائدین کے القاب و اوصاف بیان کرنے میں غلوّ سے کام لیا جاتا ہے۔ (فالعیاذ باللہ)

دعا کے دوران ہاتھوں کی کیفیت

(۲۷۰۲)۔ عَنْ مَالِكِ بْنِ يَسَارِ السَّكُوْنِيِّ الْعَوْفِيِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَسَأَلُوْهُ بِبُطُوْنِ أَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْأَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا۔)) (الصحيحة:٥٩٥)

حضرت مالک بن یسار سکونی عوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم (ہاتھ اٹھا کر) اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو سیدھے ہاتھوں سے سوال کیا کرو، نہ کہ الٹے ہاتھوں سے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ١٤٨٦، وكذا البغوي، وابن أبي عاصم، وابن السكن، والمعمري في "اليوم والليلة": وابن قانع كما في "الاصابة"، وابن عساكر: ١٢/ ٢٣٠-٢٣١

شرح:...... ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا دعا کی قبولیت کا باعث ہے، جیسا کہ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَيْهِ اَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا۔)) (ابوداود)...... ''بلاشبہ تمہارا رب بہت حیادار اور سخی ہے، جب اس کا بندہ ہاتھ اٹھا کر (اس سے مانگتا ہے) تو وہ اس کے ہاتھوں کو خالی واپس لوٹانے سے شرماتا ہے۔''

مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ میں دعا کے دوران ہاتھ اٹھانے کی ایک کیفیت بیان کی گئی ہے کہ ان کو سیدھا رکھا جائے، لیکن دوسری طرف آپ ﷺ نے الٹے ہاتھوں دعا سے کرنے کی تعلیم بھی دی ہے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بارش کے لیے دعا فرمائی، تو اپنی ہتھیلیوں کی پشتیں آسمان کی طرف کیں۔ (مسلم)

امام نووی رحمہ اللہ اس موضوع پر مشتمل احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے کہتے ہیں: ہمارے کئی اصحاب اور بعض دوسرے علما نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب قحط جیسی مصیبت کے ٹل جانے کے لیے دعا کی جائے تو ہتھیلیوں کی پشتیں آسمان کی طرف ہونی چاہئیں، لیکن جب کسی چیز کے حصول کا سوال کیا جائے تو ہاتھوں کو سیدھا رکھنا چاہیے۔ (شرح مسلم نووی) جیسا کہ اس باب کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اللہ تعالی سے سوال کرنے والے، کسی چیز کا مطالبہ کرنے والے اور کوئی چیز لینے کا انتظار کرنے والے کی ہیئت و کیفیت یہی ہونی چاہیے کہ اس کے ہاتھ سیدھے ہوں۔ (عون المعبود)

جبکہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: "اَلْمَسْأَلَةُ اَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ حَذْوَ مَنْكِبَيْكَ اَوْ نَحْوَهُمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ اَنْ تُشِيْرَ بِاِصْبَعٍ وَاحِدَةٍ وَالْاِبْتِهَالُ اَنْ تَمُدَّ يَدَيْكَ جَمِيْعًا، وَفِيْ رِوَايَةٍ: وَالْاِبْتِهَالُ هٰكَذَا۔" وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَجَعَلَ ظُهُوْرَهُمَا مِمَّا يَلِيْ وَجْهَهٗ۔ (ابوداود)..... (عام) سوال کرتے وقت ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھایا کرو، ایک انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے استغفار کیا کرو اور اللہ تعالی سے گڑگڑا کر دعا کرتے وقت ہاتھوں کو (خوب) کھینچ کر (بلند کیا جائے)۔ دوسری روایت میں ہے: اللہ تعالی سے گڑگڑا کر دعا کرنے کا انداز ایسا ہوتا ہے۔ پھر انھوں نے ہاتھ اٹھائے اور ان کی پشتیں اپنے چہرے کی طرف رکھیں۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے امام نووی کی تفسیر کی تائید ہوتی ہے۔

کتے کی بھونک اور گدھے کی رینگ سن کر اللہ کی پناہ طلب کرنا

(۲۷۰۳)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْكَلْبِ بِاللَّيْلِ أَوْ نُهَاقَ الْحَمِيْرِ، فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ، فَإِنَّهُمْ يَرَوْنَ مَالَا تَرَوْنَ، وَأَقِلُّوْا الْخُرُوْجَ إِذَا هَدَأَتِ الرِّجْلُ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَبُثُّ فِي لَيْلَةٍ مِنْ خَلْقِهِ مَايَشَاءُ وَأَجِيْفُوْا الْأَبْوَابَ وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَايَفْتَحُ بَاباً أُجِيْفَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَغَطُّوْا

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''جب تم رات کو کتے کی بھونک یا گدھے کی رینگ سنو تو اللہ تعالی کی پناہ طلب کرو، کیونکہ وہ ایسی چیزیں دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے۔ جب لوگ سو جائیں تو باہر نہ نکلا کرو، کیونکہ اللہ تعالی رات کے اس وقت میں اپنی مرضی کے مطابق مختلف مخلوقات کو منتشر کرتا ہے اور اللہ تعالی کا نام لے کر دروازے بند کیا کرو، کیونکہ شیطان وہ دروازہ نہیں کھولتا، جسے اللہ کا نام لے کر بند کیا گیا ہو اور گھڑے ڈھانپ دیا کرو، برتن اوندھے کر دیا کرو اور مشکیزوں کو ڈوری سے

الْــجِــرَارَ، وَأَكْــفِـئُـوْا الآنِيَةَ، وَأَوْكُـوْا الْقِرَبَ۔)) (الصحيحة:٣١٨٤) — باندھ دیا کرو۔"

تـخـريـــج: أخـرجـه أبويعلي في "مسنده": ٤/ ٢١٠، ومن طريقه: ابن حبان: ٥٤٩٣، والشطر الثاني من الحديث له طرق اخرى عن جابر رضی اللہ عنہ، بعضها في "الصحيحين"، خرجتها في "الارواء": ١/ ٨٠

شــرح: ...... رات کو کتے کی بھونک پر پناہ طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن گدھے کی ہینگ پر اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا رات کے ساتھ خاص نہیں ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَإِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيْقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهَا رَأَتْ شَيْطَانًا۔)) (بخاری: ٣٣٠٣، مسلم: ٢٧٢٩) ...... "جب تم گدھے کی ہینگ سنو، تو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کرو، کیونکہ وہ شیطان کو دیکھ کر (ہینگتا ہے)۔"

(٢٧٠٣م)۔ عَـنْ أَبِـيْ ذَرّ رضـي الله عنه مَـرْفُـوْعـاً: ((مَـنْ لَاءَ مَـكُـمْ مِنْ خَدَمِكُمْ فَـاَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ، وَأَلْبِسُوْهُمْ مِمَّا تَـلْبَسُـوْنَ، وَمَنْ لَّا يُلَائِمُكُمْ مِنْ خَدَمِكُمْ فَبِيْـعُــوْا، وَلَا تُـعَـذِّبُـوْا خَـلْـقَ الـلّٰـهِ عَزَّوَجَلَّ۔)) (الصحيحة: ٧٣٩)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے جو غلام تمہاری (طبیعت کے) موافق ہوں تو ان کو اس میں سے کھلایا کرو جو خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہنایا کرو جو خود پہنتے ہو اور جو غلام تمہاری موافقت نہ کریں تو ان کو بیچ دیا کرو اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عذاب نہ دیا کرو۔"

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ١٦٨و١٧٣، وكذا أبوداود: ٢/ ٣٣٧

فــوائد :..... اس حدیث سے ان لوگوں کو بھی سبق حاصل کرنا چاہیے جو اپنے ملازموں اور خادموں کی پٹائی کرتے رہتے ہیں، یا کم از کم ان کو گالی گلوچ نکالتے رہتے ہیں، جبکہ یہ رویہ عام ہوتا جا رہا ہے۔

خادموں اور غلاموں کے حقوق

روزی عطا کرنے کے انداز

(٢٧٠٤)۔ عَـنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا صَـنَـعَ خَـادِمُ أَحَـدِكُمْ طَعَاماً فَوَلِيَ حَرَّهُ وَمَشَقَّتَهُ فَلْيَدْعُهُ، فَلْيَأْكُلْ مَعَهُ فَإِنْ لَّمْ يَدْعُهُ فَلْيُنَاوِلْهُ مِنْهُ۔)) (الصحيحة: ٢٥٦٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تمھارا خادم تمھارے لیے کھانا تیار کرتا ہے تو وہ گرمی برداشت کرتا ہے اور مشقت اٹھاتا ہے، اس لیے آدمی کو چاہئے کہ اسے بلائے تاکہ وہ اس کے ساتھ کھائے، اگر کوئی اس طرح نہ کرے تو اسے کھانے کے لیے کچھ پکڑا دے۔"

تـخـريـــج: أخـرجـه أحمد: ٢/ ٤٨٣، وأخرجه مسلم: ٥/ ٩٤، وابوداود: ٢/ ١٤٩، واحمد: ٢/ ٢٧٧

ایضا بلفظ: ((اذا صنع لأحدكم خادمه طعاما ثم جاء ه به وقد ولی حره ودخانه فليقعد معه فليأكل، فان كان الطعام مشفوها قليلا فليضع في يده منه اكلة او اكلتين۔))

شرح:...... اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو روزی مہیا کرنے کے لیے دو انداز اختیار کئے ہیں: (۱) براہ راست اسبابِ رزق عطا کر دینا، جیسے ذاتی کاروبار یا ذاتی زمین وغیرہ اور (۲) کسی کو لوگوں کے ذریعے رزق عطا کرنا، جیسے کسی کی ملازمت وغیرہ۔

بہر حال یہ تو ہر انسان کی بابت اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے فیصلے ہیں، اسلام نے عدل و انصاف اور اخوت و مساوات پر حد درجہ زور دیا ہے اور احترامِ انسانیت کا سب سے زیادہ خیال رکھا ہے۔ اگر ظاہری حقوق کا اعتبار کریں تو غلام معاشرے کے سب سے کم مرتبے والے لوگ ہیں، لیکن اسلام نے ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ یہ سلوک اس طرح کیا جائے کہ مالکان جو خود کھائیں اور پہنیں، وہی اپنے غلاموں کو کھلائیں اور پہنائیں، ان کے معاملے میں عفو و درگذر کے پہلو کو وسیع رکھیں اور ان کی مجبوری و ماتحتی سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں، کیونکہ وہ دین اور انسان ہونے کی حیثیت سے اپنے آقاؤں کے بھائی ہیں۔

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے امیر طبقے سے شکر و تشکر وصول کرنے کے لیے غریب طبقے کو وجود بخشا ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم خادموں اور غلاموں کی معینہ تنخواہ کو ہی ان کے حق میں کافی نہ سمجھیں، بلکہ موقع محل کے مطابق ان کی دلجوئی کرتے رہیں۔

چہرے پر مارنے سے اجتناب کرنا

(۲۷۰۵)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فَإِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهِ۔)) (الصحيحة:٨٦٢)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب کوئی آدمی کسی کو سزا دے تو چہرے پر مارنے سے گریز کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا۔“

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٢٤٤، واخرج البخاري: ٥/ ١٨٢/ ٢٥٥٩، ومسلم: ٨/ ٣١ منه الشطر الاول بلفظ: ((اذا قاتل احدكم اخاه ....)) وليس عند البخاري: ((اخاه))

شرح:...... یہ حدیث احترامِ انسانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے، ہر سلیم الفطرت شخص تسلیم کرتا ہے کہ تربیتی مراحل میں بعض اوقات سزاؤں کا مرحلہ بھی ناگزیر ہو جاتا ہے، شریعتِ اسلامیہ نے نہ صرف اس ضابطے کو برقرار رکھا، بلکہ مقامِ انسانیت کو مجروح ہونے سے بچایا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: علمائے کرام کا خیال ہے کہ چہرہ نرم و نازک اور پیاری چیز ہے، تمام محاسن کا مجموعہ ہے، یہ حواس خمسہ (دیکھنا، سونگھنا، چکھنا، سننا، چھونا) کے اکثر حصے پر بھی مشتمل ہے، یہ اندیشہ ہے

کہ کسی ضرب کی وجہ سے چہرہ بھدا، بھونڈا اور بدشکل دکھائی دے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مارنے سے نہ صرف بھونڈا پن اور عیب داری نظر آئے گی، بلکہ وہ انتہائی واضح لگے گی۔ ان وجوہات کی بنا پر شریعتِ اسلامیہ نے چہرے پر مارنے سے منع کر دیا ہے۔(فتح الباری: ٥/ ٢٢٩)

حافظ ابن حجر دوسرے مقام پر اس حدیث مبارکہ کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو جس صورت پر پیدا کیا گیا، جنت میں اور جنت سے اترنے کے بعد، بلکہ وفات تک وہی صورت قائم رہی یا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ابتدائے تخلیق سے ایک وجود عطا کر دیا گیا، جبکہ ان کی اولاد اپنی تخلیق کے دوران کئی مراحل سے گزرتی ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں آخرت کے منکر اور زمانے کی بقا کے قائلین دہریوں کا ردّ ہے، جن کا خیال ہے کہ انسان نطفے سے پیدا ہوتا ہے اور نطفہ انسان سے نکلتا ہے اور اس کی کوئی ابتدا نہیں، بلکہ ازل سے انسانی تخلیق کا یہ نظام چل رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں وضاحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے خود انسانِ اوّل حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا۔ نیز اس حدیث میں ماہرینِ علمِ طبیعات کا بھی ردّ ہے، جن کا خیال ہے کہ انسان، ایک فطرت اور اس کی تاثیر کا فعل ہے۔ یہ حدیث قدریوں کا بھی ردّ کرتی ہے جو تقدیرِ خداوندی کے منکر ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ انسان اپنے افعال کی تخلیق خود کرتا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ۔(فتح الباری: ١١/ ٤)

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث میں "عَلٰی صُوْرَتِهٖ" میں "ہٖ" ضمیر کا مرجع لفظِ آدم ہے، نہ کہ لفظِ اللہ، کیونکہ یہی قریب ہے اور صحیح بخاری کی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں اس کی یوں وضاحت کی گئی ہے: ((خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا.)) ...... "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا اور ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔" یہ حدیث صحیحہ (۴۴۹) میں گزر چکی ہے۔

رہا مسئلہ اس حدیث کا: ((خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلٰى صُوْرَةِ الرَّحْمٰنِ.)) ...... "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا۔"

تو یہ منکر ہے، میں نے اس کی تفصیل (سلسلة الاحاديث الضعيفة: ١١٧٥، ١١٧٦) میں بیان کی ہے اور شیخ تویجری رحمہ اللہ جیسے ہم عصروں کی تصحیح کا ردّ بھی کیا ہے۔(صحيحه: ٢-٨٠٣)

دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں: یہ روایت ان لوگوں کے قول کی تائید کرتی ہے، جو لفظِ آدم کو "ہٖ" ضمیر کا مرجع بناتے ہیں، اس حدیث کا مفہوم یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جس ہیئت پر پیدا کیا تھا، اسی پر ان کو وجود بخشا، یعنی ان کو اپنی اولاد کی طرح نہ اپنی تخلیق کے دوران مختلف احوال سے گزرنا پڑا اور نہ رحموں میں پہلے نطفہ، پھر علقہ، پھر مضغہ، پھر عظام اور لحم اور خلق تامّ جیسے مراحل طے کرنا پڑے، بلکہ جونہی اللہ تعالیٰ نے ان میں روح پھونکی تو ان کو کامل و مکمل، معتدل و مناسب اور ٹھیک و درست بنا دیا۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث پر مفصل اور مفید گفتگو کی ہے، آپ اس کا مراجعہ کر لیں۔ (صحیحہ : ٤٤٩)
خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کسی انسان کو سزا دیتے وقت اس کے چہرے کا احترام کیا جائے، لیکن اس کے باوجود بعض لوگ اپنے ملازموں کو اور بعض آباء و اساتذہ اپنے بچوں اور شاگردوں کو سزا دیتے وقت چہرے پر تھپڑ مارتے ہیں۔ ایسے کرنے سے اس حدیث کی مخالفت ہوگی۔

چھینک کے آداب

(٢٧٠٦)۔ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰی أَبِي مُوْسٰی فِي بَيْتِ ابْنَةِ أُمِّ الْفَضْلِ، فَعَطَسْتُ وَلَمْ يُشَمِّتْنِي وَعَطَسَتْ فَشَمَّتَهَا، فَرَجَعْتُ إِلٰی أُمِّي فَأَخْبَرْتُهَا، فَلَمَّا جَاءَ هَا قَالَتْ: عَطَسَ ابْنِي عِنْدَكَ فَلَمْ تُشَمِّتْهُ، وَعَطَسَتْ فَشَمَّتَّهَا؟ فَقَالَ: إِنَّ ابْنَكَ عَطَسَ فَلَمْ يَحْمَدِاللّٰهَ تَعَالٰی فَلَمْ أُشَمِّتْهُ وَإِنَّهَا عَطَسَتْ وَحَمِدَتِ اللّٰهَ فَشَمَّتُّهَا، وَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَحَمِدَاللّٰهَ فَشَمِّتُوْهُ)) فَقَالَتْ: أَحْسَنْتَ أَحْسَنْتَ۔
(الصحيحة:٣٠٩٤)

حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، وہ بنت ام الفضل کے گھر میں تھے، جب مجھے چھینک آئی تو ابو موسی نے مجھے "یَرْحَمُكَ اللّٰه" کہہ کر) دعا نہیں دی، لیکن جب بنت ام الفضل کو چھینک آئی تو انھوں نے اسے دعائیہ جواب دیا۔ میں نے واپس جا کے اپنی ماں کو ساری بات بتا دی۔ جب ابو موسی، میری ماں کے پاس آئے تو انھوں نے پوچھا: میرے بیٹے نے چھینکا تو تو نے "یَرْحَمُكَ اللّٰه" نہیں کہا اور جب فلاں کو چھینک آئی تو تو نے اسے دعا دی، (اس فرق کی کیا وجہ ہے)؟ انھوں نے کہا: تیرے بیٹے نے چھینکا تو تھا لیکن اس نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" نہیں کہا تھا، اس لیے میں نے دعائیہ کلمات نہیں کہے اور ام الفضل کی بیٹی نے چھینکا اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہا، اس لیے میں نے "یَرْحَمُكِ اللّٰه" کہا اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: ”جب کسی کو چھینک آئے اور وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہے تو تم (یَرْحَمُكَ اللّٰه کہہ کر) اسے دعا دیا کرو اور اگر وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" نہ کہے تو تم بھی اسے دعا نہ دو۔“ (یہ حدیث سن کر) اس نے کہا: تو نے اچھا کیا، بہت اچھا کیا۔

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ٨/ ٦٨٣/ ٦٠٢٥، وعنه البيهقي في "الشعب": ٧/ ٢٥/ ٩٣٣٠، وأحمد: ٤/ ٤١٢، وأخرجه مسلم: ٨/ ٢٢٥، والبخاري في "الادب المفرد": ٩٤١، والحاكم: ٤/ ٢٦٥

(٢٧٠٧)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ ذِي الْجَنَاحَيْنِ كَانَ ﷺ إِذَا عَطَسَ حَمِدَاللّٰهَ فَيُقَالُ لَهُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ۔ فَيَقُوْلُ:

حضرت عبداللہ بن جعفر ذوالجناحین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب چھینکتے تو "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہتے۔ تو جب جواباً "یَرْحَمُكَ اللّٰه" کہا جاتا تو آپ فرماتے:

((يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحْ بَالَكُمْ۔)) (الصحيحة: ٢٣٨٧)

"يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ، وَيُصْلِحْ بَالَكُمْ (اللہ تمھیں ہدایت دے اور تمھارے حالات کی اصلاح فرمائے)۔"

تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ٢٠٤، والطبراني

شرح :...... چھینک کے آداب یہ ہیں کہ چھینکنے والا "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" (ساری تعریف اللہ تعالی کی ہے) کہے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَال" کہنا بھی درست ہے (ترمذی)، جواب میں "يَرْحَمُكَ اللّٰه" (اللہ تعالی تجھ پر رحم فرمائے) کہا جائے، پھر چھینکنے والا "يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ، وَيُصْلِحْ بَالَكُمْ" (اللہ تعالی تم کو ہدایت دے اور تیرے حال کی اصلاح فرمائے) کہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ۔)) (بخاری) ......"اللہ تعالی چھینک کو پسند کرتا ہے۔"

امام مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: چھینک دماغ کے ہلکا پن اور جسمانی قوتوں کے نکھار کا سبب بنتی ہے اور اس آدمی کو اطاعت و فرمانبرداری پر آمادہ کرتی ہے۔ چھینکنے والا یہ ادب بھی ذہن نشین کر لے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چھینکتے تھے تو اپنے ہاتھ یا کپڑے سے چہرے کو ڈھانپ لیتے اور اس طرح اپنی آواز کو پست کرتے۔ (ترمذی، ابو داود)

تین دفعہ چھینکنے والے کا جواب

(٢٧٠٨)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيُشَمِّتْهُ جَلِيْسُهُ، فَإِنْ زَادَ عَلٰى ثَلَاثٍ فَهُوَ مَزْكُوْمٌ، وَلَا يُشَمَّتْ بَعْدَ ذٰلِكَ۔)) (الصحيحة: ١٣٣٠)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کوئی چھینکے تو اس کا ہم نشیں (يَرْحَمُكَ اللّٰه کہہ کر) اسے دعا دے، اگر اسے تین سے زیادہ چھینکیں آئیں تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) اسے زکام ہے، ایسی صورت میں وہ (يَرْحَمُكَ اللّٰه) نہ کہے۔"

تخريج: أخرجه ابن السني في "عمل اليوم والليلة" ٢٥١، وابن عساكر في "تاريخ دمشق" ٢/ ٣٩١/ ٢، وابن السني: ٢٥٠، وأخرجه ابوداود: ٢/ ٦٠٣۔ الحلبية، لكن احال على لفظ قبله بمعناه

شرح :...... دراصل چھینک آدمی کی خوش مزاجی، سکون اور ہلکا پن کی علامت ہوتی ہے، ایسی چھینک کو قابل تعریف سمجھا گیا ہے، لیکن تین دفعہ چھینکنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی بنیاد کوئی بیماری ہے۔ اس لیے تین دفعہ کے بعد "يَرْحَمُكَ اللّٰه" نہیں کہنا چاہیے۔

سنن ابو داود میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ((شَمِّتْ اَخَاكَ ثَلَاثًا فَمَا زَادَ فَهُوَ زُكَامٌ۔)) ......"تم اپنے بھائی کو تین دفعہ "يَرْحَمُكَ اللّٰه" کہو، اگر اسے اس سے زیادہ دفعہ چھینک آئے تو وہ زکام (کی علامت) ہوگی۔"

منافق کو سیّد کہنا غضب الٰہی کا سبب ہے

(٢٧٠٩)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ مَرْفُوْعاً: ((إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلْمُنَافِقِ يَاسَيِّدُ فَقَدْ أَغْضَبَ رَبَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔))

(الصحيحة:١٣٨٩)

عبد اللہ بن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس) نے منافق کو''اے میرے سردار'' کہہ کر بلایا اس نے اپنے رب کو ناراض کر دیا۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ٣١١، وأبونعيم في "أخبار أصبهان" ٢/ ١٩٨، والخطيب: ٥/ ٤٥٤

(٢٧١٠)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ مَرْفُوْعاً: ((لَا تَقُوْلُوْا لِلْمُنَافِقِ: سَيِّدُنَا، فَإِنَّهُ إِنْ يَكُ سَيِّدَكُمْ فَقَدْ أَسْخَطْتُمْ رَبَّكُمْ عَزَّوَجَلَّ۔)) (الصحيحة:٣٧١)

عبداللہ بن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'منافق کو یوں نہ کہو: اے ہمارے سردار۔ کیونکہ اگر ایسا شخص تمہارا سردار ہوا تو یقیناً تم اپنے رب عزوجل کو (اپنے آپ پر) ناراض کر دو گے۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٢/ ٣١١، والبخاري في "الأدب المفرد": ٧٦٠، وأحمد: ٥/ ٣٤٦۔٣٤٧، وابن السني في "وعمل اليوم والليلة": ٣٨٥، والبيهقي في "الشعب": ٢/ ٥٨/ ٢، ونعيم بن حماد في "زوائد الزهد": ١٨٦، والنسائي

شرح:...... علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اگر تم منافق کو سید کہو گے تو اس سے اس کی تعظیم لازم آئے گی، حالانکہ وہ عزت وعظمت کا مستحق نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ کسی طرح بھی تمہارا سید نہیں ہو سکتا، اس لیے اس کے لیے یہ لقب استعمال کرنا محض جھوٹ اور نفاق ہوگا۔ نیز اس حدیث مبارکہ کا یہ مفہوم بھی درست ہوگا کہ اگر تم کسی منافق کو اپنا سید تسلیم کرو گے، تو تم پر ضروری ہوگا کہ اس کی اطاعت بھی کرو اور اگر تم نے اس کی اطاعت کی تو اپنے رب کو ناراض کر دو گے۔ ابن اثیر نے کہا: منافق کو سید نہ کہا کرو، کیونکہ اگر تم نے اس کو اپنا سید قرار دیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم خود اس سے کمتر ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے اس مرتبے کو پسند نہیں کرے گا۔ (عون المعبود)

خطبہ جمعہ کے آداب

(٢٧١١)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا قُلْتَ لِلنَّاسِ: أَنْصِتُوْا وَهُمْ يَتَكَلَّمُوْنَ، فَقَدْ أَلْغَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔)) يَعْنِيْ: يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔

(الصحيحة:١٧٠)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(جب امام جمعہ کے دن خطبہ دے رہا ہے اور) تو باتیں کرنے والے لوگوں کو کہے کہ چپ ہو جاؤ، تو یہ تیرا لغو اور بیہودہ کام شمار ہوگا۔''

تخريج. رواه الامام أحمد: ٢/ ٣١٨ واخرجه الشيخان بلفظ: ((اذا قلت لصاحبك انصت يوم الجمعة

والامام يخطب ، فقد لغوت ـ))

شرح:...... دورانِ خطبہ تمام سامعین کی توجہ خطیب کی طرف ہونی چاہیے، خطبہ کے دوران باتیں کرنے والے کو خاموش کرانا معقول بات ہے، لیکن سامعین کو اتنا اختیار بھی نہیں دیا گیا۔ بڑا افسوس ہے کہ عصر حاضر میں اکثر مساجد میں اس ادب کی سخت مخالفت کی جاتی ہے۔ مصافحہ کرنا، حال احوال پوچھنا، کم درجہ لوگوں کو جھڑک دینا اور موبائل فون سننے کے لیے چلے جانا وغیرہ جیسے امور عام ہیں۔ (اللہ کی پناہ)

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ہمیں گفت وشنید اور محفل ومجلس کے ایک ادب کی مخالفت کرنے سے باز رہنے کی تلقین کی ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی کے کلام میں انقطاع پیدا نہ کیا جائے، بلکہ قوم کے سرداروں سمیت حاضرین کو متکلم کی بات مکمل ہونے تک خاموش رہنا چاہئے اور ہر کسی کو اپنی اپنی باری پر بولنا چاہئے، اس ادب کی وجہ سے مجلس کے فوائد میں اضافہ ہوگا۔ بالخصوص جب کوئی مجلس علم شریعت پر مشتمل ہوگی۔ لیکن بڑا افسوس ہے کہ اکثر باحثین اس ادبِ شرعی سے غفلت برتتے ہیں۔ ہم اس کی طرف ان کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم ﷺ کے تمام آداب سے مزین فرمائے۔ (صحیحه : ۱۷۰)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موضوع پر یہ حدیث روایت کی ہے: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ۔)) ......
''جب تم اپنے ساتھی کو کہو کہ خاموش ہو جا، جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو، تو (تمہارا کہنا) لغو قرار پائے گا۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیثِ مبارکہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: مفسرین کے اقوال کا لب لباب یہ ہے کہ ہر غیر مستحسن کلام کو لغو کہتے ہیں۔ رہا مسئلہ اس حدیثِ مبارکہ میں لغو کے مفہوم کا، تو نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ جمعہ کے اجر و ثواب سے محرومی مراد ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد جمعہ کی فضیلت کا باطل ہو جانا یا جمعہ کا ظہر میں تبدیل ہو جانا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ سب اقوال قریب المعنی ہیں، البتہ آخری قول کی تائید ابوداود اور ابن خزیمہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے لغو بات کی اور لوگوں کی گردنیں پھلانگیں تو اس کی (جمعہ کے بجائے) ظہر کی نماز ہوگی۔'' اس کے ایک راوی ابن وہب نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی نمازِ جمعہ تو ہو جائے گی، لیکن وہ جمعہ کی فضیلت سے محروم رہے گا مسند احمد میں ہے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی کو کہا: خاموش ہو جا، تو اس نے کلام کی اور جس نے کلام کی اس کا کوئی جمعہ نہیں۔'' ابوداود میں بھی اسی قسم کی روایت موجود ہے۔ مسند احمد اور مسند بزار میں ہے، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے جمعہ کے روز کلام کی، جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو، تو وہ اس گدھے کی طرح ہے جس نے کتابیں اٹھا رکھی ہوں اور جو (اسے خاموش کرانے کے لیے) اس کو کہے گا کہ چپ ہو جا، تو اس کا بھی کوئی جمعہ نہیں ہوگا۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت اس کا قوی شاہد ہے، جو جامع حماد بن

سلمہ میں ہے۔ علما کہتے ہیں: ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کا جمعہ ناقص ہوگا، کیونکہ اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ ایسے آدمی کا فریضۂ جمعہ ساقط ہو جائے گا۔ (فتح الباری: ٢/ ٥٢٦)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سامعین و حاضرین کو مکمل توجہ اور انہماک کے ساتھ جمعۂ مبارکہ کا خطبہ سننا چاہئے، وگرنہ وہ اس فریضے کے اجر و ثواب سے محروم رہیں گے۔

خطبہ کے آداب

(٢٧١٢)۔ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((کُلُّ خُطْبَةٍ لَیْسَ فِیْهَا تَشَهُّدٌ، فَهِیَ کَالْیَدِ الْجَذْمَاءِ۔)) (الصحیحة: ١٦٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر وہ خطبہ، جس میں تشہد نہ ہو، کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے۔''

تخریج: أخرجه البخاری فی "التاریخ": ٤/ ١/ ٢٢٩، وأبوداود: ٤٨٤١، والترمذی: ١/ ٢٠٦، وابن حبان: ٥٧٩و١٩٩٤، والبیهقی: ٣/ ٢٠٩، وأحمد: ٢/ ٣٠٢و٣٤٣، والحربی فی "غریب الحدیث": ٥/ ٨٢/ ١، و أبو نعیم فی "الحلیة": ٩/ ٤٣

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مناوی نے "فیض القدیر" میں کہا: اس حدیث میں لفظ ''تشہد'' سے مراد شہادتین ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کے رسول کی رسالت کی گواہی دینا۔ التحیات کی طرح جز بول کر کل مراد لیا ہے۔ قاضی نے کہا: کلمۂ شہادت ادا کرنا تشہد کا اصل معنی ہے اور تشہد کا نام تشہد رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو شہادتوں پر مشتمل ہے، پھر اس لفظ کے استعمال میں وسعت اختیار کی گئی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا۔

لیکن میں (البانی) کہتا ہوں: اس حدیث میں تشہد سے مراد خطبۂ حاجت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ میری مراد یہ خطبہ ہے: اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا هَادِیَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔......

میرے دعوی کی دلیل سیدنا جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے کھڑے ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے، جیسے اس کو لائق ہے۔ پھر فرماتے: مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا هَادِیَ لَهٗ، اِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰهِ ......

اور ایک روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ میں تشہد کے بعد فرماتے: اِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰهِ ...... (مسند احمد)

دیکھیے، دوسری روایت میں "اِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ" سے پہلے والے الفاظ کو تشہد کہا گیا، اگرچہ صراحت کے

ساتھ اس کا ذکر نہیں کیا گیا، لیکن دوسری روایت میں "فَيَحْمَدُ اللّٰهَ وَيُثْنِي عَلَيْهِ" کہہ کر تشہد کی طرف اشارہ کیا ہے۔

خطبۂ حاجت سے متعلقہ دوسری احادیث اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ثنا، شہادتین کو بھی شامل ہے۔ اس لیے ہم نے کہا: اس باب کی حدیث میں خطبۂ حاجت والے تشہد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس مفہوم میں یہ حدیث سیدنا جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث کے ساتھ متفق ہو جاتی ہے۔

حدیث کے الفاظ "كَالْيَدِ الْجَذْمَاءِ" کے معانی "کٹے ہوئے ہاتھ" کے ہیں۔ یعنی جو خطبہ، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پر مشتمل نہیں ہوگا، وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہوگا، جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

میں (البانی) کہتا ہوں: شاید یہی سبب ہے کہ اکثر تقاریر، دروس اور لیکچرز غیر مؤثر اور بے سود ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ اس حدیث کے مطابق ان کی ابتدا تشہد سے نہیں کی جاتی، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو اس کی تعلیم دینے کے بڑے حریص تھے۔ جو خطبا اس سنت سے غافل ہیں، شاید وہ اس حدیث مبارکہ سے سبق حاصل کریں اور اپنے نقصان کی تلافی کر لیں۔ (صحیحہ: ١٦٩)

مسلمان کے مال پر ناحق قبضے کا انجام بد

(٢٧١٣)۔ عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ أَكَلَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ أَكْلَةً، فَإِنَّ اللّٰهَ يُطْعِمُهُ مِثْلَهَا مِنْ جَهَنَّمَ، وَمَنِ اكْتَسٰى بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ ثَوْباً فَإِنَّ اللّٰهَ يَكْسُوهُ مِثْلَهُ فِي جَهَنَّمَ وَمَنْ قَامَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ مَقَامَ سُمْعَةٍ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُوْمُ بِهِ مَقَامَ سُمْعَةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة: ٩٣٤)

حضرت مستورد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کسی مسلمان کا ایک لقمہ ناحق کھایا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے بقدر جہنم کا کھانا کھلائیں گے، جس نے کسی مسلمان کا کپڑا ناحق پہنا تو اللہ تعالیٰ اسے اسی کے بقدر جہنم کا کپڑا پہنائیں گے اور جس نے اپنے مسلمان بھائی کی ساکھ برقرار رکھی، (اس کے عوض) اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کی ساکھ برقرار رکھے گا۔"

تخريج: رواه الحاكم: ٤/ ١٢٧، ١٢٨، وأحمد: ٢٢٩، والطبراني في "الأوسط": ٢٨٠٣ بترقيمي، والدينوري في "المنتقى من المجالسة": ١٦٢/ ١، والبخاري في "الادب المفرد": ٢٤٠، وابوداود: ٤٨٨١

شرح: ...... اس میں مسلمان کے مال اور عزت کی تعظیم کا بیان ہے۔ اگرچہ عصر حاضر میں اکثر لوگ دوسروں کے حقوق غصب کرنے اور ان کی توہین کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں، بہرحال کامیاب و کامران وہی ہے جو مسلمان کے مال و عزت دونوں کا دفاع کرے۔

مخفی انداز میں لوگوں کی ضروریات پوری کرنا اور اس کی وجہ

(٢٧١٤)۔ قَالَ ﷺ: ((اِسْتَعِيْنُوْا عَلٰى

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مخفی انداز میں ضرورت مندوں کی

إِنْجَاحِ الْحَوَائِجِ بِالْكِتْمَانِ، فَإِنَّ كُلَّ ذِي نِعْمَةٍ مَحْسُوْدٍ۔)) رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي بُرْدَةَ مُرْسَلاً۔ (الصحيحة:١٤٥٣)

ضرورتیں پوری کیا کرو، کیونکہ ہر خوشحال آدمی پر حسد کیا جاتا ہے۔'' یہ حدیث حضرت معاذ بن جبل، حضرت علی بن ابو طالب، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہم سے مرسلاً روایت کی گئی ہے۔

تخريج: (١)۔ أما حديث معاذ؛ فأخرجه العقيلي في"الضعفاء" صـ ١٥١، والطبراني في"المعجم الصغير" صـ ٢٤٦۔ هندية، و "الكبير" أيضاء و "الأوسط" والروياني في"مسنده" ق ٢٥٠/ ١، والخلعي في "الفوائد" ٢/ ٥٨/ ٢، وابن عدي في"الكامل" ١٨٢/ ١، وأبونعيم في "الحلية" ٥/ ٢١٥و ٦/ ٩٦، والقضاعي: ٦٠/ ١، والبيهقي في"شعب الأيمان" ٢/ ٢٩١/ ١، والكلاباذي في"مفتاح المعاني" ٣٥/ ١ رقم ٤٥، ،ابن عدى: ٩٦/ ٢

(٢)۔ وأما حديث على؛ فرواه الخلعى فى "الفوائد"

(٣)۔ وأما حديث عبد الله بن عباس؛ فأخرجه الخطيب فى "التاريخ": ٨/ ٥٦

(٤)۔ وأما حديث ابى هريرة؛ فرواه ابن حبان فى "روضة العقلاء": صـ ١٨٧، والسهمى فى "تاريخ جرجان": صـ ١٨٢

(٥)وأما حديث أبى بردة؛ فأخرجه ابو عبد الرحمن السلمى فى "آداب الصحبة" صـ ٢٦

شرح:...... ریاکاری اور نمود و نمائش جرم ہے، اللہ تعالی سے توفیق طلب کرنے کے بعد اس سے بچنے کا واحد حل اعمالِ خیر کو مخفی انداز میں سرانجام دینا ہے، جس کی اس حدیثِ مبارکہ میں تعلیم دی گئی ہے۔ البتہ اس حدیث میں ایک دوسری وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ہمارے معاشرے میں عام طور پر ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی صلاحیتیں کم ہوتی ہے، بعض اوقات ایک آدمی کی آسودگی و خوش حالی دوسروں پر گراں گزرتی ہے، نتیجتاً وہ حسد کرنے لگتے ہیں اور محبت و مودّت مفقود ہو جانا شروع ہو جاتی ہے اور اسلامی معاشرے میں نفرتوں اور غیبتوں کی فضا عام ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے ہماری آخرت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

جوتے پہن کر چلنا چاہیے

(٢٧١٥)۔ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ فِي غَزْوَةٍ غَزَوْنَاهَا: ((اسْتَكْثِرُوْا مِنَ النِّعَالِ، فَإِنَّ الرَّجُلَ لَايَزَالُ رَاكِباً مَا انْتَعَلَ)) (الصحيحة:٣٤٥)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک غزوہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا: ''زیادہ تر جوتوں میں ہی چلا کرو، کیونکہ جب تک آدمی جوتے پہنے ہوئے ہوتا ہے، وہ ایک قسم کا سوار ہوتا ہے۔''

تخريج:أخرجه مسلم: ٦/ ١٥٣، وأبوداود: ٤١٣٣، وابن حبان: ٥٤٣٣، ٥٤٣٤، وأحمد: ٣/ ٣٣٧، ٣٦٠، والعقيلي: ٨١، وابن عدي: ٨٦/ ٢، والخطيب في"تاريخ بغداد": ٣/ ٤٢٥، ١٠/ ٢٨٦-٢٨٧

شرح:...... امام نووی نے کہا ہے کہ جوتیاں پہن کر چلنے والا، ننگے پاؤں چلنے والے کی بہ نسبت راستے کی سختی و کرختگی، کانٹوں اور دوسری موذی چیزوں سے سالم رہتا ہے، اس کے پاؤں محفوظ رہتے ہیں، مشقت وتھکاوٹ کم ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اس حدیث میں ایسے شخص کو سوار آدمی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسافر کو دورانِ سفر اپنی معاون چیزوں کا استعمال کرنا چاہئے۔

یقیناً وہ شخص اس حدیث کی صداقت کو فوراً تسلیم کرے گا، جس نے کعبۃ اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی پیدل اور ننگے پاؤں کی ہوگی۔ یہ کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے، لیکن سعی سے فارغ ہونے والا اپنے پاؤں میں عجیب قسم کی درد اور تھکاوٹ محسوس کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ہر آدمی کو راضی کرنے کا ایک انداز

(٢٧١٦)۔ عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: لَمَّا خَرَجْنَا مِنْ مَكَّةَ اتَّبَعَتْنَا ابْنَةُ حَمْزَةَ فَنَادَتْ: يَاعَمِّ! يَا عَمِّ! فَأَخَذْتُ بِيَدِهَا فَنَاوَلْتُهَا فَاطِمَةَ قُلْتُ: دُوْنَكِ ابْنَةُ عَمِّكِ، فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ، اخْتَصَمْنَا فِيْهَا أَنَا وَزَيْدٌ وَجَعْفَرٌ، فَقُلْتُ: أَنَا أَخَذْتُهَا وَهِيَ ابْنَةُ عَمِّي، وَقَالَ زَيْدٌ: ابْنَةُ أَخِي، وَقَالَ جَعْفَرٌ: ابْنَةُ عَمِّي، وَخَالَتُهَا عِنْدِي، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِجَعْفَرٍ: ((أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي۔)) وَقَالَ لِزَيْدٍ: ((أَنْتَ أَخُوْنَا وَمَوْلَانَا)) وَقَالَ لِي: ((أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ اِدْفَعُوْهَا إِلٰى خَالَتِهَا، فَإِنَّ الْخَالَةَ أُمٌّ۔)) فَقُلْتُ: أَلَا تُزَوِّجُهَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ۔))

(الصحيحة:١١٨٢)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم مکہ سے نکلے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہمارے پیچھے چل پڑی، اس نے آواز دی: میرے چچا جان! میرے چچا جان! میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تھماتے ہوئے کہا: اپنی چچازاد بہن کو اپنے پاس رکھو۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو میں، زید اور جعفر جھگڑا کرنے لگے۔ میں نے کہا: یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میں اسے لے کر آیا ہوں۔ زید نے کہا: یہ تو میرے بھائی کی بیٹی ہے اور جعفر نے کہا: میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جعفر سے کہا: ”تو پیدائشی اور اخلاقی اوصاف میں مجھ سے مشابہت رکھتا ہے۔“ زید سے کہا: ”تو ہمارا بھائی اور دوست ہے۔“ اور مجھے کہا: تو مجھ سے ہے، میں تجھ سے ہوں۔ اس طرح کرو کہ اس (بچی) کو اس کی خالہ کے حوالے کر دو، کیونکہ خالہ بھی ماں ہی ہوتی ہے۔“ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ میرے رضاعی بھائی (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ) کی بیٹی ہے۔“ (صحیحہ : ١١٨٢)

تخريج: أخرجه أبوداود: ١/ ٥٣٠ـ الحلبية، والحاكم: ٣/ ١٢٠ واللفظ له، وأحمد: ١/ ٨٨، ١١٥

شرح:...... سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ دونوں بھائی تھے اور مؤخر الذکر دس سال بڑے تھے، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے، جبکہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے یا بچی کی پرورش کے سلسلہ میں اس کی خالہ، اس کی ماں کے قائم مقام ہے۔ اس بات پر تو اجماع ہو چکا ہے کہ اس سلسلے میں ماں سب سے زیادہ مستحق ہے اور اس حدیث میں دی گئی تشبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کی خالہ، اس کے باپ، نانیوں اور پھوپھیوں سے زیادہ مستحق ہے۔ (عون المعبود)

آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو جو جواب دیا، وہ ان کو مطمئن کرنے کے لیے دیا تھا۔

اچھے امر کے لیے شفاعت باعثِ اجر ہے

(٢٧١٧)ـ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اِشْفَعُوْا تُؤْجَرُوْا، فَإِنِّي لَأُرِيْدُ الْأَمْرَ فَأُؤَخِّرُهُ كَيْمَا تَشْفَعُوْا فَتُؤْجَرُوْا.)) (الصحيحة:١٤٦٤)

حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سفارش کیا کرو، تمھیں اجر دیا جائے گا۔ بسا اوقات کوئی کام کرنے کا میرا ارادہ تو ہوتا ہے، لیکن میں اس میں اس لیے تاخیر کرتا ہوں کہ تم سفارش کرو اور تمھیں اجر دیا جائے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٥١٣٢، والنسائي: ١/ ٣٥٦، والخرائطي في "مكارم الأخلاق" صـ ٧٥

شرح:...... شریعتِ مطہرہ کا قانون ہے کہ نیکی کا سبب بننا نیکی اور برائی کا سبب بننا برائی ہے، کئی آیات و احادیث میں یہ مفہوم پایا جاتا ہے، شفاعتِ حسنہ کے بارے میں ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾ (سورۂ نساء: ٨٥) ''...اور جو شخص کسی نیکی یا بھلے کام کی سفارش کرے، اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا اور جو برائی اور بدی کی سفارش کرے گا، اس کا بھی اس میں ایک حصہ ہے۔''

اس لیے ہمیں چاہیے لوگوں کی جائز ضروریات اور بالخصوص نیک عزائم کی تکمیل کے لیے تگ و دو کریں، اگرچہ وہ ان کے حق میں سفارش کرنے کی صورت میں ہی ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی مخصوص علامتیں

رسول اللہ ﷺ کا اپنے صحابہ کی معاونت کرنا

تلاشِ حق کے لیے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا سفر نامہ

(٢٧١٨)ـ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

ثَـنـى سَـلْمَانُ الْفَارِسِيُّ، حَدِيْثَهُ مِنْ فِيْهِ، قَالَ: كُنْتُ رَجُلاً فَارِسِيًّا مِنْ أَهْلِ (اِصْبَهَانَ) مِـنْ أَهْلِ قَرْيَةٍ مِنْهَا يُقَالُ لَهَا: (جَيٌّ) وَكَانَ أَبِـى دِهْـقَـانَ قَـرْيَتِهِ، وَكُنْتُ أَحَبَّ خَلْقِ الـلّٰـهِ إِلَيْـهِ، فَـلَمْ يَزَلْ حُبُّـهُ إِيَّـاىَ حَتّٰى حَبَسَـنِـى فِـى بَيْتِـهِ۔ أَىْ مُلَازِمَ النَّارِ۔ كَمَا تُـحْبَـسُ الْـجَـارِيَةُ، وَأَجْهَـدْتُ فِـى الْـمَـجُوْسِيَّةِ حَتّٰى كُنْتُ قَاطِنَ النَّارِ الَّذِى يُوْقِدُهَا لَايَتْرُكُهَا تَخْبُوْسَاعَةً۔ قَالَ: وَكَانَتْ لِأَبِـى ضَيْـعَةٌ عَـظِيْـمَةٌ، قَـالَ: فَشَغَلَ فِى بُـنْيَـان لَـهُ يَـوْمـاً، فَـقَالَ: لِى: يَابُنَىَّ! إِنِّى شَـغَلْتُ فِى بُنْيَان هٰذَا الْيَوْمِ عَنْ ضَيْعَتِى، فَـاذْهَـبْ فَاطَّلِعْهَا وَأَمَرَنِى فِيْهَا بِبَعْضِ مَا يُـرِيْدُ، فَخَرَجْتُ، أُرِيْدُ ضَيْعَتَهُ، فَمَرَرْتُ بِـكَـنِيْسَةٍ مِنْ كَنَائِسِ النَّصَارٰى، فَسَمِعْتُ أَصْـوَاتَهُـمْ فِيْهَا وَهُمْ يُصَلُّوْنَ، وَكُنْتُ لَا أَدْرِى مَـا أَمْـرَ النَّاسِ لِحَبْسِ أَبِى إِيَّاىَ فِى بَيْتِهِ، فَلَمَّا مَرَرْتُ بِهِمْ وَسَمِعْتُ أَصْوَاتَهُمْ، دَخَـلْـتُ عَلَيْهِمْ أَنْظُرُ مَا يَـصْنَعُوْنَ، قَالَ: فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ أَعْجَبَتْنِى صَلَاتُهُمْ، وَرَغِبْتُ فِـى أَمْـرِهِـمْ، وَقُلْتُ: هٰذَا وَاللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدِّيْنِ الَّذِى نَحْنُ عَلَيْهِ، فَوَاللّٰهِ مَاتَرَكْتُهُمْ حَتّٰـى غَـرَبَـتِ الشَّـمْسُ، وَتَرَكْتُ ضَيْعَةَ أَبِـى، وَلَـمْ آتِهَـا، فَـقُلْتُ لَهُمْ: أَيْنَ أَصْلُ هٰـذَا الـدِّيْـنِ؟ قَـالُوْا: بِـالشَّـامِ، قَـالَ: ثُمَّ رَجَـعْتُ إِلٰى أَبِى، وَقَدْ بَعَثَ فِى طَلَبِى،

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مجھے اپنا واقعہ اپنی زبانی یوں بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں اصبہان کا ایک فارسی باشندہ تھا، میرا تعلق ان کی ایک جَیّ نامی بستی سے تھا، میرے باپ اپنی بستی کا بہت بڑے کسان تھے اور میں اپنے باپ کے ہاں اللہ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب تھا۔ میرے ساتھ ان کی محبت قائم رہی حتیٰ کہ انھوں نے مجھے گھر میں آگ کے پاس ہمیشہ رہنے والے کی حیثیت سے پابند کر دیا، جیسے لڑکی کو پابند کر دیا جاتا ہے۔ میں نے مجوسیت میں بڑی جد وجہد سے کام لیا، حتی کہ میں آگ کا ایسا خادم ومصاحب بنا کہ ہر وقت اس کو جلاتا رہتا تھا اور ایک لمحہ کے لیے بھی اسے بجھنے نہ دیتا تھا۔ میرے باپ کی ایک بڑی عظیم جائداد تھی، انھوں نے ایک دن ایک عمارت (کے سلسلہ میں) مصروف ہونے کی وجہ سے مجھے کہا: بیٹا! میں تو آج اس عمارت میں مشغول ہو گیا ہوں اور اپنی جائداد (تک نہیں پہنچ پاؤں گا)، اس لیے تم چلے جاؤ اور ذرا دیکھ کر آؤ۔ انھوں نے اس کے بارے میں مزید چند (احکام بھی) صادر کئے تھے۔ پس میں اس جاگیر کے لیے نکل پڑا، میرا گزر عیسائیوں کے ایک گرجا گھر کے پاس سے ہوا، میں نے ان کی آوازیں سنیں وہ نماز ادا کر رہے تھے۔ مجھے یہ علم نہ ہو سکا کہ عوام الناس کا کیا معاملہ ہے کہ میرے باپ نے مجھے اپنے گھر میں پابند کر رکھا ہے۔ (بہرحال) جب میں ان کے پاس سے گزرا اور ان کی آوازیں سنیں تو میں ان کے پاس چلا گیا اور ان کی نقل وحرکت دیکھنے لگ گیا۔ جب میں نے ان کو دیکھا تو مجھے ان کی نماز پسند آئی اور میں ان کے دین کی طرف راغب ہوا اور میں نے کہا: بخدا! یہ دین اُس (مجوسیت) سے بہتر ہے جس پر ہم کاربند ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا: اس دین کی بنیاد کہاں ہے؟ انھوں

وَشَغَلْتُهُ عَنْ عَمَلِهِ كُلِّهِ۔

قَالَ: فَلَمَّا جِئْتُهُ قَالَ: أَيْ بُنَيَّ أَيْنَ كُنْتَ؟ أَلَمْ أَكُنْ عَهِدْتُ إِلَيْكَ مَاعَهِدْتُ؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا أَبَتِ! مَرَرْتُ بِنَاسٍ يُصَلُّوْنَ فِي كَنِيْسَةٍ لَهُمْ، فَأَعْجَبَنِي مَارَأَيْتُ مِنْ دِيْنِهِمْ، فَوَاللّٰهِ مَا زِلْتُ عِنْدَهُمْ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ قَالَ: أَيْ بُنَيَّ! لَيْسَ فِي ذٰلِكَ الدِّيْنِ خَيْرٌ، دِيْنُكَ وَدِيْنُ آبَائِكَ خَيْرٌ مِنْهُ. قَالَ: قُلْتُ كَلَّا وَاللّٰهِ، إِنَّهُ خَيْرٌ مِنْ دِيْنِنَا، قَالَ: فَخَافَنِي فَجَعَلَ فِي رِجْلِيْ قَيْداً ثُمَّ حَبَسَنِي فِي بَيْتِهِ۔

قَالَ: وَبَعَثْتُ إِلَى النَّصَارٰى فَقُلْتُ لَهُمْ: إِذَا قَدِمَ عَلَيْكُمْ رَكْبٌ مِّنَ الشَّامِ تُجَّارٌ مِنَ النَّصَارٰى، فَأَخْبِرُوْنِي بِهِمْ، قَالَ: فَقَدِمَ عَلَيْهِمْ رَكْبٌ مِنَ الشَّامِ تُجَّارٌ مِّنَ النَّصَارٰى، قَالَ: فَأَخْبَرُوْنِي بِهِمْ، قَالَ: قُلْتُ لَهُمْ: إِذَا قَضَوْا حَوَائِجَهُمْ، وَأَرَادُوْا الرَّجْعَةَ إِلَى بِلَادِهِمْ فَآذِنُوْنِي بِهِمْ، فَلَمَّا أَرَادُوْا الرَّجْعَةَ إِلَى بِلَادِهِمْ أَخْبَرُوْنِي بِهِمْ، فَأَلْقَيْتُ الْحَدِيْدَ مِنْ رِجْلَيَّ، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُمْ حَتّٰى قَدِمْتُ الشَّامَ۔

فَلَمَّا قَدِمْتُهَا قُلْتُ: مَنْ أَفْضَلُ أَهْلِ هٰذَا الدِّيْنِ؟ قَالُوْا: الْأُسْقُفُ فِي الْكَنِيْسَةِ قَالَ: فَجِئْتُهُ، فَقُلْتُ: إِنِّي قَدْ رَغِبْتُ فِي هٰذَا الدِّيْنِ، وَأَحْبَبْتُ أَنْ أَكُوْنَ مَعَكَ أَخْدِمُكَ فِي كَنِيْسَتِكَ، وَأَتَعَلَّمُ مِنْكَ، وَأُصَلِّي

نے کہا: شام میں۔ پھر میں اپنے باپ کی طرف واپس آ گیا، (چونکہ مجھے تاخیر ہوگئی تھی اس لیے) انھوں نے مجھے بلانے کے لیے کچھ لوگوں کو بھی میرے پیچھے بھیج دیا تھا۔ میں اس مصروفیت کی وجہ سے ان کے مکمل کام کی (طرف کوئی توجہ نہ دھر سکا)۔

جب میں ان کے پاس آیا تو انھوں نے پوچھا: بیٹا! آپ کہاں تھے؟ کیا میں نے ایک ذمہ داری آپ کے سپرد نہیں کی تھی؟ میں نے کہا: ابا جان! میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا، وہ گرجا گھر میں نماز پڑھ رہے تھے، مجھے ان کی کاروائی بڑی پسند آئی۔ اللہ کی قسم! میں ان کے پاس ہی رہا، حتی کہ سورج غروب ہوگیا۔ میرے باپ نے کہا: بیٹا! اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے، تمہارا اور تمہارے آبا کا دین اس سے بہتر ہے۔ میں نے کہا: بخدا! ہرگز نہیں، وہ دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ (میرے ان جذبات کی وجہ سے) میرے باپ کو میرے بارے میں خطرہ لاحق ہوا اور انھوں نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر مجھے گھر میں پابند کر دیا۔

میں نے عیسائیوں کی طرف پیغام بھیجا کہ جب شام سے تاجروں کا عیسائی قافلہ آئے تو مجھے خبر دینا۔ (کچھ ایام کے بعد) جب شام سے عیسائیوں کا تجارتی قافلہ پہنچا تو انھوں نے مجھے اس (کی آمد) کی اطلاع دی۔ میں نے ان سے کہا: جب (اس قافلے کے) لوگ اپنی ضروریات پوری کر کے اپنے ملک کی طرف واپس لوٹنا چاہیں تو مجھے بتلا دینا۔ سو جب انھوں نے واپس جانا چاہا تو انھوں نے مجھے اطلاع دے دی۔ میں نے اپنے پاؤں سے بیڑیاں اتار پھینکیں اور ان کے ساتھ نکل پڑا اور شام پہنچ گیا۔

جب میں شام پہنچا تو پوچھا: وہ کون سی شخصیت ہے جو اس

مَعَكَ۔ قَالَ: فَادْخُلْ فَدَخَلْتُ مَعَهُ، قَالَ: فَكَانَ رَجُلٌ سُوْءٌ يَأْمُرُهُمْ بِالصَّدَقَةِ وَيُرَغِّبُهُمْ فِيْهَا، فَإِذَا جَمَعُوْا إِلَيْهِ مِنْهَا أَشْيَاءَ اكْتَنَزَهُ لِنَفْسِهِ وَلَمْ يُعْطِهِ الْمَسَاكِيْنَ، حَتّٰى جَمَعَ سَبْعَ قِلَالٍ مِنْ ذَهَبٍ وَوَرِقٍ، قَالَ: وَأَبْغَضْتُهُ بُغْضًا شَدِيْدًا لِمَا رَأَيْتُهُ يَصْنَعُ، ثُمَّ مَاتَ، فَاجْتَمَعَتْ إِلَيْهِ النَّصَارٰى لِيَدْفِنُوْهُ، فَقُلْتُ لَهُمْ: إِنَّ هٰذَا كَانَ رَجُلُ سُوْءٍ، يَأْمُرُكُمْ بِالصَّدَقَةِ وَيُرَغِّبُكُمْ فِيْهَا، فَإِذَا جِئْتُمُوْهُ بِهَا، اكْتَنَزَهَا لِنَفْسِهِ وَلَمْ يُعْطِ الْمَسَاكِيْنَ مِنْهَا شَيْئًا۔ قَالُوْا: وَمَا عِلْمُكَ بِذٰلِكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: أَنَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى كَنْزِهِ۔ قَالُوْا: فَدُلَّنَا عَلَيْهِ۔ قَالَ: فَأَرَيْتُهُمْ مَوْضِعَهُ، قَالَ: فَاسْتَخْرَجُوْا مِنْهُ سَبْعَ قِلَالٍ مَمْلُوْءَةٍ ذَهَبًا وَوَرِقًا، قَالَ: فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوْا: وَاللّٰهِ لَا نَدْفِنُهُ أَبَدًا۔ فَصَلَبُوْهُ ثُمَّ رَجَمُوْهُ بِالْحِجَارَةِ، ثُمَّ جَاءُوْا بِرَجُلٍ آخَرَ فَجَعَلُوْهُ بِمَكَانِهِ۔ قَالَ: يَقُوْلُ سَلْمَانُ: فَمَا رَأَيْتُ رَجُلًا لَا يُصَلِّي الْخَمْسَ أَرٰى أَنَّهُ أَفْضَلَ مِنْهُ، أَزْهَدَ فِي الدُّنْيَا وَلَا أَرْغَبَ فِي الْآخِرَةِ، وَلَا أَدْأَبَ لَيْلًا وَنَهَارًا مِنْهُ، قَالَ: فَأَحْبَبْتُهُ حُبًّا لَمْ أُحِبَّهُ مَنْ قَبْلَهُ، وَأَقَمْتُ مَعَهُ زَمَانًا ثُمَّ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ، فَقُلْتُ لَهُ: يَافُلَانُ! إِنِّي كُنْتُ مَعَكَ، وَأَحْبَبْتُكَ حُبًّا لَمْ أُحِبَّهُ مِنْهُ قَبْلَكَ، وَقَدْ حَضَرَكَ مَاتَرٰى مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ،

دین والوں میں افضل ہے؟ انھوں نے کہا: فلاں گرجا گھر میں ایک پادری ہے۔میں اس کے پاس گیا اور میں نے کہا: میں اِس دینِ (نصرانیت) کی طرف راغب ہوا ہوں، اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس رہوں اور گرجا گھر میں آپ کی خدمت کروں اور آپ سے تعلیم حاصل کروں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھوں۔ اس نے کہا: (ٹھیک ہے) آ جاؤ۔ پس میں اس میں داخل ہو گیا۔لیکن وہ بڑا برا آدمی تھا۔ وہ لوگوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا تھا اور ان کو ترغیب دلاتا تھا۔ جب وہ کئی اشیا لے کر آتے تھے،تو وہ اپنے لیے جمع کر لیتا تھا اور مساکین کو کچھ بھی نہیں دیتا تھا،حتی کہ اس کے پاس سونے اور چاندی کے سات مٹکے جمع ہو گئے۔ میں اس کے کرتوں کی بنا پر اس سے نفرت کرتا تھا۔ بالآخر وہ مر گیا، اسے دفن کرنے کے لیے عیسائی لوگ پہنچ گئے۔ میں نے ان سے کہا: یہ تو برا آدمی تھا، یہ تم لوگوں کو تو صدقہ کرنے کا حکم دیتا اور اس کی ترغیب دلاتا تھا،لیکن جب تم لوگ اس کے پاس صدقہ جمع کرواتے تھےتو یہ اسے اپنے لیے ذخیرہ کر لیتا تھا اور مساکین کو بالکل نہیں دیتا تھا۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا: تجھے کیسے علم ہوا؟ میں نے کہا: میں تمھیں اس کے خزانے کی خبر دے سکتا ہوں۔ انھوں نے کہا: تو پھر ہمیں بتاؤ۔پس میں نے ان کو (اس کے خزانے کا) مقام دکھایا۔ انھوں نے وہاں سے سونے اورچاندی کے بھرے ہوئے سات مٹکے نکالے۔ جب انھوں نے صدقے (کا یہ حشر) دیکھا تو کہنے لگے: بخدا! ہم اس کو کبھی بھی دفن نہیں کریں گے۔سو انھوں نے اس کو سولی پر لٹکایا اور پھر پتھروں سے اس کو سنگسار کیا۔ بعد ازاں وہ اس کی جگہ ایک اور آدمی لے آئے۔حضرت سلمان کہتے ہیں: جو لوگ پانچ نمازیں ادا کرتے تھے، میں نے اس کو ان

فَإِلٰى مَنْ تُوْصِىْ بِىْ؟ وَمَاتَأْمُرُنِىْ؟ قَالَ: أَىْ بُنَىَّ! وَاللّٰهِ مَا أَعْلَمُ أَحَداً الْيَوْمَ عَلٰى مَاكُنْتُ عَلَيْهِ، لَقَدْ هَلَكَ النَّاسُ وَبَدَّلُوْا وَتَرَكُوْا أَكْثَرَمَا كَانُوْا عَلَيْهِ إِلَّا رَجُلاً بِـ(الْمَوْصِلِ) وَهُوَ فُلَانٌ، فَهُوَ عَلٰى مَا كُنْتُ عَلَيْهِ فَالْحَقْ بِهٖ۔ قَالَ: فَلَمَّا مَاتَ وَغُيِّبَ، لَحِقْتُ بِصَاحِبِ (الْمَوْصِلِ)، فَقُلْتُ لَهُ: يَافُلَانُ! إِنَّ فُلَاناً أَوْصَانِى عِنْدَ مَوْتِهٖ أَنْ أَلْحَقَ بِكَ وَأَخْبَرَنِى أَنَّكَ عَلٰى أَمْرِهٖ۔ قَالَ: فَقَالَ لِى: أَقِمْ عِنْدِى۔ فَأَقَمْتُ عِنْدَهُ، فَوَجَدْتُهُ خَيْرَ رَجُلٍ عَلٰى أَمْرِ صَاحِبِهٖ، فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ مَاتَ، فَلَمَّا حَضَرَتْهُ الوفاة، قُلْتُ لَهُ: يَا فُلَانُ! إِنَّ فُلَانًا أَوْصٰى بِىْ اِلَيْكَ وَأَمَرَنِىْ بِاللُّحُوْقِ بِكَ وَقَدْ حَضَرَكَ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مَا تَرٰى فَإِلٰى مَنْ تُوْصِىْ بِىْ؟ وَمَا تَأْمُرُنِىْ؟ قَالَ: أَىْ بُنَىَّ! وَاللّٰهِ! مَا أَعْلَمُ رَجُلًا عَلٰى مِثْلِ مَا كُنَّا عَلَيْهِ إِلَّا رَجُلًا بِـ(نَصِيْبِيْن) وَهُوَ فُلَانٌ فَالْحَقْ بِهٖ۔ قَالَ: فَلَمَّا مَاتَ وَغُيِّبَ لَحِقْتُ بِصَاحِبِ نَصِيْبِيْن فَجِئْتُهُ فَأَخْبَرْتُهُ بِخَبَرِىْ وَمَا أَمَرَنِىْ بِهٖ صَاحِبِىْ قَالَ:

فَأَقِمْ عِنْدِىْ۔ فَأَقَمْتُ عِنْدَهُ فَوَجَدْتُهُ عَلٰى أَمْرِ صَاحِبَيْهِ فَأَقَمْتُ مَعَ خَيْرِ رَجُلٍ، فَوَاللّٰهِ مَا لَبِثَ اَنْ نَزَلَ بِهِ الْمَوْتُ، فَلَمَّا حُضِرَ قُلْتُ لَهُ: يَا فُلَانُ! إِنَّ فُلَانًا كَانَ أَوْصٰى بِىْ إِلٰى فُلَانٍ، ثُمَّ أَوْصٰى بِىْ فُلَانٌ

میں افضل پایا۔ میں نے اسے دنیا سے سب سے زیادہ بے رغبت، آخرت کے معاملے میں سب سے زیادہ رغبت والا اور دن ہو یا رات (عبادت کے معاملات کو) تندہی سے ادا کرنے والا پایا۔ میں نے اس سے ایسی محبت کی کہ اس سے پہلے اس قسم کی محبت کسی سے نہیں کی تھی۔ میں اسی کے ساتھ کچھ زمانہ تک مقیم رہا۔ بالآخر اس کی وفات کا وقت قریب آ پہنچا۔ میں نے اسے کہا: اے فلان! میں تیرے ساتھ رہا اور میں نے تجھ سے ایسی محبت کی کہ اس سے قبل اس قسم کی محبت کسی سے نہیں کی تھی۔ اب تیرے پاس اللہ تعالی کا حکم (موت) آ پہنچا ہے، تو خود بھی محسوس کر رہا ہے۔ اب تو مجھے کسی بندۂ (خدا) کے پاس جانے کی نصیحت کرے گا؟ اور مجھے کیا حکم دے گا؟ اس نے کہا: میرے بیٹے! اللہ کی قسم! میں جس دین پر پابند تھا، میرے علم کے مطابق کوئی بھی اس دین کا پیروکار نہیں ہے۔ لوگ ہلاک ہو گئے ہیں اور تبدیل ہو گئے ہیں اور جس شریعت کو اپنا رکھا تھا اس کے اکثر امور کو ترک کر دیا ہے۔ ہاں ایک آدمی موصل میں ہے۔ وہ بھی اسی دین پر کاربند ہے، پس تو اس کے پاس چلے جانا۔

جب وہ فوت ہو گیا اور اسے دفن کر دیا گیا تو میں موصل والے آدمی کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اسے کہا: اے فلاں! فلاں آدمی نے موت کے وقت مجھے وصیت کی تھی کہ میں تجھ سے آ ملوں۔ اس نے مجھے بتلایا تھا کہ تم بھی اس کے دین پر کاربند ہو۔ اس نے مجھے کہا: (ٹھیک ہے) تم میرے پاس ٹھہر سکتے ہو۔ پس میں نے اس کے پاس اقامت اختیار کی، میں نے اسے بہترین آدمی پایا جو اپنے ساتھی کے دین پر برقرار تھا۔ (کچھ عرصے کے بعد اس پر بھی) فوت ہونے کے آثار (دکھائی دینے لگے)۔ جب اس پر وفات کی گھڑی آ پہنچی تو

اِلَيْكَ ، فَإِلٰى مَنْ تُوْصِيْ بِيْ؟ وَمَا تَأْمُرُنِيْ؟ قَالَ: أَيْ بُنَيَّ! وَاللّٰهِ مَا نَعْلَمُ أَحَدًا بَقِيَ عَلٰى أَمْرِنَا آمُرُكَ أَنْ تَأْتِيَهُ أَلَّا رَجُلًا بِـ (عَمُّوْرِيَّةَ) فَإِنَّهُ بِمِثْلِ مَا نَحْنُ عَلَيْهِ ، فَإِنْ اَحْبَبْتَ فَأْتِهِ۔ قَالَ: فَأَنَّهُ عَلٰى أَمْرِنَا۔ قَالَ: فَلَمَّا مَاتَ وَغُيِّبَ ، لَقِيْتُ بِصَاحِبِ عَمُّوْرِيَّةَ وَأَخْبَرْتُهُ خَبَرِيْ ، فَقَالَ: أَقِمْ عِنْدِيْ۔ فَأَقَمْتُ مَعَ رَجُلٍ عَلٰى هَدْيِ أَصْحَابِهِ وَأَمْرِهِمْ۔ قَالَ: وَاكْتَسَبْتُ حَتّٰى كَانَ لِيْ بَقَرَاتٌ وَغُنَيْمَةٌ ۔ قَالَ: ثُمَّ نَزَلَ بِهِ أَمْرُ اللّٰهِ ، فَلَمَّا حُضِرَ قُلْتُ لَهُ: يَا فُلَانُ! أَنِّيْ كُنْتُ مَعَ فُلَان ، فَأَوْصٰى بِيْ فُلَانٌ إِلٰى فُلَان ، وَأَوْصٰى بِيْ فُلَانٌ أَلٰى فُلَان ، ثُمَّ أَوْصٰى بِيْ فُلَانٌ أَلَيْكَ ، فَأَلٰى مَنْ تُوْصِيْ بِيْ؟ وَمَا تَأْمُرُنِيْ؟ قَالَ: أَيْ بُنَيَّ! مَا أَعْلَمُهُ أَصْبَحَ عَلٰى مَا كُنَّا عَلَيْهِ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ آمُرُكَ أَنْ تَأْتِيَهُ وَلٰكِنَّهُ قَدْ أَظَلَّكَ زَمَانُ نَبِيٍّ ، هُوَ مَبْعُوْثٌ بِدِيْنِ أَبْرَاهِيْمَ ، يَخْرُجُ بِأَرْضِ الْعَرَبِ ، مُهَاجِرًا أَلٰى أَرْضٍ بَيْنَ حَرَّتَيْنِ بَيْنَهُمَا نَخْلٌ ، بِهِ عَلَامَاتٌ لَا تَخْفٰى ، يَأْكُلُ الْهَدِيَّةَ وَلَا يَأْكُلُ الصَّدَقَةَ ، بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ ، فَأَنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَلْحَقَ بِتِلْكَ الْبِلَادِ فَافْعَلْ۔ قَالَ: ثُمَّ مَاتَ وَغُيِّبَ ، فَمَكَثْتُ فِيْ عَمُّوْرِيَّةَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ أَمْكُثَ۔ ثُمَّ مَرَّبِيْ نَفَرٌ مِنْ كَلْبٍ تُجَّارًا فَقُلْتُ لَهُمْ. تَحْمِلُوْنِيْ إِلٰى أَرْضِ الْعَرَبِ

میں نے کہا: اے فلاں! فلاں نے تو مجھے تیرے بارے میں وصیت کی تھی اور مجھے حکم دیا تھا کہ تیری صحبت میں رہوں۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل ہونے والا ہے وہ تو دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا مجھے کیا وصیت کرے گا اور کیا حکم دے گا کہ میں کس کے پاس جاؤں؟

اس نے کہا: بیٹا! اللہ کی قسم! میرے علم کے مطابق تو ہمارے دین پر قائم صرف ایک آدمی ہے، جو نصیبین میں ہے۔ (میری وفات کے بعد) اس کے پاس چلے جانا۔ پس جب وہ فوت ہوا اور اسے دفن کر دیا گیا تو میں نصیبین والے صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ میں اس کے پاس آیا اور اسے اپنے بارے میں اور اپنے (رہنما) کے حکم کے بارے میں مطلع کیا۔ اس نے کہا: میرے پاس ٹھہریے۔ سو میں اس کے پاس ٹھہر گیا۔ میں نے اس کو اس کے سابقہ دونوں صاحبوں کے دین پر پایا۔ وہ بہترین آدمی تھا جس کے پاس میں نے اقامت اختیار کی۔ لیکن اللہ کی قسم! وہ جلد ہی مرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ جب اس کی موت کا وقت آیا تو میں نے اسے کہا: اے فلاں! فلاں (اللہ کے بندے) نے مجھے فلاں کی (صحبت میں رہنے کی) نصیحت کی تھی، پھر اس نے تیرے پاس آنے کی نصیحت کی۔ اب تو مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرے گا یا کیا حکم دے گا؟

اس نے کہا: میرے بیٹے! ہم تو ایسے آدمی کے بارے میں کوئی معلومات نہیں رکھتے، جو ہمارے دین پر قائم ہو، کہ تو اس کے پاس جا سکے۔ البتہ ایک آدمی عموریہ میں ہے۔ وہ دین کے معاملے میں ہماری طرح کا ہے۔ اگر تو چاہتا ہے تو اس کے پاس چلے جانا، کیونکہ وہ ہمارے دین پر برقرار ہے۔ پس جب وہ بھی مر گیا اور اسے دفن کر دیا گیا، تو میں عموریہ

وَأُعْطِيْكُمْ بَقَرَاتِيْ هٰذِهِ وَغُنَيْمَتِي هٰذِهِ؟ قَالُوْا: نَعَمْ فَأَعْطَيْتُمُوْهَا، وَحَمَلُوْنِي، حَتّٰى إِذَا قَدِمُوْا بِي وَادِيَ الْقُرٰى ظَلَمُوْنِي، فَبَاعُوْنِي مِنْ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُوْدِ عَبْداً، فَكُنْتُ عِنْدَهُ، وَرَأَيْتُ النَّخْلَ، وَرَجَوْتُ، أَنْ تَكُوْنَ الْبَلَدُ الَّذِي وَصَفَ لِي صَاحِبِي، وَلَمْ يَحُقَّ لِي فِي نَفْسِي- فَبَيْنَمَا أَنَا عِنْدَهُ قَدِمَ عَلَيْهِ ابْنُ عَمٍّ لَّهُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ مِنْ بَنِي قُرَيْظَةَ، فَابْتَاعَنِي مِنْهُ، فَاحْتَمَلَنِي إِلَى الْمَدِيْنَةِ، فَوَاللّٰهِ مَاهُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُهَا فَعَرَفْتُهَا بِصَفَةِ صَاحِبِي، فَأَقَمْتُ بِهَا- وَبَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ فَأَقَامَ بِمَكَّةَ مَا أَقَامَ، لَا أَسْمَعُ لَهُ بِذِكْرٍ مَعَ مَا أَنَا فِيْهِ مِنْ شُغْلِ الرِّقِّ- ثُمَّ هَاجَرَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ، فَوَاللّٰهِ إِنِّي لَفِي رَأْسِ عِذْقٍ لِسَيِّدِيْ أَعْمَلُ فِيْهِ بَعْضَ الْعَمَلِ، وَسَيِّدِي جَالِسٌ إِذْ أَقْبَلَ ابْنُ عَمٍّ لَّهُ حَتّٰى وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ: فُلَانٌ قَاتَلَ اللّٰهُ بَنِي قَيْلَةَ، وَاللّٰهِ إِنَّهُمْ الْآنَ لَمُجْتَمِعُوْنَ بِـ(قُبَاءَ) عَلٰى رَجُلٍ قَدِمَ عَلَيْهِمْ مِنْ مَكَّةَ الْيَوْمَ يَزْعَمُوْنَ أَنَّهُ نَبِيٌّ- قَالَ: فَلَمَّا سَمِعْتُهَا أَخَذَتْنِي الْعُرَوَاءُ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنِّي سَأَسْقُطُ عَلٰى سَيِّدِيْ، قَالَ: وَنَزَلْتُ عَنِ النَّخْلَةِ فَجَعَلْتُ أَقُوْلُ لِابْنِ عَمِّهِ ذٰلِكَ: مَاذَا تَقُوْلُ؟ مَاذَا تَقُوْلُ؟ قَالَ: فَغَضِبَ سَيِّدِي فَلَكَمَنِي لَكْمَةً شَدِيْدَةً، ثُمَّ قَالَ: مَالَكَ وَلِهٰذَا؟ أَقْبِلْ عَلٰى

والے (بندۂ خدا) کے پاس پہنچ گیا اور اسے اپنا سارا ماجرا سنایا۔ اس نے کہا: تم میرے پاس ٹھہرو۔ میں نے اس کی صحبت اختیار کر لی اور اسے اس کے اصحاب کی سیرت اور دین پر پایا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اس کے پاس رہ کر کمائی بھی کی، حتی کہ میں کچھ گائیوں اور بکریوں کا مالک بن گیا۔ لیکن اس پر بھی اللہ تعالی کا حکم نازل ہونے (کی علامات دکھائی دینے لگیں)۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آ پہنچا تو میں نے اسے کہا: اے فلاں! میں فلاں (بندۂ خدا) کے پاس تھا، فلاں نے مجھے فلاں کے بارے میں، فلاں نے فلاں کے بارے میں اور اس نے تیرے پاس آنے کی وصیت کی تھی۔ اب تو مجھے کس (کی صحبت میں رہنے) کی وصیت کرے گا؟ اور مجھے کیا حکم دے گا؟ اس نے کہا: میرے بیٹا! میں تو کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو ہمارے دین پر کاربند ہو اور جس کے بارے میں میں تجھے حکم دے سکوں۔ لیکن اب ایک نبی کی آمد کا وقت قریب آ چکا ہے، اسے دینِ ابراہیمی کے ساتھ مبعوث کیا جائے گا، وہ عربوں کی سرزمین سے ظاہر ہو گا اور ایسے (شہر) کی طرف ہجرت کرے گا جو دو حروں (یعنی کالے پتھر والی زمینوں) کے درمیان ہو گا اور ان کے درمیان کھجوروں کے درخت ہوں گے۔ اس کی اور علامات بھی ہوں گی، جو مخفی نہیں ہوں گی۔ وہ ہدیہ (یعنی بطورِ تحفہ دی گئی چیز) کھائے گا، صدقہ نہیں کھائے گا اور اس کے کندھوں کے درمیان مہرِ ختم نبوّت ہو گی۔ اگر تجھے استطاعت ہے تو (عرب کے) ان علاقوں تک پہنچ جا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر وہ فوت ہو گیا اور اسے دفن کر دیا گیا۔ جب تک اللہ تعالی کو منظور تھا، میں عموریہ میں

عَمَلِكَ۔ قَالَ: قُلْتُ: لَاشَيْءَ إِنَّمَا أَردتُّ أَنْ أَسْتَثْبِتَ عَمَّا قَالَ۔ وَقَدْ كَانَ عِنْدِي شَيْءٌ قَدْ جَمَعْتُهُ، فَلَمَّا أَمْسَيْتُ أَخَذْتُهُ ثُمَّ ذَهَبْتُ بِهِ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ بِـ(قُبَاءٍ) فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ لَهُ: إِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِي أَنَّكَ رَجُلٌ صَالِحٌ، وَمَعَكَ أَصْحَابٌ لَّكَ غُرَبَاءُ ذَوُوْ حَاجَةٍ، وَهٰذَا شَيْءٌ كَانَ عِنْدِي لِلصَّدَقَةِ، فَرَأَيْتُكُمْ أَحَقَّ بِهِ مِنْ غَيْرِكُمْ، قَالَ: فَقَرَّبْتُهُ إِلَيْهِ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِأَصْحَابِهِ:((كُلُوْا۔)) وَأَمْسَكَ يَدَهُ فَلَمْ يَأْكُلْ۔ قَالَ: فَقُلْتُ فِي نَفْسِي: هٰذِهِ وَاحِدَةٌ ثُمَّ انْصَرَفْتُ عَنْهُ، فَجَمَعْتُ شَيْئاً، وَتَحَوَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى الْمَدِيْنَةِ، ثُمَّ جِئْتُ بِهِ فَقُلْتُ: إِنِّي رَأَيْتُكَ لَا تَأْكُلُ الصَّدَقَةَ، وَهٰذِهِ هَدِيَّةٌ أَكْرَمْتُكَ بِهَا، قَالَ: فَأَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْهَا، وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ فَأَكَلُوْا مَعَهُ، قَالَ: فَقُلْتُ: فِي نَفْسِي هَاتَانِ اثْنَتَانِ۔

ثُمَّ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ بِبَقِيْعِ الْغَرْقَدِ، قَالَ: وَقَدْ تَبِعَ جَنَازَةً مِنْ أَصْحَابِهِ، عَلَيْهِ شَمْلَتَانِ لَهُ، وَهُوَ جَالِسٌ فِي أَصْحَابِهِ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، ثُمَّ اسْتَدَرْتُ أَنْظُرُ إِلَى ظَهْرِهِ، هَلْ أَرَى الْخَاتَمَ الَّذِي وَصَفَ لِي صَاحِبِي، فَلَمَّا رَآنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اسْتَدَرْتُهُ، عَرَفَ أَنِّي اَسْتَثْبِتُ فِي شَيْءٍ وَصَفَ لِي، قَالَ: فَأَلْقَى

سکونت پذیر رہا۔ پھر میرے پاس سے بنو کلب قبیلے کا ایک تجارتی قافلہ گزرا۔ میں نے ان سے کہا: اگر تم مجھے سرزمینِ عرب کی طرف لے جاؤ تو میں تم کو اپنی گائیں اور بکریاں دے دوں گا؟ انھوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ پس میں نے اپنی گائیں اور بکریاں ان کو دے دیں اور انھوں نے مجھے اپنے ساتھ ملا لیا۔ جب وہ مجھے وادئ قری تک لے کر پہنچے تو انھوں نے مجھ پر ظلم کیا اور بطورِ غلام ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ پس میں اس کے پاس ٹھہر گیا۔ جب میں نے کھجوروں کے درخت دیکھے تو مجھے امید ہونے لگی کہ یہ وہی شہر ہے جو میرے ساتھی نے بیان کیا تھا، لیکن یقین نہیں آ رہا تھا۔ ایک دن اس یہودی کا چچا زاد بھائی، جس کا تعلق بنو قریظہ سے تھا، مدینہ سے اس کے پاس آیا اور مجھے خرید کر اپنے پاس مدینہ میں لے گیا۔ اللہ کی قسم! جب میں نے مدینہ کو دیکھا تو اپنے ساتھی کی بیان کردہ علامات کی روشنی میں اس کو پہچان گیا (کہ یہی خاتم النبیین کا مسکن ہو گا)۔ میں وہاں فروکش ہو گیا۔ اُدھر اللہ تعالی نے اپنے رسول کو مکہ مکرمہ میں مبعوث کر دیا، جتنے دن انھوں نے وہاں ٹھہرنا تھا، وہ ٹھہرے۔ لیکن میں نے ان (کی آمد) کا کوئی تذکرہ نہیں سنا، دوسری بات یہ بھی ہے کہ میں غلامی والے شغل میں مصروف رہتا تھا۔

بالآخر نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے۔ اللہ کی قسم! (ایک دن) میں اپنے آقا کے پھل دار کھجور کے درخت کی چوٹی پر کوئی کام کر رہا تھا، میرا مالک بیٹھا ہوا تھا، اس کا چچازاد بھائی اچانک اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: اللہ تعالی بنوقیلہ کو ہلاک کرے، وہ قبا میں مکہ سے آنے والے ایک آدمی کے پاس جمع ہیں اور ان کا خیال ہے کہ وہ نبی

رِدَاءَ عَنْ ظَهْرِهِ، فَنَظَرْتُ إِلَى الْخَاتَمِ فَعَرَفْتُهُ، فَانْكَبَبْتُ عَلَيْهِ أُقَبِّلُهُ وَأَبْكِي. فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((تَحَوَّلْ.)) فَتَحَوَّلْتُ، فَقَصَصْتُ عَلَيْهِ حَدِيْثِي. كَمَا حَدَّثْتُكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! قَالَ: فَأَعْجَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَسْمَعَ ذٰلِكَ أَصْحَابُهُ. ثُمَّ شَغَلَ سَلْمَانُ الرِّقَّ حَتّٰى فَاتَهُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَدْرٌ وَأُحُدٌ. قَالَ: ثُمَّ قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كَاتِبْ يَا سَلْمَانُ!)) فَكَاتَبْتُ صَاحِبِي عَلٰى ثَلَاثِ مِائَةِ نَخْلَةٍ أُحْيِيْهَا لَهُ بِالْفَقِيْرِ، وَبِأَرْبَعِيْنَ أَوْقِيَةً. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَعِيْنُوْا أَخَاكُمْ.)) فَأَعَانُوْنِي بِالنَّخْلِ، الرَّجُلُ بِثَلَاثِيْنَ وَدِيَّةً وَالرَّجُلُ بِعِشْرِيْنَ، وَالرَّجُلُ بِخَمْسَ عَشْرَةَ، وَالرَّجُلُ بِعَشْرٍ يَعْنِي: الرَّجُلَ بِقَدَرِ مَاعِنْدَهُ. حَتّٰى اِجْتَمَعَتْ لِي ثَلَاثُ مِئَةِ وَدِيَّةٍ. فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِذْهَبْ يَاسَلْمَانُ! فَفَقِّرْلَهَا، فَإِذَا فَرَغْتَ فَأْتِنِي أَكُوْنُ أَنَا أَضَعُهَا بِيَدِي.)) فَفَقَّرْتُ لَهَا، وَأَعَانَنِي أَصْحَابِي، حَتّٰى إِذَا فَرَغْتُ مِنْهَا جِئْتُهُ فَأَخْبَرْتُهُ. فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَعِيَ إِلَيْهَا، فَجَعَلْنَا نُقَرِّبُ لَهُ الْوَدِيَّ، وَيَضَعُهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهِ، فَوَالَّذِي نَفْسُ سَلْمَانَ بِيَدِهِ! مَا مَاتَتْ مِنْهَا وَدِيَّةٌ وَاحِدَةٌ. فَأَدَّيْتُ النَّخْلَ وَبَقِيَ عَلَيَّ الْمَالُ. فَأُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمِثْلِ بَيْضَةِ

ہے۔ جب میں نے اس کی یہ بات سنی تو مجھ پر اس قدر کپکپی طاری ہو گئی کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ اپنے مالک پر گر جاؤں گا۔ میں کھجور کے درخت سے اترا اور اس کے چچا زاد بھائی سے کہنے لگا: تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اس بات سے میرے آقا کو غصہ آیا اور اس نے مجھے زور سے مکا مارا اور کہا: تیرا اس بات سے کیا تعلق ہے۔ جا، اپنا کام کر۔ میں نے کہا: کوئی تعلق نہیں، بس ذرا بات کی چھان بین کرنا چاہتا تھا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے پاس میرا جمع کیا ہوا کچھ مال تھا۔ جب شام ہوئی تو میں نے وہ مال لیا اور قبا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ میں آپ ﷺ پر داخل ہوا اور کہا: مجھے یہ بات موصول ہوئی ہے کہ آپ کوئی صالح آدمی ہیں اور آپ کے اصحاب غریب اور حاجتمند لوگ ہیں۔ یہ میرے پاس کچھ صدقے کا مال ہے، میں نے آپ لوگوں کو ہی اس کا زیادہ مستحق سمجھا ہے۔ پھر میں نے وہ مال آپ ﷺ کے قریب کیا۔ لیکن آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ''تم لوگ کھا لو۔'' آپ ﷺ نے خود اپنا ہاتھ روک لیا اور نہ کھایا۔ میں نے دل میں کہا کہ (اس بندۂ خدا کے نبی ہونے کی) ایک نشانی تو (پوری ہو گئی ہے)۔ پھر میں چلا گیا اور مزید کچھ مال جمع کیا۔ اب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں منتقل ہو چکے تھے۔ پھر (وہ مال لے کر) میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میرا آپ کے بارے میں خیال ہے کہ آپ صدقے کا مال نہیں کھاتے، اس لیے یہ ہدیہ (یعنی تحفہ) ہے، میں اس کے ذریعے آپ کی عزت کرنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ چیز خود بھی کھائی اور اپنے صحابہ کو بھی کھانے کا حکم دیا، سو انھوں نے بھی کھائی۔ (یہ منظر دیکھ کر) میں نے

الدَّجَاجَةِ مِنْ ذَهَبٍ مِنْ بَعْضِ الْمَغَازِیْ، فَقَالَ: ((مَافَعَلَ الْفَارِسِیُّ الْمُكَاتَبُ؟)) قَالَ: فَدُعِيْتُ لَهُ۔ فَقَالَ: ((خُذْ هٰذِهٖ فَأَدِّ بِهَا مَا عَلَيْكَ يَاسَلْمَانُ!)) فَقُلْتُ: وَأَيْنَ تَقَعُ هٰذِهٖ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مِمَّا عَلَیَّ؟ قَالَ: ((خُذْهَا، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ سَيُؤَدِّی بِهَا عَنْكَ۔)) قَالَ: فَأَخَذْتُهَا، فَوَزَنْتُ لَهُمْ مِنْهَا وَالَّذِی نَفْسُ سَلْمَانَ بِيَدِهٖ! أَرْبَعِيْنَ أُوْقِيَةً، فَأَوْفَيْتُهُمْ حَقَّهُمْ، وَعَتَقْتُ، فَشَهِدْتُّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْخَنْدَقَ، ثُمَّ لَمْ يَفُتْنِیْ مَعَهٗ مَشْهَدٌ۔ (الصحيحة:٤ ٨٩)

دل میں کہا: دو علامتیں (پوری ہو گئیں ہیں)۔
(حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) میں (تیسری دفعہ) جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو وہ ''بقیع الغرقد'' میں تھے۔ آپ ﷺ کسی صحابی کے جنازے کی خاطر وہاں آئے ہوئے تھے، آپ ﷺ پر دو چادریں تھیں۔ آپ ﷺ اپنے اصحاب میں تشریف فرما تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو سلام کہا، پھر آپ کی پیٹھ پر نظر ڈالنے کے لیے گھوما، تاکہ (دیکھ سکوں کہ) آیا وہ (ختمِ نبوت والی) مہر بھی ہے، جس کی پیشین گوئی میرے ساتھی نے کی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے گھومتے ہوئے دیکھا تو آپ پہچان گئے کہ میں آپ ﷺ کے کسی وصف کی جستجو میں ہوں، پس آپ ﷺ نے اپنی چادر اپنی پیٹھ سے ہٹا دی، میں نے مہر نبوت دیکھی اور اسے پہچان گیا۔ پھر میں آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑا اور آپ کے بوسے لینے اور رونے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''پیچھے ہٹو۔'' پس میں پیچھے ہٹ گیا۔ اے ابن عباس! پھر میں نے آپ ﷺ کو اپنا سارا ماجرا اسی طرح سنایا، جسے تجھے سنایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو یہ بات اچھی لگی کہ یہ واقعہ آپ کے صحابہ بھی سنیں۔

پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ غلامی کی وجہ سے مشغول رہے اور غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک نہ ہو سکے۔ (حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) ایک دن رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''سلمان! (اپنے مالک سے) مکاتبت کرلو۔'' پس میں نے اپنے آقا سے اس بات پر مکاتبت کر لی کہ میں اس کے لیے تین سو کھجور کے چھوٹے درخت زمین سے اکھاڑ کر اس کی جگہ پر لگاؤں گا اور (مزید اسے) چالیس اوقیے دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے بھائی (سلمان) کی مدد کرو۔'' لوگوں نے مدد کرتے ہوئے مجھے کھجوروں کے درخت دیے۔ کسی نے تیس، کسی نے بیس، کسی نے پندرہ، کسی نے دس، الغرض ہر ایک نے اپنی استطاعت کے بقدر مجھے کھجوروں کے چھوٹے درخت دیے، حتی کہ میرے پاس تین سو کھجور کے درخت جمع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''سلمان! جاؤ اور گڑھے کھودو۔ جب فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آ جانا، (یہ پودے) میں خود لگاؤں گا۔''
(حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) میں نے گڑھے کھودے، میرے ساتھیوں نے میری معاونت کی۔ جب میں فارغ ہوا تو آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو اطلاع دی۔ رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ نکلے۔ ہم (کھجوروں کے وہ) پودے آپ ﷺ کے قریب کرتے تھے اور آپ اپنے ہاتھ سے ان کو لگا دیتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں سلمان

کی جان ہے! ان میں سے کھجور کا ایک پودا بھی نہ مرا۔ اب میں کھجور کے چھوٹے درخت تو لگا چکا تھا اور (چالیس اوقیوں والا) مال باقی تھا۔ کسی غزوے سے رسول اللہ ﷺ کے پاس مرغی کے انڈے کے بقدر سونا لایا گیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''مکاتبت کرنے والا (سلمان) فارسی کیا کر رہا ہے؟'' مجھے بلایا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''سلمان! یہ لو اور اس کے ساتھ اپنی ذمہ داری ادا کرو۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھ پر جتنا (قرضہ) ہے، اس سے کیا اثر ہوگا؟ (یعنی قرضہ بہت زیادہ ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو لو، عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارا (قرضہ) بھی ادا کر دے گا۔'' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے! میں نے وہ لے لیا اور اس میں سے ان آقاؤں کو چالیس اوقیے تول کر دے دیئے، ان کا پورا حق ادا کر دیا اور آزاد ہو گیا۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ خندق میں حاضر ہوا اور اس کے بعد کوئی غزوہ مجھ سے نہ رہ سکا۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٤٤١/ ٤٤٤، وابن سعد في "الطبقات": ٤/ ٥٣-٥٧، والطبراني في "المعجم الكبير": ٧/ ٢٧٢/ ٦٠٦٥

شـــرح:...... سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ واقعہ اور حدیثِ مبارکہ اپنے مفہوم میں انتہائی واضح ہیں، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی جائے سکونت کے بارے سابقہ مذہبی کتب میں یہ پیشین گوئیاں کی گئی تھیں، جن کو وقت نے برحق ثابت کیا:

(١) آپ ﷺ کے مسکنِ اول مکہ مکرمہ اور مسکنِ ثانی مدینہ منورہ کی علامات کا تذکرہ۔

(٢) آپ ﷺ صدقات کھانے والے نہیں تھے، تحائف و ہدایا قبول کرنے والے تھے۔

(٣) آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی۔

یہ حدیث اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے کہ اگر کسی شخص کو تلاشِ حق کی تمنا ہو اور وہ مخلصانہ انداز میں اس کے لیے تگ و دو کرنے والا بھی ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کی اِس نیک آرزو کو بدرجۂ اتم پورا کر دیتے ہیں۔ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے حق تک رسائی حاصل کرنے لیے جن مراحل کو طے کیا، یقیناً ایسے کٹھن مراحل کو کامیابی و کامرانی کے ساتھ عبور کرنا کسی بصیرت والے کے لیے غور وفکر سے بالاتر ہے، بہرحال اگر اِخلاص کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال ہو تو بڑی سے بڑی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔

کھانا کھلانے اور بھائی چارہ قائم کرنے کا حکم

(٢٧١٩)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوعاً: ((أَفْشُوْا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوْا الطَّعَامَ، وَكُوْنُوْا إِخْوَانًا كَمَا أَمَرَكُمُ اللّٰهُ۔))

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سلام عام کرو، کھانا کھلایا کرو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن جاؤ۔''

(الصحيحة: ١٥٠١)

تخریج: رواه النسائي في "القضاء" من "السنن الكبرى" له ٤/ ٤/ ٢، وابن ماجه: ٣٢٥٢، وأبو الحسن الحربي في "الحربيات" ١/ ١٨/ ١، وابن عدي في "الكامل" ١٥٧/ ١

شرح:...... اس حدیثِ مبارکہ میں سلام پھیلانے، کھانا کھلانے اور بھائی چارہ قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ باہمی محبت کا سب سے بڑا ذریعہ سلام ہے، محبت ہی بھائی چارے کا سبب ٹھہرتی ہے اور پھر بھائی چارہ ایک دوسرے کو کھانا کھلانے اور چائے وائے پلانے کا سبب بنتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ''السلام علیکم'' کہنے کا شدید فقدان ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ ایمان و اسلام کی بنیاد پر محبت کم ہوگئی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دعوتوں کا سلسلہ بھی منقطع ہو چکا ہے۔

دوسری بڑی رکاوٹ یہ ہے ہم تکلف و تصنع میں مبتلا ہو گئے ہیں، سادہ مزاج اور اللہ تعالیٰ کی عطاؤں پر راضی ہونے والے نہیں رہے۔ جب ہم چند افراد کی دعوت کا ارادہ کرتے ہیں تو تصوراتی طور پر ایسا پرتکلف پروگرام بناتے ہیں کہ مالی وسائل کم ہونے کی وجہ سے اس تک پہنچ نہیں پاتے، نتیجتاً وہ ارادہ ہی ترک کر دیتے ہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ تکلف کم ہو اور دعوتیں زیادہ ہوں، لیکن ہمارے معاشرے میں تکلف زیادہ ہو گیا ہے اور دعوتیں کم ہو گئی ہیں۔ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ اگر آپ نے اپنے گھر کے پانچ افراد کے لیے کھانا تیار کیا ہے تو اس میں کسی مسلمان بھائی کو بھی شریک کر لیں، کیونکہ پانچ افراد کا کھانا چھ افراد کو کفایت کرتا ہے۔ یہی معاملہ چائے وائے اور دوسرے مشروبات کا ہونا چاہیے۔

سانپ اور کتے کو قتل کرنا

(٢٧٢٠)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اُقْتُلُوْا الْحَيَّاتِ وَالْكِلَابَ، وَاقْتُلُوْا ذَا الطُّفْيَتَيْنِ وَالْأَبْتَرَ، فَإِنَّهُمَا يَلْتَمِسَانِ الْبَصَرَ وَيَسْتَسْقِطَانِ الْحُبَالٰى۔)) وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔

(الصحيحة: ٣٩٩١)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سانپوں اور کتوں کو قتل کرو اور (بالخصوص) دو دھاریوں والے اور چھوٹی دموں والے موذی سانپوں کو قتل کرو، کیونکہ یہ نظر اچک لیتے ہیں اور حمل گرا دیتے ہیں۔'' یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی گئی ہے۔

تخريج: ورد من حديث ابن عمر، وعائشة،

(١) أما حديث عمر: أخرجه مسلم: ٧/ ٣٨۔ هكذا بزيادة: ((الكلاب))، وأخرجه البخاري: ٣٢٩٧، وأبوداود: ٥/ ٤١١/ ٥٢٥٢، والترمذي: ٥/ ١٩١/ ١٥٢٨، وابن ماجه: ٢/ ١١٦٩/ ٣٥٣٥، وابن حبان: ٧/ ٤٦١/ ٥٦٠٩، وأحمد: ٢/ ٩، ١٢١، وليس عندهم لفظ: ((الكلاب))

(٢) وأما حديث عائشة فلها عنها طرق: الأولى: أخرجه البخاري: ٢٣٠٨، وابن ماجه: ٢/ ١١٦٩/ ٣٥٣٤، وأحمد: ٦/ ٢٩ و٥٢ و١٣٤ و٢٣٠

والثانية: أخرجه أحمد: ٦/ ٤٩، ٨٣، ١٤٧

والثالثة: أخرجه النسائي: ٢/ ٧٢، الرابعة: أخرجه أحمد: ٦/ ١٥٧

شرح:...... سانپوں کی مذکورہ اقسام میں زہریلا مادہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں بھی زہر پائی جاتی ہے۔
امام مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: بعض حیوانات کے تعجب انگیز خواص سے انکار نہیں کیا جا سکتا، مثلا سانپ کی ایک قسم کو ''افعی'' کہتے ہیں، جو چتکبرا ہوتا ہے اور اس کی گردن باریک اور سر چوڑا ہوتا ہے، جب یہ سانپ اور حاملہ عورت ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں تو حمل گر جاتا ہے۔ بعض سانپ دیکھنے والے کو اندھا کر دیتے ہیں۔ جب سانپ کی ''ناظور'' نامی قسم کی نظر انسان پر پڑتی ہے تو وہ فوراً مر جاتا ہے، اسی طرح ایک اور قسم ہے کہ جس کی آواز سنتے ہی بندہ مر جاتا ہے۔
(تحفة الاحوذی)

رہا مسئلہ کتوں کو قتل کرنے کا، تو اس معاملے میں درج ذیل حدیث فیصلہ کن ہے:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کتے قتل کرنے کا حکم دیا، (ہم اس حکم پر عمل کرنے میں اتنے پابند تھے کہ) اگر کوئی بدو عورت جنگلی علاقے سے آتی اور اس کے ساتھ کتا ہوتا تو ہم اسے بھی قتل کر دیتے۔ لیکن بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا اور فرمایا: ((عَلَيْكُمْ بِالْاَسْوَدِ الْبَهِيْمِ)) (مسلم) ...... ''خالص کالے کتے کو قتل کر دیا کرو۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شروع شروع میں کتوں کو قتل کرنے کا حکم عام تھا، لیکن بعد میں اس حکم کو اس کتے کے ساتھ خاص کر دیا گیا، جو مکمل سیاہ ہو۔

امام نووی کہتے ہیں: قاضی نے کہا: میرا خیال تو یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں کتوں کو قتل کرنے کا حکم عام تھا، لیکن بعد میں ان کتوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا گیا، جن کا رنگ مکمل کالا نہ ہو اور ساتھ ساتھ یہ بھی وضاحت کر دی گئی کہ شکار کرنے اور کھیتی اور حیوانات کی حفاظت کی خاطر کتے رکھے جا سکتے ہے۔ ان تین مقاصد کے علاوہ کتے کو پالتو جانور بنانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ میں (نووی) کہتا ہوں کہ اس موضوع سے متعلقہ احادیث کا ظاہری مفہوم قاضی کے مسلک کی مکمل تائید کرتا ہے۔ لیکن ایک سوال یہ ہے کہ آیا گھروں اور محلوں کی حفاظت کے لیے کتے رکھے جا سکتے ہیں؟ جواباً دو اقوال پیش کیے جاتے ہیں: (۱) ناجائز ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما دیا اور صرف شکار کرنے اور جانوروں اور کھیت کی حفاظت کے لیے اجازت دی ہے، (۲) جائز ہیں، کیونکہ گھروں کی حفاظت کو جانوروں اور کھیتوں کی حفاظت پر قیاس کیا جائے گا اور یہی مسلک راجح ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مقاصد کے لیے کتے پالنے کی اجازت دی ہے، ان کی وجہ ضرورت اور حاجت ہے، جو گھروں اور محلوں کی حفاظت میں بھی پائی جاتی ہے۔ (شرح مسلم للنووی)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت

(٢٧٢١)۔ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كُلُّ نِسَائِكَ

ہشام اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے علاوہ آپ کی تمام بیویوں

لَهَا كُنْيَةٌ غَيْرِي! فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِكْتَنِي بِابْنِكِ عَبْدِ اللّٰهِ- يَعْنِي: ابْنَ الزُّبَيْرِ أَنْتِ أُمُّ عَبْدِاللّٰهِ-)) قَالَ: فَكَانَ يُقَالُ لَهَا: أُمُّ عَبْدِاللّٰهِ حَتّٰى مَاتَتْ، وَلَمْ تَلِدْ قَطُّ-

(الصحيحة: ١٣٢)

کی کنیتیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اپنے بیٹے عبداللہ (جو زبیر کا بیٹا ہے) کے نام پر ام عبداللہ کنیت رکھ لے۔'' اس کے بعد ان کی وفات تک انھیں ام عبداللہ کہا جاتا تھا، حالانکہ ان کی اپنی اولاد نہیں تھی۔

تخریج: أخرجه الامام أحمد: ٦/ ١٠٧، ١٥١، ١٨٦، ٢١٣، ٢٦٠، وابوداود: ٤٩٠، وابو يعلى: ق ٢١٤/ ٢

شرح: ...... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں، اس لیے ان کو ان کا بیٹا کہا گیا۔

امام البانی لکھتے ہیں: اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کنیت رکھنی چاہیے، اگرچہ اولاد نہ بھی ہو۔ میرے علم کے مطابق یہ اسلامی ادب اس اعتبار سے منفرد اور عدیم النظیر ہے کہ دوسری تہذیبوں میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ مسلمان خواتین وحضرات کو چاہیے کہ وہ کنیت کا اہتمام کریں اور عجمیوں کی عادات واطوار ترک کر دیں۔ عجمی لوگ کنیت کی بجائے مختلف القاب کا استعمال کرتے ہیں، جیسے: البَيْك، الأَفَنْدِي، اَلْبَاشَا، المسيو، اَلسَّيِّد، اَلسَّيِّدَة، الآنسه، مسٹر، جناب، صاحب، مس، نیک دل۔ یہ سب غیر عربی لوگوں کے اعزازی القاب تھے، جن کو اسلام اور عربی زبان میں داخل کر دیا گیا، بعض احناف نے "الأفندی" (ایک اعزازی لقب) کے استعمال کو مکروہ سمجھا ہے، کیونکہ یہ تزکیۂ نفس پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ ''حاشیۃ ابن عابدین'' میں ہے۔ جس آدمی کو کوئی صدارت و سربراہی یا ولایت و ریاست حاصل ہو، اسے سید کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بنوقریظہ کو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا:

((قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ-))، بہرحال اس لفظ کا اطلاق ہر ایک پر نہیں کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس کے معانی ''افضل، مالک، آقا، واجب الاطاعت، رئیس، سردار، اعلی وارفع، وغیرہ'' کے ہیں، جو مخاطب کے تزکیۂ نفس پر دلالت کرتے ہیں۔ (صحیحہ: ١٣٢)

ہمارے ہاں عام طور پر یہ القاب استعمال کیے جاتے ہیں: قبلہ، جناب، عزت مآب، محترم، سردار، جان۔ اسی طرح بعض اشتہارات پر خطبا ومقررین کے نام لکھتے وقت ان کو بہت سارے القاب سے نواز دیا جاتا ہے، مثلا: ولی کامل، عالم باعمل، پیکرِ اخلاص، محسنِ اسلام، قاطع شرک و بدعت وغیرہ۔ یہ اور ان سے ملتے جلتے القاب بھی تزکیۂ نفس پر دلالت کرتے ہیں، جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم شریعت کے دائرے کے اندر رہیں اور اسما و القاب و کنی کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کے فرمودات عالیہ پر عمل کریں۔

مجاہد، مؤمن اور مہاجر کی تعریف

(٢٧٢٢)۔ عَنْ فُضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: ((أَلا أُخْبِرُكُمْ بِالْمُؤْمِنِ؟ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى أَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ، وَالْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوْبَ۔)) (الصحیحة:٥٤٩)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ''کیا میں تمھیں مومن کے بارے نہ بتلا دوں کہ وہ کون ہوتا ہے؟ (یاد رکھو!) مومن وہ ہے کہ جس سے لوگ اپنے مالوں اور جانوں کے بارے میں پر امن رہیں، مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں، مجاہد وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے سلسلے میں اپنے نفس سے لڑے اور مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں کو ترک کر دے۔''

تخریج: أخرجه الامام أحمد: ٦/ ٢١، وابن ماجه: ٣٩٣٤ القضية الاولى والاخيرة، وابن حبان: ٤٢، والحاكم: ١/ ١٠

شرح:...... نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبے میں فرمایا تھا: ''بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے مکہ شہر اور ذوالحجہ کے مہینے میں اس دن (یعنی دس ذوالحجہ) کی حرمت ہے۔'' (بخاری، مسلم) اب ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ انانیت اور چودھراہٹ کے دھوکے میں آ کر کسی دوسرے ادنی سے ادنی مسلمان کی حرمت کو پامال نہ کرے وگرنہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہونا پڑے گا۔

حقیقی مجاہد اور مہاجر وہی ہے جو اپنے نفس کی مخالفت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو ترک کر دے۔ اگر ایک انسان ہجرت (یعنی ترک وطن) اور جہاد کے باوجود اللہ تعالیٰ کی معصیتوں سے پرہیز نہیں کرتا تو ایسی ہجرت اور جہاد کا کیا فائدہ جو اس کے نفس میں ہی نیکی کا رجحان پیدا نہ کر سکیں؟ ہجرت اور جہاد تو اس چیز کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کی جائے، وہ پابندی اپنا وطن چھوڑنے کی صورت میں ہو یا اسلام کی سربلندی کے لیے اللہ کے دشمنوں سے پنجہ آزمائی کرنے کی صورت میں ہو یا شریعت کی منع کردہ چیزوں سے باز رہنے کی صورت میں ہو۔

بہترین اور بدترین لوگ

اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرنا

(٢٧٢٣)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ جُلُوْسٌ، فَقَالَ: ((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ مَنْزِلَةً؟)) قُلْنَا: بَلٰى

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''کیا میں تمھیں اس شخص کے بارے میں نہ بتاؤں جو

قَالَ: ((رَجُلٌ مُمْسِكٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ۔ أَوْ قَالَ: فَرَسٍ۔ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَمُوْتَ أَوْ يُقْتَلَ۔)) قَالَ: ((فَأُخْبِرُكُمْ بِالَّذِي يَلِيْهِ؟)) فَقُلْنَا: نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((اِمْرُؤٌ مُعْتَزِلٌ فِي شَعْبٍ، يُقِيْمُ الصَّلَاةَ، وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ وَيَعْتَزِلُ النَّاسَ۔)) قَالَ: ((فَأُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَةً؟)) نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((اَلَّذِي يُسْأَلُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يُعْطِي بِهِ۔)) (الصحيحة:٢٥٥)

قدر و منزلت کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے؟'' ہم نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ آدمی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے گھوڑے کا سر تھاما ہوا ہے، (یعنی لڑنے کے لیے گھوڑے سمیت تیار ہے) حتی کہ وہ مر جاتا ہے یا اسے شہید کر دیا جاتا ہے۔'' پھر فرمایا: ''کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں یہ بتلاؤں جس کا مرتبہ اس کے بعد ہے؟'' ہم نے کہا: جی ہاں، اے رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ آدمی ہے جو کسی گھاٹی میں فروکش ہے اور نماز قائم کرتا ہے، زکاۃ ادا کرتا ہے اور لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے۔'' پھر فرمایا: ''کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں بھی نہ بتلا دوں جو مرتبے کے لحاظ سے سب سے برا ہے؟'' ہم نے کہا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ہے جس سے اللہ، جو عظمتوں والا ہے، کے نام پر سوال کیا جائے، لیکن وہ پھر بھی نہ دے۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ١/ ٣٥٨، والدارمي: ٢/ ٢٠١-٢٠٢، وابن حبان في "صحيحه": ١٥٩٣، وأحمد: ١/ ٢٣٧، ٣١٩، ٣٢٢، والطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ٩٧/ ١، والترمذي: ٣/ ١٤

شرح:...... ابتدائے حدیث میں مجاہد کی فضیلت وعظمت کا بیان ہے، وسط حدیث میں عام لوگوں سے الگ تھلگ رہنے والے جس فرد کا ذکر ہے، دوسرے ارشادات نبویہ کی روشنی میں اس کو اس وقت پر محمول کیا جائے گا کہ جب لوگوں کے اندر رہ کر بسیار کوشش کے باوجود بعض برائیوں سے بچنا ناممکن ہو گا، اس زمانے میں خلوت نشینی اختیار کرنے والا فرد عظیم ہو گا۔

آخر حدیث میں جس کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے دو افراد میں سے ایک مراد ہے، اگر آخری جملے کو "اَلَّذِي يُسْأَلُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يُعْطِي بِهِ۔" (وہ ہے جس سے اللہ، جو عظمتوں والا ہے، کے نام پر سوال کیا جائے، لیکن وہ پھر بھی نہ دے) پڑھا جائے تو اس سے مراد وہ شخص ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جس سے کچھ مانگا جائے، لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ دے اور اگر اس جملے کو "اَلَّذِي يَسْأَلُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يُعْطَى بِهِ۔" (وہ ہے جو اللہ، جو عظمتوں والا ہے، کے نام پر سوال کرتا ہے، لیکن اس کو پھر بھی کچھ نہیں دیا جاتا) پڑھا جائے، تو اس سے سوال کرنے والا خود مراد ہو گا، جو لوگوں سے کچھ مانگنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا نام استعمال کرتا ہے، لیکن پھر بھی اسے کچھ نہیں دیا جاتا۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے دنیوی چیزوں کا سوال کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دینا حرام ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ دے، اسے کچھ نہ دینا حرام ہے۔

امام سندھی، حاشیہ علی النسائی میں کہتے ہیں: اگر فعل معلوم کے ساتھ "اَلَّذِي يَسْأَلُ بِاللّٰهِ" پڑھا جائے تو دو قباحتیں جمع ہو جاتی ہے: (۱) اللہ تعالی کے نام پر سوال کرنا اور (۲) اللہ تعالی کا واسطہ دے کر سوال کرنے والے کو کچھ نہ دینا۔ قباحت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کے مبارک نام کی حرمت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

لیکن صیغۂ مجہول کے ساتھ "اَلَّذِي يُسْأَلُ" پڑھنا درست نہیں ہے، کیونکہ اس سلسلے میں اس بندے کا تو کوئی دخل نہیں ہے، کہ جس سے سائل نے اللہ تعالی کے نام پر سوال کیا ہو، پس اس مقام پر اس کے اور نہ دینے کے مابین کوئی مناسبت نظر نہیں آ رہی۔

لیکن میں (البانی) کہتا ہوں: جس آدمی سے اللہ تعالی کے نام پر سوال کیا جائے، اس کا نہ دینا بھی حرام ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰهِ فَأَعِيْذُوْهُ وَمَنْ سَأَلَكُمْ بِوَجْهِ اللّٰهِ فَأَعْطُوْهُ۔))

(ابو داود، مسند أحمد، صحیحه: ٢٥٣)

''جو آدمی تم سے اللہ تعالی کے نام پر پناہ طلب کرے، اسے پناہ دے دو اور جو آدمی اللہ تعالی کی ذات کا واسطہ دے کر تم سے سوال کرے، اسے دے دیا کرو۔''

یہی متن سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، دیکھیں: (صحیحہ: ۲۵۴)

جبکہ امام عطا رحمہ اللہ خود اس چیز کو مکروہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالی کی ذات یا قرآن کو واسطہ دے کر کسی دنیوی چیز کا سوال کیا جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

اللہ تعالی کے نام پر سوال کرنا حرام ہے، اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ إِلَّا الْجَنَّةَ۔))

''اللہ تعالی کی ذات کا واسطہ دے کر صرف جنت کا سوال کیا جائے۔''

لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے، جیسا کہ علامہ منذری وغیرہ نے اس کی وضاحت کی، بہر حال اس کو بطورِ شاہد پیش کیا جا سکتا ہے، کیونکہ سابقہ بحث سے یہ تو عیاں ہو چکا ہے کہ جو شخص اللہ تعالی کے نام کا واسطہ دے کر سوال کرے، اس کا مطالبہ پورا کرنا ضروری ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ سائل کا سوال مسئول کو اس حدیث کی مخالفت میں مبتلا کر دے اور یوں وہ اس کا مطالبہ پورا نہ کر کے حرام کا ارتکاب کر بیٹھے اور یہ قانون مسلّم ہے کہ جو چیز حرام کا سبب بنتی ہے، وہ بھی حرام ہوتی ہے، مزید آپ خود غور و فکر کر لیں۔

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالی کا نام پیش کر کے جس چیز کا سوال کیا جائے، اس کی ادائیگی اس وقت واجب ہوتی ہے، جب مسئول دینے پر قادر ہو اور اسے یا اس کے اہل و عیال کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو، بصورتِ دیگر سائل کا مطالبہ پورا کرنا اس پر واجب نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (صحیحہ: ٢٥٥)

جنتی افراد

(٢٧٢٤)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعاً: ((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِرِجَالِكُمْ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ النَّبِيُّ فِي الْجَنَّةِ، وَالصِّدِّيْقُ فِي الْجَنَّةِ، وَالشَّهِيْدُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْمَوْلُوْدُ فِي الْجَنَّةِ، وَالرَّجُلُ يَزُوْرُ أَخَاهُ فِي نَاحِيَةِ الْمِصْرِ لَا يَزُوْرُهُ إِلَّا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَنِسَاؤُكُمْ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ: الْوَدُوْدُ الْوَلُوْدُ الْعَؤُوْدُ عَلٰى زَوْجِهَا، الَّتِي إِذَا غَضِبَ جَاءَتْ حَتّٰى تَضَعَ يَدَهَا فِي يَدِ زَوْجِهَا وَتَقُوْلُ: لَا أَذُوْقُ غَمْضًا حَتّٰى تَرْضٰى۔)) (الصحيحة:٢٨٧)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں اس بات پر آگاہ نہ کردوں کہ تم مردوں میں سے کون لوگ جنت میں جائیں گے؟'' (یاد رکھو کہ) نبی جنت میں جائے گا، صدیق جنت میں جائے گا، شہید جنت میں جائے گا، نابالغ بچہ جنت میں جائے گا اور وہ آدمی جنت میں جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے لیے شہر کے ایک کنارے میں بسنے والے بھائی سے ملاقات کرنے کے لیے جاتا ہے۔ رہا مسئلہ جنتی عورتوں کا، تو وہ یہ ہیں: زیادہ محبت کرنے والی، زیادہ بچے جنم دینے والی اور خاوند کے پاس بار بار آنے والی (اور خاوند کی اس قدر مطیع کہ) اگر وہ اس سے ناراض ہو جائے تو اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھ کر کہے: جب تک آپ مجھ سے راضی نہیں ہوں گے، میں کوئی ادنی سی چیز بھی نہیں کھاؤں گی۔''

تخريج: أخرجه تمام الرازي في "الفوائد": ٢٠٢/ ١، وعنه ابن عساكر: ٢/ ٨٧/ ٢، بتمامه، وأبوبكر الشافعي في "الفوائد": ١١٥-١١٦، وأبونعيم في "الحلية": ٤/ ٣٠٣، نصفه الأول، والنسائي في "عشرة النساء": ١/ ٨٥/ ١، والطبراني في "المعجم الكبير": ٣/ ١٦٣/ ١

شرح:...... اس حدیث میں انبیا، اصدقا، شہدا، فوت ہونے والے نابالغ بچوں، اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے مسلمان بھائیوں کی زیارت کرنے والوں اور محبت کرنے والی، زیادہ بچوں کی ماں بننے والی اور خاوند کی حد درجہ فرمانبردار خواتین کو اہل جنت قرار دیا گیا ہے۔

غیر محرم عورت کے پاس رات گزارنا منع ہے

(٢٧٢٥)۔ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَلَا لَا يَبِيْتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ ثَيِّبٍ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ نَاكِحاً أَوْ مَحْرَماً۔)) (الصحيحة:٣٠٨٦)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آگاہ رہو! کوئی آدمی کسی بیوہ عورت کے پاس رات نہ گزارے، الا یہ کہ وہ اس کا خاوند ہو یا محرم ہو۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٧/ ٧، وابن أبي شيبة في "المصنف": ٤/ ٤٠٩، ومن طريقه: عبد بن حميد:

١٠٧٣، والنسائي في "السنن الكبرى": ٢/ ٣٨٦/ ٩٢١٥، ومن طريقه ابن عبد البر في "التمهيد" ١/ ٢٢٧، وأبو يعلى في "مسنده" ٣/ ٣٧٦، ٣٨٤/ ١٨٤٨، ١٨٥٦، وعنه ابن حبان: ٥٥٨٧، ٥٥٩٠۔ المؤسسة، وكذا البيهقي: ٧/ ٩٨، والخطيب في "تاريخ بغداد": ٨/ ١٠٩

شرح:...... کسی مرد کی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی اور خلوت ناجائز ہے، کیونکہ جو امور کسی برائی کا سبب بن سکتے ہیں، شرعی قوانین کے مطابق مسلمانوں کو حتی الوسعت ان کے قریب بھی نہیں آنا چاہیے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿لَا يَخْلُوَنَّ أَحَدُكُمْ بِامْرَأَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ﴾ (بخاری، مسلم) ...... ''تم میں سے کوئی شخص کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے، مگر محرم کے ساتھ۔''

اس ہدایت کا مقصد فتنہ و شر سے بچانا ہے، کیونکہ تنہائی میں برائی یا برائی کے مقدمات کا امکان و خطرہ زیادہ ہوتا ہے، البتہ محرم کی موجودگی میں یہ خطرہ ٹل جاتا ہے۔

اس باب کی حدیث مبارکہ میں بیوہ کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ کنواری لڑکیوں کی بہ نسبت بیوہ عورت میں شرم و حیا کا مادہ کم ہوتا ہے اور وہ برائی پر جلدی آمادہ ہو جاتی ہے۔

عورت کا محرم وہ ہوتا ہے جس سے اس کا نکاح ناجائز ہو، جیسے بھائی، چچا، بھتیجا وغیرہ۔

نبی کریم ﷺ کی طرف سے دی گئی زحمت بھی رحمت ہے

(٢٧٢٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَتَّخِذُ عِنْدَكَ عَهْداً لَنْ تُخْلِفَنِيهِ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، فَأَيُّ الْمُؤْمِنِينَ آذَيْتُهُ، شَتَمْتُهُ، لَعَنْتُهُ، جَلَدْتُهُ، فَاجْعَلْهَا لَهُ صَلَاةً، وَزَكَاةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهُ بِهَا إِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة:٣٩٩٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! میں تجھ سے ایک وعدہ لیتا ہوں، تو اس کی مخالفت نہ کرنا۔ میں تو محض ایک بشر ہوں، میں نے جس مومن کو تکلیف دی یا برا بھلا کہا یا اس پر لعنت کی یا اسے کوڑے لگائے، تو اس چیز کو اس کے لیے باعث رحمت، باعث تزکیہ اور ذریعۂ تقرب قرار دے، جو اسے روز قیامت تیرے قریب کر دے۔''

تخريج: أخرجه مسلم :٨/ ٢٥، وأحمد: ٢/ ٢٤٣، ٤٤٩، ورواه البخاري: ٦٣٦١ بلفظ: ((اللهم! فأيما مؤمن سببته؛ فاجعل ذلك له قربة اليك يوم القيمة۔))

شرح:...... اگرچہ نبی کریم ﷺ نے محض اپنی ذات کی بنا پر کسی سے ایسا سلوک روا نہیں رکھا، جس کا تذکرہ اس حدیث میں کیا گیا ہے، ہاں شرعی قوانین و ضوابط سے پہلو تہی اختیار کرنے پر آپ ﷺ بعض افراد پر غصے ہوئے اور برا بھلا کہا، لیکن اس کی بنیاد اللہ تعالی کی ذات تھی، نہ کہ آپ ﷺ کا ذاتی معاملہ۔ بہرحال آپ ﷺ نے عاجزی و انکساری کا ثبوت دیتے ہوئے اور بشریت کی فطرت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ انداز اختیار کیا ہے۔ اگرچہ حقوق العباد میں

کی تی کم و کاست پر ندامت کی شرط اول یہ ہے کہ متعلقہ مظلوم سے تصفیہ کرایا جائے، لیکن جب کسی خاص مظلوم کا علم نہ ہو یا معلوم تو ہو لیکن اس تک رسائی حاصل کرنا ناممکن ہو تو عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے اس حدیث پر عمل کیا جائے۔

بال سنوارنا اور لباس صاف ستھرا رکھنا

(۲۷۲۷)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: أَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَائِراً فِي مَنْزِلِنَا فَرَأَى رَجُلاً شَعِثاً قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُهُ، فَقَالَ: ((أَمَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يُسَكِّنُ بِهِ شَعْرَهُ؟)) وَرَأَى رَجُلاً آخَرَ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ وَسِخَةٌ فَقَالَ: ((أَمَا كَانَ هٰذَا يَجِدُ مَاءً يَغْسِلُ بِهِ ثَوْبَهُ؟)) (الصحيحة: ٤٩٣)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ملاقات کے لیے ہمارے گھر تشریف لائے اور ایک پراگندہ حال آدمی، جس کے بال بکھرے ہوئے تھے، کو دیکھ کر فرمایا: ”کیا اس کے پاس اتنی وسعت نہیں ہے کہ یہ اپنے بال سنوار سکے؟“ اور دوسرے آدمی، جس کے کپڑے میلے تھے، کو دیکھ کر فرمایا: ”کیا اس کے پاس اتنی وسعت نہیں کہ یہ اپنے کپڑے دھو سکے؟“

تخريج: رواه أبو داود: ٤٠٦٢، والنسائي: ٢/ ٢٩٢. الشطر الأول منه، وأحمد: ٣/ ٣٥٧، ودحيم في "الأمالي": ٢٥/ ٢، وأبو يعلى في "مسنده": ١١٤/ ١، وابن حبان: ١٤٣٨، والحاكم: ٤/ ١٨٦، وأبو نعيم في "الحلية": ٦/ ٧٨

شرح:...... قارئین کرام! قبل اس کے کہ ہم کنگھی کرنے اور عمدہ لباس پہننے کے بارے میں کوئی حتمی نتیجہ آپ کے سامنے رکھیں، آپ خود درج ذیل احادیث کا بغور مطالعہ کریں۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُرَى أَثَرَ نِعْمَتِهِ عَلٰى عَبْدِهِ۔)) (ترمذی)..... ”اللہ تعالی پسند کرتا ہے کہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے۔“

عمدہ اور قیمتی لباس تکبر اور برتری کے اظہار کے طور پر پہننا سخت جرم ہے، فی نفسہ جرم نہیں، بلکہ اظہارِ نعمت کی نیت سے پہننا تو بہت پسندیدہ عمل ہے۔ ایک ہی عمل نیت کے اعتبار سے کسی کے حق میں اچھا بن جاتا ہے اور کسی کے حق میں برا۔

سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ التَّرَجُّلِ إِلَّا غِبًّا۔ (ابو داود، ترمذی، نسائی)..... بیشک رسول اللہ ﷺ نے کنگھی کرنے سے منع فرمایا، مگر کبھی کبھی۔

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْبَذَاذَةُ مِنَ الْإِيْمَانِ۔)) يَعْنِي التَّقَشُّفَ۔ (ابن ماجه، صحيحه: ٣٤١)..... ”پراگندگی (اور شکستہ حالی) بھی ایمان سے ہے۔“ پراگندگی سے مراد قصداً راحت و لذت ترک کرنا اور تنگ حال رہنا ہے۔

سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَنْهَانَا عَنْ كَثِيْرٍ مِنَ الْإِرْفَاهِ۔......

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْمُرُنَا أَنْ نَحْتَفِيَ أَحْيَانًا۔ (ابوداود)......رسول اللہ ﷺ ہمیں زیادہ تن آسانی سے منع کرتے تھے۔..... نبی کریم ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم کبھی کبھار ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔

سیدنا معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ، وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ، دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ مِنْ أَيِّ حُلَلِ الْإِيْمَانِ شَاءَ يَلْبَسُهَا۔)) (ترمذی)......''جس شخص نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تواضع کے طور پر عمدہ لباس پہننا چھوڑ دیا، درآں حالیکہ وہ اس کی طاقت رکھتا تھا، تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے سامنے اسے بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ ایمان کے جوڑوں میں سے جو جوڑا وہ پسند کرے پہن لے۔''

اس میں تواضع اور دوسروں پر برتری نہ جتلانے کا بیان ہے، ایمان کے جوڑے سے مراد، جنت کا لباس ہے جو صرف اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ نے وہاں تیار کیا ہے۔

قارئین کرام! شاید آپ اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہوں کہ اسلام اعتدال اور میانہ روی کو ترجیح دیتا ہے، جہاں بالوں کو سنوارنے کا حکم دیا گیا ہے، وہاں کبھی کبھی کنگھا نہ کرنے کی بھی تلقین کی گئی ہے، تاکہ لوگوں کو خود پسندی، من پسندی اور عجب پسندی کے اثرات سے محفوظ رکھا جا سکے۔ اسلام میں جہاں اچھا اور قیمتی لباس پہننے کا حکم دیا گیا، تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار ہو سکے، وہاں اسے تکبر اور دوسروں پر برتری جتلانے سے بچانے کے لیے استطاعت کے باوجود سادہ لباس پہننے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے جوتے پہننے کا حکم دیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض اوقات ننگے پاؤں چلنے کی بھی نصیحت فرمائی، تاکہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی قدر کا بھی اندازہ ہو سکے اور نفس کشی کرنے کا بھی موقع مل سکے۔ واللہ اعلم۔

بہرحال گندے اور میلے لباس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

بزرگوں کا احترام کرنا

(۲۷۲۸)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((أَمَرَنِي جِبْرِيْلُ أَنْ أُقَدِّمَ الْأَكَابِرَ۔)) (الصحیحة:۱۵۵۵)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل نے مجھے حکم دیا کہ میں بڑوں کو مقدم کیا کروں۔''

تخريج: رواه أبوبكر الشافعي في "الفوائد": ٩/ ٩٧/ ١، وابو نعيم فى "الحلية": ٨/ ١٧٤، واحمد: ٢/ ١٣٨، والبيهقي: ١/ ٤٠، وفيه بيان سبب وروده

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں مسواک کر رہا تھا، میرے پاس دو آدمی آئے، ان میں ایک دوسرے سے بڑا تھا، میں نے چھوٹے کو مسواک دینا چاہا، لیکن مجھے کہا گیا کہ بڑے کو دو، پس میں نے بڑے کو دے دیا۔'' (بخاری معلقا، بیہقی)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کر رہے تھے اور آپ کے پاس دو آدمی موجود تھے۔ آپ کی طرف وحی کی گئی کہ بڑے کو مسواک دینا۔ (ابوداود)

ابن بطال نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسواک دیتے وقت بڑی عمر والے کو مقدم کیا جائے، مسواک پر قیاس کرتے ہوئے کھانے، پینے، کلام کرنے اور چلنے میں بھی بزرگوں کو مقدم کیا جائے گا۔ مہلب نے کہا: یہ تقدیم کا سلسلہ اس وقت رائج ہوگا جب لوگ بالترتیب نہ بیٹھے ہوں، جب وہ ترتیب کے ساتھ بیٹھے ہوں تو دائیں طرف والے کو مقدم کرنا چاہیے۔

مزید ان احادیث کا ایک اور شاہد بھی ہے، جس کو سیدنا رافع بن خدیج اور سیدنا سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہما نے ''قسامہ'' والی حدیث میں روایت کیا ہے۔ یہ دونوں کہتے ہیں: عبد الرحمن بن سہل، جو سب سے چھوٹے تھے، نے اپنے دونوں ساتھیوں سے پہلے بات کرنا شروع کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: عمر میں بڑے کو بات کرنے دو۔ (بخاری، مسلم)۔ (صحیحہ: ۱۵۵۵)

ذہن نشین رہے کہ جب کوئی چیز لوگوں کے مابین تقسیم نہ کرنی ہو اور نہ ہی کسی مخصوص فرد کے لیے لائی گئی ہو تو بڑی عمر والوں کو مقدم کیا جائے، لیکن تقسیم کی صورت میں دائیں طرف والوں کو ہی مقدم کیا جائے گا۔

بزرگوں کی برکت

(۲۷۲۹)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعاً: ((الْبَرَكَةُ مَعَ أَكَابِرِكُمْ۔)) (الصحيحة: ۱۷۷۸)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بزرگوں کی وجہ سے برکت ہوتی ہے۔''

تخریج: أخرجه ابن حبان: ۱۹۱۲، وأبوبكر الشافعي في"الفوائد": ۹۷/ ۱ ـ ۲ ومحمد بن مخلد العطار في"المنتقي من حديثه": ۲/ ۱٦/ ۲، وأبونعيم في"الحلية": ۸/ ۱۷۲، وابن عدي في"الكامل": ق ٤٤/ ۱، والحاكم في"المستدرك": ۱/ ٦۲، وفي"علوم الحديث": صـ٤۸، والخطيب في"التاريخ": ۱۱/ ۱٦٥، والقضاعي في"مسند الشهاب": ٥/ ۱، وابن عساكر في"التاريخ": ۱۳/ ۲۹۰/ ۱ و ۱٤/ ۱۰/ ۱، والضياء في"المختارة": ٦٤/ ۳٥/ ۲

شرح:......اعمال صالحہ کی سابقہ اور حالیہ کثرت، عجز و انکساری، معاشرے میں بے وقعتی اور بالوں کی سفیدی جیسے امور کی وجہ سے بزرگوں کی برکات و فیوض میں اضافہ ہو جاتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ ہستیاں اپنی زندگیوں کے سابقہ دورانیے میں کئی مشکل گھڑیوں اور آزمائشوں سے گزر چکی ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے ان کے درجات میں اور اضافہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لیے ان کو مبارک سمجھ کر ان کے ساتھ رہنے کو ترجیح دینی چاہیے، ان کو بات میں آگے کرنا چاہیے اور ان کے احترام کے تقاضوں کا ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

راستے سے تکلیف دہ چیز دور کرنا صدقہ ہے

(٢٧٣٠)۔ عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مُرْنِيْ بِعَمَلٍ أَعْمَلُهُ قَالَ: ((أَمِطِ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ، فَإِنَّهُ لَكَ صَدَقَةٌ۔)) (الصحيحة:١٥٥٨)

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی عمل بتائیں کہ میں اسے انجام دے سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دیا کر، یہ تیرے لیے صدقہ ہوگا۔''

تخريج: رواه ابن سعد: ٤/ ٢٩٩، والبخاري في "الأدب المفرد": ٢٢٨، وابن نصر في "الصلاة" ٢٢٢/ ١، ٢٢٤/ ١، وأحمد: ٤/ ٤٢٢، ٤٢٣، وأخرجه مسلم: ٨/ ٣٢ دون قوله: ((فإنه لك صدقة))

شرح:...... دراصل مسلمان جب کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اسے صدقہ شمار کیا جاتا ہے، جس کی ایک مثال اس حدیث مبارکہ میں بیان کی گئی ہے۔ اس سے زیادہ واضح سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ کچھ فقیر صحابہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مالدار لوگ اجر لے گئے ہیں اور وہ اس طرح کہ ہم ان کی طرح صوم و صلاۃ کی پابندی تو کرتے ہیں، لیکن ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے، وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں، جبکہ ہم اس نعمت سے محروم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَوَلَيْسَ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مَا تَصَدَّقُوْنَ بِهِ: إِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلِّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلِّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلِّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ۔)) ...... ''کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایسی چیزیں نہیں بنائیں کہ تم ان کا صدقہ کرو؟ بیشک سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے اور نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے منع کرنا صدقہ ہے۔'' (مسلم)

تو اس حدیث میں ان اعمال کو صدقہ کی ایک قسم قرار دیا گیا ہے، یہی معاملہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کا ہے۔

نجات کا موجب بننے والے اعمال

بلاضرورت اپنے گھر سے باہر نہ جانا

(٢٧٣١)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا النَّجَاةُ؟ قَالَ: ((إِمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ۔)) (الصحيحة: ٨٩٠)

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! نجات کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنی زبان کو قابو میں رکھو، تمہارا گھر تمہیں اپنے اندر سما لے (یعنی ضرورت کے بغیر گھر سے نہ نکلو) اور اپنی غلطیوں پر رویا کرو۔''

تخريج: أخرجه ابن المبارك في "الزهد": رقم ١٣٤، وعنه أحمد: ٥/ ٢٥٩، ٤/ ١٤٨، وكذا الترمذي: ٢/ ٦٥، وابن أبي الدنيا في "الصمت": ٣٥/ ٢

شرح:...... اس حدیث مبارکہ میں تین اعمال کو باعث بر کت قرار دیا گیا ہے۔ بلا شک و شبہ لوگوں سے زیادہ میل جول اور ان کے ساتھ زائد از ضرورت گپ شپ میں انسان کے دین کو بہت خطرات لاحق رہتے ہیں۔ عصر حاضر کی مثالوں نے ان نقصانات کو اور زیادہ واضح کر دیا ہے۔

قارئین کرام! کسی مجلس میں بیٹھ کر نوٹ کرنا کہ اس میں کی گئی کلام کا زیادہ حصہ لہو ولغو، بیہودہ گوئی، فحش گوئی، چغلی و غیبت اور بے مقصد موضوعات پر مشتمل ہوگا، سیاست و سیادت پر گفت و شنید ہوگی، دنیا کے مختلف ممالک کے حالات اور مستقبل پر تبصرے ہوں گے، جن سے نہ ماضی کو سہارا ملتا ہے اور نہ مستقبل کو کوئی امید۔ ہر کوئی اپنے مسائل و مصائب بیان کر کے اللہ تعالیٰ کی ناشکری پر تلا ہوا نظر آئے گا، زبان کا کثرت سے بے جا استعمال ہوگا، حاضرین مجلس اپنے مخالفوں کا تذکرہ کر کے ان پر خوب برستے ہیں۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ فارغ اوقات کو ایسے اختلاط کی بجائے گھر میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور ذکر وفکر اور تلاوت اور بیوی بچوں کے مسائل حل کرنے میں اور ان کی خدمت کے تقاضے پورے کرنے میں صرف کیا جائے۔ اس طرح تنہائیوں میں اپنی خطاؤں اور لغزشوں پر رونا بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پسندیدہ ہے۔ جس کا موقع صرف خلوت میں ملتا ہے۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھا ہوگا کہ گھروں کے جو سربراہ زیادہ وقت اپنے بیوی بچوں میں گزارتے ہیں اور دینی تعلیم و تربیت اور سکول کی تعلیم کے معاملے میں خود ان کی نگرانی کرتے ہیں تو ان کے بچے دونوں میدانوں میں فائق اور ممتاز نظر آتے ہیں۔ شاید اسی حدیث مبارکہ کی برکت ہو۔

نیکی کرنے کی نبوی وصیت

(۲۷۳۲)۔ عَنْ أَسْوَدَ بْنِ أَصْرَمَ الْمُحَارِبِيِّ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَوْصِنِي: قَالَ: ((اِمْلِكْ يَدَكَ، وَفِي رِوَايَةٍ: لَا تَبْسُطْ يَدَكَ إِلَّا إِلَى خَيْرٍ۔))

(الصحيحة: ١٥٦٠)

حضرت اسود بن اصرم محاربی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی وصیت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے ہاتھ کو روک لے (اور ایک روایت میں ہے کہ) اپنا ہاتھ صرف خیر و بھلائی کی طرف پھیلایا کر۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ١/ ١/ ٤٤٤، والطبراني في "الكبير" رقم ٨١٨۔

شرح:...... اگر پاک و ہند کا پچیس تیس سالہ پہلے کا دور ذہن نشین کر لیا جائے تو محسوس ہوگا کہ اس وقت بزرگوں کا احترام بہت زیادہ تھا اور لوگوں کے باہمی تعلقات پر خلوص تھے۔ اگر کوئی ستر سالہ بوڑھا آدمی کوئی نصیحت کرتا تو سننے والے اس کی نصیحت کو اس کی ستر سالہ زندگی کا نچوڑ سمجھ کر اس وصیت کو پلّے باندھ لیتے تھے۔

لیکن جب نبوت و رسالت کے منصب پر فائز ہونے والے اور حکمت و دانائی سے بدرجۂ اتم متصف حضرت محمد ﷺ کسی کو کوئی وصیت فرمائیں گے تو اس فرمان کو اس شخص کے بارے میں تعلیمات رسالت کا نچوڑ سمجھا جائے گا۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ وصیت فرمائی ہے کہ بدی و برائی کے سلسلے میں اپنے آپ پر مکمل قابو پالو اور نیکی و بھلائی کی طرف بڑھتے جاؤ۔ جب کوئی امتی اس عظیم نصیحت کو اپنے دل و دماغ پر سوار کر لے گا تو اس کے لیے نیکی کی طرف اقدام کرنا اور برائی سے اجتناب کرنا آسان ہو جائے گا۔

راستوں میں بیٹھنے کے حقوق

(٢٧٣٣)۔ عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی مَجْلِسٍ مِنَ الأَنْصَارِ، فَقَالَ: ((إِنْ أَبَيْتُمْ إِلَّا أَنْ تَجْلِسُوْا فَاهْدُوْا السَّبِيْلَ، وَرُدُّوْا السَّلَامَ، وَأَعِيْنُوْا الْمَظْلُوْمَ۔)) (الصحيحة:١٥٦١)

حضرت برا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر انصاریوں کی ایک مجلس کے پاس سے ہوا، آپ ﷺ نے انھیں فرمایا: ''اگر تم نے راستوں میں بیٹھنا ہی ہے تو مسافر کی رہنمائی کرو، سلام کا جواب دو اور مظلوم کی مدد کرو۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٤/ ٢٨٢، ٢٩١ و ٢٩٣، والطحاوي في "مشكل الآثار": ١/ ٦٠، وابن حبان: ١٩٥٣، والدارمي: ٢/ ٢٨٢، والترمذي: ٢/ ١٢١

شرح:...... شریعت کا اصل قانون یہ ہے کہ گزرگاہوں کو بطور مجلس استعمال نہ کیا جائے، جیسا کہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ فِي الطُّرُقَاتِ۔)) ...... ''تم راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔'' لیکن جب صحابہ کرام نے کہا کہ اس کے بغیر ہمارا کوئی چارہ نہیں ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم نے وہاں بیٹھنا ہی ہے تو پھر راستے کے حقوق ادا کیا کرو۔'' جب صحابہ نے ان حقوق کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نگاہوں کو پست رکھنا، تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دینا، سلام کا جواب دینا، نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے روکنا۔'' (بخاری، مسلم)

عام راستے اور گزرگاہیں، معاشرے کی اجتماعی ملکیت ہیں، اس لیے ان پر مجلسیں جما کر بیٹھ جانا صحیح نہیں۔ اس سے گزرنے والوں کو اور بالخصوص باپردہ عورتوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن اگر بیٹھے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، جیسے گھر تنگ ہو یا اس قسم کی کوئی اور مجبوری ہو تو شریعت کے وضع کردہ درج ذیل قوانین پر عمل کیا جائے۔

(١) بھٹکے ہوئے مسافر کی رہنمائی کرنا (مسند احمد)
(٢) سلام کا جواب دینا (بخاری، مسلم)
(٣) مصیبت زدہ اور مظلوم کا تعاون کرنا (مسند احمد)
(٤) نگاہ کو پست رکھنا (بخاری، مسلم)
(٥) تکلیف دہ چیزیں ہٹانا (بخاری، مسلم)
(٦) نیکی کا حکم دینا (بخاری، مسلم)

(۷) برائی سے منع کرنا (بخاری، مسلم)

(۸) اچھی گفتگو کرنا (مسلم)

آجکل لوگ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کے موقعوں پر گزرگاہیں تنگ کر دیتے ہیں یا بالکل بند کر دیتے ہیں، ایسا کرنا شرعی اور اخلاقی لحاظ سے بہت برا اور گھٹیا حرکت ہے، اس سے بے شمار لوگوں، بالخصوص تانگوں اور دوسری چھوٹی بڑی گاڑی والوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا کہ کے ایک فرد کے ذاتی کام کی خاطر ہزاروں لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کر دیا جائے؟ وقت کی حکومت اور اس محلے میں بسنے والے ارباب حل وعقد کو اس کا سختی سے نوٹس لینا چاہئے۔ ایسی شادیوں اور تقریبات کا برا ہو کہ جن کی ابتدا ہی نسلِ انسانی کو اذیت پہنچا کر ہوتی ہے۔

آج کل بعض علاقوں میں لڑکے گلیوں اور سڑکوں میں کھیلنا شروع کر دیتے ہیں، وہاں سے باوقار لوگ اور باپردہ تو کجا، بے پردہ عورتوں کا گزرنا بھی ناممکن ہو جاتا ہے، بعض دفعہ گیند گزرنے والوں کو لگ جاتی ہے، جس سے وہ تکلیف بھی محسوس کرتے ہیں اور بےعزتی بھی۔ بہر حال ایسے مقامات پر کھیل کود اخلاق سے گرا ہوا انتہائی گھٹیا فعل ہے۔

قارئین کرام! ہم اِس اسلام کے داعی ہیں کہ جس نے زندگی کے ہر نشیب وفراز میں انسانیت کو سکون پہنچانے اور اذیت سے بچانے کے لیے ہر ممکنہ کوشش کی ہے۔

اہم شاہراہوں پر رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیئے

(۲۷۳٤)۔ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعاً: ((لَا تَنْزِلُوْا عَلٰی جَوَادِ الطُّرُقِ، وَلَا تَقْضُوْا عَلَیْهَا الْحَاجَاتِ۔)) (الصحیحة: ۲٤۳۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمدہ راستوں (اہم شاہراہوں) پر پڑاؤ مت ڈالو اور نہ ہی ان پر اپنی ضرورتیں پوری کرنا شروع کر دو۔''

تخریج: رواہ أبو بکر بن أبی شیبة فی"الأدب":۱/ ۱۵۰/ ۱، وابن ماجه: ۳۷۷۲، و رواہ احمد: ۳/ ۳۰۵ أتم منه

شرح:...... اسلام نے گزرنے والوں کی رورعایت کرتے ہوئے عام راستوں کے حقوق کا بھی تعین کیا ہے، اہم شاہراہوں کا مسئلہ تو اور زیادہ اہمیت کا حامل ہے، موجودہ سائنسی دور کی (HTV) یعنی بڑی اور بھاری گاڑیوں کی ایجادات سے ان احادیث مبارکہ کی حقانیت کو تسلیم کرنے میں مدد ملتی ہے کہ ان کے ڈرائیوروں پر معمولی رکاوٹ بھی بڑی گراں گزرتی ہے۔

دلوں کو نرم کرنے کا نبوی نسخہ

(۲۷۳۵)۔ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ:أَنَّ رَجُلاً شَکَا إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَسْوَةَ قَلْبِهِ، فَقَالَ لَهُ: ((إِنْ أَرَدْتَ تَلْیِیْنَ قَلْبِكَ، فَأَطْعِمِ الْمِسْکِیْنَ،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی سنگ دلی کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ''اگر تو دل کو نرم کرنا چاہتا ہے تو مسکین کو کھانا

وَامْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ۔)) کھلایا کر اور یتیم پر دستِ شفقت رکھا کر۔"

(الصحيحة:٨٥٤)

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٢٦٣

شرح:...... شریعت کا ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ ہم دوسروں کے حق میں نرم دل، رحمدل اور رحم خواہ بن جائیں، لیکن ممکن ہے کہ ایک آدمی طبعی طور ہی پر سخت دل ہو۔ اس حدیث مبارکہ میں سنگ دلی کو دور کرنے کا ایک نسخہ بیان کیا گیا ہے کہ دنیوی وسائل سے محروم لوگوں کے لیے خورد ونوش کا اہتمام کیا جائے اور دنیوی سہاروں سے محروم افراد کی دلجوئی کی جائے۔

ایک مجرم کی وجہ سے پورے قبیلے کی مذمت کرنا سنگین جرم ہے
حقیقی باپ سے نسبت کی نفی کرنا سنگین جرم ہے

(٢٧٣٦)۔ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعًا: ((إِنَّ أَعْظَمَ النَّاسِ جُرْمًا إِنْسَانٌ شَاعِرٌ يَهْجُو الْقَبِيْلَةَ مِنْ أَسْرِهَا، وَرَجُلٌ تَنَفّٰى مِنْ أَبِيْهِ۔)) (الصحيحة:٧٦٣)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں میں سب سے بڑا مجرم وہ شاعر ہے جو پورے قبیلے کی مذمت کرتا ہے اور وہ آدمی جو اپنے (حقیقی) باپ کا انکار کر دیتا ہے۔"

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٨٧٤، و اخرجه ابن ماجه: ٢/ ٤١١ بلفظ قريب منه

(٢٧٣٧)۔ عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ أَعْظَمَ النَّاسِ فِرْيَةً لَرَجُلٌ هَجَا رَجُلًا، فَهَجَا الْقَبِيْلَةَ بِأَسْرِهَا، وَرَجُلٌ انْتَفٰى مِنْ أَبِيْهِ، وَزَنّٰى أُمَّهُ۔)) (الصحيحة:١٤٨٧)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جھوٹا الزام لگانے میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے، جو ایک آدمی کے عیوب بیان کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ اس کے پورے قبیلے کی مذمت کر دیتا ہے اور وہ آدمی بھی ہے جو اپنے (حقیقی) باپ کا انکار کر کے اپنی ماں کو زانیہ قرار دیتا ہے۔"

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٢/ ٤١١، والبيهقي: ١٠/ ٢٤١

شرح:...... شریعت کا مسلمہ قانون ہے کہ باپ ہو، بیٹا ہو، بہن ہو، بھائی ہو، کوئی ہو، ہر کوئی اپنے کیے کا خود ذمہ دار ہے، نہ ایک کے جرم کو دوسرے پر تھوپا جا سکتا ہے اور نہ ایک کے گناہ کو دوسرے کی توہین کا سبب بنایا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے کوئی کسی کے جرائم کی وجہ سے اپنی بے عزتی محسوس کرے، لیکن یہ اس کا طبعی فیصلہ ہوگا، شرعی قوانین کے مطابق کوئی کسی کے گناہ کا ضامن نہیں ہے۔ ان احادیث کے شروع میں اسی نقطے پر زور دیا گیا ہے کہ اگر ایک آدمی قصوروار ہے تو اس میں اس کے قبیلے کا کیا قصور ہے کہ اس کے اعزہ و اقارب کو بھی موردِ طعن ٹھہرا دیا جائے۔

حقیقی باپ کا انکار کرنا، نہ صرف ماں کی بدکاری کا اعلان ہے، بلکہ اللہ تعالی کی تقدیر پر ناخوش ہونے کی دلیل بھی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالی کے فیصلوں کو اپنے حق میں انتہائی مناسب اور مبنی برحق سمجھیں اور اس نے ہمیں جس قبیلے اور باپ سے پیدا کیا، اس کی طرف نسبت کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کریں۔

تکلّف وتصنّع سے گفتگو کرنے والے لوگ ناپسندیدہ ہیں

(۲۷۳۸)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يُبْغِضُ الْبَلِيْغَ مِنَ الرِّجَالِ، الَّذِيْ يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهِ تَخَلُّلَ الْبَاقِرَةِ بِلِسَانِهَا۔)) (الصحيحة: ۸۸۰)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ آدمیوں میں سے اس بلاغت جھاڑنے والے شخص کو سخت ناپسند کرتا ہے جو (منہ پھاڑ پھاڑ کر تکلف وتصنع سے گفتگو کرتے ہوئے) اپنی زبان کو گائے کے جگالی کرنے کی طرح بار بار پھیرتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ۲/ ۳۱٤۔ ۳۱۵، والترمذي: ۲/ ۱۳۹، وابن أبي شيبة في ''المصنف'': ۹/ ۱۵/ ٦۳٤۸، وأحمد ۲/ ۱٦۵، ۱۸۷

شرح:...... تکلف وتصنع کے ساتھ منہ بھر کر، رگیں پھلا کر، باچھیں کھول کر اور بڑھکیں مار مار کر بات کرنے والے لوگ اللہ تعالی کو ناپسند ہیں، ایسے لوگ بال کی کھال اتارتے ہیں، لایعنی بحثیں کرتے ہیں، ماورائے عقل باتوں میں دخل دیتے ہیں، مبالغہ کرتے ہوئے فصاحت و بلاغت چھانٹتے ہیں اور سامعین و حاضرین سے داد وصول کرنے کے چکر میں گھومتے رہتے ہیں۔ جبکہ شریعتِ اسلامیہ سادگی، تواضع اور قدرتی انداز کو پسند کرتی ہے، شریعت کا تقاضا ہے کہ قول وفعل میں غلو نہ کیا جائے اور تمام معاملات سادگی کے ساتھ نبٹائے جائیں۔

قارئین کرام! شاید آپ اس بات میں ہمارے ساتھ موافقت کریں کہ تکلف وتصنع اور فصاحت و بلاغت نے دیرپا اثرات نہیں چھوڑے، فی الوقت سامعین سے ''بلّے بلّے'' وصول کر لینا اور لوگوں کو حیطۂ حیرت میں ڈال دینا تو ممکن ہے، لیکن خطابات کے ایسے انداز سے لوگوں کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ ہمارے وطن کی زمین گواہ ہے کہ جو لوگ بظاہر متقی ہیں، سادہ انداز میں گفتگو کرتے ہیں، لیکن اپنی تقریر کے عملی تقاضے پورے کرنے والے ہوتے ہیں، تو عوام الناس کو ان کی تقاریر سے استفادہ کرنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بچے اور بچی کی طرف سے عقیقہ کرنا
اور لفظ ''عقیقہ'' کو مکروہ سمجھنا

(۲۷۳۹)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْعَقِيْقَةِ، فَقَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْعُقُوْقَ۔)) وَكَأَنَّهُ كَرِهَ

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپ ﷺ نے (جواباً) فرمایا: ''اللہ تعالی ''عقوق'' (یعنی

الْإِسْمَ۔ قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّمَا نَسْأَلُكَ عَنْ أَحَدِنَا يُوْلَدُ لَهُ۔ قَالَ: ((مَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَنْسُكَ عَنْ وَلَدِهِ فَلْيَفْعَلْ، عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ۔)) (الصحيحة: ١٦٥٥)

بدسلوکی و نافرنی) کو ناپسند کرتا ہے۔'' ایسے معلوم ہوتا تھا کہ لفظ ''عقیقہ'' آپ ﷺ کو ناپسند ہے۔صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ جب ہم میں سے کسی کا بچہ پیدا ہوتا ہے (تو اس کا عقیقہ ہونا چاہئے یا نہیں)۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اپنے بچے کی طرف سے جانور ذبح کرنا چاہتا ہے وہ کرے، بچے کی طرف سے دو ہم عمر بکریاں (یا بھیڑیں، مذکر ہوں یا مؤنث) اور بچی کی طرف سے ایک۔''

تخریج: أخرجه أبو داود: ٢٨٤٢، والنسائي: ٢/ ١٨٨، والحاكم: ٤/ ٢٣٨، والبيهقي: ٩/ ٣٠٠، وأحمد: ٢/ ١٨٢و ١٩٤

شرح:...... دراصل لفظ ''عقیقہ'' کا مادہ (ع، ق، ق) ہے، جس کے معانی بدسلوکی اور نافرمانی کے ہیں، اسلیے اس لفظ کو پسند نہیں کیا گیا، اس کا حکم اپنی جگہ پر برقرار ہے اور آپ ﷺ نے خود یہ لفظ استعمال کیا ہے، جیسا کہ سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((كُلُّ غُلَامٍ رَهِيْنَةٌ بِعَقِيْقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ وَيُسَمّٰى فِيْهِ وَيُحَلَّقُ رَأْسُهُ۔)) (ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ)...... ''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے، پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور سر کے بال منڈوائے جائیں۔''

عام طور پر بچے یا بچی کا عقیقہ کرنے کے لیے عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے جانور میں حصے رکھ لیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالی ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کس کی عقل کی اختراع ہے۔عقیقہ کے جانوروں کی صرف یہ صورت ہے کہ بچے کی طرف سے دو عدد بکریاں یا بکرے یا دنبے یا بھیڑیں ذبح کی جائیں اور بچی کی طرف سے ایک۔

دلائل یہ ہیں:

سیدہ ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ)) ''بچے کی طرف سے دو برابر بکریاں اور بچی کی طرف سے ایک بکری قربان کی جائے۔(ابو داود، نسائی)

ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((نَعَمْ، عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْأُنْثٰى وَاحِدَةٌ۔)) ہاں، بچے کی طرف سے دو بکریاں اور بچی کی طرف سے ایک بکری قربان کی جائے۔(مسند احمد، ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشَيْنِ كَبْشَيْنِ۔)) رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین کی طرف سے دو دو دنبوں کا عقیقہ کیا۔(نسائی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ((اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّعَقَّ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ۔)) رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ بچے کی طرف سے دو بکریوں کا اور بچی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کیا جائے۔ (مصنف عبدالرزاق)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَّنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكْ ، عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ)) ...... جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور وہ اس کی طرف سے قربانی (یعنی عقیقہ) کرنا چاہے تو وہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری قربان کرے۔ (ابوداود، نسائی)

اختصار کے لیے ان ہی دلائل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے جتنی احادیث صحیحہ منقول ہیں، ان میں عقیقہ کے موضوع پر صرف بکری، بکرے، بھیڑ اور دنبے کا ذکر ہے، نہ کہ گائے اور اونٹ وغیرہ کا۔ لہٰذا اگر ہم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں جیسی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے عقیقہ کرنا چاہتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی مبارک سنت کے مطابق بچے کی طرف سے دو بکریاں اور بچی کی طرف ایک بکری ذبح کریں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے جو روایت ((يُعَقُّ عَنْهُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ۔)) (اس کی طرف سے اونٹ، گائے اور بکری کا عقیقہ کیا جائے۔) منقول ہے۔ امام ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی سند میں مسعدہ بن الیسع راوی کذاب ہے۔

عظیم امور پسندیدہ اور گھٹیا امور ناپسندیدہ ہیں

(٢٧٤٠)۔ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُوْرِ وَأَشْرَافَهَا، وَيَكْرَهُ سِفْسَافَهَا۔)) (الصحيحة:١٦٢٧)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ رفعت و عزت والے امور پسند کرتا ہے اور رذلت و ذلالت والے امور کو ناپسند کرتا ہے۔''

تخريج: رواه الطبراني: رقم ٢٨٩٤، وابن عدي: ١/١١٤، والقضاعي: ٢/٨٩

(٢٧٤١)۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ كَرِيْمٌ، يُحِبُّ الْكَرَمَ وَمَعَالِيَ الْأَخْلَاقِ، وَيُبْغِضُ سَفْسَافَهَا۔)) (الصحيحة: ١٣٧٨)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ مہربان ہے، مہربانی اور بلند اخلاق کو پسند کرتا ہے اور ردّی اخلاق سے نفرت کرتا ہے۔''

تخریج: أخرجه أبو الشیخ في "أحادیثه" ١٢ / ١، والحاكم: ١ / ٤٨، وأبو نعیم في "الحلیة" ٣/ ٢٥٥، ٨/ ١٣٣، والسلفي في "معجم السفر" ١٨ / ١

شرح:...... بدخلقی اور بدمزاجی ایسی نحوست ہے کہ جس کی وجہ سے بڑی بڑی بارعب اور عبادت گزار ہستیاں معاشرے کے بے وقعت افراد میں شامل ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ۔)) (مسلم)...... جس چیز سے (نرمی) نکال لی جاتی ہے، وہ عیب دار (اور معیوب) ہو جاتی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کا انجام خیر

(٢٧٤٢)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ رَجُلاً زَارَ أَخاً لَّهُ فِي قَرْيَةٍ، فَأَرْصَدَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مَدْرَجَتِهِ مَلَكاً، فَلَمَّا أَتٰى عَلَيْهِ الْمَلَكُ قَالَ: أَيْنَ تُرِيْدُ؟ قَالَ: أَزُوْرُ أَخاً لِي فِي هٰذِهِ الْقَرْيَةِ، قَالَ: هَلْ لَّهُ عَلَيْكَ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنِّي أَحْبَبْتُهُ فِي اللّٰهِ، قَالَ: فَإِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ لَهُ۔)) (الصحيحة: ١٠٤٤)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک آدمی کسی دوسری بستی میں اپنے بھائی کی زیارت کے لیے گیا، اللہ تعالیٰ نے راستے میں اس کے انتظار میں ایک فرشتہ بٹھا دیا، جب وہ شخص اس کے پاس سے گزرا، تو فرشتے نے پوچھا: تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا: اس بستی میں میرا بھائی رہتا ہے، اس کی زیارت کے لیے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا: کیا اس کا تم پر کوئی احسان ہے؟ جس کی وجہ سے تم یہ تکلیف اٹھا رہے ہو اور اس کا بدلہ اتارنے جا رہے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ صرف اس لیے جا رہا ہوں کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔ فرشتے نے کہا: میں تیری طرف اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ہوں (اور یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ) اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محبت کرتا ہے جیسے تو اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہے۔"

تخریج: رواه أبو بكر الشافعي في "الفوائد" ١١٥ / ٢، والحسین بن علي الجوهري في "فوائد منتقاة" ٢٧ / ١، واخرجه مسلم فی "صحیحه": ٨/ ١٢

(٢٧٤٣)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ مَرْفُوْعاً: ((مَا أَحَبَّ عَبْدٌ عَبْداً لِلّٰهِ إِلَّا أَكْرَمَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ۔)) (الصحيحة: ١٢٥٦)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب بھی کوئی بندہ کسی سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عزت عطا کرتا ہے۔"

تخریج: رواه أحمد في "المسند" ٩/ ٢٥٩، وابن قدامة في "المتحابین في الله" ١٠٧ / ١

(٢٧٤٤)۔ عَنْ أَنَسٍ مَرْفُوْعاً: ((مَا تَحَابَّ رَجُلَانِ فِي اللّٰهِ، إِلَّا كَانَ أَحَبُّهُمَا إِلَى

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب بھی دو آدمی آپس میں اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے ہیں

اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَشَدُّهُمَا حُبًّا لِصَاحِبِهِ۔)) (الصحيحة: ٤٥٠)

تو ان میں سے اللہ تعالی کو زیادہ محبوب وہ ہوتا ہے جو اپنے دوست سے اس کی بہ نسبت زیادہ محبت کرنے والا ہوتا ہے۔''

تخریج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٥٤٤، وابن حبان: ٢٥٠٩، والحاكم في "المستدرك": ٤/ ١٧١، والخطيب في "التاريخ": ١١/ ٣٤١

شرح: ...... محبت کی دو قسمیں ہیں: (۱) طبعی اور (۲) کسبی۔

طبعی محبت وہ ہے جو انسان کو طبعی طور پر اپنے قرابتداروں اور محسنوں سے ہوتی ہے، یہ محبت انسان کا کمال اور طرۂ امتیاز نہیں، کیونکہ تقریباً تمام حیوانات بھی اس صفت سے متصف نظر آتے ہیں۔

کسبی محبت سے مراد مومنوں کا آپس میں تعلق اور دوستی ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، بالخصوص مہاجرین و انصار کے مابین تھی، یہ دینی محبت صرف اللہ تعالی کے لیے ہوتی ہے، اس سے کوئی دنیوی مفاد اور غرض وابستہ نہیں ہوتی۔ ایسی محبت کو نہ صرف شریعتِ اسلامیہ میں سراہا گیا ہے، بلکہ ایمان و ایقان کی علامت قرار دیا گیا ہے، یاد رہے کہ ایسی محبت و الفت صرف نیک اور صالح لوگوں سے ہوتی ہے۔

اس باب کی احادیث میں کسبی محبت کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالی ایسے آدمی کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں اور اس کو عزتیں عطا کرتے ہیں۔

کسی کو اللہ تعالی کی مغفرت سے محروم نہیں سمجھنا چاہیے

(٢٧٤٥)۔ عَنْ جُنْدُبٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَدَّثَ: ((إِنَّ رَجُلًا قَالَ: وَاللّٰهِ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِفُلَانٍ، وَإِنَّ اللّٰهَ قَالَ: مَنْ ذَا الَّذِي يَتَأَلّٰى عَلَيَّ أَنْ لَا أَغْفِرَ لِفُلَانٍ؟ فَإِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ، وَأَحْبَطْتُ عَمَلَكَ۔)) أَوْ كَمَا قَالَ۔ (الصحيحة: ١٦٨٥)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ فلاں کو نہیں بخشے گا۔ اس پر اللہ تعالی نے فرمایا: کون ہے جو مجھ پر قسم اٹھاتا ہے کہ میں فلاں کو نہیں بخشوں گا؟ میں نے اس کو بخش دیا اور تیرے (قسم اٹھانے والے) کے اعمال ضائع کر دیے۔'' یا جیسے آپ نے فرمایا۔

تخريج: رواه مسلم: ٨/ ٣٦، ، وابن أبي الدنيا في "حسن الظن بالله": ١٩٠/ ١ ـ ٢ قالا۔ واللفظ لابن أبي الدنيا۔

شرح: ...... انبیائے کرام کے بعد کوئی کسی کے نیک و بد اعمال کی روشنی میں اس کے حق میں اللہ تعالی کی رحمت و مغفرت یا عذاب وعقاب کا فیصلہ حتمی طور پر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ممکن ہے بعض نیکوکاروں کی نیکیاں اللہ تعالی کے ہاں مقبول نہ ہوں اور بعض بدکاروں کی برائیاں معاف کر دی جائیں۔ کون اللہ تعالی کی رحمت کا مستحق ہے اور کون اس کے عذاب کا حقدار؟ یہ ایک غیبی معاملہ ہے، جس کا علم کسی کو اس کے مرنے سے پہلے نہیں ہو سکتا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اسلام کی وجہ

سے مسلمان کی قدر کرنی چاہیے اور اس کی اخروی کامیابی کا حسن ظن رکھنا چاہیے۔ ہم سے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ یہ ہے کہ ہم اس کی فرمانبرداری کریں اور نافرمانی سے بچیں اور بتقاضۂ بشریت ہونے والے گناہوں پر اس سے بخشش کا سوال کریں۔

قارئین کرام! ذہن نشین کر لیں کہ یہ حدیث ہم کو یہ سبق سکھانا چاہتی ہے کہ ہم دوسرے لوگوں کی برائیوں پر نظر نہ رکھیں، بلکہ ان کو راہِ ہدایت پر لانے کی کوشش کریں، برائیوں سے دور رہنے کی تلقین کریں، ان کی سیئات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں اور اپنی اصلاح کے لیے تگ و دو کریں، بہر حال جہاں نیکیاں جنت میں لے جانے کا سب سے بڑا سبب ہیں، وہاں برائیاں برے آدمی کو آتشِ دوزخ کا ایندھن بنا سکتی ہیں اور جتنے لوگ جہنم میں داخل ہوں گے، اس کا سبب ان کے گناہ ہوں گے۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام نووی نے کہا: اہل السنۃ کا مذہب ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل حال ہو تو توبہ کے بغیر گناہوں کی معافی ممکن ہے، یعنی گناہوں کی معافی کے لیے توبہ شرط نہیں ہے، اس حدیث سے ان کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: اس انداز میں اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھانے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، جیسے کفر اور نماز عصر ترک کرنے سے اعمال رائیگاں ہو جاتے ہیں۔

زبان کئی گناہوں کا موجب ہے

(٢٧٤٦)۔ عَنْ شَقِيْقٍ، قَالَ: لَبّٰى عَبْدُاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الصَّفَا، ثُمَّ قَالَ: يَا لِسَانُ! قُلْ خَيْراً تَغْنَمْ، اُسْكُتْ تَسْلَمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَنْدِمْ، قَالُوْا: يَا أَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ! هٰذَا شَيْءٌ أَنْتَ تَقُوْلُهُ أَمْ سَمِعْتَهُ؟ قَالَ: لَا: بَلْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((أَكْثَرُ خَطَايَا ابْنِ آدَمَ فِي لِسَانِهِ۔)) (الصحيحة: ٥٣٤)

شقیق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے صفا پہاڑی پر تلبیہ پڑھا اور کہا: اے زبان! خیر و بھلائی پر مشتمل کلام کر، تاکہ تو غنیمت حاصل کر لے۔ تو خاموش رہا کر، تاکہ سلامت رہے اور ندامت نہ ہو۔ لوگوں نے پوچھا: اے ابوعبد الرحمٰن! یہ کلمات تو اپنی طرف سے کہہ رہا ہے یا کسی سے سنے ہیں؟ انھوں نے کہا: کسی سے نہیں سنے، ہاں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ضرور سنا ہے: ''ابن آدم کی اکثر خطائیں اس کی زبان کی وجہ سے ہوتی ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني: ٣/ ٧٨/ ١-٢، وأبو الشيخ في "آحاديثه": ١٠/ ٢، وابن أبي الدنيا في "الصمت": ٤١/ ١٨، وعنه الأصبهاني في "الترغيب": ٢/ ٧٠١/ ١٦٩٥، وابن عساكر: ١٥/ ٣٨٩/ ١

شــــرح:...... کلماتِ کفر و شرک، کذب بیانی و دروغ گوئی، لہو و لغویات، گالی گلوچ، سب و شتم، چغلی و غیبت، دوسروں کی توہین، بڑوں کی گستاخی، چھوٹوں سے کرختگی و سختی، والدین کا دل دکھانا، بے راہ روی و بدکاری کی راہ ہموار کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری، اس قسم کے سینکڑوں جرائم کا تعلق صرف زبان سے ہے، یہ زبان ہی ہے جس کی وجہ سے صاحب

زبان کوئی مجالس میں ندامت و پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہ زبان ہی ہے جو باوقار اور سنجیدہ انسانوں کی عظمت و وقار کو مجروح کر دیتی ہے، بہرحال جو بندہ اپنی زبان کی حفاظت کرنے میں ناکام رہا، وہ کئی برائیوں سے اجتناب کرنے اور کئی نیکیوں کو سرانجام دینے سے محروم رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! سب سے زیادہ خطرے والی چیز، جس کا آپ کو مجھ سے اندیشہ ہو، کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے زبان کا تعین کیا۔ (ترمذی)

ہر عضو زبان کی تیزی کی شکایت کرتا ہے

(٢٧٤٧)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اِطَّلَعَ عَلٰى أَبِي بَكْرِ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا۔ وَهُوَ يَمُدُّ لِسَانَهُ، فَقَالَ: مَاتَصْنَعُ يَاخَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: هٰذَا أَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ، إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَيْسَ شَيْءٌ مِنَ الْجَسَدِ إِلَّا يَشْكُوْ إِلَى اللّٰهِ اللِّسَانَ عَلٰى حِدَّتِهِ۔)) (الصحيحة:٥٣٥)

زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنی زبان کو کھینچ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: خلیفۂ رسول! یہ کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا: یہ مجھے ہلاکت گاہوں کی طرف لے جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جسم کا ہر حصہ اللہ تعالیٰ سے زبان کی تیزی کی شکایت کرتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أبو يعلى في"مسنده": ١/ ٤، وابن السني في"عمل اليوم والليلة": ٧، وابن أبي الدنيا في"الورع": ١٦٥/ ٢، وفي"الصمت": أيضا: ٣٩/ ١٣، وأبو بكر بن النقور في"الجزء الأول من "الفوائد الحسان": ١٣٣/ ١، وأبو نعيم في"الرواة عن سعيد بن منصور": ٢٠٩/ ١-٢ والبيهقي في"الشعب": ٤/ ٢٤٤/ ٤٩٤٧

شرح:...... جہاں زبان کا درست استعمال باعثِ نجات ہے، وہاں اس کی ذرا سی بے اعتدالی کی سزا پورے جسم کو بھگتنا پڑتی ہے، گوشت کا یہ چھوٹا سا ٹکڑا باعثِ سعادت بھی اور باعثِ شقاوت بھی، یہ باعثِ عزت بھی ہے اور باعثِ ذلت بھی۔ زبان بعضوں کو معاشرے کا معزز ترین افراد بنا دیتی ہے اور بعضوں کو ذلیل ترین۔ ''لمحوں نے خطا کی، صدیوں نے سزا پائی'' کا مصداقِ اول زبان ہے۔ اس باب کی حدیث کی مزید وضاحت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب بندہ صبح کرتا ہے تو اس کے جسم کے تمام اعضا اس سے نہایت عاجزی سے درخواست کرتے ہیں، اور کہتے ہیں: اے زبان! تو ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، کیونکہ ہمارا معاملہ تیرے ساتھ وابستہ ہے، اگر تو سیدھی رہے گی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے، اگر تو نے کجی اختیار کی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔'' (ترمذی)

قارئین کرام! جسم کے تمام اعضا پر نظر دوڑائیں، ہر عضو کوئی برا یا اچھا اقدام کرنے سے پہلے منصوبہ بناتا ہے، مثلا نماز ادا کرنا، راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا، تیمار داری کرنا۔ لیکن یہ زبان ہے جو کروٹ بدلتے بدلتے کئی نیکیوں یا کئی برائیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ مثلا اچانک اللہ تعالی کی تسبیحات، تکبیرات، تحمیدات وغیرہ کہنا شروع کر دے یا جاتے جاتے کسی کو گالی دے دے، برا بھلا کہہ دے، کلمۂ کفر بول دے، فحش مذاق کر دے، چغلی و غیبت کر دے، جھوٹ بول دے۔ وغیرہ وغیرہ۔ سچ فرمایا نبی معظم ﷺ نے کہ زبان بڑی تیز طرار ہے اور ہر عضو کو اس کی پھرتی کا شکوہ ہے۔

زبان باعثِ سعادت بھی ہے اور باعثِ شقاوت بھی

(٢٧٤٨)۔ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَيْمَنُ امْرِئٍ وَأَشْأَمُهُ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ۔)) (الصحيحة: ١٢٨٦)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کی انتہائی بابرکت اور انتہائی منحوس چیز اس کی زبان ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان: ٢٥٤٢، والطبراني

شرح:...... اگر زبان کی حفاظت نہ کی جائے تو سارے اعمال برباد ہو سکتے ہیں اور اگر اس کو قابو میں رکھا جائے تو کئی گناہوں سے اجتناب کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کے مطالبے پر اسے اللہ تعالی کی عبادت کرنے، شرک نہ کرنے، صلاۃ و زکوۃ ادا کرنے، روزہ رکھنے، حج کرنے، صدقہ کرنے، تہجد پڑنے اور جہاد کرنے کا حکم دیا اور پھر فرمایا: ان سب نیکیوں کا دارو مدار زبان پر ہے۔ (ترمذی) دوسری طرف جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پر اس لیے طعن کیا کہ ان کا قد چھوٹا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے ایسی (کڑوی) بات کہی ہے کہ اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جائے تو اس کا ذائقہ بھی بدل ڈالے گی۔'' (ابوداود، ترمذی)

زبان کے استعمال میں بے احتیاطی کا نتیجہ

(٢٧٤٩)۔ عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ، مَاكَانَ يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَابَلَغَتْ، يَكْتُبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ إِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سُخْطِ اللّٰهِ، مَاكَانَ يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَابَلَغَتْ يَكْتُبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا سُخْطَهُ إِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ۔)) (الصحيحة: ٨٨٨)

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی اللہ تعالی کی رضامندی پر مشتمل بات کرتا ہے اور اسے گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ (یعنی اس کا اچھا اثر) کہاں تک پہنچے گا۔ مگر اللہ تعالی اس کی وجہ سے اس کے لیے قیامت کے دن تک اپنی رضامندی لکھ دیتا ہے اور (بعض دفعہ) کوئی شخص اللہ کی ناراضی کا ایسا کلمہ بولتا ہے کہ اسے گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ کلمہ (یعنی اس کا برا اثر) کہاں تک پہنچے گا، مگر اللہ تعالی اس کی وجہ سے اس کے لیے اپنی ملاقات کے دن تک اپنی ناراضگی لکھ دیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه مالك: ٢/ ٩٨٥/ ٥، والترمذي: ٢/ ٥٢، وابن ماجه: ٣٩٦٩، وابن حبان: ١٥٧٦، والحاكم: ١/ ٤٥، وأحمد: ٣/ ٤٦٩، والحميدي: ٩١١، وابن عساكر في "التاريخ دمشق" ١٠/ ٢٧٩ و٢٨٦ ـ طبع المجمع العلمي

(٢٧٥٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّ الْعَبْدَ يَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مَا يَتَبَيَّنُ فِيْهَا يَزِلُّ بِهَا فِي النَّارِ أَبْعَدَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔)) (الصحيحة: ٥٤٠)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''بندہ ایک بات کرتا ہے، اس میں غور وفکر نہیں کرتا اور وہ اس بات کی وجہ سے مشرق ومغرب کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ دور جہنم کی آگ کی طرف گر جاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٣٧٨، والبخاري: ٤/ ٢٢٥، ومسلم: ٨/ ٢٢٣

شرح:...... یہ ایک مشاہدہ شدہ حقیقت ہے کہ بعض دفعہ آدمی زبان سے ایسا کلمۂ خیر ادا کرتا ہے کہ جس سے کسی کا دل خوش ہو جاتا ہے یا کسی کی ڈھارس بن جاتا ہے یا کسی کی اصلاح ہو جاتی ہے یا کوئی ظلم ومعصیت کے ارادے سے باز آ جاتا ہے، یقیناً ایسا کلمہ کہنے والے کے لیے باعث اجر وثواب ہے۔ لیکن بسا اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ بندہ کوئی کلمۂ شر ادا کر دیتا ہے کہ جس سے کسی کی دلآزاری ہو جاتی ہے یا کوئی اس کی وجہ سے ظلم ومعصیت پر تل جاتا ہے یا وہ ایسے تنازعے کو ہوا دیتا ہے کہ طویل جھگڑا اور قتل و غارت گری شروع ہو جاتی ہے یا وہ کسی کی ضلالت وگمراہی کا داعی بن جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسی بات کہنے والے کے لیے باعث وبال وعقاب ہوگی اور اس کو تباہی کے گڑھے میں ڈال دے گی۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی زبانوں کے سلسلے میں محتاط رہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا سبب بننے والے اعمال

(٢٧٥١)۔ عَنْ هَانِئِ بْنِ يَزِيْدَ: قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! دُلَّنِي عَلٰى عَمَلٍ يُدْخِلُنِيَ الْجَنَّةَ، فَقَالَ: ((إِنَّ مِنْ مُوْجِبَاتِ الْمَغْفِرَةِ: بَذْلُ السَّلَامِ، وَحُسْنُ الْكَلَامِ۔)) (الصحيحة: ١٠٣٥)

حضرت ہانی بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سلام عام کرنا اور اچھا کلام کرنا ایسے اعمال ہیں جو بخشش کو واجب کر دیتے ہیں۔''

تخريج: رواه الخرائطي في "مكارم الأخلاق" صـ ٢٣

شرح:...... اگر سلام اور حسن کلام کے اجر وثواب سے متعلقہ احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو واقعی یہ اعمال اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو واجب کرنے والے معلوم ہوتے ہیں، یہ اسلام کا ہی خاصہ ہے کہ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کے لیے سلامتیوں کی دعائیں بھی ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی بخشش کا مستحق بھی ٹھہرا جائے اور شیریں کلام کرنے والا خود بھی سکون

محسوس کرتا ہے اور کئی لوگوں کے لیے مسرّتوں کا سبب بھی بنتا ہے۔

مجلسوں کی سردار مجلس

(٢٧٥٢)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ سَيِّدًا، وَإِنَّ سَيِّدَ الْمَجَالِسِ قُبَالَةُ الْقِبْلَةِ۔)) (الصحيحة:٢٦٤٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر چیز کا ایک سردار ہوتا ہے اور مجلسوں کی سردار وہ (مجلس) ہے جس میں قبلہ کے سامنے (بیٹھا جائے)۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في"الأوسط": ٣/ ٢٦٩

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ سرخی ثبت کی ہے: "سَيِّدُ الْمَجَالِسِ قُبَالَةُ الْقِبْلَةِ" اور اس حدیث کے شواہد کا ذکر کرتے ہوئے کہا: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَكْرَمُ الْمَجَالِسِ مَا اسْتُقْبِلَ بِهِ الْقِبْلَةُ۔)) ...... ''سب سے زیادہ عزت والی مجلس وہ ہے، جس میں قبلہ کی طرف متوجہ ہوا جائے۔'' (طبرانی، الکامل لابن عدی، لیکن یہ حدیث "ضعیف جدًا" ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شَرَفًا وَإِنَّ شَرَفَ الْمَجَالِسِ مَا اسْتُقْبِلَ بِهِ الْقِبْلَةُ۔)) ...... ''بیشک ہر چیز کا شرف ہوتا ہے اور مجالس کا شرف وہ ہے جس کے ذریعے قبلہ کی طرف متوجہ ہوا جائے۔''

ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد نماز باجماعت ہے، جس میں قبلہ رخ ہو کر بیٹھا جاتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرزندانِ امت کے حق میں ان سے بڑھ کر رحمدل تھے
غیر محرم مرد وزن کا ایک دوسرے کے کندھے یا سر پر ہاتھ پھیرنا کیسا ہے؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ

(٢٧٥٣)۔ عَنْ أُمَيْمَةَ بِنْتِ رَقِيْقَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِي نِسْوَةٍ نُبَايِعُهُ عَلَى الْإِسْلَامِ، فَقُلْنَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! نُبَايِعُكَ عَلٰى أَن لَّا نُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا نَسْرِقَ، وَلَا نَزْنِي، وَلَا نَقْتُلَ أَوْلَادَنَا، وَلَا نَأْتِيَ بِبُهْتَانٍ نَفْتَرِيْهِ بَيْنَ أَيْدِيْنَا وَأَرْجُلِنَا، وَلَا نَعْصِيْكَ فِي مَعْرُوْفٍ،

حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں چند عورتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی بیعت کرنے کے لیے آئی۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم اس بات پر آپ کی بیعت کرتی ہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، بہتان نہیں گھڑیں گی اور نیکی کے معاملے میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((فِيْمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ۔)) قَالَتْ: فَقُلْنَ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَرْحَمُ بِنَا مِنْ أَنْفُسِنَا، هَلُمَّ نُبَايِعْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ، إِنَّمَا قَوْلِي لِمِئَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ۔)) (الصحيحة: ٥٢٩)

نے فرمایا: ''(ٹھیک ہے) لیکن طاقت وقدرت کے مطابق۔'' ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول تو ہم پر ہمارے نفسوں کی بہ نسبت بھی زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔ اے اللہ کے رسول! اب آئیں (اور ہاتھ بڑھائیں) تاکہ ہم بیعت کر سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، میرا تو سو عورتوں سے قول واقرار، ایک عورت سے قول واقرار کی طرح ہے۔''

تخريج: أخرجه مالك: ٢/ ٩٨٢/ ٢، وعنه النسائي في "عشرة النساء": من "السنن الكبرى": له: ٢/ ٩٣/ ٢ و في "المجتبى": ٢/ ١٨٤، والترمذي: ١/ ٣٠٢، وابن ماجه: ٢٨٧٤، وكذا ابن حبان: ١٤، **وأحمد**: ٦/ ٣٥٧

شرح:...... جب صحابیات نے یہ اقرار کیا کہ وہ شرک، چوری، **بدکاری، قتل** اولاد اور بہتان باندھنے سے باز رہیں گی اور نیکی والے امور میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو آپ ﷺ نے ان پر شفقت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمت واستطاعت کے مطابق اس بیعت کے تقاضوں کو پورے کرتے رہنا، کیونکہ بسا اوقات انسان کو کوئی حرام کام کرنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے اور بعض اوقات شیطان ایسا غالب آتا ہے کہ انسان اللہ تعالی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری ونافرمانی کے تصورات سے غافل ہو جاتا ہے۔

حدیث مبارکہ کے آخری حصے سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عورتوں سے بیعت لیتے وقت ان سے مصافحہ نہیں کرتے تھے، نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: وَلَا وَاللّٰهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ، مَابَايَعَهُنَّ إِلَّا بِقَوْلِهِ: قَدْ بَايَعْتُكَ عَلٰى ذٰلِكَ۔ (بخاری) ...... اللہ کی قسم! بیعت کے دوران رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا، آپ تو عورت سے بیعت لیتے وقت یہ کہہ دیتے تھے: میں نے تجھ سے اس چیز پر بیعت لے لی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ لَا يُصَافِحُ النِّسَاءَ فِي الْبَيْعَةِ۔ (مسند احمد) ...... بیشک رسول اللہ ﷺ دورانِ بیعت عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتے تھے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: کسی صحیح اور صریح حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے کسی عورت سے مصافحہ کیا ہو، بیعت کا معاملہ ہو یا ملاقات کا۔ (صحیحہ: ٥٢٩)

ہمارے ہاں ملاقات کے وقت غیر محرم مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کے کندھوں اور سروں پر ہاتھ پھیرنا، بلکہ چھوٹی اور بڑی عمر ہونے کی صورت میں بوسہ لینا بھی عام ہے، ایسے لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے اندازِ حیات کا مطالعہ

کرنے کے بعد درج ذیل حدیث پر غور کرنا چاہئے:

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَأَنْ يُّطْعَنَ فِي رَأْسِ رَجُلٍ بِمِخْيَطٍ مِنْ حَدِيْدٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَّمَسَّ امْرَأَةً لَا تَحِلُّ لَهُ.)) (صحيحه: ٢٢٦، قال الالباني: رواه الرویانی فی مسنده: ٢٢٧ / ٢) ..... ''کسی آدمی کے سر میں لوہے کہ میخ ٹھونک دی جائے تو یہ اس کے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ غیر محرم عورت کو چھوئے۔''

یاد رہے کہ غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا یا اس کے سر پر ہاتھ پھیرنا یا عورت کا مرد کے کندھے پر ہاتھ پھیرنا یا بوسے لینا، یہ سب امور چھونے میں داخل ہیں۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس حدیث میں غیر محرم عورتوں کو چھونے والوں کے لیے سخت وعید ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں سے مصافحہ کرنا حرام ہے، کیونکہ بلا شک وشبہ وہ بھی چھونا ہی ہے۔ لیکن افسوس کہ بعض اہل علم سمیت کئی مسلمان اس جرم میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اگر یہ لوگ اس گناہ کو دل سے برا جانتے تو گناہ کی سنگینی کی نوعیت میں کمی آ سکتی تھی، لیکن مصیبت پہ مصیبت کہ انھوں نے فاسد تاویلات کر کے اس انداز ملاقات کو جائز کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ مجھے یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ جامعہ ازہر میں ایک اعلی شخصیت کو عورتوں سے مصافحہ لیتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ بس، ہم تو اللہ تعالی سے ہی شکوہ کر سکتے ہیں کہ اسلام اتنا اجنبی اور غیر متعارف کیوں ہو گیا ہے۔

اسلام کے نام پر وجود پانے والے بعض گروہوں نے غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور اس موضوع سے غیر متعلقہ دلائل سے استنباط کیا ہے اور مصافحہ کی غیر مشروعیت پر دلالت کرنے والی واضح احادیث سے اعراض کیا ہے، بطور مثال سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((كُلُّ ابْنِ آدَمَ أَصَابَ مِنَ الزِّنَا لَا مَحَالَةَ، فَالْعَيْنُ زِنَاهَا النَّظْرِ، وَالْيَدُ زِنَاهَا اللَّمْسُ، وَالنَّفْسُ تَهْوَى وَتَحَدَّثُ، وَيُصَدِّقُ ذٰلِكَ أَوْ يُكَذِّبُهُ الْفَرْجُ.)) (مسند احمد، صحیحه: ٢٨٠٤) ..... ''آدم کا ہر بیٹا (کسی نہ کسی انداز میں) زنا کا ارتکاب لامحالہ طور پر کرتا ہے، آنکھ کا زنا دیکھنا، ہاتھ کا زنا چھونا ہے، اور نفس چاہتا ہے اور گفتگو کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔''

یہ حدیث اجنبی اور غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کے حرام ہونے کی واضح دلیل ہے، مصافحہ بھی ان عورتوں کی طرف دیکھنے کی طرح ہے، یہ زنا کی قسمیں ہیں۔ ان احادیث کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بعض اسلامی احزاب نے عورتوں سے مصافحہ کرنے کا جواز پیش کر رکھا ہے۔ واللہ المستعان۔ (صحیحه: ٢٢٦، ٢٨٠٤)

ہمارے معاشرے میں بعض کج فہم افراد یہ کہہ دیتے ہیں کہ آدمی کے دل میں تقوی ہونا چاہئے، غیر محرم عورتوں کے ساتھ ملاقات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان لوگوں کی یہ گھٹیا بات اس مرتبے کی ہی نہیں کہ اس کا رد کیا جائے، ایسے کم بختوں کو عقل کے ناخن لینے چاہئیں کہ نبی کریم ﷺ اعلی پائے کے متقی، پارسا اور پرہیزگار تھے، ان اوصاف کے

باوجود بھی بیعت کرتے وقت عورتوں کے ہاتھوں کو مس نہیں کرتے تھے، ہم کس باغ کی مولی ہیں۔

تنبیہ:...... جس مرد اور عورت کا آپس میں حال میں یا کسی وقت نکاح ہو سکتا ہے، وہ ایک دوسرے کے حق میں غیر محرم ہوتے ہیں، مثلاً: چچازاد، پھوپھوزاد، ماموں زاد اور خالہ زاد بہن بھائی۔

برتری کی بنیاد عمل صالح ہے
بدکلامی اور بخیلی، برے آدمی کی صفات ہیں

(٢٧٥٤)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرِ الْجُهَنِيِّ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ مَسَابَّكُمْ هٰذِهِ لَيْسَتْ بِمَسَابَّ عَلٰى أَحَدٍ، وَإِنَّمَا أَنْتُمْ وَلَدُ آدَمَ طَفُّ الصَّاعِ لَمْ تَمْلَؤُوْهُ، لَيْسَ لِأَحَدٍ عَلٰى أَحَدٍ فَضْلٌ إِلَّا بِدِيْنٍ، أَوْ عَمَلٍ صَالِحٍ، حَسْبُ الرَّجُلِ أَنْ يَّكُوْنَ فَاحِشاً بَذِيًّا بَخِيْلاً جُبَّاناً۔)) (الصحيحة: ١٠٣٨)

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''(نسب کے بارے میں) تمہارا گالی گلوچ کرنا، کسی کے لیے کوئی عار و شنار والی بات نہیں ہے، کیونکہ تم سارے آدم کی اولاد ہو، اور بھرے ماپ سے کم ہو (یعنی کوئی بھی تم میں پورا اور کامل نہیں، ہر ایک میں کچھ نہ کچھ نقص ہے) اور کسی کو کسی پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں، مگر دین اور عملِ صالح کی بنا پر۔ آدمی کے (برا ہونے کے لیے) یہی کافی ہے کہ وہ فحش گو، بدکلام، بداخلاق، بخیل اور بزدل ہو۔''

تخريج: رواه عبدالله بن وهب في "الجامع" صـ ٦، وعنه الطحاوي في "المشكل" ٤/ ٣٦٥، وكذا ابن جرير في "التفسير" ٢٦/ ٨٩، والروياني في "مسنده" ٤٩/ ٢، وأبو الحسين بن النقور في "القراءة على الوزير" ٥/ ١، واخرجه احمد: ٤/ ١٥٨، وفيه ((انسابكم)) بدل قوله ((مسابكم)) وكذ اخرجه البيهقى فى "شعب الايمان": ٢/ ٩٠/ ٢

شرح:...... مسند احمد کی روایت میں ''مسابکم'' کی بجائے ''انسابکم'' کے الفاظ ہیں۔

ابن جریر کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ((اَلنَّاسُ لِآدَمَ وَحَوَّاءَ، كَطَفِّ الصَّاعِ لَمْ يَمْلَؤُهُ، إِنَّ اللّٰهَ لَايَسْأَلُكُمْ عَنْ أَحْسَابِكُمْ، وَلَا عَنْ أَنْسَابِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ۔)) ..... ''حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام سے تمام لوگ پیدا ہوئے۔ لوگ اس صاع کی طرح ہیں، جس کو بھرا نہیں گیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے حسب و نسب کے بارے میں سوال نہیں کرے گا، تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ معزز وہ ہوگا، جو سب سے زیادہ متقی ہوگا۔''

کسی شخص کے سیّد، اعوان، راجپوت، آرائیں، جنجوعہ، وڑائچ، گادھی، لودھی وغیرہ ہونے میں کوئی کمال نہیں، کیونکہ جب تمام اقوام اپنا سلسلۂ نسب آگے بڑھائیں گی تو سب کے نسبوں کا اختتام حضرت آدم علیہ السلام پر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے انتخاب میں صحت و عافیت، طاقت و قدرت، رعب و دبدبہ، غربت و امارت، حسن و جمال، مال و منال، خاندانی عظمت و

کمال اور حسب ونسب کا کوئی دخل نہیں۔ ربّ جلیل کی نگاہِ انتخاب کی بنیاد بندگانِ خدا کے تقوی و پارسائی اور نیکی و بھلائی پر ہے، جو اس سلسلے میں جتنا ممتاز ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی معزز ہوگا۔

آخر میں صفاتِ ذمیمہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ اگر کوئی آدمی فحش گوئی، بدکلامی، بداخلاقی، بخیلی اور بزدلی سے متصف ہے تو اس کے بد ہونے کے لیے یہی صفات کافی ہیں۔

بیان، جادو کی طرح مؤثر ہوسکتا ہے

(۲۷۵۵)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ أَعْرَابِياً جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَتَكَلَّمَ بِكَلَامٍ بَيِّنٍ (وَفِي رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ: فَجَعَلَ يُثْنِي عَلَيْهِ) فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْراً، وَإِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكَماً۔)) (الصحيحة:۱۷۳۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدو، نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور انتہائی واضح انداز میں کلام کیا (مسند احمد کی روایت میں ہے کہ وہ آپ ﷺ کی تعریف بیان کرنے لگا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بعض فصیحانہ کلام تو جادو کا اثر رکھتے ہیں اور بعض اشعار، حکمت و دانائی سے لبریز ہوتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ۸۷۲، وأبوداود: ۵۰۱۱، وابن ماجه: ۳۷۵٦ الشطر الثاني فقط۔ وابن حبان: ۲۰۰۹، وأحمد: ۱/ ۲٦۹، ۲۷۳، ۳۰۳، ۳۰۹، ۳۱۳، ۳۲۷، ۳۳۲

شرح:...... حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ دلوں کو مائل کرنے میں، ناراض کو راضی کرنے میں اور سامعین کے لیے مشکل کو آسان کرنے میں بعض خطابات بعض سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں، اسی طرح بعض شعرا کا شاعرانہ کلام وعظ و نصیحت، حکمت و دانائی اور صدق و صفائی پر مشتمل ہوتا ہے۔

شعر، حکمت ودانائی پر مشتمل ہوسکتا ہے

(۲۷۵٦)۔ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ مَرْفُوْعاً: ((إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً۔)) (الصحيحة:۲۸۵۱)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بعض اشعار، حکمت و دانائی پر مشتمل ہوتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "صحيحه": ۷/ ۱۰۷، وفي "الأدب المفرد": ۱۲٤، ۱۲۵، وأبوداود: ۲/ ۳۱۵، والدارمي: ۲/ ۲۹٦۔۲۹۷، وابن ماجه: ۲/ ٤۱۰، والطيالسي: ص۷٦ رقم ۵۵٦، وأحمد: ۳/ ٤۵٦، ۵/ ۱۲۵

(۲۷۵۷)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ أَعْرَابِياً جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَتَكَلَّمَ بِكَلَامٍ بَيِّنٍ (وَفِي رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ: فَجَعَلَ يُثْنِي عَلَيْهِ)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدو، نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور انتہائی واضح انداز میں کلام کیا (مسند احمد کی روایت میں ہے کہ وہ آپ ﷺ کی تعریف

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْراً، وَإِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكَماً.)) (الصحيحة:١٧٣١)

بیان کرنے لگا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بعض فصیحانہ کلام تو جادو کا اثر رکھتے ہیں اور بعض اشعار، حکمت و دانائی سے لبریز ہوتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه البخاري في"الأدب المفرد": ٨٧٢، وأبوداود: ٥٠١١، وابن ماجه: ٣٧٥٦ الشطر الثاني فقط۔ وابن حبان: ٢٠٠٩، وأحمد: ١/ ٢٦٩، ٢٧٣، ٣٠٣، ٣٠٩، ٣١٣، ٣٢٧، ٣٣٢

شرح:...... ان احادیث سے معلوم ہوتا کہ جن آیات اور احادیث میں شعری کلام کی مذمت کی گئی ہے، اس سے مراد برے اشعار ہیں۔ وگرنہ کوئی شعر، شعر ہونے کی وجہ سے قابل مذمت نہیں ہوتا، بلکہ اگر اس میں اچھا مفہوم بیان کیا گیا ہے تو وہ اچھا ہوگا اور اگر اس میں برا مفہوم بیان کیا گیا ہے تو وہ برا ہوگا۔

شعر اور نثر میں فرق

(٢٧٥٨)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوعاً: ((اَلشِّعْرُ بِمَنْزِلَةِ الْكَلَامِ، حَسَنُهُ كَحَسَنِ الْكَلَامِ، وَقَبِيْحُهُ كَقَبِيْحِ الْكَلَامِ.)) (الصحيحة:٤٤٧)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اشعار، عام (نثر) کلام کی طرح ہیں، یعنی اچھے اشعار، اچھے کلام کی طرح ہیں اور برے اشعار، برے کلام کی طرح۔''

٤٤٧:تخريج: أخرجه البخاری فی"الأدب المفرد": ١٢٥، والدارقطنی: ٤٩٠، والطبرانی فی "الاوسط"

شرح:...... معلوم ہوا کہ کوئی کلام نثر یا شعر ہونے کی وجہ سے قابل تعریف یا قابل مذمت نہیں ہوتی، بلکہ اس کے اچھا یا برا ہونے کا دارومدار اس میں بیان کئے گئے مفہوم پر ہے۔ تفصیل کے لیے ''اَلْأَخْلَاقُ وَالْبِرُّ وَالصِّلَةُ'' میں عنوان ''کیا شعر و شاعری قابل نفرت ہے'' کا مطالعہ کریں۔

برے اشعار کی مذمت

(٢٧٥٩)۔ قَالَ ﷺ: ((لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحاً حَتّٰى يُرِيَهُ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْراً.)) وَرَدَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ، مِنْهُمْ: أَبُوْ هُرَيْرَةَ، وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، وَسَعْدُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ، وَأَبُوْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، وَعُمَرُ وَغَيْرُهُمْ. (الصحيحة:٣٣٦)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کسی کا پیٹ پیپ سے لبا لب بھر جائے حتی کہ اسے دکھائی دینے لگے، تو یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعروں سے بھرا ہوا ہو۔'' یہ حدیث کئی صحابۂ کرام، مثلاً حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت سعد بن ابو وقاص اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مروی ہے۔

تخريج: ١ـأما حديث أبي هريرة؛ فأخرجه البخاری: ٤/ ١٤٦، وفی"الأدب المفرد": ٨٦٠، ومسلم:

٧/ ٥٠، وأبـوداود: ٥٠٠٩، والترمذي: ٢/ ١٣٩، وابن ماجه: ٣٧٥٩، والطحاوي في "الشرح المعاني": ٢/ ٣٧٠، وأحمد: ٢/ ٢٨٨و٣٥٥و٣٩١و٤٧٨و٤٨٠

٢۔وأما حديث ابن عمر: فأخرجه البخاري في "الصحيح"، وفي "الأدب المفرد": ٨٧٠، والدارمي: ٢/ ٢٩٧، وأحمد: ٢/ ٣٩و٩٦و٢٢٣

٣۔وأما حديث سعد بن أبي وقاص: فأخرجه مسلم، والترمذي، وابن ماجه: ٣٨٦٠، وأحمد: ١/ ١٧٥ و١٧٧و١٨١، وأبويعلى: ٥٣/ ١و٥٤/ ١، وأبو عبيد القاسم بن سلام في "غريب الحديث": ٧/ ١

٤۔وأما حديث أبي سعيد: فأخرجه مسلم، وأحمد: ٣/ ٨و٤١

٥۔وأما حديث عمر: فأخرجه الطحاوي

شــــرح: ......اس حدیث میں ان اشعار کی مذمت کی گئی ہے، جو بیہودہ، بے مقصد اور لایعنی ہوں، کیونکہ اچھے اشعار کو شریعت میں سراہا گیا ہے نیز آپ ﷺ کی مجلس میں اچھے اشعار پڑھے جاتے رہے ہیں، بلکہ آپ ﷺ نے خود بھی اشعار پڑھے ہیں، اس کی تفصیل کے لیے "اَلْأَخْلَاقُ وَالْبِـرُّ وَالصِّلَةُ" میں "کیا شعر و شاعری قابل نفرت ہے" کے مفصّل عنوان کا مطالعہ کریں۔

اس باب کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: امام نووی نے کہا: اس حدیث مبارکہ کو اس شخص پر محمول کیا جائے گا جس نے اپنی توجہ اشعار پر مرکوز کر رکھی ہو اور قرآن و حدیث سے غافل ہو گیا ہے۔ امام قرطبی نے کہا: جس شخص پر شعری کلام غالب آ جائے تو اسے عام قوانین وضوابط کے مطابق موردِ طعن و مذمت ٹھہرنا پڑتا ہے۔ ...... امام ابوعبیدہ قاسم بن سلام نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اشعار کی معمولی مقدار کی رخصت دی ہے، کیونکہ اس حدیث کی یہ توجیہ بیان کرنا مناسب ہے کہ اس کا تعلق اس شخص سے ہے جو شعروں کا ہی ہو کر رہ جائے اور قرآن مجید اور اللہ تعالی کے ذکر و اذکار سے غافل ہو جائے۔ اگر کوئی شخص قرآن کریم اور دوسرے شرعی علوم سے متصف ہو اور اس کے پاس کچھ اشعار بھی ہوں تو وہ اس حدیث کا مصداق نہیں بن سکتا۔ (صحیحہ: ۳۳۶)

سلام اور آمین پر یہودیوں کا حسد کرنا

(٢٧٦٠)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ دَخَلَ يَهُوْدِيٌّ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: اَلسَّامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ! فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((وَعَلَيْكَ)) فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَهَمَمْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ، فَعَلِمْتُ كَرَاهِيَةَ النَّبِيِّ ﷺ لِذٰلِكَ، فَسَكَتُّ، ثُمَّ دَخَلَ آخَرُ فَقَالَ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک یہودی، رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور (السلام علیکم کی بجائے) کہا: اے محمد! اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ (یعنی آپ پر موت اور ہلاکت ہو)۔ آپ ﷺ نے یوں جواب دیا: "وَعَلَيْكَ (اور تجھ پر بھی ہو)۔" حضرت عائشہ کہتی ہیں: میں نے بات تو کرنا چاہی لیکن مجھے معلوم تھا کہ آپ ﷺ ناپسند کریں گے، اس لیے

السَّامُ عَلَيْكَ ، فَقَالَ: ((عَلَيْكَ)) فَهَمَمْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ . فَعَلِمْتُ كَرَاهِيَةَ النَّبِيِّ ﷺ لِذٰلِكَ ، ثُمَّ دَخَلَ الثَّالِثُ فَقَالَ: السَّامُ عَلَيْكَ: فَلَمْ أَصْبِرْ حَتّٰى قُلْتُ: وَعَلَيْكَ السَّامُ وَغَضَبُ اللّٰهِ وَلَعْنَتُهُ إِخْوَانَ الْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيرِ! أَتُحَيُّونَ رَسُوْلَ اللّٰهِ بِمَا لَمْ يُحَيِّهِ اللّٰهُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا التَّفَحُّشَ ، قَالُوْا قَوْلًا فَرَدَدْنَا عَلَيْهِمْ ، إِنَّ الْيَهُوْدَ قَوْمٌ حُسُدٌ ، وَإِنَّهُمْ لَا يَحْسُدُوْنَنَا عَلٰى شَيْءٍ كَمَا يَحْسُدُوْنَنَا عَلَى السَّلَامِ ، وَعَلٰى آمِيْنَ .)) (الصحيحة:٦٩١)

میں خاموش رہی۔ دوسرا یہودی آیا اور کہا: اَلسَّامُ عَلَيْكُم (آپ پر موت اور ہلاکت پڑے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وَعَلَيْكَ (اور تجھ پر بھی ہو)۔" اب کی بار بھی میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن آپ ﷺ کے ناپسند کرنے کی وجہ سے (خاموش رہی)۔ پھر تیسرا یہودی آیا اور کہا: اَلسَّامُ عَلَيْكُم۔ مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں یوں بول اٹھی: بندرو اور خنزیرو! تم پر ہلاکت ہو، اللہ کا غضب ہو اور اس کی لعنت ہو۔ جس انداز میں اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کو سلام نہیں دیا، کیا تم وہ انداز اختیار کرنا چاہتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "(عائشہ!) اللہ تعالی بدزبانی اور فحش گوئی کو پسند نہیں کرتا، ان (یہودیوں) نے "اَلسَّامُ عَلَيْكَ" کہا اور ہم نے بھی (بدگوئی سے بچتے ہوئے صرف "وَعَلَيْكَ، کہہ کر) جواب دے دیا۔ دراصل یہودی حاسد قوم ہے اور (ہماری کسی) خصلت پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا کہ سلام اور آمین پر کرتے ہیں۔"

تخریج: أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه": ١/ ٧٣/ ٢ ، واخرجه ابن ماجه: ١/ ٢٨١ مقتصرا على الجملة الاخيرة

شرح:...... یہودیوں کا آپ ﷺ کو السلام علیکم کی بجائے "السام علیکم" کہنا اور آپ کا "وعلیکم" کہہ کر جواب دینا، اس پر "غیر مسلموں کے سلام یا بددعاؤں کا جواب کیسے دیا جائے؟" کے عنوان میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ اس حدیث کے آخری جملے پر بحث کرتے ہوئے امام البانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ان دو احادیث میں یہ اشارہ موجود ہے کہ سلام کی طرح امام کے پیچھے مقتدیوں کو بلند آواز سے آمین کہنا چاہئے، کیونکہ جہر سے ہی یہودیوں کے غصے اور حسد کو ہوا ملے گی۔ یہ بڑی واضح بات ہے، مزید آپ خود غور و فکر کریں۔ (صحیحہ: ٦٩٢)

صحابہ کا اپنی پسند و ناپسند پر رسول اللہ ﷺ کو ترجیح دینا

(٢٧٦١)۔ عَنْ أَنَسٍ ، قَالَ: لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا سَلَمَةَ الْوَفَاةُ ، قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: إِلٰى مَنْ تَكِلُنِي؟ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ لِأُمِّ سَلَمَةَ خَيْرٌ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو (ان کی بیوی) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ مجھے کس کے سپرد کر کے جا رہے

مِنْ أَبِيْ سَلَمَةَ. فَلَمَّا تُوُفِّيَ، خَطَبَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ: إِنِّي كَبِيْرَةُ السِّنِّ، قَالَ: ((أَنَا أَكْبَرُ مِنْكِ سِنًّا وَالْعِيَالُ عَلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ، وَأَمَّا الْغَيْرَةُ، فَأَرْجُو اللّٰهَ أَنْ يُذْهِبَهَا.)) فَتَزَوَّجَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا، بِرِحَايَيْنِ وَجَرَّةٍ لِلْمَاءِ. (الصحيحة:٢٩٣)

ہیں؟ انھوں نے کہا: اے اللہ! بیشک تو ام سلمہ کے حق میں مجھ سے بہتر ہے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ کو پیغامِ نکاح بھیجا۔ انھوں نے جواباً کہا: میری عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تجھ سے بڑا ہوں، تیرے بچے اللہ اور اس کے رسول کے سپرد اور رہا مسئلہ جوش و ناگواری (اور غصے میں آ جانے کا) تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالی اسے ختم کر دے گا۔'' بالآخر رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی اور ان کی طرف دو چکیاں اور پانی کا ایک گھڑا بھیجا۔

تخريج: أخرجه أبو يعلى في "مسنده": ١٩٨/١

شرح:...... نبی کریم ﷺ سے عقدِ زوجیت اختیار کرنا کسی سعادت سے کم نہیں ہے، لیکن سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی سمجھ کے مطابق آپ ﷺ کو ہر قسم کی تکلیف اور ناگواری سے محفوظ رکھنے کے لیے ام المومنین جیسے لقب کو قربان کرنا چاہا اور تین عذر پیش کیے:

(۱) اے اللہ کے رسول! میں غیرت مند ہوں، یعنی اپنے جذبات و احساسات کے خلاف بات کو گوارا نہیں کر سکتی، ممکن ہے کہ میری یہ طبیعت آپ پر گراں گزرے۔

(۲) میں صاحبِ اولاد ہوں۔

(۳) میں بڑی عمر والی ہوں۔

عام مرد حضرات ان امور والی خواتین سے شادی نہیں کرتے، یہی سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے بارے میں سوچا تھا کہ کہیں آپ کو کوئی چیز ناگوار نہ گزرے۔ لیکن آپ ﷺ نے ان کو راضی کر لیا اور وہ زوجۂ رسول بن گئیں۔

جھگڑا اور مذاق ترک کرنے کی فضیلت

(٢٧٦٢). عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ مَرْفُوْعاً: ((أَنَا زَعِيْمُ بَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا وَبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحاً وَبَيْتٍ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسُنَ خُلُقُهُ.)) (الصحيحة:٢٧٣)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس شخص کو جنت کے اطراف میں ایک گھر کی ضمانت دوں گا، جس نے حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا چھوڑ دیا (اور اپنے حق سے دستبردار ہو گیا) اور اس شخص کے لیے جنت کے درمیان میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس نے مزاح کے طور پر بھی جھوٹ نہیں بولا اور اس شخص کے لیے جنت کے بلند ترین

حصے میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس کا اخلاق اچھا ہوا۔''

تخریج: رواہ أبوداود فی "سننه": ٤٨٠٠، وعنه البیهقی: ١٠/ ٢٤٩

شرح:......اس میں حق پر ہونے کے باوجود نہ جھگڑنے، سنجیدگی و غیر سنجیدگی میں جھوٹ نہ بولنے اور حسن اخلاق کی فضیلت کا بیان ہے۔ سنجیدہ اور باوقار لوگ ہمیشہ سے جھگڑوں سے پرہیز کرتے آئے ہیں اور یہی ان کو زیب دیتا ہے۔ گال پھلانا، اول فول بکنا اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینا صاحبِ ایمان اور صاحبِ قرآن کو اچھا نہیں لگتا، اگرچہ وہ حق پر ہی ہوں۔

مذاق میں بھی جھوٹ بولنے سے گریز کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اللہ تعالی اور اس کے رسول کے احکام کو بہت اہمیت دیتا ہے اور ایسے موقعوں پر بھی جھوٹ نہیں بولتا کہ جہاں عام لوگ کذب بیانی کو زیادہ برا نہیں سمجھتے، بلکہ اس کے جواز کے قائل ہو جاتے ہیں۔ بہرحال ہر حال میں اللہ تعالی کو جھوٹ بولنا ناپسند ہے۔ حسن اخلاق کی فضیلت و عظمت پر بحث ہو چکی ہے۔

بے پردگی منع ہے

(٢٧٦٠)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ صَخْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّا نُهِينَا أَنْ تُرَى عَوْرَاتُنَا۔)) (الصحيحة: ١٧٠٦)

حضرت جابر بن صخر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''ہمیں منع کیا گیا ہے کہ ہمارے قابلِ ستر اعضائے جسم کو دیکھا جائے۔''

تخریج: أخرجه الحاکم: ٣/ ٢٢٢۔ ٢٢٣، وعنه البیهقي في "الشعب": ٢/ ٤٦٥/ ١، و ابن شاهین وابن السکن وابن أبي حاتم في "العلل": ٢/ ٢٧٦

شرح:......اس معاملے میں زیادہ واضح اور فیصلہ کن حدیث درج ذیل ہے:

سیدنا معاویہ بن حیدہ قشیری رضی اللہ نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! ہم اپنے ستر کن سے چھپائیں اور کن کے لیے چھوڑیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ۔))

''اپنے ستر کو اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا سب سے چھپاؤ۔'' انھوں نے پھر سوال کیا: اے اللہ کے رسول! اگر کوئی آدمی ہو تو؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَّا يَرَيَنَّهَا أَحَدٌ فَلَا يَرَيَنَّهَا۔))

حسبِ استطاعت کوشش کرو کہ کوئی بھی اس (ستر) کو نہ دیکھنے پائے۔'' اس نے تیسرا سوال کیا: اے اللہ کے رسول! اگر آدمی اکیلا ہو تو (ستر کو چھپانے کا کیا مسئلہ ہوگا)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَى مِنْهُ

مِـنَ الـنَّاسِ۔)) ... اس معاملے میں اللہ تعالی لوگوں سے زیادہ حقدار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔ (ابو داود، ابن ماجہ، ترمذی)

یتیم کی کفالت کرنے کی فضیلت

(٢٧٦٤)۔ عَـنْ سَهْـلِ بْـنِ سَعْدٍ مَرْفُوعاً: ((أَنَـا وَكَـافِـلَ الْيَتِيْـمِ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ، وَأَشَـارَ بِـالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا قَلِيْلاً۔)) (الصحيحة: ٨٠٠)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں (ان دو انگلیوں کی) طرح (قریب قریب) ہوں گے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت والی اور درمیانی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا اور ان کے درمیان معمولی فرق کیا۔

تـخـريـج: أخرجه البخاري في "صحيحه": ٧/ ٧٦، وفي "الأدب المفرد": صـ٢٢، وأبو داود: ٢/ ٣٣٦، والترمذي: ١/ ٣٤٩، وأحمد: ٥/ ٣٣

شـــــرح:...... اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو روزی مہیا کرنے کے لیے دو انداز اختیار کئے ہیں: (۱) براہِ راست اسبابِ رزق عطا کر دینا، جیسے ذاتی کاروبار یا ذاتی زمین وغیرہ اور (۲) کسی کو لوگوں کے ذریعے رزق عطا کرنا، جیسے کسی کی ملازمت وغیرہ۔

یتیم معاشرے کا انتہائی بے سہارا فرد ہوتا ہے، اسلامی معاشرے کی اصلاح اللہ تعالی کا مقصودِ اوّل ہے، اس غرض و غایت کا پورا ہونا صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ بے سہاروں کا سہارا بنا جائے، وگرنہ یہی افراد راہِ ہدایت سے پھسل کر معاشرے کے ناکارہ افراد یا بھکاریوں یا پھر چوروں ڈاکوؤں کا روپ دھار لیتے ہیں۔

جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت و رفاقت بہت بڑا اعزاز ہے، جس کے حصول کا دارومدار یتیم کے ساتھ حسن سلوک پر ہے۔ شریعت کی نظر میں بہترین گھر وہ ہے، جس میں یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور بدترین گھر وہ ہے، جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کا معاملہ روا رکھا جائے۔

حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے سابقہ نام

(٢٧٦٥)۔ عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: لَمَّا وُلِدَ الْحَسَنُ سَمَّاهُ حَمْزَةَ، فَلَمَّا وُلِدَ الْحُسَيْنُ سَمَّاهُ بِعَمِّهِ (جَعْفَرَ) قَالَ: فَدَعَانِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أُغَيِّرَ اسْمَ هٰذَيْنِ۔)) فَقُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ۔ فَسَمَّاهُمَا حَسَنًا وَحُسَيْنًا۔ (الصحيحة:٢٧٠٩)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب حسن پیدا ہوا تو میں نے اس کا نام حمزہ رکھا اور جب حسین پیدا ہوا تو اس کا نام اس کے چچے جعفر کے نام پر رکھا۔ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا: ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں یہ دونوں نام تبدیل کر دوں۔“ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان کا نام حسن اور حسین رکھ دیا۔

تخريج: أخرجه أحمد في "المسند": ١/ ١٥٩، وفي "فضائل الصحابة": ٢/ ٧١٢/ ١٢١٩، وأبو يعلى في "مسنده": ١/ ١٤٧، والطبراني في "المعجم الكبير": رقم ٢٧٨٠ ج١، والحاكم: ٤/ ٢٧٧

نامناسب نام تبدیل کرنا

(٢٧٦٦)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ غَيَّرَ اسْمَ عَاصِيَةَ، وَقَالَ: ((أَنْتِ جَمِيْلَةُ۔)) (الصحيحة: ٢١٣)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ”عاصیہ“ کا نام تبدیل کر دیا اور فرمایا: ”تو جمیلہ ہے۔“

تخريج: رواه مسلم: ٦/ ١٧٣، والبخاري في "الأدب المفرد" ٨٢٠، وأبوداود: ٤٩٥٢، والترمذي: ٢/ ١٣٧، وابن حبان: ٧/ ٥٢٨/ ٥٧٨٨، وأحمد: ٢/ ١٨

شرح:...... عاصیہ کے معانی ”نافرمان عورت“ کے ہیں، جو کہ نامناسب ہیں، اسلیے نام تبدیل کیا گیا۔

(٢٧٦٧)۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ: ((مَا اسْمُكَ؟)) قَالَ: حَزْنٌ۔ قَالَتْ: ((أَنْتَ سَهْلٌ۔)) قَالَ: لَا، السَّهْلُ يُوْطَأُ وَيُمْتَهَنُ۔ قَالَ سَعِيْدٌ: فَظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُصِيْبُنَا بَعْدَهُ حُزُوْنَةٌ۔ (الصحيحة: ٢١٤)

سعید بن میّب اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ”تیرا کیا نام ہے؟“ اس نے کہا: حزن۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو سہل ہے۔“ اس نے کہا: نہیں، سہل تو بے وقعت ہوتا ہے اور اسے حقیر و معمولی سمجھا جاتا ہے۔ سعید کہتے ہیں: میں یہ خیال کرتا ہوں کہ ہمیں سختیوں و درشتیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

تخريج: رواه البخاري: ١٠/ ٤٧٤۔فتح، وفي "الأدب المفرد": ٨٤١، وأبوداود: ٤٩٥٦، وابن حبان: ٧/ ٥٢٩/ ٥٧٩٢

شرح:...... حزن کا معنی ”اکھڑ مزاج آدمی اور سخت زمین“ اور سہل کے معنی ”نرم مزاج آدمی اور نرم زمین“ کے

ہیں۔ حزن نے نبی کریم ﷺ کی وصیت قبول نہ کی اور کہا: لَا أُغَيِّرُ اسْمًا سَمَّانِيْهِ أَبِيْهِ۔ ...... میں اپنے باپ کا مجوزہ نام تبدیل نہیں کروں گا۔ (بخاری)

ابن میّب کہتے ہیں: فَمَا زَالَتِ الْحَزُوْنَةُ فِيْنَا بَعْدُ۔ ...... پس ہم میں اکھڑ مزاجی اور بد اخلاقی برقرار رہی۔ (بخاری)

ابن میّب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان کے دادا نے آپ ﷺ کی وصیت قبول کر کے اپنا نام تبدیل نہ کیا، اس کی وجہ سے ہمارے خاندان پر نحوست پڑی اور ہم میں سوئے خلقی، سختی و کرختگی اور اکھڑ مزاجی عام ہو گئی۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: آپ ﷺ کی موجودگی میں حزن کا اپنا نام تبدیل نہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس نام کو جائز سمجھا، تقریری حدیث کا یہی تقاضا ہے۔ (صحیحہ: ٢١٤) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اس مقام پر آپ کا حکم وجوب کے لیے نہ تھا۔

امام ابوداود کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے شہاب، حرب، مُضطجع، عفرہ زمین، شعب الضلالہ، بنو الزنیہ اور بنو مُغویہ کے اسما تبدیل کر کے بالترتیب ہشام، سلم، منبعث، خضرہ زمین، شعب الھدی، بنو الرشدہ اور بنو رِشدہ رکھا۔ (ابوداود)

معلوم ہوا کہ جب کسی کے نام میں قبیح معانی پائے جاتے ہوں تو اسے تبدیل کر دیا جائے۔

(٢٧٦٨)۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ، أَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، فَسَأَلَتْهُ عَنِ اسْمِ أُخْتٍ لَّهُ عِنْدَهُ؟ قَالَ: فَقُلْتُ: اسْمُهَا بَرَّةٌ۔ قَالَتْ: غَيِّرِ اسْمَهَا، فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَكَحَ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ وَاسْمُهَا بَرَّةٌ فَغَيَّرَ اسْمَهَا إِلٰى زَيْنَبَ، فَدَخَلَ عَلٰى أُمِّ سَلَمَةَ حِيْنَ تَزَوَّجَهَا وَاسْمِي بَرَّةُ، فَسَمِعَهَا فَدَعَوْنِي بَرَّةُ، قَالَ: ((لَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْبَرَّةِ مِنْكُنَّ وَالْفَاجِرَةِ، سَمِّيْهَا زَيْنَبَ۔)) فَقَالَتْ (أُمُّ سَلَمَةَ) فَهِيَ زَيْنَبُ فَقُلْتُ لَهَا: اسْمِي؟ فَقَالَتْ: غَيِّرْ إِلٰى مَا غَيَّرَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، سَمِّهَا زَيْنَبَ۔ (الصحيحة: ٢١٠)

محمد بن عمرو بن عطا کہتے ہیں: میں حضرت زینب بنت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، انھوں نے مجھ سے میری بہن کا نام پوچھا۔ میں نے کہا: اس کا نام ''بَرَّہ'' ہے۔ انھوں نے کہا: یہ نام تبدیل کر دو، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب حضرت زینب بنت جحش سے شادی کی، تو اس کا نام ''بَـــرَّہ'' تھا، آپ ﷺ نے اسے تبدیل کر دیا اور اس کا نام زینت رکھا۔ (واقعہ یوں ہے، جیسا کہ حضرت زینب نے بیان کیا:) رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت ام سلمہ سے شادی کی تو اس کے پاس گئے، میرا نام ''بَرَّہ'' تھا، جب اس نے مجھے برہ کہہ کر پکارا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے آپ کا تزکیہ مت کرو، اللہ تعالی بہتر جانتا ہے کہ تم میں سے کون صالحہ ہے اور کون فاجرہ، ان کا نام زینب رکھ دو۔'' حضرت ام سلمہ نے کہا: اب یہ زینب ہے (نہ کہ برّہ)۔ میں نے اسے کہا: میرا نام؟ اس نے کہا: تو بھی اسی طرح تبدیل کر دے، جس طرح رسول

اللہ ﷺ نے کیا، یعنی اس کا نام زینب رکھ دے۔

تخریج: أخرجه مسلم: ٦/ ١٧٣ـ ١٧٤، والبخاري في "الأدب المفرد": ٨٢١، وأبو داود: ٤٩٥٣

شرح:...... "بَرَّہ" کے معنی "نیک خاتون" کے ہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عورت اپنے آپ کو نیک ظاہر کرنا چاہتی ہے اور اپنا تزکیۂ نفس ظاہر کر رہی ہے اور ایسا کرنا شریعت میں ناپسندیدہ ہے، اسی بنا پر یہ نام تبدیل کر دیا گیا۔

مدعو لوگوں کا داعی سے زائد افراد کے لیے اجازت طلب کرنا

(٢٧٦٩)۔ عَنْ أَبِي مَسْعُوْدِ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: كَانَ مِنَ الأَنْصَارِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: أَبُوْ شُعَيْبٌ وَكَانَ لَهُ غُلَامٌ لَحَّامٌ، فَقَالَ: اِصْنَعْ لِي طَعَاماً أَدْعُوْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَامِسَ خَمْسَةٍ، فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَامِسَ خَمْسَةٍ، فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّكَ دَعَوْتَنَا خَامِسَ خَمْسَةٍ، وَهٰذَا رَجُلٌ قَدْ تَبِعَنَا، فَإِنْ شِئْتَ أَذِنْتَ لَهُ، وَإِنْ شِئْتَ تَرَكْتَهُ۔)) قَالَ: بَلْ أَذِنْتُ لَهُ۔

(الصحيحة: ٣٥٥٢)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری آدمی، جسے ابو شعیب کہا جاتا تھا، کا غلام قصاب تھا۔ اس نے اپنے غلام سے کہا: کھانا تیار کرو، میں رسول اللہ ﷺ کو پانچ آدمیوں سمیت دعوت دینے کے لیے جا رہا ہوں۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو پانچ افراد سمیت بلایا۔ (جب آپ ﷺ جانے لگے تو) ایک آدمی ان کے پیچھے چل پڑا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تم نے ہم پانچ افراد کو دعوت دی ہے، یہ آدمی ہمارے پیچھے چلتا رہا، اگر تمہاری مرضی ہو تو اسے اجازت دے دو اور مرضی نہ ہونے کی صورت میں رہنے دو۔" اس نے کہا: کیوں نہیں، میں اسے (کھانا کھانے کی) اجازت دوں گا۔

تخريج: أخرجه البخاري: ٥٤٣٤، ٥٤٦١، ومسلم: ٦/ ١١٥ـ ١١٦، والترمذي: ١٠٩٩، والنسائي في "السنن الكبرى": ٦٦١٤، ٦٦١٥، والدارمي: ٢/ ١٠٥ـ ١٠٦، والطبراني في "المعجم الكبير": ١٧/ ٥٢٤ـ ٥٣٢، والبغوي في "شرح السنة": ٩/ ١٤٥

(٢٧٧٠)۔ ((إِنَّهُ اتَّبَعَنَا رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ مَعَنَا حِيْنَ دَعَوْتَنَا، فَإِنْ أَذِنْتَ لَهُ دَخَلَ۔)) جَاءَ مِنْ حَدِيْثِ أَبِي مَسْعُوْدٍ الْبَدْرِيِّ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ هٰذَا لَفْظُ حَدِيْثِ أَبِي مَسْعُوْدِ الْبَدْرِيِّ: عَنْ أَبِي مَسْعُوْدِ الْبَدْرِيِّ الْأَنْصَارِيِّ: قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ۔ يُقَالُ لَهُ: أَبُوْ شُعَيْبٍ۔ إِلَى غُلَامٍ لَهُ لَحَّامٍ. فَقَالَ:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ایک آدمی ہمارے پیچھے چلتا رہا، جب تم نے ہمیں دعوت دی تھی، اس وقت وہ موجود نہیں تھا، اب اگر تم اسے اجازت دے دو تو وہ اندر آ جائے۔" یہ حدیث حضرت ابو مسعود بدری اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ یہ ابو مسعود بدری کی حدیث کے الفاظ ہیں، (پوری روایت یوں ہے): حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی، جسے ابو شعیب کہا

اِصْنَعْ لِی طَعَاماً یَکْفِی خَمْسَةً ، فَإِنِّی رَأَیْتُ فِی وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْجُوْعَ۔ قَالَ:فَصَنَعَ طَعَاماً ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَی النَّبِیِّ ﷺ ، فَدَعَاهُ وَجُلَسَاءَهُ الَّذِیْنَ مَعَهُ ، فَلَمَّا قَامَ النَّبِیُّ ﷺ اتَّبَعَهُمْ رَجُلٌ لَّمْ یَکُنْ مَعَهُمْ حِیْنَ دَعَوْا فَلَمَّا انْتَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَی الْبَابِ ، قَالَ: لِصَاحِبِ الْمَنْزِلِ ..... فَذَکَرَهُ۔ قَالَ: فَقَدْ أَذَنَّا لَهُ ، فَلْیَدْخُلْ۔ (الصحیحة:۳۵۷۹)

جاتا تھا، اپنے قصاب غلام کے پاس آیا اور اسے حکم دیا کہ پانچ آدمیوں کے لیے کھانا تیار کرو، کیونکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے محسوس کیا ہے کہ آپ بھوکے ہیں۔اس نے کھانا تیار کیا، پھر اس نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے ہم نشینوں کو بلا بھیجا، جب نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے تو ایک آدمی ان کے پیچھے چل پڑا، جو اس وقت موجود نہیں تھا جب دعوت دی گئی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ (داعی کے گھر کے) دروازے پر پہنچے تو گھر والے سے فرمایا: ......'' اس نے کہا: میں اسے اجازت دیتا ہوں، وہ اندر آ جائے۔

تخریج: جاء من حدیث أبي مسعود البدري ، وجابر بن عبدالله:

(۱)۔ أما حدیث مسعود: فقد رواه البخاري:٥٤٣٤ ، ٥٤٦١ ، ومسلم: ٦/ ١١٥۔ ١١٦ ، و الترمذي: ١٠٩٩۔ واللفظ له۔ ، والدارمي: ٢/ ١٠٥۔ ١٠٦ ، وأبوعوانة. ٥/ ٣٧٣۔ ٣٧٥ ، وابن حبان: ٥٢٧٦ ، وأحمد: ٤/ ١٢١

(۲)۔ وأما حدیث جابر: فقد رواه مسلم: ٦/ ١١٦۔ ولم یسق لفظه۔ ، وأبوعوانة: ٥/ ٣٧٥ ، وأحمد: ٣/ ٣٥٣

شرح:...... حدیثِ مبارکہ اپنے مفہوم میں انتہائی واضح ہے کہ جن لوگوں کو دعوت دی جائے، وہ داعی کا لحاظ کریں اور پانچ افراد کو دعوت دینے کا یہ مطلب نہیں کہ نو دس افراد پہنچ جائیں۔ زیادہ افراد ہو جانے کی صورت میں پہلے داعی سے اجازت طلب کی جائے۔

حرم میں الحاد سنگین جرم ہے

(٢٧٧١)۔ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، أَتَى عَبْدُاللّٰهِ بِنُ عُمَرَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ فَقَالَ: يَا ابْنَ الزُّبَيْرِ! إِيَّاكَ وَالْإِلْحَادَ فِي حَرَمِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّهُ سَيُلْحِدُ فِيْهِ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ، لَوْ وُزِنَتْ ذُنُوْبُهُ بِذُنُوْبِ الثَّقَلَيْنِ لَرَجَحَتْ۔)) قَالَ: فَانْظُرْ لَا تَكُوْنُهُ۔ (الصحيحة:٣١٠٨)

اسحاق بن سعید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: ابن زبیر! اللہ تعالیٰ کے حرم میں الحاد سے اجتناب کر، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''عنقریب ایک قریشی آدمی بیت اللہ کی بے حرمتی کرے گا، اگر (کسی ترازو پر) اس کے گناہوں کا، جن و انس کے گناہوں کے ساتھ وزن کیا جائے، تو اس کا پلڑا بھاری ہوگا۔'' (اپنے کئے پر) غور وفکر کرلو، کہیں وہ تم ہی نہ ہو۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ١٣٦

شرح:...... حق سے انحراف اور اعتدال سے اعراض کو الحاد کہتے ہیں، اس اعتبار سے صغیرہ گناہ کے مرتکب کو بھی مُلحِد کہا جا سکتا ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ عرف میں دین سے خارج ہو جانے کو الحاد کہتے ہیں، اس لیے جب اس لفظ کا اطلاق کسی معصیت کے مرتکب پر کیا جائے گا تو اس سے مراد کبیرہ گناہ ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حرم میں الحاد کرنا سنگین جرم ہے۔

مشرکوں کی ہجو کرنا

(٢٧٧٢)۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ قُرَيْظَةَ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ: ((اُهْجُ الْمُشْرِكِيْنَ، فَإِنَّ جِبْرِيْلَ مَعَكَ۔)) (الصحيحة:٨٠١)

حضرت برا بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ والے دن حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''(اشعار کے ذریعے) مشرکوں کی مذمت کرو، بیشک جبریل (علیہ السلام) تمہارے ساتھ ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٥/ ١٥ تعليقا، وأحمد: ٤/ ٢٨٦ و٣٠٣ موصولا، وكذا الخطيب: ١٤/ ٣١، ثم اخرجه البخاري: ٤/ ٧٩، ٥/ ٥١، ٧/ ١٠٩، ومسلم: ٧/ ١٦٣

(٢٧٧٣)۔ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ مَرْفُوْعاً: ((اُهْجُوْا بِالشِّعْرِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، كَأَنَّمَا تَنْضَحُوْهُمْ بِالنَّبْلِ۔)) (الصحيحة: ٨٠٢)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شعروں کے ذریعے (مشرکین کی) مذمت کرو، بیشک مومن اپنی جان اور مال دونوں کے ساتھ جہاد کرتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! گویا کہ تم (ان اشعار کے ذریعے) ان پر تیر برسا رہے ہو۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٣/ ٤٦٠

شرح :...... معلوم ہوا کہ جنگ و جدل کے موقع پر مشرکین کی ہجو اور مذمت کر کے اور ان کے عیوب بیان کر کے ان کی توہین کرنی چاہیے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((جَاهِدُوْا الْمُشْرِكِيْنَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ۔)) (ابوداود، نسائی) ......''اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں کے ساتھ مشرکوں سے جہاد کرو۔'' زبان کے جہاد سے مراد دلائل کے ذریعے ان پر حجت قائم کرنا، ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اور دورانِ جنگ ان کی ہجو کرنا ہے۔

لعنت نہ کرنے کی نبوی وصیت

(٢٧٧٤)۔ عَنْ جُرْمُوْزِ الْجُهَيْمِيِّ، قَالَ: قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَوْصِنِيْ، قَالَ: ((أُوْصِيْكَ أَنْ لَّاتَكُوْنَ لَعَّانًا۔)) (الصحيحة:١٧٢٩)

حضرت جرموز جہیمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی وصیت فرما دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ لعن طعن کرنے والا نہ بن جانا۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٥/ ٧٠، والطبرانی: ٢١٨١

شرح :...... کسی کے لیے خدا کی مار، پھٹکار، اللہ تعالیٰ کی خیر و رحمت سے دوری اور اس کے عذاب و عتاب کی بد دعا کرنا لعنت کہلاتا ہے۔ بیشتر لوگ ہنسی مذاق یا سنجیدگی میں دوسرے مسلمان بھائیوں کو لعنت جیسے قبیح القاب سے پکارنے سے اجتناب نہیں کرتے، جبکہ سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ۔)) (بخاری، مسلم) ......''مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کے برابر ہے۔''

زبان کی حفاظت مومن کا عظیم وصف ہے، کسی انسان کی شخصیت کا پتہ دینے کے لیے اس کی زبان ہی کافی ہے۔ لعن طعن، سب و شتم اور گالی گلوچ، ایمان اور صدق کے منافی امور ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت پر عمل کریں اور باوقار زندگی گزارتے ہوئے اپنی زبان کو قابو میں رکھیں۔

ایسے امور سے، جن کی وجہ سے معذرت کرنا پڑے، اجتناب کرنے کی وصیت

(٢٧٧٥)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَرْفُوْعاً: ((إِيَّاكَ وَكُلَّ مَايُعْتَذَرُ مِنْهُ۔)) (الصحيحة:٣٥٤)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسی بات پر اجتناب کر، جس پر معذرت کرنا پڑے۔''

تخریج: رواه الضياء في "المختارة": ١/ ١٣١، والديلمي في "مسند الفردوس"

(٢٧٧٦)۔ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: عِظْنِي وَأَوْجِزْ. فَقَالَ: ((إِذَا قُمْتَ فِي صَلَاتِكَ، فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ وَلَا تُكَلِّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَداً وَاجْمَعِ الإِيَاسَ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ۔)) (الصحيحة:٤٠١)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کوئی بلیغ و مختصر نصیحت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تو نماز ادا کرے تو (اپنی زندگی کی) آخری نماز سمجھ کر ادا کر اور ایسا کلام مت کر کہ جس سے بعد میں تجھے معذرت کرنا پڑے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے ناامید (اور غنی) ہو جا۔“

تخریج: أخرجه البخاري في"التاريخ": ٣/ ٢/ ٢١٦، وابن ماجه: ٢/ ٥٤٢، وأحمد: ٥/ ٤١٢، وأبو نعيم في"الحلية": ١/ ٣٦٢، والبيهقي في"الزهد الكبير": ١٣/ ٢

شرح:...... نبی کریم ﷺ نے تین نصیحتوں میں پوری زندگی کا سکون جمع کر دیا ہے، کوئی بشر اپنی موت سے باخبر نہیں ہے، اس لیے اسے چاہئے کہ وہ ہر نماز کو اپنی زندگی کی آخری نماز سمجھ کر انتہائی خوبصورت انداز میں ادا کرے، تاکہ اگر اس نماز کے بعد اس کو موت آ جائے تو وہی نماز اس کی نجات کے لیے کافی ہو جائے۔ دوسری نصیحت میں شارع علیہ السلام نے زبان کی حفاظت کی تعلیم دی ہے، تاکہ بعد میں کسی قسم کی شرمندگی اور ندامت کا سامنا نہ کرنا پڑے، یہ زبان ہی ہے جس سے آدمی کی شخصیت عیاں ہوتی ہے، اگر زبان میں وقار ہے تو پورے وجود میں سنجیدگی ہوگی اور اگر زبان ہر چراگاہ میں چرنے کی عادی ہو تو جسم بھی بے حیا ہو جاتا ہے۔ تیسری نصیحت میں آپ ﷺ نے لالچ اور حرص جیسی صفات سے گریز کرنے کی تلقین کی ہے، کیونکہ ان قبیح صفات کی وجہ سے انسان میں کمینگی اور گھٹیا پن پیدا ہو جاتا ہے، جو اس کے مقام و مرتبہ کو جانوروں سے بھی گھٹا دیتا ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور اسے رازق سمجھے، لوگوں کے مال و دولت پر نگاہ نہ رکھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو آدمی فاقہ میں مبتلا ہو جائے اور لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کرے تو اس کا فاقہ ختم نہیں ہوگا اور جو آدمی اس کا اظہار اللہ تعالیٰ کے سامنے کرے تو اللہ تعالیٰ اسے رزق عطا فرمائے گا، وہ جلد ہو یا بدیر۔ (ابوداود، ترمذی)

تکبر اور نافرمانی کا عذاب دنیا میں بھی ملتا ہے

(٢٧٧٧)۔ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((بَابَانِ مُعَجَّلَانِ عُقُوبَتُهُمَا فِي الدُّنْيَا الْبَغْيُ وَالْعُقُوقُ۔)) (الصحيحة:١١٢٠)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”(گناہ کی) دو اقسام ایسی ہیں کہ دنیا میں جلد ہی ان کی سزا دے دی جاتی ہے: تکبر و بغاوت اور نافرمانی و بدسلوکی۔“

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ١٧٧

شرح:...... اس حدیث میں بغاوت و سرکشی، بڑائی و تکبر اور نافرمانی و بدسلوکی کی مذمت کا بیان ہے، یہ ایسے جرائم

ہیں کہ آخرت تو آخرت، دنیا میں ہی ان کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ جو شخص کسی کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتا ہے اور جو نوجوان والدین سمیت بزرگوں کے ساتھ بدخلقی و بدسلوکی کے ساتھ پیش آتا ہے، اسے سمجھ لینا چاہیے کہ سدا بادشاہی اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ دنیا و آخرت میں اس کا مؤاخذہ کرنے پر قادر ہے، ایسے لوگوں کو قبل از موت ہی منہ کی کھانا پڑتی ہے۔ اہل پاکستان کے لیے اس حدیث کو سمجھنا آسان ہے، جہاں کے حکمران بھی اسی قانون قدرت کا نشانہ بن گئے ہیں۔

قارئین کرام! اگر آپ محسوس نہ کریں تو میں آپ کے سامنے ایک مثال بیان کر دیتا ہوں، ایک لڑکی بے راہ روی میں مبتلا ہو گئی اور گھر والوں کے لیے نہ صرف ذہنی اذیتوں کا سبب بنی، بلکہ ان کو ذلت و حقارت کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا دیا۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ اس کے بڑوں نے بھی اپنی جوانیوں میں اسی قسم کا اندازِ زندگی اختیار کر کے اپنے وڈیروں کو ذلیل کیا تھا۔ دیکھیے مستقبل میں اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔

خوش خلقی، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور گزرگاہوں سے تکلیف دہ چیز دور کرنے جیسے امورِ خیر

(٢٧٧٨)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ مَرْفُوعًا: ((تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَبَصَرُكَ الرَّجُلَ الرَّدِيءَ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَةَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَإِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِي دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ۔)) (الصحيحة:٥٧٢)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیرا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے، برائی سے منع کرنا صدقہ ہے، بے آباد زمین میں کسی آدمی کی رہنمائی کرنا صدقہ ہے، جہاں کوئی قائد نہیں ملتا، کمزور نظر والے آدمی کو دکھانا صدقہ ہے، راستے سے پتھر، کانٹا اور ہڈی (وغیرہ) دور کرنا صدقہ ہے اور اپنے ڈول کا پانی کسی بھائی کے ڈول میں ڈال دینا صدقہ ہے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ١/ ٣٥٤ والسياق له، والبخاري في "الأدب المفرد": ١٢٨، وابن حبان: ٨٦٤، وابن عدي في "الكامل": ٥/ ٢٧٥

شرح:...... شریعتِ اسلامیہ میں مسلمان کے نیک اعمال کو صدقہ کہا جاتا ہے، جس کے ذریعے وہ اپنے وجود کو آتش دوزخ سے آزاد کرواتا ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ہم اس حدیث کو بغور پڑھیں اور اپنے طرزِ حیات کا اس کے ساتھ موازنہ کریں کہ ہم اس حدیث کے جن اجزا پر عمل کر رہے ہیں، ان کی بنیاد انسانیت ہے یا اسلام یا محض ذاتی تعلقات۔

ٹھہراؤ اور سنجیدگی کی فضیلت اور عجلت کی مذمت

(٢٧٧٩)۔ عَنِ الْاَعْمَشِ ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ: ((اَلتُّؤَدَةُ فِیْ كُلِّ شَیْءٍ إِلَّا فِیْ عَمَلِ الْآخِرَةِ۔)) (الصحیحۃ:١٧٩٤)

اعمش بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہر چیز میں متانت وسنجیدگی (اور ٹھہراؤ) ہونا چاہئے، سوائے آخرت کے۔''

تخریج: رواه أبوداود: رقم ٤٨١٠، والحاكم: ١/ ٦٢، والبيهقي في "الزهد": ٨٨/ ١

(٢٧٨٠)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: ((اَلتَّأَنِّیْ مِنَ اللّٰهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔)) (الصحیحۃ: ١٧٩٥)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ٹھہراؤ اور آہستگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی اور عجلت شیطان کی طرف سے ہے۔''

تخريج: أخرجه أبويعلي في "مسنده": ٣/ ١٠٥٤، والبيهقي في "السنن الكبرى": ١٠/ ١٠٤

شرح:...... شریعتِ اسلامیہ نے شرف و وقار، متانت وسنجیدگی، سکونت وتسکین اور ٹھہراؤ کو ترجیح دی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ﴾۔ (سورۂ لقمان: ١٩)...... ''اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز پست رکھا کر۔ یقیناً گدھے کی آواز بدترین آواز ہے۔''

اس آیتِ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ نہ تو چال میں اتنی سست روی ہو کہ دیکھنے والا بیمار خیال کرے اور نہ اتنی تیزی ہو کہ شرف و وقار کے خلاف نظر آئے۔ دوسرے حصے میں چیخ چیخ کر اور چلا چلا کر باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہوا: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا﴾۔ (سورۂ فرقان: ٦٣) ... ''اور رحمن کے بندے تو وہ ہیں جو وقار اور سکونت کے ساتھ چلتے ہیں......''

ان احادیث کا تقاضا ہے کہ ہم چلنے پھرنے، بیٹھنے اٹھنے، کھانے پینے، گفت وشنید کرنے، کوئی کام سرانجام دینے میں باوقار آدمی کی طرح ٹھہراؤ اختیار کریں، یاد رہے کہ سست روی اور ٹھہراؤ میں فرق ہے، ٹھہراؤ کا معنی یہ نہیں کہ آپ کوئی بات شروع کریں اور سامعین اس کے اختتام کا شدت کے ساتھ انتظار کرنے لگ جائیں۔ کس معاملے میں کتنا ٹھہراؤ ہونا چاہئے؟ اگر نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کو اسوہ اور آئیڈیل بنایا جائے، تب سارے تقاضے پورے ہو جائیں گے۔ یاد رہے کہ آپ ﷺ کی ان احادیث کا تعلق عام معمول کی زندگی سے ہے، ہنگامی حالات میں بتقاضۂ وقت عجلت سے کام لیا جائے گا، مثلا: کسی مریض کے لیے ڈاکٹر کو بلانے کے لیے جانا، کسی تکلیف میں مبتلا آدمی کو نجات دلانے کے لیے دوڑ کر جانا، وغیرہ وغیرہ۔

ٹھہراؤ اور سنجیدگی کی ضد، جلد بازی اور عجلت ہے، آپ دیکھیں گے جو آدمی چلنے میں خواہ مخواہ کی جلدی کرتا ہے، وہ جاتے جاتے ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے یا گرتے گرتے سنبھل جاتا ہے، اسی طرح گاڑی کی رفتار کو گورنمنٹ کی مجوزہ حد سے تیز رکھنا، کئی حادثات کا سبب بنتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو عورتیں جلدی جلدی میں برتن وغیرہ صاف کرتی ہیں، ہر

دوسرے دن کوئی نہ کوئی برتن توڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح جو خواتین وحضرات گوشت اور سبزی وغیرہ کاٹنے میں جلدی کرتے ہیں، تھوڑی ہی دیر گزرتی ہے کہ ان کے ہاتھ سے خون بہہ رہا ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ سچ فرمایا نبیٔ مہربان نے کہ جلد بازی شیطان کی پیداوار ہے۔

لیکن حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کے معاملے میں جلدی کرنا چاہئے اور توشۂ آخرت جمع کرنے میں دیوانہ ہو جانا چاہئے۔

تکیہ، تیل اور دودھ ردّ نہ کیا جائے

(٢٧٨١)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((ثَلَاثٌ لَاتُرَدُّ: الْوَسَائِدُ، وَالدُّهْنُ وَاللَّبَنُ۔)) (الصحيحة:٦١٩)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین چیزوں کو ردّ نہ کیا جائے: تکیہ، تیل اور دودھ۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ١٣٠، وعنه البغوي في"شرح السنة": ٣/ ١١٢/ ٢، وأبو الشيخ في"الطبقات المحدثين": صـ١٨٥، وبشر بن مطر في"حديثه": ٣/ ٨٩/ ١، وابن حبان في"الثقات": ٤/ ١١٠، والطبراني في"المعجم الكبير": ٣/ ١٩٦/ ١، وأبو نعيم في"أخبار أصبهان": ١/ ٩٩

شـــرح:...... امام مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ چیزیں پیش کرنے والے کو نہ کوئی تکلف کرنا پڑتا ہے اور نہ کوئی خاص مشقت اٹھانا پڑتی ہے، اس لیے یہ چیزیں قبول کر لی جائیں۔ مزید جنابِ طیبی نے کہا: دراصل آپ ﷺ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ تکیہ، خوشبو اور دودھ پیش کر کے مہمان کی خدمت کرنا چاہئے، ان چیزوں کا پیش کرنا بہت آسان ہے، لہٰذا مہمان کو بھی چاہئے کہ وہ قبول کر لے اور ردّ نہ کرے۔ (تحفة الاحوذی)

جہاں باندازِ احسن مہمان نوازی مطلوبِ شریعت ہے، وہاں میزبان کی خواہش بھی ہوتی ہے کہ اس کا مہمان راضی ہو جائے اور مہمان کو بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ان لوگوں نے اس کی قدر کی ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ میں آپ ﷺ نے جو نسخہ پیش کیا ہے، اس میں دونوں کے لیے عافیت ہے، میزبان اس پر عمل کر کے یہ خوشی محسوس کرے گا کہ اس نے اپنے مہمان کو معزز جگہ پر بٹھایا اور دودھ یا چائے وائے پیش کر کے اپنی محبت کا اظہار کیا، یہ امور مہمان کی حوصلہ افزائی کے لیے بھی کافی ہوں گی، اگر مہمان یہ چیزیں قبول کرنے سے انکار کر دے تو یقیناً میزبان کو وہ تسلی نہیں ہوتی، جو قبول کرنے کی صورت میں ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ کی نظرِ رحمت سے محروم لوگ

(٢٧٨٢)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اَلْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ، وَمُدْمِنُ الْخَمْرِ، وَالْمَنَّانُ عَطَاءَهُ، وَثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ: اَلْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ، وَالدَّيُّوْثُ، وَالرَّجْلَةُ۔))

(الصحيحة:١٣٩٧)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی روزِ قیامت تین قسم کے افراد کی طرف نہیں دیکھے گا: والدین کا نافرمان، دوام سے شراب پینے والا اور اپنے دیے پر احسان جتلانے والا اور تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے: والدین کا نافرمان، دیوث (جسے اپنے اہل و عیال کے سلسلے میں غیرت وحمیت نہ ہو) اور مردوں سے مشابہت رکھنے والی عورتیں۔''

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده" ١٨٧٥

شرح:...... اس حدیث میں والدین کی نافرمانی، شراب، احسان جتلانے، اہل وعیال کے سلسلہ میں بے غیرتی اور عورتوں کا مردوں سے مشابہت اختیار کرنے کی مذمت کی گئی ہے، یہ کبیرہ گناہ ہیں اور ان کے مرتکبین اللہ تعالی کو سخت ناپسند ہیں۔

کائنات کا کوئی ذرہ اللہ تعالی کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوسکتا، اس حدیث میں ''نہ دیکھنے'' سے مراد اعراض کرنا ہے، یعنی اللہ تعالی ایسے لوگوں کو لطف وکرم اور رحمت وشفقت والی نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔

احسان جتلانے سے صدقہ وخیرات اور تحائف وہدیا کا اجر وثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ انتہا درجے کی کمینگی اور گھٹیا پن ہے کہ کسی کو کچھ دے تو دیا، لیکن لینے والے کو تاحیات، جناب کے طعنے وصول کرنے پڑ جائیں۔ قرآن مجید کی رو سے ایسے صدقے کی بجائے اچھی بات کر لینا ہی بہتر ہے۔ بہرحال ایسا شخص عند اللہ مبغوض اور ناپسندیدہ ہے۔

دیوث سے مراد وہ شخص ہے جسے اپنے اہل وعیال کے سلسلہ میں غیرت وحمیت نہ ہو، وہ ان میں پائے جانے والی برائی و بے حیائی کو محسوس نہ کرے۔ مثلاً بیوی اور بیٹیوں کی بے پردگی، بالخصوص شادی بیاہ کے موقع پر ان کا بناؤ سنگھار کر کے غیر محرم لوگوں کے سامنے اپنے حسن کا اظہار کرنا، ان کو کھلے عام بازاروں میں جانے دینا، ان کا غیر محرم مردوں کے ساتھ عام میل جول برقرار رکھنا، گھر میں حیا سوز، فحاشی وعریانی، بے حیائی و بے شرمی اور عورتوں کے نیم برہنہ جسموں پر مشتمل ڈراموں کا موجود ہونا، وغیرہ وغیرہ۔

عورتوں کے مردوں سے مشابہت اختیار کرنا ان کے حق میں لعنتی عمل ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ عورت مردانہ لباس اور مردانہ وضع قطع اور ہیئت اختیار کرے، جیسے مردوں کی سی قمیص شلوار یا کوٹ پتلون یا بش شرٹ پتلون وغیرہ پہنے۔ دراصل اللہ تعالی نے مرد وزن دونوں میں ایک دوسرے سے مختلف فطری اوصاف رکھے ہیں، ان میں ان کو ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے بچنا چاہئے، ایسا کرنا لعنت کا باعث ہے۔ اسی ذیل میں مغربی فکر وفلسفہ سے متأثرہ وہ خواتین بھی آ جاتی ہیں جو آجکل خلافِ فطرت وہ تمام کام کرنے کی مذموم سعی کر رہی ہیں جو مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں،

جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کاموں کا مکلف ہی نہیں بنایا، بلکہ ان کو صرف مردوں کا حق قرار دیا ہے، لیکن عورت نادانی اور مغرب کی نقالی میں ان پر بھی اپنا حق جتا کر انہیں اختیار کرنے پر تلی ہوئی ہے اور یوں اپنی نسوانیت پر ظلم کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ملعون بن رہی ہے۔

رات کو اور دورانِ سفر خلوت اختیار کرنا منع ہے

(٢٧٨٣)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا۔ قَالَ: خَرَجَ رَجُلٌ مِنْ (خَيْبَرَ) فَاتَّبَعَهُ رَجُلَانِ، وَآخَرُ يَتْلُوْهُمَا يَقُوْلُ: اِرْجِعَا اِرْجِعَا، حَتّٰى رَدَّهُمَا، ثُمَّ لَحِقَ الْأَوَّلَ، فَقَالَ: إِنَّ هٰذَيْنِ شَيْطَانَانِ، وَإِنِّي لَمْ أَزَلْ بِهِمَا حَتّٰى رَدَدْتُهُمَا، فَإِذَا أَتَيْتَ، رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ أَنَّا هٰهُنَا فِي جَمْعِ صَدَقَاتِنَا وَلَوْ كَانَتْ تَصْلُحُ لَهُ لَبَعَثْنَا بِهَا إِلَيْهِ، قَالَ: فَلَمَّا قَدِمَ الرَّجُلُ الْمَدِيْنَةَ أَخْبَرَ النَّبِيَّ ﷺ فَعِنْدَ ذٰلِكَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْخَلْوَةِ۔

(الصحيحة: ٣١٣٤)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی خیبر سے نکلا، دو آدمی اس کے پیچھے اور ایک اُن دو کے پیچھے چل پڑا، وہ اُن کو کہتا تھا: لوٹ آؤ، لوٹ آؤ۔ (یہاں تک کہ) انھیں لوٹا دیا، پھر وہ پہلے آدمی کو جا ملا اور راستے بتایا کہ یہ دو شیطان تھے، میں ان کے ساتھ لگا رہا، حتی کہ انھیں لوٹا دیا۔ جب تو رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ کو میرا سلام عرض کرنا اور بتا دینا کہ ہم یہاں صدقات جمع کر رہے ہیں، اگر آپ ﷺ کے لائق ہوں تو ہم بھیج دیں گے۔ وہ آدمی مدینہ پہنچا اور نبی ﷺ کو سارے معاملے کی خبر دی۔ تو آپ ﷺ نے خلوت (تنہائی) سے منع کر دیا۔

تخريج: أخرجه الحاكم: ٢/ ١٠٢، وأحمد: ١/ ٢٧٨، ٢٩٩

(٢٧٨٤)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ فِي الْوَحْدَةِ مَا أَعْلَمُ مَاسَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهُ أَبَداً۔))

(الصحيحة: ٦١)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ تنہائی (کے کیا نقصانات) ہیں تو رات کو کوئی مسافر اکیلا سفر پر نہ نکلے۔''

تخريج: رواه البخاري: ٢/ ٢٤٧، والترمذي: ١/ ٣١٤، والدارمي: ٢/ ٢٨٩، وابن ماجه: ٣٧٦٨، وابن حبان في "صحيحه": ١٩٧٠۔موارد، والحاكم: ٢/ ١٠١، وأحمد: ٢/ ٢٣و٢٤و٨٦و١٢٠، والبيهقي: ٥/ ٢٥٧، وابن عساكر: ١٨/ ٨٩/ ٢

(٢٧٨٥)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوعاً: ((الرَّاكِبُ شَيْطَانٌ وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ۔)) (الصحيحة:٦٢)

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک مسافر شیطان ہوتا ہے، دو مسافر بھی شیطان ہوتے ہیں، البتہ تین مسافر ہوں تو قافلہ بنتا ہے۔''

تخريج: مالك: ٢/ ٩٧٨/ ٣٥، وعنه أبوداود: ٢٦٠٧، وكذاالترمذي: ١/ ٣١٤، والحاكم: ٢/ ١٠٢، والبيهقي: ٥/ ٢٦٧، وأحمد: ٢/ ١٨٦و٢١٤، والخطيب في"التاريخ": ٥/ ٣٨٣

(٢٧٨٦)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: نَهٰى ﷺ عَنِ الْوَحْدَةِ: أَنْ يَّبِيْتَ الرَّجُلُ وَحْدَهُ، أَوْ يُسَافِرَ وَحْدَهُ۔ (الصحيحة: ٦٠)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہائی، یعنی آدمی کو اکیلا رات گزارنے اور اکیلا سفر کرنے سے منع فرمایا۔

تخريج:رواه أحمد: ٢/ ٩١

شرح:...... نفع ونقصان کا حقیقی مالک اللہ تعالی ہے، لیکن اس نے لوگوں کے ظاہری حالات واحساسات کو مدنظر رکھ کر تحفظ کے قوانین وضع کیے ہیں، ایک قانون یہ ہے کہ تنہا سفر نہ کیا جائے۔

عصرِ حاضر کے ماحول نے اس حدیثِ مبارکہ کی وضاحت میں خوب مدد کی ہے۔ مثلا:

- سفر کے دوران ہونے والے حادثات کی وجہ سے لقمۂ اجل بن جانا یا زخمی ہو جانا
- دورِ حاضر میں اچانک موذی بیماریوں میں مبتلا ہو جانا
- ڈاکوؤں، چوروں اور جیب کتروں کے حملوں کی کثرت
- بوریت واکتاہٹ
- جماعت کے ساتھ نماز ادا نہ کر سکنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے ہاں معروف ہے کہ ایک، ایک ہوتا ہے اور دو، گیارہ ہوتے ہیں، بہر حال جو خطرات تنہائی کی وجہ سے لاحق ہوتے ہیں، اجتماع کی وجہ سے وہ کم ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ پیدل سفر کرتے ہیں اور دورانِ سفر کئی ویران مقامات سے ان کا گزر ہوتا ہے، وہ ذاتی تجربات کی روشنی میں وضاحت کر سکتے ہیں کہ شیطان، انسان کو تنگ کرنے کے لیے کون کون سی صورتیں اختیار کرتا ہے۔ حملہ کرنے والے انسان ہوں یا شیطان ہوں یا درندے ہوں، وہ سمجھتے ہیں کہ مسافر اب اکیلا ہے اور اب دو چار ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق رفقائے سفر کی کم از کم تعداد تین ہونی چاہئے۔ (ترمذی، ابوداود)

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان احادیث میں مسلمان کو تنہا سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے، بلکہ دو افراد کو بھی منع کیا گیا، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلرَّاكِبُ

شَيْطَانٌ وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ، وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ۔)) (ابوداود: ۲۶۰۷، ترمذی: ۱۶۷۴، صحیحہ: ۶۲) ...... ''ایک سوار بھی شیطان ہے، دو سوار بھی شیطان ہیں، البتہ تین افراد کو قافلہ کہا جا سکتا ہے۔''

اس حدیث میں شیطان کے معانی نافرمان کے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید کی آیت ﴿شیاطین الانس والجن﴾ (سورۂ انعام: ۱۱۲) سے مراد نافرمان انس و جن ہیں۔

امام طبری رحمہ اللہ نے کہا: آداب سفر کی تعلیم دینے کے لیے اس حدیث میں زجر و توبیخ کرتے ہوئے رہنمائی کی گئی ہے، کیونکہ تنہائی میں وحشت کا خطرہ ہوتا ہے، بہرحال یاد رہے کہ اکیلا سفر کرنا حرام نہیں ہے، حقیقتِ حال یہ ہے کہ جو آدمی کسی جنگل سے اکیلا گزر رہا ہوتا ہے یا اکیلا رات گزار رہا ہوتا ہے، وہ کسی وجہ سے وحشت اور گھبراہٹ محسوس کر سکتا ہے، بالخصوص جب بندہ بلند افکار کا مالک اور قوی دل والا نہ ہو۔ یہ حقیقت تسلیم کرنا ضروری ہے کہ بزدل اور بہادر ہونے یا نہ ہونے میں لوگوں میں تفاوت پایا جاتا ہے، لیکن شریعت نے سرے سے یہ دروازہ بند کرنے کے لیے وحدت سے منع کر دیا۔ معلوم ہوا کہ اکیلے سفر کرنا مکروہ ہے، البتہ دو ہوں تو کراہت میں کمی آجاتی ہے۔ مناوی نے یہ بات ''الفیض'' میں ذکر کی ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: شاید ان احادیث کا مصداق صحراؤں اور جنگلوں میں سفر کرنے والا مسافر ہو، جس کو شاذ و نادر ہی کوئی بندہ نظر آتا ہے، چونکہ آج کل سڑکیں ہموار ہیں اور ٹرانسپورٹ عام ہے، ایسے حالات میں اکیلے سفر کرنا جائز ہے۔

حدیث میں بعض صوفیوں کا بھی رد کیا گیا ہے، جو سیاحت اور نفس کو سدھارنے کے لیے جنگلوں میں نکل جاتے جاتے ہیں اور زیادہ تر بھوک اور پیاس کی وجہ سے مر جاتے ہیں، جیسا کہ ان کی حکایات میں ذکر کیا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ،ترین سیرت ہے۔ (صحیحہ: ۶۲)

بہرحال احادیثِ مبارکہ کا ظاہری مفہوم اس حقیقت کی تائید کرتا ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر رات کو اور سفر کے دوران تنہائی سے بچنا چاہیے، اسباب کی وضاحت درج بالا بحث میں ہو چکی ہے، شاہراہوں اور ٹرانسپورٹ کی کثرت کے باوجود ویران علاقوں سے گزرنا پڑتا ہے، کسی غیر آباد علاقے میں گاڑی کے خراب ہو جانے کا امکان ہوتا ہے، ڈاکوؤں اور چوروں کی ریل پیل عام ہے، دورانِ سفر کہیں رات گزارنا پڑ جاتی ہے، خطرناک بیماریوں کا اچانک لاحق ہو جانا عام ہے اور عصرِ حاضر میں دورانِ سفر اموات کی کثرت نے اِن احادیث کے مفہوم کو اور زیادہ واضح کر دیا ہے۔ لہٰذا خلوت سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بنو قریظہ کی عہد شکنی کا انجام

(٢٧٨٧)۔ عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: خَرَجْتُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَقْفُوْ آثَارَ النَّاسِ۔ قَالَتْ: فَسَمِعْتُ وَئِيْدَ الْأَرْضِ وَرَائِي۔ يَعْنِي: حَسَّ الْأَرْضِ۔ قَالَتْ: فَالْتَفَتُّ، فَإِذَا أَنَا بِسَعْدِ ابْنِ مُعَاذٍ وَمَعَهُ ابْنُ أَخِيْهِ الْحَارِثُ بْنُ أَوْسٍ يَحْمِلُ مِجَنَّةً قَالَتْ: فَجَلَسْتُ إِلَى الْأَرْضِ فَمَرَّ سَعْدٌ وَعَلَيْهِ دِرْعٌ مِنْ حَدِيْدٍ قَدْ خَرَجَتْ مِنْهَا أَطْرَافُهُ، فَأَنَا أَتَخَوَّفُ عَلَى أَطْرَافِ سَعْدٍ قَالَتْ: فَمَرَّ وَهُوَ يَرْتَجِزُ وَيَقُوْلُ: لَبِّثْ قَلِيْلًا يُدْرِكِ الْهَيْجَا حَمَلْ مَا أَحْسَنَ الْمَوْتَ إِذَا حَانَ الْأَجَلِ قَالَتْ: فَقُمْتُ ، فَاقْتَحَمْتُ حَدِيْقَةً فَإِذَا فِيْهَا نَفَرٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ، فَإِذَا فِيْهِمْ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ ، وَفِيْهِمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ سَبْغَةٌ لَهُ۔ يَعْنِي: مِغْفَرًا۔ فَقَالَ عُمَرُ: مَاجَاءَ بِكِ؟ لَعَمْرِي وَاللّٰهِ، إِنَّكِ لَجَرِيْئَةٌ! وَمَايُؤْمِنُكِ أَنْ يَكُوْنَ بَلَاءٌ أَوْ يَكُوْنَ تَحَوُّزٌ؟ قَالَتْ: فَمَا زَالَ يَلُوْمُنِيْ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنَّ الْأَرْضَ انْشَقَّتْ بِيْ سَاعَتَئِذٍ فَدَخَلْتُ فِيْهَا! قُلْتُ: فَرَفَعَ الرَّجُلُ السَّبْغَةَ عَنْ وَجْهِهِ ، فَإِذَا طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ ، فَقَالَ: يَاعُمَرُ! إِنَّكَ قَدْ أَكْثَرْتَ مُنْذُ الْيَوْمِ ، وَأَيْنَ التَّحَوُّزُ أَوِ الْفِرَارُ إِلَّا إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ؟ قَالَتْ: وَيَرْمِي سَعْدًا رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: میں غزوۂ خندق والے دن نکلی اور لوگوں کے پیچھے چل پڑی۔ میں نے چلتے ہوئے پیچھے سے قدموں کی پرزور آواز سنی۔ جب میں نے ادھر توجہ کی، تو کیا دیکھتی ہوں کہ سعد بن معاذ ہیں اور ان کے ساتھ ان کا بھتیجا حارث بن اوس ہے، جس نے ڈھال اٹھا رکھی تھی۔ میں زمین پر بیٹھ گئی۔ سعد گزرے، انھوں نے لوہے کی زرہ پہن رکھی تھی اور اس کے کنارے نکلے ہوئے تھے، مجھے خطرہ لاحق ہونے لگا کہ کہیں ان سے سعد کے اعضائے جسم (زخمی نہ ہو جائیں)۔ وہ گزرتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

''ذرا ٹھیرو کہ لڑائی زوروں پر آ جائے کتنی اچھی ہوگی موت، جب اس کا مقررہ وقت آ جائے گا۔''

وہ کہتی ہیں: میں کھڑی ہوئی اور ایک باغ میں گھس گئی، وہاں (پہلے سے) چند مسلمان موجود تھے، ان میں عمر بن خطاب بھی تھے اور ایک اور آدمی بھی تھا، اس نے خود پہنا ہوا تھا۔ عمر نے مجھے کہا: آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟ بخدا! آپ نے تو بڑی جرأت کی ہے۔ آپ کو اس سے کیا اطمینان کہ آپ پر کوئی بلا آ پڑے یا کہیں بھاگنا پڑ جائے۔ عمر مجھے ملامت کرتے رہے، حتی کہ مجھے یہ خواہش ہونے لگی کہ اسی وقت زمین پھٹے اور میں اس میں گھس جاؤں۔ اُدھر جب اس بندے نے خود اتارا، تو معلوم ہوا کہ وہ طلحہ بن عبید اللہ تھے۔ اس نے کہا: عمر! آپ نے تو آج بہت باتیں کر دی ہیں۔ آج صرف اللہ تعالی کی طرف فرار اختیار کرنا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک قریشی مشرک، جس کو ابن

مِنْ قُرَيْشٍ۔ يُقَالُ لَهُ: ابْنُ الْعَرِقَةِ۔ بِسَهْمٍ لَهُ، فَقَالَ لَهُ: خُذْهَا وَأَنَا ابْنُ الْعَرِقَةِ، فَأَصَابَ أَكْحَلَهُ فَقَطَعَهُ، فَدَعَا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ سَعْدٌ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ! لَاتُمِتْنِي حَتّٰى تُقِرَّ عَيْنِي مِنْ قُرَيْظَةَ۔ قَالَتْ: وَكَانُوْا حُلَفَاءَ مَوَالِيْهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، قَالَتْ: فَرَقِي كَلْمُهُ۔ أَيْ: جُرْحُهُ۔ وَبَعَثَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الرِّيْحَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ، فَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ، وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا، فَلَحِقَ أَبُوْ سُفْيَانُ، وَمَنْ مَعَهُ بِتِهَامَةَ، وَلَحِقَ عُيَيْنَةُ ابْنُ بَدْرٍ وَمَنْ مَعَهُ بِنَجْدٍ، وَرَجَعَ بَنُوْ قُرَيْظَةَ فَتَحَصَّنُوْا فِي صَيَاصِيْهِمْ، وَرَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى الْمَدِيْنَةِ، فَوَضَعَ السِّلَاحَ، وَأَمَرَ بِقُبَّةٍ مِنْ أُدْمٍ فَضُرِبَتْ عَلٰى سَعْدٍ فِي الْمَسْجِدِ قَالَتْ: فَجَاءَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَإِنَّ عَلٰى ثَنَايَاهُ لَنَقْعُ الْغُبَارِ، فَقَالَ: أَوَ قَدْ وَضَعْتَ السِّلَاحَ؟ وَاللّٰهِ مَاوَضَعَتِ الْمَلَائِكَةُ بَعْدُ السِّلَاحَ، أُخْرُجْ إِلٰى بَنِي قُرَيْظَةَ فَقَاتِلْهُمْ۔ قَالَتْ: فَلَبِسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَامَتَهُ، وَأَذَّنَ فِي النَّاسِ بِالرَّحِيْلِ أَنْ يَخْرُجُوْا، فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَمَرَّ عَلٰى بَنِي غَنَمٍ، وَهُمْ جِيْرَانُ الْمَسْجِدِ حَوْلَهُ، فَقَالَ: ((مَنْ مَرَّ بِكُمْ؟)) قَالُوْا: مَرَّ بِنَادِحْيَةُ الْكَلْبِيُّ، وَكَانَ دِحْيَةُ الْكَلْبِيُّ تُشْبِهُ لِحْيَتُهُ وَسِنُّهُ وَوَجْهُهُ جِبْرِيْلَ

عرقہ کہتے تھے، نے سعد کو تیر مارا اور کہا: لو، میں تو ابن عرقہ ہوں۔ وہ تیر ان کے بازو کی رگ میں لگا اور وہ کٹ گئی۔ سعد نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! مجھے (اس وقت تک) موت سے بچانا، جب تک بنوقریظہ کے بارے میری آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب نہ ہو جائے۔ وہ جاہلیت میں سعد کے موالی کے حلیف تھے۔ پس ان کے زخم (سے بہنے والا خون) رک گیا۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے مشرکوں پر (تند و تیز) ہوا بھیجی اور اس لڑائی میں مومنوں کے لیے کافی ہوا اور اللہ تعالیٰ طاقتور اور غالب ہے۔ ابوسفیان اپنے ساتھیوں سے سمیت تہامہ میں پہنچ گیا اور عیینہ بن بدر نے اپنے ساتھیوں سمیت نجد میں پناہ لی۔ بنوقریظہ (کے یہودی) واپس آ گئے اور قلعہ بند ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں لوٹ آئے، اسلحہ اتارا اور سعد کے لیے مسجد میں چمڑے کا ایک خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔ لیکن اسی اثنا میں حضرت جبریل علیہ السلام پہنچ گئے، ان کے دانتوں پر غبار چمک رہا تھا۔ انھوں نے کہا: (اے محمد!) آپ نے اسلحہ اتار دیا ہے؟ اللہ کی قسم! فرشتوں نے تو ابھی تک نہیں اتارا۔ چلیے بنوقریظہ کی طرف اور ان سے قتال کیجیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کی خاطر اسلحہ زیب تن کیا اور لوگوں میں کوچ کرنے کا اعلان کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نکل پڑے اور بنوغنم، جو مسجد کے قریب سکونت پذیر تھے، کے پاس سے گزرے اور ان سے پوچھا: ''کون تمہارے پاس سے گزرا ہے؟'' انھوں نے کہا: دحیہ کلبی گزرے ہیں، دراصل سیدنا دحیہ کلبی کی داڑھی، دانت اور چہرہ حضرت جبریل علیہ السلام کے مشابہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ بنوقریظہ کے پاس پہنچے اور ان کا محاصرہ کر لیا، جو پچیس دن

عَلَيْهِ السَّلَامِ فَقَالَتْ: فَأَتَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ، فَحَاصَرَهُمْ خَمْساً وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً ، فَلَمَّا اشْتَدَّ حَصْرُهُمْ وَاشْتَدَّ الْبَلَاءُ ، قِيْلَ لَهُمْ: اِنْزِلُوْا عَلٰى حُكْمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، فَاسْتَشَارُوْا أَبَا لُبَابَةَ بْنَ عَبْدِ الْمُنْذِرِ ، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنَّهُ الذَّبْحُ۔ قَالُوْا: نَنْزِلُ عَلٰى حَكَمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنْزِلُوْا عَلٰى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ۔)) فَنَزَلُوْا ، وَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِلٰى سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ ، فَأُتِيَ بِهِ عَلٰى حِمَارٍ عَلَيْهِ إِكَافٌ مِنْ لِيْفٍ ، وَقَدْ حُمِلَ عَلَيْهِ ، وَحَفَّ بِهِ قَوْمُهُ ، فَقَالُوْا: يَا أَبَا عَمْرٍو!! حُلَفَاؤُكَ وَمَوَالِيْكَ وَأَهْلُ النِّكَايَةِ وَمَنْ قَدْ عَلِمْتَ۔ فَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيْهِمْ شَيْئاً وَلَا يَلْتَفِتْ إِلَيْهِمْ ، حَتّٰى إِذَا دَنَا مِنْ دُوْرِهِمْ ، اِلْتَفَتَ إِلٰى قَوْمِهِ ، فَقَالَ: قَدْ أَنٰى لِيْ أَنْ لَّا أُبَالِيَ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ ، قَالَ: قَالَ: أَبُوْ سَعِيْدٍ: فَلَمَّا طَلَعَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، قَالَ: ((قُوْمُوْا إِلٰى سَيِّدِكُمْ فَأَنْزِلُوْهُ۔)) فَقَالَ عُمَرُ: سَيِّدُنَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ، قَالَ: ((أَنْزِلُوْهُ۔)) فَأَنْزَلُوْهُ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اُحْكُمْ فِيْهِمْ۔)) قَالَ سَعْدٌ: فَإِنِّيْ أَحْكُمُ أَنْ تُقْتَلَ مَقَاتِلَتُهُمْ ، وَتُسْبٰى ذَرَارِيْهِمْ ، وَتُقْسَمُ أَمْوَالُهُمْ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَقَدْ حَكَمْتَ بِحُكْمِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَحُكْمِ رَسُوْلِهِ۔))

تک جاری رہا۔ جب ان پر محاصرے نے شدت اختیار کی اور ان کی تکلیف بڑھ گئی، تو ان سے کہا گیا: رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ۔ انھوں نے ابولبابہ بن عبد المنذر سے مشورہ کیا، اس نے اشارہ کیا کہ آپ ﷺ کا فیصلہ تو قتل ہی ہوگا۔ انھوں نے کہا: تو پھر سعد بن معاذ کے فیصلے کو قابل تسلیم سمجھ لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سعد بن معاذ کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ۔'' پس انھوں نے تسلیم کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سعد کو بلا بھیجا۔ سو ایک گدھا لایا گیا، اس پر کھجور کے درخت کے چھال کی پالان تھی، سیدنا سعد کو اس پر سوار کر دیا گیا، ان کی قوم نے ان کو گھیر لیا اور کہا: اے ابوعمرو! وہ (بنوقریظہ والے) آپ کے حلیف بھی ہیں، معاہد بھی ہیں، شکست و ریخت والے بھی ہیں اور تم جانتے ہو کہ وہ ایسے ایسے بھی ہیں۔ لیکن انھوں نے نہ ان کا جواب دیا اور نہ ان کی طرف توجہ کی، (چلتے گئے)، جب ان کے گھروں کے قریب جا پہنچے تو اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: اب وہ وقت آ گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے بارے کسی ملامت کرنے والی کی ملامت کی پرواہ نہ کروں۔ ابوسعید کہتے ہیں: جب وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''(اٹھو) اپنے سردار کی طرف جاؤ اور ان کو (گدھے سے) اتارو۔'' سیدنا عمر نے کہا: ہمارا سردار تو اللہ ہے۔ آپ نے فرمایا: ''ان کو اتارو۔'' پس انھوں نے ان کو اتارا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سعد! ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔'' سیدنا سعد نے کہا: میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیا جائے، ان کے بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کے مالوں کو (مسلمانوں میں) تقسیم کر دیا جائے۔

قَالَتْ: ثُمَّ دَعَا سَعْدٌ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ أَبْقَيْتَ عَلٰى نَبِيِّكَ ﷺ مِنْ حَرْبِ قُرَيْشٍ شَيْئًا، فَأَبْقِنِي لَهَا، وَإِنْ كُنْتَ قَطَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ، فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ۔ قَالَتْ: فَانْفَجَرَ كَلْمُهُ، وَكَانَ قَدْ بَرِئَ حَتّٰى مَا يُرٰى مِنْهُ إِلَّا مِثْلَ الْخِرْصِ، وَرَجَعَ إِلٰى قُبَّتِهِ الَّتِي ضَرَبَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ قَالَتْ عَائِشَةُ: فَحَضَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ۔ قَالَتْ: فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، إِنِّي لَأَعْرِفُ بُكَاءَ عُمَرَ مِنْ بُكَاءِ أَبِي بَكْرٍ وَأَنَا فِي حُجْرَتِي، وَكَانُوْا كَمَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ((رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ)) قَالَ عَلْقَمَةُ: قُلْتُ: أَيْ أُمَّهْ! فَكَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصْنَعُ؟ قَالَتْ: كَانَتْ عَيْنُهُ لَا تَدْمَعُ عَلٰى أَحَدٍ، وَلٰكِنَّهُ كَانَ إِذَا وَجَدَ، فَإِنَّمَا هُوَ آخِذٌ بِلِحْيَتِهِ۔

(الصحيحة:٦٧)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے تو وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالی اور اس کے رسول کا فیصلہ تھا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہے: پھر سعد نے یہ دعا کی: اے اللہ! اگر تو نے ابھی تک اپنے نبی کی قسمت میں قریشیوں سے لڑنا رکھا ہوا ہے، تو مجھے اس کے لیے زندہ رکھ اور اگر ان کے مابین جنگ و جدل ختم ہو گیا ہے، تو مجھے اپنے پاس بلا لے۔ وہ کہتی ہیں: ان کا زخم پھوٹ پڑا، حالانکہ وہ مندمل ہو چکا تھا اور وہاں انگوٹھی کی طرح کا نشان نظر آتا تھا اور وہ اس خیمہ میں واپس چلے گئے، جو نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے نصب کروایا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ، ابوبکر اور عمر وہاں پہنچ گئے۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، میں اپنے حجرے میں بیٹھی ہوئی عمر اور ابوبکر کے رونے کی آواز پہچان رہی تھی، وہ (صحابہ کرام) آپس میں ایسے ہی تھے، جیسے اللہ تعالی نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ''وہ آپس میں رحمدل ہیں''۔ علقمہ نے پوچھا: امی جان! اس وقت رسول اللہ ﷺ نے کیا کیا تھا؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: کسی کے لیے آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو نہیں بہتے تھے، لیکن جب وہ غمگین ہوتے تو اپنی داڑھی مبارک پکڑ لیتے تھے۔

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ١٤/ ٤٠٨۔٤١١، والامام أحمد: ٦/ ١٤١۔١٤٢۔والسياق له۔، وابن سعد: ٣/ ٤٢١۔٤٢٣۔ وابن حبان: ٦٩٨٩۔الاحسان

شرح:...... غزوۂ خندق کے موقع پر بنو قریظہ نے عہد شکنی کی اور کفار کے لشکر کے ساتھ جا ملے۔ جب آندھیوں کی وجہ سے دشمنان اسلام بھاگنے پر مجبور ہو گئے تو بنو قریظہ کے یہودی اپنے گھروں کو واپس آئے اور قلعہ بند ہو گئے، ان کے بعد ان کے ساتھ جو حشر ہوا، اس کا تذکرہ حدیث مبارکہ میں ہو چکا ہے۔

نیز اس حدیث سے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب اور کرامتوں کا اور فرشتوں کا مجاہدینِ اسلام کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کا پتہ چلتا ہے۔

آخر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا ہے کہ وہ کسی کی فوتگی پر اشک بار نہیں ہوئے، یہ سیدہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے ذاتی مشاہدے کی بات ہے، وگرنہ کئی مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا اور آپ کے آنسو بہنا ثابت ہے، جیسے سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور اپنے بیٹے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی فوتگیوں کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو بہہ پڑے تھے۔

جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ فیصلہ کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((قُوْمُوْا إِلٰی سَیِّدِکُمْ فَأَنْزِلُوْهُ۔)) (اپنے سردار کی طرف اٹھو اور ان کو اتارو)۔ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ آنے والے کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے اس استدلال پر ردّ کرتے ہوئے لکھا: مشہور تو یہ ہے کہ اس حدیث کے الفاظ ((قُوْمُوْا لِسَیِّدِکُمْ)) ہیں، لیکن دونوں احادیث میں مروی الفاظ ((قُوْمُوْا إِلٰی سَیِّدِکُم)) ہیں۔ ابھی تک مجھے علم نہ ہو سکا کہ آیا اول الذکر الفاظ کی بھی کوئی بنیاد ہے یا نہیں۔ اس حدیث سے استدلال کرتے وقت ابن بطال وغیرہ سے ایک فقہی غلطی ہوگئی اور وہ یہ کہ آنے والے کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے۔ حافظ محمد بن ناصر ابو الفضل نے "التنبیه علی الالفاظ ۱۷ / ۲" میں لفظ "السیّد" کا ذکر کیا اور کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا: ((قُوْمُوْا لِسَیِّدِکُمْ))۔ سید سے آپ کی مراد افضل تھی۔ میں کہتا ہوں: اس حدیث کے معروف الفاظ تو یہ ہیں: ((قُوْمُوْا إِلٰی سَیِّدِکُم))۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ انصار کی ایک جماعت سے اس وقت ارشاد فرمائے تھے، جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو گدھے پر سوار کر کے لایا گیا تھا، جبکہ وہ زخمی تھے۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ سعد کی طرف اٹھو اور اس کو گدھے سے اتارو اور اسے اٹھا لو۔ آپ کی مراد محض ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا نہیں تھا اور سید سے مراد رئیس تھا، اگرچہ دوسرے کئی صحابہ سیدنا سعد سے افضل تھے۔

اس حدیث سے یہ استدلال کر لیا گیا کہ آنے والے لیے کھڑا ہونا مشروع ہے، لیکن جب آپ خود اس قصہ اور الفاظ کے سیاق و سباق پر غور کریں گے، تو معلوم ہوگا کہ کئی وجوہات کی بنا پر یہ استدلال باطل ہے۔ مثلا: جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہونے کا حکم دیا، وہاں اس کی وجہ یہ بیان کی کہ سعد کو گدھے سے اتارو۔ یہ انتہائی واضح نص ہے کہ سعد کے لیے کھڑے ہونے کے حکم کی وجہ ان کو سواری سے اتارنا تھا، کیونکہ وہ بیمار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے کہا: "فانزلوہ" یعنی (اس کو اتاردو) کے الفاظ سعد کے قصے سے کھڑے ہونے کے استدلال کو مخدوش کر دیتے ہیں، امام نووی نے "کتاب القیام" میں اسی سے حجت پکڑی ہے ......۔ (صحیحہ: ٦٧)

قارئین کرام! دراصل مسئلہ یہ ہے کہ کسی سے ملاقات کرنے کے لیے یا آنے والے کو کوئی سہولت مہیا کرنے کے لیے کھڑا ہونا درست ہے، لیکن محض تعظیما کھڑے ہونا حرام ہے، جیسا کہ آجکل سکولوں میں استاد کی آمد پر طالب علم کھڑے ہو کر بیٹھ جاتے ہیں یا سیاسی لیڈروں کی آمد پر بھی عوام الناس کھڑے ہو کر ان کی تعظیم کا اظہار کرتے ہیں اور پھر

بیٹھ جاتے ہیں۔ دلائل ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مَا كَانَ فِي الدُّنْيَا شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ رُؤْيَةً مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانُوْا اِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لَهٗ لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذَالِكَ۔ (ترمذی، صحیحہ: ۳۵۸) ...... دنیا میں کوئی شخصیت ایسی نہیں تھی کہ صحابہ کے باب اس کو دیکھنا سب سے زیادہ محبوب ہو، سوائے رسول اللہ ﷺ کے، لیکن اس (محبت) کے باوجود جب وہ آپ ﷺ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ ان کے کھڑے ہونے کو ناپسند کرتے ہیں۔

صحابہ کرام کی عقیدت کے باوجود اگر نبی کریم ﷺ کو محبت و تعظیم کا یہ انداز ناپسند تھا، تو ہم اپنی مجالس میں اس کو کیوں ترجیح دیتے ہیں۔

ابومجلز رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک گھر میں داخل ہوئے، وہاں سیدنا عبد اللہ بن زبیر اور عبد اللہ بن عامر موجود تھے، ابن عامر ان کی آمد پر کھڑے ہو گئے، جبکہ ابن زبیر بیٹھے رہے، جو زیادہ سنجیدہ اور باوقار تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ابن عامر! بیٹھ جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ((مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ النَّاسُ قِيَامًا، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔)) (ترمذی، ابوداود، صحیحہ: ۳۵۷) ...... "جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کر لے۔"

امام البانی رحمہ اللہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: شروع میں ایسے ہوا کہ اہل علم اور اہل فضل لوگوں کے احترام و اکرام کا بہانہ بنا کر ان کے لیے کھڑے ہو کر اس سنت کی مخالفت کی گئی، زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ قیام انتہائی بے وقعت لوگوں کے لیے کیا جانے لگا، بلکہ لوگ فاسقوں اور فاجروں کے لیے کھڑے ہونے لگ گئے، جب معاملہ اس سے آگے بڑھا تو مسلمانوں نے دشمنانِ اسلام کا استقبال کرنے کے لیے کھڑا ہونا شروع کر دیا۔ کیا کوئی عبرت پکڑنے والا؟ (صحیحہ: ۲۹٤۱)

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق

(۲۷۸۸)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((خَمْسٌ مِنْ حَقِّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ: رَدُّ التَّحِيَّةِ وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَشُهُوْدُ الْجَنَازَةِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ إِذَا حَمِدَ اللّٰهَ۔))

(الصحيحة:۱۸۳۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: سلام کا جواب دینا، دعوت قبول کرنا، جنازوں کے پیچھے چلنا، مریض کی بیمار پرسی کرنا اور چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا، بشرطیکہ وہ "اَلْحَمْدُلِلّٰه" کہے۔"

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ١٤٣٥، وأحمد: ٢/ ٣٣٢، وروى مسلم: ٧/ ٣ نحوه

(٢٧٨٩)۔ عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ أَرْبَعُ خِلَالٍ: يُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ وَيُجِيْبُهُ إِذَا دَعَاهُ، وَيَشْهَدُهُ إِذَا مَاتَ وَيَعُوْدُهُ إِذَا مَرِضَ۔)) (الصحيحة: ٢١٥٤)

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چار حقوق ہیں: جب وہ چھینکے اور (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے) تو اسے یَرْحَمُكَ اللّٰہ (اللہ تجھ پر رحم کرے) کہا جائے، جب وہ دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کی جائے، جب وہ مر جائے تو اس کے جنازہ میں حاضری دی جائے اور جب وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی تیمارداری کی جائے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٩٢٣، وابن ماجه: ١/ ٤٣٨، وابن حبان: ٢٠٦٤، وبحشل في "تاريخ واسط": ٢١٧، والحاكم: ٤/ ٣٤٩، ١/ ٢٦٤، وأحمد: ٥/ ٢٧٣

شرح:...... ان احادیث میں مسلمانوں کے حقوق کا بیان ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم رشتۂ اسلام کو مدنظر رکھ کر یہ حقوق ادا کریں، نہ کہ ذاتی دوستیوں اور دشمنیوں کو معیار بنا کر۔

اہل وعیال کے حق میں بہترین سب سے بہترین ہوتا ہے

(٢٧٩٠)۔ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعاً: ((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَإِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوْهُ۔)) (الصحيحة: ١١٧٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہتر ہو اور جب کوئی آدمی مر جائے تو اس (کا برا تذکرہ) ترک کر دیا کرو۔''

تخريج: أخرجه الدارمي: ٢/ ١٥٨

شــرح:...... قارئین کرام! آپ کو معلوم ہے کہ بیوی بچے، فردِ واحد کے محتاج ہوتے ہیں، شادی کے بعد بعض بیویاں اپنے والدین اور بھائیوں کی طرف سے ناامید ہو جاتی ہیں، کوئی رشتہ دار ان کا آسرا بننے کے لیے تیار نہیں ہوتا، دوسری طرف ان کے خاوند حضرات کا کردار بھی کسی جابر و ظالم سے کم نہیں ہوتا، ایسی بے سہارا عورتوں کے لیے دنیا کی زندگی ہی دوزخ بن جاتی، ایک اور ظلم یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جس عورت کی شادی ہو جائے، اس کی اپنے خاوند کے ساتھ موافقت ہو یا نہ ہو، بہرحال اسے چار و ناچار اسی کے ساتھ زندگی بسر کرنا پڑتی ہے، اور بعض ناعاقبت اندیش خاوند اپنی بیویوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہیں۔

یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ اولاد کی صحیح تربیت کی بنیاد میاں بیوی کے خوشگوار تعلقات پر مبنی ہے۔ ایسے حالات کو سامنے رکھ کر نبی کریم ﷺ نے خاوندوں کو بہترین خاوند بننے اور اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی بہت ترغیب دلائی ہے۔

مُردوں کا تذکرۂ شرّ کرنے سے اجتناب کرنا

(۲۷۹۱)۔ عَـنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعاً: ((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَإِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوْهُ۔)) (الصحيحة: ١١٧٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہتر ہو اور جب کوئی آدمی مر جائے تو اس (کا برا تذکرہ) ترک کر دیا کرو۔''

تخريج: أخرجه الدارمي: ٢/ ١٥٨

شــــرح:...... فوت شدہ مسلمانوں کے بارے میں شریعت کا قانون یہ ہے کہ ان کی نیکیوں اور نیک سیرتوں کا تذکرہ کیا جائے، ایسا کرنے کو ان کے حق میں شہادت کہا گیا ہے، جو کہ ان کے لیے مفید ہے۔ مردوں کو برا بھلا کہنا انتہائی غیر اخلاقی جرم ہے اور بندے کے گنوار پن اور بزدلی کی دلیل ہے، اس سے لواحقین کو بھی بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ ان کو گالیاں دینے سے منع کرنے کی وجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بیان کی گئی ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَاتَسُبُّوْا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰی مَا قَدَّمُوْا۔)) (بخاری: ۱۳۹۳) ...... ''مردوں کو گالیاں مت دو، کیونکہ انھوں نے جو کچھ آگے بھیجا تھا، اس کے نتیجہ تک پہنچ چکے ہیں۔'' جبکہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَاتَسُبُّوْا الْأَمْوَاتَ فَتُؤْذُوْا الْأَحْيَاءَ۔)) (ترمذی) ...... ''تم مردوں کو گالیاں نہ دیا کرو، اس طرح زندوں کو تکلیف دو گے۔''

بلا شک و شبہ مردوں کو برا بھلا کہنے سے لواحقین کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور وہ بے صبرے ہو کر انتقام لینے پر تل جاتے ہیں، نتیجتاً فساد مچ جاتا ہے۔

مسجد میں جنگی آلات کے ساتھ کھیلنا

(۲۷۹۲)۔ عَـنْ أَبِـيْ هُـرَيْرَةَ، قَالَ: دَخَلَ عُـمَـرُ بْـنُ الْخَطَّابِ وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ فِي الْـمَسْجِـدِ، فَـزَجَـرَهُـمْ، فَقَـالَ رَسُوْلُ الـلّٰهِ ﷺ: ((دَعْهُـمْ يَـا عُـمَـرُ! فَـإِنَّهُمْ بَنُوْ أَرْفِدَةَ۔)) (الصحيحة:٣١٢٨)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آئے اور حبشی لوگ مسجد میں کھیل رہے تھے، انھوں نے ان کو منع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمر! ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، یہ بنو ارفدہ (حبشی لوگ) ہیں۔''

تـخـريـج: أخرجه النسائي: ١/ ٢٣٦، وابن حبان في "صحيحه": ٧/ ٥٤٨/ ٥٨٤٦_ الأحسان، وأبو جعفر الطحاوي في "مشكل الآثار": ١/ ١١٧، وأحمد: ٢/ ٥٤٠، وأخرجه البخاري: ٦/ ٩٢/ ٢٩٠١، ومسلم: ٣/ ٢٣

شــرح:...... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی (صحیح بخاری: ۹۵۰) کی روایت کے مطابق یہ عید کا دن تھا اور عید کے دن کھیلنا

ویسے بھی جائز ہے، جب تک کھیل کسی حرام کام پر مشتمل نہ ہو۔ رہا مسئلہ حبشی لوگوں کا تو ان کا کھیلنا محض کھیل نہیں تھا، بلکہ وہ جنگی آلات کے ذریعے جنگی مہارت کا اظہار کر رہے تھے، جو کہ مطلوبِ شریعت ہے۔

بنوارفدہ، حبشی لوگوں کا لقب تھا، یہ لوگ عید کے روز دوسرے صحابہ کی بہ نسبت کھیل کود کا زیادہ شوق رکھتے تھے۔

مسجد کے تقدس کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں زجر وتوبیخ کی، لیکن بعد میں آپ ﷺ نے وضاحت کر دی کہ مسجد میں اس قسم کے امور جائز ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: مہلب کہتے ہیں: مسلمانوں کی جماعت کے معاملات مسجد کے ساتھ معلق ہیں، اس لیے جن امور کا تعلق دین اور اہل دین کی منفعت سے ہو، نہ کہ فردِ واحد کی ذات سے، ان کا مسجد میں سرانجام دینا جائز ہے۔

(فتح الباری: ١/ ٧٢١)

نبیٔ مہربان کا نابینے کی تیمارداری کرنا

(٢٧٩٣)۔ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعاً: ((انْطَلِقُوْا بِنَا إِلَى الْبَصِيْرِ الَّذِي فِي بَنِيْ وَاقِفٍ نَعُوْدُهُ۔)) قَالَ: وَكَانَ رَجُلاً أَعْمٰى۔ (الصحیحۃ:٥٢١)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیں اس صاحبِ بصیرت آدمی کے پاس لے چلو جو بنو واقف قبیلے کا ہے، تاکہ ہم اس کی تیمارداری کر سکیں۔'' اور وہ نابینا آدمی تھا۔

تخریج: أخرجه أبوسعيد بن الأعرابي في "معجمه": ١٣٣ / ١

شرح:...... بیمار آدمی کا حق ہے کہ دوسرے لوگ اس کی تیمارداری کریں۔ نبی کریم ﷺ یہ حق ادا کرنے میں اعلی وادنی اور امیر وغریب کا کوئی امتیاز نہیں کرتے تھے۔ ہمیں بھی چاہئے کہ ہم انسانیت کا احترام کریں، نہ کہ مال ومنال اور اپنے دوستانہ جذبات کا۔ بیمار پرسی کرنا باعثِ اجر وثواب عمل ہے۔

بعض مریضوں کی تیمارداری جبریل امین کرتے ہیں

(٢٧٩٤)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: عَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ، فَلَمَّا دَنَا مِنْ مَنْزِلِهِ سَمِعَهُ يَتَكَلَّمُ فِي الدَّاخِلِ، فَلَمَّا اسْتَأْذَنَ عَلَيْهِ دَخَلَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرَ أَحَداً، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((سَمِعْتُكَ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ایک انصاری آدمی کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے، جب اس کے گھر کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ کو ایسے محسوس ہوا کہ اندر کوئی آدمی باتیں کر رہا ہے، لیکن جب اس سے اجازت طلب کی اور اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ (اس

تُكَلِّمُ غَيْرَكَ؟)) قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَقَدْ دَخَلْتُ الدَّاخِلَ اغْتِمَامًا بِكَلَامِ النَّاسِ مِمَّا بِي مِنَ الْحُمّٰى، فَدَخَلَ عَلَيَّ دَاخِلٌ مَارَأَيْتُ رَجُلًا قَطُّ بَعْدَكَ أَكْرَمَ مَجْلِسًا وَلَا أَحْسَنَ حَدِيْثًا مِنْهُ، قَالَ: ((ذَاكَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَإِنَّ مِنْكُمْ لَرِجَالًا لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ يُقْسِمُ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ.))

(الصحيحة: ٣١٣٥)

انصاری کے) علاوہ کوئی اور آدمی موجود نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''مجھے ایسے سنائی دیا کہ تم کسی آدمی سے گفتگو کر رہے تھے؟'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! بخار کی وجہ سے لوگوں کی باتیں مجھے اچھی نہیں لگ رہی تھیں، سو میں اندر آ گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی میرے پاس آیا، وہ آپ ﷺ کے بعد بہترین مجلس والا اور عمدہ گفتگو والا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تو جبریل تھا، تم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالی کو قسم دے دیں تو وہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده": ٣/ ٣٠٦۔ الكشف، والطبراني في "المعجم الكبير": ١٢/ ١١، و "الأوسط": ١/ ١٥٣/ ٢٨٧٣، ومن طريقه: الضياء في "المختاره": ٥٩/ ٢١٢/ ١، والبيهقي في "دلائل النبوة": ٧/ ٧٦

شرح:...... اس میں صحابہ کرام کی منقبت کا بیان ہے کہ جبریل امین انسانی شکل کے روپ میں ان کی بیمار پرسی کر کے چلے جاتے تھے اور ان کو علم تک نہیں ہوتا تھا، نیز اس سے تیمارداری کرنے کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ حضرت جبریل بھی جس کی ادائیگی کا اہتمام کرتے تھے۔

حدیث کے آخری جملے میں بعض لوگوں کی یہ منقبت بیان کی گئی ہے کہ اگر وہ اللہ تعالی کی ذات پر اعتماد کرتے ہوئے کسی چیز پر قسم کھا لیں، حالانکہ ظاہری اسباب و حالات کے مطابق ان کی قسم پوری ہونے کا امکان نہیں ہوتا، پھر بھی اللہ تعالی ان کی قسم پوری فرما دیتا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی رُبَیِّع نے ایک انصاری بچی کا دانت توڑ دیا۔ انصاری لوگ، نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور قصاص کا مطالبہ کیا، جو کہ ان کا حق تھا، لیکن رُبَیِّع کے بھائی انس بن نضر نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! بطورِ قصاص میری بہن کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انس! اللہ تعالی کی کتاب کا فیصلہ تو قصاص ہے، (تو قسم کیوں اٹھاتا ہے؟)۔ اسی اثنا میں انصاریوں نے قصاص معاف کر دیا اور دیت لینے پر راضی ہو گئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اللہ تعالی کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالی پر کوئی قسم اٹھا دیں تو وہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔ (بخاری: ٤٦١١، مسلم: ١٦٧٥)

مال و دولت کے ذریعے عزت کی حفاظت کرنا

(٢٧٩٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((ذُبُّوا بِأَمْوَالِكُمْ عَنْ أَعْرَاضِكُمْ۔)) قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ نَذُبُّ بِأَمْوَالِنَا عَنْ أَعْرَاضِنَا؟ قَالَ: ((يُعْطَى الشَّاعِرُ وَمَنْ تَخَافُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ۔)) (الصحيحة:١٤٦١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے مالوں سے اپنی عزتوں کا دفاع کر لیا کرو۔'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم اپنے مالوں کے ذریعے اپنی عزتیں کیسے بچائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شاعر کو اور ان آدمیوں کو مال دے دیا جائے کہ جن کی زبانوں سے تمھیں (اپنی عزت کا) ڈر لگتا ہے۔''

تخريج: رواه السهمي في "تاريخ جرجان" ١٨٢، والديلمي: ٢/ ١٥٤، والخطيب في تاريخه: ٩/ ١٠٧

شرح:...... حدیث مبارکہ اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ اگر کسی انسان کو یہ خطرہ محسوس ہو رہا ہو کہ فلاں آدمی اس کی توہین کرے گا تو اسے چاہئے کہ اسے کچھ دے کر راضی کر دے۔ اس معاملے میں یہ دیکھا گیا ہے کہ بے عزتی کرنے والے افراد بے شرم ہوتے ہیں۔

مفید کلام یا پھر خاموشی

(٢٧٩٦)۔ عَنِ الْحَسَنِ مَرْفُوْعاً مُرْسَلاً: ((رَحِمَ اللّٰهُ عَبْداً قَالَ فَغَنِمَ، أَوْسَكَتَ فَسَلِمَ۔)) (الصحيحة:٨٥٥)

حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالی اس بندے پر رحم کرے جو فائدہ مند بات کرتا ہے یا پھر خاموش رہ کر (کئی آفات سے) سلامت رہتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البغوي في "حديث كامل بن طلحة": ٣/ ٢، وابن أبي الدنيا في "الصمت": ٤٧/ ١، ٤١، والبيهقي في "شعب الايمان": ٤/ ٤١/ ٢، ٤٩٣٤، والقضاعي في "مسند الشهاب": ٤٧/ ٢

شرح:...... یہ اسلام کا ایک سنہری اصول ہے کہ زبان کو خیر و بھلائی پر مشتمل کلام کا عادی بنایا جائے، یا پھر خاموشی کا۔ یہ واحد صورت ہے، جس میں زبان کو لاحق ہونے والے خطرات و خدشات سے بچایا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں نے اس قاعدے کلیے کے مطابق زبان کی حفاظت نہیں کی، انھوں نے دنیا میں بھی اپنا وقار مجروح کیا اور آخرت میں خسارہ اٹھائیں گے۔ الا من رحم ربی۔

جھوٹ کے جواز کی صورتیں

(٢٧٩٧)۔ عَنْ أُمِّ كُلْثُوْمٍ بِنْتِ عُقْبَةَ، قَالَتْ: رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْكَذِبِ فِي ثَلَاثٍ فِي الْحَرْبِ، وَفِي الْإِصْلَاحِ بَيْنَ

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین موقعوں پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی: جنگ میں، لوگوں کے مابین صلح کرانے کے لیے اور خاوند

النَّاسِ، وَقَوْلِ الرَّجُلِ لِامْرَأَتِهِ۔ وَفِي رِوَايَةٍ: ((وَحَدِيْثِ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ وَحَدِيْثِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا۔)) (الصحيحة: ٥٤٥)

کا اپنی بیوی کا ساتھ بات کرنے میں اور ایک روایت میں ہے: آدمی کا اپنے بیوی سے اور بیوی کا اپنے خاوند کے ساتھ گفتگو کرنے میں۔

تخريج: أخرجه الامام أحمد: ٦/ ٤٠٤، وابوداود: ٢/ ٣٠٤، واخرجه مسلم: ٨/ ٢٨ ايضا بلفظ: ((ليس الكذاب الذى يصلح بين الناس ..... وقالت: لم اسمعه يرخص فى شىء مما يقول الناس الا فى ثلاث ..... واخرجه البخارى: ٥/ ٣٢٨ دون قوله: "وقالت: لم اسمعه ....."

شرح:......امام نووی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: جھوٹ یقیناً ایک جرم ہے، تاہم بعض صورتوں میں جائز ہے، لیکن اس کی چند شرطیں ہیں، خلاصۂ تفصیل یہ ہے: مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ کلام ہے، ہر وہ مقصد جو پسندیدہ ہو اور اسے جھوٹ کے بغیر حاصل کرنا ممکن ہو، اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر جھوٹ بولے بغیر اس کا حصول ناممکن ہو تو جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اگر مقصود کا حاصل کرنا مباح اور جائز ہو تو جھوٹ بولنا بھی مباح ہوگا اور اگر مقصود واجب ہوگا، تو جھوٹ بولنا بھی واجب ہوگا، جیسے ایک ظالم کسی مسلمان کو قتل کرنا یا اس کا مال چھیننا چاہتا ہے اور وہ اپنا جان و مال بچانے کے لیے چھپ جاتا ہے۔ اگر اسے تلاش کرنے کے لیے اس کے بارے میں علم رکھنے والے فرد سے پوچھا جائے تو اس کا جھوٹ بولنا واجب ہے، تاکہ مظلوم مسلمان کے جان و مال کو بچایا جا سکے، یہی معاملہ امانت کا ہے۔ بہر حال اس قسم کے تمام معاملات میں زیادہ محتاط طریقہ توریہ کرنا ہے، توریے کا مطلب یہ ہے کہ جواب دیتے وقت ایسی ذومعنی گفتگو کی جائے، جس کا ایک ظاہری مفہوم ہو اور ایک باطنی اور کلام کرنے والا اپنی گفتگو سے صحیح مقصود کی نیت کرے۔ (رياض الصالحين: باب بيان ما يجوز من الكذب) مثلا: مذکورہ بالا صورت میں جب مظلوم مسلمان کی بابت دریافت کیا جائے تو وہ جواب دے: اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ یہ توریہ ہے جس کے ظاہری مفہوم سے پوچھنے والے کو دھوکہ ہو رہا ہے اور اس کا باطنی مفہوم درست ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

حدیثِ مبارکہ میں تین مقامات پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے، بسا اوقات اگر ان تین مقامات پر خلافِ واقعہ بات نہ کی جائے تو بہت زیادہ نقصان ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

معاشرے کو باہمی بغض و عناد اور جنگ و جدل سے بچانے کے لیے صلح کروانا ضروری ہے، لیکن صلح کروانے والے افراد جانتے ہیں کہ دوریوں کو قربتوں میں بدلنے کے لیے اور بغض و عناد کی برف پگھلانے کے لیے جھوٹ بولنا پڑتا ہے، ہر فریق کے سامنے اس کی طرفداری کرنا پڑتی ہے، ہر فریق کے سامنے دوسرے فریق کے حوالے سے خلافِ حقیقت باتیں کرنا پڑتی ہیں۔ لیکن شریعت نے عظیم مقصد کو پانے کے لیے چھوٹے گناہ کو جائز قرار دیا ہے۔

یہی معاملہ جنگ کا ہے کہ کہاں جانا ہے؟ کیوں جانا ہے؟ کب جانا ہے؟ کتنا ساز و سامان لے کر جانا ہے؟ کون سا راستہ اختیار کرنا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اگر سب حقائق واضح کر دیے جائیں تو دشمنانِ اسلام جاسوسی کے ذریعے اسلام اور

اہل اسلام دونوں کو زبردست مالی اور جانی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور دوسری بات یہ بھی کہ اگر ساری حقیقت کھول دی جائے تو بعض مجاہدین بزدلی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔

رہا مسئلہ میاں بیوی کا، تو ان کے گھر کے معاملات کی اہمیت کسی مملکت کے امور سے کم نہیں ہے، معاشرتی زندگی میں ایسے موڑ بھی آ جاتے ہیں، جہاں ازدواجی تعلق برقرار رکھنے یا خوشگوار رکھنے یا اولاد کی خاطر خلافِ واقعہ بات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ تاہم ان رخصتوں کا مطلب یہ نہیں کہ علی الاطلاق جھوٹ بولنے کی رخصت نکال لی جائے۔

جھوٹ بہرحال جھوٹ ہے اور کبیرہ گناہ ہے، جواز کی صورتیں پیدا کرنے والوں کو محتاط رہنا چاہئے۔ واللہ اعلم

گھروں کے سربراہوں کو متوجہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالی نے ان کے گھروں کے ماحول کو خوشگوار رکھنے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے، اس رخصت سے یہ سبق حاصل کرنا چاہیے کہ میاں بیوی کے آپس کے تعلقات کا اچھا ہونا انتہائی ضروری ہے، وگرنہ گھر کے ماحول میں فساد رہے گا اور بچے صحیح تربیت سے محروم رہیں گے۔

عزت والے مقام کا مستحق مالک خود ہوتا ہے

(٢٧٩٨)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ۔ وَكَانَ أَمِيْراً عَلَى الْكُوْفَةِ۔ قَالَ: أَتَيْنَا قَيْسَ بْنَ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فِي بَيْتِهِ، فَأَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِلصَّلَاةِ، وَقُلْنَا لِقَيْسٍ: قُمْ فَصَلِّ لَنَا، فَقَالَ: لَمْ أَكُنْ لِأُصَلِّيَ بِقَوْمٍ لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِأَمِيْرٍ، فَقَالَ رَجُلٌ لَيْسَ بِدُوْنِهِ يُقَالُ لَهُ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ حَنْظَلَةَ الْغَسِيْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلرَّجُلُ أَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِهِ، وَصَدْرِ فِرَاشِهِ وَأَنْ يَؤُمَّ فِي رَحْلِهِ۔)) فَقَالَ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ عِنْدَ ذٰلِكَ: يَا فُلَانُ۔ لِمَوْلًى لَهُ: قُمْ فَصَلِّ لَهُمْ۔ (الصحيحة:١٥٩٥)

عبد اللہ بن یزید خطمی، جو کوفہ پر گورنر تھے، کہتے ہیں: ہم حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے گھر آئے، مؤذن نے نماز کے لیے اذان دی۔ ہم نے قیس کو کہا کہ کھڑے ہوں اور ہمیں نماز پڑھائیں۔ انھوں نے کہا: میں جن لوگوں کا امیر نہیں ہوں ان کو نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ ایک آدمی، جو کم درجہ نہیں تھا اور جسے عبد اللہ بن حنظلہ غسیل رضی اللہ عنہ کہا جاتا تھا، نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک آدمی دوسروں کی بہ نسبت اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ وہ اپنے جانور پر آگے بیٹھے، اپنی مخصوص نشست گاہ کی دائیں جانب (یا اس کے سامنے والے حصے پر) بیٹھے اور اپنی رہائش گاہ پر امامت کروائے۔'' قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سن کر اپنے غلام سے کہا: او فلاں! کھڑے ہو اور نماز پڑھاؤ۔

تخريج: أخرجه الدارمي: ٢/ ٢٨٥، والبزار: ٥٥۔ زوائده، والطبراني في "الكبير": ، "الأوسط": رقم ٩٠٠

شرح :...... اس حدیثِ مبارکہ میں مالک کے حق میں تین احکام بیان کیے گئے ہیں:

(۱) مالک اپنی سواری یعنی گدھے، گھوڑے اور اونٹ وغیرہ پر آگے بیٹھنے کا زیادہ مستحق ہے، آجکل کہا جا سکتا ہے کہ گاڑیوں کی فرنٹ سیٹ کا زیادہ حقدار مالک خود ہوتا ہے۔

(۲) گھروں، بیٹھکوں اور دفاتر میں رکھی ہوئی یا بچھی مخصوص نشست گاہوں کے حقدار مالک خود ہوتے ہیں۔

(۳) مساجد میں جن ائمہ کی تقرری کر دی جائے، وہی جماعت کروانے کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں اور کسی کے گھر میں جماعت کروانے کی صورت میں گھر کا مالک اس منصب کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ ان تینوں حقوق میں بطور تکریم کسی کو اجازت دی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے شرم وحیا کرنے کے تقاضے

(۲۷۹۹)۔ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ زِيَادٍ الْحَضْرَمِيِّ، أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ جُزْءٍ الزُّبَيْدِيَّ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ مَرَّ وَصَاحِبٌ لَهُ بِـ(أَيْمَنَ) وَفِتْيَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ قَدْ حَلُّوْا أُزُرَهُمْ فَجَعَلُوْهَا مَخَارِيْقَ يَجْتَلِدُوْنَ بِهَا وَهُمْ عُرَاةٌ قَالَ: عَبْدُاللّٰهِ: فَلَمَّا مَرَرْنَا بِهِمْ قَالُوْا: إِنَّ هٰؤُلَاءِ قِسِّيْسُوْنَ فَدَعُوْهُمْ۔ ثُمَّ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ عَلَيْهِمْ، فَلَمَّا أَبْصَرُوْهُ تَبَدَّدُوْا، فَرَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُغْضَباً حَتّٰى دَخَلَ، وَكُنْتُ وَرَاءَ الْحُجْرَةِ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ! لَا مِنَ اللّٰهِ اسْتَحْيُوْا، وَلَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اسْتَتَرُوْا۔)) وَأُمُّ أَيْمَنَ عِنْدَهُ تَقُوْلُ: اسْتَغْفِرْ لَهُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ عَبْدُاللّٰهِ: فَبِلَأْيٍ مَا اسْتَغْفَرَ لَهُمْ۔

(الصحيحة: ۲۹۹۱)

سلیمان بن زیاد حضرمی نے کہا: مجھے حضرت عبداللہ بن حارث بن جز زبیدی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ اور اس کا ایک ساتھی ایمن سے گزرے، کیا دیکھتے ہیں کہ قریشیوں کے ایک گروہ نے اپنی چادریں اتار دیں اور انھیں بٹ کر برہنہ حالت میں پٹا کھیلنے لگے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس سے گزرے تو وہ کہنے لگے کہ یہ ایک مذہب کے پیشوا لوگ ہیں، ان کو نظر انداز کر دو۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ وہاں آ گئے، جب انھوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو وہ منتشر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ غصے کی حالت میں لوٹے اور حجرے میں داخل ہوئے، میں حجرے کے پیچھے کھڑا تھا، میں نے آپ ﷺ کو حجرے میں فرماتے سنا: ''سبحان اللہ! (یہ لوگ) نہ اللہ تعالیٰ سے شرمائے اور نہ رسول اللہ ﷺ سے پردہ کیا۔'' سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس تھیں، وہ کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! ان کے لیے بخشش طلب کرو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کسی دشواری کی وجہ سے آپ نے ان کے لیے بخشش طلب نہ کی۔

تخريج: أخرجه أحمد وابنه عبدالله: ٤/ ١٩١ وأبو يعلي: ٤/ ١٠٩۔١١٠، و البزار: ٢/ ٤٢٩

شرح:...... معلوم ہوا کہ بے پردگی کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حق میں بے شرم اور بے حیا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا تقاضا تو یہ ہے کہ خلوت میں بھی ننگا ہونے سے بچا جائے، جیسا کہ سیدنا معاویہ بن حیدہ قشیری رضی اللہ نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! ہم اپنے ستر کن سے چھپائیں اور کن کے لیے چھوڑیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ۔)) ...... ''اپنے ستر کو اپنی

بیوی اور لونڈی کے سوا سب سے چھپاؤ۔'' انھوں نے پھر سوال کیا: اے اللہ کے رسول! اگر کوئی آدمی ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((إِن اسْتَطَعْتَ اَنْ لَّا يَرَيَنَّهَا اَحَدٌ فَلا يَرَيَنَّهَا۔)) ...... ''حسبِ استطاعت کوشش کرو کہ کوئی بھی اِس (ستر) کو نہ دیکھنے پائے۔'' اس نے تیسرا سوال کیا: اے اللہ کے رسول! اگر آدمی اکیلا ہو تو (ستر چھپانے کا کیا مسئلہ ہو گا)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰى مِنْهُ مِنَ النَّاسِ۔)) ...... اللہ تعالیٰ لوگوں سے بھی زیادہ مستحق ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔ (ابوداود، ابن ماجہ، ترمذی)

گھر کے صحن کو صاف ستھرا رکھنے کی وجہ

(٢٨٠٠)۔ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ مَرْفُوْعاً: ((طَهِّرُوْا أَفْنِيَتَكُمْ فَإِنَّ الْيَهُوْدَ لَا تُطَهِّرُ أَفْنِيَتَهَا۔)) (الصحيحة: ٢٣٦)

عامر بن سعد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے گھر کا صحن صاف رکھا کرو، کیونکہ یہودی اپنے گھر کا صحن صاف نہیں رکھتے۔''

تخريج: رواه الطبراني في "الأوسط": ١١/ ٢ من الجمع بين زوائد المعجمين

شرح:...... اللہ تعالیٰ خود بھی طیب ہیں اور وہ اپنے بندوں کے بارے میں بھی یہی پسند کرتا ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی طہارت اختیار کریں۔ جسم، لباس، گھر اور اردگرد کے ماحول کو صاف رکھنا ظاہری طہارت ہے، جو باطنی طہارت میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے اور اس سے مسلمان کو خاص قسم کی تسکین نصیب ہوتی ہے۔

شکر گزار آدمی کی فضیلت

(٢٨٠١)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((الطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ۔)) (الصحيحة: ٦٥٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کھانا کھا کر شکریہ ادا کرنے والا صبر کرنے والے روزے دار کی طرح ہے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٧٩، واحمد: ٢/ ٢٨٣

شرح:...... اگر مال و دولت کے تقاضے پورے کیے جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، بصورت دیگر کسی وبال سے کم نہیں ہے۔ اس حدیث میں ایک تقاضے کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ کھانا کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے، اس طرح کرنے سے وہ راضی ہو جائے گا اور روزے دار کے برابر اجر و ثواب عطا کرے گا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے جتنی دعاؤں کی تعلیم دی ہے، وہ ذہن نشین کر لینی چاہئیں، تا کہ صحیح انداز میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جا سکے۔

ہر درجہ کے مسلمان کے لیے امورِ خیر کا تعین

(٢٨٠٢)۔ عَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ مَرْفُوْعاً: ((عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ۔)) قِيْلَ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَّمْ يَجِدْ؟ قَالَ: ((يَعْتَمِلُ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر مسلمان پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔'' کسی نے پوچھا: اگر صدقہ کرنے کے لیے اس کے پاس کچھ

بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ۔)) قِيْلَ: أَرَأَيْتَ إِن لَّمْ يَسْتَطِعْ؟ قَالَ: ((يُعِيْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ۔)) قِيْلَ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ؟ قَالَ: ((يَأْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ أَوِ الْخَيْرِ۔)) قَالَ: أَرَأَيْتَ إِن لَّمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: ((يُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ۔))

(الصحيحة:٥٧٣)

نہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے ہاتھوں سے کام (محنت، مزدوری) کرے اور (اجرت حاصل کر کے) اپنے نفس کو بھی نفع پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔'' پھر پوچھا گیا: اگر اس کو اس کی بھی طاقت نہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مصیبت زدہ حاجت مند کی مدد کر دے۔'' پھر پوچھا گیا: اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نیکی یا بھلائی کا حکم کرے۔'' پوچھا گیا: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دوسروں کو نقصان پہنچانے سے باز رہے، یقیناً یہ بھی صدقہ ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٢/ ١٢١، وفي "الأدب المفرد": ٣٥-٤٦، ومسلم: ٣/ ٨٣ والسياق له، والنسائي: ١/ ٣٥١، ورواه الدارمي: ٢/ ٣٠٩، والطيالسي: ٦٧/ ٤٩٥، وأحمد: ٤/ ٣٩٥، ٤١١

شرح:...... دور کوئی بھی ہو، مزاج اور حالات جیسے بھی ہوں، شریعت نے ہر زمان و مکاں سے نپٹنے کے لیے اہل اسلام کی مکمل رہنمائی کی ہے، انہی حالات وظروف کو مدنظر رکھ کر ہر انسان سے باز پرس کی جائے گی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں، ان کا احکامِ شریعت کے ساتھ موازنہ کریں اور اپنے لیے راہِ نجات تلاش کریں۔

بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت زبان سے مجبوریوں کا، شکووں کا اور حالات کے ناسازگار ہونے کا اظہار کرتے رہتے ہیں، ایسے بے صبروں کو عقل کے ناخن لینے چاہئیں اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ زبان سے ادا کر دی جانے والی مجبوریوں اور شکووں کو اخروی زندگی میں بطورِ بہانہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ اسلامی احکام کی روشنی میں اپنے حالات کے مطابق کوئی راہِ ہدایت تلاش کریں اور اس معاملے میں کسی اہل علم سے رابطہ کریں۔

مال کا صدقہ نہ کر سکنے والے کے لیے صدقہ کی صورتیں

(٢٨٠٣)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ مَرْفُوْعاً: ((عَلَى كُلِّ نَفْسٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيْهِ الشَّمْسُ صَدَقَةٌ مِنْهُ عَلَى نَفْسِهِ۔)) قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مِنْ أَيْنَ أَتَصَدَّقُ وَلَيْسَ لَنَا أَمْوَالٌ؟ قَالَ: ((لِأَنَّ مِنْ أَبْوَابِ الصَّدَقَةِ التَّكْبِيْرُ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ،

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر روز، جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، ہر نفس پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں کیسے صدقہ کروں، میرے پاس تو مال نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(صدقہ صرف مال کا خرچ کرنا ہی نہیں ہے بلکہ) یہ بھی صدقہ کی اقسام ہیں: "اَللّٰهُ اَكْبَر"

وَلا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، وَتَأْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ، وَتَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ وَتَعْزِلُ الشَّوْكَةَ عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ وَالْعَظْمَةَ وَالْحَجَرَ، وَتَهْدِي الْأَعْمٰى، وَتُسْمِعُ الْأَصَمَّ وَالْأَبْكَمَ حَتّٰى يَفْقَهَ، وَتَدُلُّ الْمُسْتَدِلَّ عَلٰى حَاجَةٍ لَّهُ قَدْ عَلِمْتَ مَكَانَهَا، وَتَسْعٰى بِشِدَّةِ سَاقَيْكَ إِلَى اللَّهْفَانِ الْمُسْتَغِيْثِ، وَتَرْفَعُ بِشِدَّةِ ذِرَاعَيْكَ مَعَ الضَّعِيْفِ، كُلُّ ذٰلِكَ مِنْ أَبْوَابِ الصَّدَقَةِ مِنْكَ عَلٰى نَفْسِكَ وَلَكَ فِي جِمَاعِكَ زَوْجَتَكَ أَجْرٌ۔)) قَالَ أَبُوْ ذَرٍّ: كَيْفَ يَكُوْنُ لِي أَجْرٌ فِي شَهْوَتِي؟ فَقَالَ: ((أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ وَلَدٌ فَأَدْرَكَ وَرَجَوْتَ خَيْرَهُ فَمَاتَ، أَكُنْتَ تَحْتَسِبُهُ؟)) قُلْتُ: نَعَمْ۔ قَالَ: ((فَأَنْتَ خَلَقْتَهُ؟)) قَالَ: بَلِ اللّٰهُ خَلَقَهُ۔ قَالَ: ((فَأَنْتَ هَدَيْتَهُ؟)) قَالَ: بَلِ اللّٰهُ هَدَاهُ۔ قَالَ: ((فَأَنْتَ تَرْزُقُهُ؟)) قَالَ: بَلِ اللّٰهُ كَانَ يَرْزُقُهُ۔ قَالَ: ((كَذٰلِكَ فَضَعْهُ فِي حَلَالِهِ وَجَنِّبْهُ حَرَامَهُ، فَإِنْ شَاءَ اللّٰهُ أَحْيَاهُ وَإِنْ شَاءَ أَمَاتَهُ، وَلَكَ أَجْرٌ۔))

(الصحيحة: ٥٧٥)

کہنا، "سُبْحَانَ اللّٰہ" کہنا، "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کہنا، "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کہنا، "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ" کہنا، نیکی کا حکم دینا، برائی سے منع کرنا، لوگوں کی گزرگاہوں سے کانٹا، پتھر اور ہڈی ہٹانا، نابینے کی رہنمائی کرنا، بہروں اور گونگوں کو اس اہل بنانا کہ وہ بات سمجھ سکیں، رہنمائی طلب کرنے والے کی کسی ضرورت مند کی رہنمائی کرنا، مدد کے لیے پکارنے والے مصیبت زدہ کی (مدد کرنے کے لیے) اس کی طرف دوڑ کر جانا، کمزور آدمی کا بھرپور انداز میں تعاون کرنا۔ یہ صدقہ کی اقسام ہیں، ان کے ذریعے تو اپنے آپ پر صدقہ کر سکتا ہے۔ اور بیوی سے جماع کرنے میں بھی اجر ہے۔" حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: جنسی شہوت پوری کرنے میں کون سا اجر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ذرا بتلایئے کہ اگر تیرا بیٹا ہو، وہ نوجوان ہو جائے اور تجھے اس کی خیر و بھلائی کی امید ہو، لیکن وہ فوت ہو جائے تو کیا تو اس کی وفات پر ثواب کی توقع کے ساتھ صبر کرے گا؟" میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کیا تو نے اسے پیدا کیا؟" میں نے کہا: نہیں، اسے تو اللہ تعالی نے پیدا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کیا تو نے اسے ہدایت دی؟" میں نے کہا: نہیں، اسے تو اللہ تعالی نے ہدایت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کیا تو نے اسے رزق دیا؟" میں نے کہا: نہیں، اللہ تعالی نے اسے رزق دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بس اسی طرح اپنے (عضوِ مخصوص) کو حلال جگہ کے لیے استعمال کر اور حرام سے بچا۔ اگر اللہ نے چاہا تو اسے زندہ رکھے گا اور چاہا تو اسے مار دے گا اور تجھے اجر ملے گا۔"

تخريج: أخرجه الامام أحمد: ٥/ ١٦٨

شرح:...... شریعتِ اسلامیہ میں مسلمان کے نیک اعمال کو صدقہ کہا جاتا ہے، جس کے ذریعے وہ اپنے وجود کو آتش دوزخ سے آزاد کرواتا ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ہم اس حدیث کو بغور پڑھیں اور اپنے طرزِ حیات کا اس کے

ساتھ موازنہ کریں کہ ہم اس حدیث کے جن اجزا پر عمل کر رہے ہیں، ان کی بنیاد انسانیت ہے یا اسلام یا محض ذاتی تعلقات۔ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی ایسی عظیم نعمت ہے کہ جس کے ذریعے بسیار اسبابِ جنت حاصل کیے جا سکتے ہیں، لیکن اس نعمت سے محرومی کا تقاضا مایوسی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر درجہ کے انسان کے لیے اسلام میں گنجائشیں پیدا کر رکھی ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث میں غربا وفقرا کے لیے چودہ نیکیوں کا تعین کیا گیا ہے، جن پر عمل کرنا انتہائی آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی وجود میں تین سو ساٹھ جوڑ ودیعت کیے ہیں، جو اس کا بہت بڑا احسان ہے، کیونکہ ان جوڑوں کے نہ ہونے کی صورت میں کیا ہوتا؟ ہر انسان اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا تقاضا ہے کہ روزانہ دن کے شروع میں ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ کیا جائے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کام کرنا۔ نماز اشراق کی دو رکعات سے تمام جوڑوں کی طرف سے صدقہ ادا ہو جاتا ہے۔

تربیت کے لیے اہل وعیال کو سزا دینا

(٢٨٠٤)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((عَلِّقُوْا السَّوطَ حَيْثُ يَرَاهُ أَهْلُ الْبَيْتِ۔)) (الصحيحة:١٤٤٦)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوڑا وہاں لٹکاؤ، جہاں سے گھر والوں کو نظر آئے۔“

تخريج: أخرجه أبو نعيم: ٧/ ٣٣٢

(٢٨٠٥)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعاً: ((عَلِّقُوْا السَّوطَ حَيْثُ يَرَاهُ أَهْلُ الْبَيْتِ فَإِنَّهُ لَهُمْ أَدَبٌ۔)) (الصحيحة: ١٤٤٧)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایسی جگہ پر کوڑا لٹکاؤ، جہاں سے گھر والے افراد کو نظر آ سکے، کیونکہ یہ ان کے لیے باادب ہونے کا سبب ہے۔“

تخريج: أخرجه الطبراني في "الكبير" ٣/ ٩٢/ ٢، والبخاري في "الادب المفرد": صـ ١٧٩، وابن عدي: ٢٧/ ٢، وابن عساكر في "التاريخ": ١٣/ ٣٠٧/ ٢

شرح:...... شریعت نے بیوی بچوں کے حق میں بہت زیادہ نرمی برتنے اور ان سے حسن سلوک سے پیش آنے کی ترغیب دلائی ہے، بہر حال بسا اوقات انسان بحیثیتِ انسان اپنی تربیت کے لیے سختی و کرختگی کا تقاضا بھی کرتا ہے، جس کو شریعت نے پورا کر دیا ہے، لیکن کچھ شروط و قیود کا تعین بھی کیا کہ چہرے پر سزا نہ دی جائے اور نہ ایسی ضرب لگائی جائے کہ جس سے واضح زخم پڑ جائے۔

دراصل استاد ہو یا گھر کا سربراہ، اس کا ذی بصیرت اور دور رس ہونا ضروری ہے، تاکہ وہ اپنے شاگردوں، بچوں، بیویوں یا اپنے زیر نگرانی دوسرے لوگوں کے بارے میں فیصلہ کر سکے کہ ان کے بارے نرمی برتی جائے یا ان کی زجر و توبیخ کی جائے یا ان کو سزا بھی دی جائے، کیونکہ ہر وقت نرمی برتنا بھی نقصان دہ ہے، ہر وقت سختی و درشتی کا اظہار کرنا بھی مضر

ہے اور ہر وقت سزا دینے سے بھی تربیت نہیں ہوتی۔ اس معاملے میں شریعت نے تربیت کرنے والوں کو کسی ایک چیز کا پابند نہیں ٹھہرایا۔ نبی کریم ﷺ کی عظیم ہستی کو بحیثیتِ معلم دیکھیں تو آپ ﷺ کبھی کبھار بظاہر بڑے بڑے جرائم پر نرمی کرتے نظر آئیں گے، لیکن بسا اوقات معمولی چیز پر غصے کا اظہار کریں گے، درحقیقت نرمی یا غصے کا تعلق جرم سے نہیں، جرم کرنے والے سے ہے، کہ اس کو راہِ ہدایت پر لانا کیسے ممکن ہے۔ اس معاملے میں یہ درست نہیں کہ کوئی ادارہ یا حکومت اساتذہ اور مربی حضرات کو سزا دینے یا نہ دینے پر پابند کر دے، اس پابندی سے معلمین اور متعلمین دونوں کو نقصان ہوتا ہے۔ ادارۂ تعلیم کو چاہئے کہ وہ اساتذہ کی تربیت کے لیے تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا کریں، صرف ''مار نہیں، پیار'' جیسے جملے آویزاں کرنا مفید نہیں ہے۔

اکٹھا کھانا کھانے کی برکتیں

(۲۸۰٦)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كُلُوْا جَمِيْعاً وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فَإِنَّ طَعَامَ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنَ، وَطَعَامَ الْاِثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ۔))

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مل کر کھاؤ اور تین تیرہ بارہ باٹ نہ ہو جاؤ، کیونکہ ایک آدمی کا کھانا دو افراد کو اور دو کا چار افراد کو کفایت کرتا ہے۔''

(الصحيحة: ۲٦۹۱)

تخريج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": رقم۔ ۲/ ۷۵۹۷۔ مصور تي وترقيمي

(۲۸۰۷)۔ عَنْ وَحْشِيٍّ: أَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! إِنَّا نَأْكُلُ وَلَا نَشْبَعُ؟ قَالَ: ((فَلَعَلَّكُمْ تَأْكُلُوْنَ مُتَفَرِّقِيْنَ، اِجْتَمِعُوْا عَلٰى طَعَامِكُمْ، وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيْهِ۔))

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم کھانا کھاتے ہیں، لیکن سیر نہیں ہوتے (کیا وجہ ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شاید تم الگ الگ کھاتے ہو۔ کھانا اجتماعی طریقے سے اور بسم اللہ پڑھ کر کھایا کرو، تمھارے لیے کھانے میں برکت ڈال دی جائے گی۔''

(الصحيحة: ٦٦٤)

تخريج: أخرجه أبوداود: ۲/ ۱۳۹، وابن ماجه: ۲/ ۳۰۷، وابن حبان: ۱۳٤۵، والحاكم: ۲/ ۱۰۳، وأحمد: ۳/ ۵۰۱، وأبو نعيم في "الأخبار": ۲/ ۳۵۰

شرح:...... ہم نے کھانے کے معیار و مقدار اور نفاست و عمدگی کو صحت و برکت کا راز سمجھ رکھا ہے، ہمیں چاہئے کہ کھانے پینے کے سلسلے میں شرعی آداب وقوانین کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ مل کر کھانے اور شروع میں بسم اللہ پڑھنے کی وجہ سے برکت ہوتی ہے، اس طرح تھوڑا کھانا بھی زیادہ آدمیوں کو کافی ہو جاتا ہے اور باہم الفت و محبت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ ایک واقعہ ہمارے ذاتی مشاہدے سے تعلق رکھتا ہے کہ میزبان نے پانچ افراد کے لیے روٹیاں اور سالن تیار کروایا اور

ظاہری طور پر اس کھانے کی مقدار پانچ افراد کو ہی کفایت کرنے والی تھی، لیکن کھانے والوں کی تعداد آٹھ نو ہو گئی، انھوں نے سالن کو ایک برتن میں جمع کیا، پلیٹیں دسترخوان سے اٹھا دیں اور بسم اللہ پڑھ کر اور مل کر کھانا کھانا شروع کر دیا، جب کھانا ختم ہوا تو ہر کوئی سیر و سیراب ہو چکا تھا، میں خود ان لوگوں میں موجود تھا اور اپنے آپ کو خوب سیر محسوس کر رہا تھا۔ اس معاملے میں درج ذیل بحث ہمارے لیے مفید ہوگی:

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَاتُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيْهِمْ۔)) (ترمذی: ۲۰۴۰، ابن ماجہ: ۳۴۴٤) ...... ''اپنے مریضوں پر کھانا کھانے پر مجبور نہ کیا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔''

اس حدیث مبارکہ پر بحث کرتے ہوئے امام مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ بیماروں کی ایسے انداز میں تائید و نصرت کرتا ہے، جس سے ماکول و مشروب کی کمی کا ازالہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو بیماری اور بھوک کی تکلیف پر صبر کرنے کی توفیق دیتا ہے، کیونکہ زندگی اور طاقت دونوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے، نہ کہ کھانا اور پینا۔ قاضی کہتے ہیں: اس حدیث کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بیماروں کی قوتوں کی حفاظت کرتا ہے اور (غیر محسوس انداز میں) ان کو ایسی چیزیں مہیا کر دیتا ہے کہ جن سے ان کی روح کی حفاظت ہوتی اور بدن درست رہتا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۳/ ۱۵۸)

قارئین کرام! اگر آپ یہ حقیقت تسلیم کر لیں تو ٹھیک، وگرنہ خود تجزیہ کر لیں کہ ہمارے ملک پاکستان میں غریب لوگوں کی غذا میں معیار اور مقدار دونوں کی کمی ہے، لیکن وہ امیرزادوں اور خوش خوروں کی بہ نسبت زیادہ صحتمند اور طاقتور ہوتے ہیں اور ان میں بیماریوں کی شرح بھی بہت کم ہوتی ہے۔ ایسے کیوں ہے؟ اگر قوت و طاقت کا انحصار ماکولات و مشروبات میں ہی مضمر ہوتا تو بڑا پہلوان کس کو ہونا چاہیے؟ غریب اور امیر کے بچوں کی کشتی کروا کر دیکھ لیں۔ ایک اور مثال ذہن نشین کر لیں کہ آدمی بیمار ہوا اور سات آٹھ دن تک کچھ نہیں کھایا، آٹھ نو دنوں کے بعد جونہی وہ شفایاب ہوا تو ایک دو دنوں کے بعد وہ پہلے کی طرح صحتمند معلوم ہونے لگا، سوال یہ ہے کہ سات آٹھ دنوں کی خوراک کی کمی کیسے پوری ہو گئی؟ اگر کوئی صحتمند آدمی دو تین دن لگاتار کھانا نہ کھائے تو وہ انتہائی لاغر ہو جاتا ہے۔ کہنا پڑے گا کہ اصل برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، ہاں اسی نے ہمیں کھانے پینے کا حکم دیا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہم زبان کے ''چسکوں'' کے پجاری بن کر نہ رہ جائیں اور اپنی صحت کا راز محض خوش خوری میں ہی نہ سمجھیں، بلکہ معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے کھانے پینے کے شرعی آداب کا خیال رکھیں۔

بندے کا (۳۶۰) جوڑوں کا صدقہ ادا کرنا

(۲۸۰۸)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعاً: ((فِی ابْنِ آدَمَ سِتُّوْنَ وَثَلَاثُ مِئَةِ سَلَامٰی أَوْ عَظْمٍ أَوْ مَفْصِلٍ ، عَلٰی کُلِّ وَاحِدٍ فِی کُلِّ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدم کے بیٹے میں کل تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑ یا ہڈیاں ہوتی ہیں، ہر روز ہر جوڑ کی طرف سے

يَوْمٍ صَـدَقَةٌ، كُـلُّ كَـلِـمَةٍ طَيِّبَةٍ صَدَقَةٌ، وَعَـوْنُ الرَّجُلِ أَخَاهُ صَدَقَةٌ، وَالشَّرْبَةُ مِنَ الْـمَـاءِ تَسْقِيْهَا صَدَقَةٌ وَإِمَاطَةُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ.)) (الصحيحة:٥٧٦)

صدقہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ (صدقے کی چند اقسام یہ ہیں:) ہر اچھی بات صدقہ ہے، آدمی کا اپنے بھائی کی مدد کرنا صدقہ ہے، پانی کا ایک گھونٹ پلانا صدقہ ہے اور راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في"الأدب المفرد": ٦٢

شرح:...... اللہ تعالیٰ نے انسانی وجود میں تین سو ساٹھ جوڑ ودیعت کیے ہیں، جو اس کا بہت بڑا احسان ہے، کیونکہ ان جوڑوں کے نہ ہونے کی صورت میں کیا ہوتا؟ ہر انسان اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی نعمت کا تقاضا ہے کہ روزانہ دن کے شروع میں ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ ادا کیا جائے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کام۔ کم از کم تین سو ساٹھ نیکیوں کے کام کرنے چاہئیں۔

نماز اشراق کی دو رکعت سے تمام جوڑوں کی طرف سے صدقہ ادا ہو جاتا ہے۔

"ذَالِكَ اَدْنٰى اَنْ لَا تَعُوْلُوْا" کی تفسیر

(٢٨٠٩)۔ عَـنْ عَـائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: فِي قَـوْلِـهِ تَـعَـالٰى: ﴿ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُوْلُوْا﴾ قَالَ: ((أَنْ لَّاتَجُوْرُوْا.)) (الصحيحة:٣٢٢٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ذَلِكَ اَدْنٰى اَنْ لَا تَعُوْلُوْا﴾ (سورۂ نساء: ٣) کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''(زیادہ قریب ہے کہ ایسا کرنے سے) تم ظلم نہ کرو۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان في"صحيحه": رقم - ١٧٣٠ - الموارد، وابن أبي حاتم في "التفسير": ٢/١٠٤/٢

شرح:...... جب اللہ تعالیٰ نے دو دو، تین تین اور چار چار شادیوں کی اجازت اور بیویوں کے مابین مساوات قائم رکھنے کا حکم دیا، تو پھر فرمایا: اگر تمہیں ان کے مابین برابری نہ کرنے کا خوف ہو تو ایک ہی بیوی کافی ہے، یا پھر تمہاری ملکیت کی لونڈی، اس طرح زیادہ قریب ہوگا کہ تم ظلم نہ کرو۔ (سورۂ نساء: ٣) کیونکہ ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں عدل و انصاف کا برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے اور فتنہ و فساد کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ بہر حال شرعی احکام پر عمل کرنا ممکن ہے۔

سوتے وقت اپنے آپ کو دم کرنا

(٢٨١٠)۔ عَـنْ عَـائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا أَوٰى إِلٰى فِرَاشِهِ لَيْلَةً جَمَعَ كَفَّيْهِ، ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِـمَـا، فَـقَـرَأَ فِيْهِـمَـا قُلْ هُوَ اللّٰـهُ أَحَدٌ

حضرت عائشہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ جب رات کو اپنے بستر پر آرام فرما ہوتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اکٹھا کرتے، ان میں پھونکتے اور ان میں یہ سورتیں پڑھتے: ﴿قُلْ

وَ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ، يَبْدَأُ بِهِمَا عَلٰى رَأْسِهِ وَوَجْهِهِ، وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ، يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ (الصحيحة: ٣١٠٤)

﴿هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پھر حسب استطاعت ان ہتھیلیوں کو جسم پر پھیر لیتے۔ اپنے سر، چہرے اور جسم کے اگلے حصے سے ان کو پھیرنا شروع کرتے۔ آپ ﷺ ایسا تین بار کرتے۔

تخريج: أخرجه البخاري: ٥٠١٧، وأبوداود: ٥٠٥٦، والترمذي في "السنن": ٣٣٩٩ و"الشمائل": باب ما جاء في نومه ﷺ - رقم - ٢١٨ - مختصره، والنسائي في "عمل اليوم و الليلة": ٧٨٨، ومن طريقه: ابن السني في "عمله": ٦٩١، وابن حبان في "صحيحه": ٥٥١٩ - الأحسان، وأحمد: ٦/ ١١٦

شرح: ...... اس حدیثِ مبارکہ میں سوتے وقت کے ایک ذکر کا بیان ہے۔ اول الذکر سورت میں توحید کا بیان ہے اور مؤخر الذکر دو سورتوں کا رات کے شر سے پناہ مانگنے کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ حدیثِ مبارکہ کی ظاہری عبارت سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ سورتوں کی تلاوت سے پہلے پھونکتے تھے، لیکن مرادی معنی یہ ہے کہ تلاوت کے بعد پھونکا جائے، کیونکہ آپ ﷺ تمام دموں میں کلام پڑھنے کے بعد پھونکتے تھے۔ (دیکھیں: تحفۃ الاحوذی: ۴/ ۲۳۱) بہر حال اگر کوئی آدمی اس حدیث کے ان مرادی معانی کو مناسب نہیں سمجھتا تو وہ ظاہری مفہوم پر عمل کرے۔

"نَفَثَ" کے معانی ہیں: ایسی پھونک مارنا، جس میں کچھ تھوک بھی ہو۔

مبلغین کا اندازِ تبلیغ

(٢٨١١)۔ عَنْ أَبِي مُوْسٰى، قَالَ: كَانَ إِذَا بَعَثَ أَحَداً مِنْ أَصْحَابِهِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ قَالَ: ((بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا، وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا۔)) (الصحيحة: ٩٩٢)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ جب کسی صحابی کو اپنے بعض معاملات پر امیر بنا کر بھیجتے تو فرماتے: ''خوشخبریاں سنانا، تنفر نہ کرنا، آسانیاں پیدا کرنا اور مشقتوں میں نہ ڈالنا۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٥/ ١٤١، وأبو داود: ٢/ ٢٩٣

شرح: ...... اللہ تعالیٰ کا نیکیاں قبول کرنا، ان پر اجر و ثواب عطا کرنا، گناہوں سے توبہ کی توفیق دینا اور لوگوں کو معاف کرنا، یہ سب امور خوشخبری کا مفہوم رکھتے ہیں، جبکہ تنفر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگوں کو برائیوں سے باز رکھنے کے لیے ڈرایا جائے تو اتنا مبالغہ نہ کیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ناامید ہو جائیں۔

مبلّغ اسلام کو ذی بصیرت اور مزاج شناس ہونا چاہئے، لوگوں کے حالات و احساسات اور زمان و مکاں کو مدنظر رکھ کر گفتگو کرنی چاہئے۔ اس معاملے میں نبی کریم ﷺ کے اندازِ تبلیغ کو مدنظر رکھنا چاہیے، آپ ﷺ مختلف لوگوں کو سمجھانے کے لیے مختلف طریقے اختیار کرتے تھے۔ آپ ﷺ کبھی کبھار بظاہر بڑے بڑے جرائم پر نرمی کرتے نظر

آئیں گے، لیکن بسا اوقات معمولی چیز پر غصے کا اظہار کریں گے، درحقیقت نرمی یا غصے کا تعلق جرم سے نہیں، جرم کرنے والے سے ہے، کہ اس کو راہِ ہدایت پر لانا کیسے ممکن ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿ ولكن كونوا ربانيين ﴾ (سورۂ آل عمران: ۷۹) ...... ''اور لیکن تم ربانی بن جاؤ۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ کہتے ہیں: ربانی کا مطلب ہے: حکمت و دانائی والے، علم و معرفت والے اور حلم و بردباری والے۔ (تفسير ابن كثير: ١/ ٤٠٥)

بات سمجھانے کے لیے تین دفعہ دوہرانا

(۲۸۱۲)۔ عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ: كَانَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثاً، حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ، وَإِذَا أَتٰى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ، سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثاً۔ (الصحيحة: ٣٤٧٣)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو اسے تین مرتبہ دہراتے حتی کہ وہ خوب سمجھ لی جاتی اور جب کسی قوم کے پاس آتے اور انھیں سلام کرتے تو سلام بھی تین دفعہ کرتے۔

تخريج: أخرجه البخاري: ٩٤، ٩٥، ٦٢٤٤، والترمذي: ٢٧٢٣، ٣٦٤٠، "الشمائل" ١٢٠/ ١٩٢- مختصر الشمائل، وأبوالشيخ في "أخلاق النبي ﷺ" ٨٣، وأحمد: ٣/ ٢١٣، ٢٢١

شرح:...... سلام اور کلام کا یہ انداز آپ ﷺ کا معمول نہیں تھا، کسی بات کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے اور سامعین کو خوب سمجھانے کے لیے آپ ﷺ بسا اوقات ایک بات کو تین دفعہ دوہراتے تھے، بلکہ جب آپ کبیرہ گناہوں کا تذکرہ کر رہے تھے تو "آلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ" کا جملہ کئی دفعہ دوہرایا تھا۔ بہر حال مختلف احادیث اور اس حدیث کے الفاظ "حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ" سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی طبائع اور ذہنی صلاحیتوں اور بیان کی جانے والے بات کی اہمیت کو سامنے رکھ کر اس کو ایک سے زیادہ دفعہ کہا جا سکتا ہے۔

تین دو دفعہ سلام کہنے کی دو وجوہات ہیں: لوگوں کا کثیر تعداد میں موجود ہونا اور سب کا ایک دفعہ کہا ہوا سلام نہ سننا۔ ایسی صورت میں سلام کہنے والے کو چاہیے کہ وہ مجلس کے مختلف حصوں پر سلام کہے۔

گھر سے نکلتے وقت کی دعا

(۲۸۱۳)۔ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا۔ قَالَتْ: كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ قَالَ: ((بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوْذُبِكَ أَنْ نَزِلَّ (وَفِي رِوَايَةٍ: أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ ...... بِالْإِفْرَادِ فِي الْأَفْعَالِ كُلِّهَا) أَوْ نَضِلَّ،

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب گھر سے نکلتے تو یہ دعا پڑھتے: اللہ کے نام کے ساتھ، میں نے اللہ پر توکل کیا، اے اللہ! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں اس بات سے کہ ہم پھسل جائیں (اور ایک روایت میں ہے: میں خود پھسل جاؤں یا مجھے پھسلا دیا جائے ...... تمام افعال واحد کے صیغے

أَوْ نَظْلِمَ أَوْ نُظْلَمَ، أَوْنَجْهَلَ أَوْيُجْهَلَ عَلَيْنَا۔)) (الصحيحة: ٣١٦٣)

کے ساتھ ہیں) یا گمراہ ہو جائیں یا ظلم کریں یا ہم پر ظلم کیا جائے یا ہم کسی سے جہالت سے پیش آئیں یا کوئی ہم سے جہالت سے پیش آئے۔''

تخريج: هو من حديث ام سلمة رضی اللہ عنہا؛ رواه عنها الشعبي، وعنه المنصور ابن المعتمر وعنه جم غفير من الثقات (وهم تسعة نفر)، فهو عنه متواتر، (نحن نذكر أس هم المصادر فقط۔)

أخرجه الترمذي: ٩/ ١٢٦/ ٣٤٢٣، والنسائي في "السنن" ٢/ ٣٢٢، والحاكم: ١/ ٥١٩، وابن أبي شيبة في "المصنف": ١٠/ ٢١١/ ٩٢٥٠، وأحمد: ٦/ ٣٠٦، والطبراني في "المعجم الكبير": ٢٣/ ٣٢٠/ ٧٢٧، والطيالسي في "مسنده": ٢٢٤/ ١٦٠٧، وأبوداود: ٥/ ٣٢٧/ ٥٠٩٤، وابن ماجه: ٢/ ١٢٧٨/ ٣٨٨٤

شرح:...... معلوم ہوا کہ گھر سے نکلتے وقت درج ذیل دو دعاؤں میں سے کوئی ایک پڑھ لی جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، اللّٰهُمَّ! اِنَّا نَعُوْذُبِكَ اَنْ نَّزِلَّ، اَوْ نَضِلَّ اَوْ نَظْلِمَ اَوْ نُظْلَمَ اَوْ نَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا۔

بِسْمِ اللّٰهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، اللّٰهُمَّ! اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَزِلَّ، اَوْ اَضِلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ۔

سنن ابن ماجہ میں اس روایت کے الفاظ یوں ہیں:

اللّٰهُمَّ! اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْاُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فرشتوں کا چلنا

(٢٨١٤)۔ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كَانَ أَصْحَابُهُ يَمْشُوْنَ أَمَامَهُ إِذَا خَرَجَ وَيَدَعُوْنَ ظَهْرَهُ لِلْمَلَائِكَةِ۔ (الصحيحة: ٤٣٦)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چلتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت فرشتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٣٠٢، ٣٣٢، وابن ماجه: ١/ ١٠٨، والحاكم: ٤/ ٢٨١

(٢٨١٥)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَكْرَهُ أَن يَّطَأَ أَحَدٌ عَقِبَهُ، وَلٰكِنْ يَمِيْنٌ وَشِمَالٌ۔ (الصحيحة: ١٢٣٩)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی ان کے پیچھے چلے، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں چلتے تھے۔

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ٢٧٩، واخرجه ابوداود: ٣٧٧٠، وابن ماجه: ٢٤٤، واحمد: ٢/ ١٦٥،

١٦٧ بلفظ: ما رئی رسول الله ﷺ یأکل متکئا قط، ولا یطأ عقبه رجلان۔

شرح :...... اس میں نبی کریم ﷺ کی فضیلت ومنقبت اور عجز وانکساری کا بیان ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا اپنی ملاقاتوں میں سورۂ عصر کی تلاوت کرنا

(٢٨١٦)۔ عَنْ أَبِيْ مَدِيْنَةَ الدَّارِمِيِّ ، قَالَ: كَانَ الرَّجُلَانِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ إِذَا الْتَقَيَا لَمْ يَفْتَرِقَا حَتّٰى يَقْرَأَ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ : ﴿وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ ثُمَّ يُسَلِّمُ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ۔

(الصحيحة:٢٦٤٨)

ابو مدینہ دارمی سے روایت ہے کہ جب دو صحابہ کی ملاقات ہوتی تو اس وقت تک وہ جدا نہ ہوتے تھے جب تک ایک دوسرے پر ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾ نہ پڑھ لیتے۔اس کے بعد ایک دوسرے کو سلام کہتا تھا۔

تخریج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": ٢/ ١١/ ٢/ ٥٢٥٦، والبيهقي في "شعب الايمان": ٦/ ٥٠١/ ٩٠٥٧

شــــرح :...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس میں سلف صالحین رضی اللہ عنہم کی ایک صفت کا بیان ہے اور وہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ملاقات کے وقت سورۂ عصر کی تلاوت کی پابندی کرنا۔صحابہ کرام کے بارے میں ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ لوگ دین میں کسی بدعت کو رواج دینے سے کوسوں دور تھے،اس عمل کے لیے ان کے پاس نبی کریم ﷺ کی کوئی قولی یا فعلی یا تقریری حدیث ضرور ہوگی، ہمارے اس مسلک کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے صحابہ کریم رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (سورۂ توبہ: ١٠٠) ......''اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ،جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔''

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: اگر کوئی کسی کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہے تو وہ اصحاب رسول کے نقش قدم پر چلے، کیونکہ ان لوگوں کے دل نیک اور پاکیزہ تھے، وہ علم میں پختہ تھے، تکلف وتصنع سے باز رہنے والے تھے، ان کا سیرت وکردار درست ترین تھا اور ان کے حالات سب سے اچھے تھے۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کو اللہ تعالی نے اپنے نبی کی صحبت اور دین کی نصرت کے لیے منتخب کیا۔ ان لوگوں کا مقام ومرتبہ پہچانو اور ان کی پیروی کرو، کیونکہ وہ راہِ مستقیم پر فائز تھے۔ (جامع بيان العلم لابن عبد البر: ٢/ ٩٧)۔ (صحيحه: ٢٦٤٨)

یہ بھی ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے کو وعظ ونصیحت کرنے کی نیت سے کچھ عرصہ کے لیے اس

سورت کی تلاوت کا التزام کیا ہو، کیونکہ کئی دوسرے آثار میں ملاقات کے وقت ان کی اس صفت کا ذکر نہیں ہے۔

کسی کے گھر میں بلا اجازت دیکھنا جرم ہے

(٢٨١٧)۔ عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ قَائِمًا يُصَلِّي فِي بَيْتِهِ فَجَاءَ رَجُلٌ فَاطَّلَعَ فِي بَيْتِهِ فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِهِ فَسَدَّدَهُ نَحْوَ عَيْنَيْهِ حَتَّى انْصَرَفَ۔ (الصحيحة:٦١٢)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں کھڑے نماز ادا کر رہے تھے، ایک آدمی آیا اور آپ ﷺ کے گھر کے اندر جھانکنے لگا، رسول اللہ ﷺ نے ترکش سے تیر نکالا اور اس کی آنکھوں کا نشانہ لیا، لیکن وہ چلا گیا۔

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ١٠٦٩، وأحمد: ٣/ ١٩١، وأبو القاسم البغوي في "حديث هدبة": ٨٠، وأخرجه البخاري مختصرا نحوه وأخرجه مسلم: ٦/ ١٨١ وليس عنده وكذا البخاري ذكر الصلاة۔

شرح:...... انسان اپنے خلوت خانے میں بعض ایسے جائز امور میں مصروف ہوتا ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اسے اس حالت میں دیکھے۔ عورتوں کا بالخصوص غیر محرم عورتوں کا اور میاں بیوی کے معاملات تو بالکل واضح ہیں، بعض اوقات کسی مرد کے پاس بھی بعض وجوہات کی وجہ سے بغیر اجازت کے جانا مناسب نہیں ہوتا۔ ایک شخص کا واقعہ ہے کہ وہ ہمیشہ چادر وغیرہ سے پردہ کر کے شلوار تبدیل کرتا تھا، کوئی دوسرا فرد ہو یا نہ ہو، ایک دن اس نے خلوت میں پردہ کئے بغیر کپڑے تبدیل کرنا شروع کئے، اچانک ایک آدمی باہر سے بلا اجازت آ گھسا، نتیجتاً دونوں کو ندامت کا سامنا کرنا پڑا۔

اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں

(٢٨١٨)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ لِأَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ يَوْمَانِ فِي كُلِّ سَنَةٍ يَلْعَبُوْنَ فِيهِمَا، فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ قَالَ: ((كَانَ لَكُمْ يَوْمَانِ تَلْعَبُوْنَ فِيهِمَا، وَقَدْ أَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا: يَوْمَ الْفِطْرِ، وَيَوْمَ الْأَضْحٰى۔)) (الصحيحة:٢٠٢١)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اہل جاہلیت نے سال میں کھیلنے کے لیے دو دن مقرر کر رکھے تھے، جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو فرمایا: ''تمھارے دو دن تھے جن میں تم کھیلتے تھے، اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے دو بہترین دنوں کو ان کا بدل بنایا ہے اور وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ١/ ٢٣١، والطحاوي في "مشكل الآثار": ٢/ ٢١١، وأحمد، ٣/ ١٠٣، ١٧٨، ٢٣٥، ٢٥

شرح:...... اسلامی احکام کے مطابق ایک سال میں دو عیدوں کا وجود ملتا ہے، دونوں کے مختلف اور مخصوص احکام

ہیں۔ بعض لوگوں نے ''عید میلاد النبی ﷺ'' کے نام سے تیسری عید کا اضافہ کر رکھا ہے اور اس کو کئی خرافات و بدعات کا بہانہ بنا رکھا ہے، نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ سے اس عید کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

"السیرۃ النبویہ و فیھا الشمائل" میں ''عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت'' کے عنوان میں اس مروجہ عید کی وضاحت ہو چکی ہے۔

گھوڑی کو ''فَرَسٌ'' کہنا

(۲۸۱۹)۔ عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ :كَانَ ﷺ يُسَمِّی الْأُنْثٰی مِنَ الْخَيْلِ فَرَساً۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑی کو ''فرس'' کہتے تھے۔

(الصحيحة:٢١٣١)

تخريج: أخرجه الحاكم:٢/ ١٤٤، وابوداود: ١/ ٣٩٩

شرح:...... لغت میں لفظ ''فَرَسٌ'' کا اطلاق گھوڑی اور گھوڑے دونوں پر ہوتا ہے۔

اولادِ آدم کا ہر فرد مسئول ہے

(٢٨٢٠)۔ عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كُلُّ نَفْسٍ مِنْ بَنِی آدَمَ سَيِّد، فَالرَّجُلُ سَيِّدُ أَهْلِهِ وَالْمَرْأَةُ سَيِّدَةُ بَيْتِهَا۔)) (الصحيحة: ٢٠٤١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنو آدم کا ہر فرد (کسی نہ کسی طرح) سردار ہے، (بطورِ مثال) آدمی اپنے اہل وعیال کا سردار ہے اور عورت اپنے گھر کی سردار ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن السنی فی "عمل اليوم والليلة": ٣٨٢، وأبوبكر المقریء الأصبهانی فی "الفوائد": ١٣/ ١٩٠/ ١

شرح:...... سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص ذمے دار ہے اور تم سب سے اس کی اپنی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ امیر اپنی رعایا کا ذمہ دار ہے۔ آدمی اپنے اہل خانہ کا ذمہ دار ہے۔ عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی ذمے دار ہے۔ پس اسی طرح تم سب ذمے دار ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔'' (بخاری: ٨٩٣، مسلم: ١٨٢٩)

یہ احادیث اس لحاظ سے نہایت اہمیت کی حامل ہیں کہ اس میں معاشرے کے ہر فرد کو، چاہے وہ حکمران ہو یا ایک عام آدمی، حتی کہ گھر کی چار دیواری کے اندر رہنے والی عورت بھی، اپنے اپنے دائرے میں اپنے فرائض ادا کرنے کا، اصلاح کرنے کا اور عدل و انصاف کے قیام کا ذمے دار ہے اور اس میں کوتاہی کرنے پر اس سے باز پرس ہوگی۔

غیبت منع ہے

(٢٨٢١)۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنُ الصَّامِتِ مَرْفُوْعاً:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی

((لَا يَعْضَهُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا۔)) کریم ﷺ نے فرمایا: ''کوئی کسی کی چغلی نہ کرے۔''

(الصحيحة:٢٤٤٣)

تخریج: أخرجه الطيالسي:٢/ ٦٦/ ٢٢١٦، وأحمد:٥/ ٣١٣/ ٣٢٠، ومسلم:٥/ ١٢٧

شرح:...... عصرِ حاضر میں ہر کوئی اپنے آپ کو بریٔ الذمہ اور معصوم قرار دے کر دوسروں پر شکوہ کناں نظر آتا ہے، جب بھی ہم کسی شخص کو موضوعِ گفتگو بنانے لگیں تو سوچ لینا چاہیے کہ آخر اس کلام کا مقصد کیا ہے۔ کیا کسی بھائی پر جارحانہ کلام کرنے سے اس کے بارے میں سامعین کے دلوں میں نفرت و کدورت پیدا نہیں ہو گی اور اس سے بڑا معاشرتی فساد اور بگاڑ کوئی نہیں ہے کہ ایک آدمی کے بارے میں سوئے ظن پیدا کر دیا جائے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ۔)) (بخاری، مسلم) ...... ''چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

غیبت کا انجام بد

(٢٨٢٢)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَمَّا عَرَجَ بِي رَبِّي۔ عَزَّوَجَلَّ۔ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَّهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ۔ فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ، وَيَقَعُوْنَ فِي أَعْرَاضِهِمْ۔)) (الصحيحة:٥٣٣)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب میرے ربّ نے مجھے معراج کرائی تو میرا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے، وہ (ان سے) اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا: جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں (غیبت کرتے ہیں) اور ان کی عزتوں کو پامال کرتے ہیں۔''

تخریج: أخرجه الامام أحمد: ٣/ ٢٢٤، وابوداود: ٤٨٧٨

(٢٨٢٣)۔ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ مَرْفُوْعاً: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ۔)) (الصحيحة:١٠٣٤)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''چغلی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

تخریج: أخرجه البخاري: ٧/ ٧٦، ومسلم: ١/ ٧١، وأبوداود: ٢/ ٢٩٧، والترمذي: ١/ ٣٦٤ وصححه، والطيالسي: صـ٥٦ رقم ٤٢١، وأحمد: ٥/ ٣٨٢، ٣٨٩، ٣٩٢، ٤٠٢، ٤٠٤

شرح:...... مذکورہ بالا حدیث میں لوگوں کا گوشت کھانے سے مراد غیبت کرنا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ (سورۂ حجرات: ١٢) ...... ''اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے،

(بلکہ) تم کو تو اس سے گھن ہو گی۔"

غیبت کے جواز کی صورتیں

(٢٨٢٤)۔ عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَنَا عِنْدَهُ، فَقَالَ: ((بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيْرَةِ أَوْ أَخُو الْعَشِيْرَةِ۔)) ثُمَّ أَذِنَ لَهُ فَأَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ فَلَمَّا خَرَجَ ، قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قُلْتَ لَهُ مَاقُلْتَ ، ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ؟ فَقَالَ: ((يَاعَائِشَةُ إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ ، أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ ، اتِّقَاءَ فُحْشِهِ۔))

(الصحيحة:١٠٤٩)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھی، ایک آدمی نے آپ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، آپ ﷺ (اسے دیکھ کر) فرمانے لگے: "یہ آدمی اپنے خاندان کا برا فرد ہے۔" پھر اسے اجازت دے دی اور اس کے ساتھ نرم برتاؤ کیا۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! پہلے تو آپ نے جو کچھ کہا وہ کہا، پھر اس کے ساتھ نرم رویہ اختیار کیا،(ان دو قسم کے رویوں کی کیا وجہ ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "عائشہ! بدترین لوگ وہ ہیں کہ دوسرے لوگ ان کے شرّ سے بچنے کے لیے ان سے لاتعلق ہو جائیں۔"

تخريج: أخرجه البخاري: ٤/ ١٢٥ـ١٢٦ ، ١٤٢ ، ومسلم: ٨/ ٢١ ، وأبوداود: ٤٧٩١ ، والترمذي: ١/ ٣٦٠ ، وأحمد: ٦/ ٣٨

شرح:...... بالاتفاق غیبت حرام ہے۔ امام نووی نے کہا: کسی صحیح شرعی مقصد کے لیے غیبت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس مقصد تک اس کے بغیر پہنچنا ناممکن ہو۔ جواز کی چھ صورتیں ہیں، (تلخیص کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں):

(١) دست درازی کا ہونا: مظلوم کے لیے جائز ہے کہ بادشاہ یا قاضی کے سامنے اپنے ظالم کی زیادتی کا تفصیلی بیان کرے۔

(٢) خلافِ شرع امور کو روکنا اور برائیوں کے مرتکب کو راہِ راست پر لانے کے لیے مدد حاصل کرنا: مثلاً برے آدمی کی برائی کا کسی ایسے آدمی کے سامنے تذکرہ کرنا، جس کو غالب گمان کے مطابق اسے اس برائی سے روکنے پر قدرت حاصل ہو۔

(٣) فتوی طلب کرنا: جیسے کوئی مظلوم کسی مفتی کے پاس جا کر کہے کہ میرے باپ یا بھائی وغیرہ نے مجھ پر یوں ظلم کیا ہے، کیا اسے یہ حق پہنچتا ہے اور میرے حق میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟

(٤) مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا: جیسے سند کے راویوں پر جرح کرنا، کسی مسئلہ میں گواہی دینے والے فاسق گواہوں کے فسق و فجور کی وضاحت کر دینا۔

(٥) جو آدمی کھلم کھلا فسق و فجور اور بدعت کا ارتکاب کر رہا ہو، جیسے کوئی علانیہ شراب نوشی کر رہا ہو یا ظلماً ٹیکس وصول کر رہا

ہو یا باطل کاموں کی سرپرستی کر رہا ہو، وغیرہ، وغیرہ۔ ایسے لوگوں کے جرائم بیان کرنا جائز ہے تا کہ ان کا ازالہ کیا جا سکے۔

(٦) معروف نام سے پکارنا: مفاہیم و معانی کے اعتبار سے کوئی لقب اچھا نہ ہو، لیکن اگر کوئی آدمی اس لقب کے ساتھ مشہور ہو گیا ہو تو اس لقب کے ساتھ اسے پکارنا جائز ہے۔ جیسے: اعمش (چندھا)، اعرج (لنگڑا)۔ لیکن توہین و تنقیص کا ارادہ نہیں ہونا چاہیے۔ (رياض الصالحين: باب بيان ما يباح من الغيبة)

اس باب کی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے جو غیبت کی مثال پیش کی ہے، یہ جواز کی کون سی صورت سے متعلق ہے؟ امام بخاری کے استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اس کی ظاہری حالت سے دھوکہ کھا جائیں۔ معلوم ہوا کہ جو شخص برے کردار کا حامل ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اس کے دام تزویر میں پھنس جائیں گے، جس سے ان کے دین اور دنیا دونوں یا کسی ایک کا نقصان ہو جائے گا، ایسے شخص کی غیبت کرنا جائز ہو گی۔ اس اعتبار سے یہ جواز کی چوتھی صورت معلوم ہوتی ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ اس برے آدمی کا اس انداز میں تذکرہ کر کے اس میں پائے جانے والی برائی کی قباحت و شناعت بیان کرنا چاہتے ہوں، تا کہ دوسرے مسلمان آپ ﷺ کے اندازِ غیبت سے اس برائی کی سنگینی کو بھانپ لیں اور عبرت حاصل کریں اور اس بدی سے محفوظ رہیں۔

غیبت اور بہتان میں فرق

(٢٨٢٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ ذَكَرَ رَجُلاً بِمَا فِيهِ فَقَدِ اغْتَابَهُ، وَمَنْ ذَكَرَهُ بِغَيْرِ مَا فِيهِ فَقَدْ بَهَتَهُ.)) (الصحيحة:١٤١٩)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے (پیٹھ پیچھے) کسی آدمی میں پائی جانے والی برائیوں، کا ذکر کیا تو اس نے اس کی غیبت کی اور جس نے کسی آدمی کی ایسی برائیوں کا ذکر کیا جو اس میں نہیں ہیں تو اس نے اس پر جھوٹا الزام لگایا۔''

تحریج: أخرجه أبو الشيخ "الطبقات" صـ ٣٤

شـــرح :...... معلوم ہوا کہ ہمیں یہ اجازت بھی نہیں کہ ہم کسی میں پائے جانے والے عیب کا تذکرہ کسی دوسرے کے سامنے کریں اور یہ بھی ناجائز ہے کہ خواہ مخواہ کسی مسلمان پر کوئی الزام دھر دیں۔

مومن پر سب و شتم کرنا کیسا ہے؟

(٢٨٢٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوعاً: ((سِبَابُ الْمُؤْمِنِ كَالْمُشْرِفِ عَلٰى هَلَكَةٍ.)) (الصحيحة: ١٨٧٨)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کو گالی دینا' ہلاکت میں پڑنے والی بات ہے۔''

تخریج: أخرجه البزار: صـ ٢٤٦

شرح:...... شریعتِ مطہرہ میں اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کو جو مقام عطا کیا ہے، عصر حاضر کے مسلمان اس کو سمجھنے سے کوسوں دور ہیں، ہم لوگ مکہ مکرمہ میں پہنچ کر حرم اور کعبۃ اللہ کے تقاضوں کو باندازِ احسن پورا کرتے ہیں، لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ مومن کی تعظیم و تحریم، کعبہ سے زیادہ ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: ((مَـا اَعْـظَـمَ حُـرْمَتَكِ!)) وَفِـي الـطَّـرِيْقِ الْأُخْرٰى: لَمَّا نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَى الْكَعْبَةِ، قَالَ: ((مَرْحَبًا بِكَ مِنْ بَيْتٍ، مَا أَعْظَمَكَ، وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكُ! وَلَلْمُؤْمِنُ اَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللّٰهِ مِنْكَ، اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنْكَ وَاحِـدَةً، وَحَرَّمَ مِنَ الْمُؤْمِنِ ثَلَاثًا: دَمَهُ، وَمَالَهُ، وَاَنْ يُّظَنَّ بِهِ ظَنَّ السُّوْءِ۔)) (صحیحه: ٣٤٢٠)

......" (اے کعبہ!) تو کتنی عظیم حرمتوں والا ہے۔" دوسری روایت میں ہے: جب رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف دیکھا تو فرمایا: "اے خانۂ خدا! تجھے مرحبا ہو، تو کتنا عظیم ہے، تیری حرمت کتنی عظیم ہے، لیکن اللہ تعالی کے ہاں ایک مومن کی حرمت تجھ سے زیادہ ہے، بیشک اللہ تعالی نے تجھ سے ایک چیز کو اور مومن سے تین چیزوں یعنی خون، مال اور سوئے ظن کو حرام قرار دیا ہے۔"

جب کوئی کسی مسلمان پر سب و شتم کرتا ہے تو وہ اس کی عزتوں کو پامال کرنے کی کوشش کرتا ہے، سو وہ ہلاکتوں پر جھانکنا شروع کر دیتا ہے۔

عورتوں کو راستوں کے کناروں پر چلنا چاہئے

(٢٨٢٧)۔ عَـنْ أَبِـيْ هُـرَيْـرَةَ مَـرْفُوْعـاً: ((لَيْسَ لِلنِّسَاءِ وَسَطُ الطَّرِيْقِ۔)) (الصحيحة: ٨٥٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عورتوں کے لیے راستے کے درمیان میں چلنا درست نہیں۔"

تخریج: رواه المخلص في "الفوائد المنتقاة": ٩/ ٥/ ٢، وابن حبان في "صحيحه": ١٩٦٩۔ موارد، وابن عدي: ١٩٢/ ١، وعنه البيهقي في "الشعب": ٢/ ٤٧٥/ ٢

شرح:...... اس حدیث سے معلوم ہوتا ہو کہ کسی راستے میں چلتے وقت عورت کا کیا حق ہے۔ مزید وضاحت سیدنا ابو اسید انصاری رضی اللہ کی حدیث سے ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ خواتین و حضرات راستے میں خلط ملط ہو گئے تھے، جبکہ رسول اللہ ﷺ مسجد سے باہر تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے عورتوں کو حکم دیا: ((اِسْتَأْخِرْنَ فَاِنَّهُ لَيْسَ لَكُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِيْقَ، عَلَيْكُنَّ بِحَافَّاتِ الطَّرِيْقِ۔)) ...... "پیچھے ہٹ جاؤ، تمہیں راستے کے وسط میں چلنے کا کوئی حق حاصل نہیں، تم راستوں کے کناروں پر چلا کرو۔" (یہ حکم سننے کے بعد) عورتیں دیوار کے ساتھ مل گئیں اور ان کے کپڑے دیوار کے ساتھ گھسنے لگ گئے۔ (ابو داود: ٥٢٧٢)

پڑوسی کے حقوق

(٢٨٢٨)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلٰى جَنْبِهِ۔))
(الصحيحة:١٤٩)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن وہ نہیں ہوتا جو خود تو سیر ہو جائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہے۔''

تخريج: رواه البخاري في "الأدب المفرد": ١١٢، والطبراني في "الكبير": ٣/ ١٧٥/ ١، والحاكم: ٤/ ١٦٧، وكذا ابن أبي شيبة في "كتاب الأيمان": ١٨٩/ ٢، والخطيب في "تاريخ بغداد": ١٠/ ٣٩٢، وابن عساكر: ٩/ ١٣٦/ ٢، والضياء في "المختارة": ٦٢/ ٢٩٢/ ١

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: یہ حدیث بڑی وضاحت کے ساتھ دلالت کر رہی ہے کہ غنی اور مالدار لوگوں کے لیے حرام ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو بھوکا چھوڑے رکھیں۔ ان پر فرض ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کی ضروریات کے مطابق ان کو کھانا اور لباس وغیرہ مہیا کریں۔

اس حدیث میں یہ اشارہ موجود ہے کہ زکاۃ کے علاوہ بھی مال میں حق ہوتا ہے، غنی لوگوں کو متنبہ رہنا چاہیے کہ وہ سال کے بعد زکوۃ ادا کر دینے سے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، بلکہ حالات وظروف کے مطابق ان پر ایسے حقوق عائد ہوتے ہیں، جن کی ادائیگی ضروری ہو جاتی ہے، اگر انھوں نے ایسے نہ کیا تو قرآن مجید کی اس وعید کا مصداق ٹھہریں گے: ﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾۔ (سورۂ توبہ: ٣٤، ٣٥) ...... ''اور جو لوگ سونے اور چاندی کا خزانہ کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے۔ جس دن اس خزانے کو آتشِ دوزخ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے جسے تم نے اپنے لیے خزانہ بنا رکھا تھا، سو اب اپنے خزانوں کا مزہ چکھو۔'' (صحیحہ: ١٤٩)

(٢٨٢٩)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قِيْلَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ فُلَانَةَ تَقُوْمُ اللَّيْلَ وَتَصُوْمُ النَّهَارَ، وَتَفْعَلُ وَتَصَدَّقُ، وَتُؤْذِيْ جِيْرَانَهَا بِلِسَانِهَا! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَاخَيْرَ فِيْهَا، هِيَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ۔)) قَالَ: وَفُلَانَةُ تُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول! فلاں عورت رات کو قیام کرتی ہے، دن کو روزہ رکھتی ہے، صدقہ وخیرات کرتی ہے اور دیگر امورِ خیر کرتی ہے، لیکن ہمسائیوں کو اپنی زبان سے تکلیف دیتی ہے، (ایسی عورت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسی عورت میں تو کوئی خیر نہیں، یہ تو جہنمی ہے۔''

وَتَصَدَّقُ بِأَثْوَارٍ مِنَ الْأَقِطِ وَلَا تُؤْذِيْ أَحَداً، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((هِيَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ.)) (الصحيحة:١٩٠)

اس کے بعد اس نے کہا: فلاں عورت صرف فرض نمازیں ادا کرتی ہے اور پنیر کے ٹکڑوں کا صدقہ کرتی ہے، لیکن کسی کو تکلیف نہیں دیتی، (اس کے بارے میں کیا خیال ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جنتی عورت ہے۔''

تخريج: رواه البخاري في "الأدب المفرد": ١١٩، وابن حبان: ٢٠٥٤، والحاكم: ٤/ ١٦٦، وأحمد: ٢/ ٤٤٩، واسحاق بن راهويه: ٤/ ٣٦/ ٢، والبزار: ١٩٠٢ ـ الكشف، وأبوبكر محمد بن أحمد المعدل في "الأمالي": ٦/ ١ ـ ٢، والخرائطي في "مساوىء الأخلاق": ١٧٧/ ٣٧٩

شرح:...... اس حدیث میں ہمسائیوں کے ساتھ خوش سلوکی اور بد سلوکی کو جنت اور جہنم کے لیے معیار قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن و حدیث میں ہمسائیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

بہترین پڑوسی اور بہترین دوست کا انجام

(٢٨٣٠)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوْعاً: ((خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَاللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ، وَخَيْرُ الْجِيْرَانِ عِنْدَاللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ.)) (الصحيحة:١٠٣)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے ہاں، ساتھیوں میں سب سے بہتر ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہو اور پڑوسیوں میں سب سے بہتر پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے حق میں بہتر ہو۔''

تخريج: رواه الترمذي: ١/ ٣٥٣، والدارمي: ٢/ ٢١٥، والحاكم: ٤/ ١٦٤، وأحمد: ٢/ ١٦٨، وابن بشران في "الأمالي": ١٤٣/ ١

شرح:...... حدیث مبارکہ میں ساتھی کا لفظ عام ہے، جو سفر و حضر کے ساتھی کو شامل ہے، یعنی ہر وہ شخص آپ کے حسن سلوک کا مستحق ہے، جس سے کسی نہ کسی انداز میں آپ کا واسطہ پڑے، مثلا ہم جماعت، ہم سفر اور ایک دفتر میں کام کرنے والے لوگ، وغیرہ۔ جب اللہ تعالی نے سورۂ نسا کی آیت (٣٦) میں مختلف قسم کے انسانوں کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا تو وہاں پڑوسیوں کی تین قسمیں ذکر کیں: (١) رشتہ دار پڑوسی، (٢) اجنبی پڑوسی اور (٣) پہلو کے ساتھی یعنی ساتھ بیٹھنے والے۔

شریعت مطہرہ نے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی بہت تاکید کی ہے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَازَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ.)) (بخاري، مسلم) ...... ''حضرت جبریل مجھے پڑوسی کے (ساتھ حسن سلوک کرنے) کی ہمیشہ تاکید کرتے رہے، حتی کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ وہ اسے وراثت میں بھی شریک ٹھہرا دیں گے۔''

اس سے بڑی کیا منقبت ہو سکتی ہے کہ جو دنیا میں اپنے پڑوسی کے حق میں اچھا ہے، اس کو آخرت میں اللہ تعالیٰ کا پڑوس نصیب ہوگا۔

مومن قبیح خصائل سے پاک ہوتا ہے

(۲۸۳۱)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ، وَلَا بِاللَّعَّانِ، وَلَا بِالْفَاحِشِ، وَلَا بِالْبَذِيْءِ۔)) (الصحيحة:۳۲۰)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہ مومن طعنہ زنی کرنے والا ہوتا ہے اور نہ لعنت کرنے والا اور نہ فحش بکنے والا ہوتا ہے اور نہ فضول گوئی اور زبان درازی کرنے والا ہوتا ہے۔''

تخريج:أخرجه الامام أحمد: ۱/ ۴۰۴-۴۰۵، وابن ابی شيبة فی "كتاب الايمان": ۸۰ بتحقيقی، ومن طريق ابن ابی شيبه اخرجه البخاری فی "الادب المفرد": ۳۳۲، ورواه الترمذی: ۱/ ۳۵۷، والحاكم: ۱/ ۱۲، وابو نعيم فی "الحلية": ۴/ ۲۳۵، ۵/ ۵۸

شرح:...... متانت، سنجیدگی، وقار اور ٹھہراؤ، باایمان لوگوں کا زیور ہے، ان کے چال چلن، اٹھک بیٹھک، قول و کردار اور بول چال غرضیکہ ہر چیز میں اعتدال ہوتا ہے، جبکہ حدیث میں مذکورہ خصائل ذمیمہ ایمان اور اعتدال کے منافی امور ہیں، اس لیے مومن کو ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

مہمان کی میزبانی فرض ہے

(۲۸۳۲)۔ عَنْ أَبِی كُرَيْمَةَ الشَّامِیِّ مَرْفُوعاً: ((لَيْلَةُ الضَّيْفِ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ أَصْبَحَ بِفِنَائِهِ فَهُوَ عَلَيْهِ دَيْنٌ إِنْ شَاءَ اقْتَضٰى وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ۔)) (الصحيحة:۲۲۰۴)

حضرت ابوکریمہ شامی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مہمان کی پہلے دن کی ضیافت ہر (میزبان) مسلمان پر حق ہے، کسی کے گھر آنے والے مہمان (کا حق) اس پر قرض ہوتا ہے، یہ مہمان کی مرضی ہے کہ وہ اپنے حق کا مطالبہ کرے یا نہ کرے۔''

تخريج: أخرجه البخاری فی "الأدب المفرد":۷۴۴، وأبوداود:۲/ ۱۳۷، وابن ماجه: ۲/ ۳۹۲، والطحاوی فی "المشكل":۴/ ۳۹، وأحمد:۴/ ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۳، وتمام:۲۵۰/ ۲، وابن عساكر:۱۷/ ۷۷/ ۲

شرح:...... میزبانی، مہمان کا حق ہے۔ میزبان کو چاہیے کہ خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا استقبال کرے اور حسبِ استطاعت اور خوش دلی سے اس کی مہمان نوازی کا حق ادا کرے۔ سیدنا خویلد بن عمرو خزاعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ جَائِزَتَهٗ۔)) ...... ''جو آدمی اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے مہمان کی عزت کرتے ہوئے اس کا حق ادا کرنا چاہیے۔'' صحابہ نے

پوچھا: اس کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((یَوْمُهُ وَ لَیْلَتُهُ وَالضِّیَافَةُ ثَلَاثَةُ أَیَّامٍ، فَمَا کَانَ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ عَلَیْهِ۔)) ...... ''ایک دن اور رات (طاقت کے مطابق بہترین کھانا کھلایا جائے)، ویسے ضیافت تین دن تک ہوتی ہے، اس کے بعد مہمان پر صدقہ ہوگا۔'' (بخاری: ٦٠١٩، مسلم: ١٧٢٧)

معلوم ہوا کہ مہمان کے لیے پہلے دن اور رات عمدہ کھانے کا اہتمام کیا جائے، اس کے بعد دو دن مزید معمول کے مطابق مہمان نوازی کی جائے، تین دنوں کے بعد میزبانی بطورِ صدقہ ہوگی۔

اگر شریعت نے میزبان کو میزبانی کا پابند ٹھہرایا ہے تو مہمان کو بھی بعض امور کا پابند کیا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یُقِیْمَ عِنْدَ أَخِیْهِ حَتّٰی یُؤْثِمَهُ۔)) ...... ''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے پاس اتنا زیادہ ٹھہرے کہ وہ اسے گناہ گار کر دے۔'' صحابہ نے پوچھا: وہ اس کو گناہ گار کیسے کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((یُقِیْمُ عِنْدَهُ وَلَا شَیْءَ لَهُ یَقْرِیْهِ بِهِ۔)) ...... ''وہ اس کے پاس ٹھہرا رہے اور اس کے پاس کوئی چیز نہ رہے جس کے ساتھ وہ اس کی مہمان نوازی کرے۔'' (مسلم: ۱۷۲۷)

میزبانی میں زیادہ تکلف نہ کیا جائے

(٢٨٣٣)۔ عَنْ سَلْمَانَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: ((لَا یَتَکَلَّفَنَّ أَحَدٌ لِضَیْفِهِ مَا لَا یَقْدِرُ عَلَیْهِ۔)) (الصحیحة: ٢٤٤٠)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کوئی آدمی مہمان کے لیے اپنی استطاعت سے بڑھ کر تکلف نہ کرے۔''

تخریج: أخرجه أبو نعیم فی "أخبار أصبهان": ١/ ٥٦، والخطیب فی "التاریخ": ١٠/ ٢٠٥، و الدیلمی: ٤/ ٢/ ١٩٧، وروی الحاکم: ٤/ ١٢٣ نحوه

شرح:...... اسلام سادگی اور حقیت پر مبنی مذہب ہے، اس میں تکلف و تصنع اور خوشامد و چاپلوسی کی کوئی گنجائش نہیں، جہاں شریعت نے مہمان کی میزبانی کو فرض قرار دیا ہے، وہاں تکلف سے بچنے کی بھی تلقین کی ہے، تاکہ کوئی آدمی مہمان کی خدمت کو بوجھ نہ سمجھے اور میزبان کے غریب ہونے کی صورت میں گھر کے افراد کے کھانے پینے کا سلسلہ متاثر نہ ہو۔

(٢٨٣٤)۔ عَنْ شَقِیْقٍ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَصَاحِبٌ لِّی عَلٰی سَلْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَرَّبَ إِلَیْنَا خُبْزاً وَمِلْحاً، فَقَالَ: لَوْلَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهَانَا عَنِ التَّکَلُّفِ لَتَکَلَّفْتُ لَکُمْ۔ فَقَالَ صَاحِبِی: لَوْ کَانَ فِی مِلْحِنَا سَعْتَرٌ، فَبَعَثَ بِمِطْهَرَتِهِ إِلَی

شقیق کہتے ہیں کہ میں اور میرا ایک دوست حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، انھوں نے (بطورِ میزبانی) روٹی اور کوئی نمکین چیز پیش کی اور کہا: اگر رسول اللہ ﷺ نے تکلف سے منع نہ کیا ہوتا تو میں تمھاری خاطر میں تکلف کرتا۔ میرے دوست نے کہا: اگر نمکین ڈش میں پہاڑی پودینہ ڈال دیا جاتا (تو بہت اچھا ہوتا)۔ انھوں نے کوئی لوٹا نما برتن بطور گروی

الْبَقَّالِ، فَرَهَنَهَا، فَجَاءَ بِسَعْتَرٍ، فَأَلْقَاهُ فِيْهِ، فَلَمَّا أَكَلْنَا قَالَ صَاحِبِي: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي قَنَّعَنَا بِمَا رَزَقَنَا۔ فَقَالَ سَلْمَانُ: لَوْ قَنَعْتَ بِمَا رُزِقْتَ لَمْ تَكُنْ مِطْهَرَتِي مَرْهُوْنَةٌ عِنْدَ الْبَقَّالِ۔ (الصحيحة: ٢٣٩٢)

سبزی فروش کی طرف بھیجا اور پودینہ منگوایا۔ جب ہم کھانا کھا چکے تو میرے دوست نے کہا: ساری تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اس رزق پر قناعت کرنے کی توفیق بخشی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تو نے اپنے رزق پر قناعت کی ہوتی تو میرا برتن سبزی فروش کے پاس گروی نہ پڑا ہوتا۔

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ١٢٣، وابن: ١٥٤، ١٥٥

شرح:...... آپ ﷺ نے تکلف کرنے سے منع فرمایا، صحابۂ کرام اس کا مفہوم یہ سمجھے تھے کہ گھر میں جو موجود ہے، اسے مہمان کی میزبانی کے لیے کافی سمجھا جائے اور مہمان کو چاہیے کہ ماحضر پر قناعت کرے اور اپنی پسند کی کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے۔ ہاں اگر اصرار کے ساتھ کسی سے اس کی پسند کے متعلق پوچھا تو اظہار کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

ہم لوگ حقیقی باہمی محبت سے محروم ہیں، قرابتداروں کے حقوق سے غافل ہیں اور ظاہری رکھ رکھاؤ کو بڑی ترجیح دیتے ہیں، ہمیں چاہیے کہ ''شرمو کو شرمی'' کا ضابطہ ترک کر دیں اور مسلمانوں سے بحیثیت مسلمان تعلق رکھیں اور ہر معاملے میں اعتدال برتیں۔ مثلا اگر گرمی کے موسم میں آنے والے مہمان کو بازار سے قیمتی مشروب خرید کر پلانے کی استطاعت نہ ہو، تو گھر میں تیار کی جانے والی شکنجبین وغیرہ پلا دی جائے، تاکہ مہمان بھی سیراب ہو جائے اور میزبانی کا حق بھی پورا ہو جائے۔ یہی معاملہ کھانے وغیرہ کا ہے۔

نقالی کرنا ناپسندیدہ ہے

(٢٨٣٥)۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ذَهَبْتُ أَحْكِي امْرَأَةً وَرَجُلاً عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا أُحِبُّ أَنِّي حَكَيْتُ أَحَداً وَأَنَّ لِي كَذَا وَكَذَا۔)) (الصحيحة: ٩٠١)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک مرد کی موجودگی میں ایک عورت کی نقل اتارنے لگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں پسند نہیں کرتا کہ کسی کی نقالی کروں، اگرچہ اس کے عوض میں مجھے بہت کچھ دیا جائے۔''

تخريج: رواه ابن المبارك في "الزهد": ١٨٩/ ٥ من الكواكب ٥٧٥/ ٧٤٢، واخرجه ابوداود: ٥/ ١٩٢/ ٤٨٧٥، واحمد: ٦/ ١٢٨، ٤٣٦، ٣٠٦۔

شرح:...... اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حقارت آمیز انداز میں ایک عورت کی نقل اتارنا چاہی، آپ ﷺ کے جواب کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اس سے کوئی خوشی نہیں ہوتی کہ آپ کسی کے عیب کا تذکرہ کریں یا از راہِ تنقیص کسی کے فعل یا قول کی نقالی کریں۔

صبر عظیم نعمت ہے

(٢٨٣٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((مَا رُزِقَ عَبْدٌ خَيْراً لَهُ وَلَا أَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ۔)) (الصحيحة:٤٤٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بندے کو کوئی ایسی چیز عطا نہیں کی گئی جو اس کے لیے صبر کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور وسعت والی ہو۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ٢/ ٤١٤

شرح:...... صبر کی تین اقسام ہیں:

(۱) اللہ تعالی اور اس کے رسول کی اطاعت پر صبر کرنا

(۲) اللہ تعالی اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کرنے پر صبر کرنا

(۳) اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہونے والے مصائب اور آزمائشوں پر صبر کرنا

اس معنی میں ہر نیکی کرنے اور ہر برائی سے بچنے کا سرچشمہ صبر ہے۔ اگر کوئی حقیقی صابر بن جائے تو اس پر تمام شرعی احکام کے تقاضے پورے کرنا آسان ہو جاتے ہیں۔

صبر کی عاقبت اور بے صبری کا انجام

(٢٨٣٧)۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ، وَمَعَهُ أَصْحَابُهُ، وَقَعَ رَجُلٌ بِأَبِي بَكْرٍ فَآذَاهُ، فَصَمَتَ عَنْهُ أَبُوْ بَكْرٍ، ثُمَّ آذَاهُ الثَّانِيَةَ فَصَمَتَ عَنْهُ أَبُوْبَكْرٍ، ثُمَّ آذَاهُ الثَّالِثَةَ، فَانْتَصَرَ مِنْهُ أَبُوْ بَكْرٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ انْتَصَرَ أَبُوْ بَكْرٍ، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: أَوَجدتَّ عَلَيَّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: ((نَزَلَ مَلَكٌ مِنَ السَّمَاءِ يُكَذِّبُهُ بِمَا قَالَ لَكَ، فَلَمَّا انْتَصَرْتَ وَقَعَ الشَّيْطَانُ، فَلَمْ أَكُنْ لِأَجْلِسَ إِذْ وَقَعَ الشَّيْطَانُ۔)) (الصحيحة:٢٣٧٦)

سعید بن میب کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی آپ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ایک آدمی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر طعن کیا اور انھیں تکلیف دی۔ ابوبکر صدیق خاموش رہے، اس نے دوسری دفعہ تکلیف دی، ابوبکر خاموش رہے، جب (وہ باز نہ آیا اور) اور تیسری دفعہ اذیت پہنچائی تو ابوبکر صدیق نے بھی انتقام لیا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے میری بات محسوس کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا تھا، جو اس کو جھٹلاتا رہا، جب تو نے انتقام لیا تو شیطان گھس آیا، اب میں ایسی مجلس میں تو نہیں بیٹھ سکتا جس میں شیطان دخل اندازی کر رہا ہو۔''

تخريج: أخرجه أبو داود:٢/ ٣٠٠

شرح:...... شریعت نے انتقامی کاروائی کرنے کی گنجائش دی ہے، بہرحال روحِ اسلام یہ ہے کہ گالی گلوچ، سب

وشتم اور لعن طعن کا جواب ہنسی و مسکراہٹ کے ساتھ اور ظلم و ستم کا جواب فضل و احسان کے ساتھ دیا جائے، یہ انداز حیات باہمی محبت کو فروغ دینے میں اور دشمنوں کو دوست بنانے میں بے حد معاون ثابت ہوتا ہے۔ رہا مسئلہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی عالی ظرف اور صاحب فضل شخصیات کا، چونکہ اسلام نے ان کے کندھوں پر سہارا لیا ہے، اس لیے اسلام ہر وقت ان کی نگہداشت کرتا ہے اور ان کو ہر اس قول و فعل سے روک کر رکھتا ہے، جس سے ان کی شخصیت متاثر ہوتی ہو۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دوسروں پر جملے کستے ہیں اور ان کو نشانۂ تنقید بناتے ہیں، فرشتے ان کی تکذیب کر رہے ہوتے ہیں اور جو مظلوم صبر و برداشت سے متصف ہو کر انتقامی کاروائی کرنے سے باز رہتے ہیں، وہ اللہ تعالی کے ہاں اپنی رفعت و منزلت میں اضافہ کروا لیتے ہیں۔

تعظیماً کھڑے ہونا کیسا ہے؟

(٢٨٣٨)۔ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ، قَالَ: دَخَلَ مُعَاوِيَةُ بَيْتاً فِيْهِ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ، فَقَامَ ابْنُ عَامِرٍ وَثَبَتَ ابْنُ الزُّبَيْرِ، وَكَانَ أَدْرَبَهُمَا، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: اِجْلِسْ يَا ابْنَ عَامِرٍ! فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ النَّاسُ قِيَاماً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔)) (الصحيحة:٣٥٧)

ابومجلز کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک گھر میں داخل ہوئے، اس میں حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ابن عامر کھڑے ہو گئے اور ابن زبیر، جو زیادہ سنجیدہ اور باوقار تھے، بیٹھے رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ابن عامر! بیٹھ جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''جو یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کر لے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب" ٩٧٧، وأبوداود: ٥٢٢٩، والترمذي: ٢/ ١٢٥، والطحاوي في "مشكل الآثار": ٢/ ٤٠ واللفظ له، وأحمد: ٤/ ٩٣و١٠٠، والدولابي في "الكنى": ١/ ٩٥، والمخلص في "الفوائد المنتقاة": ١٩٦/ ٢، وعبد بن حميد في "المنتخب من المسند": ٥١/ ٢، والبغوي في "حديث علي بن الجعد": ٧/ ٦٩/ ٢، وأبونعيم في "أخبار أصبهان": ١/ ٢١٩

شرح:...... قارئین کرام! دراصل مسئلہ یہ ہے کہ کسی سے ملاقات کرنے کے لیے یا آنے والے کو کوئی سہولت مہیا کرنے کے لیے کھڑا ہونا درست ہے، لیکن محض تعظیماً کھڑے ہونا حرام ہے، جیسا کہ آجکل سکولوں میں استاد کی آمد پر طالب علم کھڑے ہو کر بیٹھ جاتے ہیں یا سیاسی لیڈروں کی آمد پر بھی عوام الناس کھڑے ہو کر ان کی تعظیم کا اظہار کرتے ہیں اور پھر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایسے کرنا ناجائز ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: یہ حدیث دو امور پر دلالت کرتی ہے:

(۱) باہر سے آنے والے کا یہ پسند کرنا کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں، حرام ہے۔ یہ اس حدیث کا انتہائی واضح مفہوم ہے اور کسی طرح محتاجِ بیان نہیں ہے۔

(۲) مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا باہر سے آنے والے کے لیے کھڑا ہونا بھی ناپسندیدہ اور مکروہ عمل ہے، اگرچہ وہ کھڑے ہونے کو ناپسند ہی کرتا ہو۔ کھڑا نہ ہونا آنے والے کے ساتھ خیر و بھلائی پر تعاون ہے اور برائی کا دروازہ بند کرنا ہے۔ یہ اس حدیث کا ذرا پیچیدہ اور مخفی مفہوم ہے، جس کی وضاحت راویٔ حدیث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی، اسی حدیث کی روشنی میں انھوں نے عبد اللہ بن عامر کے کھڑے ہونے پر انکار کیا۔ یہ ان کی فقاہت فی الدین، شرعی قواعد سے علم و آگہی اور بشری طبائع سے واقفیت تھی، وہ جانتے تھے کہ لوگ خیر و شر کے اسباب سے متاثر ہوتے ہیں۔ آپ تصور کریں کہ آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے لوگ کھڑے ہوں، جو کہ جہنم کا باعث ہے۔ دراصل جب یہی آدمی کسی کے لیے شعوری و لاشعوری طور پر کھڑا ہوتا تھا، اس وقت اس کو سمجھایا نہیں گیا۔ شروع شروع میں اس قیام کو معاشرے میں ایک عادت اور رواج سمجھ لیا جاتا ہے، لیکن جب اس کو استمراراً اپنایا جاتا ہے تو بعض لوگوں میں بھی یہ اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے کہ لوگ ان کے لیے بھی کھڑے ہوا کریں اور ایسا شوق مہلک ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر ہم نیکی اور تقوی کے امور میں ایک دوسرے کا تعاون کرنا چاہتے ہیں تو اس قیام کو سرے سے ترک کر دیں اور اس کو ناپسند کرنے والے شخص کے لیے بھی کھڑے نہ ہوں، کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے لیے کھڑا ہونے کا نتیجہ یہ نکلے کہ وہ بھی اس کا مشتاق بن جائے اور اگر ایسے ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اس کی ہلاکت میں تعاون کیا ہے، جو کہ ناجائز ہے۔

یہ مشاہدہ شدہ امور ہیں کہ بعض اہل علم کے بارے میں ظن غالب تو یہ ہوتا ہے کہ وہ پیکرِ اخلاق ہوں گے، لیکن جب وہ کسی فرد کو اپنے لیے کھڑا نہ ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو پیچ و تاب کھانے لگ جاتے ہیں اور بزعم خود ایسے فرد کو احترام کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے برکاتِ علم سے محرومی کی بشارت سنا دیتے ہیں۔ حیرانی اس بات پر ہے کہ بعض تو اپنے لیے کھڑے ہونے کی دعوت دیتے ہیں اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ تم لوگ ہمارے وجود کے اکرام میں نہیں، بلکہ ہمارے علم و معرفت کے احترام میں کھڑے ہوتے ہو۔ ان بیچاروں کی دلیل کا مطلب یہ ہوا کہ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت علم سے محروم تھی، کیونکہ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے یا یوں کہنا پڑے گا کہ صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا حق ادا نہیں کیا۔ بھلا کیا کوئی مسلمان اس طرح کہہ سکتا ہے؟

مذکورہ بالا اور دوسری احادیث کو بنیاد بنا کر اہل علم نے باہر سے آنے والے کے لیے کھڑا ہونے سے منع کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: امام مالک سے منقول روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک آنے والا بیٹھ نہ جائے، اس وقت تک اس کے لیے کھڑا رہنا منع ہے۔ ایک دفعہ ان سے سوال کیا گیا کہ ایک عورت اپنے خاوند کا احترام بجالانے میں

مبالغہ کرتی ہے، وہ اس کا استقبال کرتی ہے، اس کے کپڑے اتارتی ہے اور اس کے لیے کھڑی رہتی ہے، حتی کہ وہ بیٹھ جاتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: استقبال کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس کے بیٹھ جانے سے پہلے تک کھڑے نہیں رہنا چاہئے، کیونکہ ایسا کرنا جابروں اور متکبروں کا رویہ ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے بھی کھڑے ہونے کا انکار کیا ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: اس باب میں کوئی ایسی حدیث نہیں جو کھڑے ہونے کا جواز پیش کرے۔ بعض احادیث سرے سے نا قابل حجت ہیں اور جو صحیح ہیں، اگر غور وفکر کیا جائے تو ان سے کھڑے ہونے کا استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً آپ ﷺ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی آمد پر فرمایا تھا: ((قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ)) ...... ''اپنے سید کے لیے اٹھو۔'' لیکن سیاق وسباق پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سیدنا سعد غزوۂ خندق میں زخمی ہو گئے تھے، ان کو گدھے پر بٹھا کر لایا گیا تھا، جب وہ پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ فَاَنْزِلُوْهُ)) ...... ''اپنے سید کے لیے اٹھو اور اس کو گدھے سے اتارو۔''

اس طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ جب آپ ﷺ کا رضاعی بھائی آیا تو آپ ﷺ اس کے لیے کھڑے ہوئے اور اسے اپنے سامنے بٹھایا۔ یہ حدیث ضعیف اور معضل ہے، اس کے صحیح ہونے کی صورت میں بھی اس سے استدلال قابل نظر ہے۔ میں (سلسلة الاحادیث الضعیفة: ١١٤٨) میں اس کی مکمل وضاحت کر چکا ہوں۔

(صحیحه: ٣٥٧)

(٢٨٣٩)۔ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: مَاكَانَ فِي الدُّنْيَا شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ رُؤْيَةً مِن رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانُوْا إِذَا رَأَوْهُ، لَمْ يَقُوْمُوْا لَهُ، لِمَا كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذٰلِكَ۔ (الصحيحة:٣٥٨)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی بہ نسبت دنیا میں کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی کہ جس کا دیدار کرنا صحابۂ کرام کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔ لیکن جب صحابۂ کرام آپ ﷺ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ چیز آپ ﷺ کو ناگوار گزرتی ہے۔

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٩٤٦، والترمذي: ٢/ ١٢٥، والطحاوي في "مشكل الآثار": ٢/ ٣٩، وأحمد: ٣/ ١٣٢، وأبو يعلى في "مسنده": ١٨٣/ ٢، واللفظ له، وابن أبي شيبة: ٨/ ٥٨٦، والبيهقي في "الشعب": ٦/ ٤٦٩/ ٨٩٣٦

شرح: ...... یہ اس بحث میں ایک فیصلہ کن حدیث ہے، اس سے ہمارے شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے، اگر صحابہ کرام نے انتہائی عقیدت و چاہت کے باوجود نبی کریم ﷺ کے لیے محبت و تعظیم کا یہ انداز اختیار نہیں کیا، تو ہم اپنی مجالس میں اس کو کیوں ترجیح دیتے ہیں، اگر فخر دو عالم نے اپنی تعظیم کے لیے یہ اندازِ استقبال ناپسند کیا ہے تو ہم اس کو کیوں رواج دیتے ہیں۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والے کی تکریم کرتے ہوئے اس کی خاطر

کھڑے ہونا منع ہے، کیونکہ اگر اس انداز میں شرعی طور پر کوئی اکرام ہوتا تو آپ ﷺ اس کو اپنے حق میں ناپسند نہ کرتے، حالانکہ آپ ﷺ اکرام و احترام کے سب سے زیادہ مستحق تھے اور آپ ﷺ کے حق کو سب سے زیادہ پہچاننے والے صحابہ کرام تھے۔

اگر نبی کریم ﷺ نے اپنے لیے صحابہ کرام کے کھڑے ہونے کو ناپسند کیا ہے تو مسلمانوں کو بالعموم اور اہل علم کو بالخصوص یہی زیب دیتا ہے کہ وہ بھی آپ ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے اس کو اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی مکروہ سمجھیں، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ مِنَ الْخَيْرِ۔)) ......''تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک اپنے بھائی کے لیے خیر و بھلائی (والے وہی امور) پسند نہ کرے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔'' خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آدمی نہ کسی کے لیے کھڑا ہو اور نہ کسی کو اپنے لیے کھڑا ہونے دے۔ اگر مسلمانوں نے تعظیم کے اس انداز کو ناپسند نہ کیا تو لوگ اس کے عادی بن جائیں گے اور نتیجتاً اس کو اپنے حق میں پسند کرنے لگ جائیں اور جہنم کے مستحق ٹھہریں گے، جیسا کہ سابق حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ دیکھئے کہ رسول اللہ ﷺ کسی معصیت کو پسند کرنے سے معصوم تھے، لیکن اس کے باوجود اس چیز کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی ان کے لیے کھڑا ہو، تو ہم اس کو ناپسند کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ (صحیحہ: ۳۵۸)

نامناسب کام کا معیار

(٢٨٤٠)۔ عَنْ أُسَامَةَ بْنُ شَرِيْكٍ مَرْفُوْعاً: ((مَاكَرِهْتَ أَنْ يَرَاهُ النَّاسُ فَلَا تَفْعَلْهُ إِذَا خَلَوْتَ۔)) (الصحيحة: ١٠٥٥)

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خلوت میں ایسا کام نہ کر، جس کے بارے میں تیرا خیال ہے کہ لوگ تجھے ایسا کرتا نہ دیکھیں۔''

تخريج: رواه ابن حبان في "روضة العقلاء" صـ ١٢ـ ١٣، وأبوعبدالله الفلاكي في "الفوائد" ٩٠/ ١، وأبو طاهر بن قيداس في "مجلس من مجالس أبي القاسم اللالكائي: ٣/ ١٢٢/ ٢، والضياء في "المختارة" ١/ ٤٤٩، وابن حبان

شرح:...... گناہ تو گناہ ہی ہے، شریعت کے وضع کردہ قوانین کی روشنی میں اس کی معرفت یقینی ہے، لیکن اگر کوئی انسان سنجیدہ اور باوقار بننا چاہتا ہے تو یہ حدیثِ مبارکہ اس کی سب سے بڑی معاون ثابت ہوگی۔ ہم طبعی طور پر ظاہر پرست ہیں، بسا اوقات یہ طبعی مزاج اتنا غالب آ جاتا ہے کہ ہم عام انسانوں کے سامنے کسی گناہ کا ارتکاب کرنے سے شرماتے ہیں اور غیبی امور پر ایمان اتنا کمزور پڑ جاتا ہے کہ خلوت میں اسی معصیت کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالی کی طرف دھیان ہی نہیں کرتے۔ اس مزاجی اثر کو زائل کرنے کے لیے مذکورہ بالا حدیث میں ایک قانون بیان کیا گیا ہے۔

اگر ہم اپنے آپ کو کسی مقام و مرتبہ تک پہنچانا چاہتے ہیں تو نہ صرف جلوت و خلوت میں فرق ختم کرنا پڑے گا، بلکہ جلوت کی بہ نسبت خلوت کو زیادہ پاکیزہ بنانا پڑے گا۔

گھوڑے کو کھلانا بھی باعثِ اجر ہے

(٢٨٤١)۔ عَنْ شُرَحْبِيْلِ بْنِ مُسْلِمِ الْخَوْلَانِيِّ: أَنَّ رَوْحَ بْنَ زِنْبَاعٍ زَارَ تَمِيْماً الدَّارِيَ فَوَجَدَهُ يُنَقِّيْ شَعِيْراً لِفَرَسِهِ قَالَ: وَحَوْلَهُ أَهْلُهُ، فَقَالَ لَهُ رَوْحٌ: أَمَا كَانَ فِي هٰؤُلَاءِ مَنْ يَكْفِيْكَ؟ قَالَ تَمِيْمٌ: بَلٰى، وَلٰكِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَامِنِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يُنَقِّي لِفَرَسِهِ شَعِيْراً ثُمَّ يُعَلِّقُهُ عَلَيْهِ، إِلَّا كُتِبَ لَهُ بِكُلِّ حَبَّةٍ حَسَنَةٌ۔)) (الصحيحة:٢٢٦٩)

شرحبیل بن مسلم خولانی کہتے ہیں کہ روح بن زنباع، تمیم داری کی زیارت کے لیے ان کے پاس گئے، دیکھا کہ وہ گھوڑے کے لیے جو صاف کر رہے تھے اور ان کے اہل وعیال ان کے ارد گرد بیٹھے تھے۔ روح نے کہا: کیا (آپ کے اہل خانے میں) کوئی ایسا فرد نہیں جو یہ کام کر سکے؟ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''جو مسلمان اپنے گھوڑے کے لیے جو صاف کر کے اسے کھلائے گا، اس کے لیے ہر دانے کے بدلے نیکی لکھی جائے گی۔''

تخريج: أخرجه أحمد:٤/ ١٠٣، والطبراني في "مسند الشاميين":١٠٣

شرح:...... معلوم ہوا کہ چوپائیوں کی خدمت میں بھی اجر وثواب ہے۔

اللہ تعالی کے انعامات کا ذکر کرنا چاہیے

(٢٨٤٢)۔ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ أُبْلِيَ بَلَاءً فَذَكَرَهُ فَقَدْ شَكَرَهُ، وَإِنْ كَتَمَهُ فَقَدْ كَفَرَهُ۔)) (الصحيحة:٦١٨)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جسے کسی انعام سے نوازا گیا اور اس نے اس کا ذکر کیا تو اس نے اس کا شکریہ ادا کر دیا اور جس نے اسے چھپایا اس نے ناشکری کی۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٤٨١٤، وأبو نعيم في "أخبار أصبهان": ١/ ٢٥٩

شرح:...... اللہ تعالی کے انعامات کا تقاضا ہے کہ بوقتِ ضرورت ان انعامات کی نسبت منعمِ حقیقی کی طرف کی جائے اور اس کا شکریہ ادا کیا جائے۔ یہ بری عادت ہے کہ بہت کچھ ہونے کے باوجود ہر وقت حالات کے مندا ہونے کا تذکرہ کیا جائے۔ اس ضمن میں جب ہم سے ہماری صحت، بیوی بچوں، گھر بار اور کاروبار وغیرہ کی بابت دریافت کیا جائے تو جواب دیتے وقت اللہ تعالی کا تذکرہ ضرور کیا جائے، مثلا: الحمد للہ، اللہ تعالی کا بڑا شکر ہے، اس کی بڑی کرم نوازی ہے، اس نے بہت کچھ عطا کر رکھا ہے، اللہ تعالی کی توفیق سے بہت اچھا گزارا ہو رہا ہے۔

اگر اس سلسلے میں ہم آزمائشوں میں مبتلا ہو جائیں تو ان کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنا چاہئے اور ان پر بھی اللہ تعالی کی حمد وثنا بیان کرنی چاہئے اور کوشش کرنی چاہیے کہ بدحالی کو لوگوں سے مخفی رکھا جائے۔

والدین کے بعد ان کے تعلق داروں سے حسن سلوک کرنا

(٢٨٤٣)۔ عَنْ أَبِی بُرْدَةَ، قَالَ: قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَأَتَانِي عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَقَالَ: أَتَدْرِيْ لِمَ أَتَيْتُكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا۔ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَصِلَ أَبَاهُ فِی قَبْرِهٖ، فَلْيَصِلْ إِخْوَانَ أَبِيْهِ بَعْدَهُ۔)) وَإِنَّهُ كَانَ بَيْنَ أَبِي عُمَرَ وَبَيْنَ أَبِيْكَ إِخَاءٌ وَوُدٌّ، فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَصِلَ ذٰلِكَ۔ (الصحيحة:١٤٣٢)

حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں مدینہ منورہ آیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کے پاس کیوں آیا ہوں؟ میں نے کہا: نہیں۔ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: ''جو اپنے فوت شدہ باپ سے حسنِ سلوک کرنا چاہتا ہے، وہ اس کے بعد اس کے (اسلامی) بھائیوں سے صلہ رحمی کے (تقاضے) پورے کرے۔'' میرے باپ عمر اور تیرے باپ کے مابین بھائی چارہ اور محبت تھی، میں نے چاہا کہ اس کے تقاضے پورے کروں۔

تخریج: أخرجه أبويعلي: ٣/ ١٣٦١۔ مصورة المكتب. وابن حبان: ٢٠٣١، وأخرج مسلم والبخاری فی "الادب المفرد": ٤١ نحوه

شرح:...... والدین کے ساتھ اچھے برتاؤ کا یہ تقاضا ہے کہ ان کے بعد ان کے تعلق داروں سے حسن سلوک والا معاملہ کیا جائے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان احادیث کے تقاضے پورے کرتے ہوئے ایک دیہاتی آدمی کو سلام کیا، اسے اپنے گدھے پر سوار کیا اور اپنا عمامہ اس کے سر پر رکھ دیا۔ کچھ لوگوں نے اس رویے پر یہ اعتراض کیا: ابن عمر! آپ کا بھلا ہو، یہ دیہاتی لوگ ہیں اور معمولی سی چیز پر راضی ہو جاتے ہیں، ان کی اتنی تکریم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ انھوں نے کہا: دراصل بات یہ ہے کہ یہ دیہاتی میرے باپ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دوست تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ((إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيْهِ)) ......''سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ نیکی کرے، (یعنی باپ کی محبت اور دوستی کو نبھائے)۔'' (مسلم: ٢٥٥٢)

مُکملاتِ ایمان

(٢٨٤٤)۔ عَنْ أَبِی أُمَامَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ وَأَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ، فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ۔)) (الصحيحة:٣٨٠)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے بغض رکھا اور اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے روکے رکھا، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔''

تخریج: أخرجه أبوداود: ٤٦٨١، وابن عساكر فی "تاريخ دمشق": ٦/ ١٦/ ٢، ٩/ ٣٩٦/ ٢

شرح:...... ایمان کا مزہ اور شیرینی اس میں ہے کہ کسی کے ساتھ محبت و مودّت یا نفرت و عداوت یا تحائف و

ہدایات کا سلسلہ، غرضیکہ سب کچھ اللہ تعالی کی ذات کو مدنظر رکھ کر کیا جائے۔ محبت کی بنیاد میں اللہ تعالی کا نام ہو، نہ کہ قرابت داری ورشتہ داری، حسن و جمال اور برادری و ذات کارفرما ہو۔ یہی معاملہ نفرت کا ہے۔ مومن کی پسند وہی ہوتی ہے جو اللہ تعالی کی چاہت ہوتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنی دوستی و دشمنی کا معیار احکامِ شریعت کو قرار دیں۔

لیکن افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں احترام و اکرام، مودّت و محبت، دوستی و یاری اور تحفہ و ہدیہ کا معیار کسی کا ایمان و ایقان اور اسلام و استسلام نہیں رہا، بلکہ ہم یا تو اپنے بڑوں کی یاریوں کو برقرار رکھیں گے یا پھر کسی کے مال و منال اور جاہ و منصب کو کسوٹی بنائیں گے۔ فقر و فاقہ اور تنگ دستی و بدحالی میں مبتلا لوگوں سے ملاقات کرتے وقت تو ہمارے چہروں پر مسکراہٹ کا اظہار ہی نہیں ہوسکتا، لیکن جب کوئی دنیا دار اور جاگیردار ہمارے گھر کا رخ کرے گا تو اس کو خوش آمدید کہنے کے لیے پرتکلف انداز اختیار کیا جائے گا اور حیثیت سے بڑھ کر اس کی ضیافت کی جائے گی۔ بہرحال ایسا کرنا کسی انسان کا بحیثیتِ انسان کوئی کمال نہیں۔

احسان کا بدلہ چکانا
جھوٹ کے دو کپڑے پہننے کا مفہوم

(٢٨٤٥)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ، وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ فَإِنَّ مَنْ أَثْنٰى فَقَدْ شَكَرَ، وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ، وَمَنْ تَحَلّٰى بِمَا لَمْ يُعْطَهُ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ۔)) (الصحيحة:٦١٧)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی کو کوئی عطیہ دیا جائے اور وہ مالدار ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ بدلہ دے اور اگر اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ تعریف کر دے، کیونکہ جس نے تعریف کی اس نے شکریہ ادا کر دیا اور جس نے بات چھپا دی، اس نے ناشکری کی اور وہ آدمی دو جعلی کپڑے پہننے والے کی طرح ہے جو (تکلف کرتے ہوئے) ایسی چیز کا اظہار کرتا ہے، جو اسے عطا نہیں کی گئی۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٤٨١٣، والترمذي: ١/ ٣٦٥

شــرح:...... حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ مسلمان کو صرف اکٹھا کرنے کی ہی فکر نہیں ہونی چاہیے، بلکہ حسبِ استطاعت تحائف و ہدایا کا جواب دینا چاہیے، اگر ایسا کرنے کی ہمت نہ ہو تو واضح انداز میں ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ حدیث کے آخری جملے کا مفہوم سمجھنے کے لیے درج ذیل روایت پر غور کریں:

سیدہ اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری ایک سوکن ہے، اگر میں اس کے سامنے (خاوند کی طرف سے) ایسی چیز کے ملنے کا اظہار کروں جو اس نے مجھے نہیں دی، تو کیا میں گناہ گار ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ۔)) ...... ''جو ایسی چیز کا اظہار کرتا ہے، جو

درحقیقت اسے دی نہیں جاتی، تو وہ جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہوگا۔'' (بخاری: ٥٢١٩، مسلم: ٢١٣٠)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان ظاہری طور پر ایسی صلاحیتوں کا اظہار کرے، جو درحقیقت میں اس میں نہ پائی جاتی ہوں، یہ اظہار اپنی زبان کے ذریعے ہو یا کسی کی زبان کے ذریعے یا زبانِ حال سے۔ مثلا: زاہدوں، عبادت گزاروں اور پرہیزگاروں کی وضع قطع اختیار کر کے تقوی و پارسائی اور زہد وعبادت کا اظہار کرنا، جبکہ دل اس کیفیت سے خالی ہو، دوسرے لوگوں کے قیمتی کپڑے زیب تن کر کے ان کے ذریعے اپنے جمال و کمال کا اظہار کرنا، جیسا کہ ہمارے معاشرے کی عورتوں میں یہ بیماری عام ہے، کسی کی یا کرائے کی گاڑی لے کر اپنی مالداری کا اظہار کرنا، یہی معاملہ زیورات اور موبائل وغیرہ کا ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر دلہن کے لیے کرائے پر یا کسی سے بطورِ عاریہ لیا گیا قیمتی لہنگا اپنا ظاہر کرنا اور آرٹی فشل زیورات کو اصل ظاہر کرنا جھوٹ کے دو کپڑے پہننے کے مترادف ہے۔ اسی طرح اپنی زبان یا کسی کے ذریعے اپنے آپ میں ایسی صفات کا اظہار کرنا، جو اس میں نہ ہوں، اسی قبیل کی بات ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالی کی تقدیر پر راضی ہونا چاہیے اور صرف ان صلاحیتوں کو منظرِ عام پر لانا چاہیے، جن سے وہ درحقیقت متصف ہو۔ واللہ اعلم۔

مسجد کے آداب

(٢٨٤٦)۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ أَكَلَ مِنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ الْخَبِيْثَتَيْنِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا، فَإِنْ كُنْتُمْ لَا بُدَّ آكِلِيْهِمَا فَأَمِيْتُوْهُمَا طَبْخًا۔)) (الصحيحة:٣١٠٦)

معاویہ بن قرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی ان دو ناپسندیدہ (اور اذیت رساں پیاز اور لہسن کے) درختوں کا پھل کھا لے، وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔ اگر تم نے (یہ چیزیں) کھانی ہی ہوں تو پکا کر ان کی بدبو کو زائل کر دیا کرو۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٣٨٢٧، والنسائي في "السنن الكبرى": ٤/ ١٥٨/ ٦٦٨١، والطحاوي في "شرح المعاني": ٢/ ٣٣٨، والبيهقي في "السنن": ٣/ ٧٨ و"الشعب": ٥/ ١٠٥/ ٥٩٦٢، وابن عدي في "الكامل": ٣/ ٢٠۔ ٢١، وأحمد: ٤/ ١٩، والطبراني في "العجم الكبير": ١٩/ ٣٠/ ٦٥

شرح: ...... اس مسئلے میں مزید دو احادیث ذہن نشین کر لیں:

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب وہ کسی آدمی سے پیاز اور لہسن کی بو محسوس کرتے تو اسے بقیع کی طرف نکل جانے کا حکم دے دیتے۔ (مسلم: ٥٦٧)

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پیاز اور گندھنا کھانے سے منع فرمایا، لیکن ہم پر ہماری ضرورت غالب آ گئی اور ہم یہ کھاتے رہے، بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذّٰى مِمَّا يَتَأَذّٰى مِنْهُ الْإِنْسُ۔)) (مسلم: ٥٦٤)...... ''جو

آدمی اس بدبودار درخت (کا پھل) کھا لے تو وہ کسی صورت میں ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، کیونکہ فرشتے ہر اس چیز سے تکلیف محسوس کرتے ہیں، جس سے انسان تکلیف محسوس کرتا ہے۔''

گندھنا سے مراد ایک بدبودار قسم کی سبزی ہے، جس کی بعض قسمیں پیاز اور بعض لہسن کے مشابہ ہوتی ہیں اور بعض کے سرے نہیں ہوتے، اس کو عربی میں ''اَلْکُرَّاث'' کہتے ہیں۔

اتنی واضح نصوص کے باوجود اکثر مسلمانوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی زبان کے ''چسکے'' کی خاطر ان احکام نبوی سے غفلت برت جاتے ہیں۔

اس سے ملتی جلتی بات یہ بھی ہے کہ بعض لوگ جب مسجد میں جاتے ہیں تو ان کے جسموں، بغلوں اور جرابوں سے بدبو آ رہی ہوتی ہے، نیز مسواک یا ٹوتھ برش نہ کرنے کی وجہ سے ان کے منہ سے بھی گندی بو آ رہی ہوتی ہے، اسی طرح بعض لوگ سگریٹ نوشی اور حقہ نوشی کے فوراً بعد مسجد میں گھس جاتے ہیں اور نمازیوں اور فرشتوں کے لیے باعث تکلیف ٹھہرتے ہیں، نسوار استعمال کرنے والوں کی بھی یہی صورتحال ہے، جبکہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (سورۂ اعراف: ۳۱) .... ''اے اولادِ آدم! تم مسجد میں ہر حاضری کے وقت زیب و زینت اختیار کر لیا کرو۔''

ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالی کے گھروں میں حاضری دیتے وقت جسم اور کپڑوں کی صفائی کا اہتمام کیا کریں، اس معاملے میں عطریات کا استعمال بہت خوب رہے گا۔

جاہلیت والی نسبتوں کی طرف منسوب ہونے والے کو کیا کہا جائے

(٢٨٤٧)۔ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلاً يَقُوْلُ: يَا آلَ فُلَانٍ! فَقَالَ لَهُ: أُعْضُضْ بِهَنِ أَبِيْكَ وَلَمْ يَكْنِ فَقَالَ لَهُ: يَا أَبَا الْمُنْذِرِ! مَاكُنْتَ فَحَّاشاً! فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ تَعَزّٰى بِعَزَى الْجَاهِلِيَّةِ، فَأَعِضُّوْهُ بِهَنِ أَبِيْهِ وَلَا تَكْنُوْا۔)) (الصحيحة:٢٦٩)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ایک آدمی کو یوں کہتے ہوئے سنا: اوفلاں کی آل! تو میں نے اس سے کہا تو اپنے باپ کی شرمگاہ کو چبائے، میں نے یہ بات کنایہ کرتے ہوئے نہیں کہی (بلکہ وضاحت کے ساتھ کی)۔ اس آدمی نے کہا اے ابو المنذر: تو فحش گو تو نہیں تھا (تجھے کیا ہوا)؟ میں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''جو جاہلیت والی نسبتوں کی طرف منسوب ہوا، تو اشارہ کنایہ کئے بغیر اسے کہو کہ تو اپنے باپ کی شرمگاہ چبائے۔''

تخريج: رواه البخاري في "الأدب المفرد": ٩٦٣، والنسائي في "السير" من "السنن الكبرى" له: ١/ ٣٦/ ١۔٢، وأحمد في "المسند": ٥/ ١٣٦، وأبو عبيد في "غريب الحديث": ٢٢/ ٢، ٥٣/ ١، وابن مخلد في "الفوائد": ٣/ ١، والهيثم بن كليب في "مسنده": ١٧٨/ ١، والطبراني في "المعجم الكبير":

٢/٢٧، والبغوی فی "شرح السنة": ٤/ ٩٩/ ٢، والضياء المقدسی فی "الأحاديث المختارة": ١/ ٤٠٧

شـــرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: خلیفۂ رسول سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ نے اس حدیث پر عمل کیا اور کہا: جو بندہ اپنے قبائل پر فخر کرے، تو اسے کہہ دیا کرو کہ وہ اپنے باپ کی شرمگاہ چبائے۔ (ابن ابی شیبہ)۔ (صحیحہ: ٢٦٩)

شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک کسی فرد کے اعزاز و اکرام کی بنیاد اس کے تقوی پر ہے۔ جو جتنا متقی ہو گا وہ اتنا ہی معزز و مکرم ہو گا۔

قبلہ کی سمت میں تھوکنا کیسا ہے؟

(٢٨٤٨)۔ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنُ الْيَمَانِ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ تَفَلَ تُجَاهَ الْقِبْلَةِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَتَفْلَتُهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ۔)) (الصحيحة:٢٢٢)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے قبلہ کی سمت میں تھوکا، وہ روزِ قیامت اس حال میں آئے گا کہ اس کی تھوک اس کی آنکھوں کے درمیان ہو گی۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٣/ ٤٢٥۔عون، وابن حبان فی "صحيحه": ٣٣٢، من طريق ابن خزيمة، وهذا فی "صحيحه": ١٣١٤

شـــرح:...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ کی طرف تھوکنا حرام ہے، تھوکنے والا مسجد میں ہو یا کسی اور مقام پر، وہ نماز کی حالت میں ہو یا کسی دوسری حالت میں۔ امام صنعانی نے یہی بات کرتے ہوئے (سبل السلام: ١/ ٢٣٠) میں کہا: امام نووی نے ہر حالت میں قطعی طور پر قبلہ کی سمت تھوکنے کو ممنوع قرار دیا ہے، تھوکنے والا نماز میں ہو یا نماز سے خارج اور وہ مسجد میں ہو یا مسجد سے خارج۔

میں (البانی) کہتا ہوں: یہ مسلک درست اور واضح ہے۔ بے شمار احادیث میں نماز کی حالت میں قبلہ کی طرف تھوکنے سے منع کیا گیا ہے، یہ احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دوسری کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔ میں نے صحیحہ میں اس باب والی حدیث کو ترجیح دی ہے، کیونکہ یہ نادر ہے اور قلیل لوگوں کے علم میں ہے۔ نیز اس حدیث میں شرف والے گھر کعبۃ اللہ کا بہت بڑا ادب بیان کیا گیا ہے۔ لیکن عوام تو عوام، خواص بھی اس ادب سے غافل ہیں اور میں نے کئی ائمۂ مساجد کو مساجد کی کھڑکیوں سے قبلہ کی سمت میں تھوکتے دیکھا ہے۔ (صحیحہ: ٢٢٢)

جانداروں سے رحم دلی سے پیش آنے کا صلہ

(٢٨٤٩)۔ عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ رَحِمَ وَلَوْ ذَبِيْحَةَ عُصْفُوْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة:٢٧)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے رحم کیا، اگرچہ معاملہ چڑیا کو ذبح کرنے کا ہی ہو، اللہ تعالی روزِ قیامت اس پر رحم فرمائے گا۔''

تخريج: رواه البخاری فی "الأدب المفرد": ٣٧١، وتمام فی "الفوائد": ق١٩٤/ ١، والبيهقی فی

"الشعب": ٣/ ٣/ ١٤٥/ ١، والطبراني في "الكبير": ٧٩١٣ و ٧٩١٥

(٢٨٥٠)۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّي لَأَذْبَحُ الشَّاةَ فَأَرْحَمُهَا، قَالَ: ((وَالشَّاةُ إِنْ رَحِمْتَهَا رَحِمَكَ اللّٰهُ۔)) (الصحيحة: ٢٦)

حضرت معاویہ بن قرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں بکری ذبح کرتا ہوں اور اس کے ساتھ شفقت کرتا ہوں (یہ عمل کیسا ہے؟)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو نے بکری کے ساتھ شفقت کی ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے۔''

تخریج: رواه البخاري في "الأدب المفرد": ٣٧٣، والطبراني في "المعجم الصغير":صـ٦٠، وفي "الأوسط": ١/ ١٢١/ ١ـمن زوائده، و"الكبير": ١٩/ ٢٢، وكذا أحمد: ٣/ ٤٣٦و٥/ ٣٤، والحاكم: ٣/ ٥٨٦، وابن عدي في "الكامل": ق٢٥٩/ ٢، وأبو نعيم في "الحلية": ٢/ ٣٠٢و٦/ ٣٤٣، وابن عساكر: ٦/ ٢٥٧/ ١

شرح:...... قارئین کرام! یہ ہمارا مذہب اسلام ہے، جس نے کتے اور بلی سمیت حیوانات کے ساتھ نرمی کرنے کا سبق دیا ہے، اس معاملے میں آپ ﷺ سے ثابت ہونے والی احادیث کا تذکرہ ہی کافی ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر صحیحہ (۲۰) سے (۳۰) تک کل گیارہ احادیث اور کچھ اقوال نقل کیے، ہم ان کو بالاختصار پیش کرتے ہیں:

(۱) سیدنا عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ ﷺ نے مجھ سے کچھ ایسی رازدارانہ باتیں کیں، جو دوسروں کو بیان نہیں کی جا سکتیں۔ رسول اللہ ﷺ کسی ٹیلے یا کھجوروں کے گنجان آباد علاقے میں قضائے حاجت کرنا پسند کرتے تھے۔ اس لیے ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک اونٹ موجود تھا، جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو وہ غم سے آواز نکالنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ نبیٔ مہربان ﷺ اس کے پاس تشریف لائے، اس کی پیٹھ سے کوہان اور کان کے پچھلے حصے پر ہاتھ پھیرا، پس وہ پرسکون ہوگیا، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ''اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ اونٹ کس کا ہے؟'' ایک انصاری نوجوان آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ میرا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَفَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهِيْمَةِ الَّتِي مَلَّكَكَ اللّٰهُ اِيَّاهَا؟ فَاِنَّهُ شَكَا اِلَيَّ اَنَّكَ تُجِيعُهُ وَتُدْئِبُهُ۔)) ......''اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے اس چوپائے کا مالک بنا دیا ہے، تو کیا تجھے اس کے بارے میں اس کا کوئی ڈر نہیں ہے؟ یہ مجھ سے شکوہ کر رہا ہے کہ تو اس کو بھوکا رکھتا ہے اور اس کو تھکا دیتا ہے۔'' (ابوداود: ٢٥٤٩، مسند احمد: ١/ ٢٠٤، ٢٠٥، صحيحه: ٢٠)

(۲) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِرْكَبُوْا هٰذِهِ الدَّوَابَّ سَالِمَةً،

وَايْتَدِعُوْهَا سَالِمَةً ، وَلَا تَتَّخِذُوْهَا كَرَاسِيَّ۔)) (الصحيحة : ٢١)..... ''ان جانوروں پر سواری کیا کرو، اس حال میں کہ یہ صحتمند ہوں اور ان کو صحت و سلامتی کی حالت میں ہی چھوڑ دیا کرو اور ان کو کرسیاں نہ بنا لو (یعنی خواہ مخواہ ان پر نہ بیٹھے رہا کرو)۔'' (مسند احمد : ٣/ ٤٤٠، ٤/ ٢٣٤، صحیحہ : ٢١)

(۳) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِيَّاكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوْا ظُهُوْرَ دَوَابِّكُمْ مَنَابِرَ ، فَإِنَّ اللّٰهَ ۔ تَعَالٰی۔ إِنَّمَا سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُبْلِغَكُمْ إِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بَالِغِيْهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ ، وَجَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ، فَعَلَيْهَا فَاقْضُوْا حَاجَاتِكُمْ۔)) (الصحيحة : ٢٢)..... ''اپنی سواریوں کی پیٹھوں کو منبر سمجھ کر (ان پر) بیٹھے نہ رہا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمھارے لیے مسخر کیا ہے تاکہ یہ تمھیں ایسے شہر میں پہنچا دیں جہاں تم بغیر آدھی جان کئے پہنچ ہی نہیں سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے زمین بنائی ہے، اس پر اپنی حاجتیں پوری کیا کرو۔'' (ابو داود : ٢٥٦٧، صحیحہ : ٢٢)

(۴) سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے، جس کی پشت (اس کی لاغری کی وجہ سے) اس کے پیٹ سے لگی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ ، فَارْكَبُوْهَا ، صَالِحَةً ، وَكُلُوْا صَالِحَةً۔)) (الصحيحة : ٢٣)..... ''ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ پس تم ان پر سواری بھی اس حال میں کیا کرو کہ یہ ٹھیک ہوں اور ان کو چھوڑ دیا کرو اس حال میں کہ یہ تندرست ہوں۔'' (ابو داود : ٢٤٤٨، صحیحہ : ٢٣)

(۵) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے، جو اپنا پاؤں بکری کے پہلو پر رکھ کر چھری تیز کر رہا تھا اور وہ اسے کن انکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَفَلَا قَبْلَ هٰذَا؟ أَتُرِيْدُ أَنْ تُمِيْتَهَا مَوْتَتَيْنِ؟))..... ''یہ کام پہلے کیوں نہیں کر لیا؟ کیا تو اسے دو دفعہ ذبح کرنا چاہتا ہے؟''

(معجم کبیر : ٣/ ١٤٠/ ١، صحیحہ : ٢٤)

(۶) عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ ﷺ اپنی بشری حاجت کے لیے تشریف لے گئے، ہم نے (چڑیا کی طرح کا) ایک سرخ پرندہ دیکھا، اس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے، ہم نے ان بچوں کو پکڑ لیا۔ وہ پرندہ (ان کے گرد منڈلانے اور) اپنے بازو پھڑ پھڑانے لگا، اتنے میں نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے اور پوچھا: ((مَنْ فَجَعَ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوْا وَلَدَهَا إِلَيْهَا۔)) وَرَأٰى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا ، فَقَالَ: ((مَنْ حَرَّقَ هٰذِهِ؟)) قُلْنَا: نَحْنُ ، قَالَ: ((إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُّعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ۔))..... ''اس پرندے کو اس کے بچوں کی وجہ سے کس نے رنج پہنچایا ہے؟ اسے اس کے بچے لوٹا دو۔'' اور آپ نے چیونٹیوں کی ایک بستی دیکھی جس کو ہم نے جلا دیا تھا، تو آپ نے پوچھا: ''یہ بستی کس نے جلائی ہے؟'' ہم نے جواب دیا: ہم نے (جلائی ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''آگ کا عذاب دینا تو آگ کے ربّ کو ہی مناسب ہے۔'' (ابو داود: ٢٦٧٥، صحیحہ: ٢٥)

(٧) حضرت معاویہ بن قرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں بکری ذبح کرتا ہوں اور اس کے ساتھ شفقت کرتا ہوں (یہ عمل کیسا ہے؟)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَالشَّاةُ إِنْ رَحِمْتَهَا رَحِمَكَ اللّٰهُ۔)) ..... ''اگر تو نے بکری کے ساتھ شفقت کی ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے۔'' (مسند احمد: ٣/ ٤٣٦، ٥/ ٣٤، صحیحہ: ٢٦)

(٨) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ رَحِمَ وَلَوْ ذَبِيحَةَ عُصْفُوْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) ..... ''جس نے رحم کیا، اگر چہ معاملہ چڑیا کو ذبح کرنے کا ہو، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس پر رحم فرمائے گا۔'' (الشعب للبیهقی: ٣/ ٣/ ١٤٥/ ١، معجم کبیر: ٧٩١٣، ٧٩١٥، صحیحہ: ٢٧)

(٩) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ سَجَنَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ، لَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَسَقَتْهَا إِذْ حَبَسَتْهَا، وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ۔)) (الصحیحة: ٢٨) ..... ''ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا' اس نے اسے قید کر دیا تھا حتی کہ وہ مر گئی، پس وہ اس کی وجہ سے جہنم میں گئی۔ نہ اس نے اسے کھلایا پلایا جب کہ اس نے اسے قید کر رکھا تھا اور نہ اسے اس نے چھوڑا کہ وہ خود زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی۔'' (بخاری: ٢٣٦٥، مسلم: ٢٢٤٢، صحیحہ: ٢٨)

(١٠) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ، إِذِ اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطْشُ، فَوَجَدَ بِئْرًا، فَنَزَلَ فِيهَا فَشَرِبَ وَخَرَجَ فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطْشِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطْشِ مِثْلُ الَّذِي بَلَغَ مِنِّي، فَنَزَلَ الْبِئْرَ، فَمَلَأَ خُفَّهُ، ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيهِ حَتّٰى رَقِيَ فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ۔)) فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَأَجْرًا؟ فَقَالَ: فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ۔)) ..... ''ایک وقت آدمی راستے پر چلا جا رہا تھا کہ اسے سخت پیاس لگی، اس نے ایک کنواں پایا، پس اس میں اتر کر اس نے پانی پیا، پھر باہر نکل آیا، وہیں ایک کتا تھا جو پیاس کے مارے زبان باہر نکالے (ہانپتے ہوئے) کیچڑ چاٹ رہا تھا، اس آدمی نے (دل میں) کہا کہ اس کتے کو بھی اسی طرح پیاس نے ستایا ہے جس طرح میں اس کی شدت سے بے حال ہو گیا تھا، چنانچہ وہ (دوبارہ) کنویں میں اترا اور اپنا موزہ پانی سے بھرا اور اسے اپنے منہ سے پکڑے اوپر چڑھ آیا اور کتے کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل اور جذبے کی قدر کی اور اسے معاف کر دیا۔ (یہ سن کر) صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہمارے لیے چوپایوں (پر ترس کھانے) میں بھی اجر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(ہاں) ہر تر جگر والے (جاندار کی خدمت اور دیکھ بھال) میں اجر ہے۔'' (بخاری:

٦٠٠٩، مسلم: ٢٢٤٤ ،صحيحه: ٢٩)

(۱۱) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((بَيْنَمَا كَلْبٌ يَطِيفُ بِرَكِيَّةٍ قَدْ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطْشُ ، إِذْ رَأَتْهُ بَغِيٌّ مِنْ بَغَايَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ، فَنَزَعَتْ مُوْقَهَا ، فَاسْتَقَتْ لَهَا بِهِ فَسَقَتْهُ إِيَّاهُ ، فَغُفِرَ لَهَا بِهِ.)) ...... ''ایک کتا کنویں کے گرد چکر لگا رہا تھا، اسے پیاس مارنے ہی والی تھی، اچانک بنی اسرائیل کی فاحشہ عورتوں میں سے ایک بدکار عورت نے اسے دیکھ لیا، سو اس نے اپنا موزہ اتارا اور اس کے لیے (کنویں سے) پانی کھینچا اور اسے پلا دیا۔ اس کے اس عمل کی وجہ سے اسے بخش دیا گیا۔'' (بخاری: ٣٤٦٧، مسلم: ٥٨٦١ ،صحيحه: ٣٠)

یہ گیارہ مرفوع احادیث تھیں، امام البانی رحمہ اللہ نے احادیثِ نبویہ کے بعد صحابہ و تابعین کے درج ذیل آثار پیش کیے ہیں:

(ا) مسیّب بن دارم کہتے ہیں: میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ ایک اونٹ والے کو مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تو اس اونٹ پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ کیوں لادتا ہے؟ (طبقات ابن سعد: ۷/ ۱۲۷)

(ب) عاصم بن عبید اللہ کہتے ہیں: ایک آدمی نے ذبح کرنے کے لیے بکری پکڑی اور اس کے سامنے چھری تیز کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑے لگائے اور کہا: کیا تو اس کی روح کو عذاب دینا چاہتا ہے؟ بکری کو پکڑنے سے پہلے چھری تیز کیوں نہیں کر لی؟ (بیهقی: ٩/ ٢٨٠ ـ ٢٨١)

(ج) محمد بن سیرین کہتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ بکری کو ذبح کرنے کے لیے اس کو کھینچ کر لے جا رہا تھا۔ آپ نے اسے کوڑے لگائے اور کہا: تیری ماں مرے! اس کو موت کی طرف اچھے انداز میں لے کر جا۔ (بيهقي: ٩/ ٢٨٠ ـ ٢٨١)

(د) وہب بن کیسان کہتے ہیں: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک چرواہا ویران سی جگہ پر بکریاں چرا رہا تھا۔ جب ابن عمر نے اچھی چراگاہ دیکھی تو اسے کہا: او چرواہے! تو مرے! اپنی بکریوں کو فلاں مقام میں چرنے کے لیے لے جا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''ہر نگہبان سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔'' (مسند احمد: ٥٨٦٩)

(ہ) معاویہ بن قرہ کہتے ہیں: سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس ایک اونٹ تھا، اس کو ''دمون'' کہتے تھے، جب کوئی آدمی ان سے عاریۃً اونٹ لیتا تو آپ اس کے لیے بوجھ کا تعین کرتے کہ اتنی مقدار سے زیادہ نہ لادنا، کیونکہ اس میں اس سے زیادہ طاقت نہیں ہے، جب سیدنا ابو درداء کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے اونٹ سے مخاطب ہو کر کہا: اے دمون! کل میرے رب کے پاس مجھ سے کوئی جھگڑا نہ کرنا، کیونکہ میں تجھ پر اتنا ہی بوجھ لادتا تھا، جتنی تیری طاقت تھی۔ (قال الالباني: رواه ابو الحسن الاخميمي في حديثه: ق ٦٣/ ١)

(و) ابوعثان ثقفی کہتے ہیں: عمر بن عبد العزیز کا غلام ان کے خچر پر کام کرتا تھا اور روزان ان کے لیے ایک درہم کما کر لاتا تھا، ایک دن وہ ڈیڑھ درہم کما کر لایا۔ آپ نے اسے کہا: یہ (آدھا درہم زیادہ) کیسے ممکن ہوا؟ اس نے کہا: آج بازار میں بڑی تیزی تھی۔ انھوں نے کہا: نہیں، تو نے تو خچر کو تھکا دیا، اب تین دنوں تک اس کو آرام کرنے دے۔ (الزهد للامام احمد: ١٩/ ٥٩/ ١) ابوعثان کے حالات مجھے نہ مل سکے۔

پھر امام البانی رحمہ اللہ نے ان روایات سے استدلال کرتے ہوئے کہا: میرے علم کے مطابق یہ وہ احادیث و آثار ہیں، جو اس موضوع سے متعلقہ ہیں۔ معلوم ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوانات کے ساتھ نرمی کرنے کی جتنی توجیہات بیان کی ہیں، قرونِ اولی کے مسلمان ان سے متاثر تھے، جتنے دلائل ہم نے ذکر کیے ہیں، ان کو سمندر میں سے ایک قطرہ سمجھیں۔

یقینی طور پر کہنا پڑے گا کہ اسلام وہ مذہب ہے، جس نے سب سے پہلے جانوروں کے ساتھ نرمی برتنے کا سبق دیا۔ اس کے برعکس بعض جاہلوں کا خیال ہے کہ یورپی کفار نے حیوانات کے ساتھ نرمی کرنے کی تعلیم دی ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اہل یورپ نے یہ آداب مسلمانوں سے موصول کیے۔ پھر انھوں نے اس میں وسعت اختیار کی، اس کی تنظیم و تنسیق کی اور اس کے لیے کمیٹیاں تشکیل دیں۔ ان کی محنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ خوبی ان کی طرف منسوب ہونے لگی، بلکہ بعض جاہلوں نے تو یہ سمجھ لیا کہ یہی لوگ اس خصلت کے موجِد ہیں، ان کو یہ وہم اس بنا پر بھی ہوا کہ اسلامی سلطنتوں میں کوئی ایسا نظام نظر نہیں آ رہا، حالانکہ وہ اس خصلت سے متصف ہونے کے سب سے زیادہ مستحق تھیں۔

بعض یورپی ممالک میں غلو کی حد تک حیوانات کے ساتھ نرمی پائی جاتی ہے۔ میں نے (مجلّہ ہلال: مجلد ٢٧، ج: ٩، ص: ١٢٦) میں ''حیوان اور انسان'' کے عنوان میں ان کے غلو کی درج ذیل مثال پڑھی:

تقریباً ١٩٥٠ء کی بات ہے، کوبنہاجن کے ریلوے اسٹیشن میں چمگادڑوں نے تہ بہ تہ گھونسلے بنا رکھے تھے، جب یہ طے پایا کہ اس اسٹیشن کی عمارت کو گرا کر اس کی تعمیرِ نو کی جائے تو بلدیہ نے چمگادڑوں کو تتر بتر ہونے سے بچانے کے لیے ایک گنبد تعمیر کیا، جس پر ہزارہا پونڈ صرف کیے گئے۔

تین سال پہلے کی بات ہے کہ انگلینڈ کی ایک بستی میں دو چٹانوں کے درمیان ایک سوراخ میں کتورا گر گیا، اس کو بچانے کے لیے اربابِ حکومت نے چٹانوں کو کاٹنے کے لیے ایمرجنسی کے سو آدمیوں کو مامور کیا۔

جب سے سائنسی علوم کے حصول کے لیے حیوانات کا استعمال شروع ہوا، جیسا کہ انگلینڈ نے اپنے راکٹ یا میزائل میں کتے کو اور امریکہ نے بندر کو بھیجا تھا، اس وقت سے بعض علاقوں میں یہی رائے عام پائی جا رہی ہے کہ حیوانات کو اسی قسم کے سلوک کا مستحق سمجھا جائے۔ (صحیحه: ١/ ٦٩)

اللہ تعالی امام البانی رحمہ اللہ کے مرقد پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین)

خاموشی باعثِ نجات ہے

(٢٨٥١)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ صَمَتَ نَجَا۔)) (الصحيحة:٥٣٦)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو خاموش رہا وہ (کئی اذیتوں سے) نجات پائے گا۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٨٢، والدارمي: ٢/ ٢٩٩، وأحمد: ٢/ ١٥٩و١٧٧، وابن أبي الدنيا: ٣٨/ ١٠، وعنه الأصبهاني: ٢/ ٦٧٩/ ١٦٨٣، والقضاعي في "مسند الشهاب": ٢٦/ ٢

شرح:...... کلماتِ کفر وشرک، کذب بیانی و دروغ گوئی، لہو ولغویات، گالی گلوچ، سب وشتم، چغلی وغیبت، دوسروں کی توہین، بڑوں کی گستاخی، چھوٹوں سے کرختگی وسختی، والدین کا دل دکھانا، بے راہ روی و بدکاری کی راہ ہموار کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری جیسے سینکڑوں جرائم کا تعلق صرف زبان سے ہے، یہ زبان ہی ہے جس کی وجہ سے صاحبِ زبان کو کئی مجالس میں ندامت و پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہ زبان ہی ہے جو باوقار اور سنجیدہ انسانوں کی عظمت و وقار کو مجروح کر دیتی ہے، بہرحال جو بندہ اپنی زبان کی حفاظت کرنے میں ناکام رہا، وہ کئی برائیوں سے اجتناب کرنے اور کئی نیکیوں کو سرانجام دینے سے محروم رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! سب سے زیادہ خطرے والی چیز، جس کا آپ کو مجھ سے اندیشہ ہو، کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے زبان کا تعین کیا۔ (ترمذی)

قارئین کرام! کسی مجلس میں بیٹھ کر نوٹ کرنا کہ اس میں کی گئی کلام کا زیادہ حصہ لہو ولغو، بیہودہ گوئی وفحش گوئی، چغلی و غیبت اور بے مقصد موضوعات پر مشتمل ہوگا، سیاست وسیادت پر گفت وشنید ہوگی، دنیا کے مختلف ممالک کے حالات اور مستقبل پر تبصرے ہوں گے، جن سے نہ ماضی کو سہارا ملتا ہے اور نہ مستقبل میں کوئی امید۔ ہر کوئی اپنے مسائل ومصائب بیان کر کے اللہ تعالیٰ کی ناشکری پر تلا ہوا نظر آئے گا، زبان کا کثرت سے بے جا استعمال ہوگا، حاضرینِ مجلس اپنے مخالفوں پر تذکرہ کر کے ان پر خوب برسیں گے۔ لہٰذا کہنا پڑے گا کہ خاموشی کا کم از کم فائدہ یہ ہے کہ آدمی کئی برائیوں سے سالم رہتا ہے، نیکیوں کا حصول ہو یا نہ ہو۔

اسلام کی فطرتیں

(٢٨٥٢)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مِنْ فِطْرَةِ الإِسْلَامِ: الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَالِاسْتِنَانُ، وَأَخْذُ الشَّارِبِ، وَإِعْفَاءُ اللُّحَى فَإِنَّ الْمَجُوْسَ تُعْفِي شَوَارِبَهَا، وَتُحْفِي لِحَاهَا،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ چیزیں فطرتِ اسلام سے ہیں: جمعہ کے دن غسل کرنا، مسواک کرنا اور مونچھیں کاٹنا اور داڑھیاں چھوڑنا، کیونکہ مجوسی قوم مونچھیں چھوڑتی ہے اور ڈاڑھیاں مونڈھتی ہے، سو تم ان کی مخالفت کرو اور مونچھیں کٹواؤ اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ۔''

فَخَالِفُوْهُمْ: خُذُوْا شَوَارِبَكُمْ، وَأَعْفُوْا لِحَاكُمْ۔)) (الصحيحة:٣١٢٣)

تخريج: أخرجه ابن حبان: ٥٦٠۔ الموارد، والبخاري في ترجمة ابن ابي مريم من ((التاريخ)): ١/ ١٣٩/ ٤١٩ مختصرا بلفظ: ((المجوس تعفي شواربها......۔)) والباقي مثله

شرح: ...... جمعہ کے روز غسل کرنا، مسواک کرنا، مونچھیں کاٹنا اور داڑھی بڑھانا مسلم کی فطرت ہے، لیکن افسوس کہ ہمارے ماحول نے مجوسیوں کی گندی فطرتوں کو ہمارے قلوب و اذہان میں پیوست کر دیا، اب ہم بھی لمبی لمبی مونچھیں چھوڑنے اور نبی معظم کی سنت کو بلیڈ اور استرے کے سپرد کرنے پر نازاں نظر آتے ہیں اور ان کو اپنے حسن و جمال کی علامت سمجھتے ہیں۔

جو احباب دانتوں کی صفائی کے لیے ٹوتھ پیسٹ اور ٹوتھ برش استعمال کرتے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ ہر نماز کے ساتھ مسواک کا اہتمام بھی کیا کریں، تاکہ سنت سے اظہارِ محبت ہوتا رہے۔

سوتے وقت کی دعا

(٢٨٥٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ قَالَ حِيْنَ يَأْوِي إِلٰى فِرَاشِهِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوْبُهُ۔ أَوْ قَالَ: خَطَايَاهُ، شَكَّ مِسْعَرٌ۔ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔)) (الصحيحة:٣٤١٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی بستر پر لیٹے اور یہ دعا پڑھے: نہیں کوئی معبودِ برحق مگر اللہ، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، ساری تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور برائی سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت نہیں ہے مگر اللہ کی توفیق سے، اللہ پاک ہے اور ساری تعریف اسی کے لیے ہے اور نہیں کوئی معبودِ برحق مگر اللہ اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ تو اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان في "صحيحه": ٥٨٧/ ٢٣٦٥، وابن السني في "عمل اليوم والليلة": ٢٢٩/ ٧١٦، وأبو نعيم في "أخبار أصبهان": ١/ ٢٦٧، ورواه النسائي في "عمل اليوم والليلة": ٤٧١/ ٨١١ موقوفا

شرح: ...... معلوم ہوا کہ جس آدمی کو نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرنے اور اپنے گناہ بخشوانے کا شوق ہو، وہ سوتے وقت یہ دعا پڑھا کرے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ

شَیْءٍ قَدِیْرٌ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُلِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَکْبَرُ۔

قطع رحمی اور جھوٹی قسم کا انجام بد

(٢٨٥٤)۔ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ قَطَعَ رَحْماً، أَوْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَاجِرَةٍ رَاٰی وَبَالَهُ قَبْلَ أَنْ یَّمُوْتَ۔)) (الصحیحة:١١٢١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے قطع رحمی کی یا جھوٹی قسم اٹھائی، وہ مرنے سے پہلے اس کا وبال دیکھ لے گا۔“

تخریج: علقه البخاري في "التاریخ" ٣/ ٢/ ٢٠٧، وأخرجه البیهقي: ١٠/ ٣٥

شرح: ...... اس سے بڑا کیا وبال ہوسکتا ہے کہ ایسے انسان کو دورانِ حیات اسلام کی شیریں اور مٹھاس نصیب نہیں ہوگی، جو جھوٹی قسمیں کھا کر بزعم خود اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کو پامال کرتا رہتا ہے اور دوستی و یاری کے سلسلے میں بھی اپنے رواج اور مزاج کو ترجیح دیتا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کی پسند یا ناپسند کو۔

ضلع چکوال (پاکستان) کے ایک گاؤں میں ایک آدمی نے جھوٹی قسم اٹھائی اور بدبختی غالب کہ اس نے اس قسم کو زبان میں کیڑے پڑ جانے کے ساتھ معلق کر دیا تھا، کچھ ایام کے بعد واقعی اس کی زبان میں کیڑے پڑ گئے تھے۔ (اللہ اپنی حفظ وامان میں رکھے۔)

مردوں پر سونا اور ریشم حرام ہے

(٢٨٥٥)۔ عَنْ أَبِی أُمَامَةَ الْبَاهِلِیِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ، فَلَا یَلْبَسْ حَرِیْراً وَلَا ذَهَباً۔)) (الصحیحة:٣٣٧)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو آدمی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ ریشم پہنے نہ سونا۔“

تخریج: أخرجه الحاکم: ٤/ ١٩١، وأحمد: ٥/ ٢٦١

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ حدیث سونے اور ریشم کی حرمت پر دلالت کرتی ہے، یہ حدیث عام ہے اور خواتین وحضرات دونوں کو شامل ہے، لیکن دوسری احادیث میں عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ مشہور حدیث ہے: هٰذَانِ حَرَامٌ عَلٰی ذُکُوْرِ أُمَّتِیْ، حِلٌّ لِانَاثِهَا۔ ...... ”یہ دو چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں، جبکہ عورتوں کے لیے حلال ہیں۔“ (صحیحہ: ٣٣٧)

عورتوں کے لیے ریشم علی الاطلاق حلال ہے، لیکن اس سلسلے میں مرد حضرات کو بھی دو رخصتیں دی گئی ہیں:

(١) خارش کا علاج کرنے کے لیے ریشمی لباس پہننا درست ہے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زبیر اور سیدنا عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہما کو خارش کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دی۔ (بخاری:

٥٨٣٩، مسلم: ٢٠٧٦)

(۲) معمولی مقدار کی مطلق اجازت ہے، جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرما دیا، مگر دو، تین یا چار انگلیوں کے بقدر۔ (بخاری: ٥٨٢٩، مسلم: ٢٠٦٩ واللفظ لمسلم) ممکن ہے کہ قمیص وغیرہ پر کوئی ڈیزائن بنانے کے لیے یا ریشم کے دھاگے سے کڑھائی کروانے کے لیے اتنی مقدار کی اجازت دی گئی ہو۔

غصے پر قابو پانے کا صلہ
اللہ تعالیٰ سے معذرت کرنا

(٢٨٥٦)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهُ، وَمَنْ خَزَنَ لِسَانَهُ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنِ اعْتَذَرَ إِلَى اللّٰهِ قَبِلَ اللّٰهُ عُذْرَهُ۔)) (الصحيحة: ٢٣٦٠)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنے غصے پر قابو پایا، اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب روک لے گا۔ جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی، اللہ تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈالے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ سے معذرت کی، وہ اس کا عذر قبول کرے گا۔''

تخريج: أخرجه أبو يعلى في "مسنده": ٣/ ١٠٧١، ومن طريقه الضياء في "المختارة": ٢٤٩/ ٢، و الدولابي في "الكنى": ١/ ١٩٤ و١٩٥ و٢/ ٤٤، وأبو عثمان النجيرمي في "الفوائد": ٤٤/ ٢

شرح:...... اس سے بڑی منقبت کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا میں غصے پر قابو پانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب ٹل جائے، لیکن عصر حاضر میں انانیت اور چودھراہٹ کے جذبات اس قدر عام ہو گئے ہیں کہ ہر آدمی اپنی عزت اور بے عزتی کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کی بجائے اپنے آپ کو ان کا ذمہ دار سمجھتا ہے، جس کی بنا پر وہ معمولی معمولی باتوں پر بپھرتا ہوا اور نتھنے پھلاتا ہوا نظر آتا ہے۔

کلماتِ کفر و شرک، کذب بیانی و دروغ گوئی، لہو ولغویات، گالی گلوچ، سب و شتم، چغلی و غیبت، دوسروں کی توہین، بڑوں کی گستاخی، چھوٹوں سے کرختگی و سختی، والدین کا دل دکھانا، بے راہ روی و بدکاری کی راہ ہموار کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری جیسے سینکڑوں جرائم کا تعلق صرف زبان سے ہے، اگر کوئی آدمی حفاظتِ زبان کی ضمانت دے دے تو وہ کئی گناہوں سے بچ جائے گا اور جو سرزد ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ ان پر پردہ ڈالے گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب ہم سے کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے معذرت کر لینی چاہیے، اس سلسلے میں اس سے شرما کر اس کے سامنے ندامت کا اظہار کرنا چاہیے۔

معافی اور توبہ کرنے سے محروم کا انجامِ بد

(٢٨٥٧)۔ عَنْ جَرِيْرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول

اللّٰہِ ﷺ: ((مَن لَّایَرْحَمْ لَایُرْحَمْ، وَمَن لَّا یَغْفِرْ لَایُغْفَرْ لَہٗ، وَمَن لَّایَتُبْ لَایُتَبْ عَلَیْہِ۔)) (الصحیحۃ:٤٨٣)

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو (مخلوق پر) رحم نہیں کرتا، (اللہ تعالی کی طرف سے) اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ جو (مخلوق کو) معاف نہیں کرتا، (اللہ تعالی کی طرف سے) اس کی بخشش نہیں ہوتی اور جو (اللہ کی طرف) توبہ نہیں کرتا، اسے (اس کی طرف سے) معاف نہیں کیا جاتا۔''

تخریج:أخرجه الطبرانی فی"المعجم الكبير": ٢/ ٣٥١/ ٢٤٧٦ ، وأبوالحسن الحربی فی"الفوائد المنتقاة": ٣/ ١٥٥/ ١ ، ..... والجملة الاولى من الحديث اخرجها الشيخان فی "صحيحيهما" واحمد

شرح:...... اللہ تعالی کی ذات ان تین صفات سے بدرجۂ اتم واکمل متصف ہے: رحم کرنا، معاف کرنا، توبہ قبول کرنا۔لیکن جو انسان، اللہ تعالی کی مخلوقات کے حق میں ان تین صفات سے متصف ہو کر رحمدلی اور معافی کا معاملہ نہیں کرتا اور اللہ تعالی سے اپنے گناہوں کی توبہ نہیں کرتا تو اس کا اللہ تعالی کی ان تین صفات سے بھی کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا۔

مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کا صلہ

(٢٨٥٨)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ مَرْفُوْعاً: ((مَنْ یَکُنْ فِی حَاجَۃِ أَخِیْہِ، یَکُنِ اللّٰہُ فِی حَاجَتِہٖ۔)) (الصحیحۃ: ٢٣٦٢)

حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے، اللہ تعالی اس کی ضرورت پوری کرتا ہے۔''

تخریج: أخرجه ابن أبی الدنيا فی "قضاء الحوائج":ص ٨٢رقم٤٧

شرح:...... مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنا بہت بڑی سعادت ہے،لیکن اس معاملے میں صرف مسکراہٹوں کا تبادلہ نہیں ہونا چاہیے، ہم عام طور پر اسی کی مدد کرتے ہیں، جس نے ہماری تائید کی ہو اور اس کو محروم رکھتے ہیں، جس نے ہمیں محروم رکھا ہو۔ اگر کسی مسلمان کے تعلقات کی ایسی صورت ہو تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اپنے نفس کو ترجیح دے رہا ہے، نہ کہ احکامِ شریعت کو۔ ہمیں چاہیے کہ رشتۂ اسلام کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے پرائے، ہر ایک کی تائید ونصرت کریں۔

صبر کرتے ہوئے لوگوں میں گھل مل کر رہنا افضل ہے

(٢٨٥٩)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً: ((اَلْمُؤْمِنُ الَّذِی یُخَالِطُ النَّاسَ وَیَصْبِرُ عَلٰی أَذَاھُمْ، خَیْرٌ مِنَ الَّذِی لَایُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا یَصْبِرُ عَلٰی أَذَاھُمْ۔)) (الصحیحۃ:٩٣٩)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مومن لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی تکالیف پر صبر کرتا ہے، وہ اس سے بہتر ہے جو نہ تو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور نہ ہی ان کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه ، وهو عند الترمذی الا انه لم يسمّ الصحابی

شــرح:...... اگر کسی آدمی میں صبر و برداشت کی صفت موجود ہو، تو خلوت میں رہنے کی بجائے، لوگوں میں رہنا اس کے لیے زیادہ مفید ہوتا ہے، کیونکہ کسی کی اذیت کے عوض اس کو دعا دینا یا اس پر صبر کرنا، غصہ دلانے والے کو معاف کرنا، بیماروں کی بیمار پرسی کرنا، کسی مریض کا علاج کروانا، اجنبی کی رہنمائی کرنا، مہمان کی ضیافت کرنا، بہرحال ایسے سینکڑوں عظیم امور ہیں، جن پر عمل کرنے کا موقع لوگوں میں رہ کر ہی ملتا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ اگر کسی معاشرے میں سرِ عام برائیوں کا ارتکاب کیا جاتا ہو اور کوشش کے باوجود ان سے اجتناب کرنا ناممکن ہو، تو حسبِ استطاعت ایسے لوگوں سے کنارہ کشی کی جائے۔ اس کی ایک مثال ہمارے بازار ہیں، جہاں موسیقی اور گانوں کی آواز عام ہوتی ہے، بے پردہ، بلکہ نیم برہنہ عورتوں کی آمد و رفت عام ہوتی ہے، جن پر نظر پڑنا تو کجا، تنگ مقامات پر ان کا مردوں کے ساتھ شدید اختلاط ہو جاتا ہے اور ان کے جسم ایک دوسرے کے ساتھ مس ہونے لگتے ہیں، بالخصوص جب درندہ صفت نوجوان بھی پھر رہے ہوں۔

اُنس، مومن کی صفت ہے

(۲۸۶۰)۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ مَرْفُوْعاً: ((اَلْمُؤْمِنُ مَأْلَفَةٌ، وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ۔)) (الصحيحة:٤٢٥)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن تو وہ ہے جو مانوس ہوتا ہے اور جس سے مانوس ہوا جاتا ہے۔ اس آدمی میں کوئی خیر و بھلائی نہیں جو نہ کسی سے مانوس ہوتا ہے اور نہ کوئی اس سے مانوس ہوتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٣٣٥، وأبو الشيخ في "الأمثال": ١٧٩، والطبراني في "الكبير": ٦/ ١٦١/ ٥٧٤٤، والخطيب: ١١/ ٣٧٦

(۲۸۶۱)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((اَلْمُؤْمِنُ يَأْلَفُ وَيُؤْلَفُ، وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ، وَخَيْرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ۔)) (الصحيحة:٤٢٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن (لوگوں سے) مانوس ہوتا ہے اور (لوگ اس سے) مانوس ہوتے ہیں۔ اس آدمی میں کوئی خیر نہیں جو نہ خود کسی سے مانوس ہوتا ہے اور نہ کوئی اس سے مانوس ہوتا ہے۔ اور لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو دوسرے لوگوں کے لیے زیادہ مفید ہو۔''

تخريج: رواه الدارقطني في "الافراد"، والضياء المقدسي في "المختارة" عن جابر واخرجه البزار: ٣٥٩١، عن أبي هريرة

شــرح:...... معلوم ہوا کہ ''اُنس'' کا مومن کے ساتھ گہرا تعلق ہے، لوگ اس سے مانوس ہوتے ہیں اور وہ لوگوں سے مانوس ہوتا ہے، اس کی سب سے بہترین مثال یہ ہے کہ اگر مسجد کا امام خوش اخلاق ہو، عالم باعمل ہو، بلا امتیاز

نمازیوں کی قدر کرتا ہو، لوگوں کے بچوں کی تعلیم کی فکر رکھتا ہو اور حرص و بخل سے پاک ہو کر اپنی غیرت و حمیت کو سمجھنے والا اور اس کو برقرار رکھنے والا ہو تو ایسے فرد کو لوگوں کی طرف سے جو مودت و محبت اور احترام و اکرام نصیب ہوتا ہے، کسی کا دل و دماغ اس کی حقیقت کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

یہی معاملہ دوسرے اساتذہ اور ڈاکٹر حضرات کا ہے، لیکن سب سے پہلے ایمان و اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنا فرض ہے۔

مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا

(٢٨٦٢)۔ عَنْ أَبِی بَرْزَةَ قَالَ: قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! دُلَّنِی عَلٰی عَمَلٍ أَنْتَفِعُ بِهٖ۔ قَالَ: ((نَحِّ الْأَذٰی عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ۔)) (الصحیحة:٢٣٧٣)

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کسی ایسے عمل پر میری رہنمائی فرمائیں جس سے میں فائدہ حاصل کر سکوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دیا کر۔''

تخریج: رواه أبو بكر بن أبی شيبة فی "الأدب":١/ ١٤٩/ ١، وابويعلى فی مسنده: ٣٤٣/ ٢، وأخرجه مسلم: ٨/ ٣٤ بلفظ: ((اعزل الاذی ......۔))

شرح:...... مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ایمان کا تقاضا اور اس کا جزو ہے اور باعثِ اجر و ثواب ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَقَدْ رَأَیْتُ رَجُلًا یَتَقَلَّبُ فِی الْجَنَّةِ فِی شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِیْقِ كَانَتْ تُؤْذِی الْمُسْلِمِیْنَ۔)) (مسلم: ١٩١٤) ...... ''میں نے ایک آدمی کو جنت میں چلتے پھرتے دیکھا، اس نے اس درخت (کی شاخ) کو کاٹ دیا تھا، جو ایک راستے میں تھی اور مسلمانوں کو تکلیف دیتی تھی۔'' ہمارے ہاں اپنی حد بندی سے تجاوز کرنا، گزرگاہوں پر کوڑا کرکٹ پھینکنا، شادی بیاہ کے موقع پر شاہراہوں پر ٹینٹ لگا کر ہزاروں انسانوں کو ستانا وغیرہ جیسے امور عام ہیں، جو اخلاق سے گری ہوئی حرکتیں ہیں اور ایمان کے منافی امور ہیں۔

تصویر کشی

(٢٨٦٣)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، یَزْعَمُ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی عَنِ الصُّوَرِ فِی الْبَیْتِ وَنَهٰی الرَّجُلَ أَنْ یَّصْنَعَ ذٰلِكَ۔

(الصحیحة:٤٢٤)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ نے گھروں میں تصاویر رکھنے سے منع فرمایا اور اس بات سے بھی منع فرمایا کہ آدمی تصویریں بنائے۔

تخریج: أخرجه الترمذی: ١/ ٣٢٥، وأحمد: ٣/ ٣٣٥، ٣٨٤

(٢٨٦٤)۔ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول

اللّٰهِ ﷺ: ((يَخْرُجُ عُنُقٌ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهَا عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ، وَأُذُنَانِ تَسْمَعَانِ، وَلِسَانٌ يَنْطِقُ، يَقُوْلُ: إِنِّي وُكِّلْتُ بِثَلَاثَةٍ: بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ، وَبِكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ، وَبِالْمُصَوِّرِيْنَ۔)) (الصحيحة:٥١٢)

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روزِ قیامت آگ کی ایک لپٹ نکلے گی، اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گی، اس کے دو کان ہوں جن کے ذریعے وہ سنے گی اور ایک زبان ہو گی جس کے ذریعے وہ بولے گی۔ وہ کہے گی: تین قسم کے آدمی میرے سپرد کر دیے گئے ہیں: (۱) سرکش اور متکبر، (۲) جس نے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو بھی پکارا اور (۳) تصویر بنانے والا۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٩٥، واحمد: ٢/ ٣٣٦

شرح:...... اللہ تعالیٰ کی ذی روح مخلوق کی تصویر بنانا حرام ہے، بہت ساری احادیث میں تصویر سازی کی وعید بیان کی گئی ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے تشریف لائے اور میں نے گھر کی ڈیوڑھی یا طاقچے پر ایک پردہ ڈالا ہوا تھا، جس میں تصویریں تھیں۔ جب آپ ﷺ کی نگاہ اس پر پڑی تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور فرمایا: ((يَا عَائِشَةُ! أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ۔)) ...... ''عائشہ! قیامت کے روز اللہ کے ہاں سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا، جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔'' پھر ہم نے اس پردے کو کاٹ دیا اور اس کے ایک دو تکیے بنا لیے۔ (بخاری: ٥٩٥٤، مسلم: ٢١٠٧)

احادیث کی رو سے اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے، جس میں تصویر ہو۔ عصرِ حاضر میں امتِ مسلمہ پر تصویر کا وبال کسی دوسری آفت سے کم نہیں ہے، رہی سہی کسر جرائد و اخبارات نے پوری کر دی ہے، جو عورتوں کی انتہائی پرکشش اور نیم برہنہ تصاویر چھاپ کر جہاں مسلم گھرانوں کو فرشتوں کی آمد سے محروم کرتے ہیں، وہاں کئی لوگوں میں گندے خیالات پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ کی پناہ)

اس معاملے میں خاندانوں کے بے غیرت سربراہوں کو اپنے طرزِ حیات اور بے جا خاموشی کا جائزہ لینا چاہیے، جو شادی بیاہ کے موقع پر دلہن سمیت اپنی بچیوں کا بناؤ سنگھار کر کے بازار کے آوارہ نوجوانوں کو مووی بنانے کے لیے اندر داخل کر دیتے ہیں اور ایسے موقع پر لڑکے اور لڑکیوں کے اختلاط سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو خلوت خانے میں بیٹھ کر اپنے کردار پر غور کرنا چاہیے۔

سرکش اور مشرک کا انجام بد

(٢٨٦٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَخْرُجُ عُنُقٌ مِنَ النَّارِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روزِ قیامت آگ کی ایک لپٹ نکلے

يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهَا عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ ، وَأُذُنَانِ تَسْمَعَانِ ، وَلِسَانٌ يَنْطِقُ ، يَقُوْلُ: إِنِّي وُكِّلْتُ بِثَلَاثَةٍ: بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ، وَبِكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ ، وَبِالْمُصَوِّرِيْنَ۔)) (الصحيحة:٥١٢)

گی، اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گی، اس کے دو کان ہوں جن کے ذریعے وہ سنے گی اور ایک زبان ہو گی جس کے ذریعے وہ بولے گی۔ وہ کہے گی: تین قسم کے آدمی میرے سپرد کر دیے گئے ہیں: (۱) سرکش اور متکبر (۲) جس نے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو بھی پکارا اور (۳) تصویر بنانے والا۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٩٥ ، واحمد: ٢/ ٣٣٦

شــرح:...... سرکشی اور تکبر اور ان کا نتیجہ شرک تینوں سنگین جرائم ہیں، جو اللہ تعالی کی سلطنت میں رہنے والے کو زیب نہیں دیتے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے مزاج میں سادگی اور شرافت پیدا کریں، عجز و انکساری سے متصف ہونے کی کوشش کریں، خلق خدا کو اپنے سے برتر سمجھیں اور اللہ تعالی کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، تا کہ آتش دوزخ کی لپٹ سے بچ سکیں۔

لوگوں میں حقیقی رحم کرنے والا کون ہے؟

(٢٨٦٦)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَرْفُوْعاً: ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا يَضَعُ اللّٰهُ رَحْمَتَهُ إِلَّا عَلٰى رَحِيْمٍ۔)) قَالُوْا: كُلُّنَا يَرْحَمُ قَالَ: ((لَيْسَ بِرَحْمَةِ أَحَدِكُمْ صَاحِبَهُ، يَرْحَمُ النَّاسَ كَافَّةً۔)) (الصحيحة:١٦٧)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالی صرف رحمدل بندے پر اپنی رحمت نچھاور کرتا ہے۔'' اس نے کہا: ہم میں سے ہر کوئی رحم کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(میرا یہ مطلب) نہیں کہ اپنے دوست کے حق میں رحمدل بن جاؤ، بلکہ تمام لوگوں پر رحم کرنا ہو گا۔''

تخريج: رواه هنّاد في "الزهد": ١٣٢٥ ، وأبويعلى في "مسنده": ٧/ ٢٥٠ ، والطبراني في "مكارم الأخلاق": ٥١/ ٤٠ ، والحافظ العراقي في المجلس ٨٦ من "الأمالي": ٧٧/ ٢

شــرح:...... اس حدیث مبارکہ میں مسلمان کے لیے ایک عالمگیر ضابطہ پیش کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی رحم دلی، نرم دلی مہربانی، خوش خلقی، اچھے برتاؤ اور مسکراہٹ کے حقدار صرف اس کی مجلس کے اور اس کے محسن لوگ نہیں ہیں۔ بلکہ اپنا ہو یا پرایا، دوست ہو یا دشمن، نوجوان ہو یا بوڑھا، خوبصورت ہو یا بدصورت، مفید ہو یا مضر، ہر ایک کو بلا امتیاز اپنے احسانات کا مستحق سمجھا جائے۔

مسجد میں مخصوص جگہ کا تعین منع ہے

(٢٨٦٧)۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَاتَأْكُلْ مُتَّكِئاً وَلَا عَلٰى غِرْبَالٍ، وَلَاتَتَّخِذَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ مُصَلًّى لَا تُصَلِّي إِلَّا فِيْهِ، وَلَا تَخُطَّ رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَيَجْعَلُكَ اللّٰهُ لَهُمْ جَسراً يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة:٣١٢٢)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ٹیک لگا کرنہیں کھانا، چھانے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں کھانا، مسجد میں کوئی جگہ مقرر نہیں کرنا کہ تو اسی میں ہی نماز پڑھے اور جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں نہیں پھلانگنا، وگرنہ اللہ تعالی روزِ قیامت تجھے لوگوں کے لیے پل بنا دے گا۔''

تخريج: أخرجه ابن عساكر في"تاريخ دمشق": ١٣/ ٣٩١، و رواه الطبراني فى "المعجم الاوسط": ١/ ٣/ ٣٣ مختصرا بلفظ: ((لاتأكل متكئا، ولاتخط رقاب الناس يوم الجمعة۔))

شرح:...... مسجد اللہ تعالی کا گھر ہے، ہر مسلمان کا اس کے ساتھ گہرا اور یکساں تعلق ہے، پہلی صفوں میں نماز کی ادائیگی کو ترجیح دینے والوں کو چاہیے کہ وہ پہلے آئیں۔ شریعت کی نگاہوں میں یہ عمل قبیح ہے کہ بعد میں آنے والے پہلے پہنچے والوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آگے بڑھیں یا مسجد میں کسی قطعۂ زمین کو اپنے لیے خاص کر دیں۔

شریعتِ اسلامیہ نے شرف و وقار، متانت و سنجیدگی، سکونت و تسکین اور ٹھہراؤ کو ترجیح دی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾۔ (سورۂ لقمان: ١٩)...... ''اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز پست رکھا کر۔ یقیناً گدھے کی آواز بدترین آواز ہے۔''

اس آیتِ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ نہ تو چال میں اتنی سست روی ہو کہ دیکھنے والا بیمار خیال کرے اور نہ اتنی تیزی ہو کہ شرف و وقار کے خلاف نظر آئے۔ دوسرے حصے میں چیخ چیخ کر اور چلا چلا کر باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾۔(سورۂ فرقان: ٦٣) ...... ''اور رحمٰن کے بندے تو وہ ہیں جو وقار اور سکونت کے ساتھ چلتے ہیں......۔''

قارئین کرام! آپ غور فرمائیں کہ جب کوئی باوقار آدمی کسی مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنیں پھلانگ پھلانگ کر اور سلنگے بھرتا ہوا آگے کو بڑھ رہا ہو تو وہ کتنا برا لگتا ہے اور پہلے سے تشریف رکھنے والے کو کتنی ایذا دیتا ہے۔ ایسا آدمی صرف ہماری نگاہوں میں ہی برا نہیں، بلکہ شریعت نے بھی اس اکھڑ مزاجی اور بدخلقی کو پسند نہیں کیا اور مذکورہ بالا حدیث میں سخت وعید کا مستحق ٹھہرایا۔

کسی کے لیے آپ ﷺ کے نام اور کنیت کو جمع کرنا

(٢٨٦٨)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((لَاتَجْمَعُوْا بَيْنَ اسْمِيْ وَكُنْيَتِيْ، أَنَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میرے نام (محمد) اور میری کنیت (ابو القاسم) کو جمع

أَبُوْ الْقَاسِمُ، وَاللّٰهُ يُعْطِي وَأَنَا أُقَسِّمُ۔)) نہ کرو، میں ابو القاسم ہوں، اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔'' (الصحيحة:٢٩٤٦)

تخریج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد"، والترمذي:٢٨٤٣، وابن حبان:٥٧٨٤_الاحسان، وأحمد: ٢/ ٤٣٣ ...... وأخرجه البخاري: ٦١٨٨ ومسلم: ٦/ ١٧١ وغيرهما بلفظ: ((تسمو (او سموا) باسمي، ولا تكنوا بكنيتي۔))

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: آیا کسی کو ابو القاسم کنیت رکھنے کی اجازت ہے؟ اس کے بارے میں علمائے کرام کے تین مذاہب ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ تین مسالک بیان کیے ہیں، دلائل کا ذکر کرتے ہوئے ان کے مابین موازنہ و مناقشہ بھی پیش کیا ہے۔ میں تو بلا شک و شبہ کہوں گا کہ ہر کسی کو علی الاطلاق ابو القاسم کنیت رکھنے سے منع کر دیا جائے، قطع نظر اس سے کہ اس کا نام محمد ہو یا نہ ہو، کیونکہ اس موضوع پر صحیح اور صریح دلائل کا یہی تقاضا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے، جیسا کہ امام بیہقی (۹/ ۳۰۹) نے صحیح سند کے ساتھ ان کا یہ قول بیان کیا ہے: لَايَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَكْتَنِيَ بِأَبِي الْقَاسِمِ كَانَ اسْمُهُ محمدا او غَيْرَهُ۔

...... کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ ابو القاسم کنیت رکھے، اس کا نام محمد ہو یا نہ ہو۔

امام بیہقی نے کہا: اسی قسم کا قول طاوس یمانی رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہمارے مسلک کی مزید تائید ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ وُلِدَ لِي بَعْدُ، أُسَمِّيهِ مُحَمَّدًا وأُكَنِّيْهِ بِكُنْيَتِكَ؟ قَالَ: ((نَعَمْ))۔ ......اے اللہ کے رسول! اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر آپ کے بعد میرا بیٹا ہو تو کیا اس کا نام محمد اور آپ والی کنیت رکھ سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے لیے رخصت تھی۔ (ترمذی: ۲۸۴۳) امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح اور حافظ ابن حجر نے (فتح الباری: ۱۰/ ۵۷۳ میں) قوی قرار دیا ہے، نیز مشکوۃ المصابیح (۴۷۷۲/ تحقیق ثانی) میں اس کی تخریج موجود ہے۔ (صحیحہ: ٢٩٤٦)

امام مبارکپوری رحمہ اللہ نے مختلف اقوال نقل کر کے کہا: اس باب میں زیادہ محتاط مسلک امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے، یعنی کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنی کنیت ابو القاسم رکھے، قطع نظر اس بات سے اس کا نام محمد ہو یا احمد یا کوئی اور ہو، سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہی تقاضا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں اسی قول کو ترجیح دیتے ہوئے کہا: درست بات یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رکھنا جائز اور کنیت رکھنا ممنوع ہے......۔ (تحفۃ الاحوذی: ٤/ ٣١)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مراد یہ ہے: ایک آدمی نے بازار میں کسی کو بلانے کے لیے لفظ ''ابو القاسم'' کی آواز دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا کہ وہ آپ کو بلا رہا ہے، لہٰذا آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے، لیکن اس نے آگے سے کہا: میری مراد آپ نہیں ہیں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ((لَاتَكْنُوْا

بِكُنْيَتِي۔)) ..... ''میری کنیت نہ رکھو۔'' (بخاری: ۳۵۳۷، مسلم: ۲۱۳۱)

راجح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس نہی کا تعلق آپ ﷺ کے زمانے سے تھا، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی کنیت رکھنے کا جواز ملتا ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنا فہم ہے کہ انھوں نے اس رخصت کو اپنے لیے خاص سمجھا۔ آپ ﷺ کے جوابی الفاظ میں عموم پایا جاتا ہے۔

گالی نہ دینے، کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھنے، کسی کو عار نہ دلانے اور چادر شلوار کو ٹخنوں سے اوپر رکھنے کی نبوی نصیحتیں

(۲۸٦۹)۔ عَنْ أَبِي جَرِي جَابِرِ بْنِ سُلَيْمٍ، قَالَ: رَأَيْتُ رَجُلاً يَصْدُرُ النَّاسَ عَنْ رَأْيِهِ لَايَقُوْلُ شَيْئًا، إِلَّا صَدَرُوْا عَنْهُ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، قُلْتُ: عَلَيْكَ السَّلَامُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، مَرَّتَيْنِ، قَالَ: ((لَاتَقُلْ عَلَيْكَ السَّلَامُ، فَإِنَّ عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ الْمَيِّتِ، قُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ۔)) قَالَ: قُلْتُ: أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((أَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِي إِذَا أَصَابَكَ ضُرٌّ وَدَعَوْتَهُ كَشَفَهُ عَنْكَ، وَإِنْ أَصَابَكَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتَهُ أَنْبَتَهَا لَكَ، وَإِذَا كُنْتَ بِأَرْضٍ قَفْرَاءَ أَوْ فَلَاةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهُ رَدَّهَا عَلَيْكَ۔)) قُلْتُ: اِعْهَدْ لِي، قَالَ: ((لَاتَسُبَّنَّ أَحَدًا، وَلَاتَحْقِرَنَّ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوْفِ، وَأَنْ تُكَلِّمَ أَخَاكَ وَأَنْتَ مُنْبَسِطٌ إِلَيْهِ وَجْهَكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ، وَارْفَعْ إِزَارَكَ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَإِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَإِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الإِزَارِ فَإِنَّهَا مِنَ الْمَخِيْلَةِ، وَإِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْمَخِيْلَةَ، وَإِنِ امْرُؤٌ شَتَمَكَ

حضرت ابو جری جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا کہ لوگ اس کی رائے کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے، وہ جو کچھ بھی کہتا، وہ اسے تسلیم کر لیتے۔ میں نے پوچھا: یہ آدمی کون ہے؟ انھوں نے کہا: یہ اللہ کے رسول ہیں۔ میں نے دو دفعہ کہا: اے اللہ کے رسول! عَلَيْكَ السَّلَام۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عَلَيْكَ السَّلَام مت کہہ، یہ تو مردوں کا سلام ہے، (زندوں کو سلام دینے کے لیے) اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ کہا کر۔'' میں نے کہا: کیا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس اللہ کا رسول ہوں، کہ اگر تجھے کوئی تکلیف لاحق ہو اور تو اسے پکارے تو وہ تیری تکلیف دور کر دے گا، اگر تو قحط سالی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسے پکارتا ہے تو وہ تیرے لیے زمین سے (انگوریاں) اگائے گا اور اگر تو کسی بے آب و گیاہ اور بیابان جنگل میں ہو اور تیری سواری گم ہو جائے اور پھر تو اس سے دعا کرے تو وہ تیری سواری لوٹا دے گا۔'' میں نے کہا: مجھے کوئی وصیت ہی فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی کو گالی نہ دینا، کسی نیکی کو حقیر و معمولی مت سمجھنا، اگرچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ کلام کرنے کی صورت میں ہو، اپنی چادر کو پنڈلی کے نصف تک بلند رکھنا، اگر تو ایسا نہ کرے تو ٹخنوں تک رکھ لینا، ٹخنوں سے نیچے چادر (اور شلوار وغیرہ) لٹکانے سے

وَعَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيْكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ، فَإِنَّمَا وَبَالُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ۔)) وَزَادَ بَعْدَ قَوْلِهِ: لَاتَسُبَّنَّ أَحَداً: قَالَ: فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهُ حُرًّا وَلَا عَبْداً وَلَابَعِيْراً وَلَاشَاةً۔

(الصحيحة: ١١٠٩)

بچنا، کیونکہ ایسا کرنا غرور (اور تکبر) ہے اور اللہ تعالیٰ غرور کو پسند نہیں کرتا۔ اگر کوئی آدمی تیرے کسی برے فعل، جسے وہ جانتا ہے، کی وجہ سے تجھے عار دلائے، تو تو اسے اس کے عیب، جسے تو جانتا ہے، کی بنا پر طعنہ نہ دینا، کیونکہ اس چیز کا وبال اس پر ہوگا۔'' ایک روایت میں ان الفاظ کی زیادتی بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی کو گالی نہ دینا'' تو ابو جری نے کہا: میں نے اس وصیت کے بعد کسی آزاد یا غلام بلکہ اونٹ یا بکری تک کو برا بھلا نہیں کہا۔

تخریج: أخرجه أبوداود: ٢/ ١٧٩، والترمذي: ٢/ ١٢٠، والدولابي في "الكنى و الأسماء": صـ ٦٦، وابن حبان فی "صحيحه"، والنسائي، والحاكم: ٤/ ١٨٦

شرح:...... اس حدیث مبارکہ میں ''عَلَيْكَ السَّلَام'' کو مردوں کا سلام قرار دے کر اس سے منع کر دیا گیا ہے اور ''السلام علیکم ......'' کہنے کی تلقین کی گئی ہے، جبکہ آپ ﷺ نے ایک قبرستان میں جا کر خود ''السلام علیکم......'' ہی کہا؟

امام مبارکپوری نے تطبیق کی یہ صورت بیان کی: امام خطابی کہتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردے کو ''عَلَيْكَ السَّلَام'' کہا جائے، جیسا کہ عام لوگوں کا معمول ہے، لیکن اشکال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ خود ایک قبرستان میں تشریف لے گئے اور ''السلام علیکم اهل دار قوم مؤمنین......'' کہا اور زندوں کو سلام کہنے کا انداز بھی یہی ہے۔

دراصل دورِ نبوی اور اس سے پہلے والے لوگ جب اپنے مردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کو سلام پیش کرتے تھے تو وہ ''عَلَيْكَ'' سے شروع کرتے، نہ کہ ''اَلسَّلَامُ'' سے۔ یہ حقیقت ان کے اشعار میں بھی بیان کی گئی ہے، مثلا ایک شاعر نے ایک میت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

عَلَيْكَ سَلَامُ اللّٰهِ قَيْسَ بْنَ عَاصِمٍ وَرَحْمَتُهُ اِنْ شَاءَ اَنْ يَتَرَحَّمَا۔

اور شماخ نے کہا:

عليك سلام من امير و باركت يد الله فی ذاك الاديم الممزق

ان دونوں اشعار میں مردوں کا تذکرہ کیا گیا اور ان کو سلام پیش کرتے ہوئے لفظ ''عَلَيْكَ'' کو مقدم کیا گیا ہے، نہ کہ ''اَلسَّلَام'' کو۔ نبی کریم ﷺ نے اس رواج کی مخالفت کی اور ''السلام علیکم......'' کہنے کی تلقین کی۔ وگرنہ شریعت اسلامیہ میں زندوں اور مردوں کو سلام کہنے کا ایک ہی انداز ہے، یعنی دونوں کو سلام کہنے کے لیے لفظ ''السلام'' سے شروع کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ (تحفة الاحوذی)

حدیثِ مبارکہ کے بقیہ حصے میں اللہ تعالی کا تعارف پیش کیا گیا ہے اور قیمتی پند و نصائح سے نوازا گیا ہے۔ ایک بات قابل وضاحت ہے کہ ہمارے ہاں مرد حضرات کو اپنی شلوار یا تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی عادت ہے۔ اب وہ اس کو اپنی زینت سمجھتے ہیں اور ٹخنے ننگے رکھنے میں عار سمجھتے ہیں یا پھر شرم محسوس کرتے ہیں اور اس کی بابت کئی عذر پیش کرتے ہیں، حالانکہ مردوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے ٹخنے ننگے رکھا کریں، اس حدیثِ مبارکہ میں آپ ﷺ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ''اپنی چادر کو پنڈلی کے نصف تک بلند رکھنا، اگر تو ایسا نہ کرے تو ٹخنوں تک رکھ لینا، ٹخنوں سے نیچے چادر (اور شلوار وغیرہ) لٹکانے سے بچنا، کیونکہ ایسا کرنا غرور (اور تکبر) ہے اور اللہ تعالی غرور کو پسند نہیں کرتا۔''

نبی مہربان ﷺ نے ٹخنے چھپانے کو غرور اور تکبر کی علامت قرار دے کر ہمارے فرسودہ خیالات اور حیلوں بہانوں کو ختم کر دیا ہے، اب ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ ہم اپنا تزکیۂ نفس کرتے ہوئے یہ کہیں کہ ہم تکبر تو نہیں کر رہے، جبکہ نبی کریم ﷺ نے اسے تکبر کی علامت قرار دیا ہے۔ دراصل یہ شیطانی وسوسے ہیں جو ہمیں سنتوں پر عمل پیرا ہونے سے محروم رکھتے ہیں۔

اگر شلوار یا چادر کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے افراد کو کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ نے خود بھی ٹخنے ننگے رکھے، اپنے صحابہ کو ایسا کرنے سے سختی سے منع فرمایا اور اسے تکبر کی علامت قرار دیا، تو ہم یہ کیوں کہتے ہیں کہ ہمارا تکبر کا ارادہ نہیں ہے، ہمارے حیلوں بہانوں کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے، کیا ہم رسول اللہ ﷺ کی قولی اور فعلی سنت پر عمل کرنے کو ترجیح نہیں دیں گے؟

غور فرمائیں کہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی قیامت کے روز تین قسم کے افراد سے کلام نہیں کرے گا، نہ ان کی طرف نظر (رحمت) سے دیکھے گا، نہ ان کو پاک صاف کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: (۱) (چادر یا شلوار کو) لٹکانے والا، (۲) احسان جتلانے والا اور (۳) جھوٹی قسمیں کھا کر سامان فروخت کرنے والا۔'' (مسلم: ۱۰۶)

چھپکلی فاسق ہے

(۲۸۷۰)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْوَزَغُ فُوَيْسِقٌ۔)) وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ، وَسَعْدِ ابْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چھپکلی معمولی قسم کا فاسق (موذی) جانور ہے۔'' یہ حدیث حضرت عائشہ اور حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

(الصحيحة: ۳۵۷۲)

تخريج: جاء من حديث عائشة، وسعد بن أبي وقاص:

۱۔ أما حديث عائشة: فأخرجه البخاري: ۱۸۳۱، ۳۳۰٦، ومسلم: ۷/ ٤۲، والنسائي: ۲/ ٦۳، وابن ماجه: ۳۲۳۰، وابن حبان: ۳۹۵۲، والبيهقي: ۵/ ۲۱۰۔۲۱۱، وأحمد: ٦/ ۸۷۔۲۷۱، ۲۷۹

٢۔ وأما حديث سعد بن أبي وقاص: فأخرجه مسلم، وأبوداود: ٥٢٦٢، وابن حبان: ٥٦٠٦، وأحمد: ١/ ١٧٦

شرح:...... تخلیق کائنات کی غرض و غایت انسان ہے، زمین کی گہرائیوں سے آسمان کی رفعتوں تک جو کچھ نظر آ رہا ہے، یہ سب کچھ انسان کی خدمت پر مامور ہے۔ چونکہ کوئی بشر اللہ تعالی کی حکمتوں اور دانائیوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا، اس لیے ہماری عقل اس کے احکام و اصول کی موافقت کرے یا نہ کرے، ہمیں بہرصورت اس کے احکام پر پورا اترنا پڑے گا۔

اللہ تعالی کے بعض احکام کا تعلق چھوٹے سے جانور چھپکلی سے ہے، جسے نہ صرف مارنے کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ مخصوص اجر و ثواب کا تعین بھی کر دیا گیا ہے۔

سیدہ ام شریک رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چھپکلی کو قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ((كَانَ يَنْفُخُ عَلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔)) (بخاری: ٣٣٥٩) ...... ''یہ چھپکلی حضرت ابراہیم علیہ السلام (پر جلائی گئی آگ کو تیز کرنے کے لیے) پھونک مارتی تھی۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ قَتَلَ وَزَغًا فِيْ أَوَّلِ ضَرْبَةٍ كُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَفِي الثَّانِيَةِ دُوْنَ ذَالِكَ وَفِي الثَّالِثَةِ دُوْنَ ذَالِكَ۔)) (مسلم: ٢٢٤٠) ...... ''جس نے چھپکلی کو پہلی ضرب میں قتل کر دیا، اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی، دوسری ضرب میں قتل کرنے کا ثواب اس سے کم ہے اور تیسری دفعہ کا اس سے بھی کم ہے۔''

چھپکلی کو اس کے ضرر کی وجہ سے فاسق اور موذی جانور کہا گیا ہے۔

اللہ تعالی کی لعنت اور غضب اور جہنم کی بددعا نہیں دینی چاہیے

(٢٨٧١)۔ عَنْ سَمُرَةَ بْنُ جُنْدُبٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَاتَلَاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللّٰهِ، وَلَا بِغَضَبِهِ، وَلَا بِالنَّارِ وَفِي رِوَايَةٍ: بِجَهَنَّمَ۔)) (الصحيحة: ٨٩٣)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم ایک دوسرے پر اللہ کی لعنت، اس کے غضب اور جہنم کی آگ کے ساتھ لعن طعن نہ کرو۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ٤٩٠٦، والترمذي: ١/ ٣٥٧، والحاكم: ١/ ٤٨، وأحمد: ٥/ ١٥، و البيهقي في "الشعب": ٤/ ٢٩٥/ ٥١٦٠

شرح:...... اگر ہم کسی کے حق میں بددعا کرنے پر تل ہی جائیں تو اللہ تعالی کی لعنت، غضب اور جہنم کا ذکر نہ ہونے دیں، جیسے: اس پر اللہ کی لعنت ہو، اس پر اس کا غضب نازل ہو، وہ جہنم کا ایندھن بنے۔

کسی کے لیے خدا کی مار، پھٹکار، اللہ تعالی کی خیر و رحمت سے دوری اور اس کے عذاب و عتاب کی بددعا کرنا لعنت کہلاتا ہے۔ بیشتر لوگ ہنسی مذاق یا سنجیدگی میں دوسرے مسلمان بھائیوں کو لعنت جیسے قبیح القاب سے پکارنے سے اجتناب

نہیں کرتے، جبکہ سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ.)) (بخاری، مسلم) ...... ''مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کے برابر ہے۔''

زبان کی حفاظت مومن کا عظیم وصف ہے، کسی انسان کی شخصیت کا پتہ دینے کے لیے زبان ہی کافی ہے۔ لعن طعن، سب وشتم اور گالی گلوچ ایمان اور صدق کے منافی امور ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ نبی کریم ﷺ کی اس وصیت پر عمل کریں اور باوقار زندگی گزارتے ہوئے اپنے آپ کو قابو میں رکھیں۔

ہوا کو لعنت کرنا منع ہے

(۲۸۷۲)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَجُلاً نَازَعَتْهُ الرِّيْحُ رِدَاءَهُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَعَنَهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَاتَلْعَنِ الرِّيْحَ فَإِنَّهَا مَأْمُوْرَةٌ، وَإِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِأَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ.)) (الصحيحة:۵۲۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں ایک آدمی کی چادر ہوا سے اڑنے لگی، اس نے ہوا کو لعن طعن کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہوا کو ملعون مت ٹھہرا، یہ تو (اللہ کے حکم کی) پابند ہے، (یاد رہے کہ) جس آدمی نے کسی ایسی چیز پر لعنت کی جو اس کی مستحق نہ ہو تو وہ لعنت پلٹ کر اسی پر پڑتی ہے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ۴۷۰۸، والترمذي: ۱/ ۳۵۷، والطبراني في "الكبير": ۳/ ۱۷۵، وابن حبان: ۱۹۸۸، والبيهقي في "الشعب": ۲/ ۱۰۲/ ۱

شرح:...... جن امورِ کائنات کا تعلق محض تقدیرِ الٰہی سے ہے، ان کو برا بھلا کہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، مثلاً بارش کا نزول یا عدمِ نزول، زلزلہ، آندھی، بیماری، کسی کا حسین ہونا، کسی کا بدصورت ہونا، دراز قد ہونا، کوتاہ قد ہونا، وغیرہ۔ ایسے چیزوں کو برا بھلا کہنے کا مطلب اللہ تعالی پر اظہارِ ناگواری ہوگا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہر بات کرنے سے قبل اس کا وزن کر لیا کریں۔ یہ حدیث سخت وعید پر مشتمل ہے کہ اگر کوئی کسی ایسی چیز پر لعنت کرتا ہے، جو اس کی مستحق نہیں ہوتی تو وہ لعنت اسی پر لوٹ آتی ہے۔

مسلمانوں میں قطع تعلقی کے نقصانات

(۲۸۷۳)۔ عَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((لَايَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ مُسْلِمًا فَوْقَ ثَلَاثٍ، فَإِنَّهُمَا نَاكِبَانِ عَلَى الْحَقِّ مَا دَامَا عَلٰى صِرَامِهِمَا، فَأَوَّلُهُمَا فَيْئًا سَبَقُهُ بِالْفَيْءِ كَفَّارَةٌ، فَإِنْ سَلَّمَ وَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ سَلَامَهُ رَدَّتْ

حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ تین ایام سے زیادہ اپنے بھائی سے تعلق منقطع رکھے۔ جب تک وہ اس حرام کام کے مرتکب رہیں گے راہِ حق سے منحرف رہیں گے۔ جو (اپنے جرم سے) باز آنے میں سبقت کرے گا تو اس کا سبقت کرنا

عَـلَيْـهِ الْـمَلَائِـكَةُ ، وَرَدَّ عَـلَـى الْآخَـرِ الشَّيْـطَـانُ ، فَـإِنْ مَـاتَا عَلٰى صِرَامِهِمَا لَمْ يَجْتَمِعَا فِي الْجَنَّةِ أَبَداً۔)) (الصحيحة:١٢٤٦)

اس کے جرم کا کفارہ بن جائے گا۔ اگر اس نے سلام کیا لیکن دوسرے نے جواب نہ دیا تو اسے فرشتے جواب دیں گے اور دوسرے پر شیطان وارد ہوں گے، اگر وہ اسی قطع تعلقی کی صورت میں مر گئے تو کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔"

تـخـريـــج: أخـرجـه البـخـاري في "الأدب المفرد" رقم ٤٠٢ ، وأحمد: ٤/ ٢٠ ، والبيهقي في "الشعب" ٢/ ٢٨٧/ ٢

شــرح:...... دور رس اور ہوشمند افراد کے لیے قطع تعلقی کی بنا پر اس حدیث میں بیان کی گئی وعید ہی کافی ہے۔ جہاں انسان خطا کا پتلا ہے اور ہر وقت اس سے غلطی صادر ہونے کا امکان موجود رہتا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ نے بھی ان بشری تقاضوں اور انسانی جذبات کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ دیکھیے! اللہ تعالیٰ نے تعلقات میں فساد اور بگاڑ آ جانے پر تین دن کی مہلت دی ہے اور یہ مہلت کسی کے جذبات کے ٹھنڈا پڑ جانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ اس مدت کے بعد کسی مسلمان کے لیے ناراض رہنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، بصورتِ دیگر اس کی مذہبی حالت زوال پذیر ہونا شروع ہو جائے گی۔ ہمارے معاشرے میں "اَنَــا وَلَا غَيْـرِیْ" (بس! میں ہوں اور کوئی نہیں ہے) (ہم چوں دیگرے نیست) والا قانون عام ہے، ہر کوئی اپنی انانیت کے جذبات کو عزت و ذلت کا معیار سمجھتا ہے، نہ کہ شرعی احکام کو۔ اس معاملے میں سیاسی پارٹیوں کی تفرقہ بازیوں نے افرادِ معاشرہ کو دولخت کر دیا ہے، صدیوں پرانی دشمنیاں برقرار ہیں۔ فقر و فاقہ گھر کے صحن میں رقص کناں ہوتا ہے، لیکن جناب کی گردن میں خم نہیں آتا اور اپنی آل اولاد کو کئی مسائل کے جھنجھٹ میں پھنسا کر خود دنیائے فانی سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ اپنی دوستی و یاری کا جائزہ لیں اور شرعی اصولوں سے وفا کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے مستحق ٹھہر سکیں۔

لوگوں کا شکریہ ادا کرنا

(٢٨٧٤)۔ عَـنِ الْأَشْـعَـثِ بْـنِ قَيْـسٍ مَـرْفُـوْعـاً: ((لَايَشْـكُـرُ اللّٰهَ مَنْ لَايَشْكُرُ النَّاسَ۔)) (الصحيحة:٤١٦)

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں کا شکر نہ ادا کر سکنے والا اللہ تعالیٰ کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہے۔"

تخريـج: أخرجه أحمد: ٥/ ٢١١ و ٢١٢

شرح:...... تمام انعامات کا سرچشمہ اور منعم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، وہ اس بات کا مستحق ہے کہ ہر وقت اور ہر نعمت پر اس کا شکریہ ادا کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ کھانے پینے کے بعد کی دعاؤں، سوتے اور بیدار ہوتے وقت کی دعاؤں، سواری پر سوار ہونے کی دعاؤں وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کی گئی ہے۔

بسا اوقات انسان کو اللہ تعالی کی طرف سے براہِ راست نعمت ملتی ہے، لیکن بعض اوقات ربّ جلیل اپنے بندوں پر انعام کرنے کے لیے اپنے بندوں کو ہی استعمال کرتے ہیں، جیسے وہ لوگ جو ہماری روزی کا سبب بنتے ہیں، ہمیں صدقہ و خیرات دیتے ہیں، ہمیں تحائف و ہدایا عطا کرتے ہیں، ہم کو دعوت دیتے ہیں، وغیرہ۔ ایسی صورت میں لوگوں کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

کھیتی باڑی کے لیے بعض عربی الفاظ کی تعلیم

(٢٨٧٥)۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أَبِيْ هُـرَيْـرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَـقُـوْلَـنَّ أَحَـدُكُمْ: زَرَعْتُ ، وَلٰكِنْ لِيَقُلْ: حَرَثْتُ۔)) قَالَ مُحَمَّدُ: قَالَ أَبُوْهُرَيْرَةَ: أَلَمْ تَسْـمَعُوْا إِلٰى قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَـاتَـحْـرُثُـوْنَ۔ أَأَنْتُمْ تَـزْرَعُوْنَـهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُوْنَ﴾۔ (الصحيحة:٢٨٠١)

محمد بن سیرین، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(اگر کوئی آدمی عربی زبان میں یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں نے فصل کاشت کی تو) وہ ''زَرَعْتُ'' نہ کہے، بلکہ ''حَرَثْتُ'' کہے۔'' پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم نے اللہ تعالی کا یہ فرمان نہیں سنا: ((اچھا پھر یہ بھی بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو۔ اسے تم ہی اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں))۔ (سورۂ واقعہ: ٦٣، ٦٤)

تخريج: أخرجه ابن جرير الطبري في"التفسير": ٢٧/ ١١٤ ، والبزار : ١٢٨٩ ، وابن حبان :٥٦٩٣۔ الاحسان ، والطبراني في" الأوسط": ١/ ١٤٩/ ١۔الظاهرية ، وأبو نعيم في"الحلية": ٨/ ٢٦٧ ، والسهمي في"تاريخ جرجان": ٣٦٩ ، والبيهقي في"السنن": ٦/ ١٣٨ ، وفي"شعب الايمان": أيضا ٤/ ٢٨٠١

شرح:...... یعنی اللہ تعالی نے اس آیت میں بندوں کے لیے لفظ ''حَرَثَ'' اور اپنے لیے ''زَرَعَ'' استعمال کیا۔ معلوم ہوا کہ عربی زبان بولنے والوں کو باب ''حَرَثَ يَحْرُثُ'' استعمال کرنا چاہیے، لیکن بعض احادیث میں باب ''زَرَعَ يَــزْرَعُ'' کی نسبت بھی بندوں کی طرف کی گئی ہے، جب کہ اس حدیث میں منع کر دیا گیا ہے۔ امام البانی رحمہ اللہ اس تضاد کو دور کرنے کے لیے رقمطراز ہیں:

دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اس باب کی حدیث ، کچھ دوسری احادیث صحیحہ کے مخالف ہے، مثلا آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَـا مِـنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا ، فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ ، أَوْ اِنْسَانٌ ، أَوْ بَهِيْمَةٌ ، اِلَّا كَـانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةً۔)) (بخاري: ٢٣٢٠، مسلم: ١٥٥٢، صحيحه: ٧) ...... ''مسلمان جو درخت لگاتا ہے اور کوئی کھیتی بوتا ہے اور اس سے کوئی پرندہ، کوئی انسان اور کوئی جانور کھاتا ہے، تو اس کے لیے صدقہ (کرنے کا ثواب) ہو گا۔''

اس حدیث مبارکہ میں باب ''زَرَعَ يَزْرَعُ'' کی نسبت انسان کی طرف کی گئی ہے۔

حافظ ابن حجر نے (فتح الباری: ٥/ ٤) میں کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کی طرف اس باب کی نسبت

درست ہے اور ابن ابی حاتم وغیرہ کی جس حدیث میں اس نسبت سے منع کیا گیا ہے، وہ قوی نہیں ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: آپ پہچان چکے ہیں کہ حدیث قوی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان احادیث میں پائے جانے والے تضاد کو دور کیا جائے۔ یہاں بھی دوسری احادیث میں مستعمل ہونے والے ایک ضابطے کا سہارا لینا مناسب ہوگا کہ نہی کو کراہت پر اور اجازت کو جواز پر محمول کیا جائے، جیسا کہ آپ ﷺ نے انگور کو ''الکرم'' کہنے سے منع فرمایا اور پھر خود اس لفظ کو استعمال کیا۔

یا پھر (محتاط مسلک اختیار کرتے ہوئے) یہ کہا جائے کہ ایک حدیث ''زَرَعَ'' کے لفظ سے منع کرنے والی ہے، جبکہ دوسری اجازت دینے والی ہے، ایسی صورت میں منع کرنے والی حدیث کو مقدم کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔ (صحیحہ: ۸۰۱)

غلام اور مالک ایک دوسرے کو کیسے پکاریں

(٢٨٧٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعاً: ((لَايَقُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ: عَبْدِي فَكُلُّكُمْ عَبِيْدُ اللّٰهِ، وَلٰكِنْ لِيَقُلْ: فَتَایَ۔ وَلَا يَقُلْ الْعَبْدُ: رَبِّیْ، وَلٰكِنْ لِيَقُلْ: سَيِّدِیْ۔)) (الصحيحة: ۸۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی اپنے غلام کو ''عَبْدِیْ'' (میرا بندہ) نہ کہے بلکہ ''فَتَایَ'' (میرا خادم) کہے، کیونکہ تم سارے اللہ کے بندے ہو۔ اسی طرح کوئی غلام اپنے آقا کو ''رَبِّیْ'' (میرا ربّ) نہ کہے بلکہ ''سَیِّدِیْ'' (میرا سردار) کہے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ۷/ ٤٦، وأحمد: ۲/ ٤٩٦، وهو مروی بالفاظ أُخر، لينظر التفصيل فی الصحيحة

شرح:...... اللہ تعالیٰ ہمارا ربّ ہے اور ہم اس کے بندے ہیں، نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں یہ چاہا ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص رہنے دیے جائیں، اس لیے حکم دیا کہ کوئی غلام اپنے مالک کو ''ربّی'' نہ کہے اور کوئی مالک اپنے غلام کو ''عبدی'' یعنی اپنا بندہ نہ کہے۔ لیکن بعض آیات اور احادیث میں مالکوں اور غلاموں کی طرف ان ہی الفاظ کے ساتھ نسبت کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا استعمال جائز ہے، البتہ ان کو رواج دینے سے اجتناب کرنا چاہیے، جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا: علمائے کرام کا کہنا ہے کہ اس موضوع سے متعلقہ احادیث کے دو مقاصد ہیں:

(۱) غلام کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ اپنے مالک اور سید کو ربّ کہے، کیونکہ درحقیقت ربوبیت صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

(۲) نہی سے مراد یہ ہے کہ کثرت سے ان الفاظ کا استعمال نہ کیا جائے، شاذ و نادر حالات میں استعمال کرنا جائز ہے۔ (شرح مسلم للنووی: ۲/ ۲۳۸)

سلام کہنے، کھانا کھلانے، صلہ رحمی کرنے اور قیام اللیل کرنے کی فضیلت

(٢٨٧٧)۔ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفٰی: حَدَّثَنِي عَبْدُاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ انْجَفَلَ النَّاسُ قِبَلَهُ وَقِيْلَ: قَدْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، قَدْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ثَلَاثاً) فَجِئْتُ فِي النَّاسِ لِأَنْظُرَ، فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ، فَكَانَ أَوَّلُ شَيْءٍ سَمِعْتُهُ تَكَلَّمَ بِهِ اَنْ قَالَ: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوْا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوْا الطَّعَامَ، وَصِلُوْا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔)) (الصحيحة:٥٦٩)

زرارہ بن اوفی کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ میں آئے تو لوگ آپ ﷺ کی طرف اُمڈ آئے اور کہا جانے لگا: رسول اللہ ﷺ آ گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ آ گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ آ گئے ہیں۔ میں بھی آپ کو دیکھنے کے لیے آیا۔ جب میں نے آپ کا چہرہ بغور دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہے۔ پہلی حدیث، جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی اور میں نے سنی، یہ تھی: ''اے لوگو! سلام عام کرو، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، رحموں کو ملاؤ (یعنی رشتہ داریوں کے حقوق ادا کرو) اور اس وقت اٹھ کر (تہجد کی) نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٧٩، والدارمي: ١/ ٣٤٠، وابن ماجه: ١٣٣٥، ٣٢٥١، وابن نصر في"قيام الليل": ١٧، والحاكم: ٣/ ١٣، ٤/ ١٦٠، وأحمد: ٥/ ٤٥١، وابن سعد في "الطبقات": ١/ ٢٣٥، وابن أبي شيبة في"المصنف": ٨/ ٥٣٦، ٦٢٤، ١٤/ ٩٥، والضياء في"المختارة": ٥٨/ ١٧٦/ ١۔٢

شرح:...... جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں پہنچے تو پہلے پہل اس شہر کے باسیوں کو جن احکام سے نوازا، ان میں سلام کو عام کرنے، کھانے کھلانے، صلہ رحمی کرنے اور رات کو نماز پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے، اس سے ان امور کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

کسی سفر سے واپسی پر بیویوں کے پاس اچانک آنا منع ہے

(٢٨٧٨)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَقْبَلَ مِنْ غَزْوَةٍ فَقَالَ: ((يَاأَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَطْرُقُوْا النِّسَاءَ لَيْلاً وَلَا تَغْتَرُّوْهُنَّ۔)) (الصحيحة:٣٠٨٥)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک غزوہ سے واپس آئے اور فرمایا: ''لوگو! (جب تم سفر سے واپس آ رہے ہو تو) عورتوں کے پاس بوقتِ شب نہ آیا کرو، نیز انھیں مطلع کئے بغیر (اچانک) نہ آجایا کرو۔''

تخريج: أخرجه البزار في"مسنده": ٢/ ١٨٦/ ١٤٨٥۔ كشف الأستار

شرح:...... اس اعتبار سے اسلام واحد مذہب ہے کہ اس میں انسان کی کامیاب زندگی کے کسی پہلو کو ادھورا نہیں چھوڑا گیا۔ اگر یہ کہا جائے تو درست ہے کہ میاں بیوی کے مابین حسن و جمال کو کافی اہمیت حاصل ہے، وگرنہ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ عورت بن سنور کر اپنے خاوند کی آنکھوں میں زیادہ مقام حاصل کر سکتی ہے، اس حدیث میں اسی طبعی چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وگرنہ دلہن کے بناؤ سنگھار کا کوئی تک ہی نہیں بنتا۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھے، جب ہم واپس مدینہ منورہ پہنچے اور اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ذرا ٹھہر جاؤ، رات کو گھروں میں داخل ہونا، تاکہ تمہاری بیویاں پراگندہ بالوں میں کنگھی وغیرہ کر لیں اور اپنے جسم کے فاضل بالوں کی صفائی کر لیں۔'' (بخاری: ۵۰۷۹، مسلم: ۱۵۲۷)

اس حدیث میں ٹھہرنے سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کے خاوند حضرات پہنچنے والے ہیں، تاکہ وہ بن سنور سکیں۔

اسی روایت میں اس حکم نبوی کی ایک اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے: سیدنا جابر کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو (اچانک) اپنی بیوی کے پاس جانے سے منع کیا، تاکہ خاوند اپنی بیوی کی خیانت اور لغزشوں کی تحقیق کرنا شروع نہ کر دے۔ (مسلم: ۱۵۲۷)

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بیش قیمت نبوی نصائح

(٢٨٧٩)۔ عَنْ فَرْوَةَ بْنِ مُجَاهِدٍ اللَّخْمِيِّ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: لَقِيتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لِي: ((يَاعُقْبَةُ بْنَ عَامِرٍ! صِلْ مَنْ قَطَعَكَ، وَأَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ۔)) قَالَ: ثُمَّ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لِي: ((يَا عُقْبَةُ بْنَ عَامِرٍ! اِمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ۔)) ثُمَّ لَقِيتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لِي: ((يَاعُقْبَةُ بْنَ عَامِرٍ! أَلَا أُعَلِّمُكَ سُوَراً مَا أُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ، وَلَا فِي الْإِنْجِيْلِ وَلَا فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهُنَّ؟ لَا يَأْتِيَنَّ عَلَيْكَ لَيْلَةٌ إِلَّا قَرَأْتَهُنَّ فِيْهَا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَ

فروہ بن مجاہد لخمی، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ''عقبہ بن عامر! اس آدمی سے صلہ رحمی سے پیش آیا کر جو تجھ سے قطع رحمی کرے، اس آدمی کو دیا کر جو تجھے محروم رکھے اور اس کو معاف کر دیا کر جو تجھ پر ظلم کرے۔'' (میں چلا گیا) اور جب بعد میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عقبہ بن عامر! اپنی زبان کو قابو میں رکھو، تمہارا گھر تمہیں اپنے اندر سما لے (یعنی بلاضرورت گھر سے نہ نکلو) اور اپنی غلطیوں پر رویا کرو۔'' (میں چلا گیا اور) جب تیسری دفعہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عقبہ بن عامر! کیا میں تجھے ایسی سورتیں نہ سکھاؤں، جن کی مثل نہ تورات میں نازل ہوئی، نہ زبور میں، نہ انجیل میں اور نہ قرآن مجید (کے بقیہ حصے) میں؟ ہر رات کو ان سورتوں کی تلاوت کیا کر:

قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔))قَالَ عُقْبَةُ: فَمَا أَتَتْ عَلَيَّ لَيْلَةٌ إِلَّا قَرَأْتُهُنَّ فِيْهَا، وَحَقٌّ لِي أَنْ لَّا أَدَعَهُنَّ وَقَدْ أَمَرَنِي بِهِنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَ فَرْوَةُ بْنُ مُجَاهِدٍ إِذَا حَدَّثَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ يَقُوْلُ: أَلَا! فَرُبَّ مَن لَّا يَمْلِكُ لِسَانَهُ، أَوْلَا يَبْكِيْ عَلٰى خَطِيْئَةٍ وَلَايَسَعُهُ بَيْتُهُ۔ (الصحيحة:٨٩١)

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ‘‘ حضرت عقبہ کہتے ہیں کہ میں ہر رات کو ان سورتوں کی تلاوت کرتا ہوں اور حق بھی یہی ہے کہ میں انھیں ترک نہ کروں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے۔ فروہ بن مجاہد جب یہ حدیث بیان کرتے تو کہتے: کتنے ہی لوگ ہیں جو نہ اپنی زبانوں پر کنٹرول کرتے ہیں، نہ اپنی خطاؤں پر روتے ہیں اور نہ ان کے گھر ان کو سموئے رکھتے ہیں۔

تخريج: أخرجه احمد: ٤/ ١٥٨، والطبراني في "المعجم الكبير": ١/ ١٦٣/ ٢، ومن طريقه الضياء في "جزء من المختارة": ق ٨٩/ ١

شرح:...... یہ چیز قابل فکر ہے کہ جنابِ فروہ نے اس انداز میں پہلی صدی ہجری کے لوگوں کے حالات کا رونا رویا ہے، عصر حاضر کے کیا حالات ہونے چاہئیں، ہر ہوشمند اندازہ کرسکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سوچیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث مبارکہ میں سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ کو جو سات نصیحتوں کو تحفہ عطا فرمایا، ہمارے طرزِ حیات کا اس سے کیا تعلق ہے؟ موافقت ہے یا مخالفت؟

ہر کوئی پہلے اپنے گریبان میں جھانکے

(٢٨٨٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَوْقُوْفًا: يُبْصِرُ أَحَدُكُمُ الْقَذَاةَ فِيْ عَيْنِ أَخِيْهِ وَيَنْسَى الْجَذْعَ۔أَوْ الْجِذْلَ۔فِيْ عَيْنِهِ مُعْتَرِضًا۔ (الصحيحة:٣٣)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (ایسے کیوں ہے کہ) ہر آدمی اپنے بھائی کی آنکھ میں پڑا ہوا تنکا بھی دیکھ لیتا ہے، جبکہ اسے اپنی آنکھ میں چبھا ہوا تنا بھی نظر نہیں آتا۔

تخريج: رواه ابن صاعد في "زوائد الزهد لابن المبارك": ق١٦٥/ ١ من الكواكب: ٥٧٥ رقم:٢٢٢۔ط، وابن حبان في "صحيحه": ١٨٤٨، وأبوالشيخ في "الأمثال": ٢١٧، وأبو نعيم في "الحلية": ٤/ ٩٩، وعنه الديلمي: ٤/ ٣٣٣، والقضاعي في "مسندالشهاب": ق٥١/ ١

شرح:...... ہماری اصلاح وفلاح کے لیے شریعتِ اسلامیہ نے یہ اصول مرتب کیا تھا کہ اپنی برائیوں کو مدنظر رکھ کر اپنی فکر کرو اور نیک سے نیک تر بننے کی کوشش کرو اور دوسرے مسلمانوں کی لغزشوں کو نظر انداز کر دو اور ان کی حسنات کو ملحوظِ خاطر رکھ کر ان کا احترام کرو۔

لیکن عصرِ حاضر کا معاملہ اس کے برعکس ہے، ہر مسلمان اپنے آپ کو دوسروں کی برائیوں کے تناظر میں پرکھتا ہے

اور بزعمِ خود اپنے آپ کو معاشرے کا فائق ترین فرد قرار دیتا ہے۔ اس گھٹیا قانون نے ہمیں بدعملی کی گہری کھائی میں گرا دیا ہے۔ جس فرشتے کی ذمہ داری انسان کی برائیوں کا اندراج کرنا ہے، وہ بھی تقریبا چھ گھنٹوں تک اس خیال سے برائی درج نہیں کرتا کہ شاید یہ بندہ توبہ کر لے اور لکھنے سے پہلے ہی معاف کر دی جائے۔ لیکن ہم اس انتظار میں بیٹھے ہوتے ہے کہ کوئی قصور کرے سہی، اس کو اچھالنا اور معاشرے میں اس کو بدنام کرنا ہماری اولین ذمہ داری ہے اور یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالی نے لوگوں کی برائیوں کے ریکارڈ کا مطالبہ ہم سے کرنا ہے۔

قارئین کرام! نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ دینی معاملے میں اپنے سے زیادہ نیک آدمی کو نمونہ بنا کر آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور دنیوی معاملات میں اپنے سے حقیر اور کم تر فرد کو سامنے رکھ کر اللہ تعالی کا شکریہ ادا کرو۔

قاتل اور مقتول دونوں جنت میں

(٢٨٨١)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعاً: ((يَضْحَكُ اللّٰهُ إِلٰى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الآخَرَ كِلَاهُمَا فِي الْجَنَّةِ، يُقَاتِلُ هٰذَا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ عَزَّوَجَلَّ۔ فَيُسْتَشْهَدُ، ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَى الْقَاتِلِ فَيُسْلِمُ، فَيُقَاتِلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَيُسْتَشْهَدُ۔)) (الصحيحة: ١٠٧٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی ان دو آدمیوں پر ہنستے ہیں، جن میں ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے اور پھر دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں، (اس کی صورت یوں ہے کہ) ایک آدمی اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے اور شہید ہو جاتا ہے، پھر اللہ تعالی اس قتل کرنے والے کو توبہ کی توفیق دیتا ہے، پس وہ مسلمان ہو جاتا ہے اور اللہ تعالی کے راستے میں جہاد کرتا ہوا شہید ہو جاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه مالك: ٢/ ١٧، وعنه البخاري: ٣/ ٢١٠، والنسائي: ٢/ ٦٣، والبيهقي في "الأسماء والصفات" صـ ٤٦٧ ثلاثتهم عن مالك، ومسلم: ٦/ ٤٠ واللفظ له، وابن خزيمة في "التوحيد" صـ ١٥٢

شرح:...... معلوم ہوا کہ توبہ سے بڑے بڑے گناہوں کے اثرات اور قبولیتِ اسلام سے سابقہ غلطیاں زائل ہو جاتی ہیں۔ ہنسنا اللہ تعالی کی صفت ہے، جس پر ایمان رکھنا ضروری ہے، البتہ اس کی کیفیت و نوعیت تک ہماری رسائی ممکن نہیں ہے، اس لیے اس کو اللہ تعالی کے سپرد کر دینا چاہیے۔

خالہ ماں ہی تو ہے

(٢٨٨٢)۔ عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: لَمَّا خَرَجْنَا مِنْ مَكَّةَ اتَّبَعَتْنَا ابْنَةُ حَمْزَةَ فَنَادَتْ: يَاعَمِّ! يَا عَمِّ! فَأَخَذْتُ بِيَدِهَا فَنَاوَلْتُهَا فَاطِمَةَ قُلْتُ: دُوْنَكِ ابْنَةَ عَمِّكِ، فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ،

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم مکہ سے نکلے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہمارے پیچھے چل پڑی، اس نے آواز دی: میرے چچا جان! میرے چچا جان! میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تھماتے ہوئے کہا: اپنی چچازاد کو

اِخْتَصَمْنَا فِيْهَا أَنَا وَزَيْدٌ وَجَعْفَرٌ، فَقُلْتُ: أَنَا أَخَذْتُهَا وَهِيَ ابْنَةُ عَمِّي، وَقَالَ زَيْدٌ: ابْنَةُ أَخِي، وَقَالَ جَعْفَرٌ: ابْنَةُ عَمِّي، وَخَالَتُهَا عِنْدِي، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِجَعْفَرٍ: ((أَشْبَهْتَ خَلْقِيْ وَخُلُقِي۔)) وَقَالَ لِزَيْدٍ: ((أَنْتَ أَخُوْنَا وَمَوْلَانَا۔)) وَقَالَ لِي: ((أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ اِدْفَعُوْهَا إِلٰى خَالَتِهَا، فَإِنَّ الْخَالَةَ أُمٌّ۔)) فَقُلْتُ: أَلَا تَزَوَّجُهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ۔))

(الصحيحة:١١٨٢)

اپنے پاس رکھو۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو اس کے بارے میں میں، زید اور جعفر جھگڑا کرنے لگے۔ میں نے کہا: یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میں اسے لے کر آیا ہوں۔ زید نے کہا: یہ تو میرے بھائی کی بیٹی ہے اور جعفر نے کہا: میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جعفر سے کہا: ''تو پیدائشی اور اخلاقی اوصاف میں مجھ سے مشابہت رکھتا ہے۔'' زید سے کہا: ''تو ہمارا بھائی اور دوست ہے۔'' اور مجھے کہا: تو مجھ سے ہے، میں تجھ سے ہوں۔ اس طرح کرو کہ اس (بچی) کو اس کی خالہ کے حوالے کر دو، کیونکہ خالہ بھی ماں ہی ہوتی ہے۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ میرے رضاعی بھائی (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ) کی بیٹی ہے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ١/ ٥٣٠۔ الحلبية، والحاكم: ٣/ ١٢٠ واللفظ له، وأحمد: ١/ ٨٨، ١١٥

شرح:...... اس حدیث میں خالہ کے مقام و مرتبہ کو واضح کیا گیا ہے، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میں نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے، کیا اس سے توبہ کرنے کا امکان ہے؟ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا تیری ماں (موجود) ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: ''کیا تیری خالہ ہے؟'' اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''اس سے حسن سلوک کر (تیرے گناہ کے اثرات کا ازالہ ہو جائے گا)۔'' (ترمذی: ١٩٠٤)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کے بعد بچے کی سب سے زیادہ حقدار اس کی خالہ ہے، جیسا کہ شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے یا بچی کی پرورش کے سلسلہ میں اس کی خالہ، اس کی ماں کے قائم مقام ہے۔ اس بات پر تو اجماع ہو چکا ہے کہ اس سلسلے میں ماں سب سے زیادہ مستحق ہے اور اس حدیث میں دی گئی تشبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کی خالہ، اس کے باپ، نانیوں اور پھوپھیوں سے زیادہ مستحق ہے۔ (عون المعبود)

عام طور پر ماؤں کے بعد ان کے بچوں کا سب سے زیادہ لحاظ کرنے والی اور ان کا دردِ دل رکھنے والی ان کی خالائیں ہوتی ہے۔ پھوپھی، ماموں اور چچا لوگوں کی شفقت کا انکار نہیں، بہر حال سارے حالات پر نظر ڈالی جائے تو خالہ بلا مقابلہ نظر آتی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ دونوں بھائی تھے اور مؤخر الذکر دس سال بڑے تھے، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے چچا اور آپ ﷺ کے دودھ پیتے بھائی بھی تھے، جبکہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو جو جواب دیا، وہ ان کو مطمئن کرنے کے لیے دیا تھا، یہ آپ ﷺ کی حکمت و دانائی تھی۔

فحش گوئی سے اجتناب کرنے کا حکم

(٢٨٨٣)۔ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعًا: ((يَا عَائِشَةُ! إِيَّاكِ وَالْفُحْشَ! إِيَّاكِ وَالْفُحْشَ! فَإِنَّ الْفُحْشَ لَوْ كَانَ رَجُلاً لَكَانَ رَجُلَ سُوْءٍ۔)) (الصحيحة:٥٣٧)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عائشہ! بدزبانی سے بچو، بدزبانی سے بچو۔ اگر ''بدزبانی'' کو مرد کا وجود دے دیا جاتا تو وہ برا مرد ہوتا۔''

تخريج: رواه العقيلي في "الضعفاء": ٢٥٩

شرح: ..... فحش گوئی، بدکلامی اور بدزبانی جیسی قبیح صفات بڑے بڑے معززین کی عصمتوں کا پول کھول دیتی ہیں۔

قارئین کرام! محمد رسول اللہ ﷺ کی معصومیت اور حکمت کا اندازہ لگائیں کہ یہودی لوگ آپ ﷺ کے لیے سلامت و سلامتی اور رحمت و برکت کی بجائے "اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ" کہہ کر موت و ہلاکت کی بددعائیں کر رہے ہیں، لیکن آپ ﷺ ان کی بدخلقی اور خبثِ باطن کا جواب دیتے وقت "وعليك" کہہ کر اپنی زبانِ مبارک کو نازیبا الفاظ سے کیسے پاک رکھتے ہیں۔ ایسی دانا ہستیوں کو یہی زیب دیتا ہے کہ ''لاٹھی بھی بچ جائے اور سانپ بھی مر جائے''۔ آج ہمیں اپنے مخالفین کی بددعا، گالی گلوچ اور سب وشتم کا جواب کیسے دینا چاہئے؟

اگر کوئی آدمی فحش گوئی، بدکلامی، بداخلاقی، بخیلی اور بزدلی سے متصف ہے تو اس کے بد ہونے کے لیے یہی صفات کافی ہیں، کسی اور بدی کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ ہماری مجالس میں کی گئی کلام کا زیادہ حصہ لہو و لغو، بیہودہ گوئی و فحش گوئی، چغلی و غیبت اور بے مقصد موضوعات پر مشتمل ہو گا، کئی نوجوان عام حالات میں عام بات کرتے ہوئے بھی ماں بہن کی فحش گالیاں دیتے رہتے ہیں۔ (اللہ تعالی کی پناہ)

بطورِ انتقام بھی فحش گوئی ممنوع ہے

(٢٨٨٤)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ دَخَلَ يَهُوْدِيٌّ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: السَّامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ! فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((وَعَلَيْكَ)) فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَهَمَمْتُ أَنْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک یہودی، رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور (السلام علیکم کی بجائے) کہا: اے محمد! اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ (یعنی آپ پر موت اور ہلاکت ہو)۔ آپ ﷺ نے یوں جواب دیا: "وَعَلَيْكَ (اور تجھ پر بھی ہو)۔"

أَتَكَلَّمَ ، فَعَلِمْتُ كَرَاهِيَةَ النَّبِيِّ ﷺ لِذٰلِكَ ، فَسَكَتُّ ، ثُمَّ دَخَلَ آخَرُ فَقَالَ: السَّامُ عَلَيْكَ ، فَقَالَ: ((عَلَيْكَ)) فَهَمَمْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ ، فَعَلِمْتُ كَرَاهِيَةَ النَّبِيِّ ﷺ لِذٰلِكَ ، ثُمَّ دَخَلَ الثَّالِثُ فَقَالَ: السَّامُ عَلَيْكَ: فَلَمْ أَصْبِرْ حَتّٰى قُلْتُ: وَعَلَيْكَ السَّامُ وَغَضَبُ اللّٰهِ وَلَعْنَتُهُ إِخْوَانَ الْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ! أَتُحَيُّوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ بِمَا لَمْ يُحَيِّهِ اللّٰهُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا التَّفَحُّشَ ، قَالُوْا قَوْلاً فَرَدَدْنَا عَلَيْهِمْ ، إِنَّ الْيَهُوْدَ قَوْمٌ حُسُدٌ ، وَإِنَّهُمْ لَا يَحْسُدُوْنَنَا عَلٰى شَيْءٍ كَمَا يَحْسُدُوْنَنَا عَلَى السَّلَامِ ، وَعَلٰى آمِين۔)) (الصحيحة:٦٩١)

حضرت عائشہ کہتی ہیں: میں نے بات تو کرنا چاہی لیکن مجھے معلوم تھا کہ آپ ﷺ ناپسند کریں گے، اس لیے میں خاموش رہی۔ ایک دوسرا یہودی آیا اور کہا: اَلسَّامُ عَلَيْكُم (آپ پر موت اور ہلاکت پڑے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وَعَلَيْكَ (اور تجھ پر بھی ہو)۔'' اب کی بار بھی میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن آپ ﷺ کے ناپسند کرنے کی وجہ سے (خاموش رہی)۔ پھر تیسرا یہودی آیا اور کہا: اَلسَّامُ عَلَيْكُم۔ مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں یوں بول اٹھی: بندرو اور خنزیرو! تم پر ہلاکت ہو، اللہ کا غضب ہو اور اس کی لعنت ہو۔ جس انداز میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو سلام نہیں دیا، کیا تم وہ انداز اختیار کرنا چاہتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بدزبانی اور فحش گوئی کو پسند نہیں کرتا، ان (یہودیوں) نے ''اَلسَّامُ عَلَيْكَ'' کہا اور ہم نے بھی (بدگوئی سے بچتے ہوئے صرف ''وَعَلَيْكَ'' کہہ کر) جواب دے دیا۔ دراصل یہودی حاسد قوم ہے اور (ہماری کسی) خصلت پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا کہ سلام اور آمین پر کرتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه ابن خزيمة في"صحيحه": ١/ ٧٣/ ٢ ، واخرجه ابن ماجه: ١/ ٢٨١ مقتصرا على الجملة الاخيرة

شرح:...... اگر یہودی، نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں آپ پر ہلاکت اور موت کے واقع ہونے کی بددعا کر کے گستاخی کریں، لیکن پھر بھی زبان کی عفت و عصمت کا خیال رکھتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ ان کا جواب دے دیا جائے، تو پھر اور کون سا مقام ہو سکتا ہے، جہاں مسلمان کو سب و شتم کرنے کی اجازت مل جائے گی؟

قارئین کرام! یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی معصومیت اور حکمت ہے کہ جب یہودی آپ ﷺ کے لیے سلامت و سلامتی اور رحمت و برکت کی بجائے ''اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ'' کہہ کر موت و ہلاکت کی بددعائیں کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے اس وقت بھی اپنی زبان سے نازیبا الفاظ نکالنا گوارہ نہ کیے۔

مزید سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے آخری جملے پر بحث کرتے ہوئے امام البانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ان دو احادیث میں

یہ اشارہ موجود ہے کہ سلام کی طرح امام کے پیچھے مقتدیوں کو بلند آواز سے آمین کہنا چاہئے، کیونکہ جہر سے ہی یہودیوں کے غصے اور حسد کو ہوا ملے گی۔ یہ بڑی واضح بات ہے، مزید آپ خود غور وفکر کریں۔ (صحیحہ: ٦٩٢)

(٢٨٨٥)۔ عَنْ عَائِشَةِ، قَالَتْ: كَانَ نَاسٌ يَـاْتُـوْنَ رَسُـوْلَ الـلّٰـهِ ﷺ مِـنَ الْيَهُوْدِ، فَيَـقُـوْلُـوْنَ: السَّـامُ عَـلَيْكَ۔ فَيَـقُـوْلُ: ((وَعَـلَيْـكُـمْ۔)) فَـفَـطِـنَـتْ بِهِمْ عَـائِشَةُ فَسَبَّتْهُـمْ، (وَفِـي رِوَايَةٍ: قَالَتْ عَائِشَةُ: بَلْ عَـلَيْـكُـمُ السَّـامُ وَالـذَّامُ) فَقَـالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَـهْ يَا عَائِشَةُ! لَا تَكُوْنِي فَاحِشَةً فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا التَّفَحُّشَ۔)) قَـالَـتْ: فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ كَـذَا وَكَـذَا فَـقَـالَ: ((أَلَيْـسَ قَدْ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ؟)) فَـأَنْـزَلَ الـلّٰـهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَإِذَا جَـاءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ۔ (الصحيحة: ٢٧٢١)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: یہودی لوگ آپ ﷺ کے پاس آکر (السلام علیکم کی بجائے) اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ (تم پر ہلاکت اور موت واقع ہو) کہتے تھے۔ آپ ﷺ جواباً فرماتے: "وَعَلَيْكُمْ (اورتم پر بھی ہو)۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی یہ بات سمجھ گئیں اور انھیں برا بھلا کہا (اور ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا: بلکہ تم پر ہلاکت اور مذمت ہو)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "عائشہ! رہنے دو، ناپسندیدہ باتیں مت کیا کرو، بلاشبہ اللہ تعالی بدگوئی اور بدزبانی کو ناپسند کرتا ہے۔" انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ تو آپ کو یوں یوں کہہ رہے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا میں نے ان کو (اچھے انداز میں) جواب دے نہیں دیا۔" پھر اللہ تعالی نے یہ آیت اتاری: ((اور جب وہ تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ان لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں اللہ تعالی نے نہیں کہا))...... آیت کے آخر تک (سورۂ مجادلہ: ٨)

تخريج: أخرجه ابن راهويه في "مسنده": ٤/ ١٦٨/ ١، وأخرجه مسلم: ٧/ ٥ من طريق ابن راهويه، وأحمد: ٦/ ٢٢٩، ورواه ابن ماجه: ٢/ ٣٩٧ مختصرا، والنسائي في "السنن الكبرى": ٦/ ٤٨٢/ ١١٥٧١

شرح:...... اپنوں کی مجلس ہو یا غیروں کی بیٹھک، مسلمانوں سے واسطہ پڑ رہا ہو یا غیر مسلموں سے، مسلمان اپنی سنجیدگی اور وقار کو برقرار رکھتا ہے اور اپنی ذات کے جھنجھٹ میں پڑ کر اپنی شخصیت کو داؤ پر نہیں لگاتا۔ مسئلہ کی وضاحت اس باب کی پہلی حدیث میں ہو چکی ہے۔

دائیں جانب کو مقدم کرنا

(٢٨٨٦)۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ: قِيْلَ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي حَبِيْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: هَلْ أَدْرَكْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ:

محمد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ کسی نے حضرت عبد اللہ ابو حبیبہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تو نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات یاد کی ہے؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس مسجد

جَاءَ نَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي مَسْجِدِنَا (قُبَاء) فَجِئْتُ وَأَنَا غُلَامٌ حَدَثٌ حَتّٰى جَلَسْتُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَجَلَسَ أَبُوْ بَكْرٍ عَنْ يَسَارِهِ ثُمَّ دَعَا بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ، ثُمَّ أَعْطَانِيْهِ، وَأَنَا عَنْ يَمِيْنِهِ، فَشَرِبْتُ مِنْهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ۔ (الصحيحة: ٢٩٤١)

قبا میں تشریف لائے، میں اس وقت نو عمر لڑکا تھا، میں آیا اور آپ ﷺ کی دائیں جانب بیٹھ گیا اور ابو بکر آپ ﷺ کی بائیں جانب بیٹھے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے مشروب منگوایا، کچھ پیا اور باقی مجھے دے دیا، کیونکہ میں دائیں جانب بیٹھا تھا، میں نے وہ مشروب پی لیا، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے، میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ جوتوں سمیت نماز پڑھ رہے تھے۔

تخریج: أخرجه أحمد: ٤/ ٢٢١، وابن أبي عاصم في "الوحدان": ٤/ ١٦٧/ ٢١٤٨

شرح:...... ایک سے زائد لوگوں کو کھانا کھلاتے، پانی اور چائے وائے پلاتے وقت اور کوئی ہدیہ و تحفہ وغیرہ تقسیم کرتے وقت دائیں طرف سے ابتدا ہونی چاہیے۔ لیکن ہمارے ہاں عام مجالس میں اس سنت سے مکمل بے رخی برتی جاتی ہے، ہم نے بزعم خود لوگوں کو مراتب میں تقسیم کر دیا ہے، کوئی اہل علم کو ترجیح دیتا ہے، کوئی سیاسی لیڈر کو اہمیت دیتا ہے، کوئی اپنے دوست کے گیت گاتا ہے۔ الغرض ہر کوئی اس سنت سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے نفس کی ترجیحات کو مقدم کرتا ہے اور کوئی چیز تقسیم کرتے وقت دائیں طرف سے شروع نہیں کرتا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے لیے بکری کا دودھ دوہا گیا، اس میں پانی ملایا گیا اور پھر آپ ﷺ کو تھما دیا گیا۔ آپ ﷺ نے پیا۔ آپ کی بائیں جانب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دائیں جانب ایک بدو بیٹھا تھا۔ جب آپ ﷺ نے اپنے منہ سے پیالہ ہٹایا تو سیدنا عمر رضی اللہ کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ آپ بدو کو دے دیں گے، اس لیے انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابو بکر کو دو۔ لیکن آپ ﷺ نے دودھ دائیں طرف والے بدو کو تھما دیا اور فرمایا: ((اَلْاَيْمَنَ فَالْاَيْمَنَ۔)) ''دائیں طرف والے کو مقدم کرو، دائیں طرف والے کو مقدم کرو۔'' (بخاری: ٢٣٥٢، مسلم: ٢٠٢٩) اور مسلم کی روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ((الأيمنون، الأيمنون، الأيمنون۔)) قَالَ اَنَسٌ: فَهِيَ سُنَّةٌ، فَهِيَ سُنَّةٌ، فَهِيَ سُنَّةٌ. ...... ''دائیں جانب والے، دائیں جانب والے، دائیں جانب والے (مقدم ہیں)۔'' سیدنا انس نے کہا: پس یہی سنت ہے، یہی سنت ہے، یہی سنت ہے۔

سوال یہ ہے کہ دودھ لانے والے نے دائیں جانب کو ترک کر کے رسول اللہ ﷺ کو دودھ کیوں تھمایا؟ امام البانی رحمہ اللہ جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: دراصل نبی کریم ﷺ نے مشروب طلب کیا تھا، اس لیے آپ سے ابتدا کی گئی۔ اس حدیث سے یہ استدلال کرنا درست نہیں کہ دائیں جانب کو ترک کر کے بڑی عمر والے سے ابتدا کی جائے گی، جیسا کہ آجکل عام ہے۔ دیکھئے! نبی کریم ﷺ نے خود اس سنت کا خیال رکھتے ہوئے بدو کو ابو بکر جیسی عظیم شخصیت پر مقدم کیا اور پھر وضاحت یہ فرمائی کی دائیں طرف والوں کو ہی مقدم کرنا چاہیے۔ (صحیحہ: ۱۷۷۱) جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے

سفارش بھی کی تھی۔

مزید امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: بڑی عجیب بات ہے کہ اکثر فاضل لوگ بھی اس سنت کی مخالفت پر مصر ہیں، حالانکہ یہ معاشرتی ادب اسلام کی خصوصیت ہے۔ اس سنت پر عمل کرنے کے لیے صرف اپنے آباء واجداد کی روایات کی مخالفت کرنا پڑتی ہے۔

اس سنت سے اعراض کی وجہ وہ فلسفہ ہے، جو لوگوں کے قلوب واذہاں میں سرایت کر چکا ہے کہ انھوں نے اس سلسلے میں اپنے ضمیر اور بڑوں کی پیروی کی اور اس سنت پر عمل نہ کر سکے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ مشروب پلانے والے اپنے ذہن کے مطابق مجلس میں بیٹھنے والے لوگوں میں سے امرا و اکابر کا تعین کرتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ حکمت وسیاست سے کام لے رہا ہے اور پیار ومحبت سے پیش آ رہا ہے۔ دراصل یہ ان کے نفوس اور اخلاق کے فاسد ہونے کی علامت ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ جوتوں سمیت نماز پڑھنا جائز ہے، اس مسئلہ کے کثیر شواہد تواتر کی حد تک پہنچتے ہیں۔ (صحیحہ: ۲۹۴۱)

درج ذیل حدیث اس معاملے میں فیصلہ کن ہے، اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ دائیں جانب والوں کا حق ہے، مخالفت کی صورت میں ان سے اجازت لینا ضروری ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰى خَالَتِي مَيْمُوْنَةَ وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ ، فَقَالَتْ مَيْمُوْنَةُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَلَا أُطْعِمُكَ مِمَّا أَهْدٰى لِي أَخِي مِنَ الْبَادِيَةِ؟ فَقَرَّبَتْ ضَبَّيْنِ مَشْوِيَّيْنِ عَلٰى قِنْوٍ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: كُلُوْا فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ طَعَامِ قَوْمِي ، أَجِدُنِي أَعَافُهُ ، وَأَكَلَ مِنْهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ خَالِدٌ فَقَالَتْ مَيْمُوْنَةُ: لَا آكُلُ مِنْ طَعَامٍ لَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ، ثُمَّ اسْتَسْقٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ فَأُتِيَ بِإِنَاءِ لَبَنٍ ، فَشَرِبَ ، وَعَنْ يَمِيْنِهِ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعَنْ يَسَارِهِ خَالِدُ ابْنُ الْوَلِيْدِ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لِابْنِ عَبَّاسٍ: أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَسْقِيَ خَالِدًا؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَا أُحِبُّ أَنْ أُوْثِرَ بِسُؤْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلٰى نَفْسِي أَحَدًا ، فَتَنَاوَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَشَرِبَ ، وَشَرِبَ خَالِدٌ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ أَطْعَمَهُ اللّٰهُ طَعَامًا فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَارْزُقْنَا خَيْرًا مِنْهُ ، وَمَنْ سَقَاهُ اللّٰهُ لَبَنًا فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ ، وَزِدْنَا مِنْهُ ، فَإِنِّي لَا أَعْلَمُ شَيْئًا يُجْزِئُ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ إِلَّا اللَّبَنُ۔)) (الصحیحة: ۲۳۲۰)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اور خالد بن ولید خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جنگل میں مقیم میرے بھائی نے جو ہدیہ پیش کیا ہے، کیا میں وہ آپ کو کھلاؤں؟ پھر انھوں نے کھجوروں کے گچھے پر لٹکا کر بھونے ہوئے دو عدد سانڈے پیش کیے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ میری قوم کے ماکولات میں سے نہیں ہے اور مجھے اس سے گھن آتی ہے۔'' پھر سیدنا ابن عباس اور سیدنا خالد نے ان کو کھا لیا، لیکن سیدہ میمونہ نے کہا: جو کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کھاتے، میں بھی وہ نہیں کھاتی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروب طلب کیا، دودھ کا پیالہ پیش کیا

گیا، آپ ﷺ نے پیا، آپ ﷺ کی دائیں جانب ابن عباس اور بائیں جانب خالد بن ولید بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں خالد کو پلاؤں؟'' ابن عباس نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے جوٹھے کے سلسلے میں کسی کو اپنے نفس پر ترجیح نہیں دوں گا۔ پس ابن عباس نے برتن پکڑا اور دودھ پیا، پھر خالد نے پیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کو اللہ تعالی کھانا کھلائے وہ کہے: اے اللہ! ہمارے لیے اس میں برکت عطا فرما، ہمیں اس سے بہتر رزق عطا فرما۔ اور جس کو اللہ تعالی دودھ پلائے وہ کہے: اے اللہ! ہمارے لیے اس میں برکت عطا فرما اور ہمیں زیادہ عطا فرما، کیونکہ میرے علم میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کھانے اور پینے دونوں سے کفایت کرے سوائے دودھ کے۔'' (قال الالبانی فی الصحیحة: ۲۳۲۰: رواه أبو عبدالله بن مروان القرشی فی "الفوائد": ۲۵/ ۱۱۳/ ۲، وابوداود: ۲/ ۱۳۵، والترمذی: ۳۴۵۱، وابن السنی: ۴۶۸، واحمد: ۱/ ۲۸۴)

عیب پوشی، ایثار، غصہ پی جانے اور دینی بھائی کی ضرورت پوری کرنے کی فضیلت

(۲۸۸۷)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اِنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ وَأَيُّ الأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ، وَأَحَبُّ الأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ سُرُوْرٌ يُدْخِلُهُ عَلٰى مُسْلِمٍ، أَوْيَكْشِفُ عَنْهُ كُرْبَةً، أَوْيَقْضِي عَنْهُ دَيْناً أَوْ يَطْرُدُ عَنْهُ جُوْعاً، وَلَأَنْ أَمْشِيَ مَعَ أَخٍ فِي حَاجَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَكِفَ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ (يَعْنِي: مَسْجِدَ الْمَدِيْنَةِ) شَهْراً وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ كَظَمَ غَيْظَهُ وَلَوْ شَاءَ أَنْ يُمْضِيَهُ أَمْضَاهُ مَلَأَ اللّٰهُ قَلْبَهُ رَجَاءً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ مَشٰى مَعَ أَخِيْهِ فِي حَاجَةٍ حَتّٰى تَتَهَيَّأَ لَهُ، أَثْبَتَ اللّٰهُ قَدَمَهُ يَوْمَ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! کون سے لوگ اللہ تعالی کو زیادہ محبوب ہیں اور کون سے اعمال اللہ تعالی کو زیادہ پسند ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ لوگ اللہ تعالی کو زیادہ محبوب ہیں جو دوسرے لوگوں کے لیے زیادہ فائدہ مند ہوں اور اللہ تعالی کو سب سے زیادہ پسندیدہ اعمال یہ ہیں: مسلمان کا اپنے بھائی کو خوش کرنا، اس سے کوئی تکلیف دور کرنا، اس کا قرضہ چکانا اور اسے کھانا کھلانا۔ (دیکھیں) مجھے کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کے ساتھ چلنا اس مسجد نبوی میں ایک مہنیہ اعتکاف کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ (اور یاد رکھو کہ) جس نے اپنے غضب کو روک لیا اللہ تعالی اس کی خامیوں پر پردہ ڈالے گا، جو آدمی اپنے غصے کو نافذ کرنے کے باوجود پی گیا، اللہ تعالی روزِ قیامت اس کے دل کو امیدوں سے بھر دے گا۔ جو اپنے بھائی کے ساتھ اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے چلا، اللہ تعالی اس کو اُس دن ثابت قدم رکھے گا جس دن قدم

تَـزُوْلُ الأَقْـدَامُ ، وَإِنَّ سُـوْءَ الْخُلُقِ يُفْسِدُ الْعَمَلَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ.)) ڈگمگا جائیں گے اور بدخلقی اعمال کو یوں تباہ کرتی ہے جیسے سرکہ، شہد میں بگاڑ پیدا کر دیتا ہے۔''

(الصحيحة:٩٠٦)

تخريج: أخرجه الطبراني في"المعجم الكبير": ٣/ ٢٠٩/ ٢ ، وابن عساكر في"التاريخ": ١٨/ ١/ ٢

شرح:...... قارئین کرام! میں آپ سے التماس کروں گا کہ اس حدیث کا ترجمہ بغور پڑھیں اور اپنے طرزِ حیات سے اس کا موازنہ کریں۔ اگر آپ بعض لوگوں کے حقوق ادا کر رہے ہیں تو جائزہ لیں کہ ان کی ادائیگی میں آپ کی دوستی کارفرما ہے یا حکم الٰہی اور اگر آپ بعض لوگوں کو محروم کر رہے تو دیکھیں کہ آیا اس محرومی کا سبب رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے یا آپ کا اپنا ذاتی مسئلہ۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے محبوب اعمال اور محبوب عاملین کا تذکرہ کرتے ہوئے آٹھ نیکیوں کا ذکر کیا ہے اور آٹھوں خصلتوں کا تعلق بندگانِ خدا کے حقوق سے ہے۔ یہ کسی شخص کی سعادت ہوگی کہ دوسروں کے دکھوں میں شریک ہو، دوسروں کا سہارا بنے اور اپنے ساتھ زیادتی کی صورت میں صبر کرے۔ اس سے بڑا اجر کیا ہوسکتا ہے کہ آج غصہ پی جانے کے عوض میدانِ حشر میں دل کو سکون اور امید نصیب ہو اور آج کسی بھائی کی ضرورت پورا کرنے کی وجہ سے روزِ قیامت قدموں میں رسوخ پیدا ہو جائے، جس دن ہر کسی کے پاؤں پھسل رہے ہوں گے۔ آخر میں بدخلقی کی مذمت کرتے ہوئے اسے اعمالِ صالحہ کے حق میں ضرر رساں قرار دیا۔

❀❀❀❀

فَضَائِلُ الْقُرْآنِ وَالْأَدْعِيَةُ وَالْأَذْكَارُ وَالرُّقٰى

فضائل قرآن، دعائیں، اذکار، دم

اس باب کی اکثر احادیث مبہم نہ ہونے کی وجہ سے محتاجِ وضاحت نہیں ہیں۔

اس باب میں دعا سے متعلقہ مختلف پہلوؤں پر مشتمل احادیث آئیں گی، ان کے مطالعہ کے دوران دعا سے متعلقہ اللہ تعالی کا یہ قانون یاد رہنا چاہیے:

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُوْ بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيْهَا اِثْمٌ وَلَا قَطِيْعَةُ رَحِمٍ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا اِحْدٰى ثَلَاثٍ: اِمَّا اَنْ يُعَجِّلَ لَهُ دَعْوَتَهُ وَاِمَّا اَنْ يَدَّخِرَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ وَاِمَّا اَنْ يُصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا۔) قَالُوْا: اِذًا نُكْثِرُ۔ قَالَ ﷺ: (اَللّٰهُ اَكْثَرُ۔)) (مسند احمد) ...... ''جومسلمان دعا کرتا ہے اور اس کی دعا گناہ اور قطع رحمی سے متعلقہ نہیں ہوتی تو اللہ تعالی اسے (جواباً) تین چیزوں میں سے ایک عطا کرتے ہیں: (۱) جلد ہی اسے (دنیا میں) اس کی دعا کا بدلہ دے دیتے ہیں یا (۲) اس کے ثواب کو آخرت تک ذخیرہ کر لیتے ہیں یا (۳) اس دعا کے بقدر کسی مکروہ چیز کو اس سے دور کر دیتے ہیں۔ صحابہ نے کہا: تو پھر تو ہم بہت زیادہ دعائیں کریں گے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کا فضل اس سے بھی زیادہ ہے۔''

قرآن مجید سیکھنا اور سکھانا افضل شعبہ ہے

(٢٨٨٨)۔ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ اَبِيْهِ مَرْفُوْعًا: ((خِيَارُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔)) (الصحيحة: ١١٧٢)

مصعب بن سعد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن مجید سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه الدارمي: ٢/ ٤٣٧، وابن ماجه: ١/ ٩٣

شرح:...... جہاں اللہ تعالی نے قرآن مجید کی حفاظت کی ضمانت دی، وہاں اس کو سرچشمۂ ہدایت و رشد بھی قرار دیا۔ اللہ تعالی نے ان دو عظیم بلکہ عظیم تر امور کو سرانجام دینے کے لیے قرآن مجید کے معلمین اور متعلمین کا انتخاب کیا۔ آج سے چودہ سو بیس (۱۴۲۰) برس پہلے قرآن مجید کے نزول کی تکمیل ہو چکی تھی، لیکن کیا مجال کہ قرآن کریم کی درس و

تدریس کرنے والوں نے اس کتابِ عظیم کے زیر زبر میں فرق آنے دیا ہو۔

قرآن مجید کی حفاظت اور وضاحت دنیا و آخرت کے مبارک و مقدس شعبے ہیں، جن کو حافظینِ کرام اور ان کے اساتذہ نے بھرپور طریقے سے سرانجام دیا۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی آمد تک اور ان کے بعد برسہابرس تک قرآن مجید کی بقا کے لیے وہ سعادت مند کام آئیں گے جو آج معاشرے میں گھٹیا مقام وصول کر کے اور روٹی کے خشک ٹکڑوں پر گزارا کر کے قرآن حکیم کی تعلیم کے حصول میں مگن ہیں اور اگلی نسلوں کو یہ ورثہ منتقل کر کے اس کتاب کے مالک کے پاس بطورِ میزبان پہنچ جائیں گے۔ سچ فرمایا صادق و امین صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مقام ومرتبہ اور شرف و منزل ان لوگوں کو سزاوار ہے جو قرآن مجید پڑھنے یا پڑھانے میں مصروف ہیں۔

(٢٨٨٩)۔ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ مَرْفُوْعًا: ((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.)) (الصحيحة:١١٧٣)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید سیکھتا اور سکھاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٦/ ١٠٨، وأبوداود: ١/ ٢٢٦، والترمذي: ٢/ ١٤٩، والدارمي: ٢/ ٤٣٧، وابن نصر في "قيام الليل" صـ ٧١، وابن ماجه: ١/ ٩٢و ٩٣، والطيالسي: صـ١٣ رقم ٧٣، وأحمد: ج ١ رقم ٤١٢و ٤١٣و ٥٠٠، والخطيب: ٤/ ١٠٩و ١١/ ٣٥

شرح:...... قرآن، دعائیں، اذکار، اور قرآنِ مجید کا دم وہ کلام ہے جسے جہانوں کے پالنہار نے ترتیب دیا، سید الملائکہ حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطے سے سید البشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔ جیسے اللہ تعالی کی ہستی، ذات و صفات میں یکتا و یگانہ ہے، ایسے ہی اس کا کلام لاثانی، عدیم النظیر اور بے مثال ہے، یہ ربّ کریم کا وہ عظیم معجزہ ہے کہ گزشتہ سوا چودہ صدیوں میں کوئی بھی اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکی، جن بد باطن لوگوں نے ناکام کوشش کی، انہوں نے اپنے منہ پر تھوکا اور ان کے اِس بدنامِ زمانہ کردار سے قرآن پاک کے مقام ومرتبہ میں اضاہ ہوگیا۔

اس اعتبار سے یہ منفرد کلام ہے کہ جس کی تلاوت کرنے سے دلوں کو راحت وسکون نصیب ہوتا ہے، یہ اللہ تعالی کا سب سے افضل ذکر ہے، انسانیت کی رشد وہدایت کیلیے اللہ تعالی کی طرف سے بشریت کے نام آخری اور لازوال پیغام ہے، اس کی موافقت کرنے والا دنیا وآخرت میں کامیاب وکامران ہوتا ہے اور اس کی مخالفت کرنے والا دونوں جہانوں میں رسوا وخوار ہوتا ہے۔

اِس کلامِ مقدس کے لفظ "الٓمٓ" کی تلاوت پر تیس نیکیاں ملتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روزِ قیامت صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا: قرآن پڑھتا جا اور (جنت کے درجات پر) چڑھتا جا، اور اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح کہ تو دنیا میں پڑھتا تھا، تیرا مقام وہاں ہوگا، جہاں تیری آخری آیت کی تلاوت ختم ہوگی۔'' (ابوداود، ترمذی)

ظاہر بات ہے کہ ایسی صفات سے متصف کتاب کو پڑھنے والے اور پڑھانے والے افضل واعلی ہی قرار پائیں گے۔

قارئین کرام! ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اس مقدس کلام کی تعلیم و تعلّم کا سبب بنیں، ہدایت و نجات کا یہی واحد ذریعہ ہے، یہ بھی یاد رہے کہ صرف اور صرف اس مبارک کلام کو یاد کر لینا مقصودِ الٰہی نہیں ہے، بلکہ حفظ کرنے کے بعد اسے سمجھنا اشد ضروری ہے، جو لوگ اسے یاد نہیں کر سکتے وہ اس کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔

قرآن کی تعلیم دینے والوں کا عدیم النظیر مقام

ایک آیت پڑھانے کا ثواب

(۲۸۹۰)۔ عَنْ اَبِي مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ، عَنْ اَبِيهِ طَارِقِ بْنِ اَشْيَمَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ عَلَّمَ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، كَانَ لَهُ ثَوَابُهَا مَاتُلِيَتْ۔)) (الصحيحة:١٣٣٥)

ابو مالک اشجعی اپنے باپ طارق بن اشیم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کسی کو قرآن مجید کی ایک آیت کی تعلیم دی، تو جب تک اس کی تلاوت ہوتی رہے گی اسے ثواب ملتا رہے گا۔“

تخريج: أخرجه أبو سهل القطان في "حديثه عن شيوخه" ٤/ ٢٤٣/ ٢

شرح:...... فضائلِ قرآن، دعائیں، اذکار، دم والے باب میں قرآن مجید کے مدرسین کو بہت بڑی بشارت سنائی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس شعبہ سے تعلق رکھنے والوں کو صبر اور خلوص عطا فرمائے۔ آمین۔

صاحبِ قرآن اور اس کے والدین کی فضیلت

(۲۸۹۱)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((يَجِيْءُ الْقُرْآنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَالرَّجُلِ الشَّاحِبِ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ: هَلْ تَعْرِفُنِيْ؟ اَنَا الَّذِيْ كُنْتُ أُسْهِرُ لَيْلَكَ، وَاُظْمِيُّ هَوَاجِرَكَ، وَاِنَّ كُلَّ تَاجِرٍ مِنْ وَرَاءِ تِجَارَتِهِ، وَاَنَا لَكَ الْيَوْمَ مِن وَرَاءِ كُلِّ تَاجِرٍ، فَيُعْطَى الْمُلْكَ بِيَمِيْنِهِ، وَالْخُلْدَ بِشِمَالِهِ، وَيُوْضَعُ عَلٰى رَاْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ، وَيُكْسٰى وَالِدَهُ حُلَّتَيْنِ لَا تَقُوْمُ لَهُمُ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا، فَيَقُوْلَانِ: يَا رَبِّ! اَنّٰى لَنَا هٰذَا؟ فَيُقَالُ: بِتَعْلِيْمِ وَلَدِكُمَا الْقُرْآنَ۔ وَاِنَّ صَاحِبَ الْقُرْآنِ يُقَالُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اِقْرَاْ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قرآنِ مجید روزِ قیامت اجنبی آدمی کے روپ میں آئے گا اور صاحبِ قرآن سے پوچھے گا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ (پھر قرآن مجید اپنا تعارف پیش کرتے ہوئے کہے گا:) میں وہی ہوں جو تجھے راتوں کو بیدار اور دوپہروں کو پیاسا رکھتا تھا۔ آج ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے اور آج میں تیری خاطر ہر تاجر کے پیچھے ہوں۔ پھر اسے دائیں ہاتھ میں بادشاہت اور بائیں ہاتھ میں ہیشگی دی جائیگی، اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا، اور اس کے والدین کو دو عمدہ پوشاکیں پہنائی جائیں گی، وہ اس قدر بیش قیمت ہوں گی کہ دنیا ومافیہا (کی قیمت) ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ وہ کہیں گے: اے ہمارے ربّ! یہ پوشاکیں ہمارے لیے کیوں؟

وَارْقَ فِي الدَّرَجَاتِ، وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ مَعَكَ۔)) (الصحيحة:٢٨٢٩)

جواباً کہا جائے گا: بیٹے کو قرآن مجید سکھانے کی وجہ سے۔ صاحبِ قرآن کو روزِ قیامت کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور جنت کے درجے چڑھتا جا اور اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا، پس تیرا مقام وہ ہوگا جہاں تیری آخری آیت (کی تلاوت ختم ہوگی)۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في"الأوسط": ٢/ ٥٣/ ١ـ ٢/ ٥٨٩٤ـ بترقيمي

شــــرح:...... اس میں صاحبِ قرآن کی فضیلت کا بیان ہے۔لیکن آجکل صرف حافظِ قرآن کو ان احادیث کا اولین مصداق ٹھہرایا جاتا ہے، قطع نظر اس سے کہ آیا وہ قرآن مجید سمجھتا ہے یا نہیں یا اس کا اس کتابِ قانون پر عمل بھی ہے یا نہیں۔

خود اس حدیث میں صاحبِ قرآن کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ رات کے قیام کو نیند پر ترجیح دیتا ہے اور اس کے احکام کے مطابق عمل کرتا ہے، جس کی صرف ایک مثال روزہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

(٢٨٩٢)ـ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْفُوْعًا: ((يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اِقْرَءْ وَارْتَقِ، وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ كُنْتَ تَقْرَأُ بِهَا۔)) (الصحيحة:٢٢٤٠)

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صاحبِ قرآن کو (روزِ قیامت) کہا جائے گا: پڑھتا جا اور جنت کے درجات چڑھتا جا اور اس طرح آہستہ آہستہ تلاوت کر، جیسا کہ تو دنیا میں کرتا تھا، پس تیرا مقام وہ ہوگا جہاں تیری آخری آیت کی تلاوت ختم ہوگی۔''

تخريج: أخرجه أبوداود:١٤٦٣، والترمذي:٢٩١٥، وابن حبان:١٧٩٠ والزيادة له، و الحاكم:١/ ٥٥٢، وابن أبي شيبة في"المصنف":١٠/ ٤٩٨، وابن نصر في"قيام الليل":٧٠، و أحمد:٢/ ١٩٢، والرامهرمزي في"المحدث الفاصل":ص٧٦ـ٧٧، والبغوي في"شرح السنة": ٤/ ٤٣٥/ ١١٧٨، وابن عبد الهادي في"هداية الانسان":٢/ ٤٤/ ١

شــــرح:...... اس حدیث میں قرآن اور صاحبِ قرآن کی فضیلت وعظمت کا بیان ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے۔

امام مبارکپوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام خطابی نے کہا: بعض آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ جنت کے درجات کی تعداد قرآن مجید کی آیتوں کے برابر ہے۔ قاری سے کہا جائے گا کہ جتنا قرآن آپ پڑھتے تھے، اتنے درجات چڑھ جاؤ۔ جو مکمل قرآن مجید کا قاری ہوگا وہ جنت کے منتہی درجے تک پہنچ جائے گا۔ (تحفۃ الاحوذی) اللہ تعالی ہمیں قرآن مجید کے ساتھ گہرا تعلق قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: آپ کو علم ہونا چاہیے کہ اس حدیث میں ''صاحبِ قرآن'' سے مراد حافظِ قرآن ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد: ((یَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُھُمْ لِکِتَابِ اللّٰهِ……۔)) میں وہ شخص مراد ہے، جس کو سب سے زیادہ قرآن مجید یاد ہو۔ جس کو جتنا زیادہ یاد ہوگا، وہ جنت کے اتنے اعلی درجات پر فائز ہوگا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس فضیلت کا تعلق دنیا میں تلاوت کی کثرت کی بنا پر ہے، لیکن یہ ان کا وہم ہے۔

اس حدیث میں حفظِ قرآن کی فضیلت کا بیان ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس کو اللہ تعالی کی رضامندی کے حصول کے لیے یاد کرے، نہ کہ دنیا اور درہم و دینار کی خاطر۔ وگرنہ (خطرہ ہے کہ وہ) نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کا مصداق بن جائے گا: ((اَکْثَرُ مُنَافِقِیْ أُمَّتِیْ قُرَّاؤُھَا۔)) ……''میری امت کے اکثر منافق، قاریوں میں سے ہوں گے۔'' یہ روایت صحیحہ (٧٥٠) میں ہے۔ (صحیحہ: ٢٢٤٠)

تعلیم قرآن کا حکم

(٢٨٩٣)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرِ الْجُھَنِيِّ، قَالَ: کُنَّا جُلُوْسًا فِي الْمَسْجِدِ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَسَلَّمَ عَلَیْنَا، فَرَدَدْنَا عَلَیْهِ السَّلَامَ، ثُمَّ قَالَ: ((تَعَلَّمُوْا کِتَابَ اللّٰهِ وَاقْتَنُوْهُ، وَتَغَنَّوْا بِهِ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ! لَھُوَ اَشَدُّ تَفَلُّتًا مِنَ الْمَخَاضِ مِنَ الْعُقُلِ))۔ (الصحیحة: ٣٢٨٥)

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم مسجد میں بیٹھے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، ہم پر سلام کہا، ہم نے آپ ﷺ کے سلام کا جواب دیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اللہ کی کتاب کی تعلیم حاصل کرو، اس کو محفوظ رکھو اور ترنم اور غنا کے ساتھ تلاوت کیا کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! یہ قرآن رسی سے نکل کر بھاگنے والی اونٹنی کی بہ نسبت (سینوں سے) جلدی نکل جانے والا ہے۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٥٠، والشجري في "الأمالي": ١/ ٧٣، ورواه الطبرانی فی "المعجم الکبیر": ١٧/ ٢٩٠/ ٨٠٢، وابن ابی شیبة: ١٠/ ٤٧٧

شرح:…… کتاب اللہ کی تعلیم حاصل کرنے کے تین انداز ہیں: (١) ناظرہ (٢) حفظ (٣) ترجمہ وتفسیر۔

جو آدمی جس انداز میں اس کتاب کی تعلیم حاصل کر چکا ہے، اس کو برقرار رکھنا ضروری ہے، جس کا صرف ایک طریقہ ہے کہ بار بار اس کو پڑھا جائے اور اس کے معانی و مفاہیم کا مطالعہ کیا جائے۔

پہلی سات سورتوں کو سمجھ لینے والا عالم ہے

(٢٨٩٤)۔ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ اَخَذَ السَّبْعَ الْأُوَلَ مِنَ الْقُرْآنِ، فَھُوَ حَبْرٌ۔)) (الصحیحة: ٢٣٠٥)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے قرآن مجید کی پہلی سات سورتیں سیکھ لیں وہ عالم ہے۔''

تـخـريـــج: أخـرجه أحمد:٦/ ٧٣، ٨٢، وابن نصر في"قيام الليل":٦٩، والطحاوي في "مشكل الآثار": ٢/ ١٥٣، ٤٥١، والحاكم:١/ ٥٦٤، والواحدي في"الوسيط":٢/ ١٢٣/ ٢، و الخطيب: ١٠/ ١٠٨

شرح:...... قرآن مجید کے بیشتر، مفصل اور اہم مسائل کا بیان پہلی سات سورتوں میں ہے۔

قرآن کیا ہے؟

(٢٨٩٥)۔ عَـنْ اَبِـيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَـالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كِتَـابُ اللّٰهِ، هُوَ حَبْـلُ الـلّٰــهِ الْـمَـمْـدُوْدُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ۔)) (الصحيحة:٢٠٢٤)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی کتاب، اس کی رسی ہے جسے آسمان سے زمین کی طرف لٹکایا گیا ہے۔''

تخريج: رواه الترمذي: ٣٧٩٠، واحمد:٣/ ١٤، ١٧، ٢٦، ٥٩، والطبري: ج٧ رقم ٧٥٧٢صفحة ٧٢

شـــرح:...... جو اس رسی کو مضبوطی سے پکڑ لے گا، وہ آسمانوں کی طرف چڑھ جائے گا اور جس نے غفلت کی، وہ دنیوی اور اخروی رفعتوں سے محروم رہے گا۔ یاد رہے کہ مرنے کے بعد نیک آدمی کی روح آسمانوں میں چڑھ جاتی ہے، لیکن بدآدمی کی روح کے لیے آسمانوں کے دروازے کھولے ہی نہیں جاتے۔

نیز اس حدیث کا یہ مفہوم بھی ہے کہ اللہ تعالی کے ساتھ تعلق کا واحد ذریعہ قرآن ہے۔

اللہ تعالی کی رجوع کرنے کا بہترین ذریعہ قرآن مجید ہے

(٢٨٩٥م)۔ قَالَ ﷺ: ((اِنَّكُمْ لَا تَرْجِعُوْنَ اِلَـى الـلّٰهِ بِشَيْءٍ اَفْضَلَ مِمَّا خَرَجَ مِنْهُ۔)) يَـعْنِي: الْقُرْآنَ۔ رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ جُبَيْرِ بْنِ نُـفَيْرٍ مَرْفُوْعًا مُرْسَلًا وَمِنْ حَدِيْثِ اَبِيْ ذَرٍّ مَرْفُوْعًا۔ (الصحيحة: ٩٦١)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ذریعے تم اللہ تعالی کی طرف رجوع کر سکو، سوائے اس کے جو اس کی طرف سے نازل ہوئی۔'' یعنی قرآن۔ یہ حدیث جبیر بن نفیر سے مرفوع مرسل اور سیدنا ابو ذر سے مرفوعا روایت کی گئی ہے۔

تخريج:أخرجه الترمذي: ٢/ ١٥٠، والحاكم: ١/ ٥٥٥، وعنه البيهقي في "الاسماء و الصفات": ٢٣٦

فوائد:...... حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ رجوع الی اللہ کے خواہشمند کو قرآن مجید کی تعلیمات پر توجہ کرنی چاہیے۔

قرآن میں جھگڑا کرنا

(٢٨٩٦)۔ عَـنْ عَبْدِالـلّٰـهِ بْـنِ عَـمْـرٍو مَـرْفُـوْعًـا: ((لَا تُجَادِلُوْا فِي الْقُرْآنِ، فَاِنَّ جِدَالًا فِيْهِ كُفْرٌ۔)) (الصحيحة: ٢٤١٩)

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن میں مت جھگڑو، کیونکہ اس میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔''

تخریج: أخرجه الطيالسي: ٢/ ٧

فضائلِ قرآن، دعائیں، اذکار، دمسیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْمِرَاءُ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ.)) ...... ''قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔'' (ابو داود: ٤٦٠٣)

کتنی قابل غور بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجلس کو ختم کر دینے کا حکم دیا ہے، جس میں اختلافِ قرآن پر بحث شروع ہونے لگے، سیدنا جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِقْرَؤُوْا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوْبُكُمْ، فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْهُ.)) ...... ''قرآن مجید اس وقت تک پڑھا کرو، جب تک تمھارے دل اس (کے معانی پر) متفق رہیں، جب تم میں (اس کے مفاہیم سمجھنے میں) اختلاف پڑ جائے تو کھڑے ہو جایا کرو۔'' (بخاری، مسلم) یعنی اس مجلس میں بیٹھنا ہی منع ہے، جو قرآن مجید میں اختلاف کرنے پر مشتمل ہو۔

لیکن اس کتاب میں جھگڑا کرنے سے مراد کیا ہے؟

شارح ابوددو علامہ عظیم آبادی نے کہا: قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے میں شک کرنا، یا اس موضوع پر غور وخوض کرنا کہ یہ کتاب محدَث ہے یا قدیم، یا متشابہ آیات میں مجادلانہ انداز میں بحث مباحثہ کرنا۔ ان سب امور کا نتیجہ انکار اور کفر کی صورت میں نکلتا ہے۔ یا قرآن مجید کی سات قراءات پر مناظرہ کرنا اور کسی ایک قراءت کو حق تسلیم کر لینا اور دوسری کو باطل یا تقدیر والی آیات پر غیر ضروری بحث کرنا یا ان آیات کو موضوعِ بحث بنا کر مضامینِ قرآن میں ٹکراؤ پیدا کرنا، جن کے معانی میں ظاہری طور پر تضاد پایا جاتا ہے۔ (عون المعبود: ۴۶۰۳ کے تحت، مفہوم پیش کیا گیا)

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن عبد البر نے سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ دو افراد ایک آیت کے بارے میں مجادلانہ گفتگو کریں، نتیجتاً ایک اس کا انکار کر دے، یا اس کو رد کرے یا اس کے بارے میں شک میں پڑ جائے۔ ایسا جھگڑا کرنا کفر ہے۔ (صحیحہ: ٣٤٤٧)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے کہا: جھگڑنے سے مراد ایک دوسرے کا ردّ کرنا ہے، مثلا ایک آدمی ایک آیت سے ایک استدلال پیش کرتا ہے، جبکہ دوسرا آدمی کسی دوسری آیت سے اس کے الٹ استدلال کر کے اس پر ٹوٹ پڑتا ہے، حالانکہ قرآن کا مطالعہ کرنے والے کو چاہیے کہ ایسی آیات میں جمع وتطبیق کی کوئی صورت پیدا کرے، تاکہ یہ نقطہ واضح ہو جائے کہ قرآن کا بعض بعض کی تصدیق کرتا ہے، اگر وہ مختلف آیات میں توافق نہ دے سکے تو اس کو اپنی سمجھ کی کوتاہی سمجھے اور ان آیات کو اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (سورهٔ نساء: ٥٩)

پھر انھوں نے ایک مثال دی:

ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ...... ''کہہ دیجیے کہ ہر چیز اللہ تعالی کی طرف سے ہے۔''

جبکہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَمَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ﴾

(سورۂ نساء: ٩٧) ...... ''تجھے جو بھلائی ملتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور جو برائی پہنچتی ہے تو وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔''

تناقض: ...... پہلی آیت میں ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا اور دوسری آیت میں برائی کو بندے کی طرف منسوب کیا گیا۔

(اگر دوسری آیات، احادیث اور اجماعِ امت کو دیکھا جائے تو سب سے بہترین جمع وتطبیق یہ ہے کہ برائی بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتی ہے، لیکن یہ برائی نفس کے گناہ کی عقوبت یا اس کا بدلہ ہوتی ہے، اس لیے اس کو نفس کی طرف منسوب کیا گیا، یعنی یہ نفس کی غلطیوں کا نتیجہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾ (سورۂ شوری: ٣٠) ...... ''تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے اپنے عملوں کا نتیجہ ہے، اور بہت سے گناہ تو (اللہ) معاف ہی فرما دیتا ہے۔'')

لیکن اگر تقدیر کا منکر اس بات پر ڈٹ جائے کہ برائی کا خالق انسان خود ہے اور اس قسم کی آیات کو انکارِ تقدیر پر بطورِ دلیل پیش کرے، تو یہی مجادلہ ہوگا، جس سے منع کیا گیا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ١/ ٤٩٣، مفہوم لکھا گیا، بریکٹ والا پیراگراف راقم الحروف کی طرف سے لکھا گیا)

اگر کوئی مسلمان بعض آیات کو نہ سمجھ پا رہا ہو تو وہ درج ذیل حدیث کو مدنظر رکھے۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو سنا، وہ قرآن میں اختلاف کر رہے تھے اور ایک دوسرے کا رد کر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا: ضَرَبُوْا كِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ، وَاِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللّٰهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا، فَلَا تُكَذِّبُوْا بَعْضَهُ بِبَعْضٍ، فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُوْلُوْا، وَمَا جَهِلْتُمْ فَكِلُوْهُ اِلٰى عَالِمِهِ۔)) ...... ''تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہو گئے کہ وہ کتاب اللہ کے بعض حصے کو اس کے دوسرے حصے سے ٹکراتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس طرح نازل ہوئی کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تصدیق کرتا ہے، پس تم اس کے بعض حصے کی وجہ سے اس کے بعض حصے کو نہ جھٹلاؤ۔ جتنا تم جان لو وہ بیان کرو، اور جو نہ جان سکو اس کو اس کے عالم کی طرف سپرد کر دو۔'' (احمد، ابن ماجہ)

ایک ہی سورت کافی تھی

(٢٨٩٧)۔ عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: جَاءَتِ امْرَاَةُ صَفْوَانَ بْنِ الْمُعَطَّلِ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ عِنْدَهُ، فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ زَوْجِيْ صَفْوَانَ بْنَ الْمُعَطَّلِ يَضْرِبُنِيْ اِذَا صَلَّيْتُ، وَيُفَطِّرُنِيْ اِذَا

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن معطل کی بیوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! جب میں نماز پڑھتی ہوں تو میرا خاوند صفوان مجھے مارتا ہے اور جب روزہ رکھتی ہوں تو افطار کروا دیتا ہے اور وہ نمازِ فجر بھی طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھتا ہے۔ خود صفوان وہاں

صُمْتُ، وَلَا يُصَلِّي صَلَاةَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔ قَالَ: وَصَفْوَانُ عِنْدَهُ، قَالَ: فَسَأَلَهُ عَمَّا قَالَتْ؟ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَمَّا قَوْلُهَا: يَضْرِبُنِيْ اِذَا صَلَّيْتُ، فَاِنَّهَا تَقْرَأُ سُوْرَتَيْنِ، فَقَدْ نَهَيْتُهَا عَنْهَا۔ قَالَ: فَقَالَ: ((لَوْ كَانَتْ سُوْرَةٌ وَّاحِدَةٌ لَكَفَتِ النَّاسَ۔)) وَاَمَّا قَوْلُهَا: يُفَطِّرُنِيْ۔ فَاِنَّهَا تَصُوْمُ، وَاَنَا رَجُلٌ شَابٌّ، فَلَا اَصْبِرُ۔ قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَئِذٍ: ((لَا تَصُوْمَنَّ امْرَاَةٌ اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا۔)) قَالَ: وَاَمَّا قَوْلُهَا: بِاَنِّيْ لَا اُصَلِّيْ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔ فَاِنَّا اَهْلُ بَيْتٍ قَدْ عُرِفَ لَنَا ذَاكَ، لَا نَكَادُ نَسْتَيْقِظُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔ قَالَ: ((فَاِذَا اسْتَيْقَظْتَ فَصَلِّ۔)) (الصحيحة:٢١٧٢)

موجود تھا۔ جب آپ ﷺ نے اس سے اس کی بیوی کی شکایات کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا: یہ جو کہہ رہی ہے کہ میں اسے نماز پڑھنے پر مارتا ہوں، دراصل بات یہ ہے کہ یہ دو سورتوں کی تلاوت کرتی ہے اور میں نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر ایک ہی سورت ہوتی تو وہ بھی تمام لوگوں کو کفایت کر جاتی۔'' خاوند نے کہا: رہا مسئلہ افطاری کرانے کا، تو حقیقتِ حال یہ ہے کہ میں نوجوان آدمی ہوں اور میں (ازدواجی تعلق سے) صبر نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آئندہ کوئی عورت، اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے۔'' خاوند نے کہا: اس نے یہ شکایت بھی کی ہے کہ میں نمازِ فجر طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھتا ہوں، تو ہمارے خاندان کے بارے میں یہ چیز معروف ہے، ہم طلوعِ آفتاب سے قبل اٹھ ہی نہیں سکتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو جاگے تو نماز پڑھ لیا کر۔''

تخريج: أخرجه أبوداود:١/ ٣٨٥، والطحاوي في "المشكل":٢/ ٤٢٤، وأحمد:٣/ ٨٠

شرح:...... سورتوں سے خاوند کی مراد یہ ہے کہ اس کی بیوی نماز میں لمبا قیام کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے خاوند کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے اس کی رائے کو درست قرار دیا اور اس کی بیوی کو یوں تسلی دلائی کہ وہ ایک سورت کی تلاوت کر لیا کرے، کیونکہ یہ ایک سورت تمام لوگوں کو کفایت کر سکتی ہے۔

اس حدیث سے تین اہم مسائل معلوم ہوئے:

(۱) عورت کو چاہیے کہ وہ خاوند کی ضروریات اور خواہشات کا خیال رکھتے ہوئے مختصر نماز ادا کرے، اگر خاوند گھر پر موجود نہ ہو یا اجازت دے دے تو لمبا قیام کر سکتی ہے۔

(۲) بیوی کو خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔

(۳) اگر کوئی آدمی کسی معقول عذر کی بنا پر نماز کے لیے بیدار نہ ہو سکے تو جب اس کی آنکھ کھلے وہ نماز پڑھ لے، دوسری احادیث میں بھی اس مسئلہ کی مکمل وضاحت موجود ہے کہ نماز سے سو جانے والے یا بھول جانے والے کو جب جاگ یا یاد آئے وہ اسی وقت نماز ادا کرے۔ ان دونوں صورتوں میں بندہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مجرم نہیں ٹھہرتا۔

''چمڑے کے اندر قرآن مجید کو آگ نہیں جلاتی'' کا مفہوم

(٢٨٩٨)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((لَوْ جُعِلَ الْقُرْآنُ فِي إِهَابٍ ، ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ ، مَا احْتَرَقَ۔)) (الصحيحة:٣٥٦٢)

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر قرآن کو کسی چمڑے میں رکھ کر آگ میں پھینک دیا جائے تو وہ جلے گا نہیں۔''

تخريج: أخرجه الدارمي في"سننه": ٢/ ٤٣٠ ، والطحاوي في"مشكل الآثار": ١/ ٣٩٠ ، وأحمد: ٤/ ١٥١ ، وأبو القاسم بن عبدالحكم في"فتوح مصر": ٢٨٨ ، وأبويعلي في"مسنده": ٣/ ٢٨٤/ ١٧٤٥ ، والطبراني في"المعجم الكبير": ١٧/ ٣٠٨ ، وابن عدي في"الكامل": ٦/ ٤٦٩ ، والبيهقي في"الشعب": ٢/ ٥٥٤/ ٢٦٩٩ وفي"الأسماء والصفات": ٢٦٤

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: مناوی نے ''فیض القدیر'' میں اس حدیث کا مفہوم واضح کرنے کے لیے لمبی اور بے فائدہ بحث کی۔ ظاہری معنی وہی ہے جو امام بیہقی جیسے محدثین نے مراد لیا۔ وہ ''شعب الایمان'' میں ابو عبداللہ بوشنجی کے حوالے سے کہتے ہیں:"يعني ان من حمل القرآن وقرأه لم تمسه النار۔" جس نے قرآن مجید حفظ کیا اور پھر اس کو پڑھتا رہا تو اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔

امام احمد نے کہا، جیسا کہ "الأسماء" میں نقل کیا گیا ہے:"وان مما لا شك فيه: ان المراد حامل القرآن وحافظه وتاليه لوجه الله تبارك وتعالى ، لايبتغي عليه جزاء ولا شكورا الا من الله عزوجل والا كان كما قال ابو عبد الرحمن ۔وهو عبد الله بن يزيد المقرىء۔ كما في "مسند ابى يعلى": ((تفسيره: ان من جمع القرآن ثم دخل النار فهو شر من خنزير۔'' ......بلاشک وشبہ اس حدیث کا مرادی معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کا حافظ ہو، اسے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کے لیے پڑھتا ہو اور صرف اللہ تعالیٰ سے اس کے اجر اور قدردانی کا امیدوار ہو تو اسے جہنم کی آگ نہیں لگے گی۔ وگرنہ وہ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید مقری کے قول کا مصداق بنے گا، جو ''مسند ابویعلی'' میں ہے کہ ''جس نے قرآن مجید حفظ کیا اور پھر جہنم میں داخل ہوا وہ تو خنزیر سے بھی بدتر ہے۔ (صحیحه: ٣٥٦٢)

قرآن مجید ہمارا قائد ہے

(٢٨٩٩)۔ عَنْ جَابِرٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((اَلْقُرْآنُ شَافِعٌ مُشَفَّعٌ ، وَمَاحِلٌ مُصَدَّقٌ ، مَنْ جَعَلَهُ اَمَامَهُ ، قَادَهُ إِلَى الْجَنَّةِ ، وَمَنْ جَعَلَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ سَاقَهُ إِلَى النَّارِ۔))

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید سفارش کرے گا اور اس کی سفارش مانی جائے گی، یہ (اپنے پڑھنے والوں کے حق میں) بحث کرے گا اور اس کی تصدیق کی جائے گی، جس نے اس کو اپنے سامنے رکھا

(الصحيحة:٢٠١٩)

تو یہ جنت کی طرف اس کی رہنمائی کرے گا اور جس نے اس کو اپنی پیٹھ پیچھے رکھا تو یہ اسے ہانک کر جہنم میں لے جائے گا۔“

تخريج: أخرجه ابن حبان:١٧٩٣

شرح:...... ہمیں چاہئے کہ قرآن مجید کے احکام کی روشنی میں زندگی گزاریں اور کوئی اقدام کرنے سے پہلے قرآنی تعلیمات سے اس کا اچھا یا برا ہونا معلوم کریں۔ کسی کی رہنمائی میں چلنے کا یہی معنی ہوتا ہے کہ اس کی ہر بات کو تسلیم کیا جائے۔

آسمانی کتابوں کے نزول کی تاریخیں

(٢٩٠٠)۔ عَنْ وَاثِلَةَ مَرْفُوْعًا: ((أُنْزِلَتْ صُحُفُ إِبْرَاهِيْمَ أَوَّلَ لَيْلَةٍ مِن رَمَضَانَ، وَأُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ لِسِتٍّ مِنْ رَمَضَانَ، وَأُنْزِلَ الْإِنْجِيْلُ لِثَلَاثَ عَشَرَ لَيْلَةً خَلَتْ مِن رَمَضَانَ، وَأُنْزِلَ الزَّبُوْرُ لِثَمَان عَشَرَةَ خَلَتْ مِن رَمَضَانَ، وَأُنْزِلَ الْقُرْآنُ لِأَرْبَعٍ وَعِشْرِيْنَ خَلَتْ مِن رَمَضَانَ۔))

(الصحيحة:١٥٧٥)

سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفے رمضان کی پہلی رات کو، تورات چھ رمضان کو، انجیل رمضان کے تیرہ دن گزرنے کے بعد (یعنی چودھویں تاریخ) کو، زبور اٹھارہ رمضان کو اور قرآن مجید چوبیس دن گزرنے کے بعد (یعنی پچیس) رمضان کو نازل ہوا۔“

تخريج: رواه أحمد:٤/ ١٠٧، والثعالبي في "حديثه": ١٣١/ ٢، وعبدالغني المقدسي في "فضائل رمضان": ١/٥٣، وابن عساكر: ٢/ ١٦٧/ ١

آپ ﷺ کا حضرت جبریل کے ساتھ ہر سال قرآن مجید کا دور

(٢٩٠١)۔ عَنْ عَائِشَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَرْفُوْعًا: ((إِنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ يُعَارِضُنِي الْقُرْآنَ كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً، وَإِنَّهُ عَارَضَنِي الْعَامَ مَرَّتَيْنِ، وَلَا أَرَاهُ إِلَّا حَضَرَ أَجَلِيْ، إِنَّكِ أَوَّلُ أَهْلِ بَيْتِي لِحَاقًا بِي، فَاتَّقِي اللّٰهَ، وَاصْبِرِيْ، فَإِنِّي نِعْمَ السَّلَفُ أَنَا لَكِ۔)) (الصحيحة:٣٥٢٤)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جبریل (علیہ السلام) مجھ سے ہر سال قرآن مجید کا ایک دفعہ دور کرتے تھے اور اس سال دو دفعہ کیا، یہی لگتا ہے کہ میری وفات کا وقت آ چکا ہے اور تو (فاطمہ) میرے اہل بیت کا پہلا فرد ہے جو سب سے پہلے مجھے ملے گی، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور صبر کرنا، میں تیرے لیے بہترین میر سامان ہوں گا۔“

تحريـــج: أخرجه البخاري. ٣٦٢٤ و ٦٢٨٥، ٦٢٨٦، ومسلم ٧/ ١٤٣، والنسائي في "الكبرى" ٨٣٦٨، ابن ماجه: ١٦٢١، والطحاوي في "مشكل الآثار": ١/ ٤٨، ٤٩، وابن سعد: ٢/ ٢٤٧ـ ٢٤٨، ٨/ ٢٧، وأحمد ٦/ ٢٨٢، وأبونعيم في "الحلية": ٢/ ٤٠، والبيهقي في "دلائل النبوة": ٧/ ١٥٥

شـــرح:...... یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور خانۂ نبوت میں سب سے پہلے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی وفات کے چھ ماہ بعد سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا خالقِ حقیقی سے جاملیں۔

قرآن مجید کی وجہ سے عزتیں اور ذلتیں

(٢٩٠٢)۔ عَنْ عَامِرِ بْنِ وَاثِلَةَ: اَنَّ نَافِعَ بْنَ عَبْدِالْحَارِثِ لَقِيَ عُمَرَ بِـ(عُسْفَانَ)، وَكَانَ عُمَرُ يَسْتَعْمِلُهُ عَلٰى مَكَّةَ، فَقَالَ: مَنِ اسْتَعْمَلْتَ عَلٰى اَهْلِ الْوَادِيْ؟ فَقَالَ: ابْنَ اَبْزٰى۔ قَالَ: وَمَنِ ابْنُ اَبْزٰى؟ قَالَ: مَوْلًى مِنْ مَوَالِيْنَا۔ قَالَ: فَاسْتَخْلَفْتَ عَلَيْهِمْ مَوْلًى؟ قَالَ: اِنَّهُ قَارِئٌ لِكِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَاِنَّهُ عَالِمٌ بِالْفَرَائِضِ۔ قَالَ عُمَرُ: اَمَا اِنَّ نَبِيَّكُمْ ﷺ قَالَ: ((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا، وَيَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ۔)) (الصحيحة: ٢٢٣٩)

عامر بن واثلہ کہتے ہیں کہ نافع بن عبد الحارث، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو عسفان مقام پر ملے، آپ نے اسے مکہ پر عامل مقرر کیا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا: آپ نے اہلِ وادی پر کس کو عامل مقرر کیا ہے؟ آپ نے کہا: ابن ابزی کو۔ اس نے پوچھا: ابن ابزی کون ہے؟ آپ نے کہا: ہمارا ایک غلام ہے۔ اس نے کہا: آپ نے غلام کو ان کا خلیفہ بنا دیا ہے؟ آپ نے کہا: وہ قرآن مجید کا قاری ہے اور فرائض کو جاننے والا ہے۔ آگاہ ہو جا! تمھارے نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کچھ قوموں کو بلند کرتے ہیں اور بعض کو ذلیل کر دیتے ہیں۔''

تحريج: أخرجه مسلم ٢/ ٢٠١، والدارمي: ٢/ ٤٤٣، وابن ماجه: ٢٠٦ـ تحقيق الأعظمي

شـــرح:...... اسلامی نظامِ حکومت یا نظامِ خلافت میں جو مقام و مرتبہ اور فضیلت و برتری خلیفۂ رسول سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے، وہ کسی فرد کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ دین داروں یا دنیا پرستوں کے اذہان وقلوب اچھے حکمران اور بہترین خلیفہ کی جتنی صفات حمیدہ تصورات میں لا سکتے ہیں، وہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میں بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہیں۔

لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اس عظیم خلیفہ کا معیار دیکھیں کہ غلاموں کو گورنر اور مسئول مقرر کیا جا رہا ہے، اس بنا پر کہ وہ قاریٔ قرآن اور اللہ تعالیٰ کے فرائض و واجبات کا زیادہ علم رکھنے والا ہے۔

یہی کتاب ہے، جس نے عرب کے بدوؤں کو بنو آدم کی قیادت و سیادت کی لگام تھما دی۔ اس کتاب کے حاملین کے سامنے روم اور فارس کی عظیم الشان سلطانوں اور سلطنتوں کو گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ اگر پندرھویں صدی کے مسلمان بھی اللہ

تعالی کی عظیم کتاب کی قیادت و رہنمائی میں چلنا شروع کر دیں تو وہ وقت دور نہیں ہوگا جس میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے کی یاد تازہ ہو جائے گی۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

بہترین قاریٔ قرآن کا انداز

(۲۹۰۳)۔ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعًا: ((اِنَّ اَحْسَنَ النَّاسِ قِرَاءَةً الَّذِي اِذَا قَرَأَ رَاَيْتَ اَنَّهُ يَخْشَى اللّٰهَ۔)) (الصحيحة: ١٥٨٣)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرائتِ قرآن کے سلسلے میں وہ آدمی سب سے اچھا ہے، کہ جب وہ تلاوت کر رہا ہو تو آپ سمجھیں کہ وہ اللہ تعالی سے ڈر رہا ہے۔''

تخريج: رواه أبو نعيم في "أخبار أصبهان": ٢/ ٥٨

شرح:...... بشرطیکہ سننے والے سلیم الفطرت، دنیوی آلائشوں سے پاک اور قرآن و حدیث کے مزاج کو سمجھنے والے ہوں اور محض قاری کی سریلی آواز پر مست ہو جانے والے نہ ہوں، ایسے لوگوں کے لیے معیار قاری کا تقوی اور للّٰہیت ہے۔ قراء حضرات کا قدم نیکی و پارسائی میں جس قدر مضبوط ہوگا، سننے والے خدا شناس لوگوں پر اس کی آواز کا اتنا زیادہ اثر ہوگا۔

یاد رہے کہ قاری کی زبان سے نکلنے والے الفاظ میں اس کے نیک یا بد ہونے کی تاثیر موجود ہوتی ہے، سمجھنے والے ادراک کر لیتے ہیں۔

کب تک قرآن کی تلاوت کی جائے

(٢٩٠٤)۔ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِقْرَؤُوْا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوْبُكُمْ، فَاِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْهُ۔)) (الصحيحة: ٣٩٩٣)

سیدنا جندب بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید اس وقت تک پڑھا کرو، جب تک تمھارے دل اس (کے معانی پر) متفق رہیں، جب تم میں (اس کا مفہوم سمجھنے میں) اختلاف پڑ جائے تو کھڑے ہو جایا کرو۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٥٠٦٠ و ٥٠٦١، ٧٣٦٤، ٧٣٦٥، ومسلم: ٨/ ٥٧، وابن حبان: ٢/ ٦٩/ ٧٥٦، والدارمي: ٤٤٢، والنسائي في "السنن الكبرى": ٥/ ٣٣، وأحمد: ٤/ ٣١٣، والطبراني في "المعجم الكبير": ٢/ ١٧٦/ ١٦٧٤، ١٦٧٥

شرح:...... قرآن مجید رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے، اس سے حقیقی استفادہ اس وقت ہی ممکن ہوگا جب اس کے

مفاہیم ومعانی میں اتفاق ہوگا۔

اس حدیث سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں اختلاف کرنے سے کس قدر بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

دیکھ کر تلاوت کرنا اللہ تعالی اور اس کے رسول کی محبت کا تقاضا ہے

(٢٩٠٥)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُّحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَلْيَقْرَاْ فِي الْمَصْحَفِ۔)) (الصحيحة: ٢٣٤٢)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنا پسند کرتا ہے، اسے قرآن مجید کی تلاوت ''مصحف'' سے دیکھ کر کرنی چاہئے۔''

تخريج: أخرجه ابن شاهين في "الترغيب":٢٨٨/ ١، وابن عدي:١١١/ ٢، وأبو نعيم في "الحلية": ٧/ ٢٠٩، وعنه الحافظ ابن حجر في "نتائج الأفكار":١/ ٢٣١/ ٢

شرح:...... جب آدمی دیکھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے تو غلطی کا امکان کم ہوتا ہے اور اس کے معانی و مفاہیم پر توجہ زیادہ ہوتی ہے۔ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے جہاں اس کی زبان تلاوت کرنے میں اور دل و دماغ اس کو سمجھنے میں مصروف ہوتا ہے، وہاں اس کی نگاہ بھی قرآن مجید کے الفاظ پر پڑ رہی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

قرآن مجید سفارش کرے گا

(٢٩٠٦)۔ عَنْ اَبِي اُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((اِقْرَؤُوْا الْقُرْآنَ، فَاِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِاَصْحَابِهِ، اِقْرَؤُوْا الزَّهْرَاوَيْنِ: الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ آلِ عِمْرَانَ، فَاِنَّهُمَا تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ، اَوْكَاَنَّهُمَا غَيَايَتَانِ، اَوْكَاَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ، تُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِهِمَا، اِقْرَؤُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ، فَاِنَّ اَخْذَهَا بَرَكَةٌ، وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ، وَلَا يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ۔)) (الصحيحة: ٣٩٩٢)

سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: ''قرآن مجید پڑھا کرو، بلاشبہ یہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے حق میں سفارشی بن کر آئے گا۔ دو خوبصورت سورتیں: بقرہ اور آل عمران پڑھا کرو، کیونکہ یہ قیامت کے روز اس طرح آئیں گی، گویا کہ وہ دو بدلیاں یا دو سایہ دار چیزیں یا پر پھیلائے پرندوں کے دو غول ہیں، وہ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کریں گی۔ سورۂ بقرہ پڑھا کرو، کیونکہ اس کو سیکھنا باعث برکت اور اس کو ترک کرنا باعثِ حسرت ہے اور باطل پرست اس پر غالب نہیں آ سکتے۔''

تخريج: أخرجه مسلم:٢/ ١٩٧، والبيهقي:٢/ ٣٩٥، والبغوي في "شرح السنة": ٤/ ٤٥٦، وأحمد: ٥/ ٢٤٩، ٢٥١، ٢٥٥، ٢٥٧، والطبراني في "المعجم الكبير": ٨/ ١٣٨/ ٧٥٤٢، ١٣٩/ ٧٥٤٣، ٧٥٤٤

شرح:...... ہمیں چاہیے کہ ہم قرآن مجید کے ساتھ گہرا تعلق پیدا کریں، اس کی تلاوت کریں، اس کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں، تاکہ قرآن مجید بالعموم اور سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران بالخصوص ہمارے حق میں شہادت دیں۔

جس گھر میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے، اس میں شیطان نہیں گھستا اور ایسے گھر والوں اور یہ سورت تلاوت کرنے والوں پر باطل پرست اور جادوگر غالب نہیں آسکتے۔

اگر اس سورت سے روگردانی برتی گئی تو دنیا میں بھی نقصان اٹھانا پڑے گا اور آخرت میں بھی اس کی برکتوں اور سفارشوں سے محرومی ہوگی۔

(۲۹۰۷)۔ عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((اَلْقُرْآنُ شَافِعٌ مُشَفَّعٌ، وَمَاحِلٌ مُصَدَّقٌ، مَنْ جَعَلَهُ اَمَامَهُ، قَادَهُ اِلَى الْجَنَّةِ، وَمَنْ جَعَلَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ سَاقَهُ اِلَى النَّارِ۔)) (الصحيحة:٢٠١٩)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید سفارش کرے گا اور اس کی سفارش مانی جائے گی، یہ (اپنے پڑھنے والوں کے حق میں) بحث کرے گا اور اس کی تصدیق کی جائے گی، جس نے اس کو اپنے سامنے رکھا، یہ جنت کی طرف اس کی رہنمائی کرے گا اور جس نے اس کو اپنی پیٹھ پیچھے رکھا، یہ اسے ہانک کر جہنم میں لے جائے گا۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان:١٧٩٣

شرح:...... ہمیں چاہیے کہ قرآن مجید کے احکام کی روشنی میں زندگی گزاریں اور کوئی اقدام کرنے سے پہلے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اس کا اچھا یا برا ہونا معلوم کریں۔ کسی کی رہنمائی میں چلنے کا یہی معنی ہوتا ہے کہ اس کی ہر بات تسلیم کی جائے۔

قرآن مجید کے حصول کو دنیا کا سبب نہ بنایا جائے
قرآن مجید کی تعلیم پر اجرت لینا کیسا ہے؟

(۲۹۰۸)۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِ، اَنَّهُ مَرَّ عَلٰى قَارِئٍ يَقْرَأُ، ثُمَّ سَأَلَ، فَاسْتَرْجَعَ، ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ. ((مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ، فَلْيَسْأَلِ اللّٰهَ بِهِ، فَاِنَّهُ سَيَجِيْءُ اَقْوَامٌ يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ۔)) (الصحيحة:٢٥٧)

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک قاریٔ قرآن کے پاس سے گزرے، وہ تلاوت کر کے لوگوں سے سوال کرتا۔ انھوں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''جو قرآن مجید پڑھے وہ اس کے ذریعے اللہ تعالی سے سوال کرے، عنقریب ایسے لوگ آئیں گے کہ وہ قرآن مجید تو پڑھیں گے لیکن اس پر لوگوں سے سوال کریں گے۔''

تخريج أخرجه الترمذي: ٤/ ٥٥، وأحمد: ٤/ ٤٣٢-٤٣٣، ٤٣٦، ٤٣٩

(٢٩٠٩)- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ نَقْرَءُ الْقُرْآنَ، وَفِيْنَا الْاَعْرَابِيُّ وَالْعَجَمِيُّ، فَقَالَ: ((اِقْرَؤُوْا فَكُلٌّ حَسَنٌ، وَسَيَجِيْءُ اَقْوَامٌ يُقِيْمُوْنَهُ كَمَا يُقَامُ الْقَدْحُ، يَتَعَجَّلُوْنَهُ وَلَايَتَأَجَّلُوْنَهُ-)) (الصحيحة:٢٥٩)

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے اور ہم میں بدو اور عجمی بھی بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پڑھو پڑھو، ہر کوئی درست پڑھ رہا ہے، عنقریب ایسے لوگ آئیں گے کہ وہ قرآن مجید کی (خوش اسلوبی سے) ادائیگی کو اتنی اہمیت دیں گے جتنی کہ تیر کے سیدھا کرنے کو دی جاتی ہے، لیکن اس کا بدلہ دنیا میں وصول کریں گے اور اس کے (اجر وثواب کو) آخرت تک مؤخر نہیں کریں گے۔''

تخريج: أخرجه أبوداود. ١/ ١٣٢- الطبعة التازية، وأحمد: ٣/ ٣٥٧، ٣٩٧

شرح:...... یعنی قرآن مجید کے الفاظ کی ادائیگی اور ان کے مخارج کا بہت زیادہ خیال رکھا جائے گا، پرترنم اور سریلی آواز میں اور خوب اتار چڑھاؤ کے ساتھ تلاوت کی جائے گی، لیکن مقصود یہ ہوگا کہ لوگوں کو خوش کر کے ان سے مال و دولت بٹورا جائے۔ عصر حاضر میں ایسے لوگوں نے قرآن مجید کو پیشہ بنا رکھا ہے۔ ان کی خلوتیں کیا، جلوتوں میں بھی قرآن حکیم کا ان کے وجود پر کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا۔

(٢٩١٠)- عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ شَبْلٍ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ مُعَاوِيَةَ قَالَ لَهُ: إِذَا اَتَيْتَ فُسْطَاطِي، فَقُمْ فَاَخْبِرْ مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ- قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((اِقْرَؤُوْا الْقُرْآنَ، وَلَا تَأْكُلُوْا بِهِ وَلَا تَسْتَكْثِرُوْا بِهِ، وَلَا تَجْفُوْا عَنْهُ، وَلَا تَغْلُوْا فِيْهِ-)) (الصحيحة:٢٦٠)

سیدنا عبد الرحمن بن شبل انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں کہا: جب تم میرے خیمے کے پاس پہنچو گے تو کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث بیان کرنا۔ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''قرآن مجید پڑھا کرو، نہ اس کو کھانے کا ذریعہ بناؤ، نہ اس کے ذریعے مالِ کثیر جمع کرو، نہ اس کے معاملے میں سنگدل ہو جاؤ اور نہ اس میں غلو اور تشدد کرو۔''

تخريج: أخرجه الطحاوي في "شرح المعاني" ٢/ ١٠، وأحمد ٣/ ٤٢٨، ٤٤٤، و الطبراني في "الأوسط": ١/ ١٤٢/ ٢، ١٧٠/ ٢- من زوائد المعجمين، وابن عساكر. ٩/ ٤٨٦/ ٢

(٢٩١١)- عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ أَخَذَ عَلَى تَعْلِيْمِ

سیدنا ابودردا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے قرآن مجید کی تعلیم دے کر کمان لی، اللہ تعالی

الْقُرْآنِ قَوْساً ، قَلَّدَهُ اللّٰهُ قَوْسًا مِنْ نَارٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحیحۃ:٢٥٦) قیامت کے روز اس کے گلے میں آگ کی کمان ڈالے گا۔''

تخریج: رواہ أبو محمد المخلدی فی "الفوائد":٢٦٨/ ١ ، وابن عساکر فی "تاریخ دمشق": ٢/ ٤٢٧/ ٢ ، والبیهقی فی "سننه": ٦/ ١٢٦

شــــرح:...... قرآن مجید رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے، اس کو اسی مقصد کے لیے ہی استعمال کرنا چاہئے۔ سنگدل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت ہو رہی ہو یا قرآن کی آیات کی روشنی میں وعظ و نصیحت کی جا رہی ہو، لیکن سننے والے پر اس کا کوئی اثر نہ ہو رہا ہو۔

قرآن مجید کی تعلیم پر اجرت لینا کیسا ہے؟

اس مسئلہ میں مختلف احادیث مروی ہیں، بعض یہ ہیں:

(۱) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی نے ایک بستی کے سردار کو سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اس کے عوض بکریوں کا ایک ریوڑ لیا۔ دوسرے صحابہ کرام نے ناپسند کیا اور اسے ڈانٹتے ہوئے کہا: اَخَذْتَ عَلٰی کِتَابِ اللّٰہِ اَجْرًا۔ ...... تو نے اللہ تعالی کی کتاب پر اجرت لی۔ جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو انھوں نے اس کی شکایت کی۔ جواباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا کِتَابُ اللّٰهِ۔)) (بخاری) ...... ''سب سے زیادہ جس چیز پر تم اجرت لینے کا حق رکھتے ہو وہ اللہ کی کتاب ہے۔'' (صحیح بخاری: ٢٢٧٦)

حافظ ابن حجر نے کہا: واستدل منه للجمهور فی جواز الاجرة علی تعلیم القرآن۔ (فتح الباری)...... اس حدیث سے جمہور کے لیے استدلال کیا گیا جو تعلم القرآن پر اجرت کے جواز کے قائل ہیں۔

(۲) بیوی کا حق مہر خاوند پر فرض ہے، اس کی تفصیل یوں ہے کہ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا نکاح قرآن مجید کی تعلیم کو حق مہر ٹھہرا کر کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ تھے: (اِذْهَبْ فَقَدْ اَنْکَحْتُهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔) (بخاری، مسلم) ...... ''جا، میں نے اس قرآن کے بدلے جو تیرے پاس ہے تیرا اس عورت کے ساتھ نکاح کر دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قرآن مجید کی تعلیم کی اجرت دلوائی ہے۔ امام مالک نے کہا: یہ تعلیم قرآن پر اجرت ہی تھی، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے۔ (فتح الباری)

لیکن درج ذیل حدیث اجرت لینے والوں کے حق میں بہت بڑی وعید ہے:

(۳) سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ اَخَذَ عَلٰی تَعْلِیْمِ الْقُرْآنِ قَوْسًا ، قَلَّدَهُ اللّٰهُ قَوْسًا مِنْ نَارٍ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔)) (صحیحه: ٢٥٦) ......جس نے قرآن مجید کی تعلیم دے کر کمان لی،

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے گلے میں آگ کی کمان ڈالے گا۔

مذکورہ بالا تین احادیث میں دو موضوعات بیان کئے گئے، جن میں تناقض اور تعارض پایا جا رہا ہے۔ ان میں جمع تطبیق کی یہ صورت ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم کا اصل مقصود دین حنیف کی نشر واشاعت اور لوگوں کی اصلاح ہو اور معلم خود بھی قرآنی احکام پر عمل پیرا ہو، اگر ایسی صورت میں لوگ معاوضہ دے دیں تو اس کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہی صورت پہلے والی احادیث کا مصداق ہے۔ لیکن اگر کسی آدمی کا قرآن کریم کی تعلیم سے اصل مقصود دنیا کی دولت اکٹھا کرنا ہو، لوگوں کی اصلاح سے اسے کوئی سروکار نہ ہو اور وہ خود قرآنی فرائض و واجبات کے وعظ سے اثر قبول نہ کرنے والا اور ان کی ادائیگی سے غافل ہو تو ایسے شخص کو وعید والی حدیثِ مبارکہ کا مصداق بنایا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۲۹۱۲)۔ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((اِقْرَؤُوْا الْقُرْآنَ، وَلَا تَغْلُوْا فِيْهِ، وَلَا تَجْفُوْا عَنْهُ، وَلَا تَأْكُلُوْا بِهٖ، وَلَا تَسْتَكْثِرُوْا بِهٖ۔)) (الصحيحة: ۳۰۵۷)

سیدنا عبد الرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''قرآن مجید کی تلاوت کیا کرو، نہ اس میں غلو اور تشدد کرو، نہ اس کے معاملے میں سخت بنو، نہ اس کو کھانے کا ذریعہ بناؤ اور نہ اس کے ذریعے مالِ کثیر جمع کرو۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ۳/ ۴۲۸، وابن ابی شيبة: ۲/ ۴۰۰، والطبرانی فی "المعجم الاوسط": ۱/ ۱۴۳/ ۱/ ۲۷۴۱

سریلی آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کرنا

(۲۹۱۳)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ اَوِالْاَشْعَرِيَّ أُعْطِيَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيْرِ آلِ دَاوُدَ۔)) (الصحيحة: ۳۵۳۲)

عبد اللہ بن بریدہ اپنے باپ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک عبداللہ بن قیس یا اشعری کو داود کی سُروں میں سے ایک سُر دی گئی ہے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ۲/ ۱۹۲۔ ۱۹۳، والبخاري في "الأدب المفرد": ۸۰۵، وابن أبي شيبة في "المصنف" ۱۲/ ۱۲۲/ ۱۲۳۰۸، وأحمد: ۵/ ۳۵۱، وابن سعد في "الطبقات": ۴/ ۱۰۷، ورواه النسائی فی "السنن الکبری": ۵/ ۲۳/ ۸۰۵۸

شرح: ...... یعنی وہ بڑی سریلی آواز میں تلاوت کرتے ہیں۔

''مِزْمَار'' گانے بجانے کے آلے بانسری وغیرہ کو کہا جاتا ہے، لیکن یہاں مراد سر اور خوش آوازی ہے۔ ''آل دواد'' میں آل کا لفظ زائد ہے، مراد خود حضرت داود علیہ السلام ہیں، کیونکہ حسن صوت حضرت داود علیہ السلام کو ہی عطا کیا گیا تھا، نہ

کہ ان کی آل کو۔

(۲۹۱۴)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرِ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: كُنَّا جُلُوْسًا فِي الْمَسْجِدِ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا، فَرَدَدْنَا عَلَيْهِ السَّلَامَ، ثُمَّ قَالَ: ((تَعَلَّمُوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَاقْتَنُوْهُ، وَتَغَنَّوْا بِهِ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَهُوَ اَشَدُّ تَفَلُّتًا مِنَ الْمَخَاضِ مِنَ الْعُقُلِ))۔

(الصحيحة: ٣٢٨٥)

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم مسجد میں بیٹھے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، ہم پر سلام کہا، ہم نے آپ ﷺ کے سلام کا جواب دیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اللہ کی کتاب کی تعلیم حاصل کرو، اس کو محفوظ رکھو اور ترنم اور غنا کے ساتھ تلاوت کیا کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! یہ قرآن رسی سے نکل کر بھاگنے والی اونٹنی کہ بہ نسبت (سینوں سے) جلدی نکل جانے والا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٥٠، والشجري في "الأمالي": ١/ ٧٣، ورواه الطبراني في "المعجم الكبير": ١٧/ ٢٩٠/ ٨٠٢، وابن ابي شيبة: ١٠/ ٤٧٧

شرح:...... معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت مخصوص سریلی آواز کا اہتمام کیا جائے، لیکن اس معاملے میں عرب کے لہجے کو سامنے رکھنا چاہیے، جیسے حرم مکی کے امام تلاوت کرتے ہیں، زیادہ تکلف سے بچنا چاہیے، جیسے آجکل مصری قرا کی تلاوت کا انداز ہے۔

سریلی آواز، قرآن مجید کی زینت ہے

(۲۹۱۵)۔ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنُ قَيْسٍ، قَالَ: كُنْتُ رَجُلاً قَدْ اَعْطَانِي اللّٰهُ حُسْنَ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ، فَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يُرْسِلُ اِلَيَّ فَاَقْرَأُ عَلَيْهِ، قَالَ: فَكُنْتُ اِذَا فَرَغْتُ مِنْ قِرَاءَتِي قَالَ: زِدْنَا مِنْ هٰذَا فَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((حُسْنُ الصَّوْتِ زِيْنَةُ الْقُرْآنِ))

(الصحيحة: ١٨١٥)

علقمہ بن قیس کہتے ہیں: میں ایسا آدمی تھا جسے اللہ تعالی نے قرآن مجید کی تلاوت کے سلسلہ میں حسن صوت سے نوازا تھا، سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میری طرف پیغام بھیجتے، پھر میں ان پر تلاوت کرتا تھا۔ جب میں (معینہ) قرائت سے فارغ ہوتا تو وہ کہتے: مزید سناؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''حسن صوت، قرآن مجید کی زینت ہے۔''

تخريج: رواه أبو نعيم في "الأربعين الصوفية": ٦٢/ ١، والطبراني: ١٠٠٢٣، وابن عدي: ٢٧١/ ١

شرح:...... بلا شبہ خوبصورت آواز سے قرآن مجید کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے اور تلاوت کرنے والوں اور سننے والوں میں مزید تلاوت کرنے اور سننے کی تمنا پیدا ہوتی ہے، لیکن اس معاملے میں تکلف سے گریز کرنا ضروری ہے۔

(٢٩١٦)۔ عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ، فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا۔)) (الصحيحة:٧٧١)

سیدنا براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو، بیشک خوبصورت آواز اس کے حسن میں اضافہ کرتی ہے۔''

تحريج: أخرجه الدارمي ٢/ ٤٧٤، وتمام في "الفوائد": ١٥٩/ ٢، والحاكم: ١/ ٥٧٥

شرح:...... ان روایات کا مقصود یہ ہے کہ تجوید وحسن صوت اور خوش آوازی وخوش الحانی کے ساتھ ایسے سوز میں تلاوت کی جائے کہ جس سے رقت طاری ہو جائے اور حرفوں کی ادائیگی اس طرح ہو کہ اس میں کمی یا بیشی نہ ہو۔ زیادہ تکلف اور تصنع سے بچا جائے، جیسے آج کل کے بہت سے قاری بالخصوص مصر کے بعض قراء تلاوت کرتے ہیں۔

سریلی آواز میں تلاوت کرنے کی وجہ سے اشعری لوگوں کی تعریف

(٢٩١٧)۔ عَنْ أَبِي مُوْسٰى، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنِّي لَأَعْرِفُ أَصْوَاتَ رُفْقَةِ الْأَشْعَرِيِّيْنَ بِالْقُرْآنِ حِيْنَ يَدْخُلُوْنَ بِاللَّيْلِ، وَأَعْرِفُ مَنَازِلَهُمْ مِنْ أَصْوَاتِهِمْ بِالْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ وَإِنْ كُنْتُ لَمْ أَرَ مَنَازِلَهُمْ حِيْنَ نَزَلُوْا بِالنَّهَارِ، وَمِنْهُمْ حَكِيْمٌ، إِذَا لَقِيَ الْخَيْلَ أَوْ قَالَ: الْعَدُوَّ قَالَ لَهُمْ: إِنَّ أَصْحَابِي يَأْمُرُوْنَكُمْ أَنْ تَنْظُرُوْهُمْ۔)) (الصحيحة:٣٣٠١)

سیدنا ابو موسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اشعری قبیلہ کے لوگ رات کو قیام اللیل میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو میں ان کی آوازیں پہچان لیتا ہوں، میں نے ان لوگوں کو دن کے وقت گھروں سے نکلتے تو نہیں دیکھا، البتہ رات کو سنی جانے والی آوازوں کی وجہ سے ان کے گھروں کو پہچانتا (ضرور) ہوں۔ ان میں سے ایک حکیم ہے، جس کا جب (دشمنوں کے) لشکر سے سامنا ہوتا ہے تو انھیں کہتا ہے: میرے ساتھی تمھیں حکم دے رہے ہیں کہ تم ان کا انتظار کرو۔''

تحريج: رواه البخاري: ٤٢٣٢، ومسلم: ٧/ ١٧١، وأبويعلي في "مسنده": ٧٣١٨

شرح:...... اس میں اشعری قبیلے کے لوگوں کی عظمت ومنقبت کا بیان ہے۔

قرآن مجید صرف زبانوں کا ''چسکا'' نہیں

(٢٩١٨)۔ عَنْ عُقْبَةَ مَرْفُوْعًا: ((سَيَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي يَشْرَبُوْنَ الْقُرْآنَ كَشُرْبِهِمُ الْمَاءَ۔)) (الصحيحة: ١٨٨٦)

سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب میری امت میں ایسے لوگ بھی نکلیں گے جو پانی پینے کی طرح قرآن مجید کے گھونٹ بھریں گے۔''

تخريج: رواه الفريابي في "فضائل القرآن": ١٨٧/ ٢، والطبراني، والروياني في "مسنده": ١٠/ ٥٩/ ١

شرح:...... قرآن مجید کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اس کو سمجھ کر اس کے قوانین کو زندگی میں عملی طور پر نافذ کیا

جائے۔ لیکن بعض لوگ قرآن مجید کی آیات کو اپنی زبانوں کا ''چسکا'' سمجھتے ہیں۔ ان کا مقصود قرآن مجید کی عوام کے مطلوبہ انداز میں تلاوت کر کے لوگوں کو خوش کرنا، ان سے داد وصول کرنا اور دنیوی مال و دولت بٹورنا ہوتا ہے۔

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھا جائے

(٢٩١٩)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ أَبُوبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَدْ شِبْتَ؟ قَالَ: ((شَيَّبَتْنِي ﴿هُوْدٌ﴾، وَ ﴿الْوَاقِعَةُ﴾، وَ ﴿الْمُرْسَلَاتُ﴾، وَ﴿عَمَّ يَتَسَالُوْنَ﴾، وَ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾))۔ (الصحيحة: ٩٥٥)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ (جلدی) بوڑھے ہو گئے ہیں (کیا وجہ ہے)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ نبا ﴿عَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ﴾ اور سورۂ تکویر ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٢٢٥، وابن سعد في ''الطبقات'': ١/ ٤٣٥، وأبو نعيم في ''الحلية'': ٤/ ٣٥٠، والحاكم: ٢/ ٣٤٤، والضياء في ''الأحاديث المختارة'': ٦٦/ ٧٥/ ١

شرح:...... اللہ تعالی نے ان سورتوں میں سابقہ انبیا کا تذکرہ، ان کی امتوں کا انجام، علاماتِ قیامت، قیامت کی ہولناکیوں کے جو مناظر بیان کئے ہیں، انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مغموم کر دیا، یہی وجہ ہے کہ وقت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپے کے آثار نظر آنے لگے۔ ہمارے ہاں یہ بات بڑی معروف ہے کہ پریشانیوں کی وجہ سے بڑھاپا جلدی طاری ہو جاتا ہے۔

معلوم ہوا تلاوتِ قرآن کی روح یہ ہے کہ اسے سمجھ کر پڑھا جائے۔ لیکن صد افسوس! ہمارے معاشرے میں قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے والے افراد عنقا بن چکے ہیں، ہر کوئی بلا سوچے سمجھے تلاوت کر کے یہی سمجھتا ہے کہ اس نے قرآن مجید کے تمام حقوق ادا کر دیے ہیں۔

سورۂ تکویر، انشقاق اور انفطار میں قیامت کا منظر

(٢٩٢٠)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُ رَأْيُ الْعَيْنِ، فَلْيَقْرَأْ: ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ وَ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ وَ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾۔ (الصحيحة: ١٠٨١)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی روزِ قیامت کو حقیقی صورت میں دیکھنا چاہتا ہے وہ ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ یعنی سورۂ تکویر، ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ یعنی سورۂ انشقاق اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾ یعنی سورۂ انفطار کی تلاوت کر لے۔''

تخريج: رواه الترمذي: ٢/ ٢٣٥، وابن نصر في ''القيام'' ٥٨، والحاكم: ٤/ ٥٧٦، وعبدالغني المقدسي في ''ذكر النار'' ٢٢٢/ ١ من طريق الطبراني من طريقين عن عبدالرزاق ثم من طريق أحمد وهذا

في "المسند" ٢/ ٢٧ و ٣٦ و ١٠٠ عنه، وكذا ابن أبي الدنيا في "الأهوال" ق ٢/ ١

شرح:......ان سورتوں میں روزِ قیامت کے مناظر کو انتہائی واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرنا

(٢٩٢١)۔ عَنْ مُوْسٰى بْنِ يَزِيْدَ الْكِنْدِيِّ، قَالَ: كَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يُقْرِأُ الْقُرْآنَ رَجُلاً، فَقَرَأَ الرَّجُلُ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقْرَآ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ (التَّوْبَة: ٦٠) مُرْسَلَةً۔ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ: مَاهٰكَذَا أَقْرَأَنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: كَيْفَ اَقْرَأَكَهَا يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ؟ قَالَ: اَقْرَأَنِيْهَا: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ فَمَدَّهَا۔ (الصحيحة: ٢٢٣٧)

موسیٰ بن یزید کندی کہتے ہیں: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک آدمی کو قرآن مجید پڑھاتے تھے، (ایک دن) اس نے ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ کو خوش اسلوبی سے لیکن تیز تیز پڑھا۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس طرح نہیں پڑھایا، جس طرح تم پڑھ رہے ہو۔ اس نے کہا: اے ابوعبد الرحمٰن! آپ ﷺ نے تجھے کیسے پڑھایا؟ انھوں نے کہا: آپ ﷺ نے مجھے ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ کھینچ کھینچ کر اور لمبا لمبا کر کے پڑھایا۔

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٨٦٧٧

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: ابن جوزی نے اس حدیث سے ''مدِ متصل'' کے وجوب پر استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ کسی قاری کے نزدیک اس کو قصر کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (صحیحہ: ۲۲۳۷)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا﴾ (سورۂ مزمل: ٤) ......''قرآن مجید کو صاف صاف اور عمدہ طریقہ پر پڑھا کرو۔''

لہٰذا ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے۔ نماز تراویح اور شبینہ کے موقعوں پر قرآن مجید کے نبوی اندازِ تلاوت کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، ہر ایک کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ ختمِ قرآن کی ڈگری مل جائے، قطع نظر اس بات سے کہ جس مبارک ہستی سے ہم نے قرآن مجید وصول کیا ہے، ان کا تلاوت کرنے کا کیا انداز تھا۔

جنوں کا سورۂ رحمٰن کی آیات کا جواب دینا

(٢٩٢٢)۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اَصْحَابِهِ، فَقَرَأَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةَ الرَّحْمٰنَ مِنْ اَوَّلِهَا اِلٰى آخِرِهَا، فَسَكَتُوْا۔ فَقَالَ: ((لَقَدْ قَرَأْتُهَا عَلَى الْجِنِّ لَيْلَةَ الْجِنِّ، فَكَانُوْا اَحْسَنَ مَرْدُوْدًا

مِنْكُمْ، كُنْتُ كُلَّمَا أَتَيْتُ عَلَى قَوْلِهِ: ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾، قَالُوْا: لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ، فَلَكَ الْحَمْدُ۔)) (الصحيحة: ٢١٥٠)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور ان کے سامنے مکمل سورۂ رحمن کی تلاوت کی، وہ خاموشی (سے سنتے رہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے یہی سورت جنوں والی رات کو ان پر تلاوت کی تھی، وہ تمھاری بہ نسبت اچھا جواب دینے والے تھے، وہ اس طرح کہ جب میں ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ (تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے) والی آیت پڑھتا تو وہ کہتے: اے ہمارے ربّ! ہم تیری کسی بھی نعمت کو نہیں جھٹلا سکتے اور تیرے لیے ہی تعریف ہے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي في "سننه": ٢/ ٢٣٤

شرح:...... معلوم ہوا کہ تلاوت کے دوران آیات کے مسنون جوابات دینا درست ہے۔

سجدۂ تلاوت کی دعا

(٢٩٢٣)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: رَأَيْتُ فِيْمَا يُرَى النَّائِمُ كَأَنِّي تَحْتَ شَجَرَةٍ، وَكَأَنَّ الشَّجَرَةَ تَقْرَأُ ص۔ فَلَمَّا أَتَتْ عَلَى السَّجْدَةِ سَجَدَتْ، فَقَالَتْ فِي سُجُوْدِهَا: اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا أَجْرًا، وَحُطَّ عَنِّي بِهَا وِزْرًا، وَأَحْدِثْ لِي بِهَا شُكْرًا، وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ سَجْدَتَهُ۔ فَلَمَّا أَصْبَحْتُ غَدَوْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ بِذٰلِكَ، فَقَالَ: ((سَجَدْتَ أَنْتَ يَا أَبَاسَعِيْدُ!)) فَقُلْتُ: لَا۔ قَالَ: ((أَنْتَ كُنْتَ أَحَقَّ بِالسُّجُوْدِ مِنَ الشَّجَرَةِ۔)) فَقَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سُوْرَةَ ص حَتّٰى أَتَى عَلَى السَّجْدَةِ، فَقَالَ فِي سُجُوْدِهِ

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک درخت کے نیچے ہوں اور درخت سورۂ ص کی تلاوت کر رہا ہے، جب اس نے سجدہ والی آیت پڑھی تو اس نے سجدۂ تلاوت کیا اور اس میں یہ دعا پڑھی: اے اللہ! میرے لیے اس سجدے کی وجہ سے اجر لکھ، اس کے ذریعے مجھ سے گناہ دور کر دے، اس کے ذریعے مجھے شکر کرنے کی از سر نو توفیق دے اور یہ سجدہ مجھ سے اس طرح قبول کر، جس طرح کہ تو نے اپنے بندے داود (علیہ السلام) سے قبول کیا تھا۔ جب صبح ہوئی تو میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور ساری بات بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابو سعید! کیا تو نے بھی سجدہ کیا تھا؟'' میں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو تو درخت کی بہ نسبت سجدہ کرنے کا زیادہ حقدار تھا۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے سورۂ ص کی تلاوت کی، یہاں تک کہ سجدہ والی

مَاقَالَتِ الشَّجَرَةُ فِي سُجُوْدِهَا۔ (الصحيحة: ٢٧١٠)

آیت تک پہنچے، (پھر سجدہ کیا اور) اس میں وہی دعا پڑھی جو درخت نے پڑھی تھی۔

تحريج: أخرجه أبو يعلى في "مسنده": ١/ ٢٩٨، والطبراني في "المعجم الأوسط": رقم ٤٩٠٤

شرح: ...... معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت میں یہ دعا پڑھنی چاہیے

اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا اَجْرًا، وَحُطَّ عَنِّي بِهَا وِزْرًا، وَاحْدِثْ لِي بِهَا شُكْرًا، وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ۔

دوسری دعا:

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ، فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔ (ترمذی، مسند احمد)

دوات اور قلم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدۂ تلاوت کیا

(٢٩٢٤)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كُتِبَتْ عِنْدَهُ سُوْرَةُ النَّجْمِ، فَلَمَّا بَلَغَ السَّجْدَةَ سَجَدَ، وَسَجَدْنَا مَعَهُ، وَسَجَدَتِ الدَّوَاةُ وَالْقَلَمُ۔ (الصحيحة: ٣٠٣٥)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سورۂ نجم لکھی گئی، جب سجدہ والی آیت تک پہنچے تو آپ ﷺ نے اور ہم نے سجدہ کیا اور دوات اور قلم نے بھی سجدہ کیا۔

تحريج: اخرجه بهذا التمام البزار في "مسنده": ١/ ٣٦٠/ ٧٥٣۔ كشف الأستار

شرح ...... کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہے اور اس کی تسبیح و تعریف بیان کرتی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (سورۂ نحل: ٤٩) ''آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے۔''

مزید ارشاد فرمایا: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (سورۂ اسراء: ٤٤) ''ہر چیز اس کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتی ہے، لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ پاتے۔''

انسان کے سامنے جتنی مخلوقات ہیں، وہ ان کی بندگی کا یہ اندازہ نہیں سمجھ سکتے، بسا اوقات اللہ تعالیٰ معجزانہ طور پر دکھا دیتے ہیں، جیسا کہ اس حدیث میں قلم اور دوات کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے۔

قرآن مجید کے ایک حرف پر دس نیکیاں

(٢٩٢٥)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اقْرَءُوْا الْقُرْآنَ فَاِنَّكُمْ تُؤْجَرُوْنَ

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید پڑھا کرو، بلاشبہ تمھیں اجر و ثواب ملے

عَلَيْهِ ، اَمَا اِنِّيْ لَا اَقُوْلُ ﴿الٓمٓ﴾ حَرْفٌ ، وَلٰكِنْ اَلِفٌ عَشْرٌ ، وَلَامٌ عَشْرٌ ، وَمِيْمٌ عَشْرٌ ، فَتِلْكَ ثَلَاثُوْنَ۔)) (الصحيحة:٦٦٠)

گا۔ آگاہ رہو! میں یہ نہیں کہتا کہ "الٓمٓ" ایک حرف ہے، بلکہ "الف" کی دس نیکیاں علیحدہ ہیں، "لام" کی علیحدہ اور "میم" کی علیحدہ، اس طرح "الٓمٓ" کی کل تیس نیکیاں ہوئیں۔"

تخریج: أخرجه الخطيب في"التاريخ": ١/ ٢٨٥ ، والديلمي: ١/ ١/ ١٣ ، واخرج الترمذي: ٤/ ٥٣ الحديث نحوه

شرح:...... ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں اور "الٓمٓ" میں تین حروف ہیں۔

(٢٩٢٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ ، فَلَهُ بِهٖ حَسَنَةٌ ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا ، لَا اَقُوْلُ: ﴿الٓمٓ﴾ حَرْفٌ ، وَلٰكِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ ، وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ۔)) (الصحيحة: ٣٣٢٧)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے قرآن مجید کا ایک حرف پڑھا، اسے ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ ﴿الٓمٓ﴾ ایک حرف ہے، بلکہ "الف" ایک حرف ہے "لام" ایک حرف ہے اور "میم" ایک حرف ہے۔"

تخریج: أخرجه البخاري في"التاريخ": ١/ ٢١٦/ ٦٧٩ ، والترمذي: ٨/ ١١٥/ ٢٩١٠

شرح:...... "الٓمٓ" کی تلاوت پر تیس نیکیاں ملیں گی۔ جب تک قرآن مجید کی تلاوت ہماری زندگی کا معمول نہیں بنتی، اس وقت تک ہم اس کی خیر و برکت سے کما حقہ مستفید نہیں ہو سکتے۔

جن احادیث میں صحابہ کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے چالیس دنوں میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل کرنے کی تلقین کی ہے، اس کی روشنی میں اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں:

ولا نحب للرجل ان ياتي عليه اكثر من اربعين يوما ولم يقرأ القرآن بهذ الحديث۔

ہم اس حدیث کی روشنی میں کسی آدمی کے لیے یہ پسند نہیں کرتے کہ چالیس دن گزر جائیں اور اس نے مکمل قرآن مجید کی تلاوت نہ کی ہو۔ (ترمذی)

ہمیں بھی چاہئے کہ آپ ﷺ کے ناصحانہ حکم پر عمل کرتے ہوئے کم از کم چالیس دنوں میں قرآن مجید کی تلاوت کی تکمیل کریں۔

ذکر و تلاوت کی وصیت

(٢٩٢٧)۔ عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ ، اَنَّ رَجُلًا جَاءَهُ فَقَالَ: اَوْصِنِيْ ، فَقَالَ: سَأَلْتَ

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: مجھے کوئی وصیت کیجیے۔ میں نے کہا:

عَمَّا سَأَلْتُ عَنْهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مِنْ قَبْلِكَ، فَقَالَ: ((أُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ، فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ شَيْءٍ، وَعَلَيْكَ بِالْجِهَادِ، فَإِنَّهُ رَهْبَانِيَّةُ الْإِسْلَامِ، وَعَلَيْكَ بِذِكْرِ اللّٰهِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ، فَإِنَّهُ رُوْحُكَ فِي السَّمَاءِ وَذِكْرُكَ فِي الْأَرْضِ.)) (الصحيحة:٥٥٥)

تو نے مجھ سے وہی مطالبہ کیا ہے جو میں نے تجھ سے قبل رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ وہ ہر نیکی کی جڑ ہے، نیز جہاد کا اہتمام کر، کیونکہ وہ رہبانیتِ اسلام ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تلاوتِ قرآن کا اہتمام کر کیونکہ وہ آسمان میں تیرے لیے باعثِ رحمت اور زمین میں باعثِ تذکرۂ خیر ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٨٢

سورۂ فاتحہ افضل القرآن ہے

(٢٩٢٨)۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي سَيْرِهِ فَنَزَلَ، وَنَزَلَ رَجُلٌ إِلَى جَانِبِهِ، قَالَ: فَالْتَفَتَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: ((أَلَا أُخْبِرُكَ بِأَفْضَلِ الْقُرْآنِ؟)) فَتَلَا عَلَيْهِ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (الصحيحة:١٤٩٩)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ کسی سفر میں تھے، کہیں اترے اور ایک آدمی بھی آپ ﷺ کے پہلو میں اترا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''کیا میں تجھے قرآن کے افضل حصے کے بارے میں نہ بتلاؤں؟'' پھر اس پر ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ تلاوت کی۔

تخريج: أخرجه الحاكم: ١/ ٥٦٠

شرح :...... شاید یہی وجہ ہے کہ اس سورت کو ہر نمازی پر ہر نماز کی ہر رکعت میں فرض کر دیا گیا ہے اور یہ نماز کا اتنا اہم رکن ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں اسی کو نماز کہا گیا ہے، اس سورۂ مبارکہ کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی رحمت و ربوبیت اور عدل و بادشاہت کے بیان میں ہے اور نصف حصے میں دعا و مناجات ہے، جو بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرتا ہے۔ بعض مفسرین نے یہی وجوہات بیان کرتے ہوئے اس کو خلاصۂ قرآن قرار دیا ہے۔

کیا بسم اللہ...... سورۂ فاتحہ کی آیت ہے؟

(٢٩٢٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا قَرَأْتُمْ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ فَاقْرَءُ وْا: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ إِنَّهَا أُمُّ الْقُرْآنِ، وَأُمُّ الْكِتَابِ، وَالسَّبْعُ الْمَثَانِي وَ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ إِحْدَاهَا.)) (الصحيحة: ١١٨٣)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ (یعنی سورۂ فاتحہ) پڑھو تو ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھا کرو، کیونکہ یہ سورت امّ القرآن، امّ الکتاب اور سبع مَثانی (یعنی بار بار پڑھی جانے والی سات آیات) ہیں اور ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اس کی ایک آیت ہے۔''

تخريج: أخرجه الدارقطني: ١١٨، والبيهقي: ٢/ ٤٥، والديلمي: ١/ ١/ ٧٠

شرح:...... معلوم ہوا کہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے، لیکن نبی کریم ﷺ کا عام معمول یہ تھا کہ آپ جہری نمازوں میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سرًا پڑھتے تھے، لیکن کبھی کبھار اس کی جہر کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی فضیلت

(٢٩٣٠)۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((اقْرَؤُوْا الْقُرْآنَ، فَإِنَّهُ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِأَصْحَابِهِ، اقْرَؤُوْا الزَّهْرَاوَيْنِ: الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ آلِ عِمْرَانَ. فَإِنَّهُمَا تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ، أَوْ كَأَنَّهُمَا غَيَايَتَانِ، أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ، تُحَاجَّانِ عَنْ أَصْحَابِهِمَا، اقْرَؤُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ، فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ، وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ، وَلَا يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ۔)) (الصحيحة: ٣٩٩٢)

سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''قرآن مجید پڑھا کرو، بلاشبہ یہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے حق میں سفارشی بن کر آئے گا۔ دو خوبصورت سورتیں. بقرہ اور آل عمران پڑھا کرو، کیونکہ یہ قیامت کے روز اس طرح آئیں گی، گویا کہ وہ دو بدلیاں یا دو سایہ دار چیزیں یا پر پھیلائے پرندوں کے دوغول ہیں، وہ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کریں گی۔ سورۂ بقرہ پڑھا کرو، کیونکہ اس کو سیکھنا باعث برکت اور اس کو ترک کرنا باعث حسرت ہے اور باطل پرست اس پر غالب نہیں آ سکتے۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٢/ ١٩٧، والبيهقي: ٢/ ٣٩٥، والبغوي في "شرح السنة": ٤/ ٤٥٦، وأحمد: ٥/ ٢٤٩، ٢٥١، ٢٥٥، ٢٥٧، والطبراني في "المعجم الكبير": ٨/ ١٣٨/ ٧٥٤٢، ١٣٩/ ٧٥٤٣، ٧٥٤٤

شرح:...... ہمیں چاہئے کہ ہم قرآن مجید کے ساتھ گہرا تعلق پیدا کریں، اس کی تلاوت کریں، اس کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں، تاکہ قرآن مجید بالعموم اور سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران بالخصوص ہمارے حق میں شہادت دیں۔

جس گھر میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے، اس میں شیطان نہیں گھستا اور ایسے گھر والوں اور یہ سورت تلاوت کرنے والوں پر باطل پرست اور جادوگر غالب نہیں آسکتے۔

اگر اس سورت سے روگردانی برتی گئی تو دنیا میں بھی نقصان اٹھانا پڑے گا اور آخرت میں بھی اس کی برکتوں اور سفارشوں سے محرومی ہوگی۔

(٢٩٣١)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ مَسْعُوْدٍ مَوْقُوْفًا وَمَرْفُوْعًا: ((إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامًا وَسَنَامُ

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ موقوفا اور مرفوعا روایت کرتے ہیں: ''ہر چیز کی ایک کوہان ہوتی ہے اور قرآن کی کوہان سورۂ

الْقُرْآن سُورَةُ الْبَقَرَةِ، وَاِنَّ الشَّيْطَانَ اِذَا سَمِعَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ خَرَجَ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي يُقْرَأُ فِيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ۔)) (الصحيحة:٥٨٨)

بقرہ ہے اور جب شیطان سورۂ بقرہ کی تلاوت سنتا ہے تو وہ اس گھر سے نکل جاتا ہے جس میں اس سورت کی تلاوت کی جا رہی ہو۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ١/ ٥٦١

شرح:...... سورۂ بقرہ حق ہے اور شیطان باطل ہے، جہاں حق کا ظہور اور آمد ہو، باطل وہاں سے دم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔

سورۂ بقرہ کی تلاوت کی وجہ سے شیطان گھر میں داخل نہیں ہوتا

(٢٩٣٢)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِقْرَؤُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فِي بُيُوْتِكُمْ، فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَدْخُلُ بَيْتًا يُقْرَأُ فِيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ۔)) (الصحيحة:١٥٢١)

سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے گھروں میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کیا کرو، کیونکہ جس گھر میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے، اس میں شیطان نہیں گھستا۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ١/ ٥٦١

شرح:...... اس میں سورۂ بقرہ کی رحمت و برکت کا ذکر ہے۔

آیۃ الکرسی جنوں سے محفوظ کر دیتی ہے

(٢٩٣٣)۔ عَنْ يَحْيٰي بْنِ اَبِي كَثِيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ اُبَيٍّ: اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهُ: اَنَّهُ كَانَ لَهُمْ جَرِنٌ فِيْهِ تَمْرٌ، وَكَانَ اُبَيٌّ يَتَعَاهَدُهُ، فَوَجَدَهُ يَنْقُصُ، فَحَرَسَهُ، فَاِذَا هُوَبِدَابَّةٍ تُشْبِهُ الْغُلَامَ الْمُحْتَلِمَ، قَالَ: فَسَلَّمْتُ، فَرَدَّ السَّلَامَ، فَقُلْتُ: مَنْ اَنْتَ اَجِنٌّ اَمْ اِنْسٌ؟ قَالَ: جِنٌّ! قَالَ: فَنَاوِلْنِي يَدَكَ، فَنَاوَلَنِي يَدَهُ، فَاِذَا هِيَ يَدُ كَلْبٍ وَشَعْرُ كَلْبٍ۔ قَالَ: هٰكَذَا خَلْقُ الْجِنِّ؟ قَالَ: لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنُّ مَا فِيْهِمْ اَشَدُّ مِنِّي۔ قَالَ لَهُ اُبَيٌّ: مَاحَمَلَكَ عَلٰى مَا صَنَعْتَ؟ قَالَ: بَلَغَنَا اَنَّكَ رَجُلٌ

یحییٰ بن ابو کثیر کہتے ہیں: مجھے ابن ابی نے بیان کیا کہ اس کے باپ نے اسے بتلایا کہ ان کی کھجوریں کھلیان میں اکٹھی پڑیں تھیں، وہ ان کی دیکھ بھال کرتے تھے، آپ نے دیکھا کہ ان میں کمی واقع ہو رہی ہے، اس لیے پہرہ دینا شروع کر دیا، اچانک ایک جاندار نظر آیا جو بالغ ہونے والے لڑکے کی طرح لگتا تھا، آپ نے اسے سلام کہا، اس نے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے کہا: تو کون ہے، جن ہے یا انسان؟ اس نے کہا: میں جن ہوں۔ آپ نے کہا: مجھے اپنا ہاتھ پکڑاؤ۔ اس نے اپنا ہاتھ پکڑا دیا، وہ تو کتے کے ہاتھ اور بالوں کی طرح تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا: کیا جنوں کی خلقت اس طرح ہے؟ اس نے کہا: جنوں کو علم ہے کہ ان میں مجھ سے بھی زیادہ قبیح ہیں۔

تُحِبُّ الصَّدَقَةَ ، فَأَحْبَبْنَا أَنْ نُصِيبَ مِنْ طَعَامِكَ۔ قَالَ: أُبَيٌّ : فَمَا يُجِيرُنَا مِنْكُمْ ؟ قَالَ: هٰذِهِ الْآيَةُ: آيَةُ﴿الْكُرْسِيِّ﴾۔ثُمَّ غَدَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ: ((صَدَقَ الْخَبِيثُ)) (الصحيحة:٣٢٤٥)

آپ نے کہا: (کھجوریں اٹھانے پر) تجھے کس چیز نے آمادہ کیا ہے؟ اس نے کہا: ہمیں یہ بات پہنچی کہ تجھے صدقہ کرنا پسند ہے، اس لیے ہم نے چاہا کہ آپ کے غلے سے کچھ لے جائیں۔ آپ نے کہا: ہم کس طرح تم سے محفوظ رہ سکتے ہیں؟ اس نے کہا: اس آیت یعنی آیۃ الکرسی کے ذریعے۔ دوسرے دن والد صاحب نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور سارا ماجرا سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خبیث نے سچ کہا۔''

تخریج: أخرجه النسائي في"عمل اليوم والليلة": ٥٣٣/ ٩٦٠، وابن حبان: ١٧٢٤، والحارث في"زوائده": ق ١٢٥/ ٢، وأبوالشيخ في "العظمة": ٥/ ١٦٥٠، والبيهقي في"الدلائل": ٧/ ١٠٨، والبغوي في"شرح السنة": ٤/ ٤٦٢، وأبونعيم في "دلائل النبوة": صـ ٥٢٥، وابوداود الطيالسی، والحاكم: ١/ ٥٦١

شرح:...... معلوم ہوا کہ آیۃ الکرسی کے ذریعے جنوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ گھروں میں بالعموم اور رات کو سوتے وقت بالخصوص اس کی تلاوت کا اہتمام کرنا چاہیے۔

سورۂ آل عمران کی آیت ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ......﴾ کی اہمیت

(٢٩٣٤)۔ عَنْ عَطَاءٍ ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَعُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ عَلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ، فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَيْرٍ: حَدِّثِينَا بِأَعْجَبِ شَيْءٍ رَأَيْتِيهِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَبَكَتْ وَقَالَتْ: قَامَ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِيْ ، فَقَالَ: ((يَا عَائِشَةُ! ذَرِيْنِي أَتَعَبَّدُ لِرَبِّي۔)) قَالَتْ: قُلْتُ: وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُحِبُّ قُرْبَكَ ، وَأُحِبُّ مَايَسُرُّكَ۔ قَالَتْ: فَقَامَ فَتَطَهَّرَ ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ ، فَلَمْ يَزَلْ يَبْكِيْ حَتّٰى بَلَّ حِجْرَهُ، ثُمَّ بَكٰى، فَلَمْ يَزَلْ يَبْكِيْ حَتّٰى بَلَّ الْأَرْضَ ، وَجَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ ، فَلَمَّا رَآهُ يَبْكِي قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! تَبْكِيْ

عطا کہتے ہیں: میں اور عبید بن عمیر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، عبد اللہ بن عمیر نے کہا: رسول اللہ ﷺ کا کوئی تعجب انگیز عمل، جو آپ نے دیکھا ہو، بیان کریں۔ وہ رونے لگ گئیں اور کہا: آپ ﷺ ایک رات کو کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''عائشہ! مجھے اپنے ربّ کی عبادت کرنے دو۔'' میں نے کہا: بخدا! میں آپ کی قربت کو پسند کرتی ہوں، لیکن وہ چیز بھی پسند ہے جو آپ کو خوش کرے۔ آپ ﷺ اٹھے، وضو کیا اور پھر نماز شروع کر دی: آپ مسلسل روتے رہے یہاں تک کہ آپ کی گود بھیگ گئی، پھر روئے اور روتے رہے حتی کہ زمین تر ہو گئی۔ اتنے میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نمازِ فجر کی اطلاع دینے کے لیے آئے، جب انھوں نے آپ ﷺ کو روتا پایا تو کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اتنا کیوں رو رہے

وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَاتَأَخَّرَ؟ قَالَ: ((اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًاشَكُوْرًا، لَقَدْ نَزَلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ آيَاتٌ، وَيْلٌ لِمَنْ قَرَأَهَا وَلَمْ يَتَفَكَّرْ فِيْهَا: ﴿إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ......﴾ الآيَةَ (آل عمران: ١٩٠)۔)) (الصحيحة: ٦٨)

ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں، آج مجھ پر چند آیات نازل ہوئیں، اس آدمی کے لیے ہلاکت ہے جس نے ان کو پڑھا لیکن غور و فکر نہ کیا، آیات یہ ہیں: ﴿إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ .....﴾ (سورۂ آل عمران: ١٩٠ تا ٢٠٠)۔''

تخریج: رواه أبوالشيخ ابن حيان في "أخلاق النبي ﷺ": ٢٠٠۔٢٠١، وابن حبان في "صحيحه": ٥٢٣۔الموارد

شرح:......امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی فضیلت، کثرتِ خشیت، خوفِ خدا اور کثرتِ عبادت کا ذکر ہے، حالانکہ آپ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے تھے، یہ کمال بشریت کی انتہا ہے اور بلا شک وشبہ یہ سید البشر ﷺ کی صفت ہے۔

نبی کریم ﷺ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ ثابت کرنے کے اس قدر محنت کرتے تھے، کہ راتوں کا بیشتر حصہ قیام کرتے اور اس میں بھی روتے رہتے۔ اس میں نبی کریم ﷺ کی فضیلت اور آپ کی خشیت وخوف کا بیان ہے۔ پوری آیت اس طرح ہے: ﴿إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْاَلْبَابِ۔﴾ (سورۂ آل عمران: ١٩٠) ...... ''بیشک آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

سورۂ آل عمران کی (۱۹۰) اور بعد والی آیات میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے عبرتیں اور نصیحتیں ہیں۔

سورۂ کہف کی فضیلت

(٢٩٣٥)۔ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ كَمَا أُنْزِلَت كَانَتْ لَهُ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، مِنْ مَقَامِهِ اِلٰى مَكَّةَ، وَمَنْ قَرَأَ عَشَرَ آيَاتٍ مِنْ آخِرِهَاثُمَّ خَرَجَ الدَّجَّالُ لَمْ يَضُرَّهُ، وَمَنْ تَوَضَّأَ فَقَالَ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ، كُتِبَ فِيْ

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے سورۂ کہف کی تلاوت کی، جس طرح وہ نازل ہوئی، تو یہ پڑھنے والے کے لیے روزِ قیامت اس کی اقامت گاہ سے مکہ تک نور کا سبب بنے گی اور جس نے اس سورت کی آخری دس آیات پڑھیں اور پھر دجال نکل آیا تو اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا اور جس نے وضو کر کے یہ دعا پڑھی: اے اللہ! تو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ، میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی معبودِ برحق ہے، میں تجھ سے بخشش

رَقٍ، ثُمَّ جُعِلَ فِي طَابِعٍ، فَلَمْ يُكْسَرْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة: ٢٦٥١)

طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ تو یہ کلمات ایک ورق میں لکھ کر مہر شدہ (حفاظت گاہ) میں رکھ دیے جاتے ہیں، جسے قیامت کے دن تک نہیں توڑا جا سکتا۔''

تخریج: أخرجه النسائي في "عمل اليوم و الليلة": ٨١ و ٩٥٢، والطبراني في "الأوسط": ١/ ٥/ ١ و الحاكم: ١/ ٥٦٤

شرح:...... اس میں سورۂ کہف کی مکمل اور آخری دس آیات کی تلاوت اور وضو کے بعد ایک دعا کی فضیلت کا بیان ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔)) ...... ''جس نے سورۂ کہف کی شروع والی دس آیات یاد کرلیں، وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔'' (مسند احمد: ٦/ ٤٤٩، صحیحہ: ٥٨٢)

اس حدیث میں سورۂ کہف کی پہلی دس آیات کا ذکر ہے، جبکہ اوپر والی حدیث میں آخری دس آیات کا، (مختصر بحث کرنے کے بعد امام صاحب نے کہا:) سیدنا ابو درداء کی روایت سندی اعتبار سے راجح ہے، اس لیے اس پر عمل کیا جائے گا۔ (صحیحہ: ٢٦٥١)

سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا اور پھر فرمایا: ((...... فَمَنْ أَدْرَكَهُ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُوْرَةِ الْكَهْفِ فَإِنَّهَا جِوَارُكُمْ مِنْ فِتْنَتِهِ۔)) ...... ''تم میں سے جو آدمی دجال کو پالے تو وہ اس پر سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ دے، یہ اس کے فتنے سے تمہارے لیے پناہ ہوں گی۔'' (ابوداود: ٤٣٢١، اس کی اصل مسلم میں ہے، اس میں ''فانھا ......'' کے الفاظ نہیں ہیں۔)

سورۂ ملک کی فضیلت

(٢٩٣٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعًا: ((سُوْرَةُ تَبَارَكَ هِيَ الْمَانِعَةُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔)) (الصحيحة: ١١٤٠)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''﴿تَبَارَكَ الَّذِيْ﴾ یعنی سورۂ ملک عذاب قبر کو روکنے والی ہے۔''

تخریج: أبو الشيخ في "طبقات الأصبهانيين" ٢٦٤، وأخرجه الحاكم: ٢/ ٤٩٨، واخرجه الحاكم موقوفا، وهو في حكم المرفوع

شرح:...... اس میں سورۂ ملک کی فضیلت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے سورۂ ملک اور سورۂ سجدہ کی تلاوت کرتے تھے۔ (ترمذی، نسائی)

سورۂ کافرون کی فضیلت

(٢٩٣٧)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((﴿قُلْ يَا يُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ تَعْدِلُ رُبْعَ الْقُرْآنِ۔)) (الصحيحة:٥٨٦)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ یعنی سورۂ کافرون، قرآن مجید کے ایک چوتھائی حصے کے برابر ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن عدى فى "الكامل": ٥٥/ ١ والحاكم: ١/ ٥٦٦۔ تلخيص

شرح:...... رسول اللہ ﷺ طواف کے دوران اور فجر سے پہلے والی اور مغرب کے بعد والی دوسنتوں کی پہلی رکعت میں سورۂ کافرون کی اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص کی تلاوت کرتے تھے۔ نیز سیدنا نوفل بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: ((اِقْرَأْ قُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ ثُمَّ نَمْ عَلٰى خَاتِمَتِهَا فَإِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِنَ الشِّرْكِ۔)) ......''(رات کو سوتے وقت) یہ سورت پڑھو اور پھر سو جاؤ، بیشک اس میں شرک سے براءت ہے۔''

(ابوداود: ۵۰۵۵، ترمذی: ۳۴۰۳)

سورۂ اخلاص ایک تہائی قرآن ہے

(٢٩٣٨)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِحْشِدُوْا، فاني سَاَقْرَأُ عَلَيْكُمْ ثُلُثَ الْقُرْآنِ۔)) فَحَشَدَ مَنْ حَشَدَ، ثُمَّ خَرَجَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ فَقَرَأَ: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾، ثُمَّ دَخَلَ، فَقَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ: اِنِّي اَرٰى هٰذَا خَبَرٌ جَاءَهُ مِنَ السَّمَاءِ، فَذَالِكَ الَّذِي اَدْخَلَهُ، ثُمَّ خَرَجَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((اِنِّي قُلْتُ لَكُمْ: سَاَقْرَأُ عَلَيْكُمْ ثُلُثَ الْقُرْآنِ، اَلَا اِنَّهَا تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ۔)) (الصحيحة: ٣٩٧٨)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جمع ہو جاؤ، میں تم پر ایک تہائی قرآن کی تلاوت کرنے لگا ہوں۔'' جمع ہونے والے جمع ہو گئے، آپ ﷺ تشریف لائے اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کی تلاوت کر کے واپس چلے گئے۔ ہم ایک دوسرے کو کہنے لگے: ایسا لگتا ہے کہ آسمان سے کوئی (نئی) خبر آئی ہے جس نے آپ ﷺ کو گھر داخل کر دیا ہے، پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ''میں نے تمھیں کہا تھا کہ میں تم پر ایک تہائی قرآن کی تلاوت کروں گا۔ آگاہ ہو جاؤ! (سورۂ اخلاص) ایک تہائی قرآن کے برابر ہے (جس کی تلاوت میں کر چکا ہوں)۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٢/ ٢٠٠، والترمذي: ٢٩٠٠، وأحمد: ٢/ ٤٢٩

شرح:...... سورۂ اخلاص ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ایک تہائی قرآنِ مجید کے برابر ہے۔ اس حدیث کی سب سے بہترین تفسیر یہ ہے:

قرآنِ مجید تین اساسی مقاصد پر مشتمل ہے:

(۱) اوامر و نواہی: اللہ تعالیٰ کے وہ عملی احکام جن میں واجبات، مستحبات، محرمات اور مکروہات کا ذکر ہے۔

(۲) اخبار وقصص: سابقہ انبیا ورسل اوران کی امتوں کے حالات وواقعات اور نیک و بد اعمال کی بنیاد پر وصول ہونے والے ثواب وعقاب کی تفاصیل۔

(۳) علم التوحید: اللہ تعالی کی ذات اوراس کے اسما وصفات اوران کے تقاضوں کی تفصیل۔

سورۂ اخلاص مجمل طور پر تیسری قسم ''علم التوحید'' پر مشتمل ہے، اس لیے اس کو قرآن کا تہائی حصہ قرار دیا گیا۔

دس دفعہ سورۂ اخلاص تلاوت کرنے کا ثواب

(۲۹۳۹)۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ حَتّٰى يَخْتِمَهَا عَشْرَ مَرَّاتٍ، بَنَى اللّٰهُ لَهُ قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ۔)) فَقَالَ عُمَرُ: إِذَنْ نَسْتَكْثِرُ قُصُوْرًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ: ((اَللّٰهُ أَكْثَرُ وَأَطْيَبُ۔)) (الصحيحة: ٥٨٩)

سیدنا معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ یعنی سورۂ اخلاص آخر تک دس مرتبہ پڑھے گا، اللہ تعالی اس کے لیے جنت میں ایک محل تعمیر کرے گا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! پھر تو ہم بہت سے محلات حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی بھی بہت زیادہ اور بہت عمدہ عطا کرنے والا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٤٣٧، والعقيلي في "الضعفاء": ١٤٧

شرح:...... اس میں سورۂ اخلاص، جس کو ایک تہائی قرآن قرار دیا گیا ہے، کی فضیلت وعظمت اور اللہ تعالی کی رحمت کی وسعت کا بیان ہے۔ اللہ تعالی نے جنت میں لے جانے والے تمام اسباب کی نشاندہی فرما دی ہے۔ دیکھئے! ہم کس قدر اللہ تعالی کی رحمت سے مستفید ہوتے ہیں۔

سورۂ فلق اور سورۂ ناس کی فضیلت

(۲۹٤٠)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((أُنْزِلَ عَلَيَّ آيَاتٌ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ: ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ إِلَى آخِرِ السُّوْرَةِ، وَ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ إِلَى آخِرِ السُّوْرَةِ۔)) (الصحيحة: ٣٤٩٩)

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئیں جو (تعوّذ کے باب میں) بے مثال ہیں، اور وہ ہیں: ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ سورت کے آخر تک اور ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ سورت کے آخر تک۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٢/ ٢٠٠، والدارمي: ٢/ ٤٦٢، والترمذي: ٢٩٠٢، ٣٣٦٧، والنسائي: ١/ ١٥١ و ٢/ ٣١٣۔ والسياق له۔ وأحمد: ٤/ ١٤٤، ١٥٠، ١٥١، ١٥٢، وأبوداود: ١٤٦٢

شرح:...... یہ سورتیں ''باب التعوّذ'' میں بے مثال ہیں۔ نبی کریم ﷺ انسانوں اور جنوں کی نظر سے پناہ

مانگا کرتے تھے، جب یہ دو سورتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کو پڑھنے کا معمول بنا لیا اور باقی چیزیں چھوڑ دیں۔ (ترمذی)

(٢٩٤١)۔ عَنِ ابْنِ عَائِشِ الْجُهَنِيِّ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهُ: ((يَا ابْنَ عَابِسٍ! اَلَا اُخْبِرُكَ بِاَفْضَلِ مَاتَعَوَّذَ بِهِ الْمُتَعَوِّذُوْنَ؟ قَالَ: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ وَ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ هَاتَيْنِ السُّوْرَتَيْنِ۔)) (الصحيحة: ١١٠٤)

سیدنا ابن عائش جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''ابن عابس! کیا میں تجھے وہ افضل (ذکر) نہ بتاؤں جس کے ساتھ پناہ مانگنے والے پناہ مانگتے ہیں؟'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ دو سورتیں ہیں: سورۂ فلق ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور سورۂ ناس ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ٢/ ٣١٢، وابن سعد: ٢/ ٢١٢، وأحمد: ٤/ ١٥٣

شرح:...... اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے اور کسی کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دینے کے سلسلے میں یہ دو سورتیں بے مثال اور لا ثانی ہیں۔ جب نبی کریم ﷺ پر جادو ہوا تھا تو ان ہی دو سورتوں کے ذریعے آپ ﷺ کا علاج کیا گیا تھا۔

(٢٩٤٢)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنُ عَامِرٍ، قَالَ: لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لِيْ: ((يَا عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ! صِلْ مَنْ قَطَعَكَ، وَأَعْطِ مَنْ حَرَّمَكَ، وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ۔)) قَالَ: ثُمَّ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لِيْ: ((يَا عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ! اَمْلِكْ لِسَانَكَ، وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ۔)) قَالَ: ثُمَّ لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لِي: ((يَا عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ! اَلَا اُعَلِّمُكَ سُوَرًا مَا اُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْاِنْجِيْلِ وَلَا فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهُنَّ، لَا يَأْتِيْ عَلَيْكَ لَيْلَةٌ اِلَّا قَرَاْتَهُنَّ فِيْهَا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔)) (الصحيحة: ٢٨٦١)

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عقبہ بن عامر! جو تجھ سے قطع رحمی کرے، اس سے صلہ رحمی کر۔ جو تجھے محروم کرے، تو اسے عطا کر۔ جو تجھ پر ظلم کرے، تو اسے معاف کر۔'' میں پھر ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''عقبہ بن عامر! اپنی زبان کو قابو میں رکھ، اپنی غلطیوں پر رو اور تیرا گھر تجھے اپنے اندر سما لے (ضرورت کے بغیر گھر سے نہ نکل)۔'' بعد میں جب (تیسری دفعہ) ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''عقبہ بن عامر! کیا میں تجھے ایسی سورتوں کی تعلیم دوں کہ ان جیسی سورتیں نہ تورات میں نازل ہوئیں، نہ زبور میں، نہ انجیل میں اور نہ قرآن مجید (کے بقیہ حصے) میں، ہر رات ان کی تلاوت ضرور کیا کر، وہ سورتیں یہ ہیں: سورۂ اخلاص ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾، سورۂ فلق ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور سورۂ ناس ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٤/ ١٥٨

شرح:......حدیث کے پہلے نصف میں رسول اللہ ﷺ کی بیش قیمت چھ مفید نصائح ہیں اور دوسرے نصف میں سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس کی فضیلت وعظمت کا بیان ہے۔

آپ ﷺ پر جادو اور اس کا توڑ
انبیا ورسل جادو سے متاثر ہو سکتے تھے

(٢٩٤٣)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُوْدِ يَدْخُلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ يَأْمَنُهُ، فَعَقَدَ لَهُ عُقَدًا، فَوَضَعَهُ فِي بِئْرِ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ، فَاشْتَكٰى لِذٰلِكَ اَيَّامًا، (وَفِي حَدِيْثِ عَائِشَةَ: سِتَّةَ اَشْهُرٍ)، فَاَتَاهُ مَلَكَانِ يَعُوْدَانِهِ، وَقَعَدَ اَحَدُهُمَا عِنْدَ رَاْسِهِ، وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيْهِ، وَقَالَ اَحَدُهُمَا: اَتَدْرِيْ مَا وَجْعُهُ؟ قَالَ: فُلَانٌ الَّذِيْ كَانَ يَدْخُلُ عَلَيْهِ عَقَدَ لَهُ عُقَدًا، فَاَلْقَاهُ فِي بِئْرِ فُلَانٍ الْاَنْصَارِيِّ، فَلَوْ اَرْسَلَ اِلَيْهِ رَجُلًا، وَاَخَذَ مِنْهُ الْعُقَدَ لَوَجَدَ الْمَاءَ قَدْ اصْفَرَّ۔ فَاَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَنَزَلَ عَلَيْهِ بـ(الْمُعَوِّذَتَيْنِ)، وَقَالَ: اِنَّ رَجُلًا مِنَ الْيَهُوْدِ سَحَرَكَ، وَالسِّحْرُ فِي بِئْرِ فُلَانٍ، قَالَ فَبَعَثَ رَجُلًا (وَفِي طَرِيْقٍ اُخْرٰى: فَبَعَثَ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) فَوَجَدَ الْمَاءَ قَدْ اصْفَرَّ فَاَخَذَ الْعُقَدَ فَجَاءَ بِهَا، فَاَمَرَهُ اَنْ يَحِلَّ الْعُقَدَ وَيَقْرَاَ آيَةً، فَحَلَّهَا، فَجَعَلَ يَقْرَاُ وَيَحِلُّ، فَجَعَلَ كُلَّمَا حَلَّ عُقْدَةً وَجَدَ لِذٰلِكَ خِفَّةً فَبَرَاَ، (وَفِي الطَّرِيْقِ الْاُخْرٰى: فَقَامَ

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی، نبی کریم ﷺ کے پاس آتا تھا، آپ ﷺ اس پر اعتماد کرتے تھے، اس نے (آپ ﷺ پر جادو کرنے کے لیے) گرہیں لگائیں اور اس عمل کو ایک انصاری کے کنویں میں رکھ دیا۔ اس وجہ سے آپ ﷺ کچھ دن (سیدہ عائشہ کی حدیث کے مطابق چھ مہینے) بیمار رہے۔ آپ ﷺ کی تیمارداری کرنے کے لیے دو فرشتے آئے، ایک آپ ﷺ کے سر کے پاس اور دوسرا ٹانگوں کے پاس بیٹھ گیا۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا: کیا تجھے علم ہے کہ آپ ﷺ کو کیا تکلیف ہے؟ اس نے جواب دیا: فلاں (یہودی)، جو آپ ﷺ کے پاس آیا کرتا تھا، نے گرہیں لگائیں اور فلاں انصاری کے کنویں میں اپنا عمل رکھ دیا، اگر وہ گرہیں لانے کے کسی آدمی کو وہاں بھیجا جائے تو وہ کنویں کے پانی کو زرد پائے گا۔ حضرت جبریل (علیہ السلام) آپ ﷺ کے پاس معوذتین (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) لے کر تشریف لائے اور کہا: فلاں یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے اور جادو کا عمل فلاں کنویں میں ہے۔ آپ ﷺ نے ایک آدمی (ایک روایت کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کو بھیجا، انھوں نے دیکھا کہ پانی زرد ہو چکا تھا، وہ گرہیں لے کر واپس آ گئے۔ حضرت جبریل (علیہ السلام) نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ ایک ایک آیت پڑھ کر ایک ایک گرہ کھولتے جائیں، آپ ﷺ

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَاَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ)، وَكَانَ الرَّجُلُ بَعْدَ ذٰلِكَ يَدْخُلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يَذْكُرْ لَهُ شَيْئًا، وَلَمْ يُعَاتِبْهُ قَطُّ حَتّٰى مَاتَ۔ (الصحيحة:٢٧٦١)

نے ایک گرہ کھولی، پھر ایک ایک آیت پڑھ کر گرہیں کھولتے گئے، جونہی گرہ کھلتی تھی، آپ ﷺ خفت محسوس کرتے تھے، بالآخر صحت یاب ہو گئے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ ایسے کھڑے ہوئے، گویا کہ (رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے) اور رسیاں کھول کر آزاد کر دیا ہو۔ وہی (یہودی جادوگر) اس وقوعہ کے بعد نبی کریم ﷺ کے پاس آتا تھا، لیکن آپ ﷺ نے اس کے سامنے کسی چیز کا ذکر نہیں کیا اور نہ اسے کبھی ڈانٹ ڈپٹ کی، یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

تخریج: وله طريقان: الأول: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٥/ ٢٠١/ ٥٠١١، والسياق له، والحاكم: ٤/ ٣٦٠،

الثاني: أخرجه النسائي في "السنن": ٢/ ١٧٢، وابن شيبة أبي في "المصنف": ٨/ ٢٩/ ٣٥٦٩، وأحمد: ٤/ ٣٦٧، وعبد بن حميد في "المنتخب من المسند": ق٤٠/ ١-٢، والطبراني أيضا: ٥/ ٢٠٢/ ٥٠١٣، ٥٠١٦،

وأخرج البخاري: ٣٢٦٨، ومسلم: ٧/ ١٤ و غيرهما واقعة سحر النبي ﷺ عن السيدة عائشة رضي الله عنها

شرح:..... جادو کا اثر برحق ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ پر جادو ہو گیا تھا۔ سورۂ فلق اور سورۂ ناس کے ذریعے اس کے اثر کو باطل کر دیا گیا۔

جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے جادوگروں کا مقابلہ کروایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی ان کے جادو کا اثر ہو گیا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى﴾ (سورۂ طه: ٦٦، ٦٧) ..... ''اب تو موسیٰ کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں، پس موسیٰ نے اپنے دل ہی دل میں ڈر محسوس کیا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دہشت ناک منظر دیکھ کر خوف زدہ ہو جانا ایک طبعی چیز تھی، جو کمال نبوت کے منافی ہے نہ عصمت کے۔ کیونکہ نبی بھی بشر ہی ہوتا ہے اور بشریت کے طبعی تقاضوں سے نہ وہ بالا ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ جس طرح انبیا کو دیگر انسانی عوارض لاحق ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں، اسی طرح وہ جادو سے بھی متاثر ہو سکتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے جب سورۂ بقرہ میں جادو اور اس کی تعلیم وغیرہ کا ذکر کیا تو صرف ایک استثنا کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (سورۂ بقرہ: ١٠٢) ..... ''اور وہ (جادوگر) بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

جادو کے اس باب میں اس کے علاوہ کوئی استثنائی صورت پیش کی نہ ہماری شریعت میں انبیا و رسل کو مستثنیٰ ٹھہرایا گیا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے ذوالعزم پیغمبر پر جادو کا اثر بھی ثابت ہو چکا ہے۔

اصل مصیبت یہ ہے کہ بسا اوقات ہمارا طبعی مزاج ہم پر غالب آ جاتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے قلوب و اذہان میں انبیا و رسل اور بالخصوص حضرت محمد ﷺ کا عظیم مقام و مرتبہ راسخ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جادو سے اس مرتبہ میں کمی آ جائے گی۔ یہ محض ہماری فطرت کا فیصلہ ہے، نہ کہ شریعت ہے۔ ہماری طبیعت، شریعت کے تابع ہونی چاہیے۔

قرآن مجید سات لغات پر نازل ہوا

(٢٩٤٤)۔ عَنْ اَنَسٍ مَرْفُوْعًا: ((اِقْرَأْ الْقُرْآنَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ۔)) (الصحيحة:٢٥٨١)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم قرآن کو سات لہجوں پر پڑھ سکتے ہو، ہر ایک لہجہ اطمینان بخش اور کفایت بخش ہے۔''

تخريج: رواه الحربي في "غريب الحديث": ٥/ ١٤٢/ ٢، وأخرجه احمد: ٥/ ١١٤ عن انس ان ابيا قال: ...... ، وتمام الحديث في النسائي: ١/ ١٥٠

شرح :...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث اور اس کے شواہد سے معلوم ہوا کہ ''سبعۃ احرف'' سے مراد سات لغات ہیں، جن کی مدد سے ایک لفظ یا ایک کلمہ کو سات لغات میں بیان کیا جا سکتا ہے، ان لغات میں الفاظ مختلف ہوتے ہیں اور معانی متّحد۔ امام طبری نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اس کی کافی و شافی وضاحت کی ہے اور یہ بھی ثابت کیا کہ (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں) پوری امت ایک لغت پر متحد ہو گئی اور باقی چھ کو ترک کر دیا اور ایسا کرنے سے قرآن مجید کے کسی حصہ میں کوئی نسخ یا نقصان نہیں ہوا۔ آج قرآن مجید قراءت کے جس انداز پر مشتمل ہے، یہ وہی ہے جس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا تھا، بہرحال انھوں نے بڑی عمدہ، پائیدار اور مفید کلام کی ہے، اس کا مراجعہ کرنا چاہیے۔ (صحیحہ: ٢٥٨١)

(٢٩٤٥)۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ: مَاحَكَّ فِيْ نَفْسِيْ شَيْءٌ مُنْذُ اَسْلَمْتُ، اِلَّا اَنِّيْ قَرَأْتُ آيَةً وَقَرَأَهَا آخَرُ غَيْرَ قِرَاءَتِيْ۔ فَقُلْتُ: اَقْرَأَنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ صَاحِبِيْ: اَقْرَأَنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاَتَيْنَاهُ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَقْرَأْتَنِيْ آيَةَ كَذَا؟ قَالَ: ((نَعَمْ۔)) وَقَالَ صَاحِبِيْ: اَقْرَأْتَنِيْهَا كَذَا؟ قَالَ: ((نَعَمْ،

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: قبولیتِ اسلام کے بعد میرے دل میں کوئی وسوسہ پیدا نہیں ہوا، لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ میں نے ایک آیت پڑھی اور ایک دوسرے آدمی نے وہی آیت کسی اور لہجے میں پڑھی۔ میں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی۔ اس آدمی نے کہا: مجھے بھی رسول اللہ ﷺ نے سکھائی۔ ہم دونوں آپ ﷺ کے پاس گئے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے فلاں آیت اس لہجے میں

اَتَـانِي جِبْرِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ ، فَجَلَسَ جِبْرِيْلُ عَنْ يَمِيْنِي ، وَجَلَسَ مِيْكَائِيْلُ عَنْ يَسَارِي فَـقَـالَ: اِقْـرَأْ عَـلٰـى حَرْفٍ فَقَالَ مِيْكَائِيْلُ: اِسْتَـزِدْهُ فَـقَالَ: اِقْرَءِ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفَيْنِ ۔ قَـالَ: اِسْتَـزِدْهُ ۔ حَتّٰـى بَـلَـغَ سَبْعَةَ اَحْرُفٍ ، قَالَ: وَكُلٌّ كَافٍ شَافٍ ۔)) (الصحيحة:٨٤٣)

پڑھائی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ دوسرے آدمی نے کہا: کیا آپ نے مجھے اس طرح نہیں پڑھایا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' میرے پاس جرائیل اور میکائیل آئے تھے۔ جرائیل میری دائیں جانب بیٹھ گئے اور میکائیل بائیں جانب تو جرائیل نے کہا ایک لب ولہجہ کے ساتھ قرآن پڑھیں اس پر میکائیل نے کہا۔ مزید کی گنجائش دیجیے، پھر جرائیل نے کہا دو لہجوں کے ساتھ قرآن پڑھیے۔ میکائل گویا ہوئے، مزید کی اجازت دیجیے۔ (تکرار کا یہ سلسلہ چلتا رہا) یہاں تک کہ سات لہجات کے ساتھ قرآن پڑھنے کی اجازت مل گئی اور جرائیل نے کہا۔ ان میں سے ہر لہجہ مکمل اور کافی ہونے والا ہے۔''

تـخـريـــج: أخـرجـه النسائي :١/ ٥٠ ، والطحاوي في "المشكل": ٤/ ١٨٩ ، وأحمد: ٥/ ١١٤ ، ١٢٢ ، ١٢٥ ، وابوداود في "سننه": ١/ ٢٣٢

(٢٩٤٦)۔ عَنْ اَبِي وَائِلٍ ، قَالَ: خَطَبَنَا ابْنُ مَسْعُـوْدٍ فَـقَالَ: كَيْفَ تَأْمُرُوْنِي اَقْرَأُ عَلٰى قِـرَاءَـةِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ بَعْدَ مَاقَرَأْتُ مِنْ فِي رَسُـوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِـضْـعًا وَسَبْعِيْنَ سُوْرَةً ، وَاِنَّ زَيْدًا مَعَ الْغِلْمَانِ لَهُ ذُؤَابَتَانِ؟ (الصحيحة:٣٠٢٧)

ابو وائل کہتے ہیں: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، اس میں کہا: جب میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے تہتر چوہتر سورتیں پڑھیں، تو تم مجھے کیسے کہتے ہو کہ میں زید بن ثابت کی قرائت اختیار کروں، حالانکہ اس وقت زید لڑکوں کے ساتھ ہوتا تھا اور اس کی بالوں کی دو لٹیں بھی تھیں؟

تـخـريـــج: أخـرجـه الـنـسـائـي:٢/ ٢٧٧ ، وأخرجه احمد: ١/ ٤١١ دون الطرف الاول منه ، وهو عند البـخـاري: ٥٠٠٠ ، ومسـلـم: ٧/ ١٤٨ بـلـفظ: والله لقد أخذت من فى رسول الله ﷺ بـضعا و سبعين سورة ، والله لقد علم اصحاب النبى ﷺ أنى من أعلمهم بكتاب الله ، وما أنا بخيرهم۔

شـــرح :......قرآن مجید چونکہ سات لغات پر نازل ہوا، اس لیے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ دونوں کی قراءتیں درست تھیں۔ فرزندانِ امت کو نزاع و اختلاف سے بچانے کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک لغت، جس پر اب قرآن مجید مشتمل ہے، کے علاوہ باقی لغات ضائع کر دیں تھیں۔ لیکن سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ فیصلہ تسلیم نہ کیا اور اپنی لغت پر برقرار رہے۔

(٢٩٤٧)۔ عَـنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَـالَ: ((كَانَ الْكِتَابُ الْاَوَّلُ يَنْزِلُ

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پہلی کتابیں ایک دروازے سے ایک

مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ عَلٰى حَرْفٍ وَاحِدٍ وَنَزَلَ الْقُرْآنُ مِنْ سَبْعَةِ أَبْوَابٍ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ۔)) (الصحيحة:٥٨٧)

لہجے پر نازل ہوتی تھیں اور قرآن مجید سات دروازوں سے سات لہجوں پر نازل ہوا۔"

تخريج: أخرجه الطحاوي في "مشكل الآثار": ٤/ ١٨٤ـ١٨٥، وابن جرير الطبري في "التفسير": ١/ ٥٣، والحاكم: ١/ ٥٥٣، وابن حبان: ١٧٨٢، والهروي في "ذم الكلام": ٦٢/ ٢، وابن عبدالبر في "التمهيد": ٨/ ٢٧٥

شرح :...... قرآن مجید سات لہجوں یعنی سات لغات پر نازل ہوا، ان لغات کے الفاظ میں فرق ہوتا تھا، لیکن معنی و مفہوم ایک ہوتا ہے۔

(٢٩٤٨)۔ عَنْ أَبِي قَيْسٍ مَوْلٰى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: سَمِعَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ رَجُلاً يَقْرَأُ آيَةً مِنَ الْقُرْآنِ، فَقَالَ: مَنْ أَقْرَأَكَهَا؟ قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ قَالَ: فَقَدْ أَقْرَأَنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا۔ فَذَهَبَا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ أَحَدُهُمَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! آيَةٌ، كَذَا وَ كَذَا، ثُمَّ قَرَأَهَا، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((هٰكَذَا أُنْزِلَتْ۔)) فَقَالَ الآخَرُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَرَأَهَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: أَلَيْسَ هٰكَذَا؟ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ((هٰكَذَا أُنْزِلَتْ۔)) فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ ﷺ: ((إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَأَيُّ ذٰلِكَ قَرَأْتُمْ أَحْسَنْتُمْ (وَفِي رِوَايَةٍ: أَصَبْتُمْ)، وَلَا تُمَارُوْا فِيْهِ، فَإِنَّ الْمِرْاءَ فِيْهِ كُفْرٌ۔)) (الصحيحة: ١٥٢٢)

ابوقیس، جو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کسی آدمی کو قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت کرتے سنا اور پوچھا: تجھے کس نے یہ آیت پڑھائی ہے؟ اس نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے۔ انھوں نے کہا: مجھے بھی رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھائی ہے، لیکن کسی اور انداز میں۔ وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور ایک نے کہا: اے اللہ کے رسول! فلاں آیت۔ پھر اس نے اس کی تلاوت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایسے ہی نازل ہوئی (جیسے تو نے پڑھی ہے)۔ دوسرے نے کہا: اے اللہ کے رسول! پھر اس نے وہی آیت (دوسرے انداز میں) پڑھی اور کہا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ آیت اس طرح نازل نہیں ہوئی (جس طرح میں نے پڑھی)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے (حتمی فیصلہ دیتے ہوئے) فرمایا: "بلاشبہ یہ قرآن مجید سات لہجوں پر نازل ہوا، جس لہجے پر پڑھو گے، درست پڑھو گے۔ (بس یاد رکھو کہ) قرآن مجید کے معاملے میں جھگڑنا نہیں، کیونکہ ایسا جھگڑا کفر ہے۔"

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٢٠٤، ٢٠٥، والطبراني في "المعجم الكبير": ٨٦٤٢ـ ٨٦٤٥

شرح :......دونوں صحابہ ایک آیت کے الفاظ کو مختلف انداز میں ادا کر رہے تھے، جبکہ دونوں کا معنی و مفہوم ایک تھا۔ سات لغات کا یہی مفہوم ہے۔ اب صرف ایک لغت باقی ہے، جس میں ہم قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔

(۲۹۴۹)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ، فَاقْرَؤُوْا وَلَا حَرَجَ، وَلٰكِنْ لَا تَخْتِمُوْا ذِكْرَ رَحْمَةٍ بِعَذَابٍ، وَلَا ذِكْرَ عَذَابٍ بِرَحْمَةٍ۔)) (الصحيحة:۱۲۸۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ قرآن سات لہجوں پر نازل ہوا، اس کی تلاوت کیا کرو، (کسی لہجے میں) کوئی حرج نہیں، (اتنی بات ضرور ہے کہ) رحمت کے ذکر کو عذاب کے ساتھ اور عذاب کے ذکر کو رحمت کے ساتھ ختم نہ کرو۔''

تخريج: رواه الطبراني في "التفسير" ۱/ ٤٥ رقم ٤٥، وأبو الفضل الرازي في "معاني أنزل القرآن علي سبعة أحرف" ق ٦٨/ ٢

شرح :......قرآن مجید سات لغات پر نازل ہوا، اس کا مطلب یہ تھا کہ آیات کے الفاظ اور کلمات مختلف ہوتے تھے لیکن معنی ایک ہی ہوتا تھا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے امت کے لیے عظیم مصلحت کی خاطر صرف ایک لغت کو باقی رکھا اور باقی چھ لغات کو ضائع کر دیا۔ اب ہمارے پاس قرآن مجید کی صرف ایک لغت ہے، جو ہم تلاوت کرتے ہیں۔

پنجابی ایک زبان ہے، لیکن اس کے لہجے مختلف ہیں، اس مثال کو سامنے رکھ کر عرب قبیلوں کے لہجوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کتنے ایام میں مکمل قرآن مجید کی تلاوت کی جائے

(۲۹۵۰)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ: ((اِقْرَءِ الْقُرْآنَ فِي اَرْبَعِيْنَ، ثُمَّ فِي شَهْرٍ، ثُمَّ فِي عِشْرِيْنَ، ثُمَّ فِي خَمْسَ عَشَرَةَ، ثُمَّ فِي عَشْرٍ، ثُمَّ فِي سَبْعٍ۔)) قَالَ: انْتَهٰى اِلٰى سَبْعٍ۔)) (الصحيحة:۱۵۱۲)

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا: ''چالیس دنوں میں قرآن مجید پڑھا کر، چلو تیس دنوں میں پڑھ لیا کر، چلو بیس دنوں میں سہی، نہیں تو پندرہ ایام میں، نہیں تو دس ایام میں سہی، یا پھر سات دنوں میں۔'' آپ ﷺ نے سات دنوں پر بات کو بند کر دیا۔

تخريج: أخرجه الترمذي: ۲/ ۱۵٦، وفى بعض الطرق انه انتهى الى ثلاث، فراجع مسند الامام احمد: ۲/ ۱۵۸/ ۱٦۲/ ۱٦۳/ ۱٦٤، ۱٦٥، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۳، ۱۹٥، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۱٦

شرح :......جن احادیث میں صحابہ کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے چالیس دنوں میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل کرنے کی تلقین کی ہے، اس کی روشنی میں اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں:

ولانحب للرجل ان ياتي عليه اكثر من اربعين يوما ولم يقرأ القرآن بهذ الحديث۔

ہم اس حدیث کی روشنی میں کسی آدمی کے لیے یہ پسند نہیں کرتے کہ چالیس دن گزر جائیں اور اس نے مکمل قرآن مجید کی تلاوت نہ کی ہو۔ (ترمذی)

(۲۹۵۱)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فِي كَمْ أَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قَالَ: ((اِقْرَأْهُ فِي كُلِّ شَهْرٍ۔)) قَالَ: قُلْتُ: إِنِّي أَقْوٰى عَلٰى أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ۔ قَالَ: ((اِقْرَأْهُ فِي خَمْسٍ وَعِشْرِيْنَ ...... اِقْرَأْهُ فِي خَمْسَ عَشْرَةَ ...... اِقْرَأْهُ فِي سَبْعٍ، لَا يَفْقَهُهُ مَنْ يَقْرَؤُهُ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ۔))

(الصحيحة: ١٥١٣)

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کتنے دنوں میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل کرنی چاہیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر ماہ میں مکمل قرآن مجید پڑھ لیا کر۔“ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ پڑھنے پر قدرت رکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر پچیس دنوں میں سہی۔“ ......”یا پھر بیس دنوں میں۔“ ......”چلو پندرہ دنوں میں سہی۔“ ......”نہیں تو سات دنوں میں، (اتنی بات ضرور ہے کہ) جس نے تین ایام سے کم عرصہ میں قرآن مجید کو مکمل کر لیا، اس نے سمجھا نہیں۔

تخريج: أخرجه الأمام أحمد: ٢/ ١٦٥، ١٨٩، وأخرجه ابوداود باختصار و للطيالسي الجملة الاخيرة منه

شرح :...... جہاں اس حدیث میں قرآن مجید کی تلاوت کی تکمیل کے لیے مدت کا تعین کر دیا ہے، وہاں تین ایام سے کم ختم کرنے کی وجہ سے اس چیز کی وضاحت ہو رہی ہے کہ تلاوتِ قرآن سے مقصود قرآن فہمی ہے۔ لیکن عصر حاضر میں بالخصوص عجموں میں فہمِ قرآن کا جنازہ اٹھ چکا ہے، ہر بندہ خود بھی بغیر سوچے سمجھے قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہے اور اپنی اولاد کو اسی انداز کا عادی بنا رہا ہے۔ یاد رہے کہ قرآن مجید ایسے سنہری قوانین وضوابط کا مجموعہ ہے، جن کی روشنی میں زندگی کو بہترین سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے اور قوانین کو بغیر سوچے سمجھے پڑھا نہیں جاتا، بلکہ ان کو سمجھ کر ان پر عمل کیا جاتا ہے۔

(۲۹۵۲)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَ: كَانَ ﷺ لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ۔

(الصحيحة: ٢٤٦٦)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین دنوں سے کم میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل نہیں کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه ابن سعد في "الطبقات": ١/ ٣٧٦، وابو الشيخ في "اخلاق النبي ﷺ": صـ ٢٨٠

شرح :...... قرآن مجید کو تین ایام سے کم مدت میں ختم کرنے سے اس لیے روکا گیا کہ قاری بغیر سمجھے تلاوت کرتا جائے گا، لیکن افسوس کہ ہم تین نہیں، تیس یا تین سو دنوں میں بھی ختم کر لیں، پھر بھی ہمیں سمجھ نہیں آتا۔

آیت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا ابی رضی اللہ عنہ سے سوال

(۲۹۵۳)۔ عَنِ ابْنِ أَبْزٰى، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ

ابن ابزی اپنے باپ ابزی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

النَّبِيَّ ﷺ اَغْفَلَ آيَةً ، فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ: ((اَوْفِي الْقَوْمِ اُبَيٌّ؟)) فَقَالَ اُبَيٌّ: آيَةُ كَذَا نُسِخَتْ اَمْ نَسِيْتَهَا؟ قَالَ: ((بَلْ اُنْسِيْتُهَا۔)) (الصحيحة:٢٥٧٩)

(ایک روز) نبی کریم ﷺ نے ایک آیت کونظر انداز کر دیا، نماز سے فراغت کے بعد پوچھا: ''آیا لوگوں میں اُبی موجود ہے؟'' سیدنا اُبی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: فلاں آیت منسوخ ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلکہ مجھے بھلا دی گئی ہے۔''

تخریج: رواہ الحربی فی "الغریب":٥/ ١٨٤/ ٢

شــــرح :...... نبی کریم ﷺ نماز میں مختلف انداز میں کئی دفعہ بھولے ہیں، بعض مثالوں کا تذکرہ "الاذان والصلوۃ" میں ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ نے خود یہ وجہ بیان کی ہے: میں تمہاری طرح بشر ہوں اور بھول جاتا ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو، اگر آئندہ ایسا ہو تو مجھے یاد کرا دیا کرو۔ لیکن ان مثالوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ کسی شرعی امر کو مستقل طور پر بھول گئے ہوں۔

امام البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: قراءت میں التباس کی صورت میں امام کو لقمہ دینے کی اس حدیث میں واضح دلالت موجود ہے۔ بعض مسلک والوں کا خیال ہے مقتدی امام کو لقمہ دینے سے پہلے قراءت کی نیت کرے، اس رائے کو بیان کر دینا ہی اس کے مردود ہونے کے لیے کافی ہے۔ (صحیحہ : ٢٥٧٩)

نماز میں امام کو لقمہ دینا درست ہے، مزید دلائل درج ذیل ہیں:

سیدنا مسور بن یزید مالکی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جہری نماز پڑھی، آپ ﷺ نے قراءت کے دوران (قرآن کے ایک حصے) کی تلاوت نہ کی۔ (نماز سے فراغت کے بعد) ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((هَلَّا أَذْكَرْتَنِيهَا)) ......''تو پھر تو نے مجھے یاد کیوں نہیں کرائی۔'' (ابو داود: ٩٠٧)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ایک نماز پڑھائی، جب آپ ﷺ نے قراءت شروع کی تو وہ آپ پر خلط ملط ہونے لگی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو سیدنا اُبی سے فرمایا: ''تو نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَمَا مَنَعَكَ۔)) ......''تو پھر تجھے کس چیز نے روکا (کہ تو مجھے لقمہ دے)۔'' (ابو داود: ٩٠٧/م)

ان دلائل سے یہ مسئلہ واضح ہو چکا ہے، لیکن درج ذیل حدیث قابل غور ہے:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ((يَا عَلِيُّ! لَا تَفْتَحْ عَلَى الْإِمَامِ فِي الصَّلَاةِ۔)) ......''اے علی! نماز میں امام کو لقمہ نہ دیا کرو۔'' (ابو داود: ٩٠٨)

لیکن اس حدیث کی سند میں حارث بن عبد اللہ اعور "ضعیف جدًّا" ہے اور اس کی سند میں انقطاع بھی ہے۔

وہ آیات، جن کی تلاوت منسوخ ہو گئی، لیکن حکم باقی ہے

(٢٩٥٤)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((لَوْ کَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِیَانِ مِنْ مَالٍ (وَفِی رِوَایَۃٍ: مِنْ ذَھَبٍ) لَابْتَغٰی وَادِیاً ثَالِثاً وَلَا یَمْلأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تَابَ۔)) رَوَاہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ جَمَاعَۃٌ مِنْ أَصْحَابِہِ، مِنْھُمْ: أَنَسُ وَابْنُ عَبَّاسٍ، وَابْنُ الزُّبَیْرِ، وَأَبُوْ مُوْسٰی۔

(الصحیحۃ:٢٩٠٧)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر آدم کے بیٹے کی مال یا سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو ضرور تلاش کرے گا اور آدم کے بیٹے کا پیٹ مٹی ہی بھرے گی اور اللہ تعالیٰ اُسی پر نظر کرم کرتا ہے جس نے اُس کی طرف رجوع کیا۔ صحابہ کی کثیر تعداد نے اس کو روایت کیا، مثلا: حضرت انس، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ ابن زبیر، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔

تخریج: ھذا حدیث صحیح متواتر عن النبی ﷺ، رواہ عنہ جماعۃ من اصحابہ بالفاظ متقاربۃ، وقد خرجتہ عن جماعۃ منھم فی "تخریج احادیث مشکلۃ الفقر": ١٨/ ١٤، رواہ الشیخان عن انس و ابن عباس، والبخاری عن ابن الزبیر ومسلم عن ابی موسی، وعددھم عشرۃ، وفی الباب عن غیرھم تجد تخریجھا فی "مجمع الزوائد": ٧/ ١٤٠، ١٠/ ٢٤٣

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث متواتر ہے، کئی صحابہ نے اس کو روایت کیا ہے، سب کے الفاظ قریب قریب ہیں، میں نے (تخریج أحادیث مشکلۃ الفقر: ١٨/ ١٤) میں ان کی تخریج کی ہے۔ سیدنا انس اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی احادیث بخاری اور مسلم میں، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری میں اور سیدنا ابوموسی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مسلم میں ہے۔ تقریباً دس صحابہ سے یہ حدیث مروی ہے۔ (مجمع الزوائد: ٧/ ١٤٠۔ ١٤١ اور ١٠/ ٢٤٣۔ ٢٤٥) میں اِن اور مزید روایات کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ کچھ احادیث کا ذکر درج ذیل بحث میں بھی آئے گا۔

سوال یہ ہے کہ آیا اس باب کی حدیث: ((لَوْ کَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِیَانِ ......)) حدیثِ نبوی ہے یا حدیثِ قدسی ہے یا قرآن ہے، جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے؟

محقق کو چاہیے کہ وہ درج ذیل تین قسم کی روایات کو ملحوظِ خاطر رکھے:

(۱) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت کردہ حدیث کے بعد کہا: "فَلَا أَدْرِیْ مِنَ الْقُرْآنِ ھُوَ أَمْ لَا؟" ...... میں نہیں جانتا کہ یہ عبارت قرآن مجید کا حصہ ہے یا نہیں؟ (بخاری، مسلم)

(۲) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔ (مسلم، احمد)

(۳) سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابی بن کعب نے کہا: ہمارا خیال تھا کہ یہ عبارت قرآن مجید میں سے

ہے، یہاں تک ﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ نازل ہوئی۔ (بخاری: ٦٤٤٠، مشکل الآثار: ٢/ ٤٢٠)

ہر ذی بصیرت شخص جانتا ہے کہ پہلی دو روایات کا ہمارے مقصود سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ دونوں راوی واضح طور پر لاعلمی کا اظہار کر رہے ہیں۔ لیکن اتنا اشارہ ضرور ملتا ہے کہ یہ بات صحابہ کرام کے ہاں معروف تھی کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ منسوخ ہو چکا تھا، اسی لیے اس کو ''مصحفِ محفوظ'' میں نہیں لکھا تھا۔ مزید آپ خود بھی غور وفکر کریں تا کہ درج ذیل امور کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

سیدنا ابی بن کعب کے قول کی پوری عبارت یہ ہے: كـنـا نـرى هـذا من القرآن حتى نزلت ﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ (بخاری: ٦٤٤٠) ...... ''ہمارا عقیدہ یہ تھا کہ اس روایت کے الفاظ قرآن مجید میں سے ہیں، حتی کہ ﴿أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ نازل ہوئی۔

اس قول میں لفظ ''نری'' کو دو طرح پڑھنا درست ہے، ''نُرٰی'' جس کے معانی گمان کے ہوتے ہیں اور ''نَرٰی'' جس کے معانی یقین کے ہوتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ دوسرا معنی راجح ہے اور یہی درست ہے، کیونکہ دوسرے صحابہ سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے۔ نیز اس قول سے ثابت ہوا کہ ﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ نے اس روایت میں مذکورہ آیت کو منسوخ کر دیا تھا۔

لیجیے! ہم وہ روایات پیش کرتے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ((لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ ......)) قرآن مجید کی آیت تھی، جس کی تلاوت منسوخ ہو گئی:

سیدنا ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ۔ فَقَرَأَ عَلَيْهِ: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (الْبَيِّنَة: ١) وَقَرَأَ فِيْهَا: ﴿إِنَّ ذَاتَ الدِّيْنِ الْحَنِيْفِيَّةُ الْمُسْلِمَةُ، لَا الْيَهُوْدِيَّةُ، وَلَا النَّصْرَانِيَّةُ، وَلَا الْمَجُوْسِيَّةُ، مَنْ يَعْمَلْ خَيْرًا فَلَنْ يُكْفَرَهُ﴾ وَقَرَأَ عَلَيْهِ: ﴿لَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِياً مِنْ مَالٍ لَا بْتَغٰى إِلَيْهِ ثَانِياً، وَلَوْ كَانَ لَهُ ثَانِيًا لَابْتَغٰى ثَالِثًا......﴾ الخ قَالَ: ثُمَّ خَتَمَهَا بِمَا بَقِيَ مِنْهَا۔ (أخرجه الترمذي: ٩/ ٤٠٠/ ٣٨٩٤، والحاكم: ٢/ ٢٢٤، والطيالسي: رقم ٥٣٩، وأحمد: ٥/ ١٣١، الصحيحة: ٢٩٠٨)

...... ''بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ پر قرآن مجید پڑھوں، پھر اس پر ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (سورۂ بینہ: ١) والی سورت پڑھی اور اس میں یہ آیت بھی تلاوت کی: ﴿بیشک یہ دین سیدھا مذہب اور ملتِ اسلام ہے، یہ نہ یہودیت ہے، نہ عیسائیت اور نہ مجوسیت، جو آدمی نیک عمل کرے گا اس کی بے قدری نہیں کی جائے گی﴾ اور یہ آیت بھی پڑھی تھی: ﴿اگر ابن کے آدم پاس مال کی ایک وادی ہو، تو وہ دوسری کو تلاش کرے گا، اگر اسے دو وادیاں مل جائیں تو تیسری کی لالچ میں رہے گا......﴾ پھر حدیث کا بقیہ حصہ بیان کر کے حدیث کو ختم کر دیا۔''

(٢٩٥٥)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَاءَ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں ایک آدمی حضرت

رَجُلٌ إِلٰى عُمَرَ يَسْأَلُهُ، فَجَعَلَ يَنْظُرُ إِلٰى رَأْسِهِ مَرَّةً، وَإِلٰى رِجْلَيْهِ أُخْرٰى، هَلْ يَرٰى مِنَ الْبُؤْسِ شَيْئاً؟ ثُمَّ قَالَ لَهُ عُمَرُ: كَمْ مَالُكَ؟ قَالَ: أَرْبَعُوْنَ مِنَ الْإِبِلِ! قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ: ((لَوْكَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَابْتَغٰى وَادِياً ثَالِثاً، وَلَايَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ۔)) فَقَالَ عُمَرُ: مَاهٰذَا؟ فَقُلْتُ: هٰكَذَا أَقْرَأَنِيْهَا أُبَيٌّ، قَالَ: فَمُرْبِنَا إِلَيْهِ۔ قَالَ: فَجَاءَ إِلٰى أُبَيٍّ، فَقَالَ: مَايَقُوْلُ هٰذَا؟ أُبَيٌّ قَالَ: هٰكَذَا أَقْرَأَنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔

(الصحيحة:٢٩٠٩)

عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر سوال کر رہا تھا، آپ کبھی اُس کے سر کو دیکھتے اور کبھی اُس کے پاؤں کو، تا کہ اُس میں کچھ خستہ حالی و تنگدستی نظر آئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس سے کہا، تیرا کتنا مال ہے؟ اُس نے کہا: چالیس اونٹ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا کہ اگر آدم کے بیٹے کے لیے سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ لازماً تیسری وادی بھی تلاش کرے۔ آدم کے بیٹے کا پیٹ صرف مٹی ہی بھرے گی اور اللہ اُسی پر نظرِ کرم فرماتے ہیں، جو اس کی طرف توبہ کرتا ہے۔ حضرت عمر نے کہا: یہ کیا ہے؟ (یعنی حدیث کے بارے تعجب کیا) ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اُبی رضی اللہ عنہ نے مجھے اسی طرح پڑھایا تھا۔ عمر نے کہا: ہمیں اُس کے پاس لے چلو۔ کہتے ہیں عمر رضی اللہ عنہ ابی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا یہ کیا کہتا ہے؟ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی مجھے اسی طرح بتلایا تھا۔

تخريج: أخرجه أحمد:٥/ ١١٧، وابن حبان في "صحيحه": ٥/ ٩٧/ ٣٢٢٦

(٢٩٥٦)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَقَدْ كُنَّا نَقْرَأُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: ((لَوْكَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ لَابْتَغٰى إِلَيْهِمَا آخَرَ، وَلَا يَمْلَأُ بَطْنَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ۔))

(الصحيحة: ٢٩١٠)

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں یہ آیت بھی پڑھتے تھے: اگر ابن آدم کے پاس سونے اور چاندی کی دو وادیاں ہوں تو وہ ایک اور تلاش کرے گا، مٹی ہی ہے جو آدم کے بیٹے کا پیٹ بھر سکتی ہے اور اللہ تعالی اس شخص کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٣٦٨، والسياق له، والبزار:٤/ ٢٤٦/ ٣٦٣٩، والطبراني في "المعجم الكبير": ٥/ ٢٠٧/ ٥٠٣٢

(٢٩٥٧)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي

عبد اللہ بن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نماز میں یہ آیت

الصَّلَاةِ: ((لَوْ اَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ ذَهَبٍ لَابْتَغٰى اِلَيْهِ ثَانِيًا، وَلَوْ اُعْطِيَ ثَانِياً لَابْتَغٰى اِلَيْهِ ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ......)) الحديث۔ (الصحيحة: ٢٩١١)

تلاوت کرتے سنا: ''اگر ابن آدم کو ایک وادی سونے کی مل جائے تو وہ دوسری کی تلاش شروع کر دے گا اور اگر دوسری بھی مل جائے تو وہ تیسری کو تلاش کرے گا۔ بس مٹی ہی ہے جو ابن آدم کا پیٹ بھر سکتی ہے......۔''

تخريج: أخرجه الطحاوي في "مشكل الآثار": ٢/ ٤١٩، والبزار: ٤/ ٢٤٤/ ٣٦٣٤

(٢٩٥٨)۔ عَنْ اَبِي مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ، قَالَ: نَزَلَتْ سُوْرَةٌ فَرُفِعَتْ، وَحَفِظْتُ مِنْهَا: ((لَوْ اَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَدِيَيْنِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى اِلَيْهِمَا ثَالِثًا، ......)) الحديث۔ (الصحيحة: ٢٩١٢)

سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک سورت نازل ہوئی، پھر منسوخ ہوئی، مجھے اس سے یہ آیت یاد ہے: ''اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کو تلاش کرے گا ......''

تخريج: أخرجه الطحاوي: ٢/ ٤١٨، وأخرجه مسلم: ٣/ ١٠٠، والطحاوي: ٢/ ٤١٩، والبيهقي في "دلائل النبوة": ٧/ ١٥٦

شــــرح: ......سابقہ احادیث کریمہ کی بہ نسبت سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نیا فائدہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن مجید کا جو حصہ پڑھا جاتا تھا اور پھر منسوخ ہو گیا، اس میں یہ آیت بھی تھی۔

حافظ ابن حجر نے (فتح الباری: ١١/ ٢٥٨) میں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں فرمایا: یہ آیت قرآن مجید کے اس حصے سے ہے، جس کی تلاوت حتمی طور پر منسوخ ہو چکی ہے، لیکن حکم ابھی تک باقی ہے۔ اس کی مزید تائید دو روایات سے ہوتی ہے:

(۱) ابو عبید کی روایت سے، جو انھوں نے (فضائل القرآن) میں سیدنا ابوموسی رضی اللہ سے نقل کی، وہ کہتے ہیں: میں نے ایک سورت پڑھی، وہ تقریباً سورۂ توبہ جتنی تھی، اس میں یہ آیت بھی تھی: ((لَوْ اَنَّ لِابْنِ آدَمَ ......)) (الحدیث)

(۲) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے، جو کہتے ہیں: ہم یہ آیت پڑھا کرتے تھے: ﴿لَوْ اَنَّ لِابْنِ آدَمَ مِلْءُ وَادٍ مَالًا، لَأَحَبَّ اِلَيْهِ مِثْلَهٗ﴾. (الحدیث)۔

لیکن میں (البانی) کہتا ہوں: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث (فضائل القرآن) کے مطبوعہ نسخے میں نہیں ہے۔ اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے تو اسے سابقہ احادیث کے ساتھ ملا لیا جائے۔

خلاصۂ کلام: صحابہ کرام کی ان پانچ احادیث سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ آیات واقعی قرآن مجید کا حصہ تھیں اور نماز میں بھی ان کی تلاوت کی جاتی تھی، پھر یہ منسوخ ہو گئیں۔

اس حقیقت سے جہالت برتتے ہوئے اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے تردّد پر تعلیق لگاتے ہوئے ایک شخص نے کہا: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول اور سیدنا ابی رضی اللہ عنہ کی حدیث نے ان روایات میں پیش گئی عبارت کا قرآن کے ناسخ ومنسوخ سے تعلق جوڑنے والوں کا ردّ کر دیا، جو کہتے ہیں کہ یہ عبارت قرآن مجید کا حصہ تھی، پھر سورۂ تکاثر کی وجہ سے منسوخ ہوگئی، حالانکہ ان لوگوں کو علم ہے کہ قرآن مجید صرف تواتر کے ذریعے ثابت ہوتا ہے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: یہ بات بڑی واضح ہے کہ قرآن مجید کی دو صورتیں ہیں:

(۱) جلد کے دو پٹھوں میں موجودہ قرآن مجید، جس کی تلاوت کی جا رہی ہے اور......

(۲) قرآن مجید کا وہ حصہ، جو منسوخ ہو چکا ہے۔

پہلی صورت کے ثبوت کے لیے تواتر شرط ہے، دوسری صورت کے لیے احادیثِ نبویہ اور احادیثِ قدسیہ کی طرح تواتر شرط نہیں ہے، اگر چہ اس قسم میں متواتر روایات پائی جاتی ہیں، جیسا کہ ﴿لو ان لابن آدم ......﴾ متواتر ہے، کیونکہ اس کو روایت کرنے والے پانچ یا زیادہ صحابہ کرام ہیں۔

یہ بحث مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں حدیث ((الشیخ والشیخة اذا زنیا ......)) کی تخریج بھی قلمبند کر دوں، کیونکہ علمائے کرام کے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ اس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔ میں تخریج کے بعد حافظ ابن حجر کا کلام پیش کروں گا، جو انھوں نے منسوخ التلاوہ آیات کے بارے میں صحابہ کرام سے نقل کیا ہے، تاکہ مخرجین کو پتہ چل جائے کہ کتاب وسنت میں علم وفقہ کا موجود ہونا اور چیز ہے اور احادیث کی تخریج اور چیز ہے۔ (صحیحه : ۲۹۱۲)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَدْ خَشِيْتُ اَنْ يَطُوْلَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ حَتّٰى يَقُوْلَ الْقَائِلُ: مَانَجِدُ الرَّجْمَ مَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، فَيَضِلُّوْا بِتَرْكِ فَرِيْضَةٍ اَنْزَلَهَا اللّٰهُ، اَلَا وَاِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ اِذَا اَحْصَنَ، اَوْ قَامَتِ الْبَيِّنَةُ، اَوْكَانَ حَمْلٌ، اَوِ اعْتِرَافٌ، وَقَدْ قَرَأْتُهَا: ((اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ)) الْحَدِيْث، رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، وَرَجَمْنَا بَعْدَهٗ۔ (أخرجه ابن ماجه:٢٥٥٣، من طريق أبي بكر، وكذا مسلم :٥/ ١١٦، ولكنه لم يسق لفظه، والنسائي في "الكبرى": ٤/ ٢٧٣/ ٧١٥٦، والبيهقي: ٨/ ٢١١، الصحيحة: ٢٩١٣۔ روى هذ الحديث عن زيد، وأبي و العجما، انظر التفصيل في الصحيحة)

...... مجھے اندیشہ ہے کہ طویل زمانہ بیت جانے کے بعد کہنے والا کہے گا کہ ہمیں تو اللہ تعالی کی کتاب میں سنگسار کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اور اس طرح وہ اللہ تعالی کے عائد کردہ فریضے کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں گے۔ آگاہ ہو جاؤ! شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا حق ہے، جب گواہ گواہی دے دیں یا عورت کا حمل واضح ہو جائے یا مجرم خود اعتراف کر لے۔ میں نے (یہ آیت) خود پڑھی تھی: ''جب شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں تو انھیں بہرصورت سنگسار کر دو۔''

رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے بعد ہم نے سنگسار کیا۔

اگر آپ سابقہ بحث پر نظر دوڑائیں تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات پر متفق تھے کہ وہ احادیث بھی روایت کر دی جائیں، جو صراحت و وضاحت کے ساتھ قرآن کریم کی بعض آیات کی تلاوت کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام عادل تھے، علمی امانت ادا کرنے والے تھے اور خواہشات کی پیروی کرنے والے نہیں تھے۔ ان لوگوں کے برعکس جو اپنے عقل کی خودساختہ تاویلوں کو مدنظر رکھ کر شرعی نصوص کو تسلیم نہیں کرتے۔

اب درج ذیل روایت پر غور کریں:

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (قرآن مجید کے علاوہ بھی) کوئی چیز چھوڑی ہے؟ انھوں نے کہا: "ما ترك الا ما بين الدفتين۔" ...... کچھ نہیں چھوڑا، مگر یہ قرآن، جو جلد کے پٹھوں کے اندر موجود ہے۔ (بخاری: ۵۰۱۹)

سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے مذکورہ بالا روایات کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ ان کے جواب سے مراد قرآن مجید کا وہ حصہ ہے، جس کی تلاوت کی جاتی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے۔ ہمارے اس دعوی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ خود ایسی روایات بیان کرتے ہیں، جن میں منسوخ التلاوہ آیات کا ذکر ہے۔ اسی بحث میں یہ روایت گزر چکی ہے۔

حافظ ابن حجر نے (فتح الباری: ۹/ ٦٥) میں کہا: صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ایسی روایات منقول ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔ مثلا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ((اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجِمُوْهُمَا اَلبَتَّةَ)) ہے۔ بئر معونہ میں شہید ہو جانے والے قاریوں کے بارے میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں وہ کہتے ہیں: اللہ تعالی نے ان کے بارے میں یہ آیات نازل کی تھیں: (بَلِّغُوْا عَنَّا قَوْمَنَا اِنَّا قَدْ لَقِيْنَا رَبَّنَا)۔ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورۂ احزاب بھی سورۂ بقرہ کی طرح بڑی تھی (جبکہ اب سورۂ بقرہ کی آیات کی تعداد (۲۸٦) اور سورۂ احزاب کی آیات کی تعداد (۷۳) ہے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اب تو لوگ سورۂ توبہ (براءۃ) کا چوتھائی حصہ تلاوت کر رہے ہیں، (یعنی تین چوتھائی حصے کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے)۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ آیا ان آیات کا حکم باقی ہے یا وہ بھی منسوخ ہو چکا ہے۔ یہ تمام احادیث صحیح ہیں۔ ابن ضریس نے تو یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ناپسند کرتے تھے کہ کوئی آدمی یہ کہے کہ اس نے سارا قرآن پڑھ لیا ہے، انھوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ منسوخ ہو چکا ہے۔ اب کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس باب کی احادیث سے متعارض ہو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان تمام آیات کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی۔ (صحیحہ: ۲۹۱۳)

تلاوتِ قرآن پر نزولِ سکینت

(۲۹۵۹)۔ عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: قَرَأَ رَجُلٌ سُوْرَةَ الْكَهْفِ وَلَهُ دَابَّةٌ مَرْبُوْطَةٌ، فَجَعَلَتِ الدَّابَّةُ تَنْفِرُ، فَنَظَرَ الرَّجُلُ إِلٰى سَحَابَةٍ قَدْ غَشِيَتْهُ أَوْضُبَابَةٍ، فَفَزِعَ، فَذَهَبَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، قُلْتُ: سَمَّى النَّبِيُّ ﷺ ذَاكَ الرَّجُلَ؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: ((اِقْرَأْ فُلَانُ! فَإِنَّهَا سَكِيْنَةٌ نَزَلَتْ لِلْقُرْآنِ، أَوْ عِنْدَ الْقُرْآنِ۔)) (الصحيحة:۱۳۱۳)

سیدنا براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی سورۂ کہف کی تلاوت کر رہا تھا، (قریب ہی) اس کا چوپایہ بندھا ہوا تھا، چوپائے نے اچانک بدکنا شروع کر دیا، اس نے دیکھا کہ ایک بدلی اسے ڈھانپنے لگی ہے، وہ گھبرا گیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس گیا۔ میں نے پوچھا: کیا نبی کریم ﷺ نے اس آدمی کا نام لیا تھا؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ تو اس نے (آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر) یہ ساری بات بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''او فلاں! تو پڑھتا رہتا، یہ تو سکینت تھی جو قرآن (کی تلاوت) کے لیے نازل ہوئی۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٢٨٤، وأخرجه البخاري: ٦/ ٦٥٨، ومسلم: ٢/ ١٩٣

شرح:...... نیک بندوں پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت وسکینت نازل ہوتی ہے، جس سے ان کے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، تلاوتِ قرآن پر اس طرح بادل کی ظاہری صورت میں سکینت کا نزول ایک خرق عادت واقعہ یعنی کرامت ہے، جس میں کسی نیک بندے کے اپنے اختیار کا دخل نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ کی مشیت پر منحصر ہے۔ اسی لیے یہ اصول مسلمہ ہے کہ کرامت سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا نہ اس سے کسی قسم کا کوئی استدلال کرنا درست ہے، جیسے اہل بدعت کرتے ہیں اور سادہ لوح عوام کے عقیدوں کو خراب کرتے ہیں۔

آپ ﷺ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے

(۲۹۶۰)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهِ۔)) (الصحيحة:٤٠٦)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔

تخريج: أخرجه مسلم: ١/ ١٩٤، وأبوداود: ١/ ٤، والترمذي: ٢/ ٢٢٤ ـطبع بولاق، وابن ماجه: ١/ ١٢٩، وكذا أبو عوانة في "صحيحه": ١/ ٢١٧، والبيهقي: ١/ ٩٠، وأحمد: ٦/ ٧٠، ١٥٣

شرح:...... اس حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کا غالب وقت ذکر الٰہی میں گزرتا تھا، کیونکہ آپ ﷺ صحابہ کرام اور امہات المومنین کے ساتھ عام گفتگو بھی کرتے تھے، علاوہ ازیں دوسرے معمولاتِ زندگی بھی موجود تھے۔

بندگانِ خدا کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ ذکر کرنے اور نہ کرنے والے کی زندہ

اور مردہ کی مثال ہے، یہ ذکر الٰہی ہی ہے جس سے زندگی اپنے اصلی قالب میں ڈھلتی ہے، اگر اپنے آپ کو اس سعادت سے محروم رکھا جائے تو نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: (مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ وَمَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَايَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ۔) (ابو داود) ...... ''جو شخص کسی ایسی جگہ بیٹھا جس میں اس نے اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کیا تو وہ (جگہ اور مجلس) اللہ کی طرف سے اس پر نقصان کا باعث ہوگی اور جو شخص کسی ایسی جگہ لیٹا جس میں اس نے اللہ کو یاد نہ کیا تو وہ لیٹنا اس پر اللہ کی طرف سے نقصان کا باعث ہوگا۔''

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جنابت والا آدمی قرآن مجید کی تلاوت کر سکتا ہے، کیونکہ قرآن مجید بھی ذکر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ ....﴾ (سورۂ نحل: ٤٤) اس لیے قرآن مجید کی تلاوت اس حدیث کے الفاظ ''يَذْكُرُ اللّٰهَ'' کے عموم میں داخل ہے۔

ہاں! افضل یہ ہے کہ باوضو ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، کیونکہ جب آپ ﷺ نے تیمم کر کے سلام کا جواب دیا تو فرمایا تھا: ((اِنِّیْ كَرِهْتُ اَنْ اَذْكُرَ اللّٰهَ اِلَّا عَلٰی طَهَارَةٍ۔)) ...... ''میں طہارت کے بغیر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ناپسند کرتا ہوں۔'' (صحیح ابو داود: ١٣، صحیحہ: ٨٣٤)

ذکر خدا والے کلمات عرش معلیٰ کے پاس

(٢٩٦١)۔ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّ مِمَّا تَذْكُرُوْنَ مِنْ جَلَالِ اللّٰهِ: التَّسْبِيْحَ وَالتَّهْلِيْلَ وَالتَّحْمِيْدَ يَنْعَطِفْنَ حَوْلَ الْعَرْشِ، لَهُنَّ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ، تَذْكُرُ بِصَاحِبِهَا، اَمَا يُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ اَوْلَايَزَالُ لَهُ مَن يُذَكِّرُ بِهٖ۔)) (الصحيحة: ٣٣٥٨)

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو تم تسبیح (سُبْحَانَ اللّٰه)، تہلیل (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه) اور تحمید (اَلْحَمْدُ لِلّٰه) کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے جلال کا تذکرہ کرتے ہو تو یہ (اذکار) عرش کے ارد گرد عاجزی کرتے ہیں، شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح ان کی آواز ہوتی ہے اور یہ اپنے (ذکر کرنے والے) صاحب کا تذکرہ کرتے ہیں۔ تو اب کیا تم لوگ نہیں چاہتے کہ تمھارا کوئی ایسا عمل ہو جو (عرش کے پاس) تمھاری یاد دلاتا رہے۔''

تخريج: أخرجه ابن ماجه: ٣٨٠٩، وأحمد: ٤/ ٢٧١، والطبراني في "الدعاء": ٣/ ١٥٦٦/ ١٦٩٣، وأبو نعيم في "الحلية": ٤/ ٢٦٩، والبيهقي في "الأسماء والصفات": صـ ١٣٧

شرح: ...... اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ کی تسبیحات، تکبیرات، تہلیلات اور تحمیدات بیان کرتا ہے تو اس کا یہ عمل مخصوص وجود اختیار کر کے عرش کے ارد گرد گھومنا شروع کر دیتا ہے اور ذکر کرنے والے کا تذکرہ کرتا ہے۔

ذکر والی مجلس کی فضیلت اور ثمرات

(٢٩٦٢)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْاَرْضِ، فُضُلاً عَنْ كُتَّابِ النَّاسِ يَلْتَمِسُوْنَ اَهْلَ الذِّكْرِ، فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَنَادَوْا: هَلُمُّوْا اِلٰى بُغْيَتِكُمْ، فَيَجِيْئُوْنَ فَيَحُفُّوْنَ بِهِمْ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ: اَيُّ شَيْءٍ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ يَصْنَعُوْنَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: تَرَكْنَاهُمْ يَحْمَدُوْنَكَ، وَيُمَجِّدُوْنَكَ، وَيَذْكُرُوْنَكَ، فَيَقُوْلُ: هَلْ رَاَوْنِيْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَا، فيقول: فَكَيْفَ لَوْرَاَوْنِيْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَوْرَاَوْكَ لَكَانُوْا اَشَدَّ تَحْمِيْدًا وَتَمْجِيْدًا وَذِكْرًا۔ فَيَقُوْلُ: فَاَيُّ شَيْءٍ يَطْلُبُوْنَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: يَطْلُبُوْنَ الْجَنَّةَ، فَيَقُوْلُ: هَلْ رَاَوْهَا؟ قَالَ: فَيَقُوْلُوْنَ: لَا، فَيَقُوْلُ: فَكَيْفَ لَوْرَاَوْهَا؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَوْ رَاَوْهَا كَانُوا اَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا، وَاَشَدَّ لَهَا طَلَبًا۔ قَالَ: فَيَقُوْلُ: وَمِنْ اَيِّ شَيْءٍ يَتَعَوَّذُوْنَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: مِنَ النَّارِ، فَيَقُوْلُ: وَهَلْ رَاَوْهَا؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَا، قَالَ: فَيَقُوْلُ: فَكَيْفَ لَوْرَاَوْهَا؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَوْرَأَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهَا هَرَبًا، وَاَشَدَّ مِنْهَا خَوْفًا، قَالَ: فَيَقُوْلُ: اِنِّيْ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ، قَالَ: فَيَقُوْلُوْنَ: فَاِنَّ فِيْهِمْ فُلَانًا الْخَطَّاءُ، لَمْ يُرِدْهُمْ، اِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ۔ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ: هُمُ الْقَوْمُ لَايَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ۔))

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کے اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ کچھ اور فرشتے بھی ہیں جو اہلِ ذکر کی تلاش میں زمین میں گھومتے رہتے ہیں، جب وہ محوِ ذکر لوگوں کی جماعت کو پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو بآواز بلند پکارتے ہیں: اپنے مقصود کی طرف آ جاؤ۔ سو وہ آتے ہیں اور انھیں آسمان دنیا تک گھیر لیتے ہیں۔ (جب یہ فرشتے واپس جاتے ہیں تو) اللہ تعالی پوچھتے ہیں: جب تم نے میرے بندوں کو الوداع کہا تو وہ کیا کر رہے تھے؟ وہ کہتے ہیں: جب ہم نے ان کو چھوڑا تو وہ تیری تعریف کر رہے تھے، تیری بزرگی بیان کر رہے تھے اور تیرا ذکر کر رہے تھے۔ (آسانی کے لیے اللہ تعالی اور فرشتوں کی گفتگو مکالمے کی صورت میں پیش کی جاتی ہے):

اللہ تعالی: کیا انھوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے: نہیں۔ اللہ تعالی: اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو (ان کا رویہ کیا ہوگا)؟ فرشتے: اگر وہ تجھے دیکھ لیں تو تیری تعریف کرنے، بزرگی بیان کرنے اور ذکر کرنے میں زیادہ سختی اور پابندی کریں گے۔ اللہ تعالی: کون سی چیز ہے جو وہ طلب کر رہے تھے؟ فرشتے: وہ جنت کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اللہ تعالی: کیا انھوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے: نہیں۔ اللہ تعالی: اگر وہ جنت دیکھ لیں تو؟ فرشتے: اگر وہ جنت دیکھ لیں تو ان کی حرص اور طلب بڑھ جائے گی۔ اللہ تعالی: کون سی چیز ہے جس سے وہ پناہ طلب کرتے تھے؟ فرشتے: آگ سے۔ اللہ تعالی: کیا انھوں نے آگ دیکھی ہے؟ فرشتے: نہیں۔ اللہ تعالی: اگر وہ آگ کو دیکھ لیں تو؟ فرشتے: اگر وہ دیکھ لیں تو اس سے دور بھاگنے میں زیادہ سخت ہو جائیں گے اور اس سے زیادہ ڈریں گے۔ اللہ

(الصحيحة: ٣٥٤٠)

تعالیٰ: (فرشتو!) میں تمھیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا ہے۔ فرشتے: ان میں فلاں آدمی تو خطا کار تھا، وہ کسی ضرورت کے لیے آیا تھا، اس کا مقصود ان کے ساتھ بیٹھنا نہیں تھا (تو اسے کیسے بخش دیا گیا)؟ اللہ تعالیٰ: وہ ایسی قوم ہیں کہ ان کا ہم نشین بھی نامراد نہیں ہوتا۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٦٤٠٨، ومسلم: ٨/ ٦٨، وأبونعيم في "الحلية": ٨/ ١١٧، والحاكم في "المستدرك": ١/ ٤٩٥، والبيهقي في "الأسماء والصفات": ٢٠٧ و "الشعب": ١/ ٣٩٩/ ٥٣١، والبغوي في "شرح السنة": ٥/ ١١ و ١٢/ ١٢٤١، وأحمد في "المسند": ٢/ ٢٥١، ٢٥٢، ٣٥٨، ٣٥٩، ٣٨٢، ٣٨٣

شرح :...... اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس سے دعا مانگنے کی اہمیت واضح ہو رہی ہے۔

(٢٩٦٣)۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِيْهِ، اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَتَغَشَّتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ۔)) (الصحيحة: ٧٥)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی قوم ایسی مجلس میں نہیں بیٹھی جس میں وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہوں مگر انھیں فرشتے گھیر لیتے ہیں، ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان لوگوں میں فرماتا ہے جو اس کے پاس ہوتے ہیں۔''

تخريج: اخرجه مسلم: ٨/ ٧٢، وابن ماجه: ٢/ ٤١٨ والسياق له، ورواه الترمذی قبل حديث الباب بحديثين

(٢٩٦٤)۔ عَنْ اَنَسٍ مَرْفُوْعًا: ((مَا جَلَسَ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اِلَّا نَادَاهُمْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: قُوْمُوْا مَغْفُوْرًا لَكُمْ، قَدْ بُدِّلَتْ سَيِّئَاتُكُمْ حَسَنَاتٍ۔)) (الصحيحة: ٢٢١٠)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے بیٹھتے ہیں، ایک منادی کرنے والا انھیں آسمان سے آواز دیتا ہے: کھڑے ہو جاؤ، تمھیں بخش دیا گیا ہے اور تمھاری برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔''

تخريج: أخرجه الطبرانی فی "الأوسط": ٤٣٤، واحمد: ٣/ ١٤٢، وابو يعلی والبزار

شرح :...... سبحان اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کی برکتیں ہیں۔

ذکر سے جنت میں درخت لگتے ہیں

(۲۹٦٥)۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعًا: ((لَقِيْتُ إِبْرَاهِيْمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! أَقْرِءْ أُمَّتَكَ مِنِّيَ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُمْ اَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ، عُذْبَةُ الْمَاءِ، وَأَنَّهَا قِيْعَانٌ۔ غِرَاسُهَا: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه۔)) (الصحيحة:١٠٥)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میری ملاقات حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے ہوئی، انھوں نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو میری طرف سے سلام پیش کرنا اور انھیں بتلا دینا کہ جنت کی مٹی پاکیزہ اور عمدہ ہے، اس کا پانی میٹھا ہے اور وہ ایک چٹیل میدان ہے اور ''سُبْحَانَ اللّٰه، اَلْحَمْدُ لِلّٰه، لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، اَللّٰهُ اَكْبَر اور لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه'' کہنا وہاں درخت لگانا ہے۔''

تخريج: أخرجه والترمذى: ٢/ ٢٥٨۔بولاق، والطبرانى فى معاجمه الثلاثة"الكبير": ١٠/ ٢١٤/ ١٠٣٦٣، و"الأوسط": ١/ ٢٥١/ ١/ ٤٣٢٨، و"الصغير": ١١١ والزيادة له ومن طريقه الخطيب فى "التاريخ":٢/ ٢٩٢، والحافظ فى"نتائج الأفكار": ١/ ٩٨۔٩٩

شرح:...... درج ذیل ذکر کرنے سے جنت میں ذکر کرنے والے کے لیے درخت لگائے جاتے ہیں:
سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

(۲۹٦٦)۔ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهِ، غُرِسَتْ لَهُ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ۔)) (الصحيحة:٦٤)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے یہ کلمہ پڑھا: اللہ پاک ہے، جو عظمتوں والا ہے، اپنی تعریفوں کے ساتھ۔ تو اس کے لیے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا جائے گا۔''

تخريج: رواه ابن أبى شيبة فى"المصنف": ١٢/ ١٢٥/ ٢، والترمذى: ٢/ ٢٥٨/ ٢٥٩، والنسائى فى"عمل اليوم والليلة": ٨٢٧، وأبويعلى: ٢٢٣٣۔ وعنه ابن حبان: ٢٣٣٥، والحاكم: ١/ ٥٠١۔٥٠٢، والطبرانى فى"الدعاء": ٣/ ١٥٥٧۔١٥٥٩

شرح:...... آیئے! اپنے جنتی محلات میں زیادہ سے زیادہ کھجوروں کے درخت لگواتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں لے جانے والے اسباب جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۲۹٦۷)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کہا: اللہ پاک ہے، ساری تعریف اللہ کے لیے ہے، اللہ ہی معبودِ برحق ہے، اللہ سب

اَكْبَرُ، غَرَسَ اللّٰهُ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ شَجَرَةً فِي الْجَنَّةِ۔)) (الصحيحة:٢٨٨٠)

سے بڑا ہے۔تو اللہ تعالی اس کے لیے ہر کلمے کے عوض جنت میں درخت لگائے گا۔“

تخريج: أخرجه الطبراني في"الأوسط": ٢/ ٢٣٥/ ١/ ٨٦٤٠، وفي"الدعاء": ٣/ ١٥٥٨/ ١٦٧٦

نمازِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک اور نمازِ عصر سے غروبِ آفتاب تک ذکر کرنے کی فضیلت

(٢٩٦٨)۔ عَنْ اَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالَى مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ أُعْتِقَ اَرْبَعَةً مِنْ وَلَدِ اِسْمَاعِيْلَ، وَلَاَنْ اَقْعُدَ مِنْ قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ اِلٰى اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ أُعْتِقَ اَرْبَعَةً۔)) (الصحيحة:٢٩١٦)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نمازِ فجر سے لے کر طلوعِ آفتاب تک ذکر کرنے والے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا مجھے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد سے چار غلام آزاد کرنے کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہے، اسی طرح نماز عصر سے غروبِ آفتاب تک ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنا مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔“

تخريج: أخرجه أبوداود:٣٦٦٧، والطبراني في"الدعاء": ٣/ ١٦٣٨/ ١٨٧٨، والبيهقي في"شعب الايمان": ١/ ٤٠٩/ ٥٦١ و٥٦٢

شرح :...... اس میں اللہ تعالی کے ذکر کی فضیلت ہے۔ یادرہے کہ احادیثِ مبارکہ کے مطابق مومن ایک غلام آزاد کرنے سے جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

نمازِ فجر سے نمازِ ضحیٰ تک مسلسل ذکر کرنے سے بہتر ذکر

(٢٩٦٩)۔ عَنْ جُوَيْرِيَةَ: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِيْنَ صَلَّى الصُّبْحَ، وَهِيَ فِي مَسْجِدِهَا ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ اَنْ اَضْحٰى وَهِيَ جَالِسَةٌ۔ فَقَالَ: ((مَازِلْتِ عَلَى الْحَالِ الَّتِيْ فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا؟)) قَالَتْ: نَعَمْ ۔ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ اَرْبَعَ كَلِمَاتٍ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، لَوْوُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَانَفْسِهِ، وَزِنَةَ

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سویرے ہی نماز پڑھ کر ان کے پاس سے چلے گئے، جب کہ وہ اپنے جائے نماز میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب آپ ﷺ چاشت کا وقت ہو جانے کے بعد واپس آئے تو وہ وہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔آپ ﷺ نے پوچھا: ”تم اسی حالت میں ہو جس پر میں تمھیں چھوڑ کر گیا تھا؟“ انھوں نے کہا: ہاں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میں نے تمھارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمے تین مرتبہ کہے، اگر ان کا وزن ان کلمات سے کیا جائے جو تم شروع دن سے کہہ رہی ہو، تو وہ ان پر

عَرْشِهِ ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ۔)) (الصحيحة: ٢١٥٦)

وزن میں بھاری ہوں گے۔(اور وہ یہ ہیں:) "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ۔" (ہم اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اس کی تعریفوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر اور اس کے نفس کی رضامندی کے موافق اور اس کے عرش کے وزن کے مطابق اور اس کے کلمات کی سیاہی یا کثرت کے برابر)۔"

تخريج: أخرجه مسلم: ٨/ ٨٣، وأبوداود: ١٥٠٣، وابن خزيمة في "التوحيد": ١٠٧، وابن منده في "التوحيد": لـه ٧٧/ ١، ١٠٣/ ٢، وكذا النسائي: ١/ ١٩٨، ١٩٩، والترمذي: ٢/ ٢٧٣، وابن ماجه: ٣٨٠٨، وأحمد: ٦/ ٣٢٤، ٣٢٥

شرح: ...... اس حدیث میں ان کلمات کی فضلیت کا بیان ہے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَانَفْسِهِ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ

اگر یہ کلمات تین دفعہ کہے جائیں تو ان کا ثواب نماز فجر سے اشراق کے وقت تک مسلسل ذکر کرنے سے زیادہ ہوتا ہے۔

ذکر خدا کے علاوہ سب کچھ لغو ولہو ہے

(٢٩٧٠)۔ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ ، قَالَ: رَأَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ وَجَابِرَ بْنَ عُمَيْرٍ الْأَنْصَارِ يَّيْنِ يَرْتَمِيَانِ ، فَمَلَّ أَحَدُهُمَا فَجَلَسَ ، فَقَالَ لَهُ الْآخَرُ: كَسَلْتَ؟ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: ((كُلُّ شَيْءٍ لَيْسَ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَهُوَ لَغْوٌ وَلَهْوٌ أَوْ سَهْوٌ ، إِلَّا أَرْبَعَ خِصَالٍ: مَشْيُ الرَّجُلِ بَيْنَ الْغَرَضَيْنِ ، وَتَأْدِيْبُهُ فَرَسَهُ ، وَمَلَا عَبَتُهُ أَهْلَهُ ، وَتَعَلُّمُ السَّبَاحَةِ۔)) (الصحيحة: ٣١٥)

عطا بن ابو رباح کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری اور سیدنا جابر بن عمیر انصاری رضی اللہ عنہما کو تیر اندازی میں مقابلہ کرتے دیکھا، ایک اکتا کر بیٹھ گیا، دوسرے نے اسے کہا: تو سست پڑ گیا ہے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: "ذکرِ الٰہی کے علاوہ ہر چیز بے کار اور فضول ہے، ماسوائے ان چار چیزوں کے: (۱) آدمی کا دو نشانوں کے درمیان چلنا، (۲) گھوڑے کو سدھانا، (۳) بیوی کے ساتھ کھیلنا (اور خوش طبعی کرنا) اور (۴) تیراکی سیکھنا۔"

تخريج: أخرجه النسائي في كتاب "عشرة النساء": ٧٤/ ٢، والزيادة له، والطبراني في "المعجم الكبير": ١/ ٨٩/ ٢، وأبو نعيم في "أحاديث أبي القاسم الأصم": ق ١٧۔١٨

شرح: ...... سیدنا جابر بن عبد اللہ اور سیدنا جابر بن عمیر کے عمل اور اس موقع پر اس حدیث کو بیان کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ "آدمی کا دو نشانوں کے درمیان چلنا" سے مراد تیر اندازی ہے، اچھی مشق کی خاطر جس کے لیے نشانہ مقرر کیا

جاتا ہے۔

افضل اذکار

(٢٩٧١)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَفْضَلُ الشُّكْرِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔)) (الصحيحة:١٤٩٧)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' سب سے زیادہ فضیلت والا ذکر ہے اور ''اَلْحَمْدُ لِلّٰه'' سب سے افضل کلمۂ شکر ہے۔''

تخريج: رواه ابن حبان: ٢٣٢٦، والخرائطي في "فضيلة الشكر" ٢/ ٢، والبغوي في شرح السنة" ١/ ١٤٤/ ٢

شرح:...... ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کلمۂ توحید ہے، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ معبودِ برحق ہے، وہ اس لائق ہے کہ محض اس کی پرستش کی جائے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام قسم کے معبود، معبودانِ باطلہ ہیں، ایمان کے بیشمار شعبوں میں ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کو سب سے زیادہ بلند مقام حاصل ہے، کیونکہ یہی ذکر ہے جس کا اقرار کرنے سے دائرۂ اسلام میں داخلہ نصیب ہوتا ہے اور جس کے انکار سے کفر وارتداد کی صف میں کھڑا ہونا پڑتا ہے۔

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کلمۂ شکر ہے، اللہ تعالیٰ ہی منعم حقیقی ہے، ہر قسم کے انعامات واحسانات کا سرچشمہ اسی کی ذات ہے، اسی بنا پر وہ تعریفوں کا مستحق ہے، جب انسان بطورِ تعظیم اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف اور مدح وثنا بیان کرتا ہے تو اسے ''حمد'' کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں کلموں کو اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے محبوب ترین کلمات، سب سے زیادہ ممتاز اور دنیا و ما فیہا سے بہتر اذکار قرار دیا گیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہنے سے ترازو بھر جاتا ہے۔ (مسلم)

(٢٩٧٢)۔ عَنْ عَلِيٍّ مَرْفُوْعًا: ((اَفْضَلُ مَاقُلْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔)) (الصحيحة: ١٥٠٣)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے افضل کلمہ وہ ہے جو میں نے اور سابقہ انبیا نے عرفہ کے دن کی شام کو کہا (اور وہ یہ ہے): لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ ...... ''نہیں کوئی معبودِ برحق مگر اللہ، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

تخريج: رواه الطبراني في "فضل عشر ذي الحجة" ١٣/ ٢

افضل کلام

(۲۹۷۳)۔ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ، قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَيُّ الْكَلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: ((مَا اصْطَفَى اللّٰهُ لِعِبَادِهِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ۔)) (الصحیحة:۱٤۹۸)

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا کلام (ذکر) افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لیے جس کا انتخاب خود کیا، ...... "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ۔"

تخریج: رواه أحمد: ٥/ ١٤٨، رواه مسلم: ٨/ ٨٦ و احمد: ٥/ ١٦١ ايضا بلفظ: ((الا اخبرك باحب الكلام الى الله؟قلت: يا رسول الله! أخبرني بأحب الكلام الى الله، فقال: ((ان احب الكلام الى الله سبحان الله وبحمده۔))

شرح:...... "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ" میں اللہ تعالی کی تسبیح وتحمید کا بیان ہے، نبی کریم ﷺ نے اس کلمے کو اللہ کی سب سے زیادہ پسندیدہ کلام قرار دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" ترازو کو بھر دیتا ہے اور "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ" آسمانوں اور زمین کے درمیانی حصے کو بھر دیتے ہیں۔'' (مسلم) ہمیں بھی چاہئے ان اذکار کا بکثرت اہتمام کر کے اللہ تعالی کی وسیع رحمت سے فیضیاب ہوں۔

لیل ونہار کے مسلسل ذکر سے افضل ذکر

(۲۹۷٤)۔ عَنْ اَبِي اُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ صَدِيِّ بْنِ عَجْلَانَ مَرْفُوْعًا: ((اَلَا اُخْبِرُكَ بِاَفْضَلَ اَوْاَكْثَرَ مِنْ ذِكْرِكَ اللَّيْلَ مَعَ النَّهَارِ وَالنَّهَارَ مَعَ اللَّيْلِ؟ اَنْ تَقُوْلَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ، سُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْءَ مَا خَلَقَ، سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا فِي الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْءَ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْءَ مَا خَلَقَ، سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا اَحْصَى كِتَابُهُ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْءَ كُلِّ شَيْءٍ وَتَقُوْلُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔)) (الصحیحة:۲۵۷۸)

سیدنا ابوامامہ صدی بن عجلان باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تجھے شب و روز کے مسلسل ذکر سے افضل ذکر نہ بتلاؤں؟ تو اس طرح ذکر کیا کر: میں اللہ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں، اس کی مخلوق کی گنتی کے برابر۔ میں اللہ کی اتنی پاکیزگی بیان کرتا ہوں جس سے اس کی مخلوقات بھر جائیں۔ میں اللہ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں ان چیزوں کی گنتی کے برابر جو زمین و آسمان میں ہیں۔ میں اللہ کی اتنی پاکیزگی بیان کرتا ہوں جس سے وہ چیزیں بھر جائیں جو زمین اور آسمان میں ہیں۔ میں اللہ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں جس سے اس کی مخلوقات بھر جائیں۔ میں اللہ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں ان چیزوں کی گنتی کے برابر جن کو اس نے اپنی کتاب میں شمار کیا اور میں اللہ کی اتنی پاکیزگی بیان کرتا ہوں جس سے ہر چیز بھر جائے۔ پھر تو اسی طرح "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہے (یعنی دعا میں "سُبْحَانَ اللّٰه" کی جگہ "اَلْحَمْدُلِلّٰه"

اگا کر دعا کو مکمل کر لے)۔''

تخریج: ولہ طرق: الأولی: أخرجه النسائي في"عمل اليوم والليلة": رقم ١٦٦، وابن حبان في"صحيحه": ٢٣٣١ـ موارد الظمآن، والروياني في"مسنده": ٣٠/ ٢٢١/ ١، والطبراني في"المعجم الكبير": ٨١٢٢،

الثانية: أخرجه الحاكم: ١/ ٥١٣، ومن طريقه البيقهي في"الدعوات": رقم١٢٣، وأحمد: ٥/ ٢٤٩

الثالثة: أخرجه الأصبهاني في"الترغيب والترهيب": ق٧٨/ ١، والسهمي في"تاريخ جرجان": ص١١٧، وفي "فوائده": ق١٦٦/ ١، والطبراني في"الدعاء": ١٧٤٣

الرابعة: أخرجه الروياني: ٣٠/ ٢٢٠/ ٢، والطبراني في"الكبير": ٧٩٣٠، وفي"الدعاء": ١٧٤٤

الخامسة: أخرجه البيهقي برقم: ١٣١

شرح:...... اس حدیث سے درج ذیل ذکر ثابت ہوا:

سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَاخَلَقَ، سُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْءَ مَا خَلَقَ، سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا فِي الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْءَ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْءَ مَا خَلَقَ، سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَااَحْصٰى كِتَابُهٗ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْءَ كُلِّ شَيْءٍ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ مَاخَلَقَ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مِلْءَ مَا خَلَقَ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ مَا فِي الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مِلْءَ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مِلْءَ مَا خَلَقَ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ مَااَحْصٰى كِتَابُهٗ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِلْءَ كُلِّ شَيْءٍ۔

اونچے مقامات پر تکبیرات کا اہتمام کرنا

(٢٩٧٥)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُرِيْدُ سَفَرًا فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَوْصِنِيْ۔ قَالَ: ((اُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ، وَالتَّكْبِيْرِ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ۔)) (الصحيحة: ١٧٣٠)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی، جو سفر کا ارادہ رکھتا تھا، رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی وصیت کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تجھے اللہ تعالی سے ڈرنے اور ہر بلند جگہ پر "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہنے کی وصیت کرتا ہوں۔''

تخريج: أخرجه ابن أبي شيبة في"المصنف": ١٢/ ٣٥/ ٢، وعنه ابن ماجه: ٢٧٧١، والترمذي: ٢/ ٢٥٥، وأحمد: ٢/ ٣٢٥، ٣٣١، ٤٤٣، ٤٧٦، وكذا ابن خزيمة في"صحيحه": ١/ ٢٥٦/ ٢، والمحاملي في"الدعاء": ق ٣٢/ ١، وابن السني في"عمل اليوم والليلة": ٥١٤، والحاكم: ١/ ٤٤٥ و ٢/ ٩٨، والبيهقي في"الزهد": ق ١٠٧/ ٢

شرح:...... سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم (بلند مقام پر) چڑھتے وقت اللہ اکبر اور اترتے وقت سبحان اللہ کہتے تھے۔ (بخاری: ٢٩٩٣)

آدمی کے حق میں خادم سے بہتر ذکر......سونے سے پہلے ایک ذکر

(٢٩٧٦)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ فَاطِمَةَ اَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ تَسْاَلُهُ خَادِمًا ، وَشَكَتِ الْعَمَلَ ، فَقَالَ: ((مَا اَلْفَيْتِيْهِ عِنْدَنَا ، اَلَا اَدُلُّكِ عَلٰى مَاهُوَ خَيْرٌ لَكِ مِنْ خَادِمٍ؟ تُسَبِّحِيْنَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ ، وَتَحْمَدِيْنَ ، وَتُكَبِّرِيْنَ اَرْبَعًا وَثَلَاثِيْنَ حِيْنَ تَأْخُذِيْنَ مَضْجَعَكِ۔)) (الصحيحة:٣٥٩٦)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں اور اپنے کام کاج کا شکوہ کر کے ایک خادم کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے پاس تو خادم نہیں ہے۔ البتہ میں تیری رہنمائی ایسی چیز کی طرف کر دیتا ہوں جو تیری لیے خادم سے بہتر ہوگی؟ جب تو اپنے بستر پر لیٹے تو تینتیس دفعہ ''سُبْحَانَ اللّٰہ'' تینتیس دفعہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہ'' اور چونتیس دفعہ ''اَللّٰہُ اَکْبَر'' کہا کر۔''

تخريج: رواه مسلم: ٧/ ٨٤

شیطانوں سے محفوظ رہنے کا ذکر......آپ ﷺ پر شیطانوں کا حملہ لیکن......

(٢٩٧٧)۔ عَنْ اَبِي التَّيَّاحِ ، قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ خُنْبُشَ: كَيْفَ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ كَادَتْهُ الشَّيَاطِيْنُ؟ قَالَ: جَاءَتِ الشَّيَاطِيْنُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي الْاَوْدِيَةِ ، وَتَحَدَّرَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْجِبَالِ ، وَفِيْهِمْ شَيْطَانٌ مَعَهُ شَعْلَةٌ مِنْ نَارٍ يُرِيْدُ اَنْ يُحَرِّقَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ، قَالَ: فَرُعِبَ ، قَالَ جَعْفَرٌ: اَحْسِبُهُ قَالَ: جَعَلَ يَتَاَخَّرُ۔ قَالَ: وَجَاءَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! قُلْ قَالَ:مَااَقُوْلُ؟ قَالَ: قُلْ: ((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِي لَا يُجَاوِزُ هُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ ، مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا ، وَمِنْ

ابو تیاح سے روایت ہے، ایک آدمی نے سیدنا عبد الرحمٰن بن خنبش رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: جب شیاطین، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تھے، تو آپ ﷺ نے کیا کیا تھا؟ انھوں نے کہا: شیاطین پہاڑوں سے نیچے اتر کر وادیوں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے، ان میں ایک شیطان کے ہاتھ میں آگ کا شعلہ تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کو اس کے ذریعے تکلیف دینا چاہتا تھا۔ لیکن وہ مرعوب ہو گیا اور (خود بخود) پیچھے ہٹنے لگ گیا۔ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے محمد! کہو۔ آپ ﷺ نے پوچھا: میں کیا کہوں؟ انھوں نے کہا: کہو: ''میں اللہ تعالیٰ کے کلماتِ تامّہ (جن میں کوئی نقص نہیں اور) جن سے نیک تجاوز کر سکتا ہے نہ بد، کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز کی شرّ سے جسے اس نے پیدا کیا اور اس چیز کی شرّ سے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور اس چیز کی شرّ سے جو آسمان میں چڑھتی ہے اور اس چیز کی

شَــرِّ مَــاذَرَاَ فِي الْاَرْضِ، وَمِنْ شَــرِّ مَـا يَـخْـرُجُ مِنْهَـا، وَمِـنْ شَـرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَـارِ، وَمِـنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ اِلَّا طَارِقاً يَـطْـرُقُ بِـخَيْـرٍ يَا رَحْمٰنُ!))۔فَطُفِئَتْ نَارُ الشَّيَاطِيْنِ، وَهَزَمَهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ۔ (الصحيحة:٢٩٩٥)

شرّ سے جسے اس نے زمین میں پیدا کیا اور اس چیز کے شرّ سے جو زمین سے نکلتی ہے اور رات اور دن کے فتنوں کی شرّ سے اور رات کو آنے والے کی شرّ سے الا یہ کہ وہ خیر کے ساتھ آئے، اے رحمٰن!'' (یہ دعا پڑھنے سے) شیطانوں کی آگ بجھ گئی اور اللہ تعالی نے انھیں شکست دے دی۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٣/ ٤١٩، وأبو يعلى:١٢/ ٢٣٧، وعنه ابن السني :٦٣١، وأبو نعيم في"الدلائل": ص١٤٨، و"المعرفة": ٢/ ٤٩/ ٢، والبيهقي في"دلائل النبوة": ٧/ ٩٥

شرح:...... معلوم ہوا کہ شیاطین وغیرہ کے شرّ وفساد سے بچنے کے لیے یہ دعا پڑھنی چاہئے:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُ هُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ، مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا، وَمِنْ شَرِّ مَاذَرَاَ فِي الْاَرْضِ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا، وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ اِلَّا طَارِقاً يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ!

(٢٩٧٨)۔ عَـنْ اَبِـي التَّيَّـاحِ، قَـالَ: قُلْتُ لِـعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ خَنْبَشٍ التَّمِيْمِيِّ ـوَكَانَ شَيْـخًـا كَبِيْـرًا۔: اَدْرَكْـتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ؟ قَـالَ: نَعَمْ ـ قَالَ: قُلْتُ: كَيْفَ صَنَعَ رَسُوْلُ الـلّٰهِ ﷺ لَيْـلَةَ كَـادَتْـهُ الشَّيَـاطِيْنُ؟ فَقَالَ: اِنَّ الشَّيَـاطِيْـنَ تَـحَدَّرَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ عَلٰى رَسُـوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِـنْ الْاَوْدِيَةِ وَالشِّعَابِ، وَفِيْهِـمْ شَيْطَانٌ بِيَدِهٖ شُعْلَةٌ مِنْ نَارٍ يُرِيْدُ اَنْ يُـحْـرِقَ بِهَـا وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَهَبَطَ اِلَيْهِ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: ((يَا مُحَمَّدُ! قُـلْ۔ قُـلْـتُ: وَمَـا اَقُـوْلُ؟ قَالَ: قُلْ: اَعُوْذُ بِـكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِي لَا يُجَاوِزُ هُنَّ بَـرٌّ وَّلَا فَـاجِـرٌ، مِـنْ شَرِّ مَا خَلَقَ، وَذَرَاَ وَبَـرَاَ وَمِـنْ شَرِّ مَايَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ، وَمِنْ

ابو تیاح کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن خنبش تمیمی، جو کہ عمر رسیدہ تھے، سے پوچھا: کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ میں نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے اس رات کو کیا کیا تھا جس رات شیاطین آپ ﷺ کے قریب آئے تھے؟ انھوں نے کہا: اس رات کو شیاطین مختلف وادیوں اور گھاٹیوں سے نبی کریم ﷺ پر ٹوٹ پڑے، ان میں ایک ایسا شیطان بھی تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا شعلہ تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے چہرے کو جلانا چاہتا تھا۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام آ گئے اور کہا: اے محمد! کہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں کیا کہوں؟ اس نے کہا: یہ دعا پڑھو: میں اللہ کے مکمل کلمات، جن سے کوئی نیک تجاوز کر سکتا ہے نہ بد، کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز کی شرّ سے جسے اس نے پیدا کیا اور اس چیز کی شرّ سے جو آسمان سے اترتی ہے اور اس چیز کی شرّ سے جو آسمان میں چڑھ جاتی ہے

شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا، وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَأَ فِي الْأَرْضِ وَبَرَأَ، وَمِنْ شَرِّ مَايَخْرُجُ مِنْهَا، وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ إِلَّا طَارِقاً يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ!)) قَالَ: فَطَفِئَتْ نَارُهُمْ وَهَزَمَهُمُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔(الصحيحة:٨٤٠)

اور رات کو آنے والے کے شرّ سے، الا یہ کہ وہ خیر کے ساتھ آئے، اے رحمٰن!'' (نتیجہ یہ نکلا کہ) ان کی آگ بجھ گئی اور اللہ تبارک وتعالی نے انھیں شکست دے دی۔

تخریج: عزا السيوطي في "الجامع الكبير": ١/ ١١/ ٢ لأحمد، والطبراني في "الكبير"، وابن السني في "عمل اليوم والليلة"، واحمد: ٣/ ٣١٩، وابن السنى: ٦٣١

پہلوں کے مقام کو پالینے اور بعد والوں سے سبقت لے جانے کا سبب بننے والا ذکر

(٢٩٧٩)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِأَمْرٍ إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ أَدْرَكْتُمْ مَنْ سَبَقَكُمْ، وَلَمْ يُدْرِكْكُمْ أَحَدٌ بَعْدَكُمْ، وَكُنْتُمْ خَيْرَ مَنْ أَنْتُمْ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِ إِلَّا مَنْ عَمِلَ مِثْلَهُ۔ تُسَبِّحُوْنَ وَتَحْمَدُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ خَلْفَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثَةً وَّثَلَاثِيْنَ۔)) جَاءَ مِنْ حَدِيْثِ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي ذَرٍّ وَ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَ ابْنِ عُمَرَ۔ أَمَّا حَدِيْثُ أَبِي هُرَيْرَةَ فَهُوَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ الْفُقَرَاءُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوْا: ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُوْرِ مِنَ الْأَمْوَالِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى، وَالنَّعِيْمِ الْمُقِيْمِ، يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ، وَلَهُمْ فَضْلٌ مِنْ أَمْوَالِهِمْ يَحُجُّوْنَ بِهَا وَيَعْتَمِرُوْنَ، وَيُجَاهِدُوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ۔ قَالَ...... فَذَكَرَهُ فَاخْتَلَفْنَا بَيْنَنَا، فَقَالَ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتلاؤں جس کے ذریعے تم اپنے سے پہلوں (کے مقام) کو پا لو گے، بعد والے تمھارے (مرتبے کو) نہ پہنچ سکیں گے اور تم اپنے دور کے تمام لوگوں میں بہترین قرار پاؤ گے، مگر وہی شخص جو اسی طرح کا عمل کرے گا۔ (عمل یہ ہے:) تم لوگ ہر نماز کے بعد ''سُبْحَانَ اللّٰه، اَلْحَمْدُ لِلّٰه اور اَللّٰهُ اَكْبَر'' تینتیس تینتیس دفعہ کہا کرو۔'' یہ حدیث سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا ابوذر، سیدنا ابو درداء، سیدنا ابن عباس اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، جسے ان ابو صالح نے روایت ہے، یہ ہے: فقرا لوگ، نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ بلند درجے اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں تو مال دار لوگ لے گئے، وہ نماز تو ہماری طرح ہی پڑھتے ہیں اور روزہ بھی ہماری طرح کا رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے لیے مالوں سے حاصل ہونے والی فضیلت زیادہ ہے، وہ حج کرتے ہے، عمرہ کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں۔ راوی کہتا ہے:...... (اوپر والی حدیث ذکر کی) (تسبیحات کی تعداد کے بارے میں) ہم

بَعْضُنَا: نُسَبِّحُ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ، وَنَحْمَدُ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ، وَنُكَبِّرُ اَرْبَعًا وَّثَلَاثِيْنَ، فَرَجَعْتُ اِلَيْهِ، فَقَالَ: تَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، حَتّٰى يَكُوْنَ مِنْهُنَّ كُلِّهِنَّ ثَلَاثٌ وَّثَلَاثُوْنَ۔ (الصحيحة:٣٣٠٨)

اختلاف میں پڑ گئے، کوئی کہتا کہ تینتیس دفعہ "سُبْحَانَ اللّٰہ" تینتیس دفعہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" اور چونتیس دفعہ "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہنا ہے (اور کوئی کچھ اور کہتا)۔ میں آپ ﷺ کے پاس گیا اور (سارا مسئلہ ذکر کیا تو) آپ ﷺ نے فرمایا: "سُبْحَانَ اللّٰه، اَلْحَمْدُ لِلّٰه اور اَللّٰهُ اَكْبَر" میں سے ہر ایک تینتیس تینتیس بار کہنا ہے۔"

تخريج: (١)۔ أما حديث أبي هريرة؛ فأخرجه البخاري: ٨٤٣، ومسلم: ٢/ ٩٧، وابن خزيمة: ٧٤٩، وابن حبان: ٢٠١٤، وأبو عوانة: ٢/ ٢٧١، والبيهقي: ٢/ ١٨٦، وأبوداود: ١٥٠٤، والدارمي: ١/ ٣١٢، وأحمد: ٢/ ٢٣٨

(٢)۔ وأما حديث أبي الدرداء: فرواه النسائي: ١٤٨، و في "عمل اليوم والليلة": ١٤٩، و عبد الرزاق: ٣١٨٧، وابن أبي شيبة: ١٠/ ٢٣٥، ١٣/ ٤٥٣، والطبراني في "الدعاء": ٧٠٨، والبزار: ٣٠٩٥- زوائده

(٣)۔ وأما حديث أبي ذر: فقد تقدم تخريجه في هذه "السلسلة": ١١٢٥، وليزد على مصادره: ابن خزيمة: ٧٤٨، والحميدي: ١٣٣، والمروزي في "زوائد الزهد": ١١٥٧

(٤)۔ وأما حديث ابن عباس: فقد رواه الترمذي: ٢/ ٢٦٤، والنسائي: ١/ ١٩٩، و غيرهما؛ وهو مخرج في "التعليق الرغيب": ٢/ ٢٦٠

(٥)۔ وأما حديث ابن عمر: فقد رواه البزار: ٣٠٩٤

شرح:...... اس حدیث میں نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہنے کی فضیلت بیان کر کے ترغیب دلائی گئی ہے، موجودہ زمانے میں اکثر لوگ جلد بازی اور مصروفیت کا بہانہ کر کے اس ذکر سے محروم ہو جاتے ہیں اور کوئی روایتی اجتماعی دعا کو کافی سمجھ لیتا ہے۔

زندگی کے آخری ایام کا ذکر

(٢٩٨٠)۔ قَالَتْ: عَائِشَةُ: كَانَ ﷺ فِيْ آخِرِ اَمْرِهِ يُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔)) قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَالِي اَرَاكَ تُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ))؟ قَالَ:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے: نبی کریم ﷺ اپنی زندگی کے آخر میں یہ دعا بکثرت پڑھتے تھے: "اللہ پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ، میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔" میں نے کہا: کیا وجہ ہے کہ آپ ﷺ یہ دعا کثرت کے ساتھ پڑھتے ہیں: "اللہ پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ، میں اللہ سے بخشش طلب کرتا

((اِنَّ رَبِّي اَخْبَرَنِي اَنِّيْ سَاَرٰى عَلَامَةً فِي اُمَّتِيْ، وَاَمَرَنِيْ۔ اِذَا رَاَيْتَ تِلْكَ الْعَلَامَةَ۔ اَنْ اُسَبِّحَ بِحَمْدِهِ وَاَسْتَغْفِرَهُ، وَقَدْ رَاَيْتُهَا: ﴿اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۔ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا۔﴾ (النصر:١۔٣)۔))

(الصحيحة:٣١٥٧)

ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔''؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے ربّ نے مجھے خبر دی تھی کہ میں عنقریب اپنی امت میں ایک علامت دیکھوں گا اور یہ حکم بھی دیا کہ جب وہ علامت نظر آ جائے تو کثرت سے تعریفوں سمیت میری تسبیح بیان کرنا اور مجھ سے بخشش طلب کرنا۔ پس تحقیق میں وہ علامت دیکھ چکا ہوں (اور وہ سورۂ نصر ہے:) ﴿جب اللہ کی نصرت اور فتح آ پہنچے گی اور آپ دیکھ لیں گے کہ لوگ فوج در فوج دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی تعریفوں سمیت اس کی تسبیح بیان کرنا اور اس سے بخشش طلب کرنا، بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔﴾'' (سورۂ نصر: ١۔٣)

تخریج: أخرجه أحمد: ٦/ ٣٥، ومسلم: ٢/ ٥٠، و أخرجه هو والبخاري: ٣٩٦٧ مختصرا

شرح: ...... سورۂ نصر درحقیقت آپ ﷺ کی وفات کے قریب ہونے کا اعلان تھی، جیسا کہ بعض صحابہ کرام بھی سمجھ گئے تھے، اسی سورت میں آپ ﷺ کو اپنے ربّ کی تسبیحات و تعریفات بیان کرنے اور اس سے بخشش طلب کرنے کا حکم دیا گیا اور وفات سے پہلے یہی امور زیب دیتے ہیں۔

اگرچہ موت کا وقت مقرر نہیں اور ہر ایک نے مرنا بھی ہے، بہرحال بڑھاپا موت کی علامت ہوتا ہے، اس لیے بزرگ لوگوں کا اس دعا کا کثرت سے ذکر کرنا چاہیے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔

اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والے کا تذکرہ کرتا ہے

(٢٩٨١)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: يَا ابْنَ آدَمَ! اِذَا ذَكَرْتَنِي خَالِيًا، ذَكَرْتُكَ خَالِيًا، وَاِذَا ذَكَرْتَنِي فِي مَلَاٍ، ذَكَرْتُكَ فِي مَلَاٍ كَثِيْرٍ مِّنَ الَّذِيْنَ تَذْكُرُنِيْ فِيْهِمْ۔))

(الصحيحة:٢٠١١)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابن آدم! جب تو مجھے خلوت میں یاد کرے گا تو میں بھی تجھے خلوت میں یاد کروں گا اور جب تو کسی گروہ میں میرا تذکرہ کرے گا تو میں بھی تیرا تذکرہ ایسی جماعت میں کروں گا، جو اس گروہ سے بہت زیادہ ہوگی جس میں تو میرا تذکرہ کرے گا۔''

تخریج: أخرجه البزار في "مسنده": ٢٩٥۔ زوائده

شرح: ...... ہم جس انداز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے، اسی انداز میں وہ ہمارا ذکر کرے گا۔ غور فرمائیں کہ ہمارا اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا بھی ہمارے لیے سعادت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہمیں یاد کرنا اس سے بڑی سعادت ہے۔

اللہ کے ذکر والے حلقے جنت کے باغیچے ہیں

(٢٩٨٢)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا۔)) قَالَ: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: ((حِلَقُ الذِّكْرِ۔)) (الصحيحة:٢٥٦٢)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم لوگ جنت کے باغیچوں کے پاس سے گزرو تو استفادہ کرلیا کرو۔'' کسی نے پوچھا: جنت کے باغیچوں سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجالسِ ذکر۔''

تخريج: أخرجه الترمذى: ٢/ ٢٦٥، والبيهقى فى "شعب الايمان": ١/ ٣٢٢، وأبو نعيم فى "الحلية": ٦/ ٢٦٨

شرح:...... جہاں اللہ تعالی کا ذکر کیا جارہا ہو، وہاں بیٹھنا روح کے لیے مفید ہے۔ وعظ ونصیحت کی مجلسیں بھی اللہ تعالی کے ذکر کی ایک صورت ہیں، اس لیے سنجیدگی کے ساتھ ان میں بیٹھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

مجالسِ ذکر کی غنیمت جنت ہے

(٢٩٨٣)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَاغَنِيْمَةُ مَجَالِسِ الذِّكْرِ؟ قَالَ: ﴿غَنِيْمَةُ مَجَالِسِ الذِّكْرِ، الْجَنَّةُ﴾۔ (الصحيحة:٣٣٣٥)

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجالسِ ذکر کی غنیمت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجالسِ ذکر کی غنیمت جنت ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ١٧٧، ١٩٠

شرح:...... یعنی اللہ تعالی کے ذکر اذکار کی مجالس میں بیٹھا جائے تو غنیمت میں جنت ملتی ہے۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ کی فضیلت

(٢٩٨٤)۔ عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، قَالَ: أَمَرَنِيْ خَلِيْلِيْ ﷺ بِسَبْعٍ: (١) أَمَرَنِيْ بِحُبِّ الْمَسَاكِيْنَ، وَالدُّنُوِّمِنْهُمْ (٢) وَأَمَرَنِيْ أَنْ أَنْظُرَ، إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنِيْ وَلَا أَنْظُرَ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقِيْ (٣) وَأَمَرَنِيْ أَنْ أَصِلَ الرَّحِمَ وَإِنْ أَدْبَرَتْ (٤) وَأَمَرَنِيْ أَنْ لَا أَسْأَلَ أَحَدًا شَيْئًا (٥) وَأَمَرَنِيْ أَنْ أَقُوْلَ بِالْحَقِّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا (٦) وَأَمَرَنِيْ أَنْ لَا أَخَافَ فِي اللّٰهِ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے خلیل ﷺ نے مجھے سات امور کا حکم دیا: ''(١) مساکین سے محبت کرنے اور اُن سے قریب رہنے کا حکم دیا (٢) اپنے سے کم تر شخص کو دیکھنے اور اپنے سے برتر شخص کی طرف توجہ نہ کرنے کا حکم دیا (٣) مجھے صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا اگرچہ وہ رخ پھیرنے لگے (٤) مجھے حکم دیا کہ میں کسی سے کوئی سوال نہ کروں (٥) مجھے حکم دیا کہ میں حق بات کہوں اگرچہ وہ کڑوی ہو (٦) مجھے حکم دیا کہ میں اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت

لَوْمَةَ لَائِمٍ (٧) وَأَمَرَنِيْ أَنْ أُكْثِرَ مِنْ قَوْلِ "لَا حَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" فَإِنَّهُنَّ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ: فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ۔)) (الصحيحة: ٢١٦٦)

سے نہ ڈروں اور (۷) مجھے حکم دیا میں کثرت سے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" پڑھوں۔ کیوں کہ یہ کلمات عرش سے نیچے والے خزانوں میں سے ہیں۔'' اور ایک روایت ہے: ''یہ کلمات جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہیں۔''

تخريج: أخرجه الامام أحمد:٥/ ١٥٩، والسياق له، وابن حبان فی"صحيحه":٢٠٤١، والطبرانی فی "المعجم الصغير": صـــ ١٥٧ـهند والطبرانی فی"المعجم الصغير":١٥٧، والخرائطی فی"مكارم الأخلاق":٢٥، والبيهقی فی"السنن":١٠/ ٩١، وكذا أبو نعيم فی"الحلية":٢/ ٣٥٧، والخطيب فی"التاريخ":٥/ ٢٥٤

(٢٩٨٥)۔ عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ: اَنَّ اَبَاهُ دَفَعَهُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَخْدِمُهُ، قَالَ: فَمَرَّ بِيَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَدْ صَلَّيْتُ فَضَرَبَنِي بِرِجْلِهِ وَقَالَ: ((اَلَا اَدُلُّكَ عَلَى بَابٍ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔)) (الصحيحة: ١٧٤٦)

سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا باپ نبی کریم ﷺ کی خدمت کیلیے مجھے آپ ﷺ کے پاس چھوڑ آیا۔ (ایک دن) نبی کریم ﷺ میرے پاس سے گزرے اور میں نماز پڑھ چکا تھا، آپ ﷺ نے مجھے اپنا پاؤں مارا اور فرمایا: ''کیا میں جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کی طرف تیری رہنمائی کروں؟ (اور وہ ہے یہ ذکر) "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" (برائی سے بچنے کی قوت اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں ہے مگر اللہ تعالی کی توفیق سے)۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٤/ ٢٨٤، والحاكم: ٤/ ٢٩٠، وأحمد: ٣/ ٤٢٢، والخطيب في"التاريخ": ٦/ ٧٨، ١٢/ ٤٢٨

(٢٩٨٦)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، فَاِنَّهُ كَنْزٌ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ۔)) (الصحيحة:١٥٢٨)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" (برائی سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت نہیں ہے، مگر اللہ تعالی کی توفیق سے) کا زیادہ سے زیادہ ورد کیا کرو، کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٣٣٣، والترمذي: ٢/ ٢٨٠

شرح:...... انسان اس ذکر کے ذریعے اللہ تعالی کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار کرتا ہے کہ جب وہ نیکیوں

والے کام کرتا ہے اور برائیوں سے بچتا ہے، تو اس میں اس کا کوئی ذاتی کمال نہیں، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے ہو رہا ہوتا ہے۔

خزانے سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مال کا خزانہ عمدہ اور نفیس چیز ہوتی ہے، اسی طرح یہ ذکر بھی عمدہ ہے اور اس کا اجر و ثواب جنت میں داخل کرنے والا ہے۔

روزانہ ایک ہزار نیکیاں

(۲۹۸۷)۔ عَنْ مِصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((اَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّكْسِبَ كُلَّ يَوْمٍ اَلْفَ حَسَنَةٍ؟)) فَسَأَلَهُ سَائِلٌ مِنْ جُلَسَائِهِ: كَيْفَ يَكْسِبُ اَحَدُنَا اَلْفَ حَسَنَةٍ؟ قَالَ: ((يُسَبِّحُ مِئَةَ تَسْبِيْحَةٍ، فَيُكْتَبُ لَهُ اَلْفُ حَسَنَةٍ، اَوْ يُحَطُّ عَنْهُ اَلْفُ خَطِيْئَةٍ۔))

(الصحيحة:٣٦٠٢)

مصعب بن سعد اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم ہر روز ہزار نیکیاں کمانے سے بے بس آ گئے ہو؟ ہم نشینوں میں سے ایک نے سوال کیا: ہزار نیکی کرنا کیسے ممکن ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کوئی سو دفعہ "سُبْحَانَ اللّٰہ" کہہ دے تو اس کے لیے ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی یا ہزار برائیاں معاف کر دی جائیں گی۔''

تخريج: رواه مسلم: ٨/ ٧١، والترمذي:٣٤٦٣، والنسائي في "عمل اليوم والليلة": ١٥٢، وابن حبان: ٨٢٥، وأحمد: ١٤٩٧، ١٥٦٣، ١٥٦٣، ١٦١٢، ١٦١٣

شرح:...... ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے، اس لیے سو (۱۰۰) دفعہ "سبحان الله" کہنے والے کو ایک ہزار (۱۰۰۰) نیکیاں ملتی ہیں۔

دنیا و ما فیہا ملعون ہے، مگر ذکر خدا اور عالم و متعلم

(۲۹۸۸)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ، مَلْعُوْنٌ مَافِيْهَا، اِلَّاذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ، اَوْعَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا))(الصحيحة:٢٧٩٧)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''دنیا بھی ملعون ہے اور اس میں جو کچھ ہے وہ بھی ملعون ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس پر کاربند رہنے والوں کے یا عالم و متعلم کے۔''

تخريج: أخرجه الترمذى:٢٣٢٣، وابن ماجه:٤١١٢، والأصبهانى فى "الترغيب": ق٢٢٣/ ٢

شرح:...... دنیا میں جتنے علوم و معارف اور قسما قسم کی مخلوقات پائی جاتی ہیں، وہ سب کی سب فنا ہو جائیں گے، اگر کوئی چیز انسانیت کے ساتھ باقی رہے گی تو وہ اس کے اعمال ہوں گے۔ برے اعمال میں کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں، بلکہ وہ آخرت میں مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ صرف نیک اعمال ہیں، جن کو دنیا میں قابل تعریف قرار دیا جا سکتا ہے اور یہی

ہیں جو آخرت میں بھی انسان کے لیے باعثِ رحمت بنیں گے۔ اعمال صالحہ میں ذکر الٰہی اور شرعی علوم کی درس و تدریس کو بلند مقام حاصل ہیں، جن کا اس حدیث میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

وزن میں بھاری اذکار

(۲۹۸۹)۔ عَنْ أَبِي سَلْمٰى مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((بَخٍ بَخٍ ۔وَأَشَارَ بِيَدِهِ لِخَمْسٍ۔ ما أَثْقَلَهُنَّ فِي الْمِيْزَانِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَالْوَلَدُ الصَّالِحُ يُتَوَفّٰى لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فَيَحْتَسِبُهُ۔)) (الصحيحة: ١٢٠٤)

سیدنا ابو سلمی رضی اللہ عنہ، جو رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے، سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''واہ! واہ! ۔اپنی انگلی کے ساتھ پانچ کا اشارہ کیا۔ (یہ اذکار) ترازو میں کتنے بھاری ہوں گے: "سُبْحَانَ اللّٰہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، اَللّٰہُ اَکْبَر" (اور پانچویں چیز) فوت ہونے والا کسی کا نیک بیٹا ہے، کہ اس کا باپ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر صبر کرتا ہے۔''

تخریج: أخرجه ابن سعد في "الطبقات" ٧/ ٤٣٣، وابن حبان: ٢٣٢٨، ابن عساكر في "تاريخ دمشق" ١٩/ ٣٥/ ١، والحاكم: ١/ ٥١١، واحمد: ٣/ ٤٤٣، ٤/ ٢٣٧، ٥/ ٣٦٥

شرح:...... اس میں ذکر کی اور نیک بیٹے کی وفات پر صبر کرنے کی فضیلت کا بیان ہے، صبر کا اولین تقاضا یہ ہے کہ پریشان کن خبر سنتے ہی "الحمد لله انا لله وانا اليه راجعون ......" پڑھا جائے، واویلا نہ کیا جائے، چیخ و پکار سے گریز کیا جائے، گریبان چاک نہ کئے جائیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب وصول کرنے کے لیے کیا جائے۔

باقیات صالحات

(۲۹۹۰)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، مِنَ الْبَاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ۔)) (الصحيحة: ٣٢٦٤)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سُبْحَانَ اللّٰہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور اَللّٰہُ اَکْبَر باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔''

تخریج: أخرجه ابن جرير الطبري في "التفسير": ١٥/ ١٦٦، والنسائی فی "عمل اليوم والليلة": ٤٨٨/ ٨٤٨، والحاكم: ١/ ٥٤٩، والبيهقی فی "شعب الايمان": ١/ ٤٢٥/ ٦٠٦، والطبرانی فی "الاوسط": ٥/ ٢٦/ ٤٠٣٩

شرح:...... ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ أَمَلًا۔﴾

(سورۂ کھف: ٤٦) ......''اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک از روئے ثواب اور (آئندہ کی) اچھی توقع کے، بہت بہتر ہیں۔''

تمام فرائض و واجبات اور سنن و نوافل، باقیات صالحات ہیں، بلکہ ممنوعہ امور سے اجتناب کرنا بھی عمل صالح ہے، جس پر آخرت میں اجر و ثواب ملے گا۔ اس حدیث میں ایک مثال کا ذکر ہے۔

سو سو دفعہ سبحان اللہ، الحمد اللہ، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہنے کا عظیم ثواب

(٢٩٩١)۔ عَنْ أُمِّ هَانِي بِنْتِ اَبِي طَالِبٍ: مَرَّبِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّي قَدْ كَبُرْتُ وَضَعُفْتُ۔ اَوْكَمَاقَالَتْ۔ مُرْنِي بِعَمَلٍ اَعْمَلُهُ وَاَنَا جَالِسَةٌ۔ قَالَ: ((سَبِّحِي اللّٰهَ مِئَةَ تَسْبِيْحَةٍ، فَاِنَّهَا تَعْدِلُلَكِ مِئَةَ رَقَبَةٍ تُعْتِقِيْنَهَا مِن وَّلَدِ اِسْمَاعِيْلَ، وَاحْمَدِيْ اللّٰهَ مِئَةَ تَحْمِيْدَةٍ تَعْدِلُ لَكِ مِئَةَ فَرَسٍ مُسَرَّجَةٍ مُلْجَمَةٍ تَحْمِلِيْنَ عَلَيْهَا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَكَبِّرِي اللّٰهَ مِئَةَ تَكْبِيْرَةٍ، فَاِنَّهَا تَعْدِلُ لَكِ مِئَةَ بُدْنَةٍ مُقَلَّدَةٍ مَتَقَبَّلَةٍ، وَهَلِّلِي اللّٰهَ مِئَةَ تَهْلِيْلَةٍ۔)) قَالَ ابْنُ خَلْفٍ: اَحْسِبُهُ قَالَ: تَمْلَأُ مَابَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ، وَلَا يُرْفَعُ يَوْمَئِذٍ لِاَحَدٍ عَمِلٌ، اِلَّا اَن يَّاتِيَ بِمِثْلِ مَا اَتَيْتِ بِهٖ۔)) (الصحيحة: ١٣١٦)

سیدہ ام ہانی بنت ابو طالب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں بوڑھی اور کمزور ہو گئی ہوں، آپ مجھے ایسا عمل بتائیں جو میں بیٹھ کر کر سکوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سو دفعہ "سُبْحَانَ اللّٰه" کہا کر، یہ ذکر تیرے لیے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد کے ان سو غلاموں سے بہتر ہے جنھیں تو آزاد کرے۔ سو دفعہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہا کر، یہ ذکر تیرے لیے ان سو زین شدہ اور لگام شدہ گھوڑوں سے بہتر ہے جن کا تو اللہ کے راستے میں صدقہ کرے۔ سو دفعہ "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہا کر، یہ ذکر تیرے لیے قلادے والی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ان سو اونٹیوں سے بہتر ہے جنھیں مکہ میں ذبح کیا جائے۔ سو دفعہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کہا کر، یہ ذکر آسمان و زمین کے درمیانی خلا کو (ثواب) سے بھر دے گا اور اس دن (اس عمل کے مقابلے) میں کسی کا کوئی عمل نہیں ہوگا جو آسمان کی طرف بلند ہو، سوائے اس آدمی کے عمل کے جو تیری طرح کا عمل کرے۔''

تخریج: أخرجه أحمد: ٦/ ٣٤٤، والحاكم بنحو احمد والبيهقي في "شعب الأيمان" ١/ ٣٧٩، ورواه النسائى ولم يقل: ((ولا يرفع......))

شرح: ......اس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی فضیلت ہے۔

کلمۂ توحید نجات دلانے والا ہے

(٢٩٩٢)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَمَرْفُوْعًا: ((مَنْ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے

قَالَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَنْجَتْهُ يَوْمًا مِنْ دَهْرِهِ، اَصَابَهُ قَبْلَ ذٰلِكَ مَا اَصَابَهُ۔)) (الصحيحة:١٩٣٢)

فرمایا: ''جس نے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کہا، تو ایک دن یہ کلمہ اسے آفات و مصائب سے نجات دلائے گا، اس سے پہلے جو ہو چکا، وہ ہو چکا۔''

تخریج: أخرجه أبوسعيد بن الأعرابي في"معجمه": ق ٨٨/ ٢، وابن حيويه في"حديثه": ٣/ ٢/ ٢، وابن ثرثال في"سداسياته": ٢٢٧/ ٢، وأبونعيم في"الحلية": ٥/ ٤٦، والخطيب في "الموضح": ٢/ ٢٠٥، والبيهقي في"الشعب": ١/ ٥٦۔ هندية، والبزار فی "مسنده": برقم ٣، والطبرانی فی "الاوسط": ٦٥٣٣

شرح:...... ہمیں چاہیے کہ کلمۂ توحید کا ورد بھی کیا کریں اور اس کے تقاضے بھی پورے کریں، تاکہ موت کے بعد فوراً احسنِ انجام سے ہمکنار ہو سکیں۔

''الحمد لله كثيرا'' کا اجر وثواب

(٢٩٩٣)۔ عَنْ سَلْمَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((قَالَ رَجُلٌ: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ كَثِيْرًا۔ فَاَعْظَمَهَا الْمَلَكُ اَنْ يَكْتُبَهَا، وَرَاجَعَ فِيْهَا رَبَّهُ عَزَّوَجَلَّ، فَقِيْلَ لَهُ: اُكْتُبْهَا كَمَا قَالَ عَبْدِيْ: كَثِيْرًا۔)) (الصحيحة:٣٤٥٢)

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک آدمی نے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا'' (تمام تعریف اللہ تعالی کے لیے ہے، بہت زیادہ تعریف) کہا، اس کلمے کو لکھنا فرشتے پر گراں گزرا، اس نے اللہ تعالی سے بات کی، اسے کہا گیا کہ جس طرح میرے بندے نے لفظ ''كَثِيْرًا'' کہا ہے تو اسی طرح لکھ لے۔''

تخریج: أخرجه الطبراني في"المعجم الأوسط": ٣/ ٤٤/ ٢٠٨٢

شرح:...... معلوم ہوا کہ ''اَلْحَمْدُلِلّٰهِ كَثِيْرًا'' کا ذکر بے شمار اجر وثواب کا باعث بنتا ہے۔

ذکرِ خدا میں بخیلی، بزدلی اور گھبراہٹ کا علاج ہے

(٢٩٩٤)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ، وَإِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُحِبُّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ، وَلَا يُعْطِي الإِيْمَانَ إِلَّا مَنْ أَحَبَّ فَمَنْ ضَنَّ بِالْمَالِ أَنْ يُنْفِقَهُ، وَخَافَ الْعُدَّوَ أَنْ يُجَاهِدَهُ، وَهَابَ اللَّيْلَ أَنْ يُكَابِدَهُ، فَلْيُكْثِرْ مِنْ قَوْلِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے مابین تمہارے رزق کو تقسیم کیا ہے، اسی طرح تمہارے درمیان تمہارا اخلاق بھی تقسیم کر دیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس کو پسند کرتا ہے، اُسے بھی دنیا عطا کرتا ہے اور جسے پسند نہیں کرتا اُسے بھی دے دیتا ہے اور ایمان صرف اُسے عطا کرتا ہے، جس کو پسند فرماتا ہے۔ پس جو شخص مال خرچ کرنے سے بخل کرے، دشمن کے ساتھ لڑنے سے ڈر جائے اور رات کو تکلیف و مشقت اٹھانے

سے گھبرائے تو وہ کثرت سے یہ کلمات کہے: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ''۔

وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهَ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ۔)) (الصحيحة:٢٧١٤)

تخريج: أخرجه الأسماعيلي في "المعجم": ١١٤/ ١، والبيهقي في "شعب الايمان": ١/ ٣٤٨، وأخرجه البخاري في "الادب المفرد": ٢٧٥، وابوداود في "الزهد": ١٦٤/ ١٥٧، والطبراني في "الكبير": ٨٩٩٠ موقوفا، لكن لا يخفى انه في حكم المرفوع

شرح:...... انسان، وہ مسلم ہو یا کافر، کی ہر صلاحیت اللہ تعالی کی عطا ہے، وہ ایمان و ایقان ہو یا قول و کردار، وہ حسن و جمال ہو یا مال و دولت، وہ حسب و نسب ہو یا عظمت و سطوت۔ یقیناً ہر آدمی کسی نہ کسی انداز میں اپنے آپ کو باصلاحیت سمجھتا ہے اور اس پر نازاں بھی رہتا ہے، لیکن وہ اس خیال کا بندہ بھی ہونا چاہئے کہ اللہ تعالی نے اسے یہ صلاحیت عاریۃً دی ہے، جو اس سے کسی وقت بھی سلب کی جا سکتی ہے۔ بہرحال ایمان و اسلام اس لحاظ سے ممتاز نعمتیں ہیں کہ اللہ تعالی کی محبت پر دلالت کرتی ہیں، اللہ تعالی صرف اپنے محبوبوں کو ایمان کی نعمت سے مزین کرتے ہیں۔ کوئی دنیوی نعمت اللہ تعالی کی رضامندی کی غماز نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ تعالی ہر نیک و بد کو یہ صلاحتیں عطا کرتا رہتا ہے، بلکہ اگر زمانۂ ماضی اور بالخصوص خیر القرون کی صحابہ شخصیات کے سوانح عمری کی ورق گردانی کی جائے تو معلوم ہوتا کہ اعلی درجے کے ایمان دار لوگ زیادہ تر دنیوی نعمتوں سے محروم رہے ہیں۔ آخر میں ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ'' کو بخیلی، بزدلی اور رات کو گھبرانے کا علاج قرار دیا گیا ہے۔

ذکر خدا کے دلدادہ لوگ سبقت لے جائیں گے

(٢٩٩٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ۔)) قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَنِ الْمُفَرِّدُوْنَ؟ قَالَ: ((الَّذِيْنَ يُهْتَرُوْنَ فِي ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔)) (الصحيحة:١٣١٧)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مفردون سبقت لے گئے ہیں۔'' صحابہ نے پوچھا: اے اللہ رسول! مفردون کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ تعالی کا ذکر کرنے کے دلدادہ ہوتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٣٢٣، والحاكم: ١/ ٤٩٥۔ ٤٩٦ و من طريقه البيهقي في "شعب الأيمان" ١/ ٣١٤۔ هندية، وأخرجه مسلم: بلفظ: ((سيرو هذا جمدان، سبق المفردون۔)) قالوا: وما المفردون؟ يا رسول الله! قال: الذاكرون الله كثيرا والذاكرات۔))

شرح:...... ہمیں چاہئے کہ ہم بھی بکثرت اللہ تعالی کا ذکر کریں۔

اللہ تعالی کا ذکر بھی صدقہ ہے

(٢٩٩٦)۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ: أَنَّ نَاسًا مِنْ

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اصحابِ نبی نے نبی

اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالْاُجُوْرِ، يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ، وَيَتَصَدَّقُوْنَ بِفُضُوْلِ اَمْوَالِهِمْ قَالَ: ((اَوَلَيْسَ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ مَا تَصَدَّقُوْنَ؟ اِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ صَدَقَةٌ، وَفِي بُضْعِ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ۔)) قَالُوْا: اَيَأْتِي اَحَدُنَا شَهْوَتَهُ وَيَكُوْنَ لَهُ فِيْهَا اَجْرٌ؟ قَالَ: ((اَرَاَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ، اَكَانَ عَلَيْهِ فِيْهَا وِزْرٌ؟ فَكَذٰلِكَ اِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ، كَانَ لَهُ اَجْرٌ۔)) (الصحيحة: ٤٥٤)

کریم ﷺ کو کہا: اے اللہ کے رسول! اجر تو مالدار لوگ لے گئے، (وہ اس طرح کہ) وہ نماز تو ہماری طرح پڑھتے ہیں اور روزے بھی ہماری طرح رکھتے ہیں، لیکن وہ زائد مال کا صدقہ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے تمھیں ایسے اسباب نہیں دیے کہ تم صدقہ کر سکو؟ (بالکل دیے ہیں اور ان کی تفصیل یہ ہے:) ''سُبْحَانَ اللّٰه'' کہنا صدقہ ہے، ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' کہنا صدقہ ہے، ''اَلْحَمْدُ لِلّٰه'' کہنا صدقہ ہے، ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے، برائی سے منع کرنا صدقہ ہے اور بیوی سے استفادہ کرنا صدقہ ہے۔'' انھوں نے سوال کیا: ہم میں سے ایک آدمی اپنی شہوت کو پورا کرتا ہے اور اس میں اس کے لیے اجر ہے، (یہ کیسے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ذرا یہ بتاؤ کہ اگر آدمی اپنے عضوِ (مخصوص) کو حرام کام (زنا) کے لیے استعمال کرے تو کیا اسے گناہ ملے گا؟ (ضرور ملے گا)۔ اسی طرح اگر وہ اسے حلال کام کے لیے استعمال کرے تو اسے اجر ملے گا۔''

تخریج: أخرجه مسلم: ٣/ ٨٢، والبخاری فی "الأدب المفرد": ٣٥، وابن حبان: ٢/ ١٠١، ١٠٢، وأحمد: ٥/ ١٦٧

شرح:...... کوئی ایسا فرد نہیں جس کو جنت میں لے جانے والے اسباب مہیا نہ کیے گئے ہوں، اگر مالدار لوگ صدقہ وخیرات کر سکتے ہیں تو غریب و نادار لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی تلقین کی ہے، جس کے ذریعے وہ اجر و ثواب میں اس کے ہم پلہ کے آدمی بن سکتے ہیں۔

تسبیح و تحمید اور تہلیل و تکبیر سے گناہ جھڑتے ہیں

(٢٩٩٧)۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: اَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ غُصْنًا فَنَفَضَهُ، فَلَمْ يَنْتَفِضْ، ثُمَّ نَفَضَهُ فَلَمْ يَنْتَفِضْ، ثُمَّ نَفَضَهُ، فَانْتَفَضَ، فَقَالَ: ((اِنَّ سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُلِلّٰهِ،

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ٹہنی کو پکڑ کر ہلایا، لیکن سارے پتے نہ گرے، پھر ہلایا لیکن سارے پتے نہ گرے، پھر ہلایا تو سارے پتے گر گئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک ''سُبْحَانَ اللّٰه، اَلْحَمْدُ

وَلَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ، وَاللّٰـهُ اَكْبَرُ، تَنْفُضُ الْخَطَايَا كَمَا تَنْفُضُ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا۔)) (الصحيحة:٣١٦٨)

لِلّٰـهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" اور "اَللّٰـهُ اَكْبَرُ" گناہوں کو اس طرح زائل کر دیتے ہیں جس طرح کہ اس درخت (کی شاخ) نے پتوں کو زائل کر دیا ہے۔"

تخریج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٦٣٤، وأحمد: ٣/ ١٥٢، والحارث ابن أبي أسامة في "مسنده/ زوائده": ق ١٢٤/ ٢، والترمذی: ٣٥٢٧، وابو نعیم فی "الحلیة": ٥/ ٥٥

شرح:...... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (لَأَنْ اَقُوْلَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، وَاللّٰهُ اَكْبَر، اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ۔) (مسلم) ...... مجھے "سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" کہنا ان تمام چیزوں سے محبوب ہے، جن پر سورج کی روشنی پڑتی ہے۔" یعنی ان چار کلمات کی اہمیت پوری دنیا سے زیادہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امتیوں کے درود کا کیسے علم ہوتا ہے؟

(٢٩٩٨)۔ عَنْ اَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ مَرْفُوْعًا: ((اَكْثِرُوْا الصَّلَاةِ عَلَيَّ، فَاِنَّ اللّٰهَ وَكَّلَ بِي مَلَكًا عِنْدَ قَبْرِيْ، فَاِذَا صَلّٰى عَلَيَّ رَجُلٌ مِنْ اُمَّتِيْ قَالَ لِي ذٰلِكَ الْمَلَكُ: يَا مُحَمَّدُ! اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ صَلّٰى عَلَيْكَ السَّاعَةَ۔)) (الصحيحة: ١٥٣٠)

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، کیونکہ اللہ تعالی نے میری قبر کے پاس ایک فرشتہ مقرر کیا ہے، جب میرا امتی مجھ پر درود بھیجتا ہے تو وہ فرشتہ مجھے کہتا ہے: اے محمد! فلاں بن فلاں نے آپ پر ابھی درود بھیجا ہے۔"

تخریج: أخرجه الديلمي: ١/ ١/ ٣١

شرح:...... انسان موت کے بعد عالم برزخ میں منتقل ہو جاتا ہے، وہ ایک زندگی کا نام ہے، جو موت سے قیامت کے برپا ہونے تک جاری رہتی ہے۔ اس حدیث میں اسی زندگی کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے، جس کی نوعیت و کیفیت اللہ تعالی ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہمیں یہ ترغیب دلائی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کثرت سے رحمت کی دعا کریں، جسے درود کہا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے درود وسلام کا جواب

(٢٩٩٩)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِي حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔)) (الصحيحة:٢٢٦٦)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں ہے کوئی آدمی جو میرے لیے سلامتی کی دعا کرتا ہو، مگر اللہ تعالی میری روح مجھ پر لوٹاتے ہیں اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔"

تخریج: رواه أبوداود:١/ ٣١٩، والبيهقي في "سننه":٥/ ٢٤٥، وأحمد:٢/ ٢٢٧، الطبراني في "الأوسط":٤٤٩

شرح:...... انسان کی وفات سے دوبارہ اٹھنے تک کے وقت کو عالم برزخ کہتے ہیں، جو ایک مخصوص زندگی کا نام ہے اور جس کی احادیثِ مبارکہ میں مختلف کیفیتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک کیفیت کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ جب فرزندانِ امت آپ ﷺ کے لیے سلامتی کی دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی روح کو لوٹاتے ہیں اور آپ ﷺ ان کا جواب دیتے ہیں۔

ہمارے ایمان و ایقان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس صورت کو من و عن تسلیم کریں اور اپنے حق میں سعادت سمجھ کر آپ ﷺ پر زیادہ سے زیادہ سلام بھیجیں تاکہ ہمیں آپ ﷺ کی دعاؤں کا شرف حاصل ہو سکے۔

اس موقع پر اس قسم کے نکات اگلنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ بار بار روح لوٹانے اور نکالنے سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی ہوگی یا مسلمانانِ عالم دن کی ہر گھڑی میں درود و سلام بھیج رہے ہوتے ہیں تو آپ ﷺ کس کس کا اور کیسے کیسے جواب دے سکتے ہیں یا اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ دنیا والی زندگی کی طرح زندہ ہیں اور ہماری حرکات و سکنات آپ ﷺ کے سامنے ہیں۔ اس قسم کے تمام سوالات کم فہمی اور کج ذہنی کی پیداوار ہیں۔

آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کی فضیلت

انسان کے درود بھیجنے کا معنی رحمت کی دعا کرنا ہے۔

(٣٠٠٠)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي لطحة، عَنْ اَبِيْهِ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالسُّرُوْرُ يُرٰى فِي وَجْهِهِ، فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّا لَنَرٰى السُّرُوْرَ فِي وَجْهِكَ۔ فَقَالَ: ((اِنَّهُ اَتَانِي مَلَكٌ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! اَمَا يُرْضِيكَ اَنَّ رَبَّكَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ: اِنَّهُ لَا يُصَلِّي عَلَيْكَ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِكَ اِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا، وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِكَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا؟ قَالَ: بَلٰى۔)) (الصحيحة: ٨٢٩)

عبد اللہ بن ابوطلحہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن تشریف لائے اور آپ ﷺ کے چہرے پر فرحت و مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ صحابہ نے کہا: ہم آپ کے چہرے کو پُر مسرت محسوس کر رہے ہیں، (کیا وجہ ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس فرشتہ آیا اور کہا: اے محمد! کیا یہ بات آپ کو راضی کر دے گی کہ آپ کے ربّ نے کہا: آپ کی امت کا جو فرد آپ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور آپ کی امت کا جو فرد آپ کے لیے سلامتی کی دعا کرے گا میں اس پر دس سلامتیاں نازل کروں گا؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، (یعنی میں راضی ہوں)۔''

تخریج: أخرجه النسائي: ١/ ١٩١، والدارمي: ٢/ ٣١٧، وابن حبان: ٢٣٩١، والحاكم: ٢/ ٤٢٠،

وأحمد: ٤/ ٢٩، ٣٠

شرح:...... اس میں آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کی فضیلت کا بیان ہے۔

(٣٠٠١)۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ: ((صَلُّوْا عَلَيَّ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ عَلَيَّ زَكَاةٌ لَّكُمْ، وَسَلُوْا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ))۔ (الصحيحة:٣٢٦٨)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر درود بھیجا کرو، کیونکہ مجھ پر درود بھیجنا تمھارے لیے باعثِ برکت ہے اور میرے لیے اللہ تعالی سے وسیلہ کا بھی سوال کیا کرو۔''

تخریج: أخرجه الأمام أسماعيل بن أسحاق القاضي في "فضل الصلاة علي النبي ﷺ: ١٨/ ٤٦، و رواه ابن ابي شيبة في "المصنف": ٢/ ٥١٧ دون جملة الوسيلة

شرح:...... جنت میں سب سے اعلی مقام کا نام ''وسیلہ'' ہے، جس کا ذکر اذان کے بعد والی دعا میں کیا گیا ہے۔

(٣٠٠٢)۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مَرَّةً وَاحِدَةً، كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا عَشَرَ حَسَنَاتٍ۔)) (الصحيحة:٣٣٥٩)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالی اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن حبان في "صحيحه": ٢/ ١٣٠۔ ١٣١/ ٩٠٢۔ الأحسان، وأسماعيل القاضي في "فضل الصلاة علي النبي ﷺ ٧/ ١١، وأحمد: ٢/ ٢٦٢، وابن عدي في "الكامل": ٥/ ٢١٨، وأخرجه مسلم و غيره بلفظ: ...... صلى الله عليه بها عشرا۔))

شرح:...... اس میں نبی کریم ﷺ کے لیے دعائے رحمت کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

(٣٠٠٣)۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عُمَيْرِ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ اَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِنْ أُمَّتِيْ صَلَاةً مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرَ صَلَوَاتٍ، وَرَفَعَهُ بِهَا عَشَرَ دَرَجَاتٍ، وَكُتِبَ لَهُ بِهَا عَشَرَ حَسَنَاتٍ، وَمَحَا عَنْهُ عَشَرَ سَيِّئَاتٍ۔)) (الصحيحة: ٣٣٦٠)

سعید بن عمیر انصاری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرا جو امتی خلوصِ نیت سے مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالی اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے، اس کے دس درجے بلند کرتا ہے، اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہے اور اس کی دس برائیاں مٹا دیتا ہے۔''

تخريج: أخرجه النسائي في "اليوم والليلة": ١٦٦/ ٦٤، وأخرجه النسائى: ٦٥، والبخارى فى "التاريخ": ٢/ ١/ ٥٠٢، والبزار: ٤/ ٤٦/ ٣١٦٠، والطبران فى "المعجم الكبير": ٢٢/ ١٩٥ عن سعيد بن عمير

عن عمه

شرح:...... محمد رسول اللہ ﷺ ایسی عظیم ہستی ہیں کہ اگر ان کے حق میں درود وسلام، صلاۃ وتسلیم اور رحمت وبرکت کی دعا کی جائے تو دعا کرنے والے پر اللہ تعالی کی دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، دس درجے بلند ہوتے ہیں، دس نیکیاں ملتی ہیں اور دس برائیاں معاف ہو جاتی ہیں۔

جمعہ کے روز بکثرت آپ ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم

کیا انبیا ورسل کے اجسام قبروں میں سالم ہیں؟

(٣٠٠٤)۔ عَنْ اَنَسٍ مَرْفُوْعًا: ((اَكْثِرُوْا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔)) (الصحيحة:١٤٠٧)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جمعہ کے دن اور رات کو کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو، پس جو آدمی مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا، اللہ تعالی اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا۔''

تخريج: أخرجه البيهقي في "سننه" ٣/ ٢٤٩

شرح:...... نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجنا جہاں آپ ﷺ کے حق میں رحمت وسلامتی کی دعا ہے، وہاں یہ عمل کرنے والے کے لیے بھی سعادت ہے کہ اللہ تعالی اس پر اپنی رحمتیں اور سلامتیاں نازل فرماتے ہیں۔ نیز اس حدیث میں جمعہ کی ایک خصوصیت کا ذکر ہے کہ اس کی رات اور دن کو نبی کریم ﷺ پر بکثرت درود بھیجنا چاہیے۔

(٣٠٠٥)۔ عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ مَرْفُوْعًا: ((اَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ۔)) قَالُوْا: كَيْفَ تُعْرَضُ عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ؟ قَالَ: ((اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ۔)) (الصحيحة:١٥٢٧)

سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمھارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔'' صحابہ نے پوچھا: آپ پر یہ چیز کیسے پیش کی جائے گی، آپ تو (مٹی میں) فنا ہو چکے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیا کا جسم کھائے۔''

تخريج: رواه أبو أسحاق الحربي في "غريب الحديث": ٥/ ١٤/ ٢

شرح:...... اس میں انبیا ورسل کے پاکیزہ اجسام کا قبروں میں سالم رہنے کا بیان ہے۔

لیکن دوسری طرف سیدنا ابو موسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک بدو کے پاس گئے، اس نے آپ ﷺ کی بڑی عزت کی۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''تم بھی ہمارے پس آنا۔'' چنانچہ وہ آپ ﷺ کے پاس آیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بدو کے پاس ٹھہرے، اس نے آپ ﷺ کی بڑی آؤ بھگت

کی۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''تم نے ہماری بڑی دیکھ بھال کی ہے، ہمارے پاس بھی آنا۔'' چنانچہ وہ بدو ایک دن آپ ﷺ کے پاس آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ''اپنی کسی ضرورت کا اظہار کرو (تاکہ میں اسے پورا کر دوں)۔'' اس نے کہا: کجاوہ سمیت ایک اونٹنی چاہئے اور کچھ بکریاں، تاکہ گھر والے دودھ دوہ سکیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم لوگ بنواسرائیل کی بڑھیا کی طرح (مطالبہ پیش کرنے سے) عاجز آ گئے ہو؟'' صحابہ نے عرض: اے اللہ کے رسول! یہ بنواسرائیل کی بڑھیا (کا کیا واقعہ) ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مُوْسٰی لَمَّا سَارَ بِبَنِيْ اِسْرَائِيْلَ مِنْ مِصْرَ، ضَلُّوْا الطَّرِيْقَ، فَقَالَ: مَا هٰذَا؟ فَقَالَ عُلَمَاؤُهُمْ: نَحْنُ نُحَدِّثُكَ: اِنَّ يُوْسُفَ لَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ اَخَذَ عَلَيْنَا مَوْثِقًا مِنَ اللّٰهِ اَنْ لَا نَخْرُجَ مِنْ مِصْرَ حَتّٰى نَنْقُلَ عِظَامَهُ مَعَنَا۔ قَالَ: فَمَنْ يَعْلَمُ مَوْضِعَ قَبْرِهِ؟قَالُوْا: مَانَدْرِيْ اَيْنَ قَبْرُ يُوْسُفَ اِلَّا عَجُوْزٌ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ، فَبَعَثَ اِلَيْهَا، فَاَتَتْهُ، فَقَالَ: دُلُّوْنِيْ عَلٰى قَبْرِ يُوْسُفَ۔ قَالَتْ: لَا وَاللّٰهِ، لَا اَفْعَلُ حَتّٰى تُعْطِيَنِيْ حُكْمِيْ۔ قَالَ: وَمَا حُكْمُكِ؟ قَالَتْ: اَكُوْنُ مَعَكَ فِي الْجَنَّةِ۔ فَكَرِهَ اَنْ يُّعْطِيَهَا ذٰلِكَ، فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ اَنْ اَعْطِهَا حُكْمَهَا، وَانْطَلَقَتْ بِهِمْ اِلٰى بُحَيْرَةَ، مَوْضِعِ مُسْتَنْقَعِ مَاءٍ، فَقَالَتْ: اَنْضِبُوْا هٰذَا الْمَاءَ، فَاَنْضَبُوْا۔ قَالَتْ: اِحْفِرُوْا وَاسْتَخْرِجُوْا عِظَامَ يُوْسُفَ۔ فَلَمَّا اَقَلُّوْهَا اِلَى الْاَرْضِ، اِذَا الطَّرِيْقُ مِثْلُ ضَوْءِ النَّهَارِ۔))

...... ''جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنواسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے تو وہ راستہ بھول گئے۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا: یہ کیا ہو گیا ہے؟ ان کے علما نے کہا: ہم بتاتے ہیں، جب حضرت یوسف علیہ السلام کی موت کا وقت آ پہنچا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر ہم سے یہ عہد و پیمان لیا کہ اس وقت تک مصر سے نہ نکلنا، جب تک میری ہڈیاں بھی یہاں سے منتقل نہ کر دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تو پھر ان کی قبر کے بارے کون جانتا ہے؟ علما نے کہا: ہمیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کا علم نہیں ہے، ہاں بنواسرائیل کی ایک بوڑھی عورت کو اس کا علم ہو سکتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے اس کی طرف پیغام بھیجا اور وہ آ گئی۔ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے بارے میں بتاؤ۔ اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! میں اس وقت تک نہیں بتلاؤں گی، جب تک آپ میرا مطالبہ پورا نہیں کرتے۔ آپ نے پوچھا: تیرا مطالبہ کیا ہے؟ اس نے کہا: آپ کے ساتھ جنت میں رہنا چاہتی ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ناگوار گزرا کہ اسے یہ ضمانت دے دی جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اس بڑھیا کو اس کا مطالبہ ادا کر دو۔ تب وہ ان کو ایک بحیرہ کی طرف لے کر گئی، جہاں ایک جوہڑ تھا، اس نے کہا: اس سے سارا پانی نکال دو۔ انھوں نے تمام پانی وہاں سے خشک کر دیا۔ پھر اس نے کہا: اب اس کو کھودو اور حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں نکال لو (ان کی مراد حضرت یوسف کا وجود تھا)۔ (ایسے ہی کیا گیا) جب انھوں نے ان ہڈیوں کو اٹھایا تو راستہ دن کی طرح روشنی ہو گیا۔'' (صحیحہ: ۳۱۳، مسند ابو یعلی: ۳۴۴/ ۱، حاکم: ۲/ ۴۰۴، ۵۷۱)

اس حدیث میں حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیوں کا ذکر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیا و رسول کے اجسام قبروں میں سالم نہیں رہتے۔

لیکن امام البانی رحمہ اللہ نے سیدنا ابوموسی رضی اللہ عنہ کی یہ تاویل کہ ہے کہ ''عظام'' یعنی ہڈیوں سے پورا جسم مراد لیا جاتا ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: أَلَا أَتَّخِذُ لَكَ مِنْبَرًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! يَجْمَعُ أَوْ يَحْمِلُ عِظَامَكَ؟ کہ کیا میں آپ کے لیے منبر نہ بناؤں جو آپ کی ہڈیوں یعنی آپ کے وجود کو سنبھالے رکھے۔ ...... اسے ابوداود نے روایت کیا۔ (صحیحہ: ۳۱۳)

اس لیے ''حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں نکال لو'' سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ ان کو وجودِ مبارک سالم نہیں تھا۔ واللہ اعلم۔

تذکرۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سن کر درود نہ پڑھنے والا راہِ جنت سے بھٹک گیا

(٣٠٠٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ، فَنَسِيَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ، خَطِئَ بِهِ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ۔))

(الصحيحة: ٢٣٣٧)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ آدمی جنت کا راستہ بھٹک گیا جس کے سامنے میرا تذکرہ کیا گیا اور وہ مجھ پر درود بھیجنا بھول گیا۔''

تخريج: رواه عيسى بن على الوزير فى "ستة مجالس": ١٩٠/ ٢

شرح: ...... جہاں کہیں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ سنا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا چاہیے۔

قبولیت دعا کے لیے درود کی حیثیت

(٣٠٠٧)۔ عَنْ عَلِيٍّ مَرْفُوْعًا: ((كُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوْبٌ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ ﷺ۔))

(الصحيحة: ٢٠٣٥)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس وقت تک دعا قبول نہیں ہوتی جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا جائے۔''

تخريج: رواه ابن مخلد فى "المنتقى من أحاديثه": ٧٦/ ١، والأصبهانى فى "الترغيب": ١٧١/ ٢، والطبرانى فى "الاوسط"، والبيهقى فى "الشعب"

شرح: ...... معلوم ہوا کہ دعا کرتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا چاہیے۔

جنت کے درجۂ وسیلہ کی دعا کرنا

(٣٠٠٨)۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْوَسِيْلَةُ دَرَجَةٌ عِنْدَ اللّٰهِ، لَيْسَ فَوْقَهَا دَرَجَةٌ، فَسَلُوْا اللّٰهَ أَنْ

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وسیلہ اللہ کے ہاں (جنت کا سب سے اعلی) درجہ ہے، اس کے اوپر کوئی درجہ نہیں، تم میرے لیے اللہ تعالی سے

يُؤْتِيَنِي الْوَسِيْلَةَ۔)) (الصحيحة: ٣٥٧١) اس وسیلے کا سوال کیا کرو۔"

تخریج: أخرجه أحمد: ٣/ ٨٣، والطبرانی فی "المعجم الکبیر": ١/ ٨٩/ ٢٦٣

(٣٠٠٩)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلُّوْا عَلَيَّ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ عَلَيَّ زَكَاةٌ لَكُمْ، وَسَلُوْا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ))۔ (الصحيحة:٣٢٦٨)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھ پر درود بھیجا کرو، کیونکہ مجھ پر درود بھیجنا تمھارے لیے باعثِ برکت ہے اور میرے لیے اللہ تعالی سے وسیلہ کا بھی سوال کیا کرو۔"

تخریج: أخرجه الأمام أسماعيل بن أسحاق القاضي في "فضل الصلاة علي النبي ﷺ": ١٨/ ٤٦، و رواه ابن ابی شیبة فی "المصنف": ٢/ ٥١٧ دون جملة الوسيلة

شرح:...... جنت میں ایک مقام کا نام "وسیلہ" ہے، جس کا ذکر اذان کے بعد والی دعا میں کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم اذان سنو تو (وہی کلمات دوہرا کر) اس کا جواب دیا کرو، پھر مجھ پر درود بھیجا کرو، جو آدمی مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا، اللہ تعالی اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا، پھر میرے لیے "وسیلہ" کا سوال کیا کرو۔ جنت میں ایک منزل کا نام وسیلہ ہے، وہ اللہ تعالی کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کا ٹھکانہ بنے گی اور مجھے امید ہے کہ میں وہ بندہ ہی ہوں۔ جس نے میرے لیے وسیلے کا سوال کیا، اس کے لیے میری سفارش واجب ہو جائے گی۔ (مسلم)

تمام انبیا و رسل پر درود و سلام بھیجا جائے

(٣٠١٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((صَلُّوْا عَلَى أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ بَعَثَهُمْ كَمَا بَعَثَنِي))(الصحيحة: ٢٩٦٣)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالی کے تمام انبیا و رسل پر درود بھیجا کرو، کیونکہ اللہ نے ان کو میری طرح ہی مبعوث فرمایا۔"

تخریج: أخرجه عبد الرزاق في "المصنف": ٢/ ٢١٦/ ٣١١٨، واسماعيل القاضي: ١٨/ ٤٥، والبيهقي في "الشعب": ١/ ١٤٨/ ١٣١، والخطيب في "التاريخ": ٨/ ١٠٥، وكذا أبوالحسن الهاشمي في "الفوائد المنتقاة": ق١٠٤/ ١، والديباجي أيضا: ٢/ ٨١/ ١، وأبو القاسم الشهرزوري في "الأمالي": ق١٧٩/ ١، وابن المظفر في "المنتقي من حديث هشام بن عمار": ٤/ ٢، وأبو اسحاق الطرسوسي في "مشيخته": ٣٥۔ ٣٦، وكذا علي بن حرب في "حديث ابن عيينة": ٢/ ١٠٠/ ٢

شرح:...... اللہ تعالی نے قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ پر اور آپ ﷺ نے دوسرے انبیا و رسل پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا ہمیں ان دونوں احکام کا اہتمام کرنا چاہئے۔ ہمارے ہاں عام طور پر سابقہ انبیا کے لیے "عَلَیْہِ السَّلَامُ" کہا جاتا ہے۔ لیکن اس جملے میں صرف سلامتی کی دعا کی گئی ہے، جبکہ آپ ﷺ نے رحمت کی دعا کرنے کا حکم دیا ہے،

اس لیے سابقہ انبیا کے لیے بھی "صلی اللہ علیہ وسلم" یا اس کا مفہوم ادا کرنے والا جملہ کہنا چاہئے۔ یاد رہے کہ درود کے معانی رحمت کے ہیں۔

اللہ تعالی سے زیادہ سے زیادہ مانگا جائے

(۳۰۱۱)۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا تَمَنَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَكْثِرْ، فَإِنَّمَا يَسْأَلُ رَبَّهُ عَزَّوَجَلَّ۔)) (الصحيحة:١٢٦٦)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کوئی آدمی (اللہ تعالی کے سامنے) اپنی کسی خواہش کا اظہار کرے تو وہ زیادہ سے زیادہ مانگے، کیونکہ وہ اپنے ربّ سے مانگ رہا ہوتا ہے۔"

تخريج: أخرجه عبد بن حميد في "المنتخب من المسند" ق ١٩٣ / ١ - مصورة المكتب، والطبراني فى "الاوسط"

شرح:...... اللہ تعالی سے دنیا و آخرت کی ہر قسم کی خیر و بھلائی کا کثرت سے سوال کیا جائے، کیونکہ وہ جو چاہے عطا کر سکتا ہے اور کوئی اسے ایسا کرنے سے روک نہیں سکتا۔

آج کل اکثر مساجد میں فرض نمازوں کے بعد اجتماعی صورت میں چند لمحات کے لیے ہاتھ اٹھا کر اور "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ ......" جیسی دعا پڑھ کر یہ سمجھا جاتا ہے کہ دعا کے سارے تقاضے پورے ہو گئے ہیں، حالانکہ ایسا کرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت بھی نہیں ہے۔ نیز بعض افراد کو دعا کرنے کی سرے سے کوئی رغبت نہیں ہوتی اور اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو ایسی دعائیں پڑھتے ہیں، جن کے بارے میں انھیں علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالی سے کس چیز کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ جب تک ہم انتہائی توجہ کے ساتھ اور لمبی لمبی دعائیں نہیں کریں گے، بالخصوص خلوتوں میں، اس وقت تک اس عبادت کی روح اور حلاوت نصیب نہیں ہو گی۔

(۳۰۱۲)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا سَأَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيُكْثِرْ، فَإِنَّمَا يَسْئَلُ رَبَّهُ۔)) (الصحيحة: ١٣٢٥)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کوئی آدمی اللہ تعالی سے مانگے تو زیادہ سے زیادہ مانگا کرے، کیونکہ وہ اپنے ربّ سے مانگ رہا ہوتا ہے۔"

تخريج: أخرجه ابن حبان: ٢٤٠٣

شرح:...... اور اس کا ربّ زیادہ سے زیادہ اور اعلی سے اعلی دنیوی اور اخروی نعمتیں عطا کرنے پر قادر ہے۔

فرشتوں کی دعائیں کیسے حاصل کی جا سکتی ہیں؟
کسی کی عدم موجودگی میں اس کے حق میں کی گئی دعا مقبول ہوتی ہے

(۳۰۱۳)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِذَا دَعَا الْغَائِبُ لِلْغَائِبِ، قَالَ لَهُ الْمَلَكُ: وَلَكَ بِمِثْلٍ۔)) (الصحيحة:١٣٣٩)

فرمایا: ”جب آدمی (اپنے مسلمان بھائی) کے لیے پیٹھ پیچھے دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس کے لیے (دعا کرتے ہوئے) کہتا ہے: تیرے لیے بھی اس کی مثل ہو۔“

تخريج: أخرجه ابن عدي في "الكامل" ق ١٨٠/ ١

شرح:...... قبولیتِ دعا کی جتنی صورتیں قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کے حق میں اس کی عدم موجودگی میں دعا کرے۔ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ مُسْتَجَابَةٌ، عِنْدَ رَأْسِهِ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ كُلَّمَا دَعَا لِأَخِيْهِ بِخَيْرٍ قَالَ الْمَلِكُ الْمُوَكَّلُ بِهِ: آمين، وَلَكَ بِمِثْلٍ۔)) (مسلم) ...... ”مسلمان کی اپنے بھائی کے حق میں اس کی عدم موجودگی میں کی گئی دعا مقبول ہوتی ہے، ایسی صورت میں اس کے سر کے پاس ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے، جب بھی وہ اپنے بھائی کے لے خیر و بھلائی کی دعا کرتا ہے تو وہ فرشتہ آمین کہہ کر کہتا ہے: اور تجھے بھی ایسی ہی (خیر و بھلائی) نصیب ہو۔“

آپ ﷺ سے منقول مختلف دعائیں

(٣٠١٤)۔ عَنْ اَنَسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((يَا وَلِيَّ الْإِسْلَامِ وَاَهْلِهِ! مَسِّكْنِي الْإِسْلَامَ حَتّٰى اَلْقَاكَ عَلَيْهِ۔)) (الصحيحة:١٤٧٦)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے تھے: ”اے اسلام اور اہل اسلام کے پاسبان! مجھے توفیق دے کہ اسلام کو مضبوطی سے تھامے رکھوں، حتی کہ تجھے جا ملوں۔“

تخريج: أخرجه السلفي في "الفوائد المنتقاة من أصول سماعات الرئيس الثقفي" ٢/ ١٦٥/ ١، والطبراني فى "الاوسط"، ووجدته فى "تاريخ بغداد": ١١/ ١٦٠

(٣٠١٥)۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ: ((يَا وَلِيَّ الْإِسْلَامِ وَاَهْلِهِ! ثَبِّتْنِي بِهٖ حَتّٰى اَلْقَاكَ۔)) (الصحيحة:١٨٢٣)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے اسلام اور اہل اسلام کے ضامن! میرے دل کو ثابت قدم رکھ، حتی کہ تجھ سے ملاقات ہو جائے۔“

تخريج: أخرجه الطبراني في "الأوسط": رقم ـ ٦٥٣، وعنه الضياء في "المختارة": ق ١٥٠/ ١

شرح:...... اس میں دین پر استقامت اور ثابت قدمی کا سوال کیا گیا ہے، جو تمام خصائل حمیدہ کی بنیاد ہے۔

(٣٠١٦)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ قَالَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، لَا شَرِيْكَ لَهُ،

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے بعد از نمازِ فجر دس دفعہ یہ کلمہ پڑھا: کوئی

لَـهُ الْـمُلْكُ ، وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَـيْءٍ قَـدِيْـرٌ ، بَعْدَ مَا يُصَلِّي الْغَدَاةَ عَشَرَ مَـرَّاتٍ ، كَتَـبَ الـلّٰـهُ عَـزَّوَجَلَّ لَـهُ عَشَرَ حَسَنَاتٍ ، وَمَـحَا عَنْهُ عَشَرَ سَيِّئَاتٍ وَرَفَعَ لَـهُ عَشَـرَ دَرَجَـاتٍ ، وَكُـنَّ لَهُ بِعَدْلِ عِتْقِ رَقَبَتَيْنِ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيْلَ ، فَإِنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِـي ، كَـانَ لَـهُ مِثْلُ ذٰلِكَ ، وَكُنَّ لَـهُ حِجَابًا مِنَ الشَّيْطَانِ حَتّٰى يُصْبِحَ۔))

(الصحيحة: ١١٣)

معبودِ برحق نہیں ہے مگر اللہ، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، ساری تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا، دس برائیاں معاف کرے گا، اس کے دس درجے بلند کرے گا اور ان کلمات کا ثواب حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد میں سے دو غلام آزاد کرنے کے برابر ہوگا۔ اگر شام کو بھی اسی طرح پڑھے تو یہی اجر وثواب ملے گا، نیز یہ کلمات صبح تک اس کے لیے شیطان سے حفاظت ثابت ہوں گے۔''

تخریج: رواه الحسن بن عرفة فی "جزئه": ٥/ ١ ، والخطيب فی "تاريخه": ١٢/ ٣٨٩ و ٤٧٢

(٣٠١٧)۔ عَـنْ اَبِـيْ سَـعِيْـدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُـوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَـالَ: ((مَنْ قَالَ: رَضِيْتُ بِـالـلّٰهِ رَبًّا ، وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا ، وَبِمُحَمَّدٍ ، رَسُوْلاً ، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔))

(الصحيحة: ٣٣٤)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے یہ کہا: میں اللہ کے ربّ ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول ہونے پر راضی ہوں۔ تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔''

تـخـريـج: أخرجه أبو داود: ١٥٢٩ ، والنسائی فی "عمل اليوم والليلة": ٥ ، وابن حبان: ٢٣٦٨ ، ابن أبی شيبة فی "المصنف": ١٠/ ٢٤١/ ٩٣٣١ واحمد: ٣/ ١٤

(٣٠١٨)۔ عَـنْ سَـلْمَانَ الْفَارِسِيِّ ، قَالَ: قَـالَ رَسُـوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَـنْ قَالَ: اَللّٰهُمَّ! إِنِّـيْ أُشْهِدُكَ ، وَأُشْهِدُ مَلَائِكَتَكَ وَحَمَلَةَ عَرْشِكَ ، وَأُشْهِدُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِـيْ الْاَرْضِ: إِنَّكَ اَنْـتَ اللّٰـهُ ، لَا إِلٰـهَ اِلَّا اَنْـتَ ، وَحْـدَكَ ، لَاشَرِيْكَ لَكَ ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُـحَـمَّـدً عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ۔ مَنْ قَالَهَا مَرَّةً ، اَعْتَقَ اللّٰهُ ثُلُثَهُ مِنَ النَّارِ ، وَمَنْ قَالَهَا مَـرَّتَيْـنِ ، اَعْتَقَ اللّٰهُ ثُلُثَيْهِ مِنَ النَّارِ ، وَمَنْ

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جس نے یہ دعا پڑھی: اے اللہ! میں تجھے گواہ بناتا ہوں، تیرے فرشتوں اور (بالخصوص) حاملینِ عرش کو گواہ بناتا ہوں اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو گواہ بناتا ہوں کہ تو معبود ہے، تو ہی معبودِ برحق ہے، تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بندے اور رسول ہیں۔ جس نے یہ دعا ایک دفعہ پڑھی، اللہ تعالیٰ اس کے وجود کے تیسرے حصے کو آگ سے آزاد کر دیں گے، جس نے دو دفعہ پڑھی، اللہ تعالیٰ اس کے وجود کے دو

قَالَهَا ثَلاثًا ، اَعْتَقَ اللّٰهُ كُلَّهُ مِنَ النَّارِ۔)) (الصحيحة:٢٦٧)

تہائی حصے کو آگ سے آزاد کر دے گا اور جس نے تین دفعہ پڑھی اللہ تعالی اس کے تمام وجود کو آگ سے آزاد کر دے گا۔‘‘

تخريج: أخرجه الحاكم: ١/ ٥٢٣، ومن طريقه البيهقى فى "الدعوات" ١٤٤/ ١٩٣، والطبرانى فى "المعجم الكبير": ٦/ ٢٧٠/ ٦٠٦٢

شرح:......اس حدیث میں درج ذکر کی فضیلت کا بیان ہے:

مَنْ قَالَ: اَللّٰهُمَّ! اِنِّيْ أُشْهِدُكَ ، وَأُشْهِدُ مَلَائِكَتَكَ وَحَمَلَةَ عَرْشِكَ، وَأُشْهِدُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ: اِنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ، وَحْدَكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ۔

(٣٠١٩)۔ قَالَ ﷺ : ((مَنْ قَالَ: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ ، ثَلَاثًا غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوْبُهُ، وَاِنْ كَانَ فَارًّا مِنَ الزَّحْفِ۔)) جَاءَ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ، وَزَيْدٍ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، وَاَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ ، وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَاَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ ، وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَالْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ۔ (الصحيحة:٢٧٢٧)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے تین دفعہ یہ دعا پڑھی: میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں، جس کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ زندہ ہے اور قائم رکھنے والا ہے اور میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔تو اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے، اگر چہ اس نے میدانِ جنگ فرار ہونے والے (کبیرہ) گناہ کا ارتکاب کیا ہو۔‘‘ یہ حدیث سیدنا عبد اللہ بن مسعود، مولائے رسول سیدنا زید، سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا ابوہریرہ، سیدنا ابو سعید خدری، سیدنا انس بن مالک اور سیدنا برا بن عازب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

تخريج: جاء من حديث عبدالله بن مسعود ، وزيد مولى رسول الله ﷺ، وأبى بكر الصديق، وأبى سعيد الخدرى ، وأنس بن مالك ، والبراء بن عازب بألفاظ مختلفة

(١) أما حديث ابن مسعود : أخرجه الحاكم: ١/ ٥١١

(٢) وأما حديث زيد مولى رسول الله ﷺ: أخرجه أبوداود ، والترمذى ، وابن أبى خيثمة فى "التاريخ": ٥٢٠ـ مصورة الجامعة الاسلامية، وابن سعد: ٧/ ٦٦

(٣) وأما حديث أبى بكر : أخرجه ابن عدى فى "الكامل ": ق ٢٦٠/ ١

(٤) وأما حديث أبى هريرة : أخرجه أبو نعيم فى " أخبار أصبهان ": ٢/ ٣٠٣

(٥) وأما حديث أبى سعيد الخدرى: أخرجه الطبرانى فى "الدعاء": ١٧٨٤، وابن عساكر فى "تاريخ

دمشق": ١٤/ ٣٥٣/ ١-٢

(٦) وأما حديث أنس: أخرجه ابن عساكر: ١٤/ ٣٥٨/ ٢

شرح:...... معلوم ہوا کہ استغفار کرنے یعنی اللہ تعالی سے بخشش طلب کرنے کے لیے یہ دعا پڑھی جائے:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ

اس میں استغفار اور توبہ کی برکتوں کا بیان ہے۔

(٣٠٢٠)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُعَائِهِ: ((اَللّٰهُمَّ! اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ جَارِ السُّوْءِ فِيْ دَارِ الْمَقَامَةِ، فَاِنَّ جَارَ الْبَادِيَةِ يَتَحَوَّلُ۔)) (الصحيحة: ٣٩٤٣)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! میں اپنی مستقل رہائش کے برے پڑوسی سے تیری پناہ طلب کرتا ہو، کیونکہ خیمہ نشیں کا پڑوسی تو (ادھر ادھر) منتقل ہو جاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ١١٧، وابن حبان: ٢٠٥٦، والطبراني في "الدعاء": ٣/ ١٤٢٥/ ١٣٤٠، والبيهقي في "الدعوات الكبير": ٢/ ٦٢/ ٢٩٦ من طريق الحاكم، وهذا في "المستدرك": ١/ ٥٣٢، والنسائى: ٢/ ٣١٩

شرح:...... گھر کے سربراہ کے بعد اس کا پڑوسی ہی اس کی عزتوں کا محافظ ہوتا ہے۔ بدکردار، جھگڑالو اور برے پڑوسی کے مفاسد ہر کوئی جانتا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ برے پڑوسی سے اللہ تعالی کی پناہ طلب کرتے تھے۔

(٣٠٢١)۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهُ كَانَ يَدْعُوْ: ((اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ بِالْاِسْلَامِ قَائِمًا، وَاحْفَظْنِيْ بِالْاِسْلَامِ قَاعِدًا، وَاحْفَظْنِيْ بِالْاِسْلَامِ رَاقِدًا، وَلَا تُشْمِتْ بِيْ عَدُوًّا حَاسِدًا، اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْاَلُكَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ خَزَائِنُهُ بِيَدِكَ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ خَزَائِنُهُ بِيَدِكَ۔)) (الصحيحة: ١٥٤٠)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے: ''اے اللہ! کھڑے ہونے کی حالت میں اسلام کے ساتھ میری حفاظت فرما اور بیٹھک کی حالت میں اسلام کے ساتھ میری حفاظت فرما اور نیند کی حالت میں اسلام کے ساتھ میری حفاظت فرما۔ میری تکلیف سے میرے حاسد دشمن کو خوش نہ کرنا۔ اے اللہ! میں تجھ سے ہر اس خیر کا سوال کرتا ہوں جس کے خزانے تیرے ہاتھ میں ہیں اور تیری پناہ چاہتا ہوں ہر اس شرّ سے جس کے خزانے تیرے پاس ہیں۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ١/ ٥٢٥

شرح:...... معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنے لیے ہر حالت میں اسلام کو ترجیح دیتے تھے۔

(٣٠٢٢)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، قَالَ: كَانَ ﷺ يَدْعُوْ بِهٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ ، وَغَلَبَةِ الْعَدُوِّ ، وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ۔))

(الصحيحة:١٥٤١)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے ساتھ دعا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں غلبۂ قرض سے، غلبۂ دشمن سے اور میری مصیبت پر دشمنوں کے خوش ہونے سے۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ٢/ ٣١٦، ٣١٧، والحاكم: ١/ ١٠٤، وأحمد: ٢/ ١٧٣

(٣٠٢٣)۔ فعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: كَانَ مِنْ دُعَائِهِ ﷺ : اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي مَاقَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ ، وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ ، وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ ، اِنَّكَ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَالْمُؤَخِّرُ ، لَااِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔))

(الصحيحة:٢٩٤٤)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی کرتے تھے: ''اے اللہ! مجھے بخش دے، یعنی میرے آگے کئے ہوئے اور پیچھے کئے ہوئے (گناہوں کو)، اور (ان گناہوں کو بھی بخش دے جو) میں نے مخفی اور اعلانیہ طور پر کئے اور (ان گناہوں کو) جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ بیشک تو آگے کرنے والا ہے اور پیچھے کرنے والا ہے اور نہیں کوئی معبودِ برحق مگر تو ہی۔

تخريج: أخرجه البخاري في"الأدب المفرد": ١٧٤/ ٦٧٣ ، وأحمد:٢/ ٢٩١ ، ٥١٤ ، ٥٢٦

(٣٠٢٤)۔ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ ، قَالَ: قُلْتُ لِاُمِّ سَلَمَةَ: يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ! مَاكَانَ اَكْثَرُ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِذَاكَانَ عِنْدَكِ؟ قَالَتْ: كَانَ اَكْثَرُ دُعَائِهِ: ((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ! ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ۔)) فَقِيْلَ لَهُ فِي ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: ((اَنَّهُ لَيْسَ آدَمِيٌّ اِلَّا وَقَلْبُهُ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰهِ ، فَمَنْ شَاءَ اَقَامَ ، وَمَنْ شَاءَ اَزَاغَ۔))

(الصحيحة:٢٠٩١)

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اے ام المومنین! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس ہوتے تو کون سی دعا کثرت سے پڑھتے تھے؟ انھوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر یہ دعا کرتے تھے: ''اے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔'' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دعا کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: ''ہر آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے، وہ جس کو چاہے (ہدایت پر) ثابت رکھے اور جس کو چاہے گمراہ کر دے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي:٣٥١٧ ، وابن أبي شيبه في"الأيمان": رقم ٥٦ ـبتحقيقي ، و أحمد: ٦/ ٣٠٢، ٣١٥

شرح:...... معلوم ہوا کہ ضلالت اور گمراہی سے بچنے کے لیے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ثابت قدمی اور دین پر

استقامت کی دعا کرنی چاہیے۔ آپ ﷺ یوں دعا فرماتے تھے:

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ! ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ۔

(٣٠٢٥)۔ عَنْ اَنَسٍ ، قَالَ: جَاءَ اَعْرَابِيٌّ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِيْ خَيْرًا ، فَاَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ فَقَالَ: ((قُلْ : سُبْحَانَ اللّٰهِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔)) فَعَقَدَ الْاَعْرَابِيُّ عَلٰى يَدِهِ ، وَمَضٰى وَتَفَكَّرَ ثُمَّ رَجَعَ ، فَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ ﷺ ، قَالَ: ((تَفَكَّرَ الْبَائِسُ۔)) فَجَاءَ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! سُبْحَانَ اللّٰهِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ، هٰذَا لِلّٰهِ ، فَمَا لِي؟ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: ((يَا اَعْرَابِيُّ! اِذَا قُلْتَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ ، قَالَ اللّٰهُ: صَدَقْتَ ، وَاِذَا قُلْتَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ، قَالَ اللّٰهُ: صَدَقْتَ ، وَاِذَا قُلْتَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، قَالَ اللّٰهُ: صَدَقْتَ ، وَاِذَا قُلْتَ: اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، قَالَ اللّٰهُ: صَدَقْتَ ، وَاِذَا قُلْتَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ، قَالَ اللّٰهُ: قَدْ فَعَلْتُ ، اِذَا قُلْتَ: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ ، قَالَ اللّٰهُ: قَدْ فَعَلْتُ ، وَاِذَا قُلْتَ: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ ، قَالَ اللّٰهُ: قَدْ فَعَلْتُ۔)) فَعَقَدَ الْاَعْرَابِيُّ عَلٰى سَبْعٍ فِي يَدِهٖ ثُمَّ وَلّٰى۔

(الصحيحة: ٣٣٣٦)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک بدو، نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کسی بہترین چیز کی تعلیم دیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ''اس طرح کہا کرو: اللہ پاک ہے، ساری تعریف اللہ کے لیے ہے، اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے۔'' بدو نے (ان چار چیزوں کو) اپنی انگلیوں پر شمار کیا اور چل دیا، لیکن کچھ سوچنے کے بعد پھر واپس آ گیا۔ نبی کریم ﷺ مسکرائے اور فرمایا: ''خستہ حال بدو سوچنے لگ گیا ہے۔'' اس نے واپس آ کر کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ پاک ہے، ساری تعریف اللہ کی ہے، اللہ ہی معبودِ برحق ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ یہ سارے (تعریفی) کلمات اللہ تعالی کے لیے ہیں، میرے لیے کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا: ''بدو! جب تو ''سُبْحَانَ اللّٰه'' کہے گا تو اللہ تعالی کہے گا: ''صَدَقْتَ'' (تو نے سچ کہا)۔ جب تو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰه'' کہے گا تو اللہ تعالی کہے گا: ''صَدَقْتَ۔'' جب تو ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کہے گا تو اللہ تعالی کہے گا: ''صَدَقْتَ۔'' جب تو ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' کہے گا تو اللہ تعالی کہے گا: ''صَدَقْتَ'' اور جب تو ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ'' (اے اللہ! مجھے بخش دے) کہے گا تو اللہ تعالی کہے گا: میں نے تجھے بخش دیا۔ جب تو ''اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ'' (اے اللہ! مجھ پر رحم فرما) کہے گا تو اللہ تعالی کہے گا: میں نے تجھ پر رحم کر دیا اور جب تو ''اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ'' (اے اللہ! مجھے رزق دے) تو اللہ تعالی کہے گا: میں نے تجھے رزق دینے کا فیصلہ کر دیا۔ بدو نے اپنے ہاتھ پر یہ سات کلمات شمار کئے اور چل دیا۔

تخریج: أخرجه البيهقي في ''شعب الأيمان'': ١/ ٤٣١۔ ٤٣٢/ ٦١٩

شرح:......اس حدیث سے یہ دعا ثابت ہوئی:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ ، اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ۔

(٣٠٢٦)۔ عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ ، عَنْ اَبِيْهِ طَارِقِ بْنِ اَشْيَمَ ، اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ وَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: كَيْفَ اَقُوْلُ حِيْنَ اَسْاَلُ رَبِّيْ؟ قَالَ: ((قُلْ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ، وَارْحَمْنِيْ ، وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ۔))وَيَجْمَعُ اَصَابِعَهُ اِلَّا الْاِبْهَامَ۔ ((فَاِنَّ هٰؤُلَاءِ تَجْمَعُ لَكَ دُنْيَاكَ وَآخِرَتَكَ۔)) (الصحيحة:١٣١٨)

ابو مالک اشجعی اپنے باپ سیدنا طارق بن اشیم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! جب میں اپنے رب سے سوال کروں تو کیا کہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس طرح کہا کر: اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے عافیت دے اور مجھے رزق دے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں بند کیں سوائے انگوٹھے کے۔ (اور فرمایا:) یہ کلمات تیرے لیے تیری دنیا و آخرت کو جمع کر دیں گے۔“

تخريج: أخرجه مسلم: ٨/ ٧١، وابن ماجه: ٢/ ٤٣٣، وأحمد: ٣/ ٤٧٢، ٦/ ٣٩٤

شرح:......درج ذیل دعا میں دنیا و آخرت کے خزینے پنہاں ہیں:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ، وَارْحَمْنِيْ ، وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ

اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے عافیت دے اور مجھے رزق دے۔

بخشش اور رحمت کا اصل تعلق آخرت سے ہے، رزق کا تعلق دنیا سے ہے جس کے پس منظر میں آخرت بھی سنور جاتی ہے اور عافیت کا تعلق دنیا و آخرت دونوں جہانوں سے ہے۔ اگر کسی سعادت مند کو یہ چار چیزیں مل جائیں تو اس کی سعادت کے لیے کافی ہیں۔

(٣٠٢٧)۔ عَنْ عَائِشَةَ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَهَا هٰذَا الدُّعَاءَ: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْاَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ مَاعَلِمْتُ مِنْهُ وَمَالَمْ اَعْلَمْ ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ مَاعَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ ، اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْاَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَاذَ بِهِ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ ، اَللّٰهُمَّ اِنِّي

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ دعا سکھائی: ”اے اللہ! میں تجھ سے ہر بھلائی کا سوال کرتا ہوں، وہ جلد ملنے والی ہو یا بدیر اور مجھے اس کا علم ہو یا نہ ہو اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں ہر شرّ سے، وہ جلد طاری ہونے والی ہو یا بدیر اور وہ میرے علم میں ہو یا نہ ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے ہر اس خیر کا سوال کرتا ہوں، جس کا تجھ سے تیرے بندے اور نبی نے سوال کیا اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں ہر اس شرّ سے، جس سے تیرے بندے اور نبی نے

اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْعَمَلٍ ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْعَمَلٍ ، وَاَسْأَلُكَ اَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ قَضَيْتَهُ لِيْ خَيْرًا۔)) (الصحيحة: ١٥٤٢)

تیری پناہ چاہی۔ اے اللہ! میں تجھ سے جنت اور اس کے قریب کرنے والے قول وفعل کا سوال کرتا ہوں اور میں جہنم اور اس کے قریب کرنے والے قول وفعل سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ہر فیصلہ، جو تو میرے بارے میں کرے، اسے میرے حق میں بہتر قرار دے۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ٢/ ٤٣٣ ۔ التازية، وابن حبان: ٢٤١٣، وأحمد: ٦/ ١٣٤، وأبويعلي في "مسنده": ٣/ ١١٠٣ ۔ مصورة المكتب الأسلامي

(٣٠٢٨)۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ الْاَرْقَمِ قَالَ: لَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِلَّا كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ ، كَانَ يَقُوْلُ : ((اَللّٰهُمَّ! اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْكَسْلِ ، وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ ، وَالْهَمِّ ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ اَللّٰهُمَّ! آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا ، وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا ، اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا ، اَللّٰهُمَّ! اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ ، وَمِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ ، وَمِنْ دَعْوَةٍ لَّا يُسْتَجَابُ لَهَا۔)) (الصحيحة: ٤٠٠٥)

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں وہی بات کرتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں بے بسی و لاچارگی اور سستی و کاہلی سے، بزدلی اور بخل سے اور بڑھاپے اور عذابِ قبر سے۔ اے اللہ! تو میرے نفس کو تقوی عطا فرما اور اس کو پاک کر دے، تو بہترین ہستی ہے جو اسے پاک کر سکتی ہے، تو ہی اس کا نگرانِ کار اور پروردگار ہے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے علم سے جو فائدہ نہیں دیتا اور ایسے دل سے جو عاجزی و انکساری نہیں کرتا اور ایسے نفس سے جو سیر و سیراب نہیں ہوتا اور ایسی دعا سے جو قبول نہیں ہوتی۔''

تخریج: أخرجه مسلم: ٨/ ٨١، والبغوي في "شرح السنة": ٥/ ١٥٨، وصححه، وابن أبي شيبة: ٣/ ٣٧٤، والطبراني في "المعجم الكبير": ٥/ ٢٢٧/ ٥٠٨٥، ورواه النسائي: ٢/ ٣١٥ و ٣٢٢، وأحمد: ٤/ ٣٧١، وعبد بن حميد: ١/ ٢٤٥/ ٢٦٧، والطبراني في "المعجم الكبير": ٥٠٨٦ و ٥٠٨٨

(٣٠٢٩)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: اِنْ كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَجْلِسِ يَقُوْلُ: ((رَبِّ اغْفِرْلِي وَتُبْ عَلَيَّ ، اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔)) مِئَةَ مَرَّةٍ۔

(الصحيحة: ٥٥٦)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم شمار کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ ایک ایک مجلس میں سو سو دفعہ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ''اے میرے ربّ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رجوع فرما، بیشک تو توبہ قبول کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

تخریج: أخرجه أحمد: ٢/ ٢١، وابوداود: ١٥١٦، وابن ماجه: ٣٨١٤

شرح:...... نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور توبہ کا بکثرت سوال کرتے تھے۔ ہمیں بھی سبق حاصل کرنا چاہیے۔

(۳۰۳۰)۔ قَالَ مُعَاوِيَةُ عَلَى الْمِنْبَرِ: ((اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ، مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔)) سَمِعْتُ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى هٰذَا الْمِنْبَرِ۔

(الصحيحة: ٢٥٢٤)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر پر کہا: ”اے اللہ! جو تو عطا کر دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو تو روک دے اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں اور کسی مرتبے والے کو اس کا مرتبہ تجھ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے علم شریعت کی مہارت عطا کر دیتا ہے۔“ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے یہ کلمات رسول اللہ ﷺ سے اس منبر پر سنیں۔

تخريج: أخرجه مالك :٣/ ٩٤، وأحمد: ٤/ ٩٢۔٩٣و٩٥و٩٨، والطحاوي في "المشكل": ٢/ ٢٧٨، وابن عبد البر في "الجامع": ١/ ١٩

شرح:...... معلوم ہوا کہ نعمتیں عطا کرنا یا سلب کرنا اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے، بندے کی کوشش و کاوش کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ ہمیں چاہئے کہ کسی کو نقصان پہنچانے کی یا حرام اسباب کے ذریعے نفع پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔ فائدہ حاصل کرنے یا فائدہ پہنچانے کے لیے صرف جائز اور حلال ذرائع استعمال کرنے چاہئیں اور ایسے کرنا صرف اس وقت ممکن ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمارا عقیدہ مضبوط ہو کہ وہی کچھ ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

علم شریعت میں مہارت اور فقاہت، اللہ تعالیٰ کا ممتاز اور عظیم احسان ہے۔

(۳۰۳۱)۔ عَنْ مُصْعَبٍ كَانَ سَعْدٌ يَأْمُرُ بِخَمْسٍ، وَيَذْكُرُهُنَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بِهِنَّ: ((اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوْذُبِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلٰى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔)) وَزَادَ الْبُخَارِيُّ بَعْدَ قَوْلِهِ: ((فِتْنَةَ الدُّنْيَا)) يَعْنِي ((فِتْنَةَ الدَّجَّالِ۔))

(الصحيحة:٣٩٣٧)

مصعب سے روایت ہے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ پانچ چیزوں کا حکم دیتے تھے اور کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ ان کا حکم دیتے تھے: ”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بخل سے، تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے، اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ مجھے ادھیڑ عمر کی طرف لوٹا دیا جائے، تیری پناہ چاہتا ہوں دنیوی فتنے سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں عذابِ قبر سے۔“ امام بخاری نے ”دنیوی فتنے“ کے الفاظ کے بعد ”فتنۂ دجال“ کا بھی ذکر کیا ہے۔

تخريج: أخرجه البخاري: ٦٣٦٥، ٦٣٧٠، والنسائي: ٢/ ٣١٤، ٣١٦، وأحمد: ١/ ١٨٣، ١٨٦، وأبوبكر البزار في "مسند سعد": وأبويعلي في "مسنده": ٢/ ٧١/ ٧١٦، والشاشي في "مسنده":

١/ ١٤٣/ ٧٩، والبيهقي في "عذاب القبر": ١١٣/ ١٨٣

(٣٠٣٢)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ مِنْ دُعَائِهِ ﷺ: ((اَللّٰهُمَّ! اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ جَارِ السُّوْءِ، وَمِنْ زَوْجٍ تُشَيِّبُنِي قَبْلَ الْمَشِيْبِ، وَمِنْ وَلَدٍ يَكُوْنُ عَلَيَّ رِبًا، وَمِنْ مَالٍ يَكُوْنُ عَلَيَّ عَذَابًا، وَمِنْ خَلِيْلٍ مَاكِرٍ عَيْنُهُ تَرَانِيْ، وَقَلْبُهُ يَرْعَانِي، اِنْ رَاٰى حَسَنَةً دَفَنَهَا، وَاِذَا رَاٰى سَيِّئَةً اَذَاعَهَا۔)) (الصحيحة:٣١٣٧)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں برے پڑوسی سے اور ایسی بیوی سے جو مجھے بڑھاپے سے پہلے بوڑھا کر دے اور ایسی اولاد سے جو میرا آقا بن بیٹھے اور ایسے مال سے جو میرے لیے باعثِ عذاب بن جائے اور ایسے چالباز دوست سے جس کی آنکھیں مجھے تک رہی ہوں اور جس کا دل میرے پیچھے پڑا ہوا ہو اور میری ہر نیکی کو دبا تا جائے اور ہر برائی کو نشر کرتا جائے۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الدعاء": ٣/ ١٤٢٥/ ١٣٣٩، وأخرج الديلمى فى "مسند الفردوس": ١/ ١/ ١٨٣ شطره الثانى بلفظ: ((اللهم انى اعوذ بك من خليل ماكر ......))

شرح:...... جہاں شگفتہ مزاج اور صالح مزاج عورت کی وجہ سے خاوند کو سکون نصیب ہوتا ہے اور اس کے گھر میں برکتیں نازل ہوتی ہیں، وہاں بداخلاق، ناشکری، جھگڑالو اور زبان دراز عورت خاوند کی روح و جان پر ایسا برا اثر چھوڑتی ہے کہ وقت سے پہلے اس پر بڑھاپے کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں، وہ ذہنی طور پر گھر کی پریشانیوں سے آزاد ہی نہیں ہو سکتا ہے۔

حدیثِ مبارکہ میں باقی امور واضح ہیں۔ اس کے آخر میں آپ ﷺ وضاحت کر دی ہے کہ دوست کی صفات کیا ہونی چاہئیں، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی کسی پر اعتماد کرتا ہے تو اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچنی چاہیے۔

(٣٠٣٣)۔ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ وَرَبَّ اِسْرَافِيْلَ! اَعُوْذُبِكَ مِنْ حَرِّ النَّارِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔))

(الصحيحة: ١٥٤٤)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! جبرائیل و میکائیل کے ربّ! اسرافیل کے ربّ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں آگ کی تپش اور قبر کے عذاب سے۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ٢/ ٣٢٠

(٣٠٣٤)۔ كَانَ ﷺ يَدْعُوْ رَبَّهُ فَيَقُوْلُ: ((اَللّٰهُمَّ! مَتِّعْنِيْ بِسَمْعِيْ وَبَصَرِيْ، وَاجْعَلْهُمَا الْوَارِثَ مِنِّيْ، وَانْصُرْنِيْ عَلٰى

رسول اللہ ﷺ اپنے ربّ سے یہ دعا کیا کرتے تھے: ''اے اللہ! تو مجھے میرے کانوں اور آنکھوں سے مستفید ہونے کا موقع عطا فرما اور تا زندگی ان کو سلامت رکھ اور مجھ پر ظلم

مَنْ ظَلَمَنِي، وَخُذْ مِنْهُ بِثَأْرِي۔)) رُوِيَ عَنْ جَمْعٍ مِنَ الصَّحَابَةِ، مِنْهُمْ: أَبُوْهُرَيْرَةَ، وَجَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، وَعَائِشَةُ، وَسَعْدُ ابْنُ زُرَارَةَ، وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ الشِّخِّيرِ۔ (الصحيحة:٣١٧٠)

کرنے والے کے خلاف میری مدد فرما اور اس سے میرا انتقام لے۔'' یہ حدیث سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا جابر بن عبد اللہ، سیدنا علی بن ابو طالب، سیدہ عائشہ، سیدنا سعد بن زرارہ، سیدنا انس بن مالک، سیدنا عبد اللہ شخیر اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

تخريج: (١)۔ أما حديث أبي هريرة: فأخرجه الترمذي: ٣٦٠٦، والحاكم: ١/ ٥٢٣، والبزار: ٤/ ٥٩/ ٣١٩٣، والبخاري في"الأدب المفرد": رقم ٦٥٠

(٢)۔ وأما حديث جابر: فأخرجه البخاري في"الأدب المفرد": ٦٤٩، والبزار: ٣١٩٤

(٣)۔ وأما حديث علي: فأخرجه الطبراني في"الدعاء": ٢/ ١٤٥٧ و"المعجم الصغير": صـ ٢٢١۔ هندية و"الأوسط": ٢/ ١٩٨/ ٢/ ٨٠٤٨، والحاكم: ١/ ٥٢٧

(٤)۔ وأما حديث عائشة: فأخرجه الطبراني في"الدعاء": ٢/ ١٤٧٨/ ١٤٥٣، وابن عدي في"الكامل": ٢/ ٣٠، والبيهقي في"الشعب الأيمان": ٤/ ١٧٠/ ٤٧٠١

(٥)۔ وأما حديث سعد بن زرارة: فتفرد به الطبراني، أخرجه في"الدعاء": ٢/ ١٤٧٥/ ١٤٤٨

(٦)۔ وأما حديث أنس: فأخرجه ابن السني في"عمل اليوم والليلة": ١٨١/ ٥٥٩، و الحاكم: ٤/ ٤١٤

(٧)۔ وأما حديث عبدالله بن الشخير: فأخرجه البزار: ٤/ ٦٠/ ٣١٩٥، ومن طريقه: الضياء في"المختارة": ٥٨/ ٨٣/ ٢۔ ٧٤/ ١، والطبراني كما في"المجمع": ١٠/ ١٧٨

(٨)۔ وأما حديث جرير: فأخرجه البيهقي في"الشعب الأيمان": ٤/ ١٧٠/ ٤٧٠٠

(٣٠٣٥)۔ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَللّٰهُمَّ مَنْ آمَنَ بِكَ، وَشَهِدَ أَنِّي رَسُوْلُكَ فَحَبِّبْ إِلَيْهِ لِقَاءَ اللّٰهِ، وَسَهِّلْ عَلَيْهِ قَضَاءَكَ، وَأَقْلِلْ لَهُ مِنَ الدُّنْيَا، وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِكَ، وَيَشْهَدْ أَنِّي رَسُوْلُكَ، فَلَا تُحَبِّبْ إِلَيْهِ لِقَاءَكَ، وَلَا تُسَهِّلْ عَلَيْهِ قَضَاءَكَ، وَأَكْثِرْ لَهُ مِنَ الدُّنْيَا۔)) (الصحيحة:١٣٣٨)

سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! جو شخص تجھ پر ایمان لایا اور یہ بھی گواہی دی کہ میں تیرا رسول ہوں تو تو اس کے لیے اپنی ملاقات کو محبوب بنا دے اور اس کے حق میں اپنا فیصلہ آسان کر دے اور دنیا کم کر دے، اور جو تجھ پر ایمان نہیں لایا اور نہ یہ گواہی دی کہ میں تیرا رسول ہوں، تو اس کے لیے اپنی ملاقات کو محبوب نہ بنا اور نہ اس کے حق میں اپنا فیصلہ آسان کر اور اس کو دنیا سے زیادہ سے زیادہ دے۔''

تخریج: أخرجه ابن حبان: ٢٤٧٥، والطبراني في "المعجم الكبير" ق ٧٤/ ٢ - منتخب منه

شرح:...... اس میں اللہ تعالی پر اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان کی فضیلت ہے۔

(٣٠٣٦) - عَنْ اَنَسٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَللّٰهُمَّ لَا سَهْلَ اِلَّا مَا جَعَلْتَهُ سَهْلاً، وَاَنْتَ تَجْعَلُ الْحُزْنَ اِذَا شِئْتَ سَهْلاً-)) (الصحيحة: ٢٨٨٦)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! کوئی چیز آسان نہیں ہے، مگر جس کو تو آسان کر دے اور تو جب چاہتا ہے مشکل چیز کو بھی آسان کر دیتا ہے۔''

تخریج: أخرجه ابن حبان في "صحيحه": ٢٤٢٧، وابن السني: ٣٥١، والضياء في "المختارة": ١٦٨٣، ١٦٨٤، وأبو نعيم في "أخبار أصبهان": ٢/ ٣٠٥، والأصبهاني في "الترغيب": ١/ ١٣١

شرح:...... آسانیاں اور مشکلیں، بنی آدم کی نگاہ میں آسانیاں اور مشکلیں ہوتی ہیں، نہ کہ اللہ تعالی کے حق میں۔ وہ آسانیوں کو مشکل اور مشکلات کو آسان کر دیتا ہے۔ نماز پڑھنا کتنا آسان اور سکون بخش عمل ہے، لیکن بعض لوگوں کو نماز پڑھنا پڑ جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حق میں قیامتِ صغری بپا ہو گئی ہے۔ اسی طرح بعض غریب یا کم آمدنی والے لوگ صدقہ و خیرات کرنے کو آسان سمجھتے ہیں، لیکن بعض مالداروں کے لیے ایسا کرنا وبال جان سے کم نہیں ہوتا۔ دراصل پسِ پردہ اللہ تعالی کے فیصلے ہوتے ہیں۔

کفارۂ مجلس کی دعا

(٣٠٣٧) - عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ، فَقَالَهَا فِيْ مَجْلِسِ ذِكْرٍ، كَانَتْ كَالطَّابِعِ يُطْبَعُ عَلَيْهِ، وَمَنْ قَالَهَا فِيْ مَجْلِسِ لَغْوٍ كَانَتْ كَفَّارَةً لَهُ-)) (الصحيحة: ٨١)

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے یہ کہا: اللہ پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ، اے اللہ! تو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ، میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی معبودِ برحق ہے، میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ جس نے یہ کلمات محفلِ ذکر کے بعد کہے تو یہ اس ذکر پر لگائی جانے والی مہر ثابت ہوں گے اور جس نے بیہودہ اور فضول مجلس کے بعد کہے تو یہ اس مجلس کا کفارہ بن جائیں گے۔''

تخریج: أخرجه النسائی فی "عمل اليوم والليلة": ٤٢٤، واطبرانی فی "المعجم الكبير": ١/ ٧٩/ ٢، وفی "الدعاء": ٣/ ١٦٦٠/ ١٩١٩، والحاكم: ١/ ٥٣٧

شرح:...... اس ذکر کو کفارۂ مجلس کی دعا کہتے ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہر مجلس کے اختتام پر اس دعا کا اہتمام کریں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ

اِلَيْكَ۔

پہلے جملے کے علاوہ بھی آپ ﷺ سے دعا ثابت ہے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، اَشْهَدُ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ (سنن اربعه)

اللہ تعالیٰ کو نہ پکارنا، اس کے غضب کو دعوت دینا ہے

(۳۰۳۸)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَن لَّمْ يَدْعُ اللّٰهَ ، يَغْضَبْ عَلَيْهِ۔)) (الصحيحة:٢٦٥٤)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس آدمی پر ناراض ہوتا ہے جو اس سے دعا نہیں کرتا۔''

تخريج: أخرجه البخاري في"الأدب المفرد": ٦٥٨، والترمذي :٢/ ٢٤٢، وابن ماجه:٣٨٢٧، والحاكم :١/ ٤٩١، وأحمد: ٢/ ٤٤٢، ٤٧٧، وابن أبي شيبة: ١٠/ ٢٠٠، والبيهقي في "الشعب": ١/ ٣٥/ ١٠٩٩، والطبراني في"الدعاء": ٢/ ٧٩٦/ ٢٣، وفي"الأوسط": ٣/ ٢١٦/ ٢٤٥٢، وابن عدي في "الكامل": ٧/ ٢٩٥، والبغوي في"تفسيره": ٧/ ٣١٠۔ منار

شرح:...... یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ جس سے مانگا جائے تو وہ راضی ہوتی ہے اور نہ مانگنے کی صورت میں ناراض ہو جاتی ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ۔)) ثم قرأ ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ (سورۂ غافر: ٦٠) ...... ''دعا ہی عبادت ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ''اور تمہارے ربّ نے کہا کہ مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا، یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں، وہ ابھی ابھی ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔'' (اخرجه اصحاب السنن وغيرهم)

کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اور اس کو پکارنے سے تکبر کرنے والے شخص پر اس کا غضب لازم آتا ہے، سیدنا نعمان کی یہ حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ درج بالا حدیث کا معنی کے اعتبار سے قوی شاہد ہے۔

بعض صوفی لوگ جہالتِ علمی یا تجاہل عارفانہ کی وجہ سے ان احادیث سے غافل ہیں، کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا اس کی سوئے ادبی ہے، یہ لوگ درج ذیل اسرائیلی روایت سے متاثر ہیں:

عِلْمُهٗ بِحَالِيْ يُغْنِيْ عَنْ سُؤَالِهٖ ...... اللہ تعالیٰ کو میرے حال کا علم ہونا ہی میرے سوال سے کفایت کرتا ہے۔

ان بیچاروں کو پتہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے والے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی حاجات پر آگاہ کر رہا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى﴾ ...... ''وہ ہر ایک پوشیدہ اور پوشیدہ سے پوشیدہ تر چیز

کو بخوبی جانتا ہے۔'' (سورۂ طہٰ: ۷)

دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے سامنے بندگی و غلامی، حاجت و ضرورت اور فقر و فاقہ کا اظہار کیا جاتا ہے، میں نے ضعیفہ (۲۲) میں اس پر مزید وضاحت کی ہے۔ (صحیحہ: ٢٦٥٤)

کیا دعا تقدیر کو بدل سکتی ہے؟

(۳۰۳۹)۔ عَنْ سَلْمَانَ مَرْفُوْعًا: ((لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَلَا يَزِيْدُ فِي الْعُمْرِ إِلَّا الْبِرُّ.)) (الصحيحة: ١٥٤)

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دعا کے علاوہ کوئی چیز تقدیر کو رد نہیں کر سکتی اور نیکی ہی ہے جو عمر میں اضافہ کر سکتی ہے۔''

تخریج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٢٠، والطحاوي في "المشكل": ٤/ ١٦٩، وابن حيويه في "حديثه": ٣/ ٤/ ٢، وعبدالغني المقدسي في "الدعاء": ١٤٢-١٤٣

شرح:...... اگر قضا اور تقدیر سے مراد مکروہ چیز ہے، تو معاملہ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو دعا کرنے کی توفیق دی اور پھر اس دعا کی وجہ سے کسی مکروہ چیز کو ٹال دیا۔ اور یہ دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ کا مکروہ چیز کو ٹال دینا بھی تقدیر ہی ہے۔ اگر اس کے حقیقی معنی ہی مراد لیے جائیں تو اس کے معانی آسانی پیدا کرنے اور برداشت کرنے کی توفیق دینے کے ہوں گے، یعنی جب کوئی آدمی کسی آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے تو دعا کی برکت کی وجہ سے اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ آزمائش نازل ہی نہیں ہوئی۔

نیکی کی وجہ سے عمر میں اضافہ ہونا، یہ کیسے ممکن ہے، کیونکہ ہر ایک کی تاریخ وفات کا فیصلہ ہو چکا ہے؟

اس کے چار جوابات ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ تقدیر کی بعض صورتوں کو معلق رکھتے ہیں، جیسے اگر یہ بندہ نیک ہوا تو اس کی عمر اتنی ہو گی اور برا ہونے کی صورت میں اتنی، جبکہ اللہ تعالیٰ کو اس بندے کے نیک و بد ہونے کا علم ہوتا ہے۔

(۲) عمر میں اضافے سے مراد برکت کا حصول، عمل کی توفیق اور عمر کا ضائع نہ ہونا ہے۔ ان تین امور کی وجہ آدمی اپنی تھوڑی زندگی میں اتنا توشۂ آخرت تیار کر لیتا ہے کہ طویل عمریں پانے والے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایسی صورت کو کہا جا سکتا ہے کہ اس کی زندگی میں اضافہ ہو گیا ہے۔

(۳) عمر میں اضافے سے مراد اس شخص کے ذکر جمیل کا باقی رہنا ہے، یعنی نیکیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو دوسرے لوگوں میں نیک مشہور کر دیتا ہے، اس طرح عرصۂ دراز تک اس کی نیک نامی کا چرچا رہتا ہے۔

(۴) دوسرے اسباب کی طرح نیکیاں بھی طویل زندگی کا ایک سبب ہے، اللہ تعالیٰ جس شخص کو لمبی زندگی عطا کرنا چاہتا ہے تو اسے نیکیاں کرنے کی توفیق دیتا ہے، لیکن یہ اضافہ مخلوق کے اعتبار سے ہے، رہا اللہ تعالیٰ کے علم کا مسئلہ تو اس میں کوئی کمی بیشی واقع نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایسے ہی جیسے شفا کو زندگی کا سبب سمجھا جاتا ہے۔

افضل دعا

(٣٠٤٠)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَامِنْ دَعْوَةٍ يَدْعُوْ بِهَا الْعَبْدُ اَفْضَلَ مِنْ: اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْاَلُكَ الْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔)) (الصحيحة: ١١٣٨)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندے کی کوئی دعا اس دعا سے افضل نہیں ہے: اے اللہ! میں تجھ سے دنیا و آخرت میں خیریت و عافیت کا سوال کرتا ہوں۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ٢/ ٤٣٥، واحمد فی "الزهد": ٢٥٥ مرسلا

شرح: ...... اس دعا کا پڑھنا ثابت ہوا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْمُعَافَاةَ فِی الدُّنْيَا وُالْآخِرَةِ۔

(اے اللہ! میں دنیا و آخرت میں تجھ سے خیریت و عافیت کا سوال کرتا ہوں۔)

اگر انسان کو زندگی میں صحت و عافیت نصیب ہو جائے اور آخرت میں خیر و بھلائی، تو اس کے مطالبات و خواہشات کی تکمیل ہو جاتی ہے، اس دعا کی حقیقت کو سمجھ کر اسے اپنی زندگی کا معمول بنانا چاہیے۔

عافیت کی دعا کرنا

(٣٠٤١)۔ عَنْ عَبَّاسٍ ، اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِعَمِّهِ الْعَبَّاسِ: ((يَاعَمِّ ! اَكْثِرِ الدُّعَاءَ بِالْعَافِيَةِ۔)) (الصحيحة:١٥٢٣)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے میرے چچا جان! عافیت کی دعا بکثرت کیا کرو۔''

تخریج: أخرجه الطبراني: رقم ١١٩٠٨، والحاكم: ١/ ٥٢٩، والضياء في "المختارة" ٦٦/ ٨٦/ ١، وأخرجه البخاري فی "الادب المفرد": ٧٢٦، والترمذی: ٢/ ٢٦٦، واحمد: ١/ ٢٠٩ نحوه

شرح: ...... صحت و عافیت اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے، بلکہ تمام دنیوی نعمتوں سے مستفید ہونے کا اور اخروی کامیابی و کامرانی کا انحصار صحت و عافیت پر ہے۔

غم والم کی کیفیت ٹالنے کی دعا

(٣٠٤٢)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((كَلِمَاتُ الْفَرَجِ : لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ، لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ، لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔))

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ کلمات ہیں، جن سے کشادگی ہوتی ہے: نہیں کوئی معبودِ برحق مگر اللہ تعالی، وہ بردبار اور مہربان ہے، نہیں ہے کوئی معبودِ برحق مگر اللہ تعالی، وہ بلند و بالا اور عظمت والا ہے، نہیں ہے کوئی معبودِ برحق مگر اللہ تعالی، جو ساتوں آسمانوں کا

(الصحيحة:٢٠٤٥) رب اور عرش عظیم کا رب ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن أبي الدنيا في "الفرج بعد الشدة": ص١٣ و ١٤ ، والخرائطي في "مكارم الأخلاق": ص٨٨ ، وأخرجه احمد: ١/ ٣٣٩ من فعله ﷺ ، ورواه مسلم: ٨/ ٨٥ بلفظ: كان اذا حزبه أمر قال .... ، وزاد: ((لا اله الا الله رب العرش الكريم))

شرح: ...... معلوم ہوا کہ غم والم کی کیفیت ٹالنے اور آرام وسکون کی کیفیت حاصل کرنے کے لیے یہ ذکر کیا جائے:
لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ، لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ، لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔

غمگین کا غم دور کرنے کی دعا

(٣٠٤٣)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا أَصَابَ أَحَدًا قَطُّ هَمٌّ وَلَا حُزْنٌ ، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ! إِنِّي عَبْدُكَ ، وَابْنُ عَبْدِكَ ، وَابْنُ أَمَتِكَ ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَلَكَ ، سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ ، أَوْعَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ ، أَوْأَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ ، أَوِاسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ ، وَنُوْرَ صَدْرِيْ ، وَجَلَاءَ حُزْنِي ، وَذَهَابَ هَمِّيْ ، إِلَّا أَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهُ وَحُزْنَهُ ، وَأَبْدَلَهُ مَكَانَهُ فَرْجًا۔)) قَالَ: فَقِيْلَ : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَلَا نَتَعَلَّمُهَا؟ فَقَالَ: ((بَلٰى ، يَنْبَغِي لِمَنْ سَمِعَهَا أَنْ يَتَعَلَّمَهَا۔)) (الصحيحة:١٩٩)

سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی کسی کو کوئی فکر وغم اور رنج و ملال لاحق ہو اور وہ یہ دعا پڑھے: اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، میرے بارے میں تیرا حکم جاری ہے اور میرے بارے میں تیرا فیصلہ عدل والا ہے، میں تجھ سے تیرے ہر اس خاص نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو تو نے خود اپنا نام رکھا ہے یا اسے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھلایا ہے یا علم الغیب میں، اسے اپنے پاس رکھنے کو ترجیح دی ہے کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار اور میرے سینے کا نور اور میرے غم کو دور کرنے والا اور میرے فکر کو لے جانے والا بنا دے۔ تو اللہ تعالی اس کے فکر وغم اور رنج و ملال کو دور کر کے اس کے بدلے وسعت اور کشادگی عطا کرے گا۔'' کہا گیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم یہ کلمات سیکھ نہ لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں، ہر سننے والے کو یاد کر لینے چاہئیں۔''

تخريج: رواه أحمد: ٣٧١٢ ، والحارث بن أبي أسامة في "مسنده": ٢٥١ ـ من زوائده ، وأبويعلى: ١/ ١٥٦ ، والطبراني في "الكبير": ٣/ ٧٤/ ١ ، وابن حبان في "صحيحه": ٢٣٧٢ ، والحاكم: ١/ ٥٠٩

شرح:......درج ذیل دعا میں ہر قسم کی پریشانی کا حل ہے:

اَللّٰهُمَّ! اِنِّي عَبْدُكَ ، وَابْنُ عَبْدِكَ ، وَابْنُ اَمَتِكَ ، نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ ، اَسْاَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَلَكَ ، سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ ، اَوْعَلَّمْتَهُ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ ، اَوْاَنْزَلْتَهُ فِيْ كِتَابِكَ ، اَوِاسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ ، اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ ، وَنُوْرَ صَدْرِيْ ، وَجَلَاءَ حُزْنِيْ ، وَذَهَابَ هَمِّيْ۔

گھبراہٹ کے وقت کی دعا

(٣٠٤٤)۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، قَالَ: كَانَ ﷺ اِذَا حَزَبَهُ اَمرٌ قَالَ: ((يَاحَيُّ! يَا قَيُّوْمُ! بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ۔)) (الصحيحة:٣١٨٢)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب کوئی سنگین معاملہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ فرماتے: ”اے زندہ رہنے والے! اپنے بل پر قائم رہ کر اپنے ما سوا چیزوں کی حفاظت کرنے والے! میں تیری رحمت کے ذریعے تجھے مدد کے لیے پکارتا ہوں۔“

تخريج: أخرجه الترمذي: ٩/ ١٨٥/ ٣٥٢٤، وابن السني في ”عمل اليوم والليلة“: ١٠٩/ ٣٣٢۔ واللفظه له

(٣٠٤٥)۔ عَنْ ثَوْبَان ، اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا رَاعَهُ شَيْءٌ قَالَ: ((هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا۔)) (الصحيحة: ٢٠٧٠)

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کو کوئی چیز گھبرا دیتی تو فرماتے: ”وہ اللہ میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔“

تخريج: أخرجه النسائي في ”عمل اليوم والليلة“: ٦٥٧، وعنه ابن السني في ”عمل اليوم الليلة“: ٣٣٠، وأبو نعيم: ٥/ ٢١٩

(٣٠٤٦)۔ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ ، قَالَ قُلْنَا يَوْمَ الْخَنْدَقِ ، يَارَسُوْلُ اللّٰهِ! هَلْ مِنْ شَيْءٍ نَقُوْلُهُ قَدْ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ ، قَالَ: ((نَعَمْ ، اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا ، وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا۔)) قَالَ: فَضَرَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وُجُوْهَ أَعْدَائِهٖ بِالرِّيْحِ ، فَهَزَمَهُمُ اللّٰهُ بِالرِّيْحِ۔ (الصحيحة:٢٠١٨)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے خندق والے دن کہا: اے اللہ کے رسول! کیا کوئی ذکر ہے، جو ہم (اپنی بے چینی دور کرنے کے لیے) کریں، کلیجے تو منہ کو آ گئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جی ہاں، کہو: اے اللہ! ہماری خامیوں پر پردہ ڈال اور ہماری گھبراہٹوں کو امن دے۔“ پس اللہ تعالی نے دشمنوں پر (سخت اور تند و تیز) ہوا چلائی اور انھیں ہوا کے ذریعے شکست دے دی۔

تخريج: أخرجه أحمد:٣/ ٣، والبزار في ”مسنده“:٣١١٩۔كشف الأستار

شرح:...... سخت گھبراہٹوں کے وقت یہ دعا پڑھنی چاہئے:

اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا، وَآمِنْ رَّوْعَاتِنَا۔

کرب واذیت کے وقت کا ذکر

(۳۰۴۶م)۔ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَجْمَعُ اَهْلَ بَیْتِهٖ فَیَقُوْلُ: ((اِذَا اَصَابَ اَحَدَكُمْ غَمٌّ اَوْ كَرْبٌ فَلْیَقُلْ: اَللّٰهُ، اَللّٰهُ رَبِّیْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا۔)) (الصحیحة: ۲۷۵۵)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے اہل بیت کو جمع کرتے اور فرماتے: ''اگر کوئی غم اور پریشانی میں مبتلا ہو جائے تو وہ کہا کرے: اَللّٰهُ، اَللّٰهُ رَبِّیْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا۔ (اللہ، اللہ میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔''

تخریج: أخرجه ابن حبان فی "صحیحه": ۲۳٦۹ــــ موارد، والطبرانی فی "المعجم الأوسط": ۲/ ۲۲/ ۲/ ۵٤۲۳

مبتلائے مصیبت حضرت یونس علیہ السلام کی دعا پڑھے

(۳۰٤۷)۔ عَنْ سَعْدٍ قَالَ: كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: ((اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِشَیْءٍ اِذَا اُنْزِلَ بِرَجُلٍ مِّنْكُمْ كَرْبٌ اَوْ بَلَاءٌ مِنْ بَلَایَا الدُّنْیَا دَعَا بِهٖ یُفَرَّجُ عَنْهُ؟)) فَقِیْلَ لَهُ: بَلٰی، فَقَالَ: ((دُعَاءُ ذِی النُّوْنِ: ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ﴾ (الانبیاء:۸۷۔)) (الصحیحة: ۱۷٤٤)

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں ایسی دعا نہ بتلا دوں کہ جب کسی رنج و الم اور ابتلا و آزمائش میں مبتلا آدمی اسے پڑھے تو اس کی تکلیف دور ہو جائے؟'' کہا گیا: کیوں نہیں (ضرور بتلایئے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کی دعا ہے، (......) ﴿نہیں کوئی معبود برحق مگر تو ہی، تو پاک ہے، بلاشبہ میں ظالموں میں سے تھا﴾ (سورۂ انبیاء: ۸۷)۔''

تخریج: أخرجه الحاکم: ۱/ ۵۰۵ من طریق ابن أبي الدینا، وهذا في "الفرج بعد الشدة": صـ۱۰

شرح:...... حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں یہ دعا کی تھی:

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ﴾

اس دعا کی برکت سے اللہ تعالی نے ان کو سمندر میں تیرنے والی مچھلی کے پیٹ سے باہر نکال دیا تھا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی مشکل گھڑیوں میں اس دعا کا ورد کر کے اللہ تعالی کو پکارا کریں۔

بستی میں داخل ہونے کی دعا

(۳۰٤۸)۔ عَنْ اَبِیْ لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِالْمُنْذِرِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا اَرَادَ دُخُوْلَ

سیدنا ابولبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی گاؤں میں داخل ہونا چاہتے تو اس میں

قَرْيَةٍ لَمْ يَدْخُلْهَا حَتّٰى يَقُوْلَ: ((اَللّٰهُمَّ! رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ! وَرَبَّ الْاَرْضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ! وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا اَذْرَيْنَ! وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ! اِنِّي اَسْاَلُكَ خَيْرَهَا وَ خَيْرَ مَا فِيْهَا، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَافِيْهَا۔)) (الصحيحة:٢٧٥٩)

داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھتے تھے: ”اے اللہ! سات آسمانوں اور ان کے نیچے بسنے والی مخلوقات کے ربّ! سات زمینوں اور ان پر بسنے والی مخلوقات کے ربّ، ہواؤں اور اس میں اڑنے والی چیزوں کے ربّ، شیطانوں اور ان کی وجہ سے گمراہ ہونی والی مخلوقات کے ربّ! میں تجھ سے اس گاؤں کی خیر اور جو کچھ اس میں ہے، اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں تیری پناہ چاہتا ہے، اس گاؤں کی شرّ سے اور جو کچھ اس میں ہے، اس کی شرّ سے۔“

تخریج: أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط": ٢/ ١٤/ ٢/ ٧٦٦٧

شرح: ...... معلوم ہوا کی کسی بستی میں داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھی جائے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ، وَرَبَّ الْاَرْضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقَلَّتْ، وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا اَذَرَّتْ، وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضَلَّتْ، اِنِّي اَسْاَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَافِيْهَا، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَافِيْهَا۔

بازار میں داخل ہونے کی دعا

(٣٠٤٩)۔ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ دَخَلَ سُوْقًا مِنَ الْاَسْوَاقِ فَقَالَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ اَلْفَ اَلْفِ حَسَنَةٍ، وَمَحَاعَنْهُ اَلْفَ اَلْفِ سَيِّئَةٍ۔)) (الصحيحة: ٣١٣٩)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ”جس آدمی نے بازار میں داخل ہوتے وقت کہا: صرف اللہ ہی معبودِ برحق ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو اللہ تعالی اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے اور اس کی دس لاکھ برائیاں مٹا دیتا ہے۔“

تخریج: أخرجه الطبراني في "الدعاء": ٢/ ١١٦٧/ ٧٩٣، وعبد الله بن احمد في "زوائد الزهد": صـ ٢١٤

شرح: ...... اللہ تعالی رحمت کے لامتناہی خزینوں کا مالک ہے، جہاں لوگوں کے مطالبات اور خواہشات کی انتہا ہوتی ہے، وہاں اللہ تعالی کی عطا کی ابتدا بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے اس حدیث میں جو اجر وثواب بیان کیا گیا ہے، اس پر کسی کو کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں چاہئے کہ بازار میں داخل ہوتے وقت رغبت کے ساتھ یہ دعا پڑھیں:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

مبتلائے مصیبت کو دیکھ کر پڑھی جانے والی دعا

(٣٠٥٠)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ رَاٰى مُبْتَلًى فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ، وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلاً۔ لَمْ يُصِبْهُ ذٰلِكَ الْبَلَاءُ۔)) (الصحيحة:٦٠٢)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی مصیبت زدہ آدمی کو دیکھ کر کہا: ساری تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے اس بیماری سے نجات دلائی جس میں تو مبتلا ہے اور اپنی کثیر مخلوق پر مجھے فضیلت دی۔ تو اسے یہ مصیبت لاحق نہیں ہوگی۔''

تخریج: أخرجه الترمذی: ٢/ ٢٥٣، وابن عدی فی"الكامل": ٤/ ١٤٣، ٦/ ٣٧٨

شرح:...... کسی مصیبت زدہ آدمی کو دیکھ کر یہ دعا پڑھنی چاہئے، تاکہ اللہ تعالی کا شکر یہ بھی ادا ہو جائے اور اس بیماری سے نجات بھی مل جائے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ، وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلاً۔

سفر میں سحری کے وقت کی دعا

(٣٠٥١)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ ﷺ اِذَا كَانَ فِي سَفَرٍ، فَاَسْحَرَ يَقُوْلُ: ((سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَحُسْنِ بَلَائِهِ عَلَيْنَا، رَبَّنَا صَاحِبْنَا، وَاَفْضِلْ عَلَيْنَا، عَائِذًا بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ۔)) (الصحيحة:٢٦٣٨)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر میں ہوتے اور سحری کا وقت ہوتا تو فرماتے: ''سننے والے نے اللہ تعالی کی تعریف اور ہم پر اس کی حسنِ نعمت کی تشہیر کی، اے ہمارے ربّ! ہمارا ساتھی بن جا، ہم پر مہربانی فرما، اس حال میں کہ میں آگ سے بچنے کے لیے اللہ تعالی کی پناہ مانگ رہا ہوں۔''

تخریج: أخرجه مسلم: ٨/ ٨٠، وأبوداود: ٥٠٨٦، وابن خزيمة فی"صحيحه": ٢٥٧١، وابن حبان: ٤/ ١٦٨/ ٢٦٩٠، وابن السنی فی"عمل اليوم والليلة": ٥٠٨ من طريق النسائی، وهذا فی"السنن الكبری": ٥/ ٢٥٧/ ٨٨٢٨، والحاكم: ١/ ٤٤٦، وعنه البيهقی فی"الدعوات الكبير": ٢/ ١٨٧

شرح:...... آج کل ہم اس قسم کے آدابِ نبوی سے قطعی طور پر غافل ہیں۔ رات کو گاڑیوں میں سفر کرنے والے سحری کے وقت سو رہے ہوتے ہیں یا وڈیو فلم دیکھ رہے ہوتے ہیں یا پھر کسی اور خیال میں گم ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ تو دورانِ سفر سواری پر نفلی نماز پڑھتے رہتے تھے اور سحری کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:

سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَحُسْنِ بَلَائِهِ عَلَيْنَا، رَبَّنَا صَاحِبْنَا، وَاَفْضِلْ عَلَيْنَا، عَائِذًا بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ۔

سخت ہوا چلتے وقت کی دعا

(۳۰۵۲)۔ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ، قَالَ: كَانَ ﷺ إِذَا اشْتَدَّتِ الرِّيْحُ يَقُوْلُ: ((اَللّٰهُمَّ لَقِحًا لَا عَقِيْمًا۔)) (الصحيحة: ۲۰۵۸)

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سخت ہوا چلتی تو فرماتے: ''اے اللہ! یہ ہوائیں مفید (یعنی نر اور مادہ درختوں کو باردار کرنے والی اور بارش برسانے والی) ہوں نہ کہ عدم افادیت والی۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ۷۱۸، والطبراني في "الكبير": ۷/ ۳۷، و "الأوسط": ۱/ ۱۶۱/ ۳۰۰۵، وابن السني في "عمل اليوم والليلة": ۲۹۴، والحاكم في "المستدرك": ٤/ ۲۸٦

(۳۰۵۳)۔ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ ﷺ إِذَا هَاجَتْ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ قَالَ: ((اَللّٰهُمَّ إِنِّي اَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَاأُرْسِلَتْ بِهِ۔)) (الصحيحة: ۲۷۵۷)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تند و تیز ہوا چلتی تو آپ ﷺ فرماتے: ''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس کی بھلائی کا اور اس چیز کی بھلائی کا جس کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس چیز کی شرّ سے جس کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے۔''

تخريج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ۷۱۷، والطحاوي في "مشكل الآثار": ۱/ ٤۰۰، وأبو يعلى في "مسنده": ۲/ ۷٦۳

شرح:...... تند و تیز ہوائیں اور آندھیاں چلتے وقت یہ دعائیں پڑھنی چاہئیں:

اَللّٰهُمَّ لَقِحًا لَا عَقِيْمًا۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي اَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَاأُرْسِلَتْ بِهِ۔

خطرے والی ہوا کے وقت کی دعا

(۳۰۵٤)۔ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ مَرْفُوْعًا: ((لَاتَسُبُّوْا الرِّيْحَ، فَإِذَا رَأَيْتُم مَاتَكْرَهُوْنَ فَقُوْلُوْا: اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيْحِ، وَخَيْرِ مَافِيْهَا، وَخَيْرِ مَاأُمِرَتْ بِهِ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّيْحِ، وَشَرِّ مَافِيْهَا، وَشَرِّ مَاأُمِرَتْ بِهِ۔)) (الصحيحة: ۲۷۵٦)

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہوا کو برا بھلا مت کہو، پس جب تم ایسی (آندھی) دیکھو جو تمہیں ناپسند ہو، تو یہ دعا پڑھو: اے اللہ! ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی کا اور اس بھلائی کا جو اس میں ہے اور اس بھلائی کا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے، تجھ سے سوال کرتے ہیں اور ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس ہوا کی برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو اس میں ہے اور اس برائی سے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔''

تخریج: قد اختلف علی ابی بن کعب فی رفعه، وفی ذکر الراوی "ذر" فی سنده، أما الرفع فأخرجه الترمذی: ۲۲۵۳، والنسائی فی "عمل الیوم": ۵۲۱/ ۹۳٤، والنسائی: ۲۵۱/ ۹۳٤

شرح:...... ہوائیں اور آندھیاں محض اللہ تعالی کے حکم کی پابند ہیں، لہٰذا ان کو برا بھلا کہنا اللہ تعالی پر اعتراض کرنے کے مترادف ہے۔ ہاں ممکن ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے ایسی ہواؤں میں کوئی شرّ یا خیر مضمر ہو، اس لیے خیر کا سوال کیا جائے اور شرّ سے پناہ طلب کی جائے۔

دعا بعد از وضو

(٣٠٥٥)۔ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ كَمَا أُنْزِلَت كَانَتْ لَهُ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، مِنْ مَقَامِهِ إِلٰى مَكَّةَ ، وَمَنْ قَرَأَ عَشَرَ آيَاتٍ مِنْ آخِرِهَاثُمَّ خَرَجَ الدَّجَّالُ لَمْ يَضُرَّهُ ، وَمَنْ تَوَضَّأَ فَقَالَ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ، كُتِبَ فِيْ رَقٍّ ، ثُمَّ جُعِلَ فِيْ طَابِعٍ ، فَلَمْ يُكْسَرْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة: ٢٦٥١)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے سورۂ کہف کی تلاوت کی، جس طرح وہ نازل ہوئی، تو یہ سورت روزِ قیامت پڑھنے والے کے لیے اس کی اقامت گاہ سے مکہ تک نور کا سبب بنے گی اور جس نے اس سورت کی آخری دس آیات پڑھیں اور پھر دجال نکل آیا تو اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا اور جس نے وضو کر کے یہ دعا پڑھی: اے اللہ! تو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ، میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی معبودِ برحق ہے، میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ تو یہ کلمات ورق میں لکھوا کر ایک مہر شدہ (حفاظت گاہ) میں رکھ دیے جاتے ہیں، جسے قیامت کے دن تک نہیں توڑا جا سکتا۔''

تخریج: أخرجه النسائی فی "عمل الیوم واللیلة": ۸۱ و۹۵۲، والطبرانی فی "الأوسط": ۱/ ۵/ ۱ و الحاکم: ۱/ ٥٦٤

شرح:...... اس میں سورۂ کہف کی مکمل اور آخری دس آیات کی تلاوت اور وضو کے بعد ایک دعا کی فضیلت کا بیان ہے۔ دوسری احادیث میں سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات کا ذکر ہے اور وہی راجح ہیں۔ ''سورۂ کہف کی فضیلت'' کے عنوان کا مطالعہ کریں۔

(٣٠٥٦)۔ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ تَوَضَّأَ ثُمَّ قَالَ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ كُتِبَ

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے وضو کیا اور کہا: تو پاک ہے، اے اللہ! اپنی تعریفوں کے ساتھ، نہیں کوئی معبودِ برحق مگر تو ہی، میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا

فِي رَقٍّ ، ثُمَّ طُبِعَ بِطَابِعٍ ، فَلَمْ يُكْسَرْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة: ٢٣٣٣)

ہوں۔تو ان کلمات کو ایک کاغذ میں لکھ کر اس پر مہر لگا دی جاتی ہے، اسے روزِ قیامت تک نہیں پھاڑا جا سکے گا۔"

تخريج: أخرجه النسائي في "اليوم الليلة": رقم ٨١، والحاكم: ١/ ٥٦٤، والضياء في "المنتقى من مسموعاته بمرو": ٦٨/ ١

شرح:...... وضو کے بعد کی عام دعا" اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ......" کے بعد درج ذیل فضیلت والی دعا بھی پڑھنی چاہیے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

لشکر کو الوداع کہنے کی دعا

(٣٠٥٧)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدِ الْخَطْمِيِّ ، قَالَ: كَانَ ﷺ إِذَا وَدَّعَ الْجَيْشَ قَالَ: ((اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ ، وَاَمَانَتَكُمْ ، وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ۔))

(الصحيحة: ١٦٠٥)

سیدنا عبد اللہ بن زید خطمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر کو الوداع کرتے تو فرماتے: "میں تمھارے دین، تمھاری امانت اور تمھارے اعمال کے خاتموں کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔"

تخريج: أخرجه المحاملي في "الدعاء": ق ٣٠/ ٢، وقد تقدم هذا الحديث في الصحيحه برقم: ١٥

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: بڑا افسوس ہے کہ اس نبوی ادب کو فراموش کیا جا چکا ہے اور عصرِ حاضر کے قائدین کے ہاں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ آج کل موسیقی کے آلات میں نغمے پڑھ کر لشکروں کو الوداع کہا جاتا ہے۔ ائمہ اربعہ نے تو احادیث کی موافقت کرتے ہوئے موسیقی کے آلات کو حرام سمجھا ہے، البتہ ابن حزم نے جواز کا فتوی پیش کیا ہے، بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں ابن حزم کی تقلید کرتے ہوئے اور دوسرے کچھ مسائل میں ان سے مذاق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالی سے ہی شکوہ ہے کہ اِس دور میں اسلام اتنا اجنبی کیوں ہو گیا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے والوں کی تعداد میں کمی کیوں آ گئی ہے؟

یہ بات انتہائی قابل توجہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں سلف کا اختلاف نظر آتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنی خواہش کو ترجیح دیتے ہوئے اس کے موافق قول کو اپنا لیں، بلکہ اللہ تعالی کے اس فرمان کو سامنے رکھنا چاہیے: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (سورۂ نساء: ٥٩) ......"اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف پڑ جائے تو اسے اللہ تعالی اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ تعالی اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔"

لیکن مسلمانوں کے رویے سے ایسے معلوم ہوتا ہے، جیسے ان کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔ واللہ المستعان۔ (صحیحہ: ۱۶۰۵)

تجدید ایمان کی دعا اور وجہ

(۳۰۵۸)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَخْلَقُ فِي جَوْفِ اَحَدِكُمْ كَمَا يَخْلَقُ الثَّوْبُ، فَاسْاَلُوْا اللّٰهَ اَنْ يُجَدِّدَ الْاِيْمَانَ فِي قُلُوْبِكُمْ۔))

(الصحيحة:١٥٨٥)

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کپڑے کی بوسیدگی کی طرح ایمان بھی تمھارے دل کے اندر بوسیدہ ہو جاتا ہے، اللہ تعالی سے سوال کیا کرو کہ وہ تمھارے دلوں میں ایمان کی تجدید کرتا رہے۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ١/ ٤، والطبراني في "الكبير"

شرح:...... بلاشک وشبہ انسان زمان و مکان کے مختلف حالات و حوادث سے متأثر ہوتا ہے، بالخصوص اس دور میں جہاں خباثتوں اور نجاستوں کے بھوت رقص کناں ہوں۔ جب مومن حالات سے متأثر ہوتا ہے تو اس کے ایمان میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے میں چاہئے کہ مختلف نیکیوں کے ذریعے اور خاص طور پر خلوت اختیار کر کے اللہ تعالی سے ہم کلام ہو کر اس کو راضی کیا جائے اور ماضی کی کوتاہیاں مدنظر رکھ کر مستقبل میں راہِ مستقیم پر گامزن رہنے کا عزمِ مصمم کیا جائے۔

سواری کی دعا

(۳۰۵۹)۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيْعَةَ: اَنَّهُ كَانَ رَدِفًا لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي الرِّكَابِ قَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ، فَلَمَّا اسْتَوٰى عَلٰى ظَهْرِ الدَّابَّةِ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (ثَلَاثًا)، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ (ثَلَاثًا)، ﴿سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ﴾ (الزُّخْرُفُ:١٣) الآيَة۔ ثُمَّ قَالَ: لَااِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ، اِنِّي قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوبِي، اِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ثُمَّ مَالَ اِلٰى اَحَدِ شِقَّيْهِ

علی بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ان کی سواری پر ردیف تھا، انھوں نے جب اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تو کہا: "بِسْمِ اللّٰه" اور جب سواری کی پیٹھ پر اطمینان سے بیٹھ گئے تو کہا: تمام تعریف اللہ کے لیے ہے، (تین دفعہ) اور اللہ سب سے بڑا ہے، (تین دفعہ) ﴿اللہ پاک ہے جس نے یہ (سواری) ہمارے لیے مسخر کر دی، وگرنہ ہم تو اس پر قابو پانے والے نہیں تھے۔﴾ (سورۂ زخرف: ۱۳) پھر کہا: نہیں کوئی معبودِ برحق مگر تو ہی، تو پاک ہے، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا، تو میرے گناہ بخش دے، بے شک تو ہی گناہوں کو بخشنے والا ہے۔ پھر ایک جانب جھکے اور ہنس پڑے۔ میں نے

فَضَحِكَ، فَقُلْتُ: يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَا يُضْحِكُكَ؟ قَالَ: إِنِّي كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ ﷺ فَصَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَمَا صَنَعْتُ فَسَأَلْتُهُ كَمَا سَأَلْتَنِي، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ لَيَعْجَبُ إِلَى الْعَبْدِ إِذَا قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، إِنِّي قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِي، فَاغْفِرْلِي ذُنُوْبِي، إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ، قَالَ: عَبْدِي عَرَفَ إِنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ وَ يُعَاقِبُ۔)) (الصحيحة:١٦٥٣)

پوچھا: اے امیر المومنین! آپ کیوں ہنسے ہیں؟ انھوں نے کہا: میں نبی کریم ﷺ کا ردیف تھا، آپ ﷺ نے ایسے ہی کیا جیسے میں نے کیا، پھر میں نے آپ ﷺ سے سوال کیا، جیسے تو نے مجھ سے کیا ہے، تو آپ ﷺ نے مجھے جواب دیا: ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر تعجب کرتا ہے جب وہ کہتا ہے: نہیں کوئی معبودِ برحق مگر تو ہی، میں نے اپنی جان پہ ظلم کیا، تو میرے گناہ بخش دے، بیشک تو ہی گناہوں کو بخشنے والا ہے۔ (بندے کے یہ کلمات سن کر) اللہ تعالیٰ کہتا ہے: میرے بندے نے پہچان لیا ہے کہ اس کا ایک ربّ ہے جو اسے بخش بھی سکتا ہے اور معاف بھی کر سکتا ہے۔“

تخریج: أخرجه الحاكم: ٢/ ٩٨، وأخرج ابوداود: ٢٦٠٢، والترمذي: ٢/ ٢٢٥، واحمد: ١/ ٩٧ نحوه باختصار

شرح:...... ہمارے ہاں عام طور پر سوار ہوتے وقت صرف آیت کی تلاوت کی جاتی ہے، لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سواری کی مکمل دعا یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ، اللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَر ﴿سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ﴾ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ، إِنِّيْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ۔

نیز معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ اس کا بندہ اس سے مغفرت طلب کرے۔

پسندیدہ یا ناپسندیدہ چیز دیکھتے وقت کی دعا

(٣٠٦٠)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ ﷺ إِذَا رَأٰى مَا يُحِبُّ، قَالَ: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ۔)) وَإِذَا رَأٰى مَا يَكْرَهُهُ، قَالَ: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔)) (الصحيحة:٢٦٥)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب پسندیدہ چیز دیکھتے تو فرماتے: ”ساری تعریف اللہ کے لیے ہے، جس کی نعمتوں سے نیک کام پورے ہوتے ہیں۔“ اور جب کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھتے تو فرماتے: ”ساری تعریف اللہ کے لیے ہے، ہر حال میں (یعنی ہر حال میں اللہ کا شکر ہے)۔“

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ٢/ ٤٢٢، وابن السني: ٣٧٢، والحاكم: ١/ ٤٩٩، ابن عساكر في "التاريخ":

٢/٤١١/ ١، ١٥/ ٢/٢٥٥

شرح:...... جب کوئی پسندیدہ چیز نظر آئے تو یہ دعا پڑھی جائے:
اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ۔
اور جب کوئی ناپسندیدہ اور مکروہ چیز نظر آئے تو یہ دعا پڑھی جائے:
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔

ہلال دیکھنے کی دعا

(٣٠٦١)۔ عَنْ طَلْحَةَ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ كَانَ ﷺ إِذَا رَاَى الْهِلَالَ قَالَ: ((اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالْإِيْمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ۔)) (الصحيحة: ١٨١٦)

سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نیا چاند دیکھتے تو فرماتے: ''اے اللہ! تو اسے ہم پر طلوع کر امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ، (اے چاند!) میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔''

تخريج: رواه الترمذي: ٢/ ٢٥٦، والحاكم: ٤/ ٢٨٥، وأحمد: ١/ ١٦٢، وأبويعلي: ١/ ١٩١، وعنه ابن السني في "عمل اليوم والليلة": ٦٣٥، والديلمي: ٢/ ٤، والعقيلي: ١٨٢، وابن أبي عاصم في "السنة": ٣٧٦، والضياء في "الختارة": ١/ ٢٧٩

شرح:...... نیا چاند دیکھ کر یہ دعا پڑھنی چاہیے:
اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالْإِيْمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ۔ "بِالْاَمْنِ وَالْإِيْمَانِ" کے الفاظ بھی ثابت ہیں۔

چاند سے پناہ مانگنا اور اس کی وجہ

(٣٠٦٢)۔ عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَخَذَ بِيَدِهَا، فَاَشَارَ بِهَا إِلَى الْقَمَرِ، فَقَالَ: ((إِسْتَعِيْذِيْ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذَا، فَإِنَّهُ الْغَاسِقُ إِذَا وَقَبَ۔)) (الصحيحة: ٣٧٢)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس کے ساتھ چاند کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ''اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کر، ﴿غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ﴾ سے یہی مراد ہے۔''

تخريج: أخرجه الترمذى: ٢/ ٢٤١، والطحاوى فى "المشكل": ٢/ ٣١٠، وابن السنى فى "عمل اليوم والليلة": ٦٤٢، والحاكم: ٢/ ٥٤٠-٥٤١، والطيالسى: ١٤٨٦، وأحمد: ٦/ ٦١، ٢٠٦، ٢٣٧، والنسائى فى "سننه الكبرى"

شرح:...... پوری آیت یہ ہے: ﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ﴾ ...... ''اور اندھیری رات کی تاریکی کی شر سے

پناہ مانگتا ہوں، جب اس کا اندھیرا پھیل جائے۔''

لیکن اس حدیث میں ﴿غاسق﴾ سے مراد چاند لیا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے دراصل چاند کے گرہن سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالی کی یہ نشانی مصیبت و آزمائش کے نازل ہونے پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی گرہن کے ذریعے لوگوں کو ڈراتا ہے۔ ......اس طرح ''غاسق'' سے مراد وہ چاند ہے، جو گرہن کی وجہ سے کالا ہو جاتا ہے یا غائب ہونے لگتا ہے اور ''وقب'' کے معانی گرہن لگنے یا غائب ہونے کے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اذا وقب'' کے معانی چاند کا مہینے کے آخر میں داخل ہونے کے ہیں اور اس وقت میں جادو مکمل ہوتا ہے، جو بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔ یہ معنی سورۂ فلق کے نزول سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ اس سورت میں ''غاسق'' سے مراد رات ہے، جب مشرق سے اس کے اندھیرے متوجہ ہونا شروع ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ''غاسق'' سے مراد ثریا ستارہ ہے جب وہ گر کر غائب ہو جاتا ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت بہت ساری بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، جو اس ستارے کے طلوع ہونے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہیں۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں کہا: میرے نزدیک یہ قول اقرب الی الصواب ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ ''غاسق'' یعنی تاریک ہونے والی چیز سے پناہ طلب کریں، وہ چھا جانے والی رات بھی ہو سکتی ہے اور غائب ہونے والا ستارہ بھی اور گہن آلود ہو کر تاریک ہونے والا چاند بھی۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ''غاسق'' عام ہے، اس کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی، اس لیے وہ ہر معنی کو شامل ہے۔ (ملخص از تحفۃ الاحوذی: ٤/ ٢٢١، ٢٢٢)

بارش کے لیے الٹے ہاتھوں دعا کرنا

(٣٠٦٣)۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ ﷺ إِذَا دَعَا (يَعْنِي: فِي الْإِسْتِسْقَاءِ) جَعَلَ ظَاهِرَ كَفَّيْهِ مِمَّا يَلِي وَجْهَهُ۔ (الصحيحة: ٢٤٩١)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب (نمازِ استسقا میں) دعا کرتے تو ہاتھوں کی پشت چہرے کی طرف کرتے۔

تخریج: أخرجه أبو يعلى في "مسنده": ق١٦٧/ ٢۔ مكتب٢، وأخرجه مسلم: ٣/ ٢٤، و احمد: ٣/ ١٥٣ بلفظ: ان النبي ﷺ استسقى فأشار بظهر كفيه الى السماء۔

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام مالک نے اس حدیث پر عمل کیا ہے اور اس کے مطابق فتوی دیا ہے، جیسا کہ ابن قاسم کی کتاب (المدونة: ٢/ ١٥٨) میں ہے۔ (صحيحه: ٢٤٩١)

کن لوگوں کی دعائیں مقبول ہیں؟

(٣٠٦٤)۔ عَنْ أَنَسٍ مَرْفُوْعًا: ((ثَلَاثُ دَعْوَاتٍ لَا تُرَدُّ: دَعْوَةُ الْوَالِدِ، وَدَعْوَةُ الصَّائِمِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ۔))

(الصحيحة:١٧٩٧)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین دعائیں رد نہیں کی جاتیں: والد کی دعا، روزے دار کی دعا اور مسافر کی دعا۔''

تخريج: رواه البيهقي: ٣/ ٣٤٥، والضياء في "المختارة": ١٠٨/ ١ وفي "المنتقي من مسموعاته بمرو": ٩١/ ١

شرح:...... اللہ تعالی جس شخص کو جو موقع عطا فرمائے، اسے اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے دعائیں کرنی چاہئیں۔ اللہ تعالی نے سفر کی صعوبتوں کو مختلف وسائل کے ذریعے بہت آسان کر دیا ہے، ہمیں چاہئے تھا کہ ان آسانیوں پر اللہ تعالی کا شکریہ ادا کرتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سواریوں پر نفلی نماز ادا کرتے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا اور ہم پر اکتاہٹ اور بوریت چھا گئی، اب ہم دورانِ سفر اپنی بوریت کو دور کرنے اور وقت گزارنے کے لیے وی سی آر، سی ڈی پلیئر، ٹیپ ریکارڈر جیسے مختلف شیطانی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ یہ تو بنو اسرائیل والی ناشکری لگتی ہے۔

(٣٠٦٥)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((ثَلَاثَةٌ لَا يَرُدُّ دُعَاؤُهُمْ: الذَّاكِرُ اللّٰهَ كَثِيرًا، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ، وَالْإِمَامُ الْمُقْسِطُ))۔ (الصحيحة:ط ١٢١١)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین افراد کی دعائیں رد نہیں ہوتیں: اللہ تعالی کا کثرت سے ذکر کرنے والے (کی دعا)، مظلوم کی دعا اور انصاف پرور امیر کی دعا۔''

تخريج: أخرجه البيهقي في "الشعب" ٢/ ٣٩٩/ ١

دعا افضل عبادت ہے

(٣٠٦٦)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا: ((أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الدُّعَاءُ۔))

(الصحيحة:١٥٧٩)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دعا کرنا افضل عبادت ہے۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ١/ ٤٩١

شرح:...... کوئی بڑے سے بڑا سرکش اور باغی انسان بھی جب اللہ تعالی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہے تو اسے چاہتے نہ چاہتے ہوئے عاجزی وانکساری کا اظہار بھی کرنا پڑتا ہے اور دعا کے دوران ہی اسے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایک ہستی ایسی بھی ہے جس کے سامنے اسے بھی اپنی گردن میں خم لانا پڑ گیا ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالی کو بھی یہ بات بڑی پسند ہے کہ بندہ اس سے مانگے۔ اللہ تعالی سے مانگتے وقت جو کیفیت بندے پر طاری ہوتی ہے، شاید وہ کسی دوسری عبادت میں محسوس نہ کی جاتی ہو۔

تنگی رزق کے وقت کی دعا

(٣٠٦٧)۔ عَنْ مُرَّةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: اَصَابَ النَّبِيَّ ﷺ ضَيْفًا، فَاَرْسَلَ اِلٰى اَزْوَاجِهِ يَبْتَغِي عِنْدَهُنَّ طَعَامًا، فَلَمْ يَجِدْ عِنْدَ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ، فَقَالَ: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ، فَاِنَّهُ لَا يَمْلِكُهَا اِلَّا اَنْتَ۔)) فَاُهْدِيَتْ لَهُ شَاةٌ مَصْلِيَّةٌ، فَقَالَ: ((هٰذِهِ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ، وَنَحْنُ نَنْتَظِرُ الرَّحْمَةَ۔))

(الصحيحة:١٥٤٣)

سیدنا مرہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا، آپ ﷺ نے کھانا لانے کے لیے ایک آدمی کو اپنی بیویوں کے پاس بھیجا، لیکن کسی کے پاس کھانا نہ ملا، سو آپ ﷺ نے یہ دعا کی: ”اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل اور رحمت کا سوال کرتا ہوں، کیونکہ تو ہی اپنی رحمت کا مالک ہے۔“ آپ ﷺ کے پاس (جلد ہی) بھونی ہوئی بکری کا تحفہ لایا گیا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ اللہ کا فضل ہے اور ہم اس کی مزید رحمت کا انتظار کر رہے ہیں۔“

تخريج: أخرجه أبونعيم في "الحلية" ٥/ ٣٦ و ٧/ ٢٣٩ من طريق الطبراني وهذا في "المعجم الكبير": رقم ١٠٣٧٩

شرح:...... یہ دو جہانوں کے سردار کی معاشی کیفیت ہے، اگر اس دنیا کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر و قیمت ہوتی تو یقیناً آپ ﷺ کو بھی وسعت کے ساتھ رزق فراہم کیا جاتا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زندگی کا مقصد سمجھیں اور وقت کی گراں مایہ گھڑیوں کا جائزہ لیں اور دنیا کی رنگینیوں میں ہی غوطہ زن ہو کر اپنی حیات کی غرض و غایت سے غافل نہ ہو جائیں۔

غصہ دور کرنے کی دعا

(٣٠٦٨)۔ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ: اِسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَجَعَلَ اَحَدُهُمَا يَغْضَبُ، وَيَحْمَرُّ وَجْهُهُ، فَنَظَرَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ: ((اِنِّي لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا: لَذَهَبَ عَنْهُ مَايَجِدُ، لَوْ قَالَ: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔)) قَالَ: فَقَامَ اِلَى الرَّجُلِ رَجُلٌ مِمَّنْ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: اَتَدْرِي مَاقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ آنِفًا؟ قَالَ: ((اِنِّي لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْقَالَهَا لَذَهَبَ

سیدنا سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے پاس دو آدمی باہم گالی گلوچ کرنے لگے، ان میں سے ایک کو غصہ آیا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، نبی کریم ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: ”مجھے ایسے کلمے کا علم ہے کہ اگر یہ آدمی کہے تو جو غصہ محسوس کر رہا ہے، وہ ختم ہو جائے گا۔ (اور وہ کلمہ یہ ہے): اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔“ نبی کریم ﷺ کی یہ بات سننے والا ایک آدمی کھڑا ہوا اور اسے کہا: کیا تو جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابھی کیا فرمایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر

عَنْهُ مَا يَجِدُ، لَوْقَالَ: اَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔)) فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: اَمَجْنُوْنًا تَرَانِيْ؟ (الصحيحة:۳۳۰۳)

یہ آدمی کہہ دے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے گا، (اور وہ ہے:) اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ۔'' آگے سے وہ آدمی کہنے لگا: آپ مجھے پاگل سمجھتے ہیں؟

تخریج: جاء من حديث سليمان بن صرد، ومعاذ، وابن مسعود، ابی بن کعب۔

(۱)۔ أما حديث سليمان بن صرد: فأخرجه البخاري في "صحيحه": ۳۲۸۲، ۶۰۴۸، ۶۱۱۵، وفي "الأدب المفرد": ۴۳۴، ومسلم في "صحيحه": ۸/ ۳۱، وابن أبي شيبة: ۸/ ۵۳۳، ۱۰/ ۳۴۹۔ ۳۵۰، وأحمد: ۶/ ۳۹۴، وأبوداود: ۴۷۸۱

(۲)۔ وأما حديث معاذ: فرواه أبوداود: ۴۷۸۰، والترمذي: ۳۴۴۸، والنسائي في "عمل اليوم والليلة": ۳۸۹، ۳۹۰، وابن السني: ۴۵۴، وابن أبي شيبة: ۸/ ۵۳۴، ۱۰/ ۳۵۰، و الطيالسي: ۵۷۰، وأحمد: ۵/ ۲۴۰

(۳)۔ وأما حديث ابن مسعود: فأخرجه الطبراني في "الصغير": ۲/ ۹۱ و"الأوسط": ۷۰۲۲، ومن طريقه الخطيب في "تاريخه": ۳/ ۳۹۹

(۴)۔ وأما حديث أبي بن كعب: فرواه النسائي في "عمل اليوم والليلة": ۳۹۱

شرح:...... معلوم ہوا کہ غصہ دور کرنے کے لیے "اَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ "پڑھنا چاہئے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ اس آدمی نے کہا: کیا میں پاگل ہوں؟ چلا جا۔

سوال یہ ہے کہ اس شخص نے آپ ﷺ کی حدیث سن کر اس قسم کے الفاظ کیوں کہے ہیں؟ حافظ ابن حجر نے جواب دیتے ہوئے کہا: ممکن ہے کہ یہ شخص کافر یا منافق ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مسلمان ہو لیکن شدید غصے کی وجہ سے اعتدال کو برقرار نہ رکھ سکا ہو یا کوئی اکھڑ مزاج اور اجڈ بدو ہو اور اسے یہ علم نہ ہو کہ اس قسم کے غصے کا تعلق بھی شیطان کے شرّ سے ہے۔ (فتح الباری: ۱۰/ ۵۷۳)

معلوم ایسے ہوتا ہے کہ وہ اپنے طبعی جذبات کی وجہ سے اپنے غصے پر قابو نہ پا سکا اور حدیثِ رسول کے بارے میں یہ کلمات کہہ دیے، کیونکہ شدید غصہ بھی جنون سے ملتی جلتی چیز ہے۔

ادائیگی قرض کی دعا

(۳۰۶۹)۔ عَنْ اَبِي وَائِلٍ، قَالَ: اَتٰى عَلِيًّا رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! اِنِّي عَجَزْتُ عَنْ مُكَاتَبَتِي فَاَعِنِّيْ۔ فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: اَلَا اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ

ابو وائل کہتے ہیں ایک آدمی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: اے امیر المومنین! میں اپنی مکاتبت سے عاجز آ گیا ہوں، آپ میری مدد کریں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تجھے وہ کلمات نہ سکھا دوں، جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے سکھائے،

عَلَّمَنِيهِنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْكَانَ عَلَيْكَ مِثْلُ جَبَلِ صَيْرٍ دَنَانِيْر، لَادَّاهُ اللّٰهُ عَنْكَ؟ قُلْتُ: بَلٰى۔ قَالَ: قُلْ ((اَللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔)) (الصحيحة: ٢٦٦)

اگر تجھ پر صیر پہاڑ کے برابر دیناروں کا قرضہ وغیرہ بھی ہوا تو اللہ تعالی ادا کر دے گا؟ اس نے کہا: کیوں نہیں، (ضرور سکھائیے)۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ دعا پڑھا کر: ''اے اللہ! مجھے حرام مال سے بچا کر اپنے حلال (رزق) سے کفایت کر دے اور اپنے فضل سے مجھے دوسروں سے غنی کر دے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٤/ ٢٧٦، والحاكم: ١/ ٥٣٨، وأحمد: ١/ ١٥٣

شرح:...... مکاتبت: آقا اور غلام کے درمیان معاہدہ جس کے تحت غلام مقررہ رقم کی آخری قسط ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مقروض آدمی کو یہ دعا پڑھنی چاہئے:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

شب قدر کی دعا

(٣٠٧٠)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَرَاَيْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَيَّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِيْهَا؟ قَالَ: ((قُوْلِيْ (وَفِي رِوَايَةٍ: تَقُوْلِيْنَ): اَللّٰهُمَّ! اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ، فَاعْفُ عَنِّيْ۔))

(الصحيحة: ٣٣٣٧)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ذرا بتائیے کہ اگر مجھے شب قدر پتہ چل جائے تو مجھے اس میں کون سی دعا مانگی چاہیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(یہ دعا پڑھا کر): اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے، معاف کرنے کے پسند کرتا، سو مجھے معاف فرما دے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢٥٠٨، والنسائي في "عمل اليوم والليلة": ٨٧٢ـ ٨٧٥، ومن طريقه ابن السني: ٢٤٦/ ٧٦٣، وابن ماجه: ٣٨٥٠، والبيهقي في "شعب الأيمان": ٣/ ٣٣٨، و "الأسماء والصفات": صـ ٥٥، والأصبهاني في "الترغيب": ٢/ ٧٢٨/ ١٧٧٢، وأحمد: ٦/ ١٧٠، ١٧٢، ١٨٣، ٢٠٨

شرح:...... شب قدر رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں واقع ہوتی ہے۔ یہ رات امت کی خیر و بھلائی پر مشتمل ہے۔ اس کی عبادت ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قدر والی رات کا اللہ تعالی کی مغفرت اور معافی کے ساتھ گہرا تعلق ہے کہ آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالی کی معافی طلب کرنے کی تعلیم دے رہے ہیں۔

کسی مقام پر پڑاؤ ڈالتے وقت کی دعا

(٣٠٧١)۔ عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ، قُلْتُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِذَا نَزَلَ اَحَدُكُمْ

سیدہ خولہ بن حکیم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی کسی مقام پر پڑاؤ ڈالے اور یہ دعا

مَنْزِلاً، فَلْيَقُلْ: اَعُوْذُبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَاخَلَقَ، فَإِنَّهُ لا يَضُرُّهُ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْهُ۔))

(الصحيحة:٣٩٨٠)

پڑھے: میں اللہ کے مکمل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اس چیز کے شرّ سے جو اس نے پیدا کی۔ تو اسے وہاں سے کوچ کرنے تک کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔''

تخريج: أخرجه مسلم :٨/ ٧٦، والدارمي:٢٨٩، والترمذي:١٠/ ١٣٣، ـ وصححه ـ، والنسائي في "عمل اليوم والليلة": ٥٦٠ و٥٦١، وابن ماجه :٢/ ١١٧٤/ ٣٥٤٧، وابن حبان :٤/ ١٦٧/ ٦٢٨٩، والبيهقي:٥/ ٢٥٣، وأحمد: ٦/ ٣٧٧

شرح:...... جب آدمی کسی مقام پر پڑاؤ ڈالے اور عصرِ حاضر میں جب کسی ریسٹورنٹ میں اترے تو یہ دعا پڑھے: اَعُوْذُبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِّنْ شَرِّ مَاخَلَقَ۔

مرغ کی اذان اور گدھے کی آواز سنتے وقت کی دعا

(٣٠٧٢)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِذَاسَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيْكَةِ بِاللَّيْلِ، فَاسْئَلُوْا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ، وَارْغَبُوْا اِلَيْهِ، فَإِنَّهَا رَاَتْ مَلَكًا، وَإِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيْقَ الْحِمَارِ بِاللَّيْلِ، فَتَعَوَّذُوابِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ رَاٰى شَيْطَانًا۔)) (الصحيحة:٣١٨٣)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم رات کو مرغ کو بانگ دیتے سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو اور اس کی طرف راغب ہو جاؤ، کیونکہ وہ فرشتے کو دیکھ کر (بانگ دیتا ہے) اور جب تم رات کو گدھے کے ہینگنے کی آواز سنو تو شیطان سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو، کیونکہ وہ شیطان کو دیکھ کر (ہینگتا ہے)۔''

تخريج: أخرجه البخاري: ٣٣٠٣، ومسلم: ٨/ ٨٥، وأبوداود: ٥١٠٥، و الترمذي: ٣٤٥٥، والنسائي في "السنن الكبرى": ٦/ ٤٢٧/ ١١٣٩١، و "عمل اليوم والليلة": رقم ٩٤٤، وابن أبي شيبة: ١٠/ ٤٢٠/ ٩٨٥٤

شرح:...... مرغ کی بانگ سنتے وقت "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ" اور گدھے کی رینک سنتے وقت "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" پڑھا جائے۔

ان احادیث میں رات کو ان دعاؤں کا اہتمام کرنے کی تلقین کی گئی ہے، اس سے دن کے وقت کی نفی نہیں ہوتی، جبکہ عام حکم بھی موجود ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم مرغ کی بانگ سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو، کیونکہ وہ فرشتے کو دیکھتا ہے اور جب تم گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو، کیونکہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے۔ (بخاری: ٣٣٠٣، مسلم: ٢٧٢٩)

برے خواب کو دفع کرنے کی دعا

(۳۰۷۳)۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَشَكَا إِلَيْهِ أَهَاوِيلَ يَرَاهَا فِي الْمَنَامِ، قَالَ: ((إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ، فَقُلْ: أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ، مِنْ غَضَبِهِ، وَعِقَابِهِ، وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ، وَأَنْ يَحْضُرُوْنِ۔)) (الصحيحة: ٢٦٤)

سیدنا محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور ان ہولنا کیوں اور گھبراہٹوں کا شکوہ کیا، جو وہ خواب میں دیکھتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بستر پر لیٹنے وقت یہ پڑھا کر: میں اللہ تعالی کے مکمل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں، اس کے غضب سے، اس کی سزا سے، اس کے بندوں کے شرّ سے، شیطانوں کے وسوسوں سے اور اس سے کہ وہ میرے قریب پھٹکیں۔''

تخریج: أخرجه ابن السني: ٢٣٨

شرح :...... آج کل اکثر لوگ برے اور ڈراؤنے خوابوں کی وجہ سے پریشان نظر آتے ہیں، ان کو سوتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے:

أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ، مِنْ غَضَبِهِ، وَعِقَابِهِ، وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ، وَأَنْ يَحْضُرُوْنَ۔

سختیوں میں دعائیں کب قبول ہوتی ہیں؟

(۳۰۷۴)۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَسْتَجِيْبَ اللّٰهُ لَهُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ وَالْكَرْبِ، فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ۔)) (الصحيحة: ٥٩٣)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالی سختیوں اور پریشانیوں میں اس کی دعائیں قبول کرے، اسے چاہئے کہ وہ فراخی وخوشحالی میں بکثرت دعا کرے۔''

تخریج: رواه الترمذي: ٢/ ٢٤٤، وأبو يعلى في "مسنده": ١١/ ٢٨٣/ ٦٣٩٦، وابن عدي: ٢٥٥/ ١، وعبدالغني المقدسي في "الدعاء": ١٤٤، وكذا ابن عساكر: ٣/ ١٨٣/ ١

شرح :...... زندگی کی خوشحالیاں اور تنگدستیاں ڈھلتی چھاؤں کی مانند ہیں، ہر انسان اپنی پوری زندگی میں خوشحال رہتا ہے نہ بدحال، بلکہ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ اپنی اوقات کو سمجھیں اور زندگیوں کی خوشحال گھڑیوں میں اللہ تعالی کو یاد رکھیں اور اپنے آپ کو کبھی بھی اس سے مستغنی نہ سمجھیں، تا کہ اللہ تعالی ہمیں تنگیوں اور پریشانیوں میں بے یار و مددگار نہ چھوڑ دے۔

نماز سے متعلقہ دعائیں ...... دعائے استفتاح

(۳۰۷۵)۔ عَنْ أُمِّ رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا،

سیدہ ام رافع رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے

أَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ يَـأْجُـرُنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِ۔ قَالَ: ((يَاأُمَّ رَافِعٍ! إِذَا قُمْتِ إِلَى الصَّلَاةِ، فَسَبِّحِيْ اللّٰهَ عَشْـرًا، وَهَـلِّـلِيْـهِ عَشْـرًا، وَاحْمَدِيْـهِ عَشْـرًا، وَكَبِّـرِيْــهِ عَشْـرًا، وَاسْتَـغْـفِرِيْـهِ عَشْرًا، فَإِنَّكِ إِذَا سَبَّحْتِ عَشْرًا، قَالَ: هٰذَا لِـيْ، وَإِذَا هَـلَّـلْــتِ قَـالَ: هٰذَا لِيْ، وَإِذَا حَـمِـدْتِ قَـالَ: هٰذَالِيْ، وَإِذَ اكَبَّرْتِ قَالَ: هٰـذٰ لِـيْ، وَإِذَا اسْتَغْفَرْتِ قَالَ: قَدْ غَفَرْتُ لَكِ۔)) (الصحيحة: ٣٣٣٨)

رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس پر اجر دے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ام رافع! جب تو نماز کے لیے کھڑی ہو تو دس دفعہ ''سُبْحَانَ اللّٰه'' دس دفعہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' دس دفعہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰه'' دس دفعہ ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' اور دس دفعہ ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰه'' کہہ۔ جب تو دس دفعہ ''سُبْحَانَ اللّٰه'' کہے گی تو اللہ تعالیٰ کہے گا: یہ ذکر میرا ہے، جب تو ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کہے گی تو اللہ تعالیٰ کہے گا: یہ ذکر بھی میرا ہے۔ جب تو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰه'' کہے گی تو وہ کہے گا: یہ ذکر بھی میرا ہے۔ جب تو ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' کہے گی تو اللہ تعالیٰ کہے گا: یہ ذکر بھی میرے لیے ہے۔ اور جب تو ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰه'' (میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں) کہے گی تو اللہ تعالیٰ کہے گا: میں نے تجھے بخش دیا ہے۔''

تخريج: أخرجه ابن السني في "عمل اليوم والليلة": ٣٧۔ ٣٨/ ١٠٥، ومن طريقه الديلمي: ٣/ ٣١١، والحافظ ابن حجر في "نتائج الأفكار": ١/ ٣٨٩۔ ٣٩٠

شرح: ...... اس حدیث سے یہ دعائے استفتاح ثابت ہوئی: سُبْحَانَ اللّٰهِ (دس مرتبہ) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (دس مرتبہ) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (دس مرتبہ) اَللّٰهُ اَكْبَرُ (دس مرتبہ) اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ (دس مرتبہ)

اذکار بعد از نماز

(٣٠٧٦)۔ عَـنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِقْـرَؤُوْا الْمُعَوِّذَاتِ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ۔)) (الصحيحة: ١٥١٤)

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نماز کے بعد معوّذات (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) پڑھا کرو۔''

تخريج: أخرجه أبوداود: ١٥٢٣، وابن حبان: ٢٣٤٧، وأحمد: ٤/ ١٥٩

(٣٠٧٧)۔ عَـنْ رَجُـلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: سَـمِـعْـتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَـقُوْلُ فِي دُبُرِ الـصَّلَاةِ: ((اَللّٰهُـمَّ اغْفِرْلِي، وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔)) مِئَةَ مَرَّةٍ۔ (الصحيحة: ٢٦٠٣)

ایک انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز کے آخر میں (یا اس کے بعد) یہ دعا سو دفعہ پڑھتے ہوئے سنا: ''اے اللہ! تو مجھے بخش دے، میری توبہ قبول کر، بیشک تو توبہ قبول کرنے والا، بخشنے والا ہے۔''

تخریج: أخرجه ابن أبی شیبة فی"المسند": ٢/ ٧١/ ١ ، وأخرجه احمد: ٥/ ٣٧١ وزاد: ((مائة مرة)) الا انه قال: ((فی صلاة)) بدله قوله: ((فی دبر الصلاة))

شــرح:...... نبی کریم ﷺ بکثرت اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور توبہ کا سوال کرتے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے نماز کے بعد سو دفعہ یہ دعا پڑھی:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِي ، وَتُبْ عَلَيَّ ، اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔

(٣٠٧٨)۔ عَنْ اَبِي اُمَامَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ قَالَ فِي دُبُرِ صَلَاةِ الْغَدَاةِ: لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَ لا شَرِيْكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ ، وَلَهُ الْحَمْدُ ، يُحْيِي وَيُمِيْتُ ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ مِئَةَ مَرَّةٍ ، وَهُوَ ثَانٍ رِجْلَيْهِ ، كَانَ يَوْمَئِذٍ اَفْضَلَ اَهْلِ الْاَرْضِ عَمَلًا اِلَّا مَنْ قَالَ مِثْلَ مَا قَالَ ، اَوْزَادَ عَلٰى مَاقَالَ۔)) (الصحیحة:٢٦٦٤)

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے بعد از نمازِ فجر سو (١٠٠) دفعہ یہ کلمہ کہا، اس حال میں اس کے پاؤں مڑے ہوئے ہوں (یعنی تشہد کی وضع پر بیٹھا ہو): نہیں کوئی معبودِ برحق مگر اللہ، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، ساری تعریف اسی کے لیے ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو وہ عمل کے لحاظ سے اہلِ زمین میں سب سے زیادہ افضل ہوگا، ہاں وہ آدمی جس نے اس کے برابر یا اس سے زیادہ عمل کیا (تو اس کا مقام اس کے برابر یا اس سے زیادہ ہوگا)۔“

تخریج: أخرجه الطبرانی فی"المعجم الکبیر": ٨/ ٣٣٦/ ٨٠٧٥ ، و"الأوسط": ٤/ ٤٥٠ ، وابن السنی: رقم۔ ١٤٢

شــرح:...... ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ وہ بسا اوقات نمازِ فجر کے بعد یہ کلمہ اتنی کثرت سے کہے کہ اسے یہ ظن غالب ہو جائے کہ اس نے اس دن تمام اہل زمین کی بہ نسبت اس کلمے کا سب سے زیادہ ورد کیا ہوگا۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: شہر بن حوشب کی جس حدیث میں "وهو ثان رجليه" کے الفاظ ہیں، یہ حدیث اس کا قوی شاہد ہے، اس شاہد کا علم ہونے سے پہلے میں شہر بن حوشب کے ضعف کی وجہ سے اس کی بیان کردہ حدیث پر عمل نہیں کرتا تھا۔ اس حدیث میں سو (١٠٠) دفعہ کا ذکر ہے، جبکہ ایک حدیث میں دس دفعہ کا ذکر ہے، یہ مختلف صورتیں درست ہے۔ (صحیحه: ٢٦٦٤)

(٣٠٧٩)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِاَمْرٍ اِنْ اَخَذْتُمْ بِهِ اَدْرَكْتُمْ مَنْ سَبَقَكُمْ ، وَلَمْ يُدْرِكْكُمْ اَحَدٌ بَعْدَكُمْ ،

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتلاؤں جس کے ذریعے تم اپنے سے پہلوں کو پا لو گے، بعد والے تمھارے (مرتبے کو) نہ پہنچ سکیں گے اور تم تمام

وَكُنْتُمْ خَيْرَ مَنْ اَنْتُمْ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِ اِلَّا مَنْ عَمِلَ مِثْلَهُ۔ تُسَبِّحُوْنَ وَتَحْمَدُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ خَلْفَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثَةً وَّثَلَاثِيْنَ۔)) جَاءَ مِنْ حَدِيْثِ اَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي ذَرٍّ وَ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَ ابْنِ عُمَرَ۔ أَمَّا حَدِيْثُ اَبِي هُرَيْرَةَ فَهُوَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ الْفُقَرَاءُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوْا: ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ مِنَ الْاَمْوَالِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى، وَالنَّعِيْمِ الْمُقِيْمِ، يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ، وَلَهُمْ فَضْلٌ مِنْ اَمْوَالِهِمْ يَحُجُّوْنَ بِهَا وَيَعْتَمِرُوْنَ، وَيُجَاهِدُوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ۔ قَالَ.....فَذَكَرَهُ فَاخْتَلَفْنَا بَيْنَنَا، فَقَالَ بَعْضُنَا: نُسَبِّحُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ، وَنَحْمَدُ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ، وَنُكَبِّرُ اَرْبَعًا وَثَلَاثِيْنَ، فَرَجَعْتُ اِلَيْهِ، فَقَالَ: تَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، حَتّٰى يَكُوْنَ مِنْهُنَّ كُلِّهِنَّ ثَلَاثٌ وَّثَلَاثُوْنَ۔

(الصحيحة:٣٣٠٨)

لوگوں میں بہترین قرار پاؤ گے، مگر وہی شخص جو اسی طرح کا عمل کرے گا۔ (عمل یہ ہے:) تم لوگ ہر نماز کے بعد ”سُبْحَانَ اللّٰه، اَلْحَمْدُ لِلّٰه اور اَللّٰهُ اَكْبَر“ تینتیس تینتیس دفعہ کہا کرو۔“ یہ حدیث سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا ابوذر، سیدنا ابو دردا، سیدنا ابن عباس اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، جسے ان سے ابو صالح نے روایت ہے، یہ ہے: فقراء لوگ، نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ بلند درجے اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں تو مال دار لوگ لے گئے، وہ نماز تو ہماری طرح پڑھتے ہیں اور روزہ بھی ہماری طرح رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے لیے مالوں سے حاصل ہونے والی فضیلت زیادہ ہے، وہ حج کرتے ہے، عمرہ کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں۔ راوی کہتا ہے: ...... (اوپر والی حدیث ذکر کی) (تسبیحات کی تعداد کے بارے میں) ہم اختلاف میں پڑ گئے، کوئی کہتا کہ تینتیس دفعہ ”سُبْحَانَ اللّٰه“ تینتیس دفعہ ”اَلْحَمْدُ لِلّٰه“ اور چونتیس دفعہ ”اَللّٰهُ اَكْبَر“ کہنا ہے (اور کوئی کچھ اور کہتا)۔ میں آپ ﷺ کے پاس گیا اور (سارا مسئلہ ذکر کیا تو) آپ ﷺ نے فرمایا: ”سُبْحَانَ اللّٰه، اَلْحَمْدُ لِلّٰه اور اَللّٰهُ اَكْبَر“ میں سے ہر ایک تینتیس تینتیس بار کہنا ہے۔“

تخريج: (١)۔ أما حديث أبي هريرة؛ فأخرجه البخاري: ٨٤٣، ومسلم: ٢/ ٩٧، وابن خزيمة: ٧٤٩، وابن حبان: ٢٠١٤، وأبوعوانة: ٢/ ٢٧١، والبيهقي: ٢/ ١٨٦، وأبوداود: ١٥٠٤، والدارمي: ١/ ٣١٢، وأحمد: ٢/ ٢٣٨

(٢)۔ وأما حديث أبي الدرداء: فرواه النسائي: ١٤٨، و في "عمل اليوم والليلة": ١٤٩، و عبد الرزاق: ٣١٨٧، وابن أبي شيبة: ١٠/ ٢٣٥، ١٣/ ٤٥٣، والطبراني في "الدعاء": ٧٠٨، والبزار: ٣٠٩٥۔ زوائده

(٣)۔ وأما حديث أبي ذر: فقد تقدم تخريجه في هذه "السلسلة": ١١٢٥، ولیزد علي مصادره: ابن خزيمة:

٧٤٨، والحميدي: ١٣٣، والمروزي في "زوائد الزهد": ١١٥٧

(٤)۔ وأما حديث ابن عباس: فقد رواه الترمذي: ٢/ ٢٦٤، والنسائي: ١/ ١٩٩، وغيرهما؛ وهو مخرج في "التعليق الرغيب": ٢/ ٢٦٠

(٥)۔ وأما حديث ابن عمر: فقد رواه البزار: ٣٠٩٤

(٣٠٨٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ أَبُوْذَرٍّ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالْأُجُوْرِ، يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّيْ، وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ، وَلَهُمْ فُضُوْلُ أَمْوَالٍ يَتَصَدَّقُوْنَ بِهَا، وَلَيْسَ لَنَا مَالٌ نَتَصَدَّقُ بِهِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ((يَا أَبَا ذَرٍّ! أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ تُدْرِكُ بِهِنَّ مَنْ سَبَقَكَ، وَلَا يَلْحَقُكَ مَنْ خَلْفَكَ إِلَّا مَنْ أَخَذَ بِمِثْلِ عَمَلِكَ؟ تُكَبِّرُ اللهَ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ، وَتُحَمِّدُهُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ، وَتُسَبِّحُهُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ، وَتَخْتِمُهَا بِـ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوْبُهُ وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔)) (الصحيحة: ١٠٠)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اجر و ثواب تو مالدار لے گئے ہیں، (وہ اس طرح کہ) وہ نماز تو ہماری طرح پڑھتے ہیں اور روزہ بھی ہماری طرح رکھتے ہیں، لیکن ان کے پاس زائد مال ہیں، وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہمارے پاس مال نہیں کہ ہم صدقہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابوذر! کیا میں تجھے ایسے کلمات نہ سکھا دوں کہ جن کے ذریعے تو سبقت لے جانے والے پہلے لوگوں کو پا لے گا اور بعد میں آنے والوں میں سے کوئی بھی تیرے مقام کو نہیں پہنچ سکے گا، البتہ وہ شخص جو تیری طرح عمل کرے گا۔ ہر نماز کے بعد تینتیس دفعہ "اَللّٰهُ اَكْبَر" تینتیس دفعہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" اور تینتیس دفعہ "سُبْحَانَ اللّٰه" اور آخر میں یہ کلمہ پڑھے: نہیں کوئی معبودِ برحق مگر اللہ تعالیٰ، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، ساری تعریف اسی کیلیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو آدمی یہ عمل کرے گا اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔''

تخريج: رواه ابوداود: ١٥٠٤، واحمد: ٢/ ٢٣٨

(٣٠٨١)۔ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مُعَقِّبَاتٌ لَا يَخِيْبُ قَائِلُهُنَّ أَوْ فَاعِلُهُنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ: ثَلَاثٌ وَثَلَاثُوْنَ تَسْبِيْحَةً، وَثَلَاثٌ وَثَلَاثُوْنَ تَحْمِيْدَةً، وَأَرْبَعٌ وَثَلَاثُوْنَ تَكْبِيْرَةً)) (الصحيحة: ١٠٢)

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر فرضی نماز کے بعد پڑھے جانے والے کچھ کلمات ہیں کہ ان کو کہنے والا یا کرنے والے نامراد نہیں ہوتا اور وہ تینتیس دفعہ "سُبْحَانَ اللّٰه"، تینتیس دفعہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" اور چونتیس دفعہ "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہنا ہے۔''

تـخـريـج: رواه مسلم: ٢/ ٩٨، وأبوعوانة: ٢/ ٢٤٧و٢٤٨، والنسائی: ١/ ١٩٨، والترمذی: ٢/ ٢٤٩، والبيهقی: ٢/ ١٨٧، والطيالسی: ١٠٦٠

شرح:...... آجکل لوگ فرضی نمازوں کے بعد اجتماعی کیفیت میں مختصر سی مروّجہ دعا پر عمل پیرا ہیں، جونہی دعا ختم ہوتی ہے تو ہر نمازی مسنون اذکار ترک کر کے کھڑے ہو کر سنتیں ادا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ رواجی امور سے باز آ کر سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: نماز کے بعد کہے جانے والے کلمات کو "مُعقِبات" کہتے ہیں۔

اس حدیث میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ فرضی نماز کے فوراً بعد ان اذکار کا اہتمام کیا جائے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ نماز کی فرض رکعات کے بعد والی سنتیں ادا کر کے یہ تسبیحات کہی جائیں، ان کی بات بے دلیل بھی ہے اور اس حدیث کے مخالف بھی۔ واللہ ولی التوفیق۔ (صحیحه: ١٠٢)

(٣٠٨٢)۔ عَـنْ اَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ سَبَّـحَ الـلّٰـهَ فِـي دُبُـرِ كُـلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًـا وَثَلَاثِيْـنَ، وَحَـمِـدَ الـلّٰهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ، وَكَبَّـرَ الـلّٰـهَ ثَلَاثًـا وَثَلَاثِيْنَ، فَتِلْكَ تِسْعٌ وَتِسْـعُـوْنَ، ثُـمَّ قَالَ تَمَامَ الْمِئَةِ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْـحَـمْـدُ، وَهُـوَ عَـلٰـى كُـلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ غُـفِـرَتْ خَـطَـايَـاهُ وَاِنْ كَـانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔)) (الصحيحة:١٠١)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ہر نماز کے بعد تینتیس دفعہ "سُبْـحَـانَ اللّٰه" تینتیس دفعہ "اَلْـحَمْدُ لِلّٰه" اور تینتیس دفعہ "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہا، یہ کل ننانوے (۹۹) کلمات ہو گئے۔ سوویں دفعہ کہا: اللہ ہی معبودِ برحق ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، ساری تعریف اس کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو اسے کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔''

تخريج: أخرجه مسلم: ٢/ ٩٨، وأبوعوانة: ٢/ ٢٤٧، والبيهقی: ٢/ ١٨٧، وأحمد: ٢/ ٣٧٣و٤٨٣

شرح:...... فرض نمازوں کے بعد اس ذکر کا اہتمام کرنا چاہیے:

تینتیس دفعہ "سُبْحَانَ اللّٰه" تینتیس دفعہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" اور تینتیس دفعہ "اَللّٰهُ اَكْبَر" اور سوویں دفعہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ"۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام نسائی (۱/ ۱۹۸) اور امام حاکم (۱/ ۲۵۳) سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کو یہ حکم دیا گیا کہ تینتیس دفعہ "سُبْـحَـانَ اللّٰه" تینتیس دفعہ "اَلْـحَـمْدُ لِلّٰه" اور چونتیس دفعہ "اَللّٰـهُ اَكْبَر" کہیں۔ اس کے بعد ایک انصاری صحابی کو خواب آیا، جس میں اس سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو حکم دیا ہے کہ تم ہر نماز کے بعد تینتیس دفعہ "سُبْحَانَ اللّٰه" تینتیس دفعہ "اَلْـحَمْدُ لِلّٰه" اور چونتیس دفعہ "اَللّٰهُ اَكْبَر" کہا

کرو؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ پھر اس نے کہا: تم اس طرح کرو کہ سارے اذکار پچیس پچیس دفعہ کرلو اور (سو پورا کرنے کے لیے) پچیس دفعہ "لا الـه الا اللـه" کہا کرو۔ جب صبح ہوئی تو وہ انصاری آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا خواب بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی طرح کہہ لیا کرو۔'' (صحیحہ: ۱۰۱)

(۳۰۸۳)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ: كَانَ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ الصَّلَاةِ إِذَا أَسْلَمَ قَبْلَ أَنْ يَّقُوْمَ، يَرْفَعُ بِذٰلِكَ صَوْتَهُ: ((لَاإِلٰهَ إِلَّاالـلّٰـهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيءٍ قَدِيْرٌ، وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ، وَلَهُ الْفَضْلُ، وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ، وَلَوْكَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔)) (الصحيحة: ۳۱٦۰)

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نماز سے سلام پھیرتے تو کھڑا ہونے سے پہلے بآواز بلند یہ دعا پڑھتے: ''نہیں کوئی معبودِ برحق مگر اللہ تعالی، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کے لیے ہے، تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور برائی سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت نہیں ہے مگر اسی کی توفیق سے، وہی معبودِ برحق ہے، ہم نہیں عبادت کرتے مگر اسی کی، احسان اور فضل اسی کا ہے، ثنائے حسن اسی کے لیے ہے، نہیں کوئی معبود مگر وہی، ہم اسی کے لیے بندگی کو خالص کرنے والے ہیں، اگرچہ کافر لوگ ناپسند کریں۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الدعاء": ۲/ ۱۱۰۷/ ٦۸۱، وأخرجه مسلم، وابو عوانة في "صحيحيهما"، وابن حبان في "صحيحه": ۳/ ۲۲۸/ ۲۰۰۵۔۲۰۰۷

اللہ تعالی کی تعریف کرنے والے لوگ افضل ہیں

(۳۰۸٤)۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ مَرْفُوْعًا: ((أَفْضَلُ عِبَادِاللّٰهِ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْحَمَّادُوْنَ۔))

(الصحيحة: ۱۵۸٤)

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز (اللہ تعالی کی) بہت زیادہ تعریف کرنے والے سب سے افضل لوگ ہوں گے۔''

تخريج: رواه الطبراني في "المعجم الكبير"، واحمد: ٤/ ٤۳٤

شرح:...... اللہ تعالی کو اپنی حمد و ثنا، تعریف و توصیف اور مدح و ستائش پسند ہے، اس لیے جو آدمی کثرت سے اللہ تعالی کی حمد بیان کرے گا وہ اللہ تعالی کا محبوب بندہ بن جائے گا۔ سیدنا ابو موسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ۔)) (مسلم) ......''الحمد للہ کہنے سے ترازو بھر جاتا ہے۔'' (یعنی اس کلمے کے اجر و ثواب سے ترازو کا نیکیوں والا پلڑا بھر جائے گا۔)

اللہ تعالی کو اپنی تعریف پسند ہے

(٣٠٨٥)۔ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ سَرِيْعٍ قَالَ: كُنْتُ شَاعِرًا فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِمْتَدَحْتُ رَبِّي۔ فَقَالَ: ((اَمَا اِنَّ رَبَّكَ يُحِبُّ الْمَحَامِدَ۔)) وَمَا اسْتَزَادَنِيْ عَلٰى ذٰلِكَ ۔ (الصحيحة: ٣١٧٩)

سیدنا اسود بن سریع رضی اللہ عنہ کہتے ہے: میں شاعر تھا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے ربّ کی تعریف کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار! بلاشبہ تمھارا ربّ تعریفیں پسند کرتا ہے۔'' آپ ﷺ نے اس سے زیادہ مجھے کچھ نہ کہا۔

تخریج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ٨٥٩، ٨٦١، ٨٦٨، و"التاريخ": ١/ ٤٤٥/ ١٤٢٥، والنسائي في "السنن الكبرى": ٤/ ٤١٦/ ٧٧٤٥، والحاكم: ٣/ ٦١٤، وأحمد: ٣/ ٤٣٥، والطبراني في "المعجم الكبير": ١/ ٢٥٨/ ٨٢٠، والطحاوي في "شرح المعاني": ٢/ ٣٧٢

شرح:...... اللہ تعالی ہی حقیقت میں حمد وثناء، تعریف وتوصیف اور مدح وستائش کا مستحق ہے، کیونکہ پوری کائنات میں ظہور پذیر ہونے والے کمالات اسی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ انسان جن مہارتوں اور ہنرمندیوں سے متصف ہیں، وہ سارے کے سارے اللہ تعالی نے عطا کئے ہیں۔ وہ اسمائے حسنی اور صفاتِ علیا سے متصف ہے، اس کی صفت کے جس پہلو کا جائزہ لیا جائے تو بے ساختہ کہنا پڑھتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

اللہ تعالی کے ہاں پسندیدہ اور ناپسندیدہ کلام

(٣٠٨٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّ اَحَبَّ الْكَلَامِ اِلَى اللّٰهِ اَنْ يَقُوْلَ الْعَبْدُ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ ، وَتَعَالٰى جَدُّكَ ، وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ، وَاِنَّ اَبْغَضَ الْكَلَامِ اِلَى اللّٰهِ اَنْ يَّقُوْلَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ: اتَّقِ اللّٰهَ۔ فَيَقُوْلُ: عَلَيْكَ نَفْسَكَ۔)) (الصحيحة:٢٥٩٨ ، ٢٩٣٩)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی کو سب سے زیادہ محبوب کلام یہ ہے کہ بندہ کہے: اے اللہ! تو پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ، تیرا نام بابرکت ہے، تیرا مرتبہ بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ اور اللہ تعالی کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ کلام یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کہے: اللہ سے ڈر جا، اور وہ آگے سے جواب دے: تو اپنی فکر کر۔''

تخریج: أخرجه النسائي في "عمل اليوم والليلة": ٤٨٨/ ٨٤٩، وابن منده في "التوحيد": ق١٢٣/ ٢۔ الظاهرية، والبيهقي في "الشعب": ١/ ٣٥٩۔ هندية، و"الدعوات الكبير": ١٠٢/ ١٣٦، واخرج الطبرانی فی "الكبير": ٩/ ١١٩/ ٨٥٨٧ طرفه الاخير بلفظ: ان من اكبر الذنب ان يقول الرجل لاخيه: اتق الله، فيقول: عليك نفسك ، انت تأمرني؟))

تخريج: وراه أبو عبدالله بن منده في "التوحيد": ۱۲۳/ ۲، ومن طريقه الأصبهاني في "الترغيب": ۷۳۹، وأخرجه البيهقي في "الشعب": ۱/ ۳۵۹، والنسائي في "عمل اليوم والليلة": ۸٤۹

شرح :...... جب کسی کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کی جائے تو اسے چاہئے کہ وہ یہ نصیحت قبول کر کے اپنی اصلاح کرے۔ آجکل جب کوئی آدمی کسی کو کسی برائی سے روکتا ہے تو وہ جواباً اس پر برس پڑتا ہے، اسے اس کی برائیوں کے طعنے دیتا ہے، دوسرے مجرموں کا ذکر کر کے اپنی پاکدامنی ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی تو کہہ دیتا ہے کہ نیکی و بدی کا معاملہ دل کا معاملہ ہے، بظاہر جو مرضی کرتے رہو، بس دل صاف ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے دلوں سے محفوظ رکھے، جن کے اندر نیکی ہوتی ہے، لیکن وجود پر اس کے آثار نظر نہیں آتے۔

ساری تخلیق کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی گئی اللہ تعالیٰ کی تعریفات کو بیان کر دینے کا نسخہ

(۳۰۸۷)۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ قَالَ إِذَا اَوٰى إِلٰى فِرَاشِهِ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَفَانِيْ وَآوَانِيْ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنِيْ وَسَقَانِيْ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ مَنَّ عَلَيَّ وَاَفْضَلَ۔ اَللّٰهُمَّ! إِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِعِزَّتِكَ اَنْ تُنْجِيَنِيْ مِنَ النَّارِ، فَقَدْ حَمِدَ اللّٰهَ بِجَمِيْعِ مَحَامِدِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ۔)) (الصحيحة: ٣٤٤٤)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی نے بستر پر لیٹ کر یہ دعا پڑھی: ساری تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے کفایت کیا اور جگہ دی، ساری تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے کھلایا اور پلایا اور ساری تعریف اس اللہ کی ہے جس نے مجھ پر احسان کیا اور مہربانی کی۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیری عزت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے آگ سے نجات دے دے۔ تو اس نے تمام مخلوقات کی بیان کردہ اللہ تعالیٰ کی تعریفات کہہ ڈالیں۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ۱/ ٥٤٥۔ ٥٤٦، وابن السني في "عمل اليوم والليلة": ۲۲۹/ ۷۱٤، والبيهقي في "الشعب": ٤/ ۹۳/ ٤۳۸۲

شرح :...... اللہ تعالیٰ کو اپنی تعریف و توصیف اور حمد و ثنا بہت پسند ہے اور درحقیقت میں وہی سبحان ہستی ہے جو تمام کمالات و جمالات کا محور ہے، اگر کسی انسان، فرشتے، جن یا کسی دوسری مخلوق میں کوئی کمال نظر آتا ہے تو وہ اُسی کی عطا ہے، ان کمالات پر بھی وہی تعریف کا مستحق ہے۔ اس حدیث میں جس دعا کی تعلیم دی گئی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور بندے کی عاجزی کا انتہائی انداز اختیار کیا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ سوتے وقت یہ دعا پڑھی جائے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَفَانِيْ وَآوَانِيْ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنِيْ وَسَقَانِيْ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ مَنَّ عَلَيَّ وَاَفْضَلَ۔ اَللّٰهُمَّ! إِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِعِزَّتِكَ اَنْ تُنْجِيَنِيْ مِنَ النَّارِ۔

اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل دعا اور اس کا حسنِ انجام

(٣٠٨٨)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيْدٍ، أَنَّهُمَا شَهِدَا عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا قَالَ الْعَبْدُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: صَدَقَ عَبْدِي، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا، وَأَنَا أَكْبَرُ، وَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، قَالَ: صَدَقَ عَبْدِي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا وَحْدِي، وَإِذَا قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، قَالَ: صَدَقَ عَبْدِي، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا، وَلَا شَرِيْكَ لِي، وَإِذَا قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، قَالَ: صَدَقَ عَبْدِي، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا، لِيَ الْمُلْكُ، وَلِيَ الْحَمْدُ وَإِذَا قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، قَالَ: صَدَقَ عَبْدِي، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا، وَلَا حَوْلَ قُوَّةَ إِلَّا بِي، مَنْ رُزِقَهُنَّ عِنْدَ مَوْتِهِ لَمْ تَمَسَّهُ النَّارُ۔)) (الصحيحة: ١٣٩٠)

سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ پر گواہی دی کی آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب بندہ کہتا ہیں: نہیں کوئی معبودِ برحق مگر اللہ اور اللہ سب سے بڑا ہے، تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: میرے بندے نے سچ کہا، کیونکہ میں ہی معبودِ برحق ہوں اور میں ہی سب سے بڑا ہوں۔ جب بندہ کہتا ہے: نہیں کوئی معبودِ برحق مگر اللہ، اس حال میں کہ وہ اکیلا ہے، تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: میرا بندہ سچا ہے، کیونکہ میں ہی معبودِ برحق ہوں، اس حال میں کہ میں اکیلا ہوں۔ جب بندہ کہتا ہے: نہیں کوئی معبودِ برحق مگر اللہ تعالیٰ اور اس کا کوئی شریک نہیں، تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: میرے بندے نے سچ کہا، کیونکہ میں ہی سچا معبود ہوں اور میرا کوئی شریک نہیں۔ جب بندہ کہتا ہے: اللہ ہی سچا معبود ہے، بادشاہت اسی کی ہے اور تعریف بھی اسی کے لیے ہے تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: میرا بندہ صادق ہے، کیونکہ میں ہی معبودِ برحق ہوں، بادشاہت بھی میری ہے اور تعریف بھی میرے لیے ہے۔ جب بندہ کہتا ہے: اللہ ہی سچا معبود ہے اور گناہ سے بچنے کی قوت اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں ہے مگر اس کی توفیق سے، تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: میرے بندے نے سچ کہا، کیونکہ میں ہی سچا معبود ہوں اور گناہ سے بچنے کی قوت اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں ہے مگر میری توفیق سے۔ جس آدمی کو موت کے وقت یہ کلمات کہنے کی توفیق دے گئی، اسے آگ نہیں چھو سکے گی۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٢٥٣، وابن ماجه: ٣٧٩٤، وابن حبان: ٢٣٢٥، وأبويعلي في "مسنده" ٣٤٤

شرح:...... اس حدیث مبارکہ میں جہنم سے آزادی کا سبب بننے والے درج ذیل ذکر کی نشاندہی کی گئی ہے:
لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

اگر پوری کوشش کے ساتھ دعا کرنا ہو تو

(۳۰۸۹)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ: ((اَتُحِبُّوْنَ اَنْ تَجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ؟ قُوْلُوْا: اَللّٰهُمَّ! اَعِنَّا عَلٰى شُكْرِكَ، وَذِكْرِكَ، وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔)) (الصحيحة: ٨٤٤)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم چاہتے ہو کہ دعا کرنے میں پوری کوشش کرو؟ (اگر چاہتے ہو تو) کہا کرو: اے اللہ! اپنا شکر کرنے، اپنا ذکر کرنے اور اچھے انداز میں عبادت کرنے پر ہماری مدد فرما۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٢٩٩، وعنه أبو نعيم في "الحلية": ٩/ ٢٢٣، والحاكم: ١/ ٤٩٩

شرح:...... مقصودِ شریعت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے، اس کا ذکر کیا جائے اور خوبصورت انداز میں اس کی عبادت کی جائے۔ ان تینوں چیزوں کو اس دعا میں جمع کر دیا گیا:

اَللّٰهُمَّ! اَعِنَّا عَلٰى شُكْرِكَ، وَذِكْرِكَ، وَحُسْنُ عِبَادَتِكَ

(۳۰۹۰)۔ عَنْ اَنَسٍ كَانَ ﷺ اِذَا اجْتَهَدَ لِاَحَدٍ فِي الدُّعَاءِ قَالَ: ((جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صَلَاةَ قَوْمٍ اَبْرَارٍ، يَقُوْمُوْنَ اللَّيْلَ وَيَصُوْمُوْنَ النَّهَارَ، لَيْسُوْا بِاَثَمَةٍ وَلَا فُجَّارٍ۔)) (الصحيحة: ١٨١٠)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی کے لیے دعا کرنے میں مبالغہ کرتے تو فرماتے: اللہ تعالیٰ تمھیں نیک لوگوں کی دعائیں نصیب فرمائے، جو رات کو قیام اور دن کو روزہ رکھتے ہوں اور وہ گنہگار ہوں نہ بدکار۔''

تخريج: رواه عبد بن حميد في "المنتخب من المسند": ١٤٧/ ٢

شرح:...... معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی دعائیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔

صبح و شام کے اذکار...... سید الاستغفار

(۳۰۹۱)۔ عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ، اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى سَيِّدِ الْاِسْتِغْفَارِ؟ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِي وَاَنَا عَبْدُكَ، وَابْنُ عَبْدِكَ، وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَاصَنَعْتُ، وَاَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَاَعْتَرِفُ بِذُنُوْبِي، فَاغْفِرْلِي ذُنُوْبِي، اِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا

سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تجھے سید الاستغفار بتلا دوں؟ (وہ یہ ہے:) ''اے اللہ! تو میرا ربّ ہے، تو نے مجھے پیدا کیا، میں تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور میں اپنی استطاعت کے مطابق تیرے عہد و پیمان پر ہوں، میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس برائی سے جو میں نے کی، میں اپنے آپ پر تیری نعمت کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں، بلاشبہ کوئی بھی گناہوں کو نہیں بخش سکتا مگر تو ہی۔'' جو

اَنْتَ، لا یَقُوْلُهَا اَحَدٌ حِیْنَ یُمْسِيْ اِلاَّ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔)) (الصحیحة:١٧٤٧)

آدمی شام کے وقت یہ دعا پڑھے گا اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔‘‘

تخریج: أخرجه الترمذي: ٤/ ٢٢٩، والحدیث اخرجه البخاری فی "الدعوات" والنسائی فی "الاستعاذة"، واحمد: ٤/ ١٢٢، ١٢٥

شرح:...... درج ذیل ذکر کو سید الاستغفار کہتے ہیں، یعنی اللہ تعالی سے بخشش طلب کرنے کے لیے یہ ذکر سب سے بہترین اور افضل ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّي، لَااِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ، خَلَقْتَنِي وَاَنَا عَبْدُكَ، وَابْنُ عَبْدِكَ، وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَاصَنَعْتُ، وَاَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَاَعْتَرِفُ بِذُنُوْبِي، فَاغْفِرْلِي ذُنُوْبِي، اِنَّهُ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلاَّ اَنْتَ۔

صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں اور یہی عام طور پر معروف ہیں:

جو شخص یقین کے ساتھ یہ کلمات کو شام کو پڑھتا ہے اور پھر اسی رات کو وفات پا جاتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہو گی، یہی معاملہ صبح کو پڑھنے اور دن کا ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّي، لَااِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ، خَلَقْتَنِي وَاَنَا عَبْدُكَ، وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَاصَنَعْتُ، اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَاَبُوْءُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْلِيْ، فَاِنَّهُ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلاَّ اَنْتَ۔

(٣٠٩٢)۔ عَنْ اَبِي هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِذَا اَصْبَحْتُمْ فَقُوْلُوْا: اَللّٰهُمَّ! بِكَ اَصْبَحْنَا، وَبِكَ اَمْسَیْنَا، وَبِكَ نَحْیَا، وَبِكَ نَمُوْتُ، وَاِلَیْكَ النُّشُوْرُ۔ وَاِذَا اَمْسَیْتُمْ، فَقُوْلُوْا: اَللّٰهُمَّ! بِكَ اَمْسَیْنَا، وَبِكَ اَصْبَحْنَا، وَبِكَ نَحْیَا، وَبِكَ نَمُوْتُ، وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ۔)) (الصحیحة: ٢٦٣)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جب تم صبح کرو تو کہو: اے اللہ! تیری قدرت سے ہم نے صبح کی اور شام کی، تیری قدرت سے ہم جی رہے ہیں اور تیری قدرت سے مریں گے اور تیری ہی طرف اکٹھا ہونا ہے۔ اور جب تم شام کرو تو کہو: اے اللہ! تیری قدرت سے ہم نے شام کی اور صبح کی اور تیری قدرت سے ہم جی رہیں اور تیری قدرت سے ہم مریں گے اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے۔‘‘

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ٢/ ٤٤٠، والترمذی فی "سننه": ٤/ ٢٢٩

(٣٠٩٣)۔ عَنْ اَبِي هُرَیْرَةَ: كَانَ ﷺ اِذَا اَصْبَحَ، قَالَ: ((اَللّٰهُمْ! بِكَ اَصْبَحْنَا،

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بوقتِ صبح یہ دعا پڑھتے: اے اللہ! تیرے ساتھ ہم نے صبح کی

وَبِكَ اَمْسَيْنَا ، وَبِكَ نَحْيَا ، وَبِكَ نَمُوْتُ ، اِلَيْكَ النُّشُوْرُ۔)) وَاِذَا اَمْسٰی ، قَالَ: ((اَللّٰهُمَّ ! بِكَ اَمْسَيْنَا ، وَبِكَ اَصْبَحْنَا ، وَبِكَ نَحْيَا ، نَمُوْتُ ، وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔)) (الصحيحة:٢٦٢)

اور تیرے ساتھ ہم نے شام کی اور تیرے ساتھ ہم زندہ ہیں اور تیرے ساتھ ہم مریں گے اور تیری ہی طرف اٹھ کر جانا ہے۔'' اور شام کے وقت یہ دعا پڑھتے: ''اے اللہ! ہم نے تیرے ساتھ شام کی اور تیرے ساتھ ہم نے صبح کی اور تیرے ساتھ ہم زندہ ہیں اور تیرے ساتھ ہم مریں گے اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

تخریج: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ١١٩٩ ، وابن حبان في "صحيحه": ٢٣٥٤ ، واخرجه احمد: ٢/ ٣٥٤۔ ٣٥٥ وابن حبان: ٢٣٥٥ دون دعاء المساء وبلفظ ((واليك المصير)) بدل ((واليك النشور))

شرح:...... ''اللہ کے ساتھ'' سے مراد اس کی توفیق اور قدرت ہے۔

(٣٠٩٤)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ، عَنْ اَبِيْهِ ، عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ قَالَ فِي يَوْمٍ مِئَتَيْ مَرَّةٍ مِئَةً إِذَا أَصْبَحَ ، وَمِئَةً إِذَا أَمْسٰی: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ لَمْ يَسْبِقْهُ اَحَدٌ كَانَ قَبْلَهٗ ، وَلَا يُدْرِكُهٗ اَحَدٌ كَانَ بَعْدَهٗ ، اِلَّا مَنْ عَمِلَ اَفْضَلَ مِنْ عَمَلِهِ۔)) (الصحيحة:٢٧٦٢)

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے، وہ ان کے دادا سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے صبح کو سو (١٠٠) دفعہ اور شام کو سو (١٠٠) دفعہ، یعنی کل دو سو (٢٠٠) دفعہ یہ کلمہ پڑھا: اللہ ہی معبودِ برحق ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، ساری تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔تو (مقام و مرتبہ کے لحاظ سے) اس سے پہلے والے اس سے سبقت لے سکیں گے نہ بعد والے اس کے (مقام تک) رسائی حاصل کر سکیں گے، ہاں وہ آدمی جو اس سے زیادہ عمل کرے گا۔''

تخریج: أخرجه النسائي في "اليوم الليلة": ٥٧٦ و ٥٧٧ ، وكذا ابن السني:٧٣ ، وابن الأعربي في "المعجم": ق٢١٦/ ١ ، والحاكم:١/ ٥٠٠ وقال "مائة" وأحمد: ٢/ ١٨٥ و ٢١٤ ، والخطيب في "التاريخ": ٣/ ٢٥

(٣٠٩٥)۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِفَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: ((مَا يَمْنَعُكِ اَنْ تَسْمَعِيْ مَا اُوْصِيْكِ بِهِ؟

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا: ''کون سا مانع ہے جو تجھے میری وصیت نہیں سننے دیتا؟ تو صبح و شام یہ دعا پڑھا کر:

اَنْ تَقُوْلِي اِذَا اَصْبَحْتِ وَاِذَا اَمْسَيْتِ: يَا حَيُّ! يَاقَيُّوْمُ! بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ، وَاَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ، وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ اَبَدًا۔)) (الصحيحة: ٢٢٧)

''اے زندہ رہنے والے! اپنے بل پر قائم رہ کر اپنے ما سوا چیزوں کی حفاظت کرنے والے! میں تیری رحمت کے ذریعے تجھے مدد کے لیے پکارتی ہوں (پکارتا ہوں)، تو میرے تمام معاملات کو سنوار دے اور مجھے لمحہ بھر کے لیے بھی میرے سپرد نہ کر۔''

تخریج: رواه ابن السنی فی"عمل الیوم واللیلة": ٤٦، و النسائی: ٣٨١/ ٥٧٠، والبزار فی"مسنده": ٤/ ٢٥/ ٣١٠٧، والحاكم: ١/ ٥٤٥

(٣٠٩٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى، عَنْ اَبِيْهِ، قَالَ: كَانَ ﷺ يُعَلِّمُنَا اِذَا اَصْبَحَ اَحَدُنَا اَنْ يَّقُوْلَ: ((اَصْبَحْنَا عَلٰى فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ، وَكَلِمَةِ الْاِخْلَاصِ، وَدِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ وَمِلَّةِ اَبِيْنَا اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا مُسْلِمًا وَمَاكَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔)) (الصحيحة:٢٩٨٩)

عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابزی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صبح کے وقت یہ دعا پڑھنے کی تعلیم دی: ''ہم نے فطرتِ اسلام، کلمۂ اخلاص، اپنے نبی محمد ﷺ کے دین، اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت پر صبح کی، (وہ ابراہیم) جو یکسو مسلمان تھے اور مشرک نہ تھے۔''

تخریج: أخرجه النسائي في"عمل اليوم والليلة": ١/١٣٣، وكذا ابن السني:١٢/ ٣٢، والدارمي:٢/ ٢٩٢، والطبراني في"الدعاء": ٢/ ٩٢٦/ ٢٩٤، وابن أبي شيبة في"المصنف": ٩/ ٧١/ ٦٥٩١، وأحمد:٣/ ٤٠٧

(٣٠٩٧)۔ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيْتُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ عَشَرَ مَرَّاتٍ۔، كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ قَالَهَا عَشَرَ حَسَنَاتٍ، وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا عَشَرَ سَيِّئَاتٍ، وَرَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا عَشَرَ دَرَجَاتٍ، وَكُنَّ لَهُ كَعَشْرِ رِقَابٍ، وَكُنَّ لَهُ مَسْلَحَةً مِنْ اَوَّلِ

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے صبح کے وقت دس دفعہ یہ دعا پڑھی: اللہ ہی معبودِ برحق ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، ساری تعریف اسی کے لیے ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ہر ایک بار کے بدلے اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا، دس برائیاں معاف کرے گا، دس درجے بلند کرے گا، یہ کلمات اس کے لیے دس غلاموں کو آزاد کرنے (کے ثواب) کے برابر ہوں گے، اور اس کی صبح سے شام تک حفاظت کریں گے

النَّهَارِ اِلَى آخِرِهِ، وَلَمْ يَعْمَلْ يَوْمَئِذٍ عَمَلاً يَقْهَرُهُنَّ، فَاِنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ، فَكَذٰلِكَ۔)) (الصحيحة: ١١٤، ٢٥٦٣)

اور اس دن اس آدمی کا کوئی عمل، اس عمل پر غالب نہیں آ سکے گا۔ اگر بوقتِ شام یہ ذکر کیا تو یہی ثواب ملے گا۔"

تـخـريـج: أخرجه أحمد: ٥/ ٤٢٠، والطبرانی فی "المعجم الكبير": ٤/ ١٥١/ ٣٨٨٣، و "الدعاء": ٢/ ٩٥٠/ ٣٣٧

٢٥٦٣: تخريج: أخرجه أحمد: ٥/ ٤٢٠، والطبرانی: ٤/ ١٥١/ ٣٨٨٣

(٣٠٩٨)۔ عَنِ الْمُنْذِرِ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَ يَكُوْنُ بِـ(اَفْرِيْقِيَّة) قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ: رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا۔ فَاَنَا الزَّعِيْمُ، لَآخُذَنَّ بِيَدِهٖ حَتّٰى اُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ۔)) (الصحيحة: ٢٦٨٦)

صحابی رسول سیدنا منذر رضی اللہ عنہ، جو افریقہ میں تھے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: "جس آدمی نے بوقتِ صبح یہ دعا پڑھی: میں اللہ کے ربّ ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد (ﷺ) کے رسول ہونے پر راضی ہوں۔ تو میں (محمد) اس بات کا ضامن و کفیل ہوں کہ اس کا ہاتھ پکڑے رکھوں گا، یہاں تک کہ اسے جنت میں داخل کر دوں گا۔"

تخريج: رواه الطبرانی

شرح:...... سبحان اللہ! نبی کریم ﷺ نے حشر کے میدان اپنی رفاقت حاصل کرنے کے تمام اسباب ہمیں عطا کر دیے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم صبح کے وقت یہ دعا پڑھنے کا اہتمام کریں:
رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا۔

(٣٠٩٩)۔ عَنْ اَبِي مَالِكٍ الْاَشْعَرِيِّ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَنَا اَنْ نَقُوْلَ اِذَا اَصْبَحْنَا، وَاِذَا اَمْسَيْنَا، وَاِذَا اضْطَجَعْنَا عَلٰى فُرُشِنَا: ((اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، اَنْتَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ، وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُوْنَ اَنَّكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، فَاِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ اَنْفُسِنَا، وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَشِرْكِهٖ، وَاَنْ نَقْتَرِفَ عَلٰى اَنْفُسِنَا سُوْءً،

سیدنا ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم صبح کو، شام کو اور بستر پر لیٹتے وقت کہیں: "اے اللہ! جو زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا اور مخفی و ظاہر چیزوں کو جاننے والا ہے، تو ہر چیز کا پروردگار ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں کہ تو ہی معبودِ برحق ہے، ہم تیری پناہ چاہتے ہیں اپنے نفسوں کے شرّ سے، شیطان کے شرّ سے، اس کی دعوتِ شرک سے اور اس بات سے ہم اپنے نفسوں پر کسی برائی کا ارتکاب کریں یا کسی مسلمان کو اس میں مبتلا کر دیں۔"

أَوْنَجُرَّهُ إِلَى مُسْلِمٍ)) (الصحيحة:٢٧٦٣)

تخریج: أخرجه أبوداود :٥٠٨٣، والطبرانى فى "الكبير": ٣/ ٢٩٥/ ٢٤٥٠، وفى "مسند الشاميين": ص ٣٣٢

(٣١٠٠)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ أَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مُرْنِي بِشَيْءٍ أَقُوْلُهُ إِذَا أَصْبَحْتُ وَإِذَا أَمْسَيْتُ، قَالَ: ((قُلْ: اَللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي، وَشَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ۔ قُلْهُ إِذَا أَصْبَحْتَ، وَإِذَا أَمْسَيْتَ، وَإِذَا أَخَذْتَ مَضْجَعَكَ۔)) (الصحيحة: ٢٧٥٣)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی دعا کا حکم دیں، جسے میں صبح و شام پڑھا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یوں کہا کر: اے اللہ! غائب و حاضر کو جاننے والے! آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! ہر چیز کے ربّ اور مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبودِ برحق مگر تو ہی، میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے نفس کے شرّ سے اور شیطان کے شرّ اور اس کے شرک سے۔'' جب تو صبح کرے اور شام کرے اور اپنے بستر پر لیٹے تو یہ دعا پڑھا کر۔''

تخریج: اخرجه ابوداود الطيالسى فى "مسنده": ٢٥٨٢، والترمذى: ٣٣٨٩، وابوداود: ٥٠٦٧، وابن ابى شيبة: ١٠/ ٢٣٧/ ٩٣٢٣، واحمد: ٢/ ٢٩٧، ١/ ٩، ١٠، والنسائى: ٤/ ٤٠١/ ٧٦٩١، ٣٠٤/ ٧٦٩٩، وفى "الكبرى": ٤/ ٤٠٨/ ٧٧١٤، والحاكم: ١/ ٥١٣، وابو يعلى فى "مسنده": ١/ ٢٦

سوتے وقت کی دعائیں اور آداب

(٣١٠١)۔ عَنْ جَابِرٍ كَانَ ﷺ لَايَنَامُ حَتّٰى يَقْرَأَ الم تَنْزِلُ السَّجْدَةَ وَتَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔ (الصحيحة: ٥٨٥)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک نہیں سوتے تھے، جب تک سورۂ سجدہ ﴿الٓمٓ۔ تَنْزِيْلُ﴾ اور سورۂ ملک ﴿تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ کی تلاوت نہ کر لیتے تھے۔

تخریج: أخرجه البخارى فى "الأدب المفرد": ١٢٠٩، والنسائى فى "عمل اليوم والليلة"، وكذا ابن السنى: ٦٦٩، والترمذى: ٢/ ١٤٦، والدارمى: ٢/ ٤٥٥، وأحمد: ٣/ ٣٤٠، والبغوى: ٦/ ٥٩٦، والنسائى: ٧٠٦

شرح:...... ہمیں اس سنتِ مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے سونے سے پہلے سورۂ ملک اور سورۂ سجدہ کی تلاوت کرنی چاہیے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((سُوْرَةُ تَبَارَكَ هِيَ الْمَانِعَةُ

مِـنْ عَـذَابِ الْـقَبْرِ۔)) ......''﴿تَبَـارَكَ الَّـذِيْ﴾ یعنی سورۂ ملک عذاب قبر کو روکنے والی ہے۔'' (صحيحه: ١١٤٠، واخرجه أبو الشيخ في "طبقات الأصبهانيين" ٢٦٤، وأخرجه الحاكم: ٢/ ٤٩٨، واخرجه الحاكم موقوفا، وهو فى حكم المرفوع)

(٣١٠٢)۔ عَـنْ عَـائِشَةَ، قَـالَـتْ: كَانَ ﷺ لَايَنَامُ حَتّٰى يَقْرَأَ الزُّمَرَ وَبَنِيْ اِسْرَائِيْلَ۔ (الصحيحة: ٦٤١)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تک سورۂ زمر اور سورۂ بنی اسرائیل کی تلاوت نہیں کر لیتے، اس وقت تک سوتے نہیں تھے۔

تخريج: أخرجه االترمذى: ٤/ ٢٣٢۔تحفة، وابن خزيمة فى "صحيحه": ١/ ١٢٦/ ٢، وابن نصر فى "قيام الليل": ٦٩، والحاكم: ٢/ ٤٣٤، وأحمد: ٦/ ٦٨/ ١٢٢

شرح:...... سورہ زمر آٹھ اور سورۂ بنی اسرائیل بارہ رکوعات پر مشتمل ہے، ہمارے لیے یہ ایک مشکل عمل ہے، لیکن پارسا ہستیوں کو نیک اعمال آسان محسوس ہوتے ہیں، اگرچہ وہ مشکل ہی ہوں۔ ہمیں چاہئے کہ اگر روزانہ نہیں تو بسا اوقات اس سنت میں رسول اللہ ﷺ کی موافقت اختیار کر لیا کریں۔

(٣١٠٣)۔ عَـنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُـوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَـنْ قَالَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِـرَاشِـهٖ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَفَانِيْ وَآوَانِيْ۔ اَلْـحَـمْـدُ لِـلّٰـهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنِيْ وَسَقَانِيْ، اَلْـحَـمْـدُ لِـلّٰـهِ الَّذِيْ مَنَّ عَلَيَّ وَاَفْضَلَ۔ اَللّٰهُمْ! اِنِّـيْ اَسْاَلُكَ بِعِزَّتِكَ اَنْ تُنْجِيَنِيْ مِنَ الـنَّـارِ، فَـقَـدْ حَـمِدَ اللّٰهَ بِجَمِيْعِ مَحَامِدِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ۔)) (الصحيحة: ٣٤٤٤)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی نے بستر پر لیٹ کر یہ دعا پڑھی: ساری تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے کفایت کیا اور جگہ دی، ساری تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے کھلایا اور پلایا اور ساری تعریف اس اللہ کی ہے جس نے مجھ پر احسان کیا اور مہربانی کی۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیری عزت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے آگ سے نجات دے دے۔ تو اس نے تمام مخلوقات کی بیان کردہ اللہ تعالی کی تعریفات کہہ ڈالیں۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ١/ ٥٤٥۔ ٥٤٦، وابن السني في "عمل اليوم والليلة": ٢٢٩/ ٧١٤، والبيهقي في "الشعب": ٤/ ٩٣/ ٤٣٨٢

شرح:...... اللہ تعالی کو اپنی تعریف و توصیف اور حمد و ثنا بہت پسند ہے اور حقیقت میں وہی سبحان ہستی ہے جو تمام کمالات و جمالات کی محور ہے، اگر کسی انسان، فرشتے، جن یا کسی دوسری مخلوق میں کوئی کمال نظر آتا ہے تو وہ اُسی کی عطا ہے۔ اس حدیث میں جس دعا کی تعلیم دی گئی ہے اس میں اللہ تعالی کی تعریف اور بندے کی عاجزی کا انتہائی انداز اختیار کیا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ سوتے وقت یہ دعا پڑھی جائے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَفَانِيْ وَآوَانِيْ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنِيْ وَسَقَانِيْ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ مَنَّ عَلَيَّ وَاَفْضَلَ۔ اَللّٰهُمَّ! اِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِعِزَّتِكَ اَنْ تُنْجِيْنِيْ مِنَ النَّارِ۔

(٣١٠٤)۔ عَنْ مُعَاذٍ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَبِيْتُ عَلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ طَاهِرًا، فَيَتَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ ، فَيَسْأَلُ اللّٰهَ خَيْرًا مِنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ۔)) (الصحيحة:٣٢٨٨)

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو مسلمان باوضوء ہوکر اور اللہ تعالی کا ذکر کر کے رات کو سو جاتا ہے، وہ رات کے کسی حصے میں اٹھ کر جب بھی اللہ تعالی سے دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالی اسے دے دیتا ہے۔“

تخريج: أخرجه الطيالسي في "مسنده":٧٧/ ٥٦٣ ، وابوداود: ٥٠٤٢ ، واحمد: ٥/ ٢٣٤ ، وابن ماجه: ٣٨٨١

شرح:...... اس میں باوضوسونے کی فضیلت کا بیان ہے کہ ایسا آدمی رات کو بیدار ہوتے وقت دین و دنیا کی خیر و بھلائی کی جو دعا کرے گا وہ قبول ہوگی۔

(٣١٠٥)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ، قَالَ: كَانَ ﷺ يَقُوْلُ حِيْنَ يُرِيْدُ اَنْ يَنَامَ: ((اَللّٰهُمَّ! فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ! عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ! رَبَّ كُلِّ شَيءٍ! وَاِلٰهَ كُلِّ شَيءٍ! اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ، وَحْدَكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ ، وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ ، وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ، اَللّٰهُمَّ! اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ ، وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰى نَفْسِيْ اِثْمًا ، اَوْاَرُدَّهُ اِلٰى مُسْلِمٍ۔))

(الصحيحة:٣٤٤٣)

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب سونے کا ارادہ کرتے تو فرماتے: ”اے اللہ! آسمان و زمین کو پیدا کرنے والے! غائب و حاضر کو جاننے والے! ہر چیز کے ربّ! ہر چیز کے معبودِ برحق! میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی معبودِ برحق ہے، تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، اور یہ کہ محمد (ﷺ) تیرے بندے اور رسول ہیں اور اس بات پر فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان اور اس کے شرک سے اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس بات سے کہ میں اپنے نفس پر برائی کا ارتکاب کروں یا کسی مسلمان کے حق میں برائی کروں۔“

تخريج: أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ١٣/ ٤٠/ ٩٤ وفي "الدعاء": ٢/ ٩١٢/ ٢٦٣ ، وأخرجه احمد: ٢/ ١٧١ وذكر الدعاء مع اختلاف يسير فى بعض الالفاظ ، ورواه الطبرانى ايضا: ١٣/ ٢٦/ ٥٢ ، والبيهقى فى "الدعوات الكبير": ٢/ ١١٢/ ٣٥٣ نحو حديث أحمد

(٣١٠٦)۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: كَانَ ﷺ يَتَوَسَّدُ يَمِينَهُ عِنْدَ الْمَنَامِ، ثُمَّ يَقُولُ: ((رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ۔)) (الصحيحة:٢٧٠٣)

سیدنا برا بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سوتے وقت دایاں ہاتھ سر کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے: ''اے میرے ربّ! جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا، اس دن مجھے اپنے عذاب سے بچانا۔''

تخریج: أخرجه الترمذي في "الشمائل": رقم ٢٥٢، وأحمد: ٤/ ٣٠٠، و النسائي: ٧٥٨، والترمذي في "السنن": ٣٣٩٦ ايضا

(٣١٠٧)۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: كَانَ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ الْأَيْمَنِ، وَيَقُولُ: ((اَللّٰهُمَّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ۔)) وَرَدَ أَيْضًا مِنْ حَدِيثِ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، وَحَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ۔ (الصحيحة: ٢٧٥٤)

سیدنا برا ابن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ک جب رسول اللہ ﷺ سوتے تو اپنا ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے: اے اللہ! جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا، اس دن مجھے اپنے عذاب سے بچانا۔'' یہ حدیث سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔

تخريج: ورد من حديث البراء بن عازب، وحذيفة بن اليمان، وحفصة بنت عمر

(١) أما حديث البراء: أخرجه البخاري في "الأدب المفرد": ١٢١٥، وأحمد: ٤/ ٢٩٠، ٢٩٨، ٣٠٣، والنسائي: ٤٥٠/ ٧٥٥، وابن ماجه: ٣٩٢٣۔الأعظمي، والترمذي: ٣٣٩٦

(٢) وأما حديث حذيفة: أخرجه الترمذي: ٣٣٩٥، والحميدي: ٤٤٤، وأحمد: ٥/ ٣٨٢

(٣) وأما حديث حفصة: أخرجه أبوداود: ٥٠٤٥، وابن شيبة: ١٠/ ٢٥٠/ ٩٣٥٨، وأحمد: ٦/ ٢٨٧، ٢٨٨، وأبو يعلى: ٤/ ١٦٧٥، ١٦٨١، وابن السني في "عمل اليوم والليلة": ٢٣١، وكذا النسائي فيه: ١٧٦/٤٥٢

شرح:...... معلوم ہوا کہ رات کو سوتے وقت دائیں پہلو پر لیٹا جائے اور دائیں رخسار کے نیچے دایاں ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھی جائے:

اَللّٰهُمَّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ۔

(٣١٠٨)۔ عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ، تَوَضَّأَ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ وَهُوَ جُنُبٌ، غَسَلَ يَدَيْهِ۔ (الصحيحة:٣٩٠)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب جنابت کی حالت میں سونا چاہتے تو وضو کر لیتے اور اگر اس حالت میں کھانا کھانا چاہتے تو ہاتھ دھو لیتے تھے۔

تخریج: أخرجه النسائي: ۱/ ۵۰، وفي "الكبرى" ايضا: ق ٦٥/ ۲، واحمد: ٦/ ۱۱۸، ۱۱۹

شرح:...... معلوم ہوا کہ جنابت والے آدمی کو وضو کر کے سونا چاہئے، لیکن ایسا کرنا مستحب ہے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا کوئی آدمی جنابت کی حالت میں سو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((نَعَمْ، وَيَتَوَضَّأُ إِنْ شَاءَ۔)) (ابن خزیمه، ابن حبان) ......"جی ہاں، اور اگر وہ چاہتا ہے تو وضو کر لے۔"

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ بڑی پیاری اور عمدہ حدیث ہے، اس میں کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی سنت کا بیان ہے، یہ حدیث درج ذیل ضعیف حدیث سے کفایت کرتی ہے: ((بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ قَبْلَهُ وَ بَعْدَهُ۔)) ......"کھانے کی برکت اس میں ہے کہ اس سے پہلے اور اس کے بعد وضو کیا جائے۔" میں نے ضعیفہ (١٦٨) میں اس کے ضعف کی وضاحت کی ہے۔ (صحیحہ: ۳۹۰)

قارئین کرام! امام البانی رحمہ اللہ نے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کا استدلال اس حدیث کے اُن الفاظ سے کیا ہے، جن میں "وَهُوَ جُنُبٌ" کے الفاظ نہیں پائے جاتے، جب اُن کو ان الفاظ کا علم ہوا تو انھوں نے کہا:

جب مجھے اس روایت کے الفاظ "وَهُوَ جُنُبٌ" کا پتہ چلا تو معلوم ہوا کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی سنت اس آدمی کے لیے ہے، جس پر جنابت کا غسل فرض ہو۔ (صحیحہ: ۳۹۰) عام حالات میں کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا کسی کا طبعی فیصلہ ہو سکتا ہے، اسے سنت نہیں قرار دیا جا سکتا۔

(۳۱۰۹)۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ : كَانَ ﷺ إِذَا أَوٰى إِلَى فِرَاشِهِ نَامَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قَالَ: ((اَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِيْ إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِيْ إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ۔)) وَقَالَ ﷺ: ((مَنْ قَالَهُنَّ ثُمَّ مَاتَ تَحْتَ لَيْلَتِهِ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ۔)) (الصحيحة: ۲۸۸۹)

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے بستر پر لیٹتے تو دائیں پہلو پر لیٹتے اور یہ دعا پڑھتے تھے: "اے اللہ! میں نے اپنے نفس کو تیرے تابع کر دیا، اپنا چہرہ تیری طرف پھیر لیا، اپنا کام تیرے سپرد کر دیا، اپنی پشت تیری طرف جھکائی، تیری طرف رغبت کرتے ہوئے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے، نہ تجھ سے پناہ کی کوئی جگہ ہے اور نہ بھاگ کر جانے کی مگر تیری ہی طرف، میں ایمان لایا تیری کتاب پر جو تو نے نازل کی اور تیرے نبی پر جو تو نے بھیجا۔" نیز آپ ﷺ نے فرمایا: "جو آدمی یہ کلمات کہے اور اسی رات کو مر جائے تو وہ فطرتِ اسلام پر مرے گا۔"

تخریج: أخرجه البخاري في "صحيحه": ۱۱/ ۱۱۵/ ٦۳۱۵، وفي "الأدب المفرد": ۱۲۱۳۔ واخرجه البخاري: ۱/ ۳۵۷، ومسلم: ۸/ ۷۷، وابوداود: ۵۰٤٦، والترمذي: ۳۵٦۹، وغيره بلفظ: ((اذا اتيت

مضجعك فتوضأ وضوءك للصلاة، ثم اضطجع على شقك الايمن ثم قل: ......)) وزاد في آخره: ((واجعلهن آخر ما تتكلم به۔)) قال: فرددتها على النبي ﷺ، فلما بلغت: ((اللهم آمنت بكتابك الذى انزلت)) قلت: ورسوك، قال: ((لا، ونبيك الذى ارسلت۔))

شرح:...... رات کو سوتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے، اگر کوئی آدمی یہ دعا پڑھنے کے بعد رات کو فوت ہو جاتا ہے تو وہ فطرتِ اسلام پر فوت ہوگا:

اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ، وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً اِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي اَنْزَلْتَ، وَنَبِيِّكَ الَّذِي اَرْسَلْتَ۔

مظلوم کی بددعا مقبول ہوتی ہے

(٣١١٠)۔ عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ مَرْفُوْعًا: ((اِتَّقُوْا دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ، فَاِنَّهَا تُحْمَلُ عَلَى الْغَمَامِ، يَقُوْلُ اللّٰهُ جَلَّ جَلَالُهُ: وَعِزَّتِي! وَجَلَالِيْ! لَاَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ۔)) (الصحيحة: ٨٧٠)

سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مظلوم کی بددعا سے بچو، کیونکہ اسے بادلوں پر اٹھا لیا جاتا ہے (یعنی فوراً قبول ہو جاتی ہے)۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: میری عزت کی قسم اور میرے جلال کی قسم! میں تیری مدد ضرور کروں گا، اگرچہ کچھ وقت کے بعد کروں۔''

تخريج: رواه البخاري في "التاريخ الكبير": ١/ ١/ ١٨٦، والدولابي: ٢/ ١٢٣، والطبراني: ١/ ١٨٦/ ١

شرح:...... مظلوم، وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، کی بددعا قبول ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر ہم ''لولے لنگڑے'' اور غریب و فقیر بندوں سے اخلاقِ حسنہ والا پہلو اختیار نہیں کر سکتے تو کم از کم ان کے ساتھ ایسا رویہ بھی اختیار نہ کریں کہ ہم ان کی بددعاؤں کا مصداق بنتے رہیں۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بے بس، بے آسرا اور لاچار لوگوں کی ضرورتیں پوری کی جائیں، تاکہ وہ اپنے محسنین کے حق میں دعائیں کریں۔

(٣١١١)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِتَّقُوْا دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ، فَاِنَّهَا تَصْعَدُ اِلَى السَّمَاءِ كَاَنَّهَا شِرَارٌ۔)) (الصحيحة: ٨٧١)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مظلوم کی بددعا سے بچو، یہ تو چنگاریوں کی طرح آسمان کی طرف اٹھتی ہے۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ١/ ٢٩، والديلمي في "المسند": ١/ ١/ ٤٢

(٣١١٢)۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَرْفُوْعًا:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ

((اِتَّقُوا دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ وَاِنْ كَانَ كَافِرًا، فَاِنَّهُ لَيْسَ دُوْنَهَا حِجَابٌ۔)) (الصحيحة:٧٦٧)

نے فرمایا: ''مظلوم، اگرچہ وہ کافر ہو، کی بد دعا سے بچو، کیونکہ اس کے سامنے کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔''

تخريج: رواه أحمد: ٣/ ١٥٣، والضياء فى "المختارة": ٢٤٩/ ٢

بوقتِ دعا قبولیت کا یقین ہونا چاہیے

(٣١١٣)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((اُدْعُوا اللّٰهَ تَعَالٰى وَاَنْتُم مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ۔)) (الصحيحة:٥٩٤)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو، اس حال میں کہ تمہیں اس کی قبولیت کا یقین ہو، جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور بے پرواہ دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔''

تخريج: رواه الترمذى: ٢/ ٢٦١، والحاكم: ١/ ٤٩٣، وابن حبان فى "الضعفاء": ١/ ٣٧٢، وابن عدى: ٤/ ٦٢، والخطيب فى "التاريخ": ٤/ ٣٥٦، وأبوبكر الكلاباذى فى "مفتاح معانى الآثار": ٦-٧، وابن عساكر: ٥/ ٦١/ ١

شرح:...... اس حدیث میں دعا کے دو آداب بیان کئے گئے: (۱) اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی جائے، اس کے بارے میں یہ یقینِ محکم ہو کہ وہ ضرور قبول کرے گا اور (۲) دعا کو مقصد حیات سمجھ کر اس کے دوران بے پرواہی، بے دلی، سستی، کاہلی اور غفلت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے مقام و مرتبہ اور عظمت و سطوت کے منافی ہے۔ مکمل توجہ اور انہماک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارا جائے اور ایسا کرنا اس وقت تک ناممکن ہے، جب تک مسنون دعاؤں کا ترجمہ نہ آتا ہو یا جب تک دعا کو سمجھا نہ جا رہا ہو۔

دم اور اس کی صورتیں

(٣١١٤)۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اِذَا اشْتَكَيْتَ فَضَعْ يَدَكَ حَيْثُ تَشْتَكِي، وَقُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ، وَبِاللّٰهِ، اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ مِنْ وَجَعِي هٰذَا، ثُمَّ ارْفَعْ يَدَكَ ثُمَّ اَعِدْ ذٰلِكَ وِتْرًا۔)) (الصحيحة:١٢٥٨)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تجھے تکلیف ہو تو اپنا ہاتھ تکلیف والی جگہ پہ رکھ اور یہ دعا پڑھ: اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ کے ساتھ، میں اللہ تعالیٰ کی عزت و قدرت کی پناہ میں آتا ہوں، اس تکلیف سے، جسے میں محسوس کر رہا ہوں۔ پھر اپنا ہاتھ اٹھا لے اور یہ عمل طاق (تین یا پانچ یا سات ......) دفعہ کر۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٢٧٨، والحاكم: ٤/ ٢١٩، والضياء في "المختارة" ق ٥١/ ١

شرح:...... اس حدیث سے درج ذیل دعا ثابت ہوئی، اس کا طریقہ، ترجمہ میں گزر چکا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ، وَبِاللّٰهِ، اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ مِنْ وَجَعِي هٰذَا۔

(٣١١٥)۔ عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَرْقِي، يَقُوْلُ: ((اِمْسَحِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ، بِيَدِكَ الشِّفَاءُ، لَا يَكْشِفُ الْكَرْبَ اِلَّا اَنْتَ۔)) (الصحيحة:١٥٢٦)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ (یہ کلمات پڑھ کر مریض کا) علاج کرتے تھے: ''لوگوں کے ربّ! تکلیف کو دور کر دے، تیرے ہاتھ میں شفا ہے، تو ہی رنج وتکلیف کو ہٹا سکتا ہے۔''

تخریج: أخرجه الأمام أحمد: ٦/ ٥٠، ورواه البخاري: ٤/ ٦٣، ومسلم: ٧/ ١٦ بلفظ: ((لا كاشف له الا انت))

شرح:...... معلوم ہوا کہ مریض کے پاس جا کر یہ دعا پڑھنی چاہئے:

اِمْسَحِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ! بِيَدِكَ الشِّفَاءُ، لَا يَكْشِفُ الْكَرْبَ اِلَّا اَنْتَ۔

(٣١١٦)۔ عَنْ اَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ اَبِي حَثْمَةَ الْقُرَشِيِّ، اَنَّ رَجُلاً مِّنَ الْاَنْصَارِ خَرَجَتْ بِهٖ نَمْلَةٌ، فَدُلَّ عَلٰى اَنَّ الشِّفَاءَ بِنْتَ عَبْدِ اللّٰهِ تَرْقِيْ مِنَ النَّمْلَةِ، فَجَاءَهَا، فَسَأَلَهَا اَنْ تَرْقِيَهُ، فَقَالَتْ: وَاللّٰهِ مَارَقَيْتُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ، فَذَهَبَ الْاَنْصَارِيُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَاَخْبَرَهُ بِالَّذِي قَالَتِ الشِّفَاءُ، فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الشِّفَاءَ، فَقَالَ: ((اِعْرِضِي عَلَيَّ)) فَعَرَضَتْهَا عَلَيْهِ، فَقَالَ: ((اِرْقِيْهِ، وَعَلِّمِيْهَا حَفْصَةَ كَمَا عَلَّمْتِيْهَا الْكِتَابَ، وَفِي رِوَايَةٍ: الْكِتَابَةَ۔)) (الصحيحة :١٧٨)

ابو بکر بن سلیمان بن ابوحثمہ قریشی کہتے ہیں کہ ایک انصاری آدمی کے پہلو میں ایک پھوڑا نکل آیا، اسے بتلایا گیا کہ سیدہ شفا بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا اس پھوڑے پر جھاڑ پھونک کرتی ہیں۔ وہ ان کے پاس گیا اور مطالبہ کیا کہ وہ اسے دم کریں۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے جب سے اسلام قبول کیا، کسی کو دم نہیں کیا۔ وہ انصاری رسول اللہ ﷺ کے پاس چلا گیا اور شفا کی ساری بات بتلا دی۔ آپ ﷺ نے شفا کو بلایا اور اسے فرمایا: ''اپنا دم مجھ پر پیش کرو۔'' انھوں نے ایسے ہی کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''انصاری کو دم کر اور حفصہ کو اس دم کی تعلیم دے، جیسا کہ تو پہلے اسے کتابت سکھلا چکی ہے۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ٥٦-٥٧، واحمد: ٦/ ٣٧٢، ابوداود: ٢/ ١٥٤، والطحاوي في "شرح معاني الآثار": ٢/ ٣٨٨، والنسائي

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث کے ایک متن میں ان الفاظ کی زیادتی ہے: ((اِرْقِي، مَالَمْ يَكُنْ شِرْكٌ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔)) ......''(ہر وہ کلام پڑھ کر) دم کیا کر، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک پر مشتمل نہ ہو۔...... اس حدیث میں ''نَمْلَة'' کا معنی پہلو میں نکلنے والے پھوڑے کے ہیں۔

اس حدیث میں دو فائدے ہیں: (۱) آدمی کا کسی دوسرے کو دم کرنا مشروع ہے، بشرطیکہ دم کے الفاظ میں شرک نہ پایا جاتا ہو۔لیکن دم کروانا مکروہ ہے،جیسا کہ ((سَبَقَكَ بِهَا عُكَاشَةُ)) والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔(۲)عورت لکھائی سیکھ سکتی ہے۔(صحیحہ: ۱۷۸)

معلوم ہوا کہ ہر وہ دم کرنا جائز ہے جو قرآن مجید، مسنون دعاؤں، مسنون اذکار اور اللہ تعالیٰ کے کسی ذکر پر مشتمل ہے، شرط یہ ہے کہ اس میں شرکیہ کلمات نہیں ہونے چاہئیں۔

((سَبَقَكَ بِهَا عُكَاشَةُ)) سے مراد درج ذیل حدیث ہے:

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''امتوں کو مجھ پر پیش کیا گیا، ...... ، پس میں نے بہت بڑا لشکر دیکھا، اس سے افق بھر گیا تھا۔ مجھے کہا گیا: یہ آپ کی امت ہے اور ان کے آگے آگے ستر ہزار افراد ایسے ہیں، جو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہیں، جو بدفال نہیں لیتے، دم نہیں کرواتے، داغ نہیں لگواتے اور اپنے ربّ پر توکل کرتے ہیں۔'' عکاشہ کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے بنا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ! تو اس کو ان میں سے بنا دے۔'' اتنے میں دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور کہا: اللہ تعالیٰ سے میرے لیے بھی دعا کریں کہ مجھے ان میں سے بنا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عکاشہ تجھ سے سبقت لے گیا ہے۔'' (بخاری، مسلم)

(۳۱۱۷)۔ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ، قَالَ: كُنَّا نَرْقِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ تَرٰى فِي ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: ((اِعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ، لَابَاسَ بِالرُّقٰى مَالَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ۔)) (الصحيحة:١٠٦٦)

سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم دورِ جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے۔ (مسلمان ہونے کے بعد) پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ کا ان (دموں) کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے تعویذات (دم) مجھ پر پیش کرو اور (یاد رکھو کہ) اس وقت تک دموں میں کوئی حرج نہیں جب تک وہ شرک پر مشتمل نہ ہوں۔''

تخريج: أخرجه ابن وهب في "الجامع" ١١٩، وعنه مسلم في "صحيحه" ٧/ ١٩، وكذا أبوداود: ٣٨٨٦

شرح:...... جو دم قرآن مجید، مسنون دعاؤں، مسنون اذکار یا اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے اسماء و صفات پر مشتمل ہوں، ان کے ذریعے دم کیا جا سکتا ہے۔ شرکیہ کلمات پر مشتمل دم حرام ہیں۔

(۳۱۱۸)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: اَرْخَصَ النَّبِيُّ ﷺ فِي رُقْيَةِ الْحَيَّةِ لِبَنِي عَمْرٍو۔ قَالَ اَبُوالزُّبَيْرِ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ: لَدَغَتْ رَجُلاً مِنَّا عَقْرَبٌ

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عمر کو سانپ سے دم کرنے کی رخصت دی۔ ابو زبیر کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ ایک بچھو نے ایک آدمی کو ڈسا اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

وَنَحْنُ جُلُوْسٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَرْقِيْ؟ قَالَ: ((مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَنْفَعَ اَخَاهُ، فَلْيَفْعَلْ۔))

(الصحيحة:٤٧٢)

ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اسے دم کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو آدمی اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہے وہ پہنچائے۔“

تخریج: أخرجه مسلم: ٧/ ١٨-١٩، وابن حبان: ٧/ ٦٣٤/ ٦٠٧٠، وأحمد: ٣/ ٣٨٢، والخرائطي في "مكارم الأخلاق": ٩٠

شرح:...... جس انداز میں کسی کے ساتھ بھلا کرنا ممکن ہو، کرنا چاہیے۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کا اپنے بھائی کو دم کرنا مستحب ہے، بشرطیکہ دم ایسے درست کلمات پر مشتمل ہو، جنھیں سمجھا جا سکے۔ جن دموں کے معانی نہیں سمجھے جا سکتے، وہ ناجائز ہیں۔

مناوی نے کہا: کچھ لوگوں نے اس حدیث کے عموم کو سامنے رکھ کر ہر اس دم کو جائز قرار دیا ہے، جس کی منفعت کا تجربہ کیا جا چکا ہو، اگرچہ اس کے معانی سمجھ نہ آتے ہوں، لیکن سیدنا عوف کی گزشتہ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ شرک کا سبب بننے والا دم منع ہے اور اسی طرح جس دم کے معانی نہ سمجھے جا رہے ہوں، وہ بھی شرک کا باعث بن سکتا ہے، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو بھی ممنوع قرار دیا جائے۔

میں (البانی) کہتا ہوں: مناوی کی بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے آل عمرو بن حزم کے دم کا جائزہ لینے کے بعد ان کو اجازت دی، اور جن دموں کے معانی ہی نہیں سمجھے جا سکتے، ان پر جواز یا عدمِ جواز کا حکم ہی نہیں لگایا جا سکتا، اس لیے منع کا عموم ان کو شامل ہوگا۔

رہا مسئلہ دم کا مطالبہ کرنا، تو یہ جائز ہے، لیکن مکروہ ہے۔ (صحیحہ: ۴۷۲) اس حکم کی دلیل "سَبَقَكَ بِهَا عُكَاشَةُ" والی حدیث ہے، جو گزر چکی ہے۔

(٣١١٩)۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ ﷺ يُعَوِّذُ بِهٰذِهِ الْكَلِمَاتِ: ((اَللّٰهُمَّ! رَبَّ النَّاسِ! اَذْهِبِ الْبَأْسَ، وَاشْفِ وَاَنْتَ الشَّافِيْ، لَاشِفَاءَ اِلَّاشِفَاؤُكَ، شِفَاءً لَايُغَادِرُ سَقَمًا۔)) فَلَمَّا ثَقُلَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيْهِ اَخَذْتُ بِيَدِهِ فَجَعَلْتُ اَمْسَحُهُ بِهَا وَاَقُوْلُهَا، فَنَزَعَ يَدَهُ مِنْ يَدِيْ، وَقَالَ: ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ، وَاَلْحِقْنِيْ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کلمات کے ساتھ دم کرتے تھے: ”اے اللہ! لوگوں کے رب! بیماری کو ختم کر دے اور شفا دے، تو شفا دینے والا ہے، تیری شفا کے علاوہ اور کوئی شفا نہیں، ایسی شفا (دے) جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔“ جب آپ ﷺ کی مرض الموت شدت اختیار کر گئی تو میں آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر آپ پر پھیرنے اور یہ دعا پڑھنے لگی۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے کھینچ لیا اور یہ پڑھنے لگ گئے: ”اے اللہ! مجھے بخش دے

بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰی۔)) قَالَتْ: فَكَانَ هٰذَا آخِرُ مَاسَمِعْتُ مِنْ كَلَامِهِ ﷺ۔ (الصحيحة: ٢٧٧٥)

اور مجھے رفیقِ اعلیٰ میں پہنچا دے۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: یہ آخری کلمات تھے جو میں نے آپ ﷺ سے سنے۔

تخريج: أخرجه أبو بكر بن أبي شيبة في "مصنفه": ٨/ ١/ ٤٥، وأخرجه البخاري: ٥٧٤٣ دون قوله: "فلما ثقل......" ومسلم: ٧/ ١٥

شرح:...... معلوم ہوا کہ یہ کلمات پڑھ کر مریض کو دم کرنا چاہئے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَاْسَ، وَاشْفِ وَاَنْتَ الشَّافِيْ، لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لَايُغَادِرُ سَقَمًا۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا یہ دعا پڑھ کر مریض کو دم کرنا چاہیے، آپ ﷺ کی درج ذیل حدیثِ مبارکہ کا یہی تقاضا ہے: ((مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَنْفَعَ اَخَاهُ فَلْيَفْعَلْ۔)) (صحيح مسلم) ...... ''جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہے، اسے ایسے ہی کرنا چاہیے۔''

نبی کریم ﷺ کو بھی دم کیا گیا، جیسا کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور کہا: اے محمد! آپ بیمار ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں۔ پھر انھوں نے کہا: ((بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ، مِنْ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ، اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ۔)) (صحيح مسلم) ...... ''میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کو دم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو آپ کو تکلیف دے اور ہر حسد کرنے والے نفس اور آنکھ سے، اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے۔'' (صحیحہ: ٢٧٧٥)

کیا داغنا اور دم کروانا توکل کے منافی ہے

(٣١٢٠)۔ عَنْ مُغِيْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَنِ اكْتَوٰى اَوِ اسْتَرْقٰى، فَقَدْ بَرِئَ مِنَ التَّوَكُّلِ.)) (الصحيحة: ٢٤٤)

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ آدمی توکل سے بری ہو گیا جس نے اپنے بدن پر داغ لگایا یا دم کرنے کو کہا۔''

تخريج: رواه الترمذي: ٣/ ١٦٤، وابن حبان في "صحيحه": ١٤٠٨، وابن ماجه: ٢/ ١١٥٤/ ٣٤٨٩، والحاكم: ٤/ ٤١٥، وأحمد: ٤/ ٢٤٩، ٢٥٣

شرح:...... بلاشک وشبہ دم کروانا اور علاج کے لیے بدن پر داغ لگوانا جائز ومباح ہے۔ اس حدیث میں توکل کی اعلیٰ قسم سے متصف لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ہر بیماری من جانب اللہ سمجھ کر اس کے علاج کو اسی اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دم کا مطالبہ کرنا یا داغ لگانا مکروہ ہے۔ ہاں اگر کوئی آدمی کسی ایسے بندے کو تکلیف میں دیکھ کر خود دم کر دے تو یہ اس کے توکل کے منافی نہیں ہو گا۔

امام البانی کہتے ہیں: اس حدیث سے پتہ چلا کہ داغ لگوانا اور دم کا مطالبہ کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اول الذکر چیز میں آگ کا عذاب پایا جاتا ہے اور مؤخر الذکر میں دوسرے کا محتاج بننا پڑتا ہے، جس کا فائدہ مظنون اور غیر راجح ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے، بخاری و مسلم میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان کی صفات یہ بیان کی گئی ہیں کہ وہ دم کا مطالبہ نہیں کرتے، بدن پر داغ نہیں لگواتے، بدفالی نہیں لیتے اور اپنے ربّ پر توکل کرتے ہیں۔ (صحیحہ: ٢٤٤)

تعویذ

(٣١٢١)۔ عَنْ قَيْسِ بْنِ السَّكَنِ الْاَسَدِيِّ، قَالَ: دَخَلَ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى امْرَاَتِهِ فَرَاٰى عَلَيْهَا حَرْزًا مِنَ الْحُمْرَةِ، فَقَطَعَهُ قَطْعًا عَنِيْفًا، ثُمَّ قَالَ: اِنَّ آلَ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ الشِّرْكِ اَغْنِيَاءُ ۔ وَقَالَ: كَانَ مِمَّا حَفِظْنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((اِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ، شِرْكٌ۔)) (الصحيحة:٢٩٧٢)

قیس بن سکن اسدی کہتے ہیں: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو دیکھا کہ اس نے خسرہ کی بیماری کی وجہ سے تعویذ پہنا ہوا تھا، آپ نے اسے سختی سے کاٹا اور کہا: عبد اللہ کی آل، شرک سے بیزار ہے، ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات بھی یاد کی ہے کہ: ''بلاشبہ جھاڑ پھونک، تعویذ اور حبّ کے اعمال شرک ہیں۔''

تخريج: أخرجه الحاكم: ٤/ ٢١٧

شرح:...... تعویذات کی کیفیات، مقاصد اور غایات مختلف ہیں، اس لیے ان پر ایک حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے، تفصیل درج ذیل ہے:

(١) شرک اکبر: وہ تعویذات جو شیاطین اور دوسری مخلوقات سے مدد طلب کرنے پر مشتمل ہوں، وہ بلا شک و شبہ شرک ہیں، کیونکہ مدد کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

(٢) حرام: وہ تعویذات، جو ایسے اسما پر مشتمل ہوں جنھیں سمجھا نہ جا سکے، حرام ہیں اور یہ شرک اکبر کا مرتکب ہونے کا سبب بن سکتے ہیں۔

(٣) جو تعویذات قرآن کریم کی آیات یا مسنون اذکار و ادعیہ یا اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات پر مشتمل ہوں، ایسے تعویذات کو ترک کر دینا بہتر ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ طریقۂ علاج نہیں اپنایا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسے تعویذات بھی مذکورہ بالا دونوں صورتوں کا سبب بن سکتے ہیں۔ اور عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس قسم کے تعویذات کا استعمال کرنے والوں کے عقیدوں میں بڑی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔

رہا مسئلہ دم اور جھاڑ پھونک کا، تو جو دم قرآن و سنت یا اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر مشتمل ہو، وہ مستحب ہے۔ لیکن

اس باب میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ دم کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ لوگوں کو دم کرے، کیونکہ یہ احسان ہے اور دم کروانے والے کے حق میں دم کا مطالبہ کرنا جائز ہے، افضل نہیں ہے۔

اور جس دم میں غیر اللہ کو پکارا جائے اور غیر اللہ سے شفا طلب کی جائے وہ شرک اکبر ہوگا۔

(٣١٢٢)۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرِ الْجُهَنِيِّ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَقْبَلَ اِلَيْهِ رَهْطٌ ، فَبَايَعَ تِسْعَةً ، وَاَمْسَكَ عَنْ وَاحِدٍ۔ فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! بَايَعْتَ تِسْعَةً وَتَرَكْتَ هٰذَا؟ قَالَ: ((اِنَّ عَلَيْهِ تَمِيْمَةً۔)) فَاَدْخَلَ يَدَهُ ، فَقَطَعَهَا ، فَبَايَعَهُ وَقَالَ: ((مَنْ عَلَّقَ تَمِيْمَةً ، فَقَدْ اَشْرَكَ۔)) (الصحيحة:٤٩٢)

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک جماعت (بیعت کرنے کے لیے) نبی ﷺ کے پاس آئی، آپ ﷺ نے نو (٩) افراد سے بیعت لے لی اور ایک سے نہ لی۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے نو (٩) افراد سے بیعت لے لی اور ایک کو ترک کر دیا (کیا وجہ ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس نے تعویذ لٹکایا ہو ہے۔“ اس نے اپنا ہاتھ داخل کیا اور تعویذ کاٹ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے بیعت لی اور فرمایا: ”جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔“

تخریج:أخرجه الامام أحمد: ٤/ ١٥٦ ، والحارث بن أبی أسامة فی "مسنده": ١٥٥ من زوائده"، والحاكم: ٤/ ٢١٩

شرح:..... جو تعویذ شیاطین یا دوسری مخلوقات سے مدد لینے پر مشتمل ہو وہ شرک اکبر ہے اور جو تعویذ غیر مفہمہ کلمات پر مشتمل ہو، وہ حرام ہے۔ اس حدیث کا مصداق تعویذات کی یہی دو صورتیں ہیں۔

تعویذات کی تیسری قسم وہ ہے جو قرآنی آیات، مسنون اذکار یا اللہ تعالیٰ کے اسما وصفات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ بلا شک و شبہ یہ قسم شرک اور حرام امور میں داخل نہیں ہے، کیونکہ اس کا تعلق اجتہادی مسائل سے ہے، بہر حال اس کو ترک کرنا افضل ہے۔ واللہ اعلم۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "تمیمة" سے مراد وہ گھونگے اور دانے وغیرہ ہیں، جو عرب لوگ نظر بد سے بچنے کے لیے اپنے بچوں پر لٹکاتے تھے، اسلام نے اس طریقے کو باطل قرار دیا۔ ابن اثیر نے (النهاية) میں کہا: یہ گمراہی، بدوؤں، کاشت کاروں اور بعض شہریوں میں عام رہی۔ نظر بد سے بچنے کے لیے لوگوں کا گاڑیوں کے شیشوں پر مخصوص منکے یا ان کے آگے پیچھے جوتے لٹکانا اور گھر یا دوکان کے سامنے گھوڑے کے کھر کے کناروں پر چڑھی ہوئی لوہے کی پتی لٹکانا "تمیمة" کی ہی مختلف شکلیں ہیں اور توحید اور اس کی نفی کردہ شرک و بت پرستی کی صورتوں سے دوری کا نتیجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی شکوہ کیا جا سکتا ہے کہ آج مسلمان دین سے دور اور جہالت کے قریب کیوں ہو گئے ہیں،.....

بعض لوگوں نے تاویل کرتے ہوئے کہا: "التمائم" کا واحد "التميمة" ہے، یہ وہ اوراق ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ

کے اسما اور آیاتِ قرآن لکھی جاتی ہیں اور ان کو تبرّک کے لیے سروں پر لٹکایا جاتا ہے۔

یہ تاویل صحیح نہیں ہے، کیونکہ جب "تمائم" کا مطلق طور پر ذکر کیا جائے تو ان سے مراد گھونگے اور دانے وغیرہ ہوتے ہیں، جیسا کہ ابن اثیر کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اور اگر یہ تاویل بھی تسلیم کر لی جائے تو ایسی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، جو اس قسم کے تمیمہ کے فائدہ مند ہونے پر دلالت کرے۔ اسی لیے سلف نے بعض قرآنی آیات اور مسنون دعاؤں پر مشتمل تعویذات کو بھی مکروہ سمجھا ہے، جیسا کہ میں نے (الکلم الطیب) کے حاشیہ (ص ۴۴۔۴۵) پر تعلیق لگاتے ہوئے اس کی وضاحت کی ہے۔ (صحیحہ: ٤٩٢)

(۳۱۲۳)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ النُّشْرَةِ؟ فَقَالَ: ((هُوَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ۔))

(الصحيحة: ٢٧٦٠)

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سے بیمار یا آسیب زدہ کے تعویذ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ شیطانی عمل ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد في "المسند": ٣/ ٢٩٤، وعنه أبو داود في "السنن": ٣٨٦٨، ومن طريقه البيهقي: ٩/ ٣٥١

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ نے لکھا: اس سے مراد غیر شرعی تعویذات ہیں، جو قرآنی آیات اور مسنون دعاؤں پر مشتمل نہیں ہوتے، یہی تعویذات ہیں جن کو دوسری احادیث میں علی الاطلاق شرک کہا گیا، بعض ایسی احادیث گزر چکی ہیں۔ بعض تعویذات مجہول المعنی کلمات اور بعض رموز کی شکل میں حروفِ مقطعات پر مشتمل ہوتے ہیں، جیسا کہ بعض دجال اور کذاب لوگوں کے تعویذوں میں دیکھا گیا ہے، ایسے تعویذات میں شرک مضمر ہوتا ہے۔ (صحیحہ: ٢٧٦٠)

(٣١٢٤)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ، شِرْكٌ۔))

(الصحيحة: ٣٣١)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''بیشک جھاڑ پھونک، تعویذ اور حبّ کے اعمال شرک ہیں۔''

تخريج: أخرجه أبو داود: ٣٨٨٣، وابن ماجه: ٣٥٣٠، وابن حبان: ١٤١٢۔زوائده، وأحمد: ١/ ٣٨١، والطبراني في "الكبير": ١٠/ ٢٦٢/ ١٠٥٠٣، والحاكم: ٤/ ٤١٧

شرح: ...... امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (الرُّقٰی): اس سے مراد جنوں سے پناہ مانگنا ہے یا ایسا کلام، جس کا معنی نہ سمجھا جا سکے۔ مثلا: بعض عجمی لوگ اپنی کتابوں کو دیمک سے بچانے کے لیے ان پر "یا کبیکج" لکھ دیتے ہیں۔

(اَلتَّمَائِمْ): یہ "تَمِيْمَة" کی جمع ہے، اصل میں ان سے مرد وہ گھونگے یا دانے ہیں جو عرب لوگ اپنے بچوں کے گلوں میں نظرِ بد کے اثر کو دور کرنے کے لیے لٹکاتے تھے، پھر اس میں وسعت اختیار کی گئی اور ہر تعویذ پر اس کا اطلاق

ہونے لگا۔

گھر کے دروازے پر یا اس کے سامنے والے حصے پر گھوڑے کے کھر کے کناروں پر چڑھی ہوئی لوہے کی پتی لٹکانا، ڈرائیوروں کا گاڑیوں کے اگلے یا پچھلے حصے کے ساتھ جوتا لٹکانا اور گاڑی کی سکرین کے ساتھ نیلے رنگ کا دانہ لٹکانا اسی قبیل سے ہیں، یہ لوگ نظر بد سے بچنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

کیا قرآنی یا مسنون دعاؤں پر مشتمل تعویذات بھی "التمائم" کے حکم میں داخل ہیں؟ اس کے بارے میں سلف صالحین کے دو قول ہیں، میرے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ ان سے بچا جائے، میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب (الکلم الطیب) پر تعلیق لگاتے ہوئے ایسے تعویذات سے بچنے کی وضاحت کی ہے۔

(اَلتِّوْلَۃ) وہ جادو اور ٹوٹکا وغیرہ، جو محبت کے لیے بیوی اپنے خاوند کے لیے کراتی ہے۔

ابن اثیر نے کہا: آپ ﷺ نے اس کو شرک قرار دیا ہے، کیونکہ اس کے ساتھ یہ اعتقاد رکھا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالی کی تقدیر کے خلاف بھی مؤثر ہوسکتا ہے۔ (صحیحہ: ۳۳۱)

اللہ تعالی کا واسطہ دیا جائے تو باز آ جانا چاہیے

(٣١٢٥)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَفَعَهُ: ((اِذَا ذُكِّرْتُمْ بِاللّٰهِ فَانْتَهُوْا۔)) (الصحيحة: ١٣١٩)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب تمھیں اللہ تعالی کے نام پر وعظ و نصیحت کی جائے تو باز آ جاؤ۔"

تخريج: أخرجه البزار في "مسنده" صـ ٣١٢۔ زوائده

شرح:...... اللہ تعالی عظیم و جلیل ذات والے ہیں، اس کا لحاظ کرنا اس کی شان و عظمت کا اوّلین تقاضا ہے۔ اس لیے جب اللہ تعالی کا واسطہ دے کر ہم سے کسی چیز کو کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے تو وہ مطالبہ پورا کرنا چاہیے۔

جنت الفردوس کا سوال کرنا اور اس کی وجہ

(٣١٢٦)۔ عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهُ قَالَ: ((اِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰهَ، فَسَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ، فَاِنَّهُ سِرُّ الْجَنَّةِ، يَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْكُمْ لِرَاعِيهِ: عَلَيْكَ بِسِرِّ الْوَادِيْ، فَاِنَّهُ اَمْرَعُهُ وَاَعْشَبُهُ۔)) (الصحيحة: ٣٩٧٢)

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالی سے سوال کرو، تو جنۃ الفردوس کا سوال کرو، کیونکہ وہ جنت کا اعلی و افضل حصہ ہے۔ (دیکھو تو سہی کہ) مالک اپنے چرواہے سے کہتا ہے: (مویشیوں کو) وادی کے اعلی و افضل حصے میں لے جا، کیونکہ وہ زیادہ سرسبز و شاداب اور زیادہ گھاس والا ہے۔"

تخريج: أخرجه البخاري في "التاريخ": ٢/ ٢/ ١٤٦، ويعقوب الفسوي في "المعرفة والتاريخ": ٢/ ٣٤٨۔ وسياق الاسناد له ـ، والبزار في "مسنده": ٤/ ١٩١/ ٣٥١٢۔ "كشف الأستار"، والطبراني في "المعجم

الکبیر": ١٨/ ٢٥٤/ ٦٣٤

شرح :...... نبی کریم ﷺ نے محسوس چیز کی مثال دے کر غیر محسوس چیز کو ذہنوں کے قریب کر دیا۔ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس کا سوال کیا کریں اور اس کا سبب بننے والے اعمال کا اہتمام کریں۔

مستقل برے پڑوسی سے پناہ مانگنا

(٣١٢٧)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((اِسْتَعِيْذُوابِاللّٰهِ مِنْ شَرِّجَارِ الْمُقَامِ، فَاِنَّ جَارَ الْمُسَافِرِ اِذَا شَاءَ اَن يُزَايِلَ زَايَلَ۔)) (الصحيحة: ١٤٤٣)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(اپنی مستقل) قیام گاہ کے پڑوسی کے شرّ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو، کیونکہ اگر آدمی مسافر ہو تو (برے پڑوسی) سے (آسانی سے) جدا ہو سکتا ہے۔''

تخریج: أخرجه الحاكم: ١/ ٥٣٢ من قوله و فعله، ورواه احمد: ٢/ ٣٤٦، والنسائي نحوه

شـــرح :...... نیک پڑوسی اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمی ہے، اس سے نہ صرف آدمی کو ذہنی سکون ملتا ہے، بلکہ اس کی عزتیں محفوظ رہتی ہے، کیونکہ نیک پڑوسی دوسرے پڑوسیوں کا بھی رکھوالا ہوتا ہے، اس کے برعکس برے پڑوسی کے نقصانات اور نحوستیں عیاں ہیں، اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا چاہیے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے مصداق کے مطابق سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا پڑھتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ يَوْمِ السُّوْءِ، وَمِنْ لَيْلَةِ السُّوْءِ، وَمِنْ سَاعَةِ السُّوْءِ، وَمِنْ صَاحِبِ السُّوْءِ، وَمِنْ جَارِ السُّوْءِ فِيْ دَارِ الْمُقَامِ . ...اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں برے دن سے، بری رات سے، بری گھڑی سے، برے ساتھی سے اور مستقل قیام گاہ کے برے پڑوسی سے۔(صحیحہ : ١٤٤٣ کے تحت۔ بحوالہ طبرانی)

نظر لگنا حق ہے

(٣١٢٨)۔ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعًا: ((اِسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الْعَيْنِ، فَاِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ۔)) (الصحيحة:٧٣٧)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بدنظری سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو، بلاشبہ نظر لگنا حق ہے۔''

تخریج: أخرجه ابن ماجه: ٢/ ٣٥٦، والخرائطي في"مكارم الأخلاق": ٨٩۔٩٠، و الديلمي: ١/ ١/ ٤٨، والحاكم: ٤/ ٢١٥

شـــرح :...... نظرِ بد حق ہے، کئی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے اظہار فرمایا ہے، بعض جدت پرست لوگ اس کی حقانیت کو تسلیم نہیں کرتے ممکن ہے کہ اگر ان میں سے کسی کو نظر بد لگے تو وہ تسلیم کر لیں۔

اسم اعظم

(۳۱۲۹)۔ عَنْ اَبِي اُمَامَةَ مَرْفُوْعًا: ((اِسْمُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ فِي سُوَرٍ مِنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثٍ: فِي الْبَقَرَةِ، وَآلِ عِمْرَانَ، وَطٰهٰ۔))
(الصحيحة:٧٤٦)

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالی کا اسمِ اعظم قرآن مجید کی اِن تین سورتوں میں ہے: سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ طہ۔''

تخریج: أخرجه ابن معين فی"التاريخ والعلل": ١٠/ ١٥٢/ ٢، وابن ماجه: ٣٨٥٦، والطحاوی فی"المشكل الآثار": ١/ ٦٣، والفريابی فی"فضائل القرآن": ١٨٤/ ١، وتمام فی"الفوئد": ٣٦/ ٢، وأبوعبد الله مروان القرشی فی"الفوائد": ٢٥/ ١١٠/ ٢ والسياق له، والحاكم: ١/ ٥٠٦، وابن عساكر فی"تاريخ دمشق": ١٤/ ١٥٥

شرح:...... امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث کے ایک راوی قاسم کہتے ہیں: میں نے سورۂ بقرہ میں آیت الکرسی ﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ میں، سورۂ آل عمران میں ﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ میں اور سورۂ طہ میں ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ﴾ میں اسم اعظم پایا۔

لیکن میں (البانی) کہتا ہوں: سورۂ طہ کی آیت ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ﴾ میں اسم اعظم کا ہونا کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہے، میرے نزدیک اس سورت کے ابتدائی الفاظ ﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا﴾ میں اسم اعظم ہے۔ جیسا کہ بعض احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے (فتح الباری: ١١/٢٢٥) اور (صحیح ابی داود: ١٣٤١) کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ (صحیحہ: ٧٤٦)

سورۂ بقرہ کی ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (۱۶۳)، سورۂ آل عمران کی ﴿الٓمّٓ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ (۲،۱) اور سورۂ طٰہ کی ﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا﴾ (۱۴) والی آیت مراد ہے۔ سورۂ بقرہ اور آل عمران کی آیات کی وضاحت ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔

(۳۱۳۰)۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَمِعَ رَجُلاً يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، الْمَنَّانُ، بَدِيْعُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ، ذُاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَقَدْ سَاَلْتَ اللّٰهَ بِاسْمِ اللّٰهِ الْاَعْظَمِ الَّذِي اِذَا دُعِيَ بِهِ اَجَابَ، وَاِذَا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو یوں کہتے سنا: اے اللہ! ساری تعریف تیرے لیے ہے، تو ہی معبودِ برحق ہے، تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، تو محسن (اور انعام نواز) ہے، تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اے جلال و اکرام والے! ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ دعا سن کر) فرمایا: تو نے اللہ تعالی سے اس کے اسمِ اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے، کہ جس کا واسطہ دے کر پکارا جائے تو

سُئِلَ بِهِ اَعْطٰی۔)) (الصحیحۃ: ۳٤۱۱) وہ جواب دیتا ہے اور جس کے واسطہ سے اس سے (کسی چیز کا) سوال کیا جائے تو وہ دیتا ہے۔

تخریج: أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف": ۱۰/ ۲۷۲/ ۹٤۱۰، وأحمد: ۳/ ۱۲۰، وابن ماجه: ۳۸۵۸، وأخرجه احمد: ۳/ ۲٦۵ ایضا والبخاری فی "التاریخ": ۳/ ۲/ ۲۷، والطحاوی فی "مشکل الآثار": ۱/ ٦۲ دون قوله: ((وحدك لا شريك لك))

شرح:...... سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو یہ ذکر کرتے ہوئے سنا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ اَنِّیْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے ایسے نام کا واسطہ دے کر سوال کیا ہے کہ جب اللہ تعالی سے اس نام کے ساتھ سوال کیا جاتا ہے تو وہ دیتا ہے اور جب اسے پکارا جائے تو قبول کرتا ہے۔ (ابوداود) وفی روایة له: ((لَقَدْ سَأَلَ اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ))

اسم اعظم سے مراد کونسا نام ہے؟ اس موضوع پر مختلف اذکار پر مشتمل احادیث موجود ہیں اور سب میں یکسانیت صرف اللہ تعالی کے نام لفظِ جلالہ "اللہ" میں ہے، باقی الفاظ میں فرق ہے، مذکورہ بالا تین آیات کو ہی دیکھ لیں کہ اشتراک صرف لفظِ جلالہ "اللہ" میں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمِ اعظم سے مراد لفظِ جلالہ ہی ہے اور یہ قول اس لیے بھی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے کہ لفظِ جلالہ "اللہ" اللہ تعالی کا واحد نام ہے جس کا اطلاق صرف اللہ تعالی پر کیا جاتا ہے، وگرنہ اللہ تعالی کے باقی سمیع، رحیم، کریم، بصیر وغیرہ جیسے اسما کا اطلاق لفظی طور پر مخلوق پر بھی ہوتا ہے، اگرچہ اس اشتراک میں معنی کی حقیقت کو کوئی دخل نہیں۔ مثلا اللہ تعالی بھی سمیع ہے اور بندہ بھی سمیع۔ لیکن دونوں کی سماعتوں میں فرق ہے۔

دوسرا قول یہ پیش کیا گیا ہے کہ مکمل خلوص کے ساتھ اللہ تعالی کے جس نام کا ذکر کیا جائے وہی اسمِ اعظم ہے۔

اس موضوع کی مختلف روایات سے یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ جس آیت یا حدیث میں اللہ تعالی کو معبودِ برحق ثابت کیا گیا، وہ اسم اعظم ہے۔ واللہ اعلم

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان احادیث میں "اعظم"، بمعنی "عظیم" ہے اور اللہ تعالی تمام نام عظیم ہیں۔

جو بات مجھے سمجھ آتی ہے کہ جس آیت یا ذکر کے بارے میں کہا گیا کہ اس میں "اسمِ اعظم" ہے، ان تمام جملوں کو اسم اعظم پر مشتمل سمجھا جائے، کیونکہ کسی ایک نام کو "اسم اعظم" کہنے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالی کے کسی دوسرے نام میں اعظمیت نہیں پائی جاتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

افضل شکر

(۳۱۳۱)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: ((اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ، وَاَفْضَلُ الشُّکْرِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔)) (الصحیحة:١٤٩٧)

کو فرماتے سنا: "لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ" سب سے زیادہ فضیلت والا ذکر ہے اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰـہ" سب سے افضل کلمۂ شکر ہے۔"

تخریج: رواه ابن حبان: ٢٣٢٦، والخرائطي في "فضيلة الشكر" ٢/ ٢، والبغوي في شرح السنة" ١/ ١٤٤/ ٢

شرح:...... "لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ" کلمۂ توحید ہے، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ معبودِ برحق ہے، وہ اس لائق ہے کہ محض اس کی پرستش کی جائے، ما سوائے اللہ کے تمام قسم کے معبود، معبودانِ باطلہ ہیں، ایمان کے بیشمار شعبوں میں "لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ" کو سب سے زیادہ بلند مقام حاصل ہے، کیونکہ یہی ذکر ہے جس کا اقرار کرنے سے دائرۂ اسلام میں داخلہ نصیب ہوتا ہے اور جس کے انکار سے ارتداد وکفر کی صف میں کھڑا ہونا پڑتا ہے۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰـہِ" کلمۂ شکر ہے، اللہ تعالیٰ ہی منعم حقیقی ہے، ہر قسم کے انعامات واحسانات کا سرچشمہ اسی کی ذات ہے، اسی بنا پر وہ تعریفوں کا مستحق ہے، جب انسان بطورِ تعظیم اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف اور مدح وثنا بیان کرتا ہے تو اسے "حمد" کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں کلموں کو اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے محبوب ترین کلمات، سب سے زیادہ ممتاز اور دنیا ومافیہا سے بہتر اذکار قرار دیا گیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہنے سے ترازو بھر جاتا ہے۔ (مسلم)

جمعہ کے دن ساعة الاجابہ

(٣١٣٢)۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَرْفُوْعًا: ((اِلْتَمِسُوْا السَّاعَةَ الَّتِي تُرْجٰی فِي یَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلٰی غَیْبُوْبَةِ الشَّمْسِ۔)) (الصحیحة:٢٥٨٣)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جمعہ کے دن جس گھڑی (میں قبولیتِ دعا) کی امید کی جاتی ہے، اسے عصر سے غروبِ آفتاب تک تلاش کرو۔"

تخریج: رواه الترمذی: رقم: ٤٨٩، والحسن بن شقیق فی "المنتقی من الأمالی": ٤٢/ ٢، وابن عدی- ٣٠٠/ ٢ و ٣٢٥/ ١، وأبونعیم فی "أخبار أصبهان": ١/ ١٧٦

شرح:...... اس گھڑی کو "ساعة الاجابہ" کہتے ہیں، یہ خصوصیاتِ جمعہ میں سے ہے۔ یہ دن کی آخرت گھڑی ہوتی ہے، جیسا کہ ابوداود، نسائی اور ترمذی کی روایات سے معلوم ہوتا ہے

یا ذا الجلال والاکرام

(٣١٣٣)۔ قَالَ ﷺ: ((اَلِظُّوْا بِـ: یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔)) رُوِيَ مِنْ حَدِیْثِ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام" (اے عظمت واکرام والے!) کا ورد کرنے پر مصر رہو۔" یہ

رَبِيْـعَةَ ابْنِ عَامِرٍ ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ ، وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ۔ (الصحيحة: ١٥٣٦)

حدیث سیدنا ربیعہ بن عامر، سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

تخريج: (١)۔ أما حديث ربيعة : فأخرجه البخاري في "التاريخ" ٢/ ١/ ٢٥٦ ، والحاكم: ١/ ٤٩٨ ، وأحمد: ٤/ ١٧٧ ، وأبوعبدالله ابن منده في "المعرفة" ق ١٣/ ١ و في "التوحيد": ق ٧٢/ ٢ ، وابن عساكر في "التاريخ": ٦/ ١٠٧/ ١

(٢)۔ وأما حديث ابى هريرة؛ فأخرجه الحاكم

(٣)۔ وأما حديث أنس: فأخرجه الترمذي: ٤/ ٢٦٧

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے نبوی اور اس کے ثمرات

(٣١٣٤)۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، قَالَ: اِنْطَلَقَتْ بِي أُمِّيْ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! خُوَيْدِ مُكَ فَادْعُ اللّٰهَ لَهُ۔ فَقَالَ: ((اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَاَطِلْ عُمُرَهُ ، وَاغْفِرْ لَهُ۔)) قَالَ: فَكَثُرَ مَالِي ، وَطَالَ عُمُرِيْ حَتّٰى قَدِ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ اَهْلِي ، وَاَيْنَعَتْ ثِمَارِيْ وَاَمَّا لِرَابِعَةُ يَعْنِيْ الْمَغْفِرَةَ۔ (الصحيحة: ٢٥٤١)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میری ماں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ آپ کا چھوٹا سا خادم ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا دی: ''اے اللہ! اس کا مال اور اس کی اولاد زیادہ کر دے، اس کو لمبی عمر عطا فرما اور اسے بخش دے۔'' سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرا مال زیادہ ہو گیا، میری عمر اتنی لمبی ہوگئی کہ میں اپنے اہل و عیال سے شرماتا تھا اور میرے پھل پک کر توڑنے کے قابل ہو گئے، اور چوتھی چیز ''مغفرت'' ہے، (اس کا بعد میں پتہ چلے گا)۔

تخريج: أخرجه أبو يعلى فى "مسنده": ٣/ ١٠٤٨ ، والبخارى فى "الادب المفرد": ٦٥٣ نحوه وأصل الحديث فى "البخارى": ١١/ ١٢٢ ، ومسلم: ٢/ ١٢٨

شرح:...... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار دعائیں کیں، جن تین کا تعلق دنیا سے تھا، وہ پوری ہو گئی تھیں، مغفرت کا تعلق آخرت سے ہے، اور اس کی قبولیت کی بھی امید ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے ننانوے یا ایک سو تین یا ایک سو سات سال عمر پائی، دوسرا قول راجح ہے، اکانوے یا ترانے سن ہجری میں بصرہ میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی آپ ہی تھے۔ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ صاحبِ اولاد آپ ہی تھے۔ ۷۵ھ میں جب حجاج بصرہ میں آیا تھا، اس وقت تک ان کے بیٹے اور بیٹیوں میں سے (۱۲۰) افراد دفن کیے جا چکے تھے اور زندہ بچ جانے والوں کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ مال و دولت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بہت برکت ڈالی تھی، انصاریوں میں سب سے زیادہ مالدار آپ تھے، ان کے ایک باغ میں سال میں دو دفعہ پھل لگتا تھا اور اس میں

ایسے پھول تھے، جن سے کستوری کی خوشبو آتی تھی، ابونعیم نے ''الحلیۃ'' میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا: میری زمین میں سال میں دو دفعہ پھل لگتا تھا، ہمارے علاقے میں یہ خصوصیت کسی اور خطۂ زمین کی نہ تھی۔

(٣١٣٥)۔ عَنْ اَنَسٍ ، قَالَ: قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أُدْعُ اللّٰهَ لَهُ ، تَعْنِي اَنَسًا۔ قَالَ: ((اَللّٰهُمَّ! اَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيْمَا رَزَقْتَهُ۔)) (الصحيحة: ١٤٠)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (میری ماں) ام سلیم نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس (انس) کے لیے دعا فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ! اس کے مال اور اس کی اولاد میں اضافہ فرما اور تو نے اسے جو رزق عطا فرمایا اس میں برکت ڈال دے۔''

تخريج: اخرجه البخارى: ٤/ ١٩٥ ، ٢٠٢ ، والترمذى: ٢/ ٣١٤ ، الطيالسى فى "مسنده": ١٩٨٧

اصحابِ بدر کے لیے دعائے نبوی اور اس کے ثمرات

(٣١٣٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ بَدْرٍ فِي ثَلَاثِ مِئَةٍ وَخَمْسَةَ عَشَرَ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ ، اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ عُرَاةٌ فَاكْسِهِمْ ، اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ جِيَاعٌ فَاَشْبِعْهُمْ۔)) فَفَتَحَ اللّٰهُ لَهُ يَوْمَ بَدْرٍ ، فَانْقَلَبُوْا حِيْنَ انْقَلَبُوْا ، وَمَا مِنْهُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَقَدْ رَجَعَ بِجَمَلٍ اَوْ جَمَلَيْنِ ، وَاكْتَسَوْا ، وَشَبِعُوْا۔ (الصحيحة: ١٠٠٣)

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر والے دن تین سو پندرہ (فوجی صحابہ) کو لے کر نکلے اور یہ دعا فرمائی: ''اے اللہ! یہ برہنہ پا ہیں، تو ان کو سواریاں دے دے۔ اے اللہ! یہ ننگے ہیں، تو ان کو لباس پہنا دے۔ اے اللہ! یہ بھوکے ہیں، تو ان کے سیر کر دے۔'' سو اللہ تعالی نے بدر والے دن فتح نصیب فرمائی، پس جب وہ لوٹے تو ہر آدمی ایک یا دو اونٹ لے کر لوٹا، انھیں ملبوسات بھی مل گئے اور وہ سیر بھی ہو گئے۔

تخريج: أخرجه أبو داود: ٢٧٤٧

شرح:...... معلوم ہوا کہ وسائل و ذرائع کو مدنظر رکھ کر کبھی بھی دعا سے مستغنی نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالی اسباب کا محتاج نہیں ہے، وہ جو چاہے اور جیسے چاہے اسے کرنے پر قادر ہے۔ بدر کے موقع پر لشکرِ اسلام کی افرادی قوت اور آلاتِ حرب کی قلت کے باوجود اللہ تعالی نے انہیں فتح و نصرت سے سرفراز کیا اور بہت کچھ عطا کیا۔

مخلوقاتِ خدا کو دیکھ کر خالق کو یاد کرنا

(٣١٣٧)۔ عَنِ ابْنِ اَبِي اَوْفٰى ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّ خِيَارَ عِبَادِاللّٰهِ الَّذِيْنَ

سیدنا ابن ابو اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالی کے بہترین بندے وہ ہیں جو اللہ تعالی کا

يُرَاعُوْنَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ وَالْاَظِلَّةَ، لِذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔)) (الصحيحة: ٣٤٤٠)

ذکر کرنے کے لیے سورج، چاند، ستاروں اور سایہ دار چیزوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔''

تخريج: أخرجه ابن شاهين في"الأفراد": ق ٥/ ١، البزار في"مسنده": ١/ ١٨٦/ ٣٦٦، والطبراني في"الدعاء": ٣/ ١٦٣٧/ ١٨٧٦، والحاكم: ١/ ٥١، ومن طريقه: البيهقي في"السنن": ١/ ٣٧٩

شرح:...... سورج، چاند اور ستارے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی کاریگری، ہنرمندی اور قدرت پر دلالت کناں بہت بڑی نشانیاں ہیں، جن کو اپنے اپنے مداروں میں گھومتے گھومتے صدیاں بیت چکی ہیں، لیکن مجال گئی کہ کسی کے نظم و نسق کوئی فرق آیا ہو۔ دن کے اوقات کی نشاندہی کے لیے سورج، رات کے اوقات کے تعین کے لیے اور خشکی و بحری سفروں کے دوران سمتیں معلوم کرنے کے لیے ستارے اور تاریخوں کی نشاندہی کے لیے چاند خادمِ انسانیت کی حیثیت سے موجود ہیں۔

جب بصیرت و بصارت والے اس کی قسم کی نشانیوں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ان کو حکمتوں اور کمالات والا ربّ یاد آ جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ (سورۂ آل عمران: ١٩١) ......''بیشک آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا۔''

زنا کی اجازت مانگنے والے کو سمجھانے کا اندازِ نبوی اور اس کے لیے دعا

(٣١٣٨)۔ عَنْ اَبِي اُمَامَةَ، قَالَ: اِنَّ فَتًى شَابًّا اَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ائْذَنْ لِي بِالزِّنٰى۔ فَاَقْبَلَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ فَزَجَرُوْهُ، وَقَالُوْا: مَهْ مَهْ! فَقَالَ: ((اُدْنُهْ۔)) فَدَنَا مِنْهُ قَرِيْبًا۔ قَالَ: فَجَلَسَ۔ قَالَ: ((اَتُحِبُّهُ لِاُمِّكَ؟)) قَالَ لَا، وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاءَكَ۔ قَالَ: ((وَلَا النَّاسُ يُحِبُّوْنَهُ لِاُمَّهَاتِهِمْ۔)) قَالَ: ((اَفَتُحِبُّهُ

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک نوجوان نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے، اسے ڈانٹ ڈپٹ کی اور کہا: اوئے رک جا، اوئے رک جا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ذرا قریب ہو۔'' وہ آپ کے قریب آیا اور بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''کیا تم اس چیز کو اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا: مجھے اللہ آپ پر قربان کرے، نہیں، اللہ کی قسم! (نہیں)۔ آپ ﷺ نے

لِأُخْتِكَ؟)) قَالَ: لَا، وَاللّٰهِ، جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاءَ كَ. قَالَ: ((وَلَا النَّاسُ يُحِبُّوْنَهُ لِأَخَوَاتِهِمْ.)) قَالَ: ((أَفَتُحِبُّهُ لِعَمَّتِكَ؟)) قَالَ: لَا، وَاللّٰهِ! جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاءَ كَ قَالَ: ((وَلَا النَّاسُ يُحِبُّوْنَهُ لِعَمَّاتِهِمْ.)) قَالَ: ((أَفَتُحِبُّهُ لِخَالَتِكَ؟)) قَالَ: لَا وَاللّٰهِ! جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاءَ كَ. قَالَ: ((وَلَا النَّاسُ يُحِبُّوْنَهُ لِخَالَاتِهِمْ.)) قَالَ: فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ وَقَالَ: ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ.)) فَلَمْ يَكُنْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْفَتَىٰ يَلْتَفِتُ إِلَىٰ شَيْءٍ.))

(الصحیحة: ۳۷۰)

فرمایا: لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے اس (خباثت) کو پسند نہیں کرتے، (اچھا یہ بتاؤ کہ) کیا تم اسے اپنے بیٹی کے لیے پسند کرو گے؟'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ پر قربان ہوں، نہیں، اللہ کی قسم! (نہیں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی طرح لوگ ہیں کہ وہ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے اس چیز کو ناپسند کرتے ہیں، (اچھا یہ بتاؤ کہ) کیا تم اسے اپنی بہن کے لیے پسند کرو گے؟'' اس نے کہا: اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کر دے، نہیں، اللہ کی قسم! (نہیں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ بھی اس چیز کو اپنے بہنوں کے لیے ناپسند کرتے ہیں، (اچھا یہ بتاؤ کہ) کیا تم اسے اپنی پھوپھی کے لیے پسند کرو گے؟'' اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ پر قربان ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری طرح لوگ بھی اپنے پھوپھیوں کے لیے اسے ناپسند کرتے ہیں، (اچھا یہ بتاؤ کہ) کیا تم اسے اپنی خالہ کے لیے پسند کرو گے؟'' اس نے کہا: میں آپ پر قربان ہوں، نہیں، اللہ کی قسم! (نہیں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ بھی اس چیز کو اپنی خالاؤں کے لیے ناپسند کرتے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا اور یہ دعا دی: ''اے اللہ! اس کے گناہ بخش دے اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما۔'' اس کے بعد وہ نوجوان کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔

تخریج: أخرجه أحمد: ٥/ ٢٥٦-٢٥٧، والطبراني في "الكبير": ٧٦٧٩، وفي "الشاميين": ١٠٦٦

شرح:...... چونکہ نبی کریم ﷺ حکمت و دانائی کی صفت سے بدرجۂ اکمل واتم متصف تھے، آپ ﷺ کا ہر آدمی کو سمجھانے کا انداز مختلف تھا، جیسے مسجد میں پیشاب کرنے والے اور نماز میں کلام کرنے والے کو ایسے خوبصورت انداز میں سمجھایا کہ ان کے دلوں میں گھر کر گئے۔ یہ نوجوان جو فطرتِ سلیمہ کے مسخ ہو جانے کی وجہ سے زنا اور بدکاری کی اجازت طلب کر رہا تھا، آپ ﷺ کے حکیمانہ انداز نے اس کے جنسی ہیجان کو ختم کر دیا۔

اولیا اللہ کی علامت

(۳۱۳۹)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا: ((أَوْلِيَاءُ اللّٰهِ الَّذِيْنَ إِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ.))

(الصحیحة: ۱۷۳۳)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے اولیا وہ ہیں کہ جنھیں دیکھ کر اللہ یاد آجاتا ہے۔''

تخريج: أخرجه المروزي في "زوائد الزهد": ٢١٨، والطبراني في "المعجم الكبير": ١٢٣٢٥، وأبونعيم

في "أخبار أصبهان": ١/ ٢٣١، والضياء في "المختارة": ٢١٢/ ٢، وابن المبارك في "الزهد": ٢١٧

شرح:...... یقین مانیے کہ سلیم الفطرت، طاہر القلب، دنیوی آلائشوں سے پاک اور قرآن وحدیث کا مزاج سمجھنے والے لوگ نیک و بد لوگوں کو ان کے چہروں کے خطوط سے پہچان لیتے ہیں۔ دل کے نیک اور پارسا ہونے کے آثار چہروں پر عیاں ہوتے ہیں۔ قرآن وحدیث کا پابند اور اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کا لحاظ کرنے والے لوگوں کو جو حسن اور نور نصیب ہوتا ہے، اسے عام آدمی پہنچانے سے قاصر ہوتے ہیں۔

نیکوکار لوگوں کے چہروں پر محبت الٰہی اور ذوق وشوق کے ایسے انوار ہوتے ہیں کہ دیکھنے والے کا دل بے اختیار پروردگار کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ یہ اولیاء اللہ کی شناخت ہے کہ ایک سلیم الفطرت آدمی سچے ولی کو جھوٹے مدعیٔ ولایت سے ممیز کر سکتا ہے۔

(٣١٤٠)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهِ: ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (يونس: ٦٢) قَالَ: ((هُمُ الَّذِيْنَ يُذْكَرُ اللّٰهُ لِرُؤْيَتِهِمْ۔)) (الصحيحة:١٦٤٦)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے اللہ تعالی کے اس فرمان ﴿خبردار! بیشک اللہ کے اولیا پر کوئی خوف نہ ہوگا اور وہ غمزدہ ہوں گے﴾ کے بارے میں فرمایا: ''اللہ کے اولیا وہ لوگ ہیں، جنھیں دیکھ کر اللہ یاد آجاتا ہے۔'' (سورۂ یونس:٦٢)

تخريج: رواه أبونعيم في "أخبار أصبهان": ١/ ٢٣١، والواحدي: ٥٨/ ١، والديلمي: ١/ ٢/ ٣٤١، وابن المبارك في "الزهد": رقم ٢١٧

شرح:...... متقی اور پارسا لوگوں کے چہروں پر تقوی و پارسائی کا مخصوص نور ہوتا ہے، جس کا ظاہری حسن و جمال اور وضع قطع سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

وزن میں بھاری اذکار

(٣١٤١)۔ عَنْ أَبِي سَلْمٰى مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((بَخٍ بَخٍ ۔وَأَشَارَ بِيَدِهِ لِخَمْسٍ۔ ما أَثْقَلَهُنَّ فِي الْمِيْزَانِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَالْوَلَدُ الصَّالِحُ يُتَوَفّٰى لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فَيَحْتَسِبُهُ۔)) (الصحيحة:١٢٠٤)

سیدنا ابو سلمی رضی اللہ عنہ، جو رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے، سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''واہ! واہ!'' پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلی کے ساتھ پانچ کا اشارہ کیا اور فرمایا: (یہ اذکار) ترازو میں کتنے بھاری ہوں گے: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ'' (اور پانچویں چیز) فوت ہونے والا کسی کا نیک بیٹا ہے، کہ اس کا باپ اللہ تعالی سے ثواب کی امید رکھ کر صبر کرتا ہے۔''

تخریج: أخرجه ابن سعد في "الطبقات" ٧/ ٤٣٣، وابن حبان: ٢٣٢٨، ابن عساکر في "تاريخ دمشق" ١٩/ ٣٥/ ١، والحاكم: ١/ ٥١١، واحمد: ٣/ ٤٤٣، ٤/ ٢٣٧، ٥/ ٣٦٥

شرح:...... اس میں ذکر کرنے اور نیک بیٹے کی وفات پر صبر کرنے کی فضیلت کا بیان ہے، صبر کا اولین تقاضا یہ ہے کہ پریشان کن خبر سنتے ہی "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ......" پڑھا جائے، واویلا نہ کیا جائے، چیخ و پکار سے گریز کیا جائے، گریبان چاک نہ کیے جائیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالی سے اجر وثواب وصول کرنے کے لیے کیا جائے۔

سردارانِ قریش پر آپ ﷺ کی بد دعا اور اس کی قبولیت

(٣١٤٢)۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي عِنْدَ الْبَيْتِ، وَاَبُوْ جَهْلٍ وَاَصْحَابٌ لَهُ جُلُوْسٌ، وَقَدْ نُحِرَتْ جَزُوْرٌ بِالْاَمْسِ۔ فَقَالَ اَبُوْ جَهْلٍ: اَيُّكُمْ يَقُوْمُ اِلٰى سَلَا جَزُوْرِ بَنِيْ فُلَانٍ فَيَأْخُذُهُ، فَيَضَعُهُ فِي كَتِفَيْ مُحَمَّدٍ اِذَا سَجَدَ؟ فَانْبَعَثَ اَشْقَى الْقَوْمِ، فَاَخَذَهُ، فَلَمَّا سَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ، وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، قَالَ: فَاسْتَضْحَكُوْا، وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَمِيْلُ عَلٰى بَعْضٍ، وَاَنَا قَائِمٌ اَنْظُرُ، لَوْكَانَتْ لِي مَنْعَةٌ طَرَحْتُهُ عَنْ ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَالنَّبِيُّ ﷺ سَاجِدٌ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ، حَتّٰى انْطَلَقَ اِنْسَانٌ فَاَخْبَرَ فَاطِمَةَ، فَجَائَتْ -وَهِيَ جُوَيْرِيَةٌ- فَطَرَحَتْهُ عَنْهُ، ثُمَّ اَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ تَشْتِمُهُمْ۔ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ صَلَاتَهُ، رَفَعَ صَوْتَهُ ثُمَّ دَعَا عَلَيْهِمْ، وَكَانَ اِذَا دَعَا دَعَا ثَلَاثًا، وَاِذَا سَأَلَ سَأَلَ ثَلَاثًا۔ ثُمَّ قَالَ: ((اَللّٰهُمَّ! عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ۔)) (ثَلَاثَ مَرَّاتٍ)۔ فَلَمَّا سَمِعُوْا صَوْتَهُ،

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، ابو جہل اور اس کے حواری وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک دن پہلے کچھ اونٹنیاں ذبح کی گئی تھیں۔ ابو جہل نے (موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے) کہا: کون ہے جو بنوفلاں کی ذبح شدہ اونٹنیوں کی اوجھڑیاں لائے اور محمد (ﷺ) جب سجدہ کرے تو اس کے اوپر رکھ دے؟ (جواباً) ایک بدبخت ترین شخص اٹھا، اوجھڑیاں اٹھا کر لایا اور جب آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو اوپر رکھ دیں۔ (یہ دیکھ کر) وہ تکلفاً ہنسنے اور ایک دوسرے پر گرنے لگے، میں کھڑا (سب کچھ) دیکھ رہا تھا، میں نے کہا: اگر میں صاحبِ قدرت ہوتا تو آپ ﷺ کی پیٹھ سے ہٹا دیتا۔ نبی کریم ﷺ سجدے میں پڑے رہے اور سر نہ اٹھایا۔ کسی آدمی نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جا کر اطلاع دی۔ وہ، جو ابھی تک بچی تھیں، آئیں، انھیں ہٹایا، پھر ان پر متوجہ ہوئیں اور انھیں برا بھلا کہا۔ جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو باآواز بلند ان کے لیے بد دعائیں کیں، آپ ﷺ جب بد دعا کرتے تو تین دفعہ کرتے اور اسی طرح جب (اللہ تعالی سے) سوال کرتے تو تین دفعہ کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! قریش کی گرفت کر (یہ بد دعا تین دفعہ

ذَهَبَ عَنْهُمُ الضِّحْكُ، وَخَافُوْا دَعْوَتَهُ، ثُمَّ قَالَ: ((اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ، وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ، وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ، وَالْوَلِيْدِ بْنِ عُقْبَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلْفٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ۔)) وَذَكَرَ السَّابِعَ وَلَمْ أَحْفَظْهُ۔ فَوَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ بِالْحَقِّ، لَقَدْ رَأَيْتُ الَّذِيْنَ سَمّٰى صَرْعٰى يَوْمَ بَدْرٍ، ثُمَّ سُحِبُوْا إِلَى الْقَلِيْبِ، قَلِيْبِ بَدْرٍ۔

(الصحيحة:٣٤٧٢)

کی)۔'' جب انھوں نے آپ ﷺ کی آواز سنی تو ان کی ہنسی رک گئی اور وہ خوفزدہ ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! ابو جہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن عامر کا مؤاخذہ (اور گرفت) کر۔'' ایک ساتویں آدمی کا نام بھی لیا تھا، مجھے وہ یاد نہیں رہا۔ اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا! میں نے ان سب کو بدر والے دن پچھڑا ہوا دیکھا، پھر انھیں گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں ڈال دیا گیا۔

تخريج: أخرجه مسلم: ٥/ ١٧٩، وأخرج البخاري: ٢٤٠، ٥٢٠، ٢٩٣٤، ٣١٨٥، ٣٨٥٤، ٢٩٦٠ نحوه مطولا ومختصرا

شرح:...... یہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرنے کا انجام ہے، بھلا جس کو اللہ تعالیٰ مرتبہ عطا کرنا چاہے، کون اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے سچے محبّ اور مطیع بن جائیں۔

فقر و فاقہ اور ظلم و ستم سے پناہ مانگنا

(٣١٤٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الْفَقْرِ، وَالْقِلَّةِ، وَالذِّلَّةِ، وَأَنْ تُظْلَمَ، أَوْ تَظْلِمَ۔)) (الصحيحة:١٤٤٥)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو فقر و فاقہ سے، قلتِ مال سے، ذلت و رسوائی سے اور اس بات سے تم پر ظلم کیا جائے یا تم ظلم کرو۔''

تخريج: أخرجه النسائي: ٢/ ٣١٥، وابن ماجه: ٢/ ٤٣٣، وابن حبان: ٢٤٤٢، و الحاكم: ١/ ٥٣١، وأحمد: ٢/ ٥٤٠

نصف رات قبولیت کا وقت ہے

(٣١٤٤)۔ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ الثَّقَفِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((تُفْتَحُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ نِصْفَ اللَّيْلِ، فَيُنَادِيْ مُنَادٍ: هَلْ مِنْ دَاعٍ فَيُسْتَجَابُ لَهُ، هَلْ مِنْ سَائِلٍ

سیدنا عثمان بن ابو عاص ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''نصف رات کو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ایک اعلان کرنے والا آواز لگاتا ہے: کوئی ہے پکارنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے، کیا کوئی ہے

فَيُعْطَى، هَلْ مِنْ مَكْرُوْبٍ فَيُفَرَّجُ عَنْهُ، فَلَا يَبْقَى مُسْلِمٌ يَدْعُوْ بِدَعْوَةٍ اسْتَجَابَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُ، إِلَّا زَانِيَةٌ تَسْعَى بِفَرْجِهَا، أَوْعَشَّارٍ.)) (الصحيحة:١٠٧٣)

سوال کرنے والا کہ اس کو عطا کیا جائے اور کیا کوئی ہے تکلیف زدہ کہ اس کی تکلیف دور کر دی جائے۔ کوئی ایسا مسلمان نہیں ہوتا کہ وہ دعا کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول نہ کرے، مگر زانی عورت جو اپنی شرمگاہ کے ذریعے کمائی کرتی ہے اور ٹیکس وصول کنندہ (ان دو کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں)۔''

تخريج: أخرجه الطبراني في "الأوسط" ١/ ٨٨/ ٢- زوائد المعجمين

شــرح:...... کسی کی رضامندی کے بغیر اس کا مال و دولت نہیں لیا جا سکتا، ٹیکس بھی اسی قسم کی ایک صورت ہے، عصر حاضر میں تو ٹیکسز کی بھرمار کر دی گئی ہے۔ مثلا: چھجہ ٹیکس، ڈرینج ٹیکس، انکم ٹیکس، ملبہ ٹیکس، ٹال ٹیکس، ہاؤس ٹیکس، وہیکل ٹیکس، وغیرہ وغیرہ۔

حکومت کا عوام الناس کی جائداد میں کوئی حق نہیں ہوتا، ہاں اگر لوگ گورنمنٹ کے اخراجات سے بنائی ہوئی کوئی چیز استعمال کر رہے ہوں اور اس کی مرمت پر حکومت کا خرچہ ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں ٹیکس لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، مثلا روڈ پر چلنے کا ٹیکس، لیکن یہ ضروری ہے کہ ادا کی گئی یہ رقم مسلمانوں کے بیت المال میں پہنچے۔

آپ ﷺ کی امت کے لیے دعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کا انداز

(٣١٤٥)۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ: تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِي إِبْرَاهِيْمَ: ﴿رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي﴾ (ابراهيم: ١٦)، وَقَالَ عِيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ: ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔﴾ (المائدة: ١١٨) فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ: ((اَللّٰهُمَّ! أُمَّتِي أُمَّتِي۔)) وَبَكَى، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يَا جِبْرِيْلُ! اِذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ فَسَلْهُ مَا يُبْكِيْكَ؟ فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، فَسَأَلَهُ؟ فَأَخْبَرَهُ رَسُوْلُ

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۂ ابراہیم کی یہ آیت تلاوت کی: ﴿اے میرے ربّ! انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، سو جو میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہوگا۔﴾ (سورۂ ابراہیم: ١٦) اور حضرت عیسی (علیہ السلام) نے فرمایا: ﴿(اے اللہ!) اگر تو ان کو عذاب دینا چاہے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو تو غالب حکمت والا ہے۔﴾ (سورۂ مائدہ: ١١٨) پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: ''اے اللہ! میری امت، میری امت۔'' آپ ﷺ رونے لگ گئے۔ (اُدھر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل علیہ السلام محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور ان سے دریافت کرو، حالانکہ تیرا ربّ جانتا ہے، کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ اس نے آپ ﷺ سے پوچھا۔

اللّٰه ﷺ بِمَا قَالَ۔ وَهُوَ اَعْلَمُ ۔فَقَالَ اللّٰهُ: يَا جِبْرِيْلُ ! اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ ، فَقُلْ: اِنَّ سَنُرْضِيْكَ فِي أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْؤُكَ۔ (الصحيحة:٣٥)

آپ انے اسے ساری بات بتائی، حالانکہ وہ جانتا تھا، سو اللہ تعالی نے فرمایا: اے جبریل! محمد (ﷺ) کی طرف جاؤ اور کہو: ہم تجھے تیری امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔‘‘

تخریج: أخرجه مسلم: ١/ ١٣٢۔ وابن حبان ف"صحيحه": ٧١٩١۔الأحسان، وابن جرير فی "التفسير": ١٣/ ١٥٣، و"الفوائد"لأبی بكر النيسابوری: ق١٤٢/ ١، وابن منده فی "التوحيد": ق٥٣/ ١ وعزاه فی "الدر المنثور": ٢/ ٣٥٠ للنسائی ايضا، ......

شرح:...... نبی کریم ﷺ اپنی امت کے حق میں انتہائی خیر خواہ اور غمخوار تھے، امت کا سکون آپ ﷺ کی مسکراہٹوں کا سبب بنتا تھا اور امت کی تکلیف آپ ﷺ پر گراں گزرتی تھی۔ اللہ تعالی نے بھی اس رحم دلی کا لحاظ کرتے ہوئے آپ ﷺ کی امت پر بیشمار احسانات کئے۔ آپ ﷺ کی امت پر سابقہ امتوں کی طرح عذاب نہیں آئے گا، آپ ﷺ کی امت کے کروڑوں افراد بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے، جنت کی آبادی کا دو تہائی حصہ آپ ﷺ کی امت کے افراد ہوں گے، حشر کے میدان میں سب سے پہلے آپ ﷺ کی امت کا حساب و کتاب ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ

بہترین لوگ اور بہترین اعمال

(٣١٤٦)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرِ الْمَازِنِيِّ ، قَالَ: جَاءَ اَعْرَابِيَانِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَحَدُهُمَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ قَالَ: ((طُوْبٰى لِمَنْ طَالَ عُمْرُهُ، وَحَسُنَ عَمَلُهُ))۔ وَقَالَ الْآخَرُ: اَيُّ الْعَمَلِ خَيْرٌ؟ قَالَ: ((خَيْرُ الْعَمَلِ اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ))۔ (الصحيحة:١٨٣٦)

سیدنا عبداللہ بن بسر مازنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو بدو، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، ان میں سے ایک نے کہا: کون سے لوگ بہتر ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’سعادت (اور خوشخبری) ہے اس آدمی کے لیے جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھے ہوں۔‘‘ دوسرے نے کہا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’بہترین عمل یہ ہے کہ جب تو دنیا سے رخصت ہو تو تیری زبان اللہ تعالی کے ذکر سے تر ہو۔‘‘

تخريج: أخرجه أبونعيم في"الحلية": ٦/ ١١١۔ ١١٢، والبغوي في"شرح السنة": ١/ ٢٩٤۔ مخطوطة المكتب، واحمد: ٤/ ١٩٠، وروى الترمذی: ٢/ ٥٢، ٢٤٢ مفرقا

شرح:...... اس میں خیرات وحسنات پر مشتمل لمبی عمر اور ذکر کی فضیلت کا بیان ہے، ہمیں چاہئے کہ ذکرِ الٰہی جیسے اعمال کر کے اپنی زندگیوں کو برکت والا بنالیں۔

شرک کے علاوہ سب گناہوں کی بخشش ممکن ہے

(٣١٤٧)۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ مَادَعَوْتَنِيْ وَرَجَوْتَنِيْ، غَفَرْتُ لَكَ عَلٰى مَاكَانَ فِيْكَ وَلَا أُبَالِيْ، يَا ابْنَ آدَمَ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ، ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ، غَفَرْتُ لَكَ وَلَا أُبَالِيْ، يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِيْ بِقِرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا، ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَاتُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَاَتَيْتُكَ بِقِرَابِهَا مَغْفِرَةً))۔ (الصحیحۃ:١٢٧)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارتا اور مجھ سے پر امید رہے گا، میں تجھے بخشتا رہوں گا، جو بھی گناہ ہوں گے اور کوئی پروا نہیں کروں گا۔ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جائیں، پھر تو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں پرواہ کئے بغیر تجھے بخش دوں گا۔ اے ابن آدم! اگر تو زمین کے لگ بھگ گناہ لے کر میرے پاس آئے اور اس حال میں مجھے ملے کہ میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو میں تجھے (ان گناہوں کے) بقدر بخشش عطا کروں گا۔''

تخریج: رواہ الترمذی: ٢/ ٢٧٠

شرح:...... عوام الناس اس حدیث سے گناہوں میں لتھڑی ہوئی زندگی پر برقرار رہنے کا استدلال کرتے ہیں، یہ محض ان کی خام خیالی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا مقصود ہمیں گناہ کرنے پر ابھارنا اور آمادہ کرنا نہیں۔
اس حدیث کا پسِ منظر یہ ہے کہ توبہ کی جائے اور ایسا کرنے میں قطعی طور پر دیر نہ کی جائے، وگرنہ کوئی انسان ہزار کوشش کے باوجود بتقاضۂ بشریت گناہوں سے معصوم نہیں رہ سکتا۔ جبکہ آخرت میں کامیابی و کامرانی کے لیے خطاؤں سے پاک وجود چاہئے، جس کا حل صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اپنی خطائیں معاف کروالی جائیں۔ اس حدیث میں یہی قانون پیش کیا گیا ہے۔

توبہ و رحمت کا دروازہ کھلا ہے

(٣١٤٨)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَتْ قُرَيْشٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ: اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ اَنْ يَّجْعَلَ لَنَا الصَّفَا ذَهَبًا وَنُؤْمِنُ بِكَ۔ قَالَ: وَتَفْعَلُوْنَ؟ قَالُوْا: نَعَمْ۔ فَدَعَا، فَاَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَقَالَ: اِنَّ رَبَّكَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ: اِنْ شِئْتَ اَصْبَحَ لَهُمُ (الصَّفَا) ذَهَبًا، فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْهُمْ، عَذَّبْتُهُ

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: قریشیوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا: آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ صفا کا پہاڑ سونا بن جائے، (اگر ایسا ہوا تو) ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (واقعی) تم ایسا کرو گے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے دعا کی، حضرت جبریل (علیہ السلام) تشریف لائے اور کہا: آپ کے رب نے آپ کو سلام دیا، نیز فرمایا: اگر آپ کی چاہت ہو تو ان کے لیے صفا

عَـذَابًـا لَاأُعَذِّبُهُ اَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ ، وَاِنْ شِـئْـتَ فَتَحْتُ لَهُمْ بَابَ التَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ: قَالَ: ((بَلْ بَابُ التَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ۔)) (الصحيحة: ٣٣٨٨)

پہاڑی، سونا بن جائے گی، لیکن (اس معجزے) کے بعد جس نے کفر کیا، اسے ایسا عذاب دوں گا، جو جہانوں میں کسی کو نہیں دیا اور اگر آپ چاہتے ہیں تو میں ان کے لیے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (ٹھیک ہے، اس معجزہ کی بجائے) توبہ اور رحمت کا دروازہ چاہیے۔

تخريج: أخرجه الحاكم: ١/ ٥٣ و ٤/ ٢٤٠، والبيهقي في "الدلائل": ٢/ ٢٧٢، وأحمد: ١/ ٢٤٢ و ٣٤٥، والطبراني في "المعجم الكبير": ١٢/ ١٥٢/ ١٢٧٣٦

شرح:...... جب لوگوں کے مطالبات کے مطابق عظیم اور عیاں معجزات ظاہر کر دیے جائیں اور ان کے ظہور کے بعد بھی لوگ بغاوتوں پر ڈٹے رہیں تو ان کے حق میں توبہ اور رحمت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے قریشیوں کا مطالبہ نظر انداز کر دیا اور قیامت کے در و بام تو اپنی امت کے لیے اللہ تعالی کی رحمت کا دروازہ کھلے رہنے دیا، جس سے آج بھی فرزندانِ امت مستفید ہو سکتے ہیں۔

واعظین کی اقسام

(٣١٤٩)۔ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْقُصَّاصُ ثَلَاثَةٌ: اَمِيْرٌ اَوْ مَامُوْرٌ اَوْ مُخْتَالٌ۔)) (الصحيحة: ٢٠٢٠)

سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قصص بیان کرنے والے (واعظین و خطبا) تین اقسام کے ہوتے ہیں: (۱) امیر، (۲) مامور اور (۳) متکبر۔''

تخريج: أخرجه ابن وهب فی "الجامع": ٨٨، وعنه ابن عساكر فی "التاريخ" ٦/ ٧١/ ٢، والبخاری فی "التاريخ": ٢/ ١/ ٢٤٣-٢٤٤، وأحمد: ٦/ ٢٢، ٢٨، والرويانی أيضا فی "مسنده": ٢٤/ ١٢٢/ ٢

شرح:...... اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مذہب، حکومت کی ذمہ داری ہے، جیسے نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں دیکھا گیا، ان زمانوں میں خطیب، امام، مفتی، قاضی اور والی کا تقرر یا اس کی معزولی حاکم وقت کی طرف سے ہوتی تھی۔ جہاں حکومت یہ ذمہ داری ادا نہیں کرے گی، وہاں فرقہ وارانہ ماحول ہوگا۔

صحابہ کی ایمانی کیفیت میں اتار چڑھاؤ

(٣١٥٠)۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، قَالَ: غَدَا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلَكْنَا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ۔قَالَ: ((وَمَا ذَاكَ؟)) قَالُوْا: اَلنِّفَاقَ النِّفَاقَ!! قَالَ:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ، آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! ربّ کعبہ کی قسم! ہم تو ہلاک ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''وہ کیسے؟'' انھوں نے کہا: ہمیں نفاق و منافقت کا اندیشہ ہے۔

((اَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ؟)) قَالُوْا: بَلٰى۔ قَالَ: ((لَيْسَ ذَاكَ النِّفَاقَ۔)) ثُمَّ عَاوَدُوْهُ الثَّانِيَةَ، فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلَكْنَا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔ قَالَ: ((وَمَا ذَاكَ؟)) قَالُوْا: النِّفَاقَ النِّفَاقَ۔ قَالَ: ((اَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ؟)) قَالُوْا: بَلٰى۔ قَالَ: ((لَيْسَ ذَاكَ بِنِفَاقٍ۔)) ثُمَّ عَاوَدُوْهُ الثَّالِثَةَ، فَقَالُوْا مِثْلَ ذٰلِكَ۔ فَقَالَ لَهُمْ: ((لَيْسَ ذٰلِكَ بِنِفَاقٍ۔)) فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّا اِذَا كُنَّا عِنْدَكَ كُنَّا عَلٰى حَالٍ، وَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ هَمَّتْنَا الدُّنْيَا وَاَهْلُوْنَا۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَوْ اَنَّكُمْ اِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِيْ تَكُوْنُوْنَ عَلٰى مِثْلِ الْحَالِ الَّتِيْ تَكُوْنُوْنَ عَلَيْهَا عِنْدِيْ، لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ فِي طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ۔)) (الصحيحة:٢٢٣٥)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اللہ تعالی کے معبودِ برحق ہونے اور میرے رسول اللہ ہونے کی گواہی نہیں دیتے؟'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ نفاق تو نہیں ہے۔'' انھوں نے بات کو لوٹاتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول! ربّ کعبہ کی قسم! ہم ہلاک ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''وہ کیسے؟'' انھوں نے کہا: ہمیں نفاق کا خطرہ ہے، نفاق کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم لوگ اللہ تعالی کے معبودِ برحق ہونے اور میرے رسول اللہ ہونے کی شہادت نہیں دیتے؟'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو نفاق نہیں ہے۔'' انھوں نے تیسری دفعہ یہی بات دہرائی اور آپ ﷺ نے بھی وہی جواب دیا کہ ''یہ نفاق تو نہیں ہے۔'' انھوں نے تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول! جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو مخصوص (مذہبی) حالت پر ہوتے ہیں، لیکن جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو دنیا اور اہلِ دنیا ہم کو مغموم و فکرمند کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم میرے پاس سے نکل کر بھی اسی (اسلامی) حالت پر برقرار رہتے جس پر میری مجلس میں ہوتے ہو تو مدینہ کے راستوں میں فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔''

تخریج: أخرجه الاسماعيلي فی"المعجم":٢٩/ ١-٢

شرح:...... معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی مجلس اتنی بابرکت ہوتی تھی کہ صحابہ کرام کے ایمان و ایقان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ نیک لوگوں کی مجالس کا آپ ﷺ کی مجلس سے موازنہ نہیں کیا جاتا، لیکن احادیث کا تقاضا یہی ہے کہ نیک اور پارسا لوگوں کی صحبت میں کچھ وقت گزارنا چاہیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور آپ ﷺ کی عاجزی

(٣١٥١)۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، وَقَرَأَ هٰذِهِ الآيَةَ: ﴿اِرْجِعْ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿(یوسف نے کہا:) تو اپنے بادشاہ کے

اِلٰـى رَبِّكَ فَـاسْاَلْهُ مَـابَـالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِيْ قَـطَّـعْـنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ﴾ (يوسف: ٥٠) قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَوْ كُنْتُ اَنَا لَاَسْـرَعْـتُ الْاِجَـابَةَ ، وَمَـا ابْتَـغَيْـتُ الْعُذْرَ ـ)) (الصحيحة: ٣١٥٠)

پاس لوٹ جا اور اس سے دریافت کر کہ ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا کیا خیال ہے، بیشک میرا ربّ ان کے مکر کو جاننے والا ہے۔﴾ (سورۂ یوسف: ۵۰) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں ہوتا تو جلدی قبول کر لیتا اور عذر تلاش نہ کرتا۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ٣٤٦ و ٣٨٩، وابن جرير الطبري في"التفسير": ١٢/ ١٣٩، والحاكم: ٢/ ٣٤٦

شرح: ...... جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ بادشاہ اب مائل بہ کرم ہے، تو انہوں نے اس طرح محض عنایت خسروانہ سے جیل سے نکلنے کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ اپنے کردار کی رفعت اور پاک دامنی کے اثبات کو ترجیح دی تا کہ دنیا کے سامنے آپ کے کردار کا حسن اور اس کی بلندی واضح ہو جائے۔ کیونکہ داعی الی اللہ کے لیے یہ عفت و پاک بازی اور رفعت کردار بہت ضروری ہے۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنی عاجزی کا اظہار کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر کی تعریف کی۔

اسلام کی حالت میں ملنے والی عمر انتہائی قیمتی ہے

(٣١٥٢)۔ عَـنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ: اَنَّ نَفَرًا مِـنْ بَـنِـي عُـذْرَةَ ثَلَاثَةً اَتَـوُا الـنَّـبِـيَّ ﷺ فَـاَسْـلَـمُـوْا ، قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((مَنْ يَـكْفِيْنِيْهِمْ؟)) قَالَ طَلْحَةُ: اَنَا ـ قَالَ: فَكَانُوْا عِـنْـدَ طَـلْـحَةَ ، فَبَـعَثَ النَّبِيُّ ﷺ بَـعْثًا ، فَـخَـرَجَ فِيْـهِ اَحَـدُهُمْ فَاسْتُشْهِدَ ـ قَالَ: ثُمَّ بَـعَثَ بَعْثًا ، فَخَرَجَ فِيْهِمْ آخَرُ فَاسْتُشْهِدَ ـ قَـالَ: ثُـمَّ مَـاتَ الثَّالِثُ عَلٰى فِرَاشِهٖ ، قَالَ طَـلْحَةُ: فَرَاَيْتُ هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثَةَ الَّذِيْنَ كَانُوْا عِـنْـدِيْ فِـي الْـجَنَّةِ ، فَرَاَيْتُ الْمَيِّتَ عَلٰى فِـرَاشِـهٖ اَمَـامَهُمْ ، وَرَاَيْتُ الَّذِيْ اُسْتُشْهِدَ اَخِيْرًا يَلِيْه ، وَرَاَيْتُ الَّذِيْ اُسْتُشْهِدَ اَوَّلَهُمْ آخِـرَ هُمْ ـ قَالَ: فَدَ خَلَنِيْ مِنْ ذٰلِكَ ، قَالَ:

سیدنا عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنو عذرہ کے چند لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور اسلام قبول کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون ان کو کفایت کرے گا؟'' سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں۔ وہ طلحہ کے پاس ٹھہرے رہے۔ ایک دن نبی کریم ﷺ نے ایک لشکر بھیجا، ان میں سے بھی ایک آدمی شریک ہوا اور شہید ہو گیا۔ (کچھ عرصے کے بعد) آپ ﷺ نے دوسرا لشکر بھیجا، ان میں سے بھی ایک دوسرا آدمی شریک ہوا اور وہ بھی شہید ہو گیا، پھر (کچھ عرصہ کے بعد) تیسرا آدمی اپنے بستر پر طبعی موت مر گیا۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے خواب میں ان تینوں کو جنت میں دیکھا، کیا دیکھتا ہوں کہ اپنے بستر پر طبعی موت مرنے والا سب سے آگے ہے، اس کے پیچھے دوسرے نمبر پر شہید ہونے والا ہے اور آخر میں سب سے پہلے شہید ہونے والا ہے۔ مجھے (ان

فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ ، قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((وَمَا أَنْكَرْتَ مِنْ ذٰلِكَ! لَيْسَ أَحَدٌ أَفْضَلَ عِنْدَاللّٰهِ مِنْ مُؤْمِنٍ يُعَمَّرُ فِي الْإِسْلَامِ ، لِتَسْبِيْحِهِ ، وَتَكْبِيْرِهِ ، وَتَهْلِيْلِهِ۔)) (الصحيحة:٦٥٤)

مراتب سے) بڑی تشویش ہوئی، میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور یہ خواب بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آپ کو اس سے کیوں تعجب ہوا؟ وہ مومن سب سے افضل ہے، جسے اسلام کی زندگی نصیب ہوتی ہے، کیونکہ وہ (اپنی عمر میں)''سُبْحَانَ اللّٰه ، اَلْحَمْدُ لِلّٰه ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کہتا رہتا ہے۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ١/ ١٦٣ ، وعنه الضياء في "المختارة": ١/ ٢٨٣ ، والبزار: ٤/ ٢٢٧/ ٣٥٩٠ ، وابو يعلى: ١/ ٨/ ٦٣٤

شرح:...... غور فرمائیں کہ بنو عذرہ کے تین آدمی مسلمان ہوئے، جو سب سے پہلے شہید ہوا وہ جنت میں ان تینوں میں سب سے پیچھے ہے، اس کے بعد شہید ہونے والا دوسرے نمبر آیا اور سب سے آخر میں طبعی موت مرنے والا جنت میں سب سے آگے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب سے آخر میں فوت ہونے والے نے اپنی زندگی سے استفادہ کیا اور ذکرِ الٰہی سمیت نیک اعمال کئے اور جو سب سے پہلے شہید ہوا اسے اعمالِ صالحہ کرنے کا موقع کم ملا تھا۔

معلوم ہوا کہ مومن کی زندگی کا لمحہ لمحہ قیمتی ہے، اس سے استفادہ کرنا چاہئے۔

سات سات دفعہ جنت کا سوال اور جہنم سے پناہ مانگنی چاہیے

(٣١٥٣)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا اسْتَجَارَ عَبْدٌ مِنَ النَّارِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فِي يَوْمٍ إِلَّا قَالَتِ النَّارُ: يَارَبِّ إِنَّ عَبْدَكَ فُلَانًا قَدِ اسْتَجَارَكَ مِنِّي فَأَجِرْهُ ، وَلَا يَسْأَلُ اللّٰهَ عَبْدٌ الْجَنَّةَ فِي يَوْمٍ سَبْعَ مَرَّاتٍ ، إِلَّا قَالَتِ الْجَنَّةُ: يَارَبِّ! إِنَّ عَبْدَكَ فُلَانًا سَأَلَنِيْ فَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ۔)) (الصحيحة: ٢٥٠٦)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ آگ سے بچنے کے لیے ایک دن میں سات دفعہ پناہ نہیں مانگتا مگر آگ کہتی ہے: اے میرے ربّ! تیرے فلاں بندے نے مجھ سے تیری پناہ طلب کی ہے، تو اسے پناہ دے دے۔ اسی طرح جب آدمی ایک دن میں اللہ تعالی سے سات دفعہ جنت کا سوال کرتا ہے تو جنت کہتی ہے: اے میرے ربّ! تیرے فلاں بندے نے تجھ سے میرا سوال کیا ہے، تو اسے جنت میں داخل کر دے۔''

تخريج: أخرجه أبو يعلى في "مسنده": ٤/ ١٤٧٣ ، والضياء أيضا في "صفة الجنة": ٣/ ٨٩/ ١

شرح:...... ہمیں چاہئے کہ دن میں صبح، شام یا کسی نماز کے بعد ایک وقت کا تعین کر لیں جس میں جہنم سے سات دفعہ اللہ تعالی کی پناہ مانگی جائے اور سات دفعہ جنت کا سوال کیا جائے۔

امام البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: دمشق وغیرہ میں دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ نمازِ فجر کے بعد اجتماعی شکل میں سات دفعہ

باآواز بلند جنت کا سوال کرتے ہیں اور سات دفعہ جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔ اس حدیث پر عمل کرنے کا یہ انداز بے بنیاد ہے، کیونکہ حدیث میں اس قسم کی کوئی قید نہیں لگائی گئی ہے کہ یہ عمل نمازِ فجر کے بعد یا اجتماعی طور پر کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے جس چیز کو مطلق رکھا، ہمیں اس کو مقید کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ جو آدمی اس حدیث پر عمل کرنا چاہتا ہے، وہ دن یا رات کی کسی گھڑی میں قبل از نماز یا بعد از نماز اس ذکر کا اہتمام کرسکتا ہے، اتباع اور اخلاص کا یہی تقاضا ہے۔

رہا مسئلہ درج ذیل حدیث کا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو نمازِ فجر سے فارغ ہو تو کسی سے کلام کیے بغیر سات دفعہ کہہ: اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ، ......'' یہ روایت ضعیف ہے، جیسا کہ میں نے ضعیفہ (۱۶۲۴) میں اس کی تحقیق پیش کی ہے، لہٰذا اس کو حسن قرار دینے والوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے، کیونکہ یہ ان کی خطا ہے۔ (صحیحہ: ۲۵۰۶)

استغفار کی فضیلت

(۳۱۵٤)۔ عَنِ الزُّبَیْرِ بْنِ الْعَوَامِ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ اَحَبَّ اَنْ تَسُرَّہُ صَحِیْفَتُہُ، فَلْیُکْثِرْ فِیْھَا مِنَ الْاِسْتِغْفَارِ۔)) (الصحیحة: ۲۲۹۹)

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کا نامۂ اعمال اسے خوش کرے تو وہ کثرت سے استغفار کیا کرے۔''

تخریج: أخرجه الضياء في "المختارة": ۱/ ۲۹۷، والطبرانی فی "الاوسط"

شــــرح: ...... حقیقی خوشی وہی ہے جو حشر کے میدان میں نامۂ اعمال وصول کرتے وقت ہوگی، اس خوشی میں اضافہ کرنے کے لیے کثرت سے استغفار کا اہتمام کرنا چاہیے۔

آپ ﷺ کا سو سو دفعہ بخشش طلب کرنا

(۳۱۵۵)۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی، قَالَ: جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَنَحْنُ جُلُوْسٌ فَقَالَ: ((مَا اَصْبَحْتُ غَدَاۃً قَطُّ اِلَّا اسْتَغْفَرْتُ اللّٰہَ فِیْھَا مِئَۃَ مَرَّۃٍ۔)) (الصحیحة: ۱۶۰۰)

سیدنا ابو موسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، اس حال میں کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی میں صبح کرتا ہوں، اللہ تعالی سے سو دفعہ بخشش طلب کرتا ہوں۔''

تخریج: رواه العقيلي في "الضعفاء": صـ ٤۱۱، وأبونعيم في "أخبار أصبهان": ۱/ ٦۰

شرح: ...... نبی کریم ﷺ کی عفت و عصمت کسی سے پنہاں نہیں ہے، آپ ﷺ کو ''قَدْ غَفَرَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ'' کا لقب ملا۔ لیکن اس کے باوجود ہر صبح کو سو سو دفعہ اللہ تعالی سے بخشش اور مغفرت کا سوال کرنے والے۔ ہمیں چاہئے کہ رواجی سستی اور کاہلی کو ترک کرکے اپنی آخرت کی فکر کریں۔

اٹھتے ، بیٹھتے اور لیٹتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہونا چاہیے، وگرنہ......

(٣١٥٦)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَاقَعَدَ قَوْمٌ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ ، وَيُصَلُّوْا عَلَى النَّبِيِّ ، اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَاِنْ دَخَلُوْا الْجَنَّةَ لِلثَّوَابِ۔)) (الصحيحة: ٧٦)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں نہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، تو یہ مجلس ان کے لیے قیامت کے روز باعث حسرت ہوگی، اگرچہ وہ (ایمان اور دوسرے اعمال کی بنا پر) جنت میں داخل ہو جائیں۔''

تخريج: رواه أحمد: ٢/ ٤٦٣ ، والنسائى فى "عمل اليوم والليلة": ٤٠٩۔٤١٠ ، وابن حبان فى "صحيحه": ٢٣٢٢۔موارد ، والخطيب فى "الفقيه والمتفقه": ٢٣٧/ ١

(٣١٥٧)۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ ، قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَامِنْ قَوْمٍ اجْتَمَعُوْا فِي مَجْلِسٍ ، فَتَفَرَّقُوْا وَلَمْ يَذْكُرُوْا اللّٰهَ ، اِلَّا كَانَ ذٰلِكَ الْمَجْلِسُ حَسْرَةً عَلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة:٢٥٥٧)

سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی قوم ایسی نہیں جو کسی مجلس میں بیٹھی ہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کئے بغیر منتشر ہوگئی ہو مگر یہ مجلس اس کے لیے قیامت کے روز باعثِ حسرت ہوگی۔''

تخريج: أخرجه الطبرانى فى "الأوسط": مصورة الجامعة الأسلامية: ٤/ ٤٣٤ ، والبيهقى فى "الشعب": ١/ ٤٠٠/ ٥٣٣

(٣١٥٨)۔ عَنِ ابْنِ عَمْرٍو مَرْفُوْعًا: ((مَامِنْ قَوْمٍ جَلَسُوْا مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوْا اللّٰهَ فِيْهِ ، اِلَّارَأَوْهُ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة:٨٠)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں ہے کوئی قوم جو کسی مجلس میں بیٹھی ہو اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کیا ہو مگر وہ اس بیٹھک کو قیامت کے روز حسرت تصور کرے گی۔''

تخريج: أخرجه أحمد: ٢/ ١٢٤

(٣١٥٩)۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَايَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِيْهِ ، اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِثْلِ جِيْفَةِ حِمَارٍ ، وَكَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔)) (الصحيحة: ٧٧)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی قوم کسی ایسی مجلس سے اٹھتی ہے جس میں انھوں نے اللہ کا ذکر نہیں کیا ہوتا تو وہ مردار گدھے جیسی چیز سے اٹھتی ہے اور وہ مجلس قیامت کے روز ان کے لیے حسرت کا باعث ہوگی۔''

تخريج: رواه أبو داود: ٤٨٥٥ ، والنسائى: ٤٠٨ ، والطحاوى: ٢/ ٣٦٧ ، وأبو الشيخ فى "طبقات

الأصبهانيين": ٢٢٩، وابن بشران في "الأمالي": ٣٠/ ٦/ ١ عام ٣٩٢٧، وابن السني: ٤٣٩، والحاكم: ١/ ٤٩٢، وأبو نعيم: ٧/ ٢٠٧، والبيهقي في "الشعب": ١/ ٤٠٣/ ٥٤١، وأحمد: ٢/ ٣٨٩و٥١٥و٥٢٧، وابن حبان: ١/ ٣٩٧/ ٥٨٩

(٣١٦٠)۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ فِيْهِ، كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ، وَمَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَايَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهِ، كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ۔)) (الصحيحة:٧٨)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جوشخص کسی ایسی جگہ بیٹھا جس میں اس نے اللہ کو یاد نہ کیا تو وہ (جگہ اور مجلس) اللہ کی طرف سے اس پر نقصان کا باعث ہوگی اور جوشخص کسی ایسی جگہ لیٹا جس میں اس نے اللہ کو یاد نہ کیا تو وہ اس پر اللہ کی طرف سے نقصان کا باعث ہو گی۔''

تخريج: رواه أبو داود: ٤٨٥٦و٥٠٥٩، والنسائي: ٤٠٣-٤٠٤، والبيهقي في "الشعب": ١/ ٤٠٣/ ٥٤٣، والحميدي في "مسنده": ١١٥٨ الشطر الأول، وابن السني: ٧٤٣ الشطر الثاني

شرح:...... یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کا نتیجہ ہے۔ ہمارے جسم کو لیٹنے، بیٹھنے اور کھڑے ہونے کی صلاحیت حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، جس پر اس نے اپنے ذکر کا مطالبہ کیا۔

(٣١٦١)۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَاجَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا، فَلَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْهِ، اِلَّاكَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً، وَمَا مِنْ رَجُلٍ مَشٰى طَرِيْقًا فَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِلَّاكَانَ عَلَيْهِ تِرَةً، وَمَا مِنْ رَجُلٍ آوٰى اِلٰى فِرَاشِهِ فَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ، اِلَّا كَانَ عَلَيْهِ تِرَةً۔)) (الصحيحة:٧٩)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی قوم ایسی مجلس میں نہیں بیٹھتی جس میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کیا ہو مگر وہ ان پر نقصان کا باعث ہوگا، جو آدمی جو کسی رستے میں چل رہا ہو اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو یہ اس کے لیے باعثِ تکلیف ہوگا اور جو آدمی اپنے بستر پر سونے لگے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے تو یہ اس کے لیے گھبراہٹ کا باعث ہوگا۔''

تخريج: رواه أحمد: ٢/ ٤٣٢، والنسائي: ٤٠٥، وابن السني: ٣٧٥، والحاكم: ١/ ٥٥٠

شرح:...... اللہ تعالیٰ کی تسبیحات، تہلیلات، تکبیرات اور تحمیدات بیان کر کے اس کا ذکر کرنا جہاں باعثِ اجرِ عظیم ہے، وہاں اس سے غفلت برتنا باعثِ حسرت وندامت ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اپنے جسم کی مختلف حالتوں یعنی چلنے، کھڑا ہونے، بیٹھنے اور لیٹنے کے دوران اللہ تعالیٰ کو کسی نہ کسی انداز میں یاد کرتا رہے۔

(٣١٦٢)۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوْا اللّٰهَ فِيْهِ،

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی قوم ایسی مجلس میں نہیں بیٹھی جس میں انھوں نے

وَلَـمْ يُـصَلُّوْا عَلَى نَبِيِّهِمْ ، اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً، فَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ ، وَاِنْ شَاءَ غَفَرَلَهُمْ ـ)) (الصحيحة: ٧٤)

اللہ کو یاد کیا نہ اپنے نبی پر درود بھیجا، مگر وہ ان پر نقصان کا باعث ہوگی، پھر اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انھیں عذاب دے اور اگر چاہے تو انھیں بخش دے۔''

تخريج: أخرجه الترمذي: ٢/ ٢٤٢، واسماعيل القاضي في"فضل الصلاة على النبي ﷺ: ٥٤ ـبتحقيقي، وابـن السنـي فـي"وعـمل اليوم والليلة": ٤٣٣، والطيالسي: ٢٣١١، وأحمد: ٢/ ٤٤٦، ٤٥٣، ٤٨١، ٤٨٤، ٤٩٥، والـطبـرانـي فـي"الـدعـاء": ٣/ ١٦٦٢و١٩٢٣و١٩٢٤و١٩٢٥، والبيهـقـي في "سننـه": ٣/ ٢١٠، وأبونعيم في"الحلية": ٨/ ١٣٠

شــرح:...... یعنی کسی مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرنا یا نبی کریم ﷺ کے لیے رحمت وسلامتی کی دعا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ اس غفلت کو معاف کردے یا اس کی وجہ سے مؤاخذہ کرے۔

امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے،اس دلالت کی درج ذیل وجوہات ہیں:

(**اولا**) ''پھر اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انھیں عذاب دے اور اگر چاہے تو انھیں بخش دے۔'' یہ جملہ اس وقت کہا جا سکتا ہے، جب واجب کو ترک کیا گیا ہو اور اس کا ترک کرنا معصیت ہو۔

(**ثانیا**) ''اگر چہ وہ (دوسرے اعمال کے) اجر وثواب کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جائیں۔'' سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور آپ ﷺ پر درود نہیں بھیجے گا، وہ جہنم میں داخل ہونے کا حقدار ہوگا، اگر چہ یہ ممکن ہے کہ اس کے ایمان کے اجر وثواب کے صلے میں اسے جنت میں داخل کر دیا جائے۔

(**ثالثا**) ''تو وہ مردار گدھے جیسی چیز سے اٹھتے ہیں'' یہ تشبیہ تقاضا کرتی ہے کہ ان کا عمل قبیح ہے اور یہ تشبیہ اسی چیز سے متعلقہ ہو سکتی ہے، جو حرام ہو۔

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ متنبہ رہے اور ہر مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے اور آپ ﷺ پر درود بھیجنے سے غافل نہ ہو جائے، وگرنہ یہ غفلت اس کے لیے نقصان اور حسرت کا باعث بنے گی۔

مناوی نے (فیـض الـقـدیـر) میں کہا: اس سے مجلس سے کھڑے ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے اور آپ ﷺ پر درود بھیجنے کی تاکید پیدا ہوتی ہے، اس ذکر و درود کے لیے کوئی الفاظ کہے جا سکتے ہیں، ذکر کی کامل ترین صورت دعائے کفارۂ مجلس ہوگی:

((سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ـ))

''اور درود بھیجنے کے لیے تشہد والا درود پڑھا جائے۔'' (صحيحه : ٨٠)

عورتوں کو سلام کہنا

(٣١٦٣)۔ عَنْ جَرِيْرٍ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى نِسْوَةٍ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِنَّ۔))

(الصحيحة: ٢١٣٩)

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عورتوں کے پاس سے گزرے اور انھیں سلام کہا۔

تخريج: أخرجه أحمد: ٤/ ٣٥٧، ٣٦٣، وابن السني في "عمل اليوم" ٢٢١، والطبراني في "الكبير": ١١٨/ ١

شرح:...... معلوم ہوا کہ عورتوں کو بھی سلام کہنا چاہئے، یہ صرف مردوں کی خاصیت نہیں ہے۔

نماز کے قیام کے دوران دعا کرنا درست ہے

(٣١٦٤)۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَسْجِدَ وَهُوَ بَيْنَ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ، وَإِذَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ يُصَلِّيْ، وَإِذَا هُوَ يَقْرَأُ (النِّسَاءَ)، فَانْتَهٰى إِلٰى رَأْسِ الْمِئَةِ، فَجَعَلَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَدْعُوْ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((اِسْأَلْ تُعْطَهْ، اِسْأَلْ تُعْطَهْ۔)) ثُمَّ قَالَ: ((مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَقْرَءَ الْقُرْآنَ غَضًّا كَمَا أُنْزِلَ، فَلْيَقْرَأْهُ عَلٰى قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ۔)) فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا إِلَيْهِ أَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لِيُبَشِّرَهُ، وَقَالَ لَهُ: مَاسَأَلْتَ اللّٰهَ الْبَارِحَةَ؟ قَالَ: قُلْتُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ إِيْمَانًا لَا يَرْتَدُّ، وَنَعِيْمًا لَا يَنْفَدُ، وَمُرَافَقَةَ مُحَمَّدٍ فِيْ أَعْلٰى جَنَّةِ الْخُلْدِ، ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقِيْلَ لَهُ: إِنَّ أَبَابَكْرٍ قَدْ سَبَقَ۔ قَالَ: يَرْحَمُ اللّٰهُ أَبَابَكْرٍ مَاسَبَقْتُهُ إِلٰى خَيْرٍ قَطُّ إِلَّا سَبَقَنِيْ إِلَيْهِ۔

(الصحيحة: ٢٣٠١)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، جبکہ آپ ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان تھے، (آپ ﷺ کیا دیکھتے ہیں کہ) ابن مسعود نماز پڑھ رہا تھا، وہ سورۂ نساء کی تلاوت کر رہا تھا، سو (١٠٠) آیت کی تلاوت کے بعد وہ نماز میں ہی قیام کی حالت میں دعا کرنے لگا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سوال کر، تجھے دیا جائے گا، سوال کر، تجھے دیا جائے گا۔'' پھر فرمایا: ''جو چاہتا ہے کہ وہ قرآنِ مجید کو تروتازہ پڑھے، جیسے وہ نازل ہوا، تو ابن ام عبد (یعنی ابن مسعود) کی قرائت پر پڑھے، جب صبح ہوئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، ابن مسعود کو خوشخبری دینے کے لیے گئے اور ان سے پوچھا کہ آپ نے گزشتہ رات کو کون سی دعا کی تھی؟ انھوں نے کہا: میں نے یہ دعا کی تھی: اے اللہ! میں تجھ سے ارتداد سے پاک ایمان، ختم نہ ہونے والی نعمت اور ہمیشہ والی جنت کے اعلی مقام میں محمد (ﷺ) کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بشارت دینے کے لیے آئے تو انھیں بتلایا گیا کہ ابوبکر آپ سے سبقت لے چکے ہیں۔ یہ سن کر انھوں نے کہا: اللہ ابوبکر پر رحم فرمائے، میں جب بھی ان سے خیر و بھلائی میں مقابلہ کرتا ہوں تو وہ مجھ سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔''

تخريـج: أخرجه ابن ماجه :١٣٨، وأحمد:١/ ٧، ٤٤٥، ٤٥٤

شـرح:...... معلوم ہوا کہ نماز میں قیام کے دوران دعا مانگی جاسکتی ہے، نیز سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کی افضلیت اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت کا بیان ہے۔

بسم اللہ کی برکت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

(٣١٦٥)۔ عَـنْ ثَـوْبَـانَ مَـوْلٰـى رَسُـوْلِ اللّٰه ﷺ، قَـالَ: نَـزَلَ بِـنَا ضَيْفٌ بَدَوِيٌّ، فَـجَـلَـسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَـامَ بُيُـوْتِهِ، فَـجَـعَـلَ يَسْـاَلُـهُ عَنِ النَّـاسِ كَيْفَ هُمُ بِـالْإِسْلَامِ؟ وَكَيْفَ حَدْبُهُمْ عَلَى الصَّلَاةِ؟ فَمَا زَالَ يُخْبِرُهُ مِنْ ذٰلِكَ بِالَّذِيْ يَسُرُّهُ حَتّٰى رَاَيْـتُ وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰه ﷺ نَـضِرًا۔ فَلَمَّا انْتَصَفَ النَّهَارُ، وَحَانَ اَكْلُ الطَّعَامِ دَعَانِيْ مُسْتَـخْـفِيـاً لَا يَأْلُوْ: اَنِ ائْتِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰـهُ عَـنْهَـا فَاَخْبِرْهَا اَنَّ لِرَسُوْلِ اللّٰه ﷺ ضَيْفًا، فَقَالَتْ: وَالَّذِيْ بَعَثَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْـحَـقِّ مَااَصْبَحَ فِيْ يَدِيْ شَيْءٌ يَاْكُلُهُ اَحَدٌ مِّـنَ الـنَّـاسِ، فَـرَدَّنِيْ اِلٰى نِسَائِهِ، كُلُّهِنَّ يَعْتَذِرْنَ بِمَا اعْتَذَرَتْ بِهِ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَـنْهَـا، فَـرَاَيْـتُ لَوْنَ رَسُوْلِ اللّٰـهِ ﷺ خَسَفَ، فَـقَـالَ الْـبَـدْوِيُّ: اِنَّـا اَهْلُ الْبَادِيَةِ مَـعَـانُـوْنَ عَـلٰـى زَمَـانِنَـا، لَسْنَـا بِـاَهْلِ الْـحَـاضِرِ، فَاِنَّما يَكْفِيْ الْقَبْضَةُ مِنَ التَّمْرِ يُشْـرَبُ عَـلَيْهَـا مِنَ اللَّبَنِ وَالْمَاءِ، فَذٰلِكَ الْـخَـصَـبُ! فَـمَرَّتْ عِنْدَ ذٰلِكَ عَنْزٌ لَنَا قَدْ احْتُـلِبَـتْ، كُنَّا نُسَمِّيْهَا (ثَمرثَمر)، فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِاسْمِهَا(ثَمر ثَمر) فَاَقْبَلَتْ

مولائے رسول سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک بدوی مہمان آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھروں کے سامنے بیٹھ گئے اور اس سے سوال کرنے لگے کہ لوگ قبولیتِ اسلام پر کس قدر خوش ہیں؟ نماز کا کتنا اہتمام کرتے ہیں؟ جوابًا وہ آدمی خوشکن معروضات ذکر کرتا رہا یہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ بارونق اور تروتازہ نظر آنے لگا۔ جب نصف دن گزر گیا اور کھانے کا وقت ہو گیا تو چپکے سے مجھے بلا کر فرمایا اور کوئی کوتاہی نہیں کی: ”عائشہ کے پاس جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کے بارے میں بتلاؤ (تاکہ وہ کھانا بھیجیں)۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میرے پاس کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ (میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا اور حقیقتِ حال سے آگاہ کیا۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمام بیویوں کے پاس بھیجا لیکن ہر ایک نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والا عذر پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ ماند پڑ گیا۔“ بدوی نے کہا: ہم جنگل میں بسنے والے اور سختیاں جھیلنے والے ہیں، ہم شہری نہیں ہیں، بس ایک لپ کھجوریں کافی ہیں اور ان کے بعد پانی اور دودھ مل جائے، اسی کو ہم فراخی و خوشحالی کہتے ہیں۔ اتنے میں ہماری ایک بکری، جسے ہم ”ثمر ثمر“ کہہ کر پکارتے تھے، گزری اور وہ دوہی جا چکی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ”ثمر ثمر“ کہہ کر بلایا، وہ ممیاتی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

اِلَيْـهِ تَحَمْحَمُ ، فَاَخَذَ بِرِجْلِهَا بِاسْمِ اللّٰهِ ، ثُمَّ اعْتَقَلَهَا بِاسْمِ اللّٰهِ ، ثُمَّ مَسَحَ سُرَّتَهَا بِاسْمِ اللّٰهِ ، فَحَفَلَتْ (اَلْاَصْلُ: فَحُطَّتْ) فَدَعَانِيْ بِمِحْلَبٍ ، فَاَتَيْتُهُ بِهِ ، فَحَلَبَ بِاسْمِ اللّٰهِ ، فَمَلَأَهُ فَدَفَعَهُ اِلَى الضَّيْفِ ، فَشَرِبَ مِنْهُ شُرْبَةً ضَخْمَةً ، ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يَّضَعَهُ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((عُلَّ۔)) ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يَّضَعَهُ ، فَقَالَ لَهُ: ((عُلَّ۔)) فَكَرَّرَهُ عَلَيْهِ ، حَتّٰى امْتَلأَ وَشَرِبَ مَاشَاءَ ، ثُمَّ حَلَبَ بِاسْمِ اللّٰهِ وَمَلَأَهُ وَقَالَ: ((اَبْلِغْ عَائِشَةَ هٰذَا۔)) فَشَرِبَتْ مِنْهُ مَا بَدَا لَهَا ، ثُمَّ رَجَعْتُ اِلَيْهِ ، فَحَلَبَ فِيْهِ بِاسْمِ اللّٰهِ ، ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ بِهِ اِلٰى نِسَائِهِ۔ كُلَّمَا شَرِبَ مِنْهُ رَدَدْتُهُ اِلَيْهِ ، فَحَلَبَ بِاسْمِ اللّٰهِ فَمَلَأَ ، ثُمَّ قَالَ: ((اِدْفَعْهُ اِلَى الضَّيْفِ۔)) فَدَفَعْتُهُ اِلَيْهِ قَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ ، فَشَرِبَ مِنْهُ مَاشَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ اَعْطَانِيْ ، فَلَمْ آلُ اَنْ اَضَعَ شَفَتَيَّ عَلٰى دَرْجِ شَفَتِهِ ، فَشَرِبْتُ شَرَاباً اَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ ، وَاَطْيَبَ مِنَ الْمِسْكِ ، ثُمَّ قَالَ: ((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاَهْلِهَا فِيْهَا۔))

(الصحيحة:١٩٧٧)

نے بسم اللہ پڑھ کر اس کی ٹانگ پکڑی، بسم اللہ پڑھ کر اسے باندھا، پھر بسم اللہ پڑھ کر اس کے ناف کو چھوا، بکری کے تھنوں میں (از سرِ نو) دودھ جمع ہو گیا۔ آپ ﷺ نے مجھے برتن سمیت بلایا، میں برتن لے کر آیا، آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر دودھ دوہا، برتن بھر گیا، مہمان کو پکڑایا، اس نے خوب سیر ہو کر پیا۔ جب اس نے برتن رکھنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اور پیو۔'' پھر اس نے برتن رکھنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور پیو۔'' آپ ﷺ نے اسے بار بار ایسے ہی فرمایا۔ یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گیا اور جتنا چاہا پیا، پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر دودھ دوہا اور فرمایا: ''عائشہ کو دے آؤ۔'' انھوں نے جتنا مناسب سمجھا پیا۔ میں آپ ﷺ کی طرف لوٹا، آپ ﷺ نے پھر بسم اللہ پڑھ کر دودھ دوہنا اور مجھے اپنی بیویوں کے پاس بھیجنا شروع کر دیا، جب بھی وہ پی لیتیں تو میں آپ ﷺ کے پاس واپس آ جاتا اور آپ ﷺ بسم اللہ پڑھ کر دودھ دوہتے۔ (جب امہات المؤمنین سے فراغت ہوئی تو) آپ ﷺ نے فرمایا: ''مہمان کو دو۔'' میں نے اسے دیا، اس نے بسم اللہ پڑھ کر اپنی چاہت کے مطابق پیا، پھر آپ ﷺ نے (خود پینے کے بعد) مجھے دیا، جہاں آپ ﷺ نے اپنے ہونٹ رکھے، میں نے بھی اپنے ہونٹ بالکل وہیں رکھے اور شہد سے میٹھا اور کستوری سے زیادہ مہک دار مشروب پیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! اس بکری والوں کے لیے اس میں برکت فرما۔''

تخریج: أخرجه بحشل في "تاريخ واسط": صـ ٢٧ـ ٢٩ مصورة المكتب

شرح: ...... اس حدیث کے ترجمہ سے ہی کئی اسباق حاصل ہو رہے ہیں۔

شیطان سے پناہ مانگی جائے، اس کو گالیاں نہ دی جائیں

(٣١٦٦)۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: ((لَاتَسُبُّوْا الشَّيْطَانَ، وَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِ۔)) (الصحيحة:٢٤٢٢)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم شیطان کو برا بھلا مت کہو، بس اس کے شرّ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔''

تخريج: رواه أبو طاهر المخلص:٩/ ١٩٦/ ٢، وعنه الديلمي:٤/ ١٤٨، وتمام في "فوائده":١٢٢/ ١، وأبو عبدالله الغضائري في "أحاديثه":٢٠٤/ ٢

شرح:...... شیطان مسلمان کا سب سے بڑا دشمن ہے، جس کی کاوش وکوشش یہ ہے کہ مومن کو دنیا وآخرت دونوں جہانوں میں ناکام ونامراد بدبختوں کی صفوں میں کھڑا کیا جائے۔

لیکن شریعت کا مزاج دیکھیں کہ ایسے دشمن پر بھی سب وشتم کرنے منع کیا گیا، کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ مومن کے لیے فحش گوئی اور بدگوئی ناپسند کی گئی ہے، اگرچہ اس کا مصداق شیطان ہو۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ایسے دشمن سے پناہ مانگی جائے۔

بعض لوگوں کا میدانِ حشر میں امتحان اور ایک حکمِ الٰہی سے روگردانی کرنے کا وبال

(٣١٦٧)۔ قَالَ ﷺ: ((يُؤْتَى بِأَرْبَعَةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: بِالْمَوْلُوْدِ، وَبِالْمَعْتُوْهِ، وَبِمَنْ مَاتَ فِي الْفَتْرَةِ، وَالشَّيْخِ الْفَانِيْ، كُلُّهُمْ يَتَكَلَّمُ بِحُجَّتِهِ، فَيَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِعُنُقٍ مِنَ النَّارِ: اَبْرِزْ، فَيَقُوْلُ لَهُمْ: إِنِّيْ كُنْتُ اَبْعَثُ إِلَى عِبَادِيْ رُسُلًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ، وَإِنِّي رَسُوْلُ نَفْسِيْ إِلَيْكُمْ، أُدْخُلُوْا هٰذِهِ فَيَقُوْلُ مَنْ كُتِبَ عَلَيْهِ الشَّقَاءُ: يَارَبِّ! أَيْنَ نَدْخُلُهَا وَمِنْهَا كُنَّا نَفِرُّ؟ قَالَ: وَمَنْ كُتِبَ عَلَيْهِ السَّعَادَةُ يَمْضِيْ فَيَقْتَحِمُ فِيْهَا مُسْرِعًا، قَالَ: فَيَقُوْلُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنْتُمْ لِرُسُلِيْ أَشَدُّ تَكْذِيْبًا وَمَعْصِيَةً، فَيَدْخُلُ هٰؤُلَاءِ الْجَنَّةَ، وَهٰؤُلَاءِ النَّارَ۔))

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روزِ قیامت اِن چار افراد کو لایا جائے گا: بچہ، مجنون، دو رسولوں کے درمیانی وقفے میں مرنے والا اور بہت بوڑھا۔ ان میں سے ہر کوئی اپنی اپنی دلیلیں پیش کرے گا، اللہ تعالیٰ آگ کی گردن (یعنی لپٹ) سے فرمائے گا: نمایاں ہو، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں اپنے بندوں میں سے ان کی طرف رسول بھیجتا رہا اور اب میں اپنا قاصد خود ہوں اور کہتا ہوں کہ (اب سب کے سب) اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ بدبخت لوگ کہیں گے: اے ہمارے ربّ! ہم اس میں کیسے داخل ہوں، ہم تو اس سے دور بھاگتے تھے؟ سعادت مند لوگ (اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے) چل پڑیں گے اور اس میں جلدی جلدی اور زبردستی گھسیں گے۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم (آگ میں داخل نہ ہونے والے بدبخت) لوگ میرے رسولوں کو جھٹلانے اور اس کی

رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَاَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، وَمَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَالْاَسْوَدِ بْنِ سَرِيْعٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ۔ (الصحيحة:٢٤٦٨)

نافرمانی کرنے میں بڑے دلیر ہوتے۔ اب یہ جنت میں داخل ہوں گے اور یہ آگ میں۔'' یہ حدیث سیدنا انس بن مالک، سیدنا ابوسعید خدری، سیدنا معاذ بن جبل، سیدنا اسود بن سریع اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

تخريج: (١)۔أما حديث أنس: أخرجه أبو يعلى: ٣/ ١٠٤٤۔١٠٤٥، والبزار:ص٢٣٢۔ ٢٣٣۔ زوائده،

(٢)۔أما حديث أبى سعيد الخدرى: أخرجه البغوى فى"حديث ابن الجعد": ق٩٤/ ١، والبزار أيضا

(٣)۔وأماحديث معاذ: رواه الطبرانى فى"الأوسط": و"الكبير":

(٤)و(٥)۔وأما حديث الأسود وأبى هريرة: سبق تخريجهما برقم: ١٤٣٤

اس حدیث میں اس شخص کو متنبہ کیا گیا ہے، جس کو اللہ تعالی نے قوتِ سماعت عطا کر رکھی ہو، عقل مند ہو، رسول کا پیغام وصول کر چکا ہو اور سمجھنے کی اہلیت بھی رکھتا ہو، ایسے شخص کی سابقہ زندگی کی روشنی میں روزِ قیامت فیصلہ کیا جائے گا اور اس سے دوبارہ امتحان نہیں لیا جائے گا۔

حدیث مبارکہ اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ جب بچہ، مجنون، انتہائی عمر رسیدہ اور فترہ میں مرنے والا حشر کے میدان میں اللہ تعالی کے سامنے اپنا عذر پیش کریں گے تو اللہ تعالی ان کا عذر قبول کرے گا اور وہیں ان کا دوبارہ امتحان لے گا۔

اس حدیث میں بچے کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اس سے مراد مشرکوں کے بچے ہیں، کیونکہ بالاتفاق مسلمانوں کی بچے جنت میں داخل ہوں گے۔

حکمِ نبوی کی پیروی کی مثال

(٣١٦٨)۔ عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ ثَعْلَبَةَ: اَنَّهُ اَتَى النَّبِيَّ و وَعَلَيْهِ حُلَّتَان مِنْ حُلَلِ الْيَمَنِ، فَقَالَ: ((يَا ضَمْرَةُ! اَتَرٰى ثَوْبَيْكَ مُدْخِلَيْكَ الْجَنَّةَ؟)) فَقَالَ: لَئِنِ اسْتَغْفَرْتَ لِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَا اَقْعُدُ حَتّٰى اَنْزَعَهُمَا عَنِّي۔ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِضَمْرَةَ بْنِ ثَعْلَبَةَ۔)) فَانْطَلَقَ سَرِيْعًا حَتّٰى نَزَعَهُمَا عَنْهُ۔ (الصحيحة: ٣٠١٨)

سیدنا ضمرہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں دو یمنی عمدہ پوشاکیں پہن کر نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ضمرہ! تیرا کیا خیال ہے کہ یہ کپڑے تجھے جنت میں داخل کرنے والے ہیں؟'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ میرے لیے بخشش طلب کریں تو بیٹھنے سے پہلے اتار دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! ضمرہ بن ثعلبہ کو بخش دے۔'' (یہ دعا سنتے ہی) اس نے جلدی سے کپڑے اتار دیے۔

تـخـريـــج: أخرجه البخاري في "التاريخ" ٤/ ٣٣٦- ٣٣٧، وأحمد: ٤/ ٣٣٨- ٣٣٩، والبزار: ٣/ ٢٧٥/ ٢٧٤٠، والطبراني في "المعجم الكبير" ٨/ ٣٦٠/ ٨١٥٨

شرح:...... ممکن ہے کہ ان پوشاکوں میں ریشم ہو یا وہ اتنی عمدہ ہوں کہ ان کی بنا پر پہننے والے کے بارے میں یہ خطرہ ہو کہ وہ فخر اور ریا کاری میں مبتلا ہو جائے گا۔

❀❀❀❀